ہارُون الرّشید

عبد الجبّار الجومرد

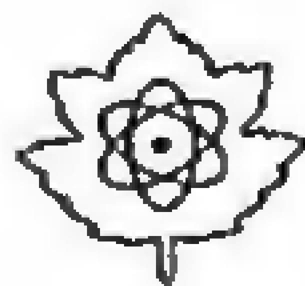
رئیس احمد جعفری

ہارون الرشید

(تاریخی، اجتماعی اور سیاسی جائزہ)

ڈاکٹر عبدالجبار الجومرد

سیّد رئیس احمد جعفری



اردو سائنس بورڈ

299 - اپر مال، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر 45

نگران : خالد اقبال یاسر

اہتمام طباعت : زبیر وحید

تزئین : طارق جاوید

مطبع : عدن پرنٹرز، شاہ زیب مارکیٹ، کوپر روڈ، لاہور

ناشر : اردو سائنس بورڈ، 299- اپر مال، لاہور

فون:5758475 فیکس:5754281

e-mail : info@urduscienceboard.com

Website:www.urduscienceboard.com

طبع سوم : 2004ء

قیمت : -/450روپے

فہرست

صفحہ

حصۂ سوم

حصۂ چهارم

صفحہ

صفحہ

صفحہ

ہارون رشید

آزادانہ اور خود مختارانہ حکومت کا دور

صفحہ

صفحہ

تتمہ

کہنے والوں نے کہا

★ ہارون رشید ۲۲ سال کی عمر میں مسند نشین خلافت ہؤا ، وہ زندگی کی ۴۵ بہاریں دیکھ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ (الجہشیاری)

★ خلفاء بنو عباس میں ہارون رشید کو رعایا کے احوال و کوائف جاننے کی چپکے چپکے بڑی جستجو رہتی تھی ، رعایا پر وہ حد سے زیادہ مہربان اور سراپا لطف و کرم تھا ، امور و معاملات کے سلسلے میں اس کی پالیسی حزم و احتیاط پر مبنی تھی ۔ (الجاحظ)

★ ہارون نے روم پر سات مرتبہ چڑھائی کی اور بری و بحری جنگ کے لیے بیس حملوں کا سر و سامان مہیا کیا ۔ (الطبری)

★ اپنے عہد خلافت میں ہارون نے نو مرتبہ فریضہ حج ادا کیا ۔ وہ ہر روز سو رکعتیں پڑھا کرتا تھا ۔ (ابن خلکان)

★ ہارون رشید بے انتہا دلکش چہرے مہرے کا انسان تھا ، سراپا غیرت و حیا تھا اور موعظہ حسنہ کے مواقع پر ، گریہ وافر سے مجبور ہوجانے والا شخص تھا ۔ (الطقطقی)

★ ہارون رشید علم کا پرستار ، علم کا جویا ، علما کی مجلسوں کا شائق اور انہیں زیادہ سے زیادہ تقرب بخشنے والا شخص تھا اور علما کے سامنے تواضع سے پیش آنے والا تھا ۔ (ابن عبد ربہ)

★ اچھے شعر ہارون رشید کی نوک زبان تھے ، سخن سنج بھی تھا اور سخن فہم بھی اور شعر و شاعری کا نقاد بھی ، شعر و سخن کے نقد و فہم میں شعرا سے بحثیں بھی کیا کرتا تھا - (الاصمعی)

★ تمام خلفا میں سب سے زیادہ قیمتی انعامات دینے والا تھا ، مانگنے پر بھی اور بن مانگے بھی - (خطیب بغدادی)

★ ہارون رشید منکر سے اجتناب کرتا تھا ، حرام سے دور رہتا تھا ، اور حلال سے پورے طور پر لطف اندوز ہوتا تھا - (ابن خلدون)

★ ہارون رشید پس پردہ بیٹھ کر نغمہ و موسیقی سے لذت آشنا ہوتا تھا ، نبیذ[1] کا استعمال کرتا تھا ، لیکن وہی نبیذ ، فقہاء عراق نے جس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تھا ! (ابن قتیبہ)

---

۱ - ایک ایسا مشروب جو سرور کی کیفیت پیدا کرتا تھا ، نہ کہ نشے کی - (مترجم)

کلمۂ آغاز

خلیفہ ہارون رشید کا نام چار دانگ عالم میں بالخصوص عالم اسلام اور دنیائے عرب میں گونج رہا ہے ۔ وہ لازوال شہرت کا مالک ہے ۔ غیر قوموں نے اس کے احوال ، سوانح ، وقائع اور کارنامے، معرکے اور جنگ و پیکار کے افسانوں کا اپنی اپنی زبانوں میں ذوق وشوق کے ساتھ ترجمہ کیا ہے ۔

ہارون رشید کی اس شہرت کے اسباب کا اگر جائزہ لیا جائے تو ماننا پڑے گا بہت سے تھے، مثلاً :

ہارون رشید کے عہد میں اور اس کے زیر سایہ جو ثقافت و حضارت پروان چڑھی ، وہ اپنے اندر ایک خاص دل کشی اور رعنائی رکھتی تھی ۔ اپنے جود وکرم سے اس نے اس ثقافت کی نشو و نما کی ، اور اپنے بذل و عطا سے اسے تغذیہ بہم پہنچایا ، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ثقافت و حضارت بہت جلد پھلی پھولی اور بارآور ہوئی ، علمی اعتبار سے بھی ، ادبی نقطۂ نظر سے بھی ، فنی لحاظ سے بھی اور ثروت کے پہلو سے بھی ۔

ہارون رشید کے عہد میں وہ حوادث اور واقعات رونما ہوئے جو اپنے پیچھے ایسی صدائے بازگشت چھوڑ گئے جن کو آج بھی تاریخ کے کانوں سے سنا جا سکتا ہے ۔

ادیبوں ، شاعروں ، اور دانشوروں نے ان اسباب کو بیان کرتے ہوئے ایوان و تصور کی سراپا تنعم زندگی ، وزراء حکومت ، اعیان دولت ، اور اشراف و امراء کی بے غل و غش زندگی ، زر پاشی اور سخاوت کو بھی پیش نظر رکھا ہے ۔

عہد ہارون رشید کی خاص چیز ، جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ، اس کا پایۂ تخت بغداد ہے ،——بغداد جو ہارون رشید کی

ساری زندگی میں عروس البلاد بنا رہا، وہاں کے عیش و نعم کی داستانیں، وہاں کی پر تکلف زندگی، اور وہاں کی سادہ و رنگین حکایات اپنا ایک مستقل مقام رکھتی ہیں۔

اس عظیم ہستی کے احوال و اخبار کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ بظاہر ان میں تناقض بھی ہے، تباین بھی، اور اختلاف بھی۔ اس ملغوبے کو سامنے رکھ کر اس کی سیرت و شخصیت کی صحیح مرقع آرائی ایک کٹھن کام بن جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اگر وہ بیدار مغز اور احتیاط کیش تھا تو ساتھ ہی ساتھ تنعم پسند اور عیش و عشرت کا عادی بھی۔ جہاں تدبیر و اصلاح اس کی سرشت تھی، وہاں درشتی اور اسراف بھی اس کا خمیر تھا۔ صاحب ورع و تقوی بھی تھا، لیکن لذائذ و متعات حیات کا عادی اور سکر و مستی کا آشنا بھی۔ رقیق القلب اتنا کہ تذکیر و موعظت کے مواقع پر روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی، اور سنگ دل و سفاک ایسا، اور ظالم و مستبد اتنا کہ خون ناحق کے چھینٹوں سے اپنا دامن بھی داغ دار کر لیا۔

ہارون رشید کی یہ تصویر جو نظر کے سامنے آتی ہے اس کے عوامل غیر محدود ہیں اور رجحانات و میلانات گو ناگوں۔ کہیں حقائق کو توڑ مروڑ کر اس پر چسپاں کر دیا گیا ہے، کہیں اس کی سیرت کو داغ دار بنانے کے لیے افسانہ طرازیاں کی گئی ہیں، اس طرح اس کی شخصیت ایک ایسا مرقع بن گئی ہے جس کے ارد گرد عجائب و غرائب کی کثرت نظر آتی ہے۔ 'الف لیلہ و لیلہ' کے مصنفین نے تو یہ کام اور زیادہ خوبی کے ساتھ کیا ہے کہ اس کی زندگی افسانوں اور کہانیوں میں گم کر دی ہے۔ دوسرے کرم فرماؤں نے بھی بالارادہ یا بلاارادہ زیادہ تر یہی کچھ کیا ہے۔ غیر عرب لکھنے والوں نے از راہ تعصب اس کی تصویر مسخ کرنے اور اس کے خد و خال بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، اس جماعت میں شعوبیت سے متاثر وقائع نگاروں نے زیادہ شدید حملے کیے ہیں اور شعوبیت وہ متعصبانہ جذبہ تھا جس نے زیادہ تر

مورخین کو اندھا کر دیا۔ جنھوں نے محض اس جرم میں مختلف جہات سے اس پر شدید حملے کیے ہیں کہ وہ اپنی عرب قومیت پر نازاں تھا۔ وہ عرب سیادت کی بالا دستی قائم رکھنے کے لیے سرگرمی سے ساعی تھا، اور اگر اس نے ہوش مندی سے کام لے کر سازشوں اور فریب کاریوں کو روند نہ ڈالا ہوتا تو یقیناً اسے انجام بد سے دو چار ہونا پڑتا۔

اگر ہم یہ کہیں تو صرف اظہار واقعہ ہوگا کہ بڑے تاریخی آدمیوں اور سر برآوردہ ہستیوں میں سے شاید کسی کو اس دیدہ دلیری سے کذب و افترا اور بہتان کا ہدف نہ بنایا گیا ہوگا جس طرح ہارون رشید کو بنایا گیا۔ ہم نے اس کی سیرت و شخصیت کے دوران مطالعہ میں ان سب باتوں کو کریدا اور کھنگالا ہے ——— جیسا کہ آگے چل کر قارئین کرام معلوم کر لیں گے ——— اور اپنے مقدور بھر تحقیق و تفتیش میں کوئی کمی نہیں کی ہے، ہم نے دیکھا کہ اس سلسلے میں حقائق کو کس طرح مسخ کیا گیا، اس موضوع سے متعلق کتب و اشعار کا مطالعہ ہمارے دعوے کا شاہد عادل ہے۔

ہم نے واقعات چنے، انھیں پرکھا، زائد اور دخیل کو الگ کرنے کے بعد ایک دوسرے میں اگر ربط ممکن تھا تو وہ دیا تاکہ اپنے ہیرو ——— ہارون رشید ——— کی صورت گری اس طرح کریں کہ صحیح نقش و نگار کے ساتھ اس کا مرقع نظر کے سامنے آ جائے اور اس کی خلافت، اور اس کے عہد کا کوئی اہم گوشہ تشنہ نہ رہنے پائے۔ ولادت سے لے کر وفات تک کے صحیح احوال اور واقعات نظر سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔

درحقیقت یہ تاریخ کی ایک طرح سے مہمت ہے۔ یہ ایک دلچسپ تاریخ کا قابل مطالعہ حصہ ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ انتہائی پر خطر دور تھا، اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ صنف لطیف کی کار فرمائیوں اور اقتدار و اختیار، اور نفوذ و تسلط کے بھی بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

یہی وہ دور ہے جب دو قومیتوں ——— عربیت اور فارسیت ——— میں ایسی کشمکش ہوئی جس کی نظیر، فتوحات اسلامی کے عہد آغاز سے لے کر اب تک کہیں نہیں ملتی۔

اور چونکہ ماضی کا رشتہ حال سے لازمی طور پر بہت گہرا اور مضبوط ہوتا ہے پس ہارون رشید نے جس راستے پر رہروی کی اور جس میدان میں جولانی دکھائی، وہ ہمارے عہد ماضی کا ایک اٹوٹ سلسلہ ہے۔ جس میں عبرت بھی ہے اور سبق بھی پنہاں ہیں۔ اس میں سازشیں بھی ہیں، اور بغاوتیں بھی، خطرات بھی، اور حوادث بھی۔ کہیں یہ فرحت آگیں اور مسرت بخش ہیں تو کہیں حزن و الم، اور رنج و غم کے آئینہ دار۔ ہم مبالغہ آرائی اور ادعا کا شکار ہونا نہیں چاہتے اور ہم نے اس سلسلے میں جو حقیر کوششیں انجام دی ہیں ان کا درجہ ادائے واجب سے زیادہ نہیں۔

عرب کی تاریخ وسیع تر مطالعہ و تحقیق چاہتی ہے تاکہ لوگ نہ اس میں تحریف کر سکیں اور نہ اس کو اپنی خفگی و کینہ کا ذریعہ بنا سکیں۔ ایسی تاریخ کی ضرورت ہے جو عرب قومیت کی صحیح بنیاد و اساس کا کام دے سکے جس کی ہارون رشید کی موت کے بعد سے اب تک مسلسل اور متواتر صورت چلی آ رہی ہے۔

تقدیم و تمہید

ہاشم و امیّہ[1]

پانچویں صدی عسیوی کے آخر میں سردار مکہ، اور قریش کے زعیم کبیر عبد مناف بن قصی کا انتقال ہو گیا۔

عبد مناف نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے ؛ ہاشم ، عبد شمس ، نوفل اور مطلّب !

خاندان کی قیادت ہاشم کے حصے میں آئی کہ سن و سال میں سب سے بڑے تھے۔ اثناء موسم حج میں جو دینی خدمتیں ان کے جد امجد انجام دیتے تھے وہ بھی انھی کے حصے میں آئیں ، مثلاً سقایہ،[2] اور رفادہ[3]۔[4]

---

۱ ۔ اس باب میں ہم ان اہم حوادث کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں جو عہد ہارون رشید سے پہلے رونما ہوئے ، لیکن تاریخ پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئے۔ یہ معلومات ہم نے قدیم ترین ماخذوں سے حاصل کیے ہیں۔

۲ ۔ پانی پلانا۔

۳ ۔ لنگر۔

۴ ۔ قصی بن کلاب جب بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے اور تولیت سے متعلق امور کعبہ کو انجام دینے پر قادر نہ رہے تو کلید کعبہ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو عطا کی ، ساتھ ہی ساتھ سقایہ ، رفادہ، جنگ کے موقع پر جھنڈا لے کر چلنے کی خدمت بھی سونپی۔ رفادہ ایک طرح کا ٹیکس تھا جو قریش اپنے اموال میں سے نکال کر ہر سال قصی کو دیتے تھے تاکہ اس رقم سے موسم حج میں لنگر خانہ قائم کریں ، اور حج کے لیے باہر سے آنے والے مفلوک الحال لوگوں کو مفت کھانا کھلائیں۔

عبدمناف ، عبدالدار کے چھوٹے بھائی تھے ، کم سنی کے باعث باپ کی خدمات میں سے کوئی خدمت نہیں حاصل کر سکے ، عبد مناف کے انتقال کے بعد ان کی اولاد اور عبدالدار میں جھگڑا ہوا چنانچہ انھوں نے سقایہ اور رفادہ خود لے لیا ، خانہ کعبہ کی کلید برداری اور پرچم جنگ ان کے لیے چھوڑ دیا۔

عبد شمس اور ان کی اولاد نے تجارت اور کاروبار کی طرف توجہ کی، حجاز اور پڑوسی شہروں میں ان کا کاروبار خوب چمکا، اُمیہ بن عبد شمس تو مالی ساکھ اور دولت وثروت میں بہت بڑھ گیا۔

اُمیہ نے دیکھا کہ اس کا چچا ہاشم پیر کہن سال ہو چکا ہے، وہ شمس کی منزلت سے خار کھانے لگا اور اس کی قیادت کا حریف بن کر سامنے آیا اور اپنے دعوے کا فیصلہ (قریش سے) چاہا۔ لیکن ناکام رہا، اس ناکامی سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ مکے میں رہنا دوبھر ہو گیا، چنانچہ برہمی اور طیش کے عالم میں ترک وطن کر کے شام چلا گیا اور وہاں بیس سال تک مقیم رہا، پھر اس طویل مدت کے بعد جب وطن واپس آیا تو خاندان عبد مناف دو ٹکڑیوں میں بٹ چکا تھا — ہاشمی، اموی — یہ دونوں ایک دوسرے سے نالاں اور ایک دوسرے کے درپے آزار تھے۔ حسد، اور جلن کی چنگاریاں سال ہا سال تک سلگتی رہیں، دل میں جو کپٹ بیٹھ چکی تھی وہ رنگ لائی، اور شدید عداوت ایک خاندان کے ان دونوں حصوں میں پیدا ہو گئی پھر یہ عداوت بڑھتے بڑھتے باقاعدہ رزم آرائی میں تبدیل ہو گئی۔ اور اس کا سلسلہ بھی کئی نسلوں تک جاری رہا۔

یہ رقابت، حریفانہ کشمکش اور جنگ عربوں میں۔ — اور اسلام کے بعد خود مسلمانوں میں بھی، جاری رہی۔ خون بہتا رہا اور دماغ جنگی تدبیروں میں مصروف رہے، اس دشمنی نے دولت اسلامیہ کے عہد اول کی سیاست اور امور و معاملات پر بھی گہرا اثر ڈالا۔

اول اول یہ لڑائی اور دشمنی ایک معمولی سی چیز تھی جس کے اثرات محدود تھے۔ جیسا کہ حرب بن اُمیہ اور عبدالمطلب بن ہاشم کے معاملات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ جنگ خاصی خطرناک تھی، یہ جنگ تھی قیادت اور سیادت کی۔ دو قیادتیں بر سر پیکار تھیں، ان میں سے ایک دینوی تھی۔ جسے اپنی دولت ثروت، امارت اور وجاہت اور شان و شوکت پر بھروسہ تھا، دوسری روحانی تھی، جس کے پیش نظر یہ تھا کہ شعور دینی اور حس معنوی کو سوسائٹی، اور عوام میں بیدار کیا جائے اور ابھارا جائے۔

خاندان ہاشم میں جب رسالت محمدی کا ظہور ہؤا ، اور یہ دعوت مکے کے باشندوں ، اور باہر سے وارد مکہ ہونے والے لوگوں میں پھیلنے لگی اور رفتہ رفتہ اس دعوت کے اثرات زیادہ وسیع ہوتے چلے گئے تو سرداران قریش سراسیمہ اور حواس باختہ ہوگئے ، انھوں نے دیکھا نہ اب ان کے مذہب کی خیر ہے ، نہ معتقدات کی ، دونوں کے چل چلاؤ کا وقت قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے تو وقت کے اموی زعیم ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ نے محسوس کیا یہ دعوت تو جڑ پکڑتی جاتی ہے اور اس کی کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہاشمی فرد کے ہاتھ میں ساری عرب قوم کی قیادت و سیادت آ جائے گی ، چنانچہ ابوسفیان صف مخالف میں شریک ہوگیا اور اپنے امکان بھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی مقاومت اور مزاحمت و مخالفت کر سکتا تھا کی ، اپنا سارا اثر و رسوخ ، اور اپنی پوری مالی وجاہت اس نے مخالفین دعوت اسلام کے پلڑے میں ڈال دی ، متعدد مواقع پر وہ آپ سے جنگ آزما بھی ہؤا ، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے اس کے بازو شل ہو گئے ، اور مخالفت کرتے کرتے اس کے ساتھی کم تعداد میں رہ گئے ، پھر فتح مکہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور اسیر کر لیا گیا ۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحمت للعالمینؐ تھے ، اس کی خطائیں معاف کر دیں ، اس کو عزت اور سر بلندی عطا فرمائی ، اس طرح اس کے دل میں جو دہشت بیٹھ گئی تھی ، وہ اپنے لطف و کرم سے دور کر دی ۔ آخر کار ابو سفیان نے اسلام قبول کرلیا لیکن اس کے دل ... کہ بعض مؤرخین کہتے ہیں ــــ وہ خلش باقی رہ گئی جو ... دشمن کے دل میں ہؤا کرتی ہے[1] ۔

---

۱ ۔ ہو سکتا ہے کہ شروع میں یہ کیفیت ہو ، لیکن بعد میں تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا تھا کیونکہ ابو سفیان نے اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے ان کے اس 'سوزدروں' کا اندازہ ہوتا ہو ، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے قبول اسلام کے بعد مسلمانوں کی صف میں شریک ہو کر بعض جنگوں میں حصہ لیا ۔ (مترجم)

جب ۱۱ھ (مطابق ۶۳۲ع) میں آں حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اس دنیا سے کوچ کیا تو مسلمانوں نے عبداللہ بن قحافہ یعنی ابوبکر صدیق رض کو خلیفہ منتخب کیا اور ان کی وفات کے بعد عمر بن الخطاب کی خلافت بے چون و چرا قبول کر لی - (اللہ ان دونوں سے راضی ہو)

یہ دونوں خلیفہ ــــ ابوبکر رض و عمر رض ــــ عبد مناف کی صلب سے نہیں تھے - "ہذا خاندان عبد مناف کے دونوں رزم آرا گروہوں سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا ، چنانچہ ان دونوں کی سربراہی میں مسلمانوں کا سفینہ گرداب سے بچتا ہوا ساحل مقصود کی طرف بڑھتا رہا ، اس زمانے میں عربوں نے جس طرف کا رخ کیا چھا گئے ، مصر ، شام ، فارس اور عراق میں فتوحات اسلامی کا نہ رکنے والا سلسلہ قائم ہو گیا -

۲۳ھ (مطابق ۶۴۴ع) میں جب حضرت عمر رض کا حادثہ قتل ایک فارس کے رہنے والے مجوسی کے ہاتھوں رونما ہوا تو ان کی جانشینی حضرت عثمان رض کے ہاتھ میں آئی جو اموی تھے -

حضرت عثمان بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے ، انھوں نے معاملات حکومت میں ان اموی نوجوانوں پر اعتماد کیا ، جو ان کے حاشیہ نشین بنے ہوئے تھے ، یہ لوگ حضرت عثمان رض پر چھا گئے تھے ، انھوں نے اور ان کے اعوان و انصار نے حکومت کے تمام بڑے بڑے کلیدی عہدوں پر قبضہ کر لیا تھا ، اور دوسروں کو یکسر محروم کر دیا تھا -

اس صورت احوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلط کاریاں بڑھ گئیں ، من مانی کارروائیاں کی جانے لگیں جس سے لوگوں میں بد دلی پھیلی اور مسلمان گروہوں اور جماعتوں کے اندر چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں ، شکایات میں اضافہ ہوتا رہا ، دارالخلافہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی قیل و قال کا سلسلہ شروع ہو گیا اور جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس میں اضافہ ہوتا رہا - خلیفہ وقت ــــ حضرت عثمان رض ــــ پیرانہ سالی کے باعث نہ تدارک کر سکے ، نہ تلافی - آخرکار ۳۵ھ (مطابق ۶۵۶ع) میں اس بد دلی نے خطرناک بغاوت کی شکل اختیار کرلی اور ان کی شہادت پر منتج ہوئی ، حضرت عثمان رض کے قتل سے مسلمانوں کی صف میں

پہلا رخنہ پیدا ہوا۔

اور قبل اس کے خون شہادت کے قطرے سوکھتے لوگوں نے حضرت علیؓ کے دست مبارک پر بیعت کر لی، جو ظاہر ہے ہاشمی تھے۔

حضرت علی رضؓ کے دست مبارک پر جن لوگوں نے بیعت کی اُن میں وہ باغی بھی شامل تھے جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے۔ یہ لوگ بیعت کے بعد جیش علی میں داخل ہو گئے۔

حجاز میں جو اموی موجود تھے اُن میں سے ایک گروہ مدینہ منورہ سے نکل کر معاویہؓ بن سفیان کے پاس شام جا پہنچا۔ اُن لوگوں کے پاس حضرت عثمانؓ کا وہ پیراہن بھی تھا جسے قتل کے وقت وہ زیب جسم کیے تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کٹی ہوئی وہ انگلیاں بھی لائے تھے جو حضرت عثمانؓ کی بیوی (نائلہ) کی تھیں، اور شوہر کو دشمنوں کے وار سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے تلوار سے کٹ گئی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل صرف ایک حادثہ ہی نہیں تھا، ایک بہت بڑا المیہ بھی تھا، جس نے بلا استثنا تمام مسلمانوں کو مبتلائے رنج و محن کر دیا تھا۔

امیر معاویہؓ نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا بلکہ اس سے کام لیا۔ اُنھوں نے خون میں لتھڑا ہوا حضرت عثمانؓ کا پیراہن دمشق کی جامع مسجد میں منبر پر نمائش کے لیے رکھ دیا حاضرین کے سامنے ایک دل گداز خطبہ دیا، اور اس حادثۂ المیہ کو ایسے رقت انگیز پیرائے میں بیان کیا کہ سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُنھوں نے لوگوں کو اُکسایا کہ قتل عثمانؓ کا فوراً قصاص لیا جائے اور جن لوگوں نے اس قتل میں حصہ لیا ہے اُنھیں قرار واقعی سزا دی جائے، لیکن اس جوش و خروش اور خطابت کے پیچھے جو جذبہ کار فرما تھا وہ تھا حکومت پر قبضہ اور تسلط و تصرف!

لیکن صورت حال یہ تھی کہ خلیفۂ ہاشمی علی مرتضیٰ رضؓ کے لشکر میں باغیوں کے شمول نے اجرا تحقیق و تفتیش، اور نفاذ عدل کو

ایک کار دشوار بنا دیا تھا ، اندیشہ تھا کہ اس طرح پھر ایک نیا تفرقہ پیدا ہوگا اور صف اسلامی میں اختلال و انتشار پیدا ہو جائے گا ، جب تک شورش فرو نہ ہو جائے اور حالات معمول پر نہ آ جائیں ، اور امن و امان بحال نہ ہو جائے اُس وقت تک نہ تحقیق و تفتیش صحیح طور پر ممکن تھی نہ خطاکاروں کو تلاش کر کے اُنہیں قرار واقعی سزا دی جا سکتی تھی ۔

لیکن امیر معاویہؓ انتظار کرنے کو تیار نہ تھے ، وہ اس پر آمادہ نہیں تھے کہ حالات کے رو براہ ہونے تک انتظار کیا جائے ۔ چنانچہ اُنھوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا اور بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا ، اس اقدام نے لوگوں کو طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں میں مبتلا کر دیا ، اس لیے کہ کسی کو امیر معاویہؓ کا مطالبہ بر حق نظر آتا تھا ، کوئی حضرت علیؓ کی پالیسی کو درست اور موزوں قرار دیتا تھا ۔

چنانچہ مسلمان دو جنگ آزما جماعتوں میں تقسیم ہو گئے ۔ ایک گروہ اُن لوگوں پر مشتمل تھا جو امیر معاویہؓ کی تائید میں تھے ۔ ان کے نزدیک حق امیر معاویہؓ کے ساتھ تھا ، فوری طور پر تحقیق جرم ضروری تھی اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانا لازمی تھا ۔

دوسرا گروہ اُن لوگوں پر مشتمل تھا ، جن کے نزدیک حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا ۔ حالات اور مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ انتظار کیا جائے اور جب فضا سازگار ہو لے تب جن لوگوں پر جرم ثابت ہو انہیں پوری پوری سزا دی جائے ۔ ان لوگوں کے نزدیک اس وقت اگر کوئی قدم اس پالیسی کے خلاف اُٹھایا جاتا تو مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ پڑ جاتا ، ابتری اور انتشار کی کیفیت طاری ہو جاتی ۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حجاز سے عراق تشریف لائے تاکہ مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کریں ، حالات کا جائزہ لیں اور بصیرت کی روشنی میں ایک رائے قائم کریں ۔

لیکن صحابہ کا ایک بڑا گروہ ـــ اور اُن میں کبار صحابہ بھی

تھے ـــــ حضرت عائشہ صدیقہ ، زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ، اس رائے کا مخالف تھا ۔ یہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ قاتلین عثمانؓ قصاص سے بچے رہیں ۔

چنانچہ یہ لوگ ایک لشکر گراں لے کر بصرے کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کے لشکر کے آمنے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے ۔ با ایں ہمہ فکر و رائے کے اختلاف کے باوجود دونوں مخلص تھے ۔ چنانچہ قریب تھا کہ طرفین میں مفاہمت اور مصالحت ہو جائے کہ جنگ کی آگ کسی خفیہ ہاتھ نے بھڑکا دی[1] اور ایک شدید جنگ بالآخر رونما ہو کر رہی ۔ یہی لڑائی ''جنگ جمل'' کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے ، اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی ، اس معرکے میں ہزاروں پاک باز مسلمان شہید ہوئے ۔

اس طرح ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی ، اموی اور ہاشمی (ان کے حامی اور ہوا خواہ) ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے ، یہ جنگ ، سخت ترین جنگ تھی ۔

قریب تھا کہ حضرت علیؓ جنگ صفین کے موقع پر فتحیاب ہوں اور امیر معاویہؓ کا لشکر شکست فاش سے دو چار ہو کہ عین وقت پر عرب کے ایک زبردست سیاست داں اور زیرک شخص عمرو بن العاصؓ نے اپنی تدبیر سے پانسہ پلٹ دیا ، انھوں نے اپنی سپاہ کو اشارہ کیا کہ قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کر لے ، اس کے بعد انھوں نے تحکیم کا مطالبہ کیا ، اور کتاب اللہ کی طرف رجوع کر کے فیصلہ کر لینے کی دعوت دی ۔

---

۱ - اکثر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ سے جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ملاقات ہوئی تو معاملات اس درجہ رو براہ ہو گئے کہ مجلس جب برخاست ہوئی تو صلح وسلام کی فضا پیدا ہو چکی تھی ۔ لیکن جن لوگوں کو اس صلح میں اپنی خیر نہیں نظر آئی اور یقین ہو گیا کہ صلح کے بعد کیفر کردار کو پہنچ کر رہیں گے انھوں نے دفعتاً جنگ کے شعلے بھڑکا دیے اور صلح جنگ میں تبدیل ہو گئی ۔ (مؤلف)

چنانچہ جنگ کا سلسلہ بند ہو گیا اور گفت و شنید کا آغاز ہو گیا اور جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ تحکیم کا آغاز عمرو بن العاص کی حکمت عملی سے ہوا ، اس حکمت عملی نے حضرت علیؓ کے لشکر میں افتراق پیدا کر دیا اور ایک جماعت ان سے کٹ گئی جو تاریخ کے صفحات میں ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس جماعت——خوارج —— نے بعد میں اسلامی حکومت میں ایک اہم کردار ادا کیا[1] ۔

ہاشمی اور اموی آویزش سالہا سال تک جاری رہی اور اس صورت احوال میں کوئی فرق نہیں آیا ، یہاں تک کہ خوارج کی ایک ٹولی نے فیصلہ کیا کہ طرفین کے بڑے بڑے زعما کو ہلاک کرکے قصہ ختم کر دیا جائے ۔

حضرت علی رضوان اللہ علیہ ، مسجد کوفہ میں شہید کر دیے گئے ، شام کی جامع مسجد میں امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا ، وہ زخمی ہوئے لیکن جان بچ گئی ، عمرو بن العاصؓ اس روز (اتفاق سے) نماز کے لیے مسجد میں نہیں گئے ، ان کا نائب (دھوکے کی بنا پر ان کے بجائے) قتل ہوا ۔

اس حادثے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام پر بنوامیہ کا پرچم لہرانے لگا اور ان کی حکومت حسنؓ بن علیؓ کی دست برداری کے بعد کہ چند شرائط پر انھوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی ، قائم اور مستحکم ہو گئی ۔ حضرت حسنؓ کا بعد میں زہر خورانی سے انتقال ہو گیا[2] ۔

---

۱ ۔ خوارج کی ساری سرگرمیاں مبنی تھیں شورش ، بغاوت ، اور جنگ پر ۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی ، یہ خلفاء بنو امیہ سے بر سر پیکار رہے ۔ انھوں نے خلفاء بنو عباس کو چین سے نہ بیٹھنے دیا ، یہ خلیفہ ہارون رشید سے بھی نبرد آزما ہوئے —— جس کی تفصیل اپنے وقت پر آئے گی ۔ (مؤلف)

۲ ۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات ، امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جانے کے بعد زہر خورانی سے ہوئی ، مؤرخین کا اسباب سمّیت کے سلسلے میں اختلاف ہے ۔ (مؤلف)

بیس سال تک امیر معاویہ رضؓ بڑی شان اور طنطنے کے ساتھ حکومت کرتے رہے ۔ اس عرصے میں ان کی حکومت کو برابر ثبات و دوام حاصل ہوتا رہا ۔

جب انھوں نے محسوس کیا کہ بڑھاپا ان کا کس بل نکل چکا ہے تو انھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اپنی موت کے بعد کے لیے چھوڑ جائیں ، اور مسلمان باہمی شوریٰ سے کام لے کر جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں ۔ چنانچہ انھوں نے کوشش شروع کر دی کہ زندگی ہی میں ایسا انتظام کر جائیں کہ منصب خلافت ان کے خاندان سے باہر نہ جانے پائے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی پر لوگوں سے بیعت لے لی ، اب تک خلیفہ منتخب ہوا کرتا تھا ، لیکن اب نئے فیصلے کے ماتحت یہ منصب موروثی ہو گیا ۔ یہ عجمی اصول اور بدعت، بہت سے عرب زعما کو سخت ناگوار گزری ، ان ناراض لوگوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو اس منصب کے لیے زیادہ موزوں تصور کرتے تھے اور اس کے لیے ساعی بھی تھے ۔

۶۰ ھ (مطابق ۶۸۰ع) میں یزید تخت حکومت پر متمکن ہوا لیکن یہ باپ کی صفات سے یکسر محروم تھا ، نہ تو یہ حسن تدبیر سے آشنا تھا ، نہ حکمت عملی سے واقف تھا ، نہ اس میں حلم اور بردباری کے صفات تھے بلکہ جیسا کہ راویوں کا بیان ہے یہ دین کے امر و نہی کے معاملات میں حد درجہ بے پروا تھا ۔ ساتھ ہی ساتھ تند مزاج بھی ، لہو و لعب کا شائق ، لذائذ کا پرستار ، عمل رائگاں کا حامل ۔ اس کے عہد میں اور خود اس کے ہاتھوں ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے اور ایسی کارروائیاں ہوئیں جن کو قوم کے عاقل و فرزانہ طبقے نے سخت ناپسند کیا ، اس کی حرکات و سکنات نے رائے عامہ کو مختلف شہروں میں برہم کر دیا ۔ خاص طور پر حجاز میں تو اس کے خلاف فضا حد درجہ ناسازگار ہو گئی ، کیونکہ وہاں قریش کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اور وہ ان باتوں کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتی تھی ۔

حکومت کی سیاست جس رخ پر جا رہی تھی ، اور حالات جس سانچے

رہے ڈھل رہے تھے اور جو وضع و اسلوب دولت اسلامیہ کا قائم ہو گیا تھا اس سے بیزاری اور ناخوشی کا اظہار کرنے والوں میں پیش پیش حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے -

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بہ ارادۂ عراق ، حجاز سے کوچ کیا - جنہوں نے بار بار ، کثرت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ انہیں دعوت دی جا رہی تھی - حضرت حسین رض کے ساتھ ان کا کنبہ بھی تھا - جو بچوں اور عورتوں پر مشتمل تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت اعوان و انصار کی بھی تھی -

عراق کے راستے میں اموی عامل کے دستۂ سپاہ سے امام حسین رض کی مڈبھیڑ ہوئی - ان لوگوں نے انہیں کوفہ جانے کی اجازت نہیں دی اور رستہ روک کر کھڑے ہو گئے - کربلا کے مقام پر لشکر یزید سے اس مختصر سے قافلے کی جنگ ہوئی - یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور ساتھیوں کی جو مختصر سی جماعت تھی وہ بھی کام آ گئی -

اس حادثۂ المیہ نے عامۂ مسلمین کے دلوں کو غم اور جذبے سے معمور کر دیا ، اس لیے کہ حسین ، صرف حسین ہی نہ تھے - بلکہ سبط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے -

امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھرانے پر جب ہجوم مصائب ہوا اور تواتر و تسلسل کے ساتھ اس خاندان کے لوگ ہدف ستم بننے لگے تو بعض افراد خاندان ، اور ان کے حامیوں اور عقیدت مندوں نے غور و فکر کے بعد اس حکومت کے خلاف خفیہ تحریک چلانے اور ایک نیا انقلاب لانے کی سکیم بنائی ، تاکہ اموی حکومت کی بنیادیں ہل جائیں اور اس کا خاتمہ ہو جائے -

اگرچہ اس باب میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ فکر جدید کس طرح رونما ہوئی اور کیونکر اس نے عملی سرگرمیوں کا آغاز کیا ، کیونکہ اس کی بالکل ابتدائی سرگرمیاں پردۂ خفا میں ہیں اور ان پر تہ بہ تہ پردے پڑے ہوئے ہیں - لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کی نگاہِ انتخاب ان کے پدری بھائی

محمد بن حنفیہ پر جا کر رک گئی کہ اب اولاد علیؓ میں سن و سال کے اعتبار سے وہی سب سے بڑے تھے ۔

محمد بن حنفیہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے پر لوگوں نے اتفاق کر لیا ، جن کا نام عبداللہ اور کنیت ابوہاشم تھی ، دعوت کو آگے بڑھانے ، پھیلانے اور منظم کرنے کی ذمے داری اب ان کے سر آ پڑی ۔

ابو ہاشم صفات گوناگوں سے متصف تھے ۔ حسن تدبیر کے ماہر ، دور اندیش ، بڑی خوبی اور کمال کے ساتھ خفیہ تحریک کو انھوں نے چلایا اور پروان چڑھایا ۔ بنوامیہ کے جاسوس اورسراغ رساں اس تحریک کے نظم و انصرام اور اس کے محرک کے وجود اور شخصیت کا پتا چلانے میں بالکل ناکام رہے ۔ اگرچہ اس سے با خبر تھے کہ ایک مخالف تحریک خفیہ طور پر برسرکار ہے ۔

۹۷ھ (مطابق ۷۱۶ء) میں ابو ہاشم داخل شام ہوئے اور اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک سے بعض امور کے سلسلے میں گفتگو کرنے کے لیے ملے ۔

سلیمان ابو ہاشم کو دیکھ کر اور ان سے مل کر ، ان کی دانشمندی ، طرز استدلال ، انداز گفتگو ، اور حسن بیان سے حد درجہ متحیر ہوا ۔ چنانچہ کہہ اٹھا :

''میں آج تک کسی قرشی سے نہیں ملا جو اس جیسا ہو ، میرا خیال ہے ہو نہ ہو یہی وہ شخص (خفیہ مخالف جماعت کا سردار) ہے جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں ! ''

ابو ہاشم جب رخصت ہوئے تو سلیمان نے کچھ لوگوں کو ان کے راستے پر مامور کر دیا ۔ وہ فلسطین جا رہے تھے ، اثنائے راہ میں دودھ کا ایک سم آلود پیالہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا جسے انھوں نے نوش کر لیا ۔

زہر کے گھونٹ پیتے ہی ابو ہاشم نے محسوس کر لیا کہ اب وہ زندہ نہیں رہ سکتے ۔ چنانچہ امکانی عجلت کے ساتھ ، اپنے ساتھیوں سمیت وہ ایک قریب ترین گاؤں میں پہنچے جس کا نام حمیمہ تھا ۔ اسی گاؤں میں

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم —— مقیم تھے۔

ابو ہاشم نے محمد کو اپنی بگڑتی ہوئی حالت سے مطلع کیا اور اسرار دعوت سے آشنا کیا جنہیں بے شک وہ خود بروئے کار لاتے رہے تھے۔ اور پھر اس تحریک کی قیادت و ریاست انہیں سونپ دی، نیز اس تحریک کو چلانے اور کامیاب بنانے کے لیے جن تدابیر کی ضرورت تھی وہ بتائیں، اس کے بعد اپنے ان اعوان و انصار کے نام ایک تحریر لکھی جو عراق اور خراسان میں موجود تھے۔ اس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ وہ امر دعوت محمد بن علی عباسی کو، اور ان کے بعد اپنے بیٹے کو (جو ابھی نو عمر تھا) سونپتے ہیں۔

ابو ہاشم نے اس تحریر میں اپنے عقیدت کیشوں اور حامیوں کو تاکید کی تھی کہ وہ ان کے احکام و اوامر کی دل و جان سے تعمیل کیا کریں۔

عراق و خراسان، اس تحریک کو سرسبز اور کامگار بنانے کے لیے حد درجہ موزوں تھے، عراق میں حضرت علیؓ کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ وہ جنگ آزما بھی کافی تعداد میں موجود تھے، جنہوں نے علی مرتضیٰؓ کے پرچم تلے لڑائیاں لڑی تھیں، ان لوگوں کا سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا، باقی رہا خراسان تو اس کا معاملہ جدا تھا۔

بلاد فارس اپنی قدیم —— قبل از اسلام —— حضارت و مدنیت اور ریاست و سیادت پر نازاں تھے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں عربوں نے اس ملک کو فتح کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فارس کی سیادت دم توڑ گئی۔ اور اسے عربی سیادت کے سامنے سرنگوں ہو جانا پڑا۔ لیکن کچھ گروہ ایسے موجود تھے جو محکومی کے بندھن توڑنے۔ اور اپنی سیادت بحال کرنے کی تگ و تاز میں لگے ہوتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ اس جوئے سے آزاد ہو جائیں جو شکست اور مغلوبی نے ان کے کندھے پر ڈال دیا تھا۔ یہ اپنی تنظیم کے جویا تھے، لیکن صرف دین اسلام کے اندر رہ کر۔ چنانچہ یہ لوگ ہر اس جماعت اور گروہ کے ساتھ ہو جاتے تھے جو حکومت کا باغی ہوتا جو حکومت کا تختہ الٹنے کے درپے ہو۔ خلافت اور

حکومت اب بنوامیہ کے ہاتھ میں تھی ، لہٰذا ان کے خلاف جتنی سازشیں اور بغاوتیں ہوتی تھیں ان میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

اہل فارس کو جس چیز نے بنوامیہ سے بہت زیادہ بیزار اور آشفتہ خاطر کر دیا تھا ، وہ تھی ان کی قومی ——— عربی ——— عصبیت۔ بنوامیہ حکومت کے بڑے اور اہم عہدوں پر ، مملکت کے کسی حصے میں بھی کسی غیر عرب کو فائز نہیں کرتے تھے۔ ان کے عہد میں تفضیل عرب کی ذہنیت بھی زیادہ ہمہ گیر ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی حکومت ایک اسٹوکریٹ حکومت بن گئی جس سے دوسرے محکوم شعوب و قبائل کو وجہ شکایت پیدا ہو گئی ، جس کے آثار و نقوش حکومت اسلامیہ کی حیات سیاسی و اجتماعی کے مختلف گوشوں میں واضح طور پر نظر آنے لگے[1]۔

جس چیز نے سازشوں کو فروغ دیا اور بغض و کراہیت عربوں کے خلاف پیدا کی اور بہت سے اُن لوگوں کو اس رنگ میں رنگ دیا جو عرب نہیں تھے اور دوسری قوموں سے تعلق رکھتے تھے ، خاص طور پر اہل فارس۔ تو وہ چیز تھی 'شعوبیت' جو آج کی اصطلاح میں ایک جانا پہچانا لفظ ہے[2]۔

۱۔ اموی عہد میں عربی قومیت سے متعلق عصبیت کا یہ عالم تھا کہ:
کوئی عرب عورت ، کسی غیر عرب شخص سے نہیں بیاہی جاتی تھی،
غیر عرب موالیوں کا آگے کی صف میں نماز پڑھنا گوارا نہ تھا۔
موالی میں سے کوئی شخص کسی عرب کی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا تھا ، اگر حاضرین میں کوئی عرب موجود ہو۔
موالیوں میں سے کسی کی لڑکی سے کوئی عرب شادی نہیں کر سکتا تھا ——— وغیرہ وغیرہ۔ (سیوطی)

نوٹ: یہ موالی وہ آزاد کردہ غلام ہیں جو پشتوں اور صدیوں سے جانے رہے تھے لیکن انہیں "عرب" تسلیم نہیں کیا گیا۔ (مترجم)

۲۔ "شعوبیت" کا ظہور ، اوائل دولت اموی میں ہوا ، اس "شعوبیت" کی دو قسمیں تھیں : [illegible] (باقی صفحہ ۔۔۔ پر)

اور ان سب باتوں سے بڑھ کر ایک بات یہ تھی کہ اہل فارس جو عرصہ دراز سے کاروبار حکومت چلاتے آ رہے تھے اور رموز مملکت سے بخوبی آشنا تھے ۔ انھوں نے دیکھا کہ اگر عرب حکومت سے مفر اور نجات کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر یہ سپر افکندگی اور طاعت غیر مشروط کسی ایسے شخص سے ہونی چاہیے جو آل بیت نبوی سے تعلق رکھتا ہو ۔ یہ آل بیت بہر حال دوسروں کے مقابلے میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب اور قرابت رکھتے تھے ۔ یہ وہ لوگ تھے جو عرب و عجم کے تخیل سے ماوراء تھے ۔ جن کی عقیدت و احترام کا جذبہ خود عربوں کے دل میں بھی تھا اور ان سب باتوں کے علاوہ ، آل بیت علوی کی بزرگ اور محترم شخصیتیں ، شروع ہی سے ، فارسی عنصر سے یگانگت کا برتاؤ رکھتی تھیں ، بلکہ قرابت ، اور رشتہ و پیوند کے تعلقات بھی اہل فارس سے قائم کرنے میں انھیں باک نہ تھا ۔

یہ وجہ تھی کہ اہل خراسان کی بہت بڑی اکثریت ہاشمیوں کی عام طور پر اورعلویوں کی خاص طور پر حامی اور مؤید تھی اور بنوامیہ سے جو اُن کے دشمن تھے پرخاش رکھتی تھی ۔

بہر حال ابو ہاشم کا یہ عمل کہ اُنھوں نے دعوت کی رہنمائی اور قیادت محمد بن علی عباسی اور اُن کی اولاد کی طرف منتقل کر دی ، ایک ایسا اقدام تھا جو نہایت اہم اور دور رس نتائج کا حامل بنا ، اور بعد میں اس کے جو اثرات ظاہر ہوئے وہ غیر معمولی طور پر اہم ثابت ہوئے ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹)

''شعوبیت'' کی ایک صورت تو یہ تھی کہ فضل و منزلت کے اعتبار سے عرب اور غیر عرب کے مابین مکمل مساوات ہے اور کسی طرح کا فرق نہیں ۔

دوسری قسم یہ تھی کہ عرب کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتے ، غیر عرب اُن پر فضیلت رکھتے ہیں ۔

لیکن شعوبیت کی یہ دونوں صورتیں بہر حال مخفی تھیں کیونکہ ڈر تھا اگر عرب حکام کو پتا چل گیا تو عقاب سے محفوظ نہ رہ سکیں گے اور نشانہ جور بنیں گے ۔ (مؤلف)

کیونکہ شجر امامت کی جڑ بیت علوی سے نکل کر بیت عباسی میں چلی گئی، پس یہ ضروری اور لازمی تھا کہ فصل وہ کاٹے جو بوئے، اور پھل اُس کے حصے میں آئیں جو آبیاری کرے، اور باغ وبستان کی رکھوالی کرے۔

ابوہاشم نے ایسا کیوں کیا ؟

یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کے جواب میں کئی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔

(۱) ابوہاشم کو اندیشہ تھا کہ وہ موت کے دہانے پر کھڑے ہیں اور قبل اس کے کہ کسی علوی کو اپنا قائم مقام بنانے کے لیے تلاش کر پائیں وفات پا جائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تحریک بے موت مر جائے گی اور اب تک جو کچھ کیا گیا ہے وہ سب رائگاں چلا جائے گا۔ نیز جو لوگ اس وقت ایک مقصد کے ماتحت ایک پرچم تلے جمع ہیں وہ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے۔

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ احفاد علی رض میں، جو لڑکے تھے وہ سب کم سن تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس بارگراں کو اٹھا سکتا اور ان ذمہ داریوں کو جو اس تحریک سے وابستہ تھیں بہ حسن و خوبی انجام دے سکتا، کیونکہ اس تحریک کو چلانے اور کامیاب بنانے کے لیے، ان تھک سعی و کوشش اور لگا تار جد و جہد کی ضرورت تھی، خطرات کا مقابلہ کرنا تھا، اور رکاوٹوں سے عہدہ برآ ہونا تھا۔

اس کے برعکس محمد بن علی کا خاندان نوجوانوں اور کار گزاروں سے بھرا ہوا تھا، ان کے تیئیس تو بھائی تھے جو سب کے سب سن شعور کو پہنچے ہوئے تھے۔ آٹھ بیٹے تھے، ان کے علاوہ ہاشمی بنی اعمام میں اور بھی بہت سے لوگ تھے[۱]۔

---

۱ - محمد بن علی عباسی کے بھائیوں کے نام :

۱ - عثمان - ۲ - مبشر - ۳ - بشیر - ۴ - داؤد - ۵ - عبدالعزیز -

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

رفتہ رفتہ یہ خفیہ دعوت جڑ پکڑنے لگی، محمد بن علی عباسی کے اعوان اور مددگار، نیز اصحاب ابوہاشم کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس موقع پر تنظیم جماعت کے منصوبے بنے، راہ عمل متعین کی گئی، داعی اور عمال مقرر ہوئے اور ہر ایک کے لیے، ایک جداگانہ منطقہ مقرر کر دیا گیا، جہاں اسے کام کرنا اور اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرنا تھا۔

محمد بن علی عباسی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ دعوت کا سلسلہ نام لیے بغیر "اہل بیت" یا "آل محمد" کے نام سے جاری رکھیں، اپنے آپ کو مخصوص معتمدین کے سوا عام طور پر اس نے پس پردہ رکھا، یہ صرف وہ زعمائے تحریک تھے جو اس سے خصوصی اتصال رکھتے تھے اور اس سے بہت زیادہ قریب تھے ورنہ اندیشہ تھا کہیں جماعت میں پھوٹ نہ پڑ جائے اور سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے۔

حکومت بنی امیہ کا جہاں تک تعلق تھا۔ وہ اس تحریک اور اس کے اغراض و مقاصد سے بے خبر نہ تھی۔ لیکن اس تحریک کا مرکز کہاں تھا؟ اور اس کا قائد کون تھا؟ اور وہ کون لوگ تھے جو اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ حکومت اس سے قدرے بے خبر تھی، لہٰذا اس نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ اس تحریک کا کوئی داعی اگر ہاتھ آ گیا تو اسے کیفر کردار تو پہنچا دیا، ساتھ ہی ساتھ ہاشمیوں پر زندگی کا میدان تنگ کر دیا اور خاص طور پر علویوں کے لیے تو جینا دوبھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱)

۶۔ عیسیٰ۔ ۷۔ عبیداللہ۔ ۸۔ سلیمان۔ ۹۔ صالح۔ ۱۰۔ احمد۔
۱۱۔ صالح۔ ۱۲۔ اسحاق۔ ۱۳۔ یحییٰ۔ ۱۴۔ عبدالصمد۔
۱۵۔ اسماعیل کلاں۔ ۱۶۔ اسماعیل خوردتر۔ ۱۷۔ یعقوب۔
۱۸۔ عبدالملک۔ ۱۹۔ عبدالرحمان۔ ۲۰۔ عبداللہ الاکبر۔
۲۱۔ عبداللہ الاوسط۔ ۲۲۔ عبداللہ الاصغر۔

بیٹے:
۱۔ امام ابراہیم۔ ۲۔ ابوالعباس سفاح۔ ۳۔ ابو جعفر منصور۔
۴۔ عباس۔ ۵۔ یحییٰ۔ ۶۔ موسیٰ۔ وغیرہ

کر دیا ، اور صرف اسی کو کافی نہ سمجھا بلکہ ان کے خلاف پراپیگنڈے کے جملہ امکانی وسائل سے کام لیا ۔ خاص طور پر مساجد میں برسر منبر ان کے خلاف ناگفتہ بہ باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ۔

یہاں تک کہ ۹۹ھ (مطابق ۷۱۷ء) شام میں مسند خلافت پر حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان جلوہ فرما ہوئے ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز پاکیزہ خصائل شخص تھے ، صاحب ورع و تقویٰ ۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ کر ایک نیا راستہ اپنے لیے مقرر کیا ، اور تشدد کا جو سلسلہ بد گوئی اور بد زبانی کے ساتھ جاری چلا آ رہا تھا اسے بالکل بند کر دیا ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس طرز عمل سے محمد بن علی نے کافی فائدہ اٹھایا ۔ اس فضا میں دعوت کو آسانی سے وسعت دی جا سکتی تھی ، چنانچہ دی گئی ۔ اس کے حلقے اور رقبے میں اضافہ ہوا ، تنظیم اور جمعیت کو کبھی زیادہ استحکام حاصل ہوا ۔ چنانچہ اپنے معتمدین میں سے محمد بن علی عباسی نے ستر آدمی سر براہ کار مقرر کیے اور ان کے اوپر بارہ نقیب مقرر کیے گئے ، جنھیں غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۱ ۔

۱ ۔ نقیب مقرر کرنے سے پہلے آل بیت کے مشہور داعی یہ تھے :
۱ ۔ میسرہ ابو رباح ۔ ۲ ۔ ابوسلمہ الخلال ——— ان دونوں کا مرکز عراق تھا ۔
خراسان میں جو داعی کام کر رہے تھے یہ تھے :
۱ ۔ محمد بن خنیس ۔ ۲ ۔ ابو عکرمہ السراج ۔ ۳ ۔ حیان العطار ۔
تنظیم جدید کے بعد جو بارہ نقیب مقرر کیے گئے وہ یہ تھے
۱ ۔ سلیمان بن کثیر الخزاعی ۔ ۲ ۔ لاہز بن قریظ التمیمی ۔
۳ ۔ قحطبہ بن شبیب الطائی ۔ ۴ ۔ موسیٰ بن کعب ابوعیینہ التمیمی ۔
۵ ۔ ابوالنجم عمران بن اسمٰعیل ۔ ۶ ۔ ابو داؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی ۔ ۷ ۔ القاسم مجاشع التمیمی ۔ ۸ ۔ مالک بن الہیثم الخزاعی ۔
۹ ۔ طلحہ بن زریق الخزاعی ۔ ۱۰ ۔ ابو حمزہ عمرو بن اعین ۔
۱۱ ۔ شبل بن طہمان الہروی ۔ ۱۲ ۔ اسلم بن سلام التمیمی ۔
ان میں سے کسی نقیب کا انتقال ہو جاتا ، تو اس کی جگہ دوسرا نقیب نامزد ہو جاتا ۔ (مؤلف)

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہا ، وہ بھی زہر سے ہلاک ہوئے اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کی جانشینی یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی ۔

یزید کو بھی زیادہ مہلت نہ ملی ، اس کا جانشین ہشام بن عبدالملک بنا ۔ اس نے مخالف خفیہ تحریک کے استیصال کا تہیہ کر لیا ، حامیان دعوت پر اس نے زندگی کی راہیں تنگ کر دیں ، کوئی داعی جب اورجہاں کہیں ملا نشانۂ اجل بنا ، بہتوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا ، ایک بڑی جماعت کو اس نے نذر زنداں کر دیا ۔ اس نے جاسوسوں اور سراغ رسانوں کا ایک جال پھیلا دیا کہ جس طرح بھی ہو اس تحریک کے اصل قائد اور زعیم کا پتا چلائیں ۔ آخر ایک عرصے کی دوا دوش اور تلاش و جستجو کے بعد محمد بن علی عباسی ہاتھ آ گئے ، گرفتار کرتے ہی انہیں قید خانے میں ڈال دیا اور پھر گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا ۔ یہ واقعہ ۱۲۴ھ (مطابق ۷۴۲ء) کا ہے ، لیکن محمد بن علی عباسی نے اپنی موت سے پہلے اپنے بیٹے ابراہیم کے لیے وصیت کر دی تھی کہ تحریک کی قیادت ان کے ہاتھ میں رہے گی ، ابراہیم نے اپنا لقب "امام" اختیار کیا ۔

ابراہیم نے ظلم وجور کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے ، خود مخفی ہو کر اپنے والد کے داعیوں سے ربط و تعلق قائم رکھا ، ان کا حوصلہ بڑھایا ، انہیں صبر و برداشت کی تلقین کی ، ان میں استقامت اور عزیمت کا جوہر پیدا کیا اور انہیں باور کرایا کہ وہ وقت بس اب آیا ہی چاہتا ہے جب بغاوت کا جھنڈا بلند ہوگا ۔

امام ابراہیم جس جگہ چھپے ہوئے تھے وہاں ایک شخص جو اہل فارس سے تھا اور نوجوان تھا برابر آیا کرتا تھا ۔ یہ بڑا تیز فہم ، صاحب الرائے اور فرزانہ شخص تھا ۔ اس کا نام عبدالرحمان بن عثمان ، اور لقب ابومسلم خراسانی تھی ۔ کہا جاتا ہے بزرجمہر یکے از قدیم سلاطین فارس کی اولاد میں سے تھا ۔

ابومسلم خراسانی عربوں کو سخت ناپسند کرتا تھا ، اپنی قومیت پر نازاں اور اس کے لیے تعصب کے جذبات رکھتا تھا ، اس کی دلی آرزو یہ

تھی کہ فارس کا عہد گزشتہ پھر واپس آ جائے ۔

امام ابراہیم کو ابومسلم خراسانی بہت بھایا ، اس نے بھی ان کی تحریک سے والہانہ وابستگی ، اور جذبہ فدائیت کے اظہار میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ امام ابراہیم نے اسے خراسان کے تمام نقیبوں اور زعیموں کا سردار بنا دیا ، بلکہ اس تحریک کی قیادت عملی طور پر اس کے ہاتھ میں دے دی ۔ اب اس کی بات ہر ایک کی بات پر بالا تھی ۔ وہ اس کام پر مامور کیا گیا کہ بلاد میں تیزی کے ساتھ دعوت کا پرچار جاری رکھے ۔

دن گزرتے گئے ۔ ۱۲۵ھ (مطابق ۷۴۳ع) میں ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا ، ہشام کی موت نے دولت بنی امیہ کی چولیں ڈھیلی کر دیں اور یہ مضبوط و مستحکم حکومت ضعف و اضمحلال کا شکار ہو گئی ۔ بہت ہی مختصر سی مدت میں پے بہ پے تین شخص مسند آرائے خلافت ہوئے ، اس حالت میں کہ بدامنی عام تھی ، انارکی کا زور تھا ، زندگی کے ہر گوشے میں اضطراب کی کارفرمائی نظر آ رہی تھی ۔

اس صورت حال نے امام ابراہیم اور ان کے حامیوں اور مددگاروں کے لیے ایک زریں موقع پیدا کر دیا ۔ لوگ اضطراب احوال سے گھبرا گئے تھے اور تبدیلی چاہنے لگے تھے ۔ چنانچہ بکثرت ہر شہر اور ہر مقام پر دعوت کی پذیرائی ہونے لگی ، لوگوں کا خیال تھا اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ بدنظمی ، انارکی ، اور بدامنی سے نجات مل جائے گی ، اور ظالم و جابر حاکموں سے چھٹکارا ہو جائے گا ۔

۱۲۷ھ (مطابق ۷۴۵ع) میں مسند خلافت پر مروان بن محمد الجعدی متمکن ہوا ۔ یہ بڑا باہمت اور صاحب اقدام و عمل شخص تھا ۔ اس نے دیکھا سلطنت شورشوں ، فتنوں ، اور بغاوتوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے ، خاص طور پر بلاد شرق کی حالت بہت زیادہ ابتر ہے ۔

خراسان میں متعدد عرب قبائل ، نااہل حاکموں کی بے تدبیری کے باعث ایک دوسرے کے خلاف صف بستہ تھے ، ہر قبیلہ دوسرے کا درپے آزار تھا ۔ شمالی عراق اور آذر بائیجان میں خوارج پورے جوش و خروش

اور قوت و سطوت کے ساتھ برسر پیکار تھے ۔ فارس میں ایک نئی دعوت موجودہ حکومت کے خلاف عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک خطرہ بنی ہوئی تھی ۔ بلاشبہ مروان خوش تدبیر اور باہمت سربراہ مملکت تھا ۔ اس نے اپنے مقدور بھر اصلاح احوال کی کوشش بھی کی اور فتنوں کو دبانا بھی چاہا لیکن داماں حکومت کچھ اس بری طرح چاک ہو چکا تھا کہ بخیہ گری اور پیوند کاری ناممکن ہو چکی تھی ۔

١٢٩ھ (مطابق ٧٤٧ع) میں حوادث کی بوقلمونی اور زیادہ بڑھ گئی ۔ مروان گویا چومکھی جنگ لڑ رہا تھا ۔ ایک طرف پوری شدت کے ساتھ وہ خوارج سے رزم آرا تھا اور ان کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا ، دوسری طرف والئ عراق کی فوجوں کو عبداللہ الطالبی کے باغی ساتھیوں اور شورش پسند عناصر سے جنگ کرنا پڑ رہی تھی ، تیسری طرف عامل خراسان نصر بن سیار کو جدیع بن علی الکرمانی سے کلہ بہ کلہ لڑنا پڑ رہا تھا جس کے ساتھ سرکش عرب قبائل کا ایک جتھا تھا ۔

ابو مسلم خراسانی ان تمام مناظر کو دیکھ رہا تھا ، موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے اعوان و انصار کو جمع کرنا اور اپنے جیوش کو منظم کرنا شروع کر دیا ، جس میں اہل فارس اور عرب دونوں شامل تھے ۔ نصر بن سیار نے کرمانی کو قتل کر دیا تھا ۔ اس کی شکست خوردہ فوج کے مردان جنگ آزما بھی ابو مسلم خراسانی کے ساتھ آ کر شامل ہو گئے تھے ۔ اب امام ابراہیم کے احکام کا انتظار تھا جو اپنے خفیہ مستقر حمیمہ میں اقامت گزیں تھے ۔

انتظار کی گھڑیاں بالآخر ختم ہوئیں اور ہجوم و اقدام کا وقت قریب آ گیا ۔

ابراہیم نے اپنے ایک نقیب قحطبہ بن حبیب الطائی کے ہاتھ ابو مسلم خراسانی کو سیاہ پرچم روانہ کیا ۔ یہ واقعہ ١٣٠ھ (مطابق ٧٤٨ع) کا ہے ، اور ہدایت کی کہ اموی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے ۔ ابو مسلم خراسانی نے قحطبہ سے جھنڈا لے لیا ، اور میدان جنگ کی طرف بڑھا

نصر بن سیار ابو مسلم خراسانی کے اغراض و مقاصد کا پہلے سے واقف تھا ، اس نے عامل عراق یزید بن ہبیرہ کے توسط سے اموی خلیفہ ــــ مروان ــــ کو صورت حالات سے اطلاع دی اور درخواست کی کہ جلد از جلد اسے کمک بھیجی جائے تاکہ جنگ کی آگ قبل اس کے کہ بھڑکے وہ اسے بجھا دے۔

لیکن ابن ہبیرہ ، سیار کا مخالف تھا ، چنانچہ اس نے خط دبا لیا ، اور مروان کو نہیں بھیجا تاکہ اس کے دشمن نصر بن سیار کو کمک نہ پہنچے اور وہ اپنے دشمن ــــ ابو مسلم خراسانی ــــ پر غالب آ کر سزاوار تحسین و آفرین نہ ہو ، کیونکہ اس صورت میں اس کی قوت بڑھ جاتی۔

آخر تنگ آ کر ، ابن سیار نے براہ راست ایک قاصد کے ہاتھ نامہ بھیجا ، جس میں اس نے لکھا تھا :

اری خلل الرماد و میض نار
و یوشک ان یکون لھا ضرام
فان لم یطفھا عقلاء قوم
یکون وقودھا جثث و ھام
اقول من التعجب! لیت شعری
أأیقاظ امیۃ ام نیام
فان کانو لحینھمو نیاماً
فقل : قوموا فقد حان القیام!

۱ ۔ خاکستر میں سلگتی ہوئی چنگاریاں میں دیکھ رہا ہوں ،
قریب ہے کہ یہ بھڑک اٹھیں
اگر قوم کے دانش وروں نے یہ آگ نہ بجھائی
تو اس کا ایندھن کھوپڑیاں اور جسم بن جائیں گے
حیرت کے ساتھ بے اختیار میں کہہ اٹھتا ہوں
بنوامیہ بیدار ہیں یا خواب خرگوش میں مبتلا ہیں ؟
اگر وہ اس وقت بھی مست خواب ہیں
تو ان سے کہہ دو قیام کا وقت آ گیا ۔

یہ نامہ پڑھ کر مروان نے ابن ہبیرہ کو پھٹکارا اور تاکیدی حکم دیا کہ عامل خراسان ــــ نصر بن سیار ــــ کو فوراً کمک بھیجی جائے ۔ نیز دھمکی دی کہ اگر اس فرمان کی جلد از جلد تعمیل نہ ہوئی تو انجام برا ہوگا ۔

اب ابن ہبیرہ کے لیے کوئی چارہ کار نہ تھا ، مجبوراً کمک بھیجنا پڑی ، لیکن بہت معمولی اور مختصر ، ابن سیار نے اس سے بھی کام لیا ، اور جیوش ابن مسلم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ، لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی ، بیمار پڑا اور شہر رے کے قریب ۱۳۱ھ (مطابق ۷۴۸ء) وفات پا گیا ۔ عمر تقریباً ۷۰ سال کی تھی ، اس کی موت سے ایک خلا پیدا ہو گیا ۔ خراسان میں اس سے مخالف فوج نے پورا فائدہ اٹھایا ، چنانچہ دعوت ہاشمیہ کے سالار قحطبہ بن شبیب الطائی ، اور خزیمہ بن خازم وغیرہ نے بنوامیہ کی باقی سپاہ کو تہس نہس کر دیا اور اطمینان و یکسوئی کے ساتھ عراق کی طرف یلغار کرتے ہوئے بڑھے ۔

اس اثنا میں کہ یہ حوادث ظہور پذیر ہو رہے تھے مروان کے ہاتھ میں امام ابراہیم کا ایک خط پڑ گیا جو انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو تحریر کیا تھا ۔ اس خط سے جہاں دعوت انقلاب و بغاوت کے بعض اسرار و رموز منکشف ہوئے وہاں کئی ایسے نام بھی سامنے آ گئے جو اس قیادت کے ماتحت کام کر رہے تھے ۔

مروان نے فوراً ابراہیم کو گرفتار کر لیا ، اور جیل میں ڈال دیا ، اس طرح ابراہیم کے جتنے حامی اور مدد گار ہاتھ آ سکے انہیں بھی حوالہ زنداں کر دیا ۔

ابراہیم نے محسوس کر لیا اب جان بچتی نظر نہیں آتی ، چنانچہ انہوں نے ریاست و سیادت اور بیعت کی وصیت اپنے بھائی عبداللہ کے نام کر دی جس کی کنیت ابوالعباس تھی ، اور انہیں تاکید کی کہ بھیس بدل کر فوراً کوفہ روانہ ہو جائیں اور اپنے آل بیت کو بھی ساتھ لیتے جائیں ، علاوہ ازیں یہ وصیت بھی کی کہ ان کی موت کی خبر جب تک مناسب وقت نہ آ جائے پوشیدہ رکھیں ۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ جیل میں گلا

گھونٹ کر ہلاک کر دیے گئے ۔

قحطبہ کا لشکر حدود عراق کو پھلانگتا ہؤا کوفے کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ یزید بن ہبیرہ ایک لشکر گراں لے کر مقابلے کو نکلا ۔ چنانچہ ۱۳۲ھ (مطابق ۷۴۹ع) کے ماہ محرم میں فرات دریا کے قریب دونوں لشکروں میں مڈ بھیڑ ہوئی ، نہایت سخت اور شدید جنگ طرفین میں شروع ہو گئی، اس جنگ میں قحطبہ کام آ گیا ، اب سالاری اس کے بیٹے حسن کے ہاتھ میں آئی ، آخر یہ معرکہ اس طرح ختم ہؤا کہ عراق لشکر کو زبردست شکست ہوئی ، بقیتہ السیف بھاگ کھڑے ہوئے اور بنو عباس کا لشکر بغیر کسی مزاحمت کے شہر کوفے میں داخل ہو گیا ۔ جیلوں میں تحریک کے جو داعی قید تھے وہ فوراً رہا کر دیے گئے ۔ انہی میں ایک مشہور نقیب حفص بن سلیمان بھی تھے جو ابوسلمہ الخلال کے نام سے مشہور ہیں ، یہ عراق میں اس تحریک کے ستون مانے جاتے تھے ۔ چنانچہ لوگ انہیں ''وزیر آل محمد'' کے نام سے یاد کرتے تھے ۔

فاتح فوج نے کوفے میں داخل ہوتے ہی نظم و انصرام کو سنبھالنے کی طرف توجہ کی ، اور اس کا انتظار ہونے لگا کہ صاحب دعوت ظہور فرما ہوں ۔

ابومسلم خراسانی میدان جنگ سے پیچھے اپنا کام کر رہا تھا ۔ تنظیم اور حکومت ، تطہیر بلاد مفتوحہ از دشمنان تحریک و دعوت ، وصولی خراج ، مستحقوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم اموال ، قیادت جیوش کے سلسلے میں ضروری رہنمائی ، —— یہ تھے اس کے کام جنہیں وہ انجام دے رہا تھا ، یہاں تک کہ قحطبہ ارض عراق میں داخل ہو گیا تو خالد بن برمک کو امور و شئون مالی کی ذمہ داریاں سونپی گئیں ۔

کوفہ جب انقلابیوں کے ہاتھ میں آ گیا اور ابن ہبیرہ شکست سے دو چار ہؤا ، تو عباسی لشکر متعدد ٹکڑیوں میں مختلف بلاد کی طرف فاتحانہ یلغار کرتا ہؤا بڑھا ۔ چنانچہ حمید بن قحطبہ نے فتح مدائن کی طرف توجہ کی ، خالد بن برمک دیرقنی کی طرف بڑھا ، سفیان المہلبی بصرے ۔ قبضہ کر لینے کے ارادے سے روانہ ہؤا ۔ اب مروان بن محمد الجعدی نے

قبضے میں صرف عراق کا شمالی حصہ رہ گیا تھا۔

اسی اثنا میں کہ یلغار و پیکار کا سلسلہ جاری تھا کہ صاحب دعوت ابوالعباس بہ نفس نفیس اپنے آل بیت کے ایک گروہ کے ساتھ وارد کوفہ ہوا۔

ابوسلمہ الخلال نے اس جماعت کا شہر سے باہر استقبال کیا، بعد ازاں شہر میں لایا اور ایک داعی کے گھر میں انہیں ٹھہرایا اور درخواست کی کہ ابھی اپنے آپ کو پوشیدہ رکھیں، اور دلیل یہ دی کہ اگر ایسا نہ ہوا تو کام بگڑ جائے گا۔ اموی خلیفہ تاحال زندہ ہے اور ایک بہت بڑا لشکر اس کے پاس ہے اور وہ اسی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

لیکن در حقیقت بات کچھ اور تھی۔ یہ شخص آل بیت علوی کی طرف میلان رکھتا تھا، اور چاہتا تھا کہ دعوت اور تحریک کی قیادت عباسیوں کے ہاتھ سے نکال کر علویوں کے ہاتھ میں دے دی جائے اور شاید وہ ایساء کر بھی گزرتا لیکن ابوالعباس اور اس کے آل بیت کی آمد کا بعض سالاروں کو جو کوفے میں تھے سراغ لگ گیا۔ وہ دوڑے دوڑے اس کے حضور میں پہنچے اور بیعت کر لی اور ابوسلمہ کو اس کے اس فعل پر بہت برا بھلا کہا، اور اسے مجبور کر کے صاحب دعوت کی خدمت میں لے گئے، اسے سر جھکا دینا پڑا، اس نے بھی بیعت کر لی اور اپنی اس حرکت پر پشیمانی کا اظہار بھی کیا لیکن اپنے اصل رجحان ——— علویوں کی طرف ——— کا اعتراف نہیں کیا۔

جمعہ کے دن کے صبح صبح، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ (مطابق ۷۴۹ع) کو ابوالعباس نے اپنی خفیہ اقامت گاہ سے نکل کر دربار جمایا۔ اپنے سپہ سالاروں، حاکموں، امرا اور خاندان عباسی کے لوگوں کو طلب کیا اور مسجد کوفہ میں داخل ہوا۔ یہاں ایک خطبہ دیا اور بنوامیہ کے مظالم کا ذکر کیا اور اپنے مستقبل کے منہاج اور طریق کار کا اعلان کیا۔ پھر نماز پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر

۱۔ ملاحظہ ہو الجہشیاری، ص ۸۶۔

خلافت کی بیعت کر لی ۔ اس طرح تاریخ نے ایک مرتبہ اپنے آپ کو پھر دھرایا ۔ ایک مرتبہ پھر مسلمان دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے ، جن کی سربراہی (بیک وقت) دو خلیفہ کر رہے تھے ۔ اموی تخت شام پر متمکن تھے اور ہاشمیوں نے اپنا مرکز حکومت عراق کو بنایا تھا ۔

لیکن زمانے کی جن گردشوں نے آج سے سو برس پہلے علی بن ابی طالب (ہاشمی)رض کے برخلاف امویوں کا ساتھ دیا تھا اب وہ ایک دوسرا ہی کھیل ، کھیل رہی تھیں ۔

مروان بن محمد اپنے لشکر کے ساتھ شمالی عراق میں فتنے دبا رہا تھا ، بغاوتوں اور شورشوں کا مقابلہ کر رہا اورانہیں کچل رہا تھا اور اپنے حریف ابو العباس کے انتصارات و فتوحات کو ختم کرنے کی سعی میں لگا ہوا تھا ، وہ موقع کا منتظر تھا کہ ایک زور دار لڑائی لڑے ، پھر یا تخت یا تختہ!

ادھر ابوالعباس نے ایک بہت بڑا لشکر اپنے چچا عبداللہ بن علی کی سرکردگی میں ، مروان سے جنگ آزما ہونے کے لیے بھیجا ، دونوں لشکروں کا مقابلہ زاب کے مقام پر ایک نہر کے کنارے ہوا جو شہر موصل سے قریب ہے ۔ یہ واقعہ جمادی آخر ۱۳۲ ھ (مطابق ۷۴۹ع) کا ہے ۔

اس مقام پر زبردست رن پڑا ، کامل نو دن تک لڑائی جاری رہی ۔ شروع میں اموی لشکر فتحیاب ہوتا نظر آ رہا تھا لیکن آخر میں پانسہ پلٹا ۔ مروان کے قتل کی (غلط) خبر ، اس کے لشکر میں مشہور ہو گئی ، جسے سنتے ہی اس کی سپاہ نے راہ فرار اختیار کی ۔ مروان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے ، عبداللہ بن علی نے اس کا پیچھا کیا اور اس کی نقل و حرکت کی نگرانی جاری رکھی ۔

مروان ایسے شہر میں پہنچنا چاہتا تھا ، جہاں اسے پناہ مل سکے اور قلعہ بند ہو کر دشمن کی تلواروں سے محفوظ ہو جائے ، یہاں تک کہ وہ اپنے پایۂ تخت شام پہنچ گیا ، لیکن اب یہاں اس کی حمایت کرنے والے ناپید تھے ۔ وہ فلسطین پہنچا ، وہاں بھی پناہ نہ ملی تو بھاگ بھاگ مصر آیا

اور دیہاتی مقام بوصیر میں آ کر ٹھہر گیا ، لیکن صالح بن علی عباسی کے سوار یہاں بھی پہنچ گئے ، جنگ ہوئی اور مروان قتل ہو گیا ۔ یہ واقعہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ھ (مطابق ۷۵۰ء) کا ہے ۔

مروان کی موت سے مشرق میں اُمویوں کی حکومت کا چراغ گل ہو گیا اور ایک نیا پرچم ابھرا —— ہاشمی پرچم !

دولت بنی عباس

عباسیوں کے ہاتھ میں خلافت کا منصب جس طرح منتقل ہوا ، وہ ایک نئے عہد کا آغاز تھا ۔ اس دور میں حکومت کے منہاج اور طرز میں نئی تبدیلیاں ہوئیں ، اب تک عربیت کی تنگنائے اور گھٹی ہوئی فضا تھی ، اب ''اسلامیت'' کا دربار عام تھا ۔ جو اسود و احمر کی تمیز سے بیگانہ تھا ، غیر عرب عناصر بھی اب اس میں شریک تھے ، خاص طور پر اہل فارس کہ انہوں نے اس تحریک میں بہت نمایاں حصہ لیا تھا اور انہی کے دست و بازو کی قوت نے اس سفینے کو ساحل مراد تک پہنچایا تھا ۔

اموی خلیفہ کی ہلاکت اور اس کی فوج کا زور مکمل طور پر ٹوٹ چکنے کے باوجود حقیقت یہ تھی کہ نئی حکومت کو جو ابھی تاسیس و تشکیل کے دور سے گزر رہی تھی ، کئی اہم مسائل در پیش آئے ۔

پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس پر یہ ذمہ داری آ پڑی تھی کہ سب سے پہلے گزشتہ حکومت کے منصب داروں ، اور ذمے داروں سے ایوان حکومت کو پاک کرے ، دشمنوں کی تعداد ابھی بہت زیادہ تھی ۔ احتیاط اور دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں چھوڑا نہ جائے کہ وہ موقع کے منتظر رہیں اور جب حالات سازگار پائیں ٹوٹ پڑیں ۔

سب سے پہلے جن لوگوں سے نپٹنا تھا وہ اموی گروہ تھے اور دوسری عرب شخصیتیں جو فوج کی ٹکڑیوں سے تعلق رکھتی تھیں یا سالاری اور قیادت کے کارنامے انجام دیتی رہی تھیں ، ان کی ایک بڑی تعداد فیصلہ کر چکی تھی کہ انتقام لے کر رہے گی اور ایک مرتبہ پھر عرب نفوذ کو واپس لائے گی ، جس کو عباسی بغاوت نے جو زیادہ تر فارس کے رزم آراؤں کا سہارا لے کر کامیاب ہوئی تھی ، ختم کر دیا تھا ۔

ان عجمی عناصر کے علاوہ افق سیاست پر کچھ نئے حوادث بھی جلوہ گر ہوتے نظر آ رہے تھے ، جن کی آرزو یہ تھی کہ قیادت و سیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں ۔ لیکن (فی الحال) عباسی حکومت سے بھڑ جانے کی سکت نہیں رکھتے تھے ، ان میں بعض علوی بھی تھے ۔

علاوہ ازیں ایک اور طبقہ تھا ، جو فارسی قومیت رکھنے والے لوگوں پر مشتمل تھا ۔

یہ لوگ حریت اور استقلال کے ساعی تھے ۔ چاہتے تھے ایک مرتبہ پھر اپنے آبا و اجداد کی شان و شکوہ اور دبدبے و طنطنے کو واپس لے آئیں ، جسے ابھی حال کی عرب فتوحات نے کچل کر رکھ دیا تھا ۔

ابو العباس نے پہلی چوٹ اسوی جماعتوں اور ٹکڑیوں پر لگائی ، اس نے انھی کو ایک مرتبہ پھر آمادۂ کار کیا جس نے سیاہ پرچم ابھی لپیٹا نہیں تھا ، اور ہر صورت احوال کا مقابلہ کرنے کو تیار اور مستعد تھی ۔ چنانچہ یہ سپاہ شمشیر و سنان لے کر نکل کھڑی ہوئی اور اسویوں کا صفایا شروع کر دیا ، جو جہاں ملا اپنے انجام کو پہنچا دیا گیا ۔ نہ وہ نو عمر محفوظ رہے جو گھروں میں پناہ گزیں تھے نہ وہ پیران کہن سال جو جان بچانے کے لیے معتکف اور گوشہ نشین تھے ۔

عباسیوں نے اس بے دردی سے اسویوں کا خون بہایا کہ اس کے لیے قساوت اور سفا کی کا لفظ ہلکا معلوم ہوتا ہے ۔ انھوں نے اسویوں کی قبریں کھود ڈالیں ، اور مدفون اسوی خلفا کی لاشیں نکالیں ۔ انہیں سولی پر لٹکایا اور کوڑے مارے ان کی خون آشامی کا جذبہ حد سے بڑھا ہوا تھا ۔ بہت تھوڑی تعداد ایسے خوش قسمت لوگوں کی تھی جنھیں جان کی امان ملی ، لیکن راہ فرار اختیار کرکے ۔ انھی بچ جانے والوں میں ایک نوجوان شخص عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام تھا ۔ جسے لوگ ''قریش کا شکرا'' کہا کرتے تھے ۔

عبدالرحمان شمالی افریقہ کی طرف بھاگا ، اور سمندر کو پار کرتا ہوا اندلس کے ایک جزیرہ نما میں پہنچا ، اور وہاں اپنی ایک آزاد حکومت قائم کر لی ، ۳۴ سال تک (از ۱۳۸ھ تا ۱۷۲ء) حکومت کرتا رہا ۔ اس کے بعد اس کی اولاد مسند حکومت کی زینت بنتی رہی ۔

اسویوں کے اس ضبہ وجور کی بنیاد اس عداوت اور خصومت پر قائم تھی جو اسویوں اور ہاشمیوں کے مابین پائی جاتی تھی - جس کی مثال عربوں کی اسلامی تاریخ میں تو کم از کم کہیں نہیں ملتی۔

اس سفاکی اور خون آشامی کی بنا پر ابو العباس پہلے عباسی خلیفہ کا لقب ہی ''سفاح'' پڑ گیا تھا - اس لیے کہ اس نے بڑی بے دردی سے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کا خون بہایا تھا - اگرچہ بعض مؤرخین اس لقب کی یہ معنویت قبول نہیں کرتے - وہ کہتے ہیں کہ ابو العباس کا یہ لقب مسند آرائے خلافت ہونے سے بہت پہلے مشہور ہو گیا تھا اس لیے کہ وہ حد سے زیادہ مہمان نواز تھا اور مہمانوں کے لیے بے تکلف اونٹ ذبح کر ڈالا کرتا تھا -

ابوالعباس سفاح نے اسویوں کے خلاف جو یہ سفاکانہ طرز عمل اختیار کیا اور ان کی حامی عرب شخصیتوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا، اس میں جہاں اس کے جذبۂ انتقام کو دخل تھا اس سے کہیں زیادہ وہ حاشیہ نشین اور درباری اس کے ذمہ دار تھے —— اور ان میں اہل فارس پیش پیش تھے —— جو عربی عنصر سے متنفر تھے ، اور اپنی قومی ناکامیوں کا انتقام ان عربوں سے لینے پر تلے ہوئے تھے - ان کے مشوروں نے سفاح کو اور زیادہ خون ریز بنا دیا تھا - چنانچہ روایات تاریخی سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہے کہ ابوالعباس کی سپاہ تطہیر —— جس پر وہ حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا ، اور جسے اس نے تعزیر و عقوبت کی ذمےداری سونپ رکھی تھی —— زیادہ تر اہل فارس پر مشتمل تھی -

ایک روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوالعباس نے جی بھر کے اسویوں سے انتقام لے چکنے کے بعد ان پر سے ہاتھ اٹھا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا - چنانچہ اس نے ایک روز اپنے قصر خاص میں بہت سے اسویوں کو بلایا ، ان سے باتیں کرتا اور ان کی دل دہی کرتا رہا لیکن بعض عجمی حاشیہ نشینوں کو یہ بات ناگوار گزری ، چنانچہ سکھا پڑھا کر انہوں نے ایک شاعر کو بھیجا ، جس نے حاضر ہوتے ہی یہ اشعار پڑھے :

لا یغر تک[1] ما تری من رجال
ان تحت الضلوع داء رویا !
فارفع النطع[2] و اعمل السیف حتیٰ
لاتری فوق ظهره اسویا !

یہ اشعار سن کر، ابوالعباس بھڑک اٹھا، اور جتنے اموی موجود تھے ان سب کو قتل کر دیا۔

اس طرح عربی نفوذ کا چراغ ہاشمی قصر و ایوان میں جھلملانے لگا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر ابو العباس اپنے وزیر ابو سلمہ الخلال کی طرف متوجہ ہؤا، جس کے بارے میں شبہ تھا کہ یہ علویوں کی طرف مائل ہے، چنانچہ اس نے اس کے قتل کا اور اس طرح اس سے نجات پانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن یہ اتنا بڑا اور پرخطر اقدام تھا کہ بذات خود اسے عمل میں لاتے ہوئے ڈرا، اس لیے کہ ابو سلمہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ اعوان خلافت میں ایک مرتبۂ خاص پر فائز تھا۔ چنانچہ اس نے ابومسلم خراسانی کو ایک خط لکھا اور اس سے مشورہ طلب کیا کہ اس وزیر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے جو وفادار نہیں ہے اور اپنے دل میں اس کے خلاف جذبۂ عداوت رکھتا ہے؟

ابومسلم خراسانی نے اس مکتوب کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

---

١ - یہ لوگ جو تیرے حضور میں حاضر ہیں ان سے دھوکا نہ کھا جانا، ان کے سینوں میں (عداوت) کا روگ موجود ہے، قتل کرنے کے لیے جو چمڑا بچھاتا ہے اسے اٹھا، اور تلوار کو اپنا کام کرنے دے یہاں تک کہ
اس چمڑے پر کوئی اموی باقی نہ رہ جائے۔

٢ - نطع، ——— چمڑے کی اس فرش کو کہتے ہیں جس پر مقتول کو قتل کرنے سے پہلے بٹھا دیتے تھے تاکہ خون کی چھینٹیں زمین پر نہ پڑیں جو قاتل کے لیے فال بد سمجھی جاتی تھی۔ (مترجم)

"اگر امیرالمومنین کی یہ رائے ہے تو بہتر ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے!"

لیکن ابوالعباس کے ایک عباسی مشیر نے اس مسئلے پر رائے دیتے ہوئے کہا:

"ابوسلمہ کو آپ قتل نہ کریں۔ اس سے کسی موقع پر ابومسلم آپ کے خلاف کام لے سکتا ہے، اس لیے کہ اہل خراسان اور وہ لوگ جو اس وقت آپ کے ارد گرد ہیں، سب ابو سلمہ کے آدمی ہیں، للہذا ایسا کریں اور ابومسلم کو لکھیے کہ وہ ابو سلمہ کو قتل کرنے کے لیے کوئی آدمی یہاں بھیج دے، اس تحریر میں آپ اس سے خوشنودی کا اور اس پر اعتماد کا اظہار بھی فرمائیے۔"

ابوالعباس نے اس طرح کا ایک خط ابومسلم خراسانی کو بھیج دیا۔

خط پا کر ابو مسلم نے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی کو اس سازش کی تکمیل و تنفیذ کے لیے روانہ کر دیا۔ چنانچہ ابو سلمہ کو دھوکے سے راتوں رات قتل کر دیا گیا، اور صبح کو مشہور یہ کیا گیا کہ خوارج نے اسے قتل کر ڈالا!

لیکن جہاں تک ابومسلم خراسانی کا تعلق تھا وہ بھی اپنے آقائے ولی نعمت کے لیے کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا، اس نے خراسان میں پاؤں جما لیے تھے۔ لشکر جمع کر لیا تھا، اپنے نفوذ اور اقتدار میں اضافہ کر لیا تھا، اور اپنی اقلیم میں جبر و جور کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ بعض اُن لوگوں کو۔ جو دعوت انقلاب میں شریک تھے، ہدف ستم بنایا، اور بعض رؤساء دعوت کو جو اسے اپنے لیے خطرناک نظر آئے قتل کر دیا، وہ اس پر نازاں تھا کہ دولت امیہ کا اس نے چراغ گل کر دیا اور خاندان ہاشم کو اوج افلاک پر پہنچا دیا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ زندگی بھر خراسان پر وہ حکومت کرتا رہے گا اور علانیہ دھمکیاں دیا کرتا تھا کہ اگر خلیفہ کی طرف سے کوئی اس کے منصب پر قبضہ کرنے آیا تو جان سلامت لے کر نہ جا سکے گا، یہ بات اس حقیقت کی غمازی کرتی تھی کہ اب وہ پر پرزے نکالنے لگا تھا۔

ابو العباس سفاح ابومسلم خراسانی کے خطرے کو پورے طور پر محسوس کر رہا تھا ; لیکن اپنے طرز عمل سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن محمد کو، جس کی کنیت ابوجعفر تھی ، ابومسلم کے پاس خیر سگالی کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھیجا ; اور ابوجعفر کو تاکید کر دی کہ اس شخص —— ابومسلم خراسانی —— کو نظر میں رکھے ، اور اس کے عزائم کا پتا چلائے۔

ابوجعفر خراسان گیا ، وہاں سے واپس آ کر اس نے کہا :

''اس وقت تک نہ آپ کی خلافت ، خلافت ہے نہ آپ کی کوئی بات چل سکتی ہے جب تک ابومسلم کو قتل نہ کر دیں !''

ابو العباس نے سوال کیا :

''یہ تم کیا کہ رہے ہو ؟ —— کیسے ؟ کیونکر ؟''

ابوجعفر نے جواب میں عرض کیا :

''خدا کی قسم ابومسلم جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے !''

ابو العباس نے یہ سن کر کہا :

''خاموش ، —— خبردار تمھاری یہ بات کسی اور کے کان میں نہ پڑے !''

''اس کے بعد اس نے ابومسلم کے ایک ندیم خاص کو لکھا کہ وہ اسے عراق آنے اور امیرالمومنین کی خدمت میں باریاب ہونے کی ترغیب دے !''

یہ ترکیب کارگر ہوئی ، ابومسلم خراسانی نے ابو العباس کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس سے اجازت طلب کی کہ شرف باریابی عطا کیا جائے ، نیز اس عزم کا بھی اظہار کیا کہ سعادت حج حاصل کرنے کا اذن بھی —— لشکر سمیت —— مرحمت ہو۔

ابو العباس نے حسب دل خواہ جواب دیا ، البتہ یہ شرط عائد کر دی کہ سپاہ کی تعداد پانچ صد سے زیادہ نہ ہو۔

لیکن یہ بات ابومسلم کو گراں گزری ، اس نے ایک مرتبہ پھر درخواست ارسال خدمت کرتے ہوئے عرض کیا :

"لوگ مجھ سے بھڑکے ہوئے ہیں ، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے ۔ لہٰذا سپاہ کی تعداد پانچ صد کی جو شرط عائد کی گئی ہے وہ بہت قلیل ہے اس پر نظر ثانی کی جائے ۔"

ابو العباس نے اس عرض داشت کا جواب دیا :

"ایک ہزار سپاہ اپنے ساتھ لا سکتے ہو ، کیونکہ مکے کا راستہ اس سے زیادہ سپاہ کا متحمل نہیں ہو سکتا !"

ابو مسلم خراسانی اپنے ساتھ آٹھ ہزار سپاہ لا رہا تھا ۔ یہ جواب پا کر اس نے ایک ہزار سپاہ اپنے ساتھ رکھ لی ، باقی کو واپس کر دیا ۔ اپنا خزانہ شہر رے میں محفوظ کر دیا ، اور عراق پہنچ گیا ، اور پایۂ تخت ——— انبار ——— میں داخل ہو گیا ۔ یہاں حکومت کے امراء اور اعیان نے اس کا بڑا پرتپاک استقبال کیا ، خود ابو العباس نے بھی اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ابو مسلم کو قتل کر دے گا لیکن اس فیصلے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا ، بعد ازاں اس نے ابو مسلم کو اپنے بھائی ابو جعفر کی زیر امارت سفر حج پر جانے کی اجازت بھی مرحمت کر دی ، ——— یہ واقعہ ۱۳۶ ھ (مطابق ۷۵۳ ع) کا ہے ۔

قافلۂ حج کے جانے کے بعد ابو العباس بیمار پڑا ، اس نے محسوس کر لیا آخری وقت آ پہنچا ہے چنانچہ اس نے اپنے بھائی ابو جعفر کے لیے پروانۂ ولی عہدی لکھا اور اس کے بعد ، اپنے ایک بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کے لیے وصیت کر دی ۔ یہ عہد نامہ باقاعدہ لکھوا کر اس نے ایک تھیلی میں بند کرکے سر بہ مہر کر دیا ، اور اپنے اہل بیت کی مہریں بھی عہد نامے پر لگوا دیں ۔

بنو عباس میں ابو جعفر نہایت عقیل و فہیم اور باتدبیر شخص تھا ۔ علمی اعتبار سے بھی اس کا پایہ بہت اونچا تھا ۔ اس طرح عیسیٰ بن موسیٰ بھی خاندان بنو عباس میں شجاع ترین شخص تھا ، قیادت جیوش اور فن قتال میں خصوصی مہارت رکھتا تھا ۔

آخر کار ابو العباس کا اس مرض میں انتقال ہو گیا ۔ ابو جعفر کو اس کی وفات اور اپنی ولی عہدی کی خبر مکہ مکرمہ میں ملی ۔ وہ منبر پر چڑھا ، لوگوں کو اپنے بھائی کی خبر مرگ سنائی ۔ انھوں نے رسم تعزیت یہ خبر سن کر ادا کی ۔ پھر ابو جعفر نے اپنی ولی عہدی کی خبر سنائی ؛ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی ، ان بیعت کرنے والوں میں ابو مسلم خراسانی بھی تھا[1] ۔

قبل اس کے ابو جعفر عراق کی طرف واپس ہوتا ، —— اور ایک روایت کے مطابق واپسی کے بعد —— اسے یہ خبر ملی کہ اس کا چچا عبداللہ بن علی ، جو اموی خلیفہ سے زاب کے مقام پر شاندار اور فیصلہ کن جنگ لڑا تھا مدعی ہے کہ سفاح نے اسے ولی عہد نامزد کیا ہے ، کسی اور کے لیے وصیت نہیں کی ہے ، ساتھ ہی ساتھ اس نے شورش اور بغاوت کا آغاز بھی ابو جعفر کے خلاف کر دیا ہے جس نے اپنے لیے خلیفہ منصور کا لقب اختیار کر لیا تھا ؟

اب منصور کے لیے ، اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ اس فتنے کا سر کچلنے پر ابو مسلم خراسانی کو مامور کرے ، اس انتخاب میں مصلحت یہ تھی کہ یہ دو دشمن جب لڑیں گے ، تو ایک ختم ہوگا ، دوسرا باقی رہ جائے گا ۔ اس کو بعد میں سمجھ لیا جائے گا ۔

ابو مسلم خراسانی اور عبداللہ بن علی عباسی کے لشکر شام کے قریب معرکہ آراء ہوئے ، کامل ایک مہینے تک جنگ جاری رہی ، آخر کار ابو مسلم کو فتح ہوئی ، اور عبداللہ بن علی عباسی اپنے بھائی سلیمان بن علی عباسی والئی بصرہ کے پاس راہ فرار اختیار کر کے پہنچ گیا ۔

سلیمان نے عبداللہ بن علی کی ابو جعفر منصور سے سفارش کی ، ابو جعفر نے اسے قتل نہیں کیا اور امان نامہ عطا کر دیا ، لیکن اسے ایک گھر میں قید کر دیا ، جس کی بنیاد نمک پر رکھی گئی تھی ، پھر بہت سا پانی اس طرف بہا دیا ، عمارت گر پڑی ، اور وہ دب کر ہلاک ہو گیا ۔

[1] - ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابو جعفر فریضہ حج سے فارغ ہو کر جب انبار آ رہا تھا تو راستے میں سفاح کی خبر وفات ملی ۔

کوئی شبہ نہیں عبداللہ بن علی عباسی پر ابومسلم خراسانی نے جو زبردست فتح حاصل کی ، اس سے لوگوں کے دل میں اس کی ہیبت اور نفوذ بہت بڑھ گیا ۔ اور اہل فارس کے عنصر کو غیر معمولی تقویت ملی ، اور اسی نسبت سے ابوجعفر منصور کی دہشت میں اضافہ ہو رہا تھا ۔ نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام ، سب سے زیادہ فکر اسے یہ تھی کہ ابومسلم کو خراسان واپس نہ جانے دیا جائے ۔

چنانچہ ابوالعباس نے ابومسلم کو اس فتح عظیم پر ایک تہنیت نامہ لکھا ، اور اس کا اعزاز یوں بڑھایا کہ مصر و شام کی گورنری اسے عطا کر دی ۔

لیکن ابومسلم نے یہ اعزاز قبول کرنے سے انکار کر دیا ، وہ بضد تھا کہ خراسان ہی واپس جائے گا ، چنانچہ وہ اپنے وطن مالوف کی طرف چل پڑا ، اور خلیفہ کے الحاح و التجا کی کوئی پروا نہ کی ۔ خلیفہ نے پھر اسے راضی کرنا چاہا ، لیکن اس نے ایک نہ سنی وہ ہر حالت میں خراسان واپس جانے کا تہیہ کر چکا تھا ، اس نے دھمکی دی کہ اگر اسے مجبور کیا گیا تو وہ دستبردار ہو جائے گا ۔

ابوجعفر کو اس طرز عمل اور صورت حالات نے بے انتہا سراسیمہ کر دیا تھا ، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ابومسلم کی یہ سرکشی صرف ایک شخص کی سرکشی نہیں پورے خراسان کی سرکشی ہے ، جہاں سلاح جنگ کا ذخیرہ ہے اور مردان جنگ آزما بہ تعداد کثیر موجود ہیں ۔ حتیٰ کہ وہ جیوش تک جنہوں نے بنوامیہ سے کامیاب جنگ کی تھی وہیں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں ، اور ان سب کو ابومسلم کی ذات سے جو والہانہ ربط و تعلق تھا ، وہ کسی دوسرے شخص سے نہ تھا ۔

اب خلیفہ منصور کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ مکر و فریب سے کام لے ، ساتھ ہی ساتھ دھمکی اور تخویف کو بھی کام میں لائے ۔ اس نے مشائخ بنو ہاشم کو آمادہ کیا کہ اسے خطوط لکھیں اور سرکشی و بغاوت کے انجام سے ڈرائیں ۔ یہ مکتوبات اس نے ایک خاص نامہ بر کے ہاتھ بھیجے ، اور اسے تاکید کر دی کہ بہ الفاظ شائستہ اسے

خود بھی سمجھائے ، اور آمادہ کرے کہ امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو ۔ اور ان کی زیارت سے شاد کام ہو ، اور اگر یہ میٹھے بول کام نہ دیں ، اس کے اعراض اور سرکشی میں کوئی فرق نہ آئے تو اس سے کہہ دے :

''امیرالمومنین نے خدا کی قسم کھائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تو دریا میں کود پڑا ، تو میں بھی تیرے پیچھے چھلانگ لگا دوں گا، اگر تو آگ میں کودا تو وہاں بھی مجھے پائے گا ، یہاں تک کہ میں تجھے قتل کر ڈالوں یا خود ہلاک ہو جاؤں !''

خلیفہ کی اس قسم نے ابومسلم کو مرعوب کر دیا ۔ بنو ہاشم کے اتحاد و اتفاق نے بھی اسے ہراساں کر دیا ۔ خراسان میں اس کا جو نائب تھا اسے بھی اس نے حکومت کی طرف مائل پایا ۔ چنانچہ اس نے سر جھکا دیا ، لشکر چھوڑا ، اور تھوڑے سے نگہبانوں کے ساتھ مدائن پہنچا جہاں خلیفہ قیام فرما تھا ۔ ۵ شعبان ۱۳۷ھ (مطابق ۷۵۵ء) کو اس کی خدمت میں حاضر ہوا ۔

منصور نے ساری تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں ۔ اس نے ابو مسلم کو قصر خلافت میں تن تنہا اذن حضوری دیا ، اسے ڈانٹا ، اور برا بھلا کہا ، اور اپنے نگہبانوں کو حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں ۔ اس کا کٹا ہوا سر ، ان نگہبانوں کی طرف پھینک دیا جو اس کے ساتھ آئے تھے ۔ اس کٹے ہوئے سر کے ساتھ چاندی اور سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلیاں بھی تھیں ۔ یہ لوگ بوریہ بستر باندھ کر چلے گئے ۔ باقی رہے ابومسلم کے رؤساء اور سردار ، انہیں عہدوں ، منصبوں ، اور انعامات سے نوازا ، اور سارا معاملہ آن کی آن میں ختم کر دیا[1] ۔

بنو عباس کے لیے ابومسلم کا قتل بہت بڑی کامیابی تھی[2] اور اتنی

۱ ۔ ابومسلم کو عثمان بن نہیک نے منصور کے چار نگہبانوں کے ساتھ قتل کیا تھا ۔

۲ ۔ کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ابومسلم کا دوست تھا ، اسے جب اس کے قتل کی خبر ملی تو افسوس کرنے لگا ، منصور نے اس کے اظہار تاسف پر کہا : ''خاموش ، تمہاری فرماں روائی اور حکومت کا دن آج سے شروع ہوا ہے !''

بڑی ضرب بھی تھی فارس قومیت کی اس تحریک پر جو برگ و بار لا رہی تھی، اور جس کا مرکز خراسان بنا ہوا تھا۔

ابومسلم خراسانی کا انتقام لینے کے لیے۔ اس کا ایک پروردہ شخص جو مجوس فارس کا زعیم بھی تھا اٹھا۔ جس کا نام فیروز اصبہد اور لقب 'سنباذ' تھا۔

سنباذ کے گرد بہت سے لوگ خون ابومسلم کا انتقام لینے کے لیے جمع ہو گئے۔ یہ فاتح و غانم آگے بڑھتا گیا۔ کئی شہر اس نے فتح کر لیے، رے میں داخل ہوا اور اس خزانے پر قبضہ کر لیا جسے ابومسلم یہاں سفر حج پر جاتے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔

سنباذ کے مقابلے کے لیے منصور نے ایک عرب سردار جمہور بن مرارالعجلی کو بھیجا۔ اس نے سنباذ کو شکست دی، اور قتل کر دیا۔ اس کے بہت سے ساتھیوں اور سپاہیوں کو گرفتار کر لیا، اور غصب شدہ خزانے پر، جو ابومسلم یہاں چھوڑ گیا تھا اور جس پر سنباذ نے قبضہ کر لیا تھا پھر سے واپس لے لیا۔

اس بحث کو ہم زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ گزشتہ صفحات میں جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان سے بہ آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح ابوجعفر منصور نے حقیقی فرماں روائی حاصل کی؛ زمام دولت اپنے ہاتھ میں لی، حوادث اور ہنگاموں کے باوجود نظم مملکت کو مستحکم کیا؛ خاص طور پر فارسی عنصر نے جو اپنی پوری زور آزمائیوں اور توانائیوں کے بل پر عربی قومیت کی شوکت کو مائل بہ زوال کر دیا تھا اسے از سر نو بحال کیا۔

مملکت کی سیاست کو اب استقرار و استحکام حاصل ہو گیا، اور وہ ایک خاص رنگ میں رنگ گئی۔

اور وہ خاص رنگ یہ تھا کہ اب جملہ اختیارات، اور ہر طرح کا اقتدار عباسی خلیفہ کے ہاتھ میں تھا، وہی صاحب حل و عقد تھا، امراء بنو عباس کو مقام بلند مل گیا اور وہی چھائے ہوئے نظر آنے لگے۔

جن لوگوں کے ہاتھ میں مناصب اور نظم مملکت اور اعمال دولت کے سپرد تھے ، ان میں عرب اور غیر عرب دونوں شامل تھے ، اگرچہ دوسرے عنصر کو کسی حد تک غلبہ حاصل تھا ۔

عباسی اور علوی

ابو جعفر منصور کے سامنے اب علویوں کے سوا کوئی اور مرحلہ صعب باقی نہیں رہ گیا تھا۔

علویوں کی تحریک پس پردہ عباسیوں کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی سے کام کر رہی تھی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس دعوت کا آغاز ہمارے گھر سے ہوا۔ ہمارے ہی گھر میں یہ پروان چڑھی۔ ''آل بیت'' یا 'آل محمد' کا نام ہی اس کی کامیابی اور کشش کا ضامن تھا، پھر یہ کیونکر مناسب ہو سکتا ہے کہ اس دعوت کے پھل ابنائے عباس کے حصے میں آئیں، اور ہمارا حصہ صرف حرمان اور ناکامی ہو، حالانکہ ہم نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے ان ابنائے عم کے مقابلے میں کہیں زیادہ قرب اور قرابت رکھتے ہیں۔

اب علویوں کی دعوت محمد بن عبداللہ بن حسن رض کی سر براہی میں نشو و نما کے مراحل تیزی سے طے کرنے لگی، یہ محمد بن عبداللہ بن حسن ''نفس ذکیہ'' کے نام سے مشہور تھے۔ ایک ایسی جماعت بھی تھی جس نے اب تک عباسیوں کی بیعت نہیں کی تھی، وہ نفس ذکیہ کے ساتھ تھی۔ ان لوگوں نے اپنی دعوت کا مرکز حجاز مقدس کو قرار دیا۔ یہ واقعہ سفاح کے زمانے کا ہے۔

ابو العباس سفاح علویوں کے خلاف جبر و تشدد پر فی الحال آمادہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ اندیشہ تھا خود ہاشمیوں میں اس طرح افتراق اور انتشار پیدا ہو جائے گا اور اتنا بڑا خطرہ ان حالات میں مول نہیں لیا جا سکتا کہ عباسیوں کی حکومت ابھی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اسے وہ استحکام و ثبات ابھی حاصل نہیں ہوا تھا جو ایک منظم اور مستحکم حکومت کو

حاضر ہوا کرتا ہے ۔ چنانچہ سفاح نے مجبوراً صبر سے کام لیا ، یہاں تک کہ ایک روز اس کے پاس عبداللہ بن حسن[1] مدینہ منورہ سے وارد ہوئے ، بیعت کی اور مبارکباد پیش کی ، ابو العباس سفاح نے ان کا بہت زیادہ اعزاز و اکرام کیا ، تپاک اورگرم جوشی کے ساتھ ملا ، پھر باتوں باتوں میں شکایت کی کہ آپ کے صاحبزادے نے تاحال بیعت نہیں کی ہے ۔

عبداللہ نے سفاح کی شکایت کا جواب دیتے ہوئے کہا :

"آپ کو میرے بیٹے کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہیے !"

اس جواب سے سفاح خوش ہو گیا ، اور اس نے عبداللہ بن محمد بن حسن رضہ سے کہا :

"مجھے آپ پر اعتماد اور خدا پر بھروسہ ہے !"

ابو العباس سفاح کی وفات تک نفس ذکیہ نے باپ کے کیے ہوئے وعدے کو نبھایا ، اس کے مختصر سے عہد حکومت میں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی بجز اس کے کبھی کبھار کسی بات پر کچھ تلخی سی ہو گئی وقتی طور پر ، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ علویوں کی دعوت کا سلسلہ خفیہ طور پر پوری وسعت اور سرگرمی کے ساتھ جاری رہا ۔

جب ابو جعفر منصور مسند آرائے خلافت ہؤا اور اس نے امور مملکت اپنے ہاتھ میں لیے تو سب سے پہلے اس خفیہ تحریک کو دبانے اور کچلنے کی طرف توجہ کی ، اس نے کئی آدمی ایسے گرفتار کر لیے جو علویوں کے حامی اور ان کے لیے برسرکار تھے ۔ ان کو نو گرفتاروں سے سب سے پہلا سوال اس نے جو کیا وہ یہ تھا :

"نفس ذکیہ کہاں چھپے ہوئے ہیں ؟"

کسی نے بھی اس سوال کا حسب دل خواہ جواب نہیں دیا ۔ بعض نے کہا :

"نفس ذکیہ کو معلوم ہے اور آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ وہ اب سے بہت پہلے اس منصب کو اپنا حق سمجھتے تھے ۔ (اب آپ اس منصب پر فائز ہیں) لہٰذا انہیں اندیشہ ہے کہ آپ انہیں قتل

---

[1] ۔ نفس ذکیہ کے والد ، حضرت امام حسن کے صاحبزادے ! (مترجم)

کر دیں گے ، ویسے نہ وہ آپ کے خلاف ہیں ، نہ آپ کو کسی طرح کا نقصان پہنچانا چاہتے ہیں [1]۔"

بعض دوسرے لوگوں نے کہا :

"خدا کی قسم نفس ذکیہ آپ سے غافل نہیں ہیں ، بس آپ جو چاہیے کیجیے!"

ان باتوں نے منصور کو پریشان کر دیا ، اور وہ طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہو گیا ، اور اس نے اس معاملے کو ادھر یا ادھر کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ۔

نفس ذکیہ حجاز میں روپوش تھے اور سر گرمی سے دعوت کا کام انجام دے رہے تھے ۔ انہوں نے اپنے بھائی ابراہیم[2] کو عراق بھیج دیا کہ وہ وہاں کی فضا ہموار کریں ۔

منصور نے رباح بن عثمان کو مدینہ منورہ کا والی بنا کر بھیجا ، اور اسے تاکید کی کہ لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرے اور جو دشمن اور مخالف نظر آئیں انہیں ٹھکانے لگا دے ۔

رباح مدینہ منورہ میں داخل ہوا ، آتے ہی اس نے ایک خطبہ دیا جو دھمکیوں سے پر تھا ، اس نے کہا تم میں سے جس کسی کو کسی علوی باغی کے بارے میں کچھ معلوم ہو وہ اس کی نشان دہی کرے ، ورنہ اس

---

۱ - عباسیوں کے بر سر اقتدار آنے سے پہلے علویوں کی جو تحریک چل رہی تھی ، اس کی قیادت نفس ذکیہ کے ہاتھ میں تھی اور ایک مرتبہ جب ان کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی جا رہی تھی تو ان بیعت کرنے والوں میں خود ابوجعفر منصور بھی شامل تھا ۔
لیکن اب حالات بدل چکے تھے ۔ وہ بیعت افسانۂ پارینہ بن چکی تھی ، تخت خلافت پر وہ خود متمکن تھا ، اور ان لوگوں کو راستے سے ہٹا دینا چاہتا تھا جو خطرناک ثابت ہو سکتے تھے ، اور سب سے بڑا خطرہ وہی شخص تھا جس کی امامت کی وہ خود بیعت کر چکا تھا ! (مترجم)

۲ - یہ "نفس رضیہ" کے نام سے مشہور تھے ۔ (مترجم)

کی خیر نہیں ، لیکن لوگوں نے اس کی پروا نہ کی ، بلکہ اسے ذلیل کیا ، اور اس کی توہین کی ۔

اس واقعہ کے بعد منصور نے ایک خط بھیجا جو باشندگان مدینہ کو سنایا گیا ، جس میں تحریر تھا :

"اے اہل مدینہ ! تمھارے والی (گورنر) نے مجھے تمھاری سرکشی، اور بے راہروی ، اور بد رائی کی اطلاع دی ہے ، نیز بیعت سے گریز کی بھی ۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں ، اگر تم راہ راست پر نہ آئے تو میں تمھارے امن کو خون سے بدل دوں گا ، بر و بحر کو تم سے منقطع کر دوں گا ، اور تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دوں گا ، جو سنگدل ہوں گے ، اور صلۂ رحمی کی ذرا بھی پروا نہیں کریں گے !"

اس تہدید کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا ، رباح بن عثمان اور اہل مدینہ کی کشمکش ، اور اختلاف و منافرت میں برابر اضافہ ہوتا گیا ، آخر اس نے علویوں کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا ، ان گرفتار شدگان میں امام حسن رض کے صاحبزادے ، اور نفس ذکیہ کے والد عبداللہ بھی تھے ۔

رباح نے ان لوگوں پر زیادہ سے زیادہ سختی کی ، منبر پر کھڑے ہو کر ایک دھواں دھار تقریر کی ، اور وعید و تہدید کا پھر اعادہ کیا ۔ لوگوں نے جواب میں اس پر کنکریاں پھینکیں ، اسے زبردستی منبر سے اتارا اور قتل کر ڈالنے کا منصوبہ بنانے لگے ، اور شاید وہ ایسا کر بھی گزرتے ، لیکن رباح موقع پا کر کھسک گیا ، اور اس طرح اپنی جان بچا لی ۔

طرفین کے مابین کشمکش اور کشاکش کا سلسلہ پورے سال بھر تک جاری رہا (۱۴۴ھ—۷۶۲ء) یہاں تک کہ موسم حج آیا ، اور منصور نے ارض حجاز میں وارد ہونے کا قصد کیا ، چنانچہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ربذہ میں اس نے پڑاؤ کیا ، یہاں اس کا عامل حاضر ہوا ، اور اس نے تمام احوال اور واقعات سے اسے مطلع کیا ، اس نے فوراً گرفتار شدگان کو اپنے حضور میں طلب کیا ، اور ان سے نفس ذکیہ

حفیہ ٹھکانہ پوچھا ، لیکن کسی نے بھی نشان دہی نہیں کی ، آخر اس نے برہم ہو کر سب کو ، بمقام کوفہ روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ وہاں انہیں ایک تہ خانے میں محبوس رکھا جائے ، یہاں تک کہ ان کے بارے میں کوئی آخری اور قطعی رائے قائم کر لے ۔

اہل مدینہ کو منصور کا یہ طرز عمل بہت گراں گزرا ، ان میں سے بعض فقیہ کبیر (امام) مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور منصور کی جو (جبری) بیعت کر چکے تھے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا ۔

امام مالک نے ان لوگوں سے کہا :

''اگر تم نے منصور کی بیعت جبر و جور کے ماتحت کی ہے تو مجبور پر ، (حالت مجبوری میں) عہد پر قائم نہ رہنے کی صورت میں کوئی کفارہ نہیں ۔''

یہ سنتے ہی ان لوگوں نے بیعت فسخ کرنے کا اعلان کر دیا ، اور نفس ذکیہ کی امامت تسلیم کر لی ، اور انہیں ''امیرالمومنین'' کا لقب دیا ۔

ان واقعات نے ابوجعفر منصور کو سراپا فکر و اضطراب بنا دیا ، اور اپنی عادت کے مطابق اس نے مکر و حیلے سے کام نکالنے کا فیصلہ کر لیا ۔ چنانچہ اس نے نفس ذکیہ کو ایک خط لکھا ، جس میں ان کی ذات سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا ، اور وعدہ کیا کہ خلافت کے سوا جو کچھ بھی درکار ہو مہیا کر دے گا ، اس لیے کہ اس کی خلافت کا قلادہ تو مسلمانوں کی گردن میں پڑ چکا ہے ۔ وہ تو اب اتر نہیں سکتا ۔ اس نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ اگر وہ نمودار ہو گئے تو ، اور انہوں نے راہ طاعت اختیار کی تو ان کے ، ان کی اولاد کے ، بھائیوں کے ، اہل خاندان کے ، اور پیروؤں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے ۔

اس خط کا نفس ذکیہ نے بڑا دلچسپ اور طنز سے بھرپور جواب دیا ۔ انہوں نے منصور کو لکھا کہ اسے اس شرط پر امان دی جا سکتی ہے اور اس کے اہل خاندان کو بھی اس امان میں شامل کیا جا سکتا ہے ، اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے ، اور حلقۂ اطاعت اپنے گلے میں ڈال لے ،

اور مسند خلافت سے اتر آئے - جسے عباسیوں نے آل علی سے غصب کر لیا ہے ، جو عباسیوں سے کہیں زیادہ اس منصب کے سزا وار ہیں اور اسلام میں سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں !

جواب میں منصور نے ایک طویل خط لکھا ، اور نفس ذکیہ نے آل علی کی آل عباس پر جو تفضیل ثابت کی تھی اس کا رد کیا - آخر آخر میں پھر خوش آئند وعدے کیے ، امان بخشنے کا عہد کیا اور جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا -

نفس ذکیہ نے بڑا دلچسپ جواب لکھا ، اور منصور سے سوال کیا :

''کیا تم وہی عہد کر رہے ہو جو اموی عامل یزید بن ھبیرہ سے کیا تھا اور پھر اُسے قتل کر ڈالا تھا ؟ کیا یہ تمہارا امان نامہ ایسا ہی تو نہیں جیسا تم نے اپنے چچا عبداللہ بن علی عباس کو دیا تھا ، اور پھر ہلاک کر ڈالا تھا؟ یا ابومسلم خراسانی کو عطا کیا تھا اور جب اس کا اعتماد حاصل کر لیا اور اسے مطمئن کر دیا تو قتل کر دیا ؟ ـــــ''

نفس ذکیہ نے منصور کے ظلم و فریب کے بہت سے واقعات کا ذکر کیا تھا جو اس نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ روا رکھے تھے -

جب منصور نے دیکھا کہ گفت و شنید مصالحت کا سلسلہ جاری رکھنا بے کار ہے ، اور اسے یقین ہو گیا کہ نفس ذکیہ اپنی روش ترک نہیں کریں گے ، تو وہ اس دن کا انتظار کرنے لگا جب یہ علوی سردار اپنے ساتھ باغی عناصر کو لے کر نمودار ہوگا ، تاکہ اسے قرار واقعی سبق دیا جا سکے -

نفس ذکیہ کا خیال تھا کہ خفیہ دعوت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک رزم و پیکار کے وسائل پورے طور پر مہیا نہ ہو جائیں ، اور کامیابی کا اچھی طرح سے یقین نہ ہو جائے - لیکن ان کے بعض داعی اور اعوان بضد تھے کہ جنگ شروع کر دی جائے - یہ لوگ زیادہ انتظار کرنا نہیں چاہتے تھے ، انہوں نے یہ غلط رائے قائم کر لی تھی کہ تلوار کو میان سے باہر نکالنے کا وقت آ گیا ہے - نفس ذکیہ کو بھی بالآخر یہ

رائے تسلیم کرنا پڑی - رجب ۱۴۵ھ (مطابق ۷۶۰ء) کے مہینے میں انہوں نے خروج کیا ، مدینہ منورہ اور آس پاس کے مقامات کے رہنے والے بہ تعداد کثیر ان کے ساتھ ہو گئے -

ان لوگوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ منصور کے گورنر کو گرفتار کر کے حوالہ زندان کر دیا اور ایک اعلان کے ذریعے دوسرے مقامات کے لوگوں کو آکسایا کہ عباسی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں -

ابو جعفر منصور کو جب خبریں تواتر اور تسلسل کے ساتھ ملنے لگیں تو وہ اپنے نئے پایہ تخت —— بغداد —— کی تعمیر میں مصروف تھا ، ان خبروں کے سنتے ہی اس نے سارا کام چھوڑا اور اپنا لاؤ لشکر لے کر سیدھا کوفے جا پہنچا ، اور یہاں آ کر مخالف عناصر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا ، اور اپنے ولی عہد موسیٰ بن عیسیٰ کو ک بڑا لشکر دے کر علوی بغاوت فرو کرنے کے لیے حجاز مقدس کی طرف روانہ کر دیا -

طرفین میں شدید جنگ ہوئی ، نفس ذکیہ اور ان کے ساتھی آخری وقت تک دلیری اور بہادری سے لڑے ، لیکن اس لشکر عظیم کا مقابلہ نہ کر سکے اور میدان جنگ میں کھیت رہے -

نفس ذکیہ کے بھائی ابراہیم (نفس رضیہ) کوفہ روانہ ہو چکے تھے ، یہاں کی فضا سازگار نہ پائی تو بصرے پہنچے اور اسے فتح کر لیا - اہواز ، واسط اور کسکر وغیرہ کو بھی فتح کر لیا - ان کے لشکر میں جوق در جوق آ آ کر لوگ شریک ہونے لگے - نفس رضیہ اپنے بھائی نفس ذکیہ کے لیے دعوت دے رہے تھے -

نفس رضیہ کو جب نفس ذکیہ کے حادثہ شہادت کی اطلاع ملی تو اپنے لیے دعوت دینے لگے اور ایک بڑا لشکر لے کر منصور کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے - ان کے ساتھ جو فوج تھی وہ دشمن کی فوج سے زیادہ تھی اس لیے کہ اس کی فوج خراسان ، حجاز اور دوسرے متعدد مقامات پر بکھری ہوئی تھی -

یہ کیفیت دیکھ کر منصور نے اپنے ولی عہد موسیٰ بن عیسیٰ کو حجاز سے واپس بلا لیا۔ کیونکہ وہاں کی بغاوت نفس ذکیہ کی شہادت کے بعد فرو ہو چکی تھی۔ منصور نے موسیٰ بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ نفس رضیہ کا مقابلہ کریں۔

دونوں لشکروں میں قریہ مسحا[1] کے قریب سخت اور خون ریز جنگ ہوئی۔ قریب تھا کہ علوی لشکر عباسی لشکر پر غالب آ جائے لیکن اس کی صف میں یک بہ یک انتشار پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ نفس رضیہ اور ان کے جاں نثار ساتھی آخر وقت تک جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

یہ معرکے حجاز اور عراق میں برپا ہوئے، ان معرکہ آرائیوں نے نہ صرف بنو ہاشم میں تفرقہ اور انشقاق پیدا کیا بلکہ ان کا خون بھی بہایا، اور اس کے بعد شورشوں اور بغاوتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مصائب و نوائب کا دور چلتا رہا اور ایک عرصہ دراز تک یہ حالت قائم رہی۔ ان شورشوں اور بغاوتوں نیز مصائب و نوائب کا حصہ رسدی ہارون رشید کو بھی ملا جس کی تفصیل آئندہ اپنے موقع پر بیان ہوگی۔

بہر حال علویوں کی تحریک اور دعوت نے ابوجعفر منصور کو چوکنا کر دیا جو اگرچہ پہلا عباسی خلیفہ نہیں تھا لیکن عباسی حکومت کو ثبات و استحکام اسی نے عطا کیا تھا۔ اس نے سارا زور اس امر پر لگا دیا کہ حکومت کے ستون مضبوط و مستحکم ہو جائیں اور مقبوضات میں استقرار و طمانیت کی فضا پیدا ہو جائے۔ اقتصادی، اجتماعی اور عمرانی گوشوں کو بھی اس نے زیادہ سے زیادہ سنوارا اور وسیع کیا، اور اس کام سے زندگی کی آخری سانس تک غافل نہیں ہوا۔ اس نے تقریباً بائیس سال تک جاہ و تجمل کے ساتھ حکومت کی۔

اس جگہ اس امر کا ذکر ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ امویوں نے عراق کا علاقہ بنو عباس کے لیے اس طرح چھوڑا کہ اقتصادی اور زرعی

1۔ قریہ مسحا عراق کے جنوب میں بصرے کے قریب واقع ہے۔ (مؤلف)

اعتبار سے اسے بالکل نکما اور تباہ و برباد کر دیا تھا ۔ اس لیے کہ ان کا آخری عہد حکومت ، انارکی ، شورش اور جنگ و پیکار پر مشتمل تھا ۔

ابو جعفر منصور نے پوری توجہ ان خرابیوں اور کوتاہیوں کے دور کرنے میں صرف کر دی جو زمانے نے اس کے لیے مہیا کر رکھی تھیں ۔ اس نے زراعت کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور سارے علاقے کو مختصر سی مدت میں سرسبز و شاداب بنا دیا اور حیات اجتماعیہ و فکریہ میں نشاط اور سرگرمی کے آثار پیدا ہو گئے ، یہاں تک کہا جانے لگا کہ منصور کا عہد حکومت علوم و آداب اور فنون وغیرہ میں حضارت اسلامیہ کا نقطۂ عروج تھا ۔

منصور نے عمرانیات کے فروغ پر بھی پوری توجہ مبذول کی ۔ چنانچہ اس کے عہد میں بہت سے پل بنے ، نئی نئی بستیاں عالمِ وجود میں آئیں ، عمارتوں کی تعمیر ہوئی ، نہریں کھودی گئیں اور قلعے بنائے گئے ۔ ان چیزوں میں سب سے زیادہ اہم بغداد کی تعمیر ہے ۔ عباسی شہنشاہیت کا جدید پایۂ تخت بننا جس کے لیے مقدر ہو چکا تھا ۔

Cell - 0300-7386253 - بلوش

بغداد

جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ ایسا دور تھا کہ عراق میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا جس کی آبادی بہت زیادہ ہو ، جہاں باغات ہوں ، خوب صورت عمارتوں کی ایک زنجیر سی پھیلی ہو ، بڑے بڑے میدان ہوں اور جو شام کے شہروں سے ٹکر لے سکتا ہو ، اور اس نئی شہنشاہیت[1] ـــ بنو عباس ـــ کا پایۂ تخت بننے کی صلاحیت رکھتا ہو - لے دے کے ایک کوفہ تھا جس کی بنیاد حضرت عمر بن الخطاب کے عہد میں پڑی تھی ، جو عمال اور ولاۃ کا مرکز اور مستقر تھا ، اور سیاسی اعتبار سے یک گونہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور جہاں تاریخی نوعیت کے حوادث اور واقعات اکثر رونما ہوتے رہا کرتے تھے - نیز یہاں مختلف افکار و نظریات کے طبقات بھی موجود تھے جن کی فکری رنگا رنگی نے اسے ایک ہنگامہ پرور مرکز کی حیثیت تو عطا کر رکھی تھی ، لیکن اسے ثبات و قرار نہ تھا -

چنانچہ کسی اعتبار سے بھی یہ شہر ایک ایسی مملکت کا پایۂ تخت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا جو تقدم اور استقرار کی جویا اور ساعی تھی -

مسجد کوفہ میں جب ابوالعباس سفاح کی بیعت خلافت ہوئی تو اس نے یزید بن ہبیرہ ـــ مقتول اموی گورنر ـــ کی قیام گاہ کو اپنا محل بنایا ، یہ ایک شان دار عمارت تھی جو شہر سے کئی فرسخ کے فاصلے پر واقع تھی - سفاح نے اس عمارت میں کئی اضافے کیے اور اس کے ارد گرد ایک اور ایسی ہی عمارت تعمیر کی جس کا نام 'ہاشمیہ' رکھا ، لیکن لوگوں

---

١ - مصنف نے 'امبر اطوریہ' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ شہنشاہیت ہی ہو سکتا ہے - (مترجم)

نے اس نئے نام کی طرف التفات نہیں کیا اور اسے 'قصر ابن ھبیرہ' ہی کے نام سے یاد کرتے رہے - ابوالعباس کو یہ بات پسند نہ آئی ۔ اس نے یہ عمارت چھوڑ دی اور اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی بسائی جس کا نام 'ہاشمیہ' قرار دیا اور اس کو اپنا مستقر خلافت بنا لیا ۔

کچھ عرصے کے بعد ہاشمیہ کو بھی چھوڑا اور ایک اور چھوٹا سا شہر 'انبار' کے نام سے بسایا جہاں دو سال تک قیام پذیر رہا - پھر وفات پائی اور یہیں دفن ہوا ۔

سفاح کے بعد مسند خلافت پر ابوجعفر منصور متمکن ہوا ۔ اس نے انبار کے بجائے ہاشمیہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا ۔ اور بہت سے اضافے کیے ۔ جو عمارتیں نا تمام رہ گئی تھیں ان کی تکمیل کی ، لیکن متعدد اسباب کی بنا پر وہ ہاشمیہ کو اپنا مستقل مرکز خلافت نہیں بنانا چاہتا تھا ۔ ان اسباب میں ایک سبب یہ تھا کہ ہاشمیہ کوفے سے بہرحال بہت قریب تھا ، جہاں شیعیان علی بہ تعداد کثیر آباد تھے اور ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہیں آل بیت نبوی کے نام پر یہ آگ سرداران فوج اور حکام و عمال حکومت کو ورغلانے نہ لگیں ۔ یہاں رہ کر ان سے امن نہیں حاصل ہو سکتا تھا ۔

ایک دوسرا سبب ہاشمیہ کو نا پسند کرنے کا یہ تھا کہ یہاں کی فضا اور آب و ہوا سخت نا قابل برداشت تھی ۔ اکثر آندھیاں چلتی رہتیں جو ریت کے ذرات کو اپنے ساتھ اڑاتی ہوئی آتیں اور لوگوں کا منہ بگاڑ دیتیں اور سینے کو نقصان پہنچاتیں ۔

ہاشمیہ سے دل برداشتہ ہونے کا ایک اور بہت بڑا سبب یہ تھا کہ ایک ایسا حادثہ یہاں رونما ہوا جس سے اس کی جان کو خطرہ پیدا ہو گیا ۔

وہ حادثہ یہ تھا کہ ابومسلم خراسانی کے جیش کا ایک گروہ ــــ جسے راوندیہ کہتے ہیں ــــ حلول پر اعتقاد رکھتا تھا ، اس کا عقیدہ تھا کہ خدائے عز و جل ابوجعفر منصور کے جسم میں حلول کر گیا ہے اور روح آدم علیہ السلام ابومسلم خراسانی کے قاتل عثمان بن نہیک کے جسم میں حلول کر گئی ہے - یہ لوگ ہاشمیہ ہی میں رہتے تھے ،

اور اپنے عقائد کا چرچا کرتے رہتے تھے - ابوجعفر منصور نے اس جماعت کے سرداروں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا - راوندیہ جماعت کے لوگوں نے جیل پر بلہ بول دیا اور اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو چھڑا لے گئے - پھر قصر خلیفہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اسے قتل کر ڈالیں - اس کے نگہبانوں کی تعداد بھی اتنی کافی نہ تھی کہ وہ اس حملے کی مدافعت کر سکتی ، پھر بھی جتنے آدمی ساتھ تھے انہیں لے کر مقابلے کو اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر اُبھارتا رہا - تلواریں میان سے نکل آئیں اور کافی خون خرابہ ہوا -

غرض یہ تھے وہ وجوہ و اسباب جن کی بنا پر منصور نے تہیہ کر لیا کہ ایک نیا پایۂ تخت تعمیر کرے جو اس مقام سے کافی دور ہو اور جہاں وہ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرے - اس نے عراق کے اطراف و جوانب میں متعدد جگہیں دیکھیں لیکن اسے ایک قطعۂ زمین بہت پسند آیا ، جہاں کبھی ایک پرانی بستی آباد تھی جس کا نام بغداد تھا -

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجعفر منصور کا گزر اس سر زمین پر ہوا ، اس نے یہاں کے موسم کو خوش گوار پایا ، آب و ہوا بھی بہت بہتر نظر آئی - چنانچہ اس نے نیا دارالحکومت یہیں بنانے کا فیصلہ کر لیا - نئے دارالحکومت کے لیے اس جگہ کو منتخب کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ وسط مملکت میں واقع تھا اور مملکت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اقلیموں ـــــ شام و خراسان ـــــ کے طرف مواصلات کو قطع کرتا تھا ، یہ عسکری اور فوجی نقطۂ نظر سے بڑی اچھی بات تھی - یہ نیا دارالحکومت دریائے دجلہ و فرات کے مابین واقع تھا - مشرق یا مغرب سے کوئی دشمن اس شہر پر اس وقت تک حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا ، جب تک ان دونوں نہروں میں سے کسی ایک کو پار نہ کر لے - دفاعی اور حربی نقطۂ نظر سے یہ بڑی مفید بات تھی -

۱۴۳ھ (مطابق ۷۶۱ء) میں منصور نے حکم دیا کہ مہندس اور انجینیر حاضر کیے جائیں - یہ ماہر فن ہوں ، اور جہاں ملیں وہاں سے طلب کیے جائیں ، یہ لوگ حاضر ہوئے ، انہوں نے ایک نقشہ اور ایک ماڈل

تیار کیا ، یہ ماڈل زمین کے ایک وسیع رقبے پر تیار کیا گیا ، اور اس کی مجوزہ سڑکوں پر روئی کے بیج (بنولے) ڈال دیے گئے ، رات کے وقت ان میں آگ لگا دی گئی ، منصور نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھا ، اور انجینیروں کا منصوبہ اور کاری گری دیکھ کر عش عش کر اٹھا ، چنانچہ حکم دیا فوراً نیو کھودی جائے ، پھر اپنے ہاتھ سے اس نے سنگ بنیاد رکھا ، اور نئے شہر —— بغداد —— کا نام مدینۃ السلام تجویز کیا ۔

تقریباً پانچ سال تک شہر کی تعمیر و تاسیس کا کام ہوتا رہا ۔ اس عرصے میں اپنے زمانے کے ماہر فن انجینیر ، معمار ، رنگ ساز ، نقاش ، اور صناع اپنا اپنا جوہر دکھاتے رہے ، جو مملکت کے دور و دراز گوشوں سے لا کر یہاں جمع کیے گئے تھے اور انھوں نے اپنی ہنرمندی اور کاری گری کے نقوش و آثار ایسے حسین و جمیل تیار کیے کہ نظروں میں کھب گئے - یہ شہر مدور تھا، اس کا دائرہ چار میل کو محیط تھا ، دو شہر پناہیں تھیں ایک داخلی دوسری خارجی - ہر ایک کا عرض نیچے سے پچاس گز ، اور اونچائی سے بیس گز تھا - داخلی شہر پناہ ، خارجی سے چند گز زیادہ اونچی تھی ، دونوں بڑے پختہ اور عمدہ مسالے سے تیار کی گئی تھیں ، خارجی شہر پناہ کے ارد گرد ایک بڑی خندق کھودی گئی ، جو کافی گہری تھی ، جس میں پانی نہر کرخایا سے لایا گیا تھا ، خندق پر متعدد پل بنائے گئے تھے تاکہ آئندہ و رونده کو کسی طرح کی دشواری نہ ہو ، ساتھ ہی ساتھ انھیں اس طرح بنایا گیا تھا کہ خطرے کے موقع پر بڑی آسانی سے انھیں توڑا جا سکے ۔

شہر پناہ کی ہر دیوار پر پونے دو سو کے قریب اونچے اونچے برج بنائے گئے تھے - یہ ہندسی طرز پر فوجی نقطۂ نظر سے بنائے گئے تھے کہ اگر دشمن کسی وقت محاصرہ کر لے تو آسانی کے ساتھ ان برجوں سے اس پر چوٹ لگائی جا سکے ، ہر چار برج کے مابین ایک ایسا راستہ رکھا گیا تھا کہ گھڑ سوار آسانی سے نقل و حرکت کر سکیں ۔

شہر کے چار دروازے تھے:

باب خراسان ــــــ یہ نہر دجلہ کی طرف تھا۔ اس کا نام ''باب الدولۃ'' بھی تھا۔

باب بصرہ ــــــ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا، جہاں ایک نہر تھی۔ جس میں فرات سے پانی آتا تھا، اور دجلہ میں جا گرتا تھا۔

باب کوفہ ــــــ اس کا رخ جنوب مغرب کی طرف تھا۔

باب الشام ــــــ مغرب کی طرف۔

ان چاروں ابواب کے لیے جو پھاٹک لائے گئے تھے وہ بھی تاریخی اہمیت کے حامل تھے، جو مختلف زمانوں میں چار قدیم شہروں کے لیے بنائے گئے تھے، چنانچہ ایک پھاٹک شہر واسط سے لایا گیا تھا، جو حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد میں بنایا گیا تھا، جو بنو امیہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ باب کوفہ والا پھاٹک بھی، خالد بن عبداللہ القسری کے عہد میں تیار ہوا تھا۔ جو امویوں کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا، باب شام، اور باب خراسان کے پھاٹک بھی قدامت کی خصوصیت رکھتے تھے۔

یہ پھاٹک ان مقامات سے لا کر یہاں اس لیے نہیں لگائے تھے کہ ہنر اور کاری گری کے اعتبار سے یکتا تھے، اور اب ان کا مثل تیار نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ اس میں رمز یہ پنہاں تھا کہ نئے دارالحکومت کے یہ دروازے مختلف حکومتوں کی یادگار تھے، اس لیے ان کی حیثیت زیادہ اہم اور ممتاز تھی۔

مؤرخین نے ان چاروں ابواب کی اور جو برج تعمیر ہوئے تھے ان کے حسن و جمال، اور صنعت و کمال کی بڑی تعریف کی ہے۔ ہر برج پر کئی قبے تھے جن پر سونے کا کام کیا ہوا تھا، ان کے نیچے کافی گنجائش رکھنے والی نشست گاہیں تھیں، جن سے متعدد راستے سپاہیوں کی کمین گاہوں کی طرف جاتے تھے۔ جہاں سے حذر اور خطر کے وقت، تیراندازی کے جوہر دکھا کر وہ ان ابواب کی حفاظت کر سکتے تھے، اور یہیں سے ایسے راستے بنے ہوئے تھے جو شہر پناہ کی دیواروں پر سے گزرتے

تھے ، اور دوسرے بالائی برجوں تک چلے جاتے تھے ۔

قلب شہر میں منصور نے ایک بہت بڑا محل تعمیر کرایا تھا جس کی زمین کا رقبہ ایک لاکھ ستر ہزار مربع گز تھا ۔ اس محل کا نام اس نے 'قصرالذہب' (سونے کا محل) رکھا تھا ۔ اس میں دس بڑے بڑے ایوان تھے جن میں سونے کا کام کیا ہؤا تھا اور طرح طرح کے رنگوں سے اسے مزین کیا گیا ، اور اس کے حسن کو دوبالا کیا گیا تھا ۔ ہر ایوان میں ایک وسیع اور کشادہ ہال تھا ۔ اس کے اوپر ایک قبّہ تھا ، جس کی بلندی اسّی گز تھی ۔ اس کی خارجی سطح ہرے رنگ سے رنگی گئی تھی ، اور اس کے اوپر ایک زرد رنگ کا معدنی مجسمہ تھا ، جو ایک سوار کے برابر تھا ، جس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا نیزہ تھا ، جو ہوا کے رخ کی طرف اشارہ کیا کرتا تھا ۔

محل کے اندر منصور نے ایک نہایت شاندار ، اور حسین و جمیل مسجد بھی تعمیر کی تھی ، اب تک مسلمانوں نے جتنی مسجدیں تعمیر کی تھیں یہ ان سب میں کہیں زیادہ خوب صورت اور دل کش تھی ، اس کا نام ''مسجد منصور'' یا ''مسجد مدینۃ السلام'' پڑ گیا تھا ۔

شہر پناہ کی دونوں دیواروں کے بیچ میں ایک بہت بڑا قید خانہ تعمیر کیا گیا تھا ۔ جس کا نام مطبق تھا ، اس میں وہ لوگ قید رکھے جاتے تھے جو بارگاہ خلافت کے معتوب ہوتے تھے ، لیکن معتوب ہونے سے پہلے خلیفہ کے ندیموں اور حکومت کے کبار رجال میں جن کا شمار ہوتا تھا ۔

شہر بغداد اندرونی طور پر چار منطقوں میں تقسیم تھا ، ہر منطقہ اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے مساوی تھا ۔ ہر منطقے کو چار بڑی بڑی سڑکیں تقسیم کرتی تھیں ۔ ان میں سے ہر ایک کی چوڑائی چالیس گز تھی ۔ یہ سڑکیں ایک بڑے میدان میں آ کر مل جاتی تھیں ۔ جس کے وسط میں قصر ذہب اور مسجد منصور کی شاندار عمارتیں موجود تھیں ۔

ان چاروں منطقوں میں ، امرائے بنو عباس ، کبار رجال مملکت ، اعیان حکومت ، اور سالاران فوج نے شاندار حویلیاں اور کوشکیں تعمیر کرائی

تھیں ، ان حویلیوں اور کوشکوں کے باغات کی شکل قوس کی طرح تھی جن کا رخ قصر ذھب اور مسجد منصور کی طرف تھا ۔

ہر محلے میں کئی بازار تھے ، جن میں ضروریات زندگی سے متعلق تمام چیزیں دستیاب ہو سکتی تھیں ، چونکہ ان بازاروں میں ہر طرح کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور شور و غل کا یہ عالم تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی ۔ پریشان روزگاروں ، گوینّدوں اور تلاش معاش میں سرگرداں لوگوں کی کثرت سے گندگی اور غوغا آرائی بہت بڑھ گئی تھی ۔ لہذا منصور نے ان بازاروں کو ایک دور دست علاقے میں جو شہر سے بعید اور محلہ کرخ سے قریب تھا ، منتقل کر دیا ، اور صرف ایک ایک بازار رہنے دیا ۔ دکانوں کے اٹھ جانے اور بازاروں کے خالی ہو جانے سے جو جگہ بچی وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی تاکہ لوگ عام طور پر وہاں نماز پڑھ لیا کریں ، اور مسجد منصور میں زیادہ ہجوم نہ ہؤا کرے ۔

اندرون شہر کے متعدد اور مختلف علاقوں میں کافی حمام بھی بنائے گئے ، صفائی اور ستھرائی سے متعلق یہاں کے قواعد اور شروط بہت سخت تھے ، خلیفے سے اجازت نامہ لیے بغیر کوئی شخص سواری پر یہاں نہیں آ سکتا تھا ۔

شہر کے اندر دو نہریں تھیں ، جو مشرق سے مغرب کی جانب ، اور مغرب سے مشرق کی طرف بہتی تھیں ، ان میں پانی نہر کرخایا سے آتا تھا ، اس سے درختوں کی آبیاری ہوتی تھی ، اور باغات اور میدانوں میں جو پھولوں کے درخت لگائے گئے تھے انہیں شاداب رکھا جاتا تھا ۔

۱۴۸ھ (مطابق ۷۶۶ع) میں بغداد کی تعمیر تکمیل کو پہنچی ۔ اسی سال ہارون الرشید پیدا ہؤا ، اس کی ولادت شہر رے میں ہوئی[1] بغداد اپنے زمانے میں عالم اسلام کا سب سے زیادہ خوب صورت اور جاذب نظر شہر تھا ، اس شہر کی تعمیر و تاسیس پر کتنی رقم خرچ ہوئی ؟ اس باب میں

---

۱ ۔ بغداد کی تکمیل کس سنہ میں ہوئی ؟ مؤرخین اس باب میں مختلف ہیں لیکن مصادر قدیمہ سے ۱۴۸ھ ہی کا قول زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے ۔

روایات و اخبار باہم متناقض ہیں ۔ بعض نے مبالغہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مصارف کی میزان ۱۸ کروڑ دینار تھی ۔ لیکن یہ اندازہ مبالغے سے خالی نہیں ، کیونکہ اس زمانے میں ارزانی کا یہ حال تھا کہ ایک مینڈھے کی قیمت ایک درہم تھی ، اور ایک دینار میں بیس درہم ہوتے ہیں ۔ بعض لوگوں نے مصارف کا تخمینہ کم لگایا ہے ۔

بغداد کی تعمیر جیسے ہی ختم ہوئی ، منصور نے اپنے خزانے ، حکومت کے دفاتر ، اور بیت المال وغیرہ فوراً وہاں منتقل کر دیے !

حصۂ اول

ہارون رشید

ولادت ، نشو و نما ، تعلیم و تربیت

محمد المہدی خراسان میں

امویوں کے زمانے میں اقلیم خراسان اضطرابات اور انقلابات کا گہوارہ تھی ۔

عباسی دعوت کی کامیابی نے کہ اس میں اہالی خراسان کی جد و جہد کو کافی دخل تھا ، فارسی قومیت کے احیا اور تجدید اور اعادۂ حریت و استقلال کی ایک نئی لہر یہاں کے باشندوں میں پیدا کر دی ۔ ابو جعفر منصور اگرچہ اس خطرے کو محسوس کر رہا تھا لیکن یہ اس کے بس میں نہ تھا کہ اس لہر کو دبا دے ۔ اس لیے کہ یہ تحریک اوج و عروج کے منازل تیزی کے ساتھ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے باوجود طے کر رہی تھی اور ابو مسلم کے بعد اس کے ایک ساتھی شنباذ کی بغاوت نے ــــ جو اگرچہ کچل دی گئی ، حالات اور زیادہ ابتر کر دیے ۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً شورش اور چپقلش کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں جاری ہی رہتا تھا ۔ ان واقعات و حوادث نے اسے بہت زیادہ چوکنا کر دیا تھا اور اپنی مملکت کے اس حصے کی طرف سے وہ کافی متفکر رہنے لگا تھا اور یہاں امن و امان کی بحالی کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا ۔

اسی اثنا میں منصور کو اطلاع ملی (۱۴۰ھ مطابق ۷۵۷ع) کہ شہر مرو کے قریب ایک گروہ نے سرکشی کی ٹھانی ہے ، اس نے وہاں کے عامل کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا ۔

یہ خبر سن کر منصور نے صورت احوال کی نزاکت پورے طور پر محسوس کر لی ۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک خاص اور معتمد علیہ آدمی عبدالجبار بن عبدالرحمان ازدی کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا اور تاکید کی کہ جلد از جلد پہنچیے ، اور قبل اس کے کہ شورش زیادہ نازک صورت

اختیار کرے اسے کچل کر رکھ دے۔

لیکن عبدالجبار خود حکومت سے خار کھائے بیٹھا تھا ، ابوالعباس سفاح نے جو پولیس قائم کی تھی ، اس کا یہ افسر اعلیٰ رہ چکا تھا ۔ لیکن اس زمانے میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ دل میں کپٹ رکھ کر بیٹھ گیا چنانچہ جو ذمے داری اسے منصور نے سونپی تھی اسے نیم دلی کے ساتھ انجام دیا ۔ اس نے شورش پسندوں کی سرکوبی اور سابق صورت حال کی بحالی کی طرف ضرور توجہ کی لیکن خود بھی جور وستم کا عادی بن گیا ۔ دعوت عباسیہ کے سلسلے میں جن لوگوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے وہ بھی اس کی گرفت سے نہ بچ سکے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رائے عامہ اس کے خلاف بھڑک اٹھی اور اس کے خلاف شکایات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا ۔ بلکہ اس پر غبن اور خیانت کے الزامات بھی عائد کیے جانے لگے ، اور یہ الزام بھی لگایا گیا کہ حرص اقتدار میں مبتلا ہے ۔ منصور نے محاسبہ کرنے کے لیے اسے طلب کیا ۔ اب یہ ڈرا ، شروع میں تو حاضری سے ٹال مٹول کرنے لگا ، پھر باقاعدہ سرکشی اور بغاوت کا اعلان کر دیا ۔

ابو جعفر منصور نے اس شخص کی سرکشی اور اعلان بغاوت کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی ، کیونکہ وہ جانتا تھا ، یہ شخص اتنے ظلم ، لوگوں پر توڑ چکا ہے اور عوام سے اتنی بدسلوکی کر چکا ہے کہ اپنے حامیوں کا جتھا بنانے کا دم نہیں رکھتا ، البتہ اس نے یہ فیصلہ ضرور کر لیا کہ اس سر زمین پر رہ رہ کر جو فتنے اٹھتے ہیں اور جو شورشیں برپا ہوتی ہیں ان کا سد باب اچھی طرح سے کر دیا جائے تاکہ پھر کسی کو خروج ، و بیعت شکنی اور شورش آرائی کی ہمت نہ پڑے ۔

یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ یہ کام اپنے ہی خاندان کے کسی باہمت اور اوالعزم شخص کو سونپنا چاہیے اور اسے ایک لشکر گراں دے کر موقع واردات پر روانہ کر دینا چاہیے اور اسے تاکید کر دی جائے کہ وہ خراسان کی سر زمین پر پڑاؤ ڈال کر ایک عرصۂ دراز تک وہاں رہے اور جب تک حالات بالکل قابو میں نہ

آ جائیں واپس نہ آئے۔

آخر کافی غور و فکر کے بعد اس نے اپنے بیٹے محمد کو یہ مہم سر انجام دینے کے لیے منتخب کیا اور تیس ہزار کا لشکر دے کر، جو ہر طرح کے جدید ترین ساز و سامان جنگ سے آراستہ تھا روانہ کر دیا۔ اس کے پاس سب سے بڑا ماہر فنون حرب خازم بن خزیمہ تھا اسے بھی محمد کے ساتھ کر دیا۔ خازم بن خزیمہ وہ شخص تھا جس نے عباسیوں کی تحریک انقلاب و بغاوت میں نہایت شاندار اور عظیم کارنامے انجام دیے تھے۔

شاہ زادہ محمد بن منصور

محمد بن منصور ابھی بالکل نوعمر تھا، اس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ عباسی خاندان میں ایسے بہت سے لوگ تھے جو اس سے سرد و گرم چشیدہ، تجربہ کار اور احوال و امور سے باخبر تھے، لیکن ابو جعفر منصور اپنے لخت جگر کی شان بڑھانا اور مرتبہ اونچا کرنا چاہتا تھا۔

درحقیقت ابوجعفر منصور کا یہ اقدام اس خیال پر مبنی تھا جسکی کھچڑی دل ہی دل میں وہ کچھ عرصے سے پکا رہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد مملکت بنانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے منصب خلافت اپنی اولاد کے لیے مخصوص کر دے۔ اس سلسلے میں موسیٰ بن عیسیٰ کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا جس کی ولی عہدی پر بیعت ہو چکی تھی۔

بہرحال عباسی خاندان کا یہ نوعمر سردار —— محمد بن منصور —— لشکر جرار لے کر خراسان کی طرف روانہ ہؤا اور شہر رے میں آ کر اقامت گزیں ہو گیا[1]۔ چلتے وقت منصور نے بھی یہی تاکید کی تھی۔ محمد کو رے میں چھوڑ کر خازم بن خزیمہ فوج کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ عبدالجبار کی بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ ہو جائے، لیکن مرو کے لوگ جنگ کے

۱۔ عباسیوں کے اوائل عہد حکومت میں 'رے' خراسان کا دارالحکومت تھا، بعد میں یہ اعزاز اس سے چھن گیا اور 'اقلیم جبال' کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ اس شہر کو عربوں نے حضرت عمر رضؓ کے عہد میں فتح کیا تھا۔

انجام سے واقف تھے ۔ وہ قتل و تخریب سے بچنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ وہ خود عبدالجبار سے جڑ گئے اور اسے گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا اور خازم بن خزیمہ کا انتظار کرنے لگے ۔ جب وہ آیا تو اس کے حضور میں یہ باغی اس حالت میں پیش کر دیا کہ ہاتھ ہتھکڑی سے اور پاؤں بیڑی سے مزین تھے ۔ خازم نے عبدالجبار کو خلیفے کی خدمت میں عراق روانہ کر دیا جہاں اس نے اپنے کیے کا پھل پایا یعنی قتل کر دیا گیا ۔

ابو جعفر منصور نے اس کامیابی اور کثیر مال غنیمت کو کافی نہیں سمجھا ۔ اس نے خازم بن خزیمہ کے نام فرمان صادر کیا کہ وہ طبرستان کا رخ کرے اور ماورائے طبرستان تک بڑھتا چلا جائے ۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے کمک بھی بھیج دی ۔

خازم بن خزیمہ نے اس فرمان کی پوری تعمیل کی ۔ وہ اپنا لشکر جرار لے کر آگے بڑھا ۔ شہر فتح کیے ، قلعوں پر قبضہ کیا ، وہاں پر تسلط قائم کیا اور فتوحات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیا ۔ یہاں تک کہ اس کے سامنے اموال اور غنائم کا ڈھیر لگ گیا جو حد شمار سے خارج تھا ۔ اس نے اس دولت کو فوج میں بہ حصہ رسدی تقسیم کر دیا اور بیت المال کا حصہ دارالحکومت کی طرف روانہ کر دیا ۔ ان فتوحات و انتصارات کا لوگوں پر اچھا خاصا اثر پڑا اور امیر محمد بن منصور کی شان اور مرتبے میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ۔

محمد بن منصور کی قسمت توقع سے زیادہ اس کا ساتھ دے رہی تھی ۔ 'رے' میں اس کے پاس ایسے لوگوں کا ایک گروہ موجود تھا جو نظم مملکت کا فن جانتے تھے ۔ ان لوگوں نے اقالیم مفتوحہ کے حالات سدھارے ، اس میں نظم و ضبط پیدا کیا ، وہاں کے لوگوں کے کردار کو نکھارا ، آس پاس کے علاقوں میں جو شورشیں برپا تھیں انھیں فرو کیا ۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کی اقتصادی حالت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ سنور گئی اور لوگوں میں اعتماد پیدا ہو گیا ۔ اس سے پہلے جو انارکی ، طوائف الملوکی ، بدامنی اور جبر و جور کا سلسلہ ایک عرصہ دراز سے یعنی

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۳۲ ۔

اواخر عہد اموی سے چلا آ رہا تھا وہ یک قلم ختم ہو گیا ۔

محمد بن منصور تین سال تک عراق سے باہر رہنے کے بعد جب واپس آیا تو اس کے باپ اور امرائے دولت نے ایسا شان دار استقبال کیا ، جیسا کسی فاتح اور کشور کشا کا کیا جاتا ہے ۔ شعرا نے مدح و ثنا کے قصیدے نذر گزرانے ، حالانکہ اس نوجوان کی عمر ابھی پورے بیس سال کی بھی نہ تھی ۔

محمد بن منصور کا جی رے میں کچھ ایسا لگ چکا تھا کہ باپ کے پاس زیادہ عرصے تک نہیں ٹھہرا اور اپنی بنت عم ریطہ بنت ابوالعباس سفاح سے شادی کر کے پھر 'رے' واپس آگیا ۔ اس کے جلو میں صرف فوج کے سپاہی نہ تھے ، اصحاب علم ، ماہرین سیاست اور ارباب فکر کی ایک جماعت بھی تھی ، اور ان سب میں پیش پیش معاویہ بن عبیداللہ بن یسار تھا ۔ یہ گویا اس کا وزیر با تدبیر بنا کر اس کے ساتھ بھیجا گیا تھا تاکہ امور و شئون کو سدھارے اور ٹھیک رکھے[1] ۔

'رے' میں واپس آنے کے بعد اس نے اس شہر کی قسمت بدل دی ۔ جو لوگ اس کے ساتھ آئے تھے ۔ انہوں نے سب سے پہلے 'رے' کو ایک شان دار شہر بنانے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی ۔ چنانچہ دارالامارۃ میں توسیع کی گئی ، اس کے ایک حصے میں ایک حسین و جمیل مسجد تعمیر کی گئی ۔ شہر پناہ کی بلند و بالا اور وسیع و عریض دیواروں کی بنا پڑی ۔ ارد گرد خندق کھودی گئی اور شہر پناہ سے باہر ایک بستی بسائی جس کا نام 'محمدیہ' رکھا تاکہ شہر کے داخلی حصے سے تفریق ہو سکے ۔ یہ شہر اس خوبی اور کمال سے تعمیر کیا گیا کہ دولت بنی عباس کے شرقی حصے میں اسے امہات بلاد کی حیثیت حاصل ہو گئی ۔ ابن حوقل نے اس شہر کو دیکھا تھا ۔ وہ لکھتا ہے :

''مشرق میں بغداد کے بعد 'رے' سے زیادہ اچھا شہر کوئی اور نہیں ہے ۔''[2]

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۱۶۹ ۔

۲ ۔ بلدان الخلافۃ الشرقیہ ، صفحہ ۲۳۹ ۔

'رے' ایک پہاڑی تلے آباد تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر قلعے کی صورت میں قدیم شاہان فارس میں سے کسی کا ایک محل بنا ہوا تھا جس کا نام زیبندی[۱] تھا۔ امیر محمد بن منصور کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس قلعے کو ازسرنو مکمل کیا جائے اور ضروری توسیع کی جائے اور اسے شایان شان طور پر آراستہ کیا جائے۔ جب اس فرمان کی تعمیل ہو چکی تو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہیں منتقل ہو گیا۔

محمد بن منصور کو 'رے' میں رہتے ہوئے سات سال کی مدت گزر چکی تھی۔ یہ زمانہ اس کے باپ منصور کے لیے آشوب اور فتنوں کا زمانے تھا۔ اس عرصے میں بڑے بڑے حوادث گزر گئے اور بہت سے واقعات پیش آئے۔ اس عہد میں اس نے حجاز و عراق میں علویوں کی برپا کی ہوئی شورش کا کا خاتمہ کیا۔ اس عرصے میں اس نے ایک نئے اور شان دار شہر — بغداد — کی بنیاد ڈالی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس زمانے میں اس نے فوج کی تنظیم کی اور نظم مملکت کو اس طرح استوار کیا کہ نواحی مملکت میں امن و امان قائم ہو گیا۔ شورش اور سرکشی کا کسی میں یارا نہ رہا۔

اس زمانے میں منصور نے سب سے اہم اور خطرناک جو اقدام کیا وہ ہر طرح کی سعی و تدبیر اور مکر و حیلہ کو کام میں لا کر عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کا انتزاع تھا۔

عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کو ولی عہدی سے محروم کر دینا اور اس کے بجائے اپنے بیٹے محمد بن منصور کے لیے ولی عہدی کی بیعت لے لینا ایک بے انتہا اہم اور خطرناک اقدام تھا، لیکن وہ اسے کر گزرا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض ضروری تفصیلات پیش کر دی جائیں۔

فتوحات اور اصلاح و تعمیر کے جو کارنامے محمد بن منصور کے عہد میں سر زمین خراسان پر انجام پا رہے تھے، وہ پایۂ تخت خلافت عراق (بغداد)

۱۔ کتاب البلدان، جلد ۵، صفحہ ۲۶۸۔
اس قصر کا نام بعض مؤرخین نے 'زبیدی' لکھا ہے، لیکن صحیح 'زیبندی' ہے۔ جیسا کہ صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے۔

میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ ، اس کے باپ خلیفہ منصور کے پاس برابر پہنچ رہے تھے ۔ اب اس نے چاہا کہ اس کے آوردے اور گویندے ، محمد بن منصور کے ان کارناموں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کریں ۔ تاکہ اس کے بارے میں ستائش اور تحسین کی فضا پیدا ہو جائے ۔

جب یہ کام انجام پا گیا اور وہ مشکلات و موانع دور ہو گئے جو حکومت کے استحکام میں حائل تھے تو منصور نے سوچا ، سمجھا ، قدم آگے بڑھایا ۔ یعنی عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے محمد بن منصور کے حق میں دست بردار ہو جانا چاہیے ، تاکہ اس کے بعد محمد کی بیعت ولایت عہد پختہ اور محکم ہو جائے ۔

لیکن عیسیٰ بن موسیٰ نے اس بات کے ماننے سے انکار کر دیا ۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی ولی عہدی ایک امانت ہے اور مسلمانوں کی طرف سے اس امانت کا قلادہ اس کے گلے میں ڈالا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں وہ دوسرے شخص (محمد بن منصور) کے مقابلے میں اس منصب کا کہیں زیادہ سزا وار ہے ، کیونکہ قضیہ عباسیہ کے سلسلے میں اس کے کارنامے روز روشن کی طرح واضح ہیں[1] ۔

لیکن ابوجعفر منصور اپنے فیصلے پر بضد تھا ، چنانچہ اس نے ترغیب ور تہدید کے ان تمام وسائل سے کام لیا جو اس کے قبضہ قدرت میں تھے ۔ اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ ہدایت کر دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کا مقاطعہ کریں اور اس سے بات چیت کا سلسلہ یک لخت بند کر دیں ۔

---

۱ ۔ مثلاً : ابوالعباس سفاح کا جب انتقال ہوا تو ابو جعفر دارالخلافہ سے باہر تھا ۔ وہ عیسیٰ بن موسیٰ ہی تھا جس نے ابوجعفر منصور کے لیے لوگوں سے بیعت خلافت لی تھی ۔
نفس ذکیہ کے خلاف اسی نے فوج کشی کی اور بالآخر کامیابی حاصل کی تھی ۔
اسی طرح نفس ذکیہ کے بعد ، ان کے بھائی ابراہیم نفس رضیہ کے خلاف بھی اس نے مورچہ قائم کیا اور آخر کار فتح حاصل کر کے یہ خطرہ ختم کر دیا ۔

اس صورت حال نے عیسیٰ کی زندگی اجیرن کر دی ، اور وہ طیش و غضب کے عالم میں اپنے قصر کے اندر جو کوفے میں تھا گوشہ نشین ہو گیا ۔

۱۴۷ھ (مطابق ۷۶۴ع) میں خراسان سے ایک وفد دارالخلافت (بغداد) میں وارد ہؤا ۔ اس نے ایک مجلس عام میں جہاں خلیفہ اور رجال دولت موجود تھے ۔ محمد بن منصور کی ثنا و صفت میں ایک تقریر کی ، اور اس کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ، اس کے بعد اصرار کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ محمد بن منصور کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی جائے ۔

اس وفد کی آمد ، اور اس کی پیش کردہ تجویز ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت تھی ۔ منصور نے اس سے فائدہ اٹھایا اور عیسیٰ بن موسیٰ پر ابتدائی اقدام کے طور پر ایک ہلکا سا وار کیا ، اس نے عیسیٰ کو اختیار دیا کہ وہ یا تو دوسرے نمبر پر —— یعنی محمد بن منصور کے بعد —— ولی عہد بننا منظور کرے ، ورنہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی سزا —— قتل —— بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے ۔

یہ رنگ دیکھ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ دوسرے نمبر پر ولی عہد بننا منظور کر لے ، اور اپنے پہلے نمبر سے دستبردار ہو جائے ، چنانچہ فوراً ہی محمد بن منصور کے لیے ولایت عہد کی بیعت لے لی گئی ، اور اسے 'مہدی' کا لقب دیا گیا ۔

محمد بن منصور کو یہ منصب بغیر کسی تگ و دو اور محنت مشقت کے مل گیا ، وہ امیر بنا ، فاتح کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا گیا ۔ اب ولی عہد بن گیا ، حالانکہ نہ اس نے کسی جنگ میں عملی طور پر شرکت کی تھی ۔ نہ رزم و پیکار میں حصہ لیا تھا ، نہ میدان قتال میں شجاعت کے جوہر دکھائے تھے ۔ یہ سارے کام اس کے حاشیہ برداروں نے کیے تھے ۔ انھی نے جنگ لڑی ، انھی نے تعمیری کارنامے انجام دیے ، انھی نے نظم و نسق سنبھالا ، محمد بن مہدی تو اطمینان اور عافیت کے ساتھ قصر شاہی میں راحت اور نعمت کی زندگی بسر کر رہا تھا ، اور اپنے اہل خاندان کے ساتھ نشاط و مسرت کی گھڑیاں گزار رہا تھا ۔

محمد بن مہدی کا خاندان صرف ایک بیوی پر مشتمل تھا ، جس کا نام ربطہ تھا ، اور جو ابوالعباس سفاح کی بیٹی تھی - اس بیوی کے علاوہ بہت سی خوب صورت اور طرحدار باندیاں تھیں - جن کے حسن و جمال سے وہ جی بہلایا کرتا تھا -

جہاں تک محمد بن مہدی کا تعلق تھا - ربطہ سے اس کی شادی محبت کی شادی نہیں تھی ، وہ پہلی مرتبہ جب عراق سے خراسان وارد ہوا تو اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی ، پھر تین سال کے بعد وہ جب عراق واپس آیا تو وہاں کی مختصر مدت قیام کے دوران میں ، دوسری مرتبہ 'رے' واپس آنے سے پہلے اس کی شادی ربطہ سے کر دی گئی ، یہ صرف باپ کے حکم کی تعمیل تھی - بات یہ تھی کہ منصور ربطہ کو بہت چاہتا اور پسند کرتا تھا ، وہ اس درجہ اس پر شفقت کرتا تھا کہ وہ باپ کا غم بھول گئی تھی ۔ اس کا برتاؤ اس کے ساتھ ناز برداری کا تھا ، ممکن نہ تھا کہ ربطہ کسی چیز کی فرمائش کرے اور وہ فوراً پوری نہ کر دی جائے ، یا وہ کسی کی سفارش کرے اور وہ قبول نہ کی جائے -

ربطہ کو حسن و جمال سے بہرۂ وافر نہیں ملا تھا ، نہ وہ دل کشی اور رعنائی کی مالک تھی ، بلکہ اس کے بر عکس وہ بھاری جسم والی تھی - اس کے پٹھے دبیز اور قوی تھے ، روایت ہے کہ اس کا بھائی محمد بن ابی العباس سخت اور شدید ورزش کا عادی تھا ۔ ربطہ بھی اس کے ساتھ ورزش میں شریک رہتی تھی جب وہ ایک لوہے کے عمود کو اس کی طرف پھینکتا تھا تو وہ اپنے مضبوط بازوں سے اسے اچک لیتی اور اس طرح پھینک کر واپس کر دیتی[1] ۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی پہلوان عورت ایسے شوہر کا دل نہیں لبھا سکتی ۔ جو مہدی ——— محمد بن منصور ——— کی طرح نازک مزاج اور حساس ہو -

یہی وجہ تھی کہ اس نے بہت سی حسین و جمیل ، اور پری پیکر باندیوں کو اپنے محل میں جمع کر رکھا تھا -

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۶۵ -

انہی باندیوں میں ایک باندی ''خیزران بنت عطاء الجرشیہ'' تھی ، جرشیہ سے مراد جرش کی رہنے والی جو سر زمین یمن کا ایک علاقہ تھا ، مہدی ـــ محمد بن منصور ـــ خیزران پر ہزار جان سے فدا تھا ، وہ حسن صوری ، اور جمال معنوی دونوں سے آراستہ تھی ۔

راویوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ یہاں تک پہنچی کیسے ؟ بعض کہتے ہیں کہ مہدی ـــ محمد بن منصور ـــ ایک مرتبہ لونڈیوں کے بازار میں گیا ، وہاں اس کی نظر خیزران پر پڑی ، اور وہ دل دے بیٹھا ، اس نے خیزران سے گفتگو کی ، اس نے کچھ ایسے دلکش اور بلیغ انداز میں اس کی باتوں کا جواب دیا کہ وہ بیتاب ہو گیا ، اور فوراً منہ مانگے داموں پر اسے خرید لیا ۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ حجاز میں بنو ثقیف کے ایک شخص کی مملوکہ تھی ۔ وہ اسے فروخت کرنے کے لیے مکے لایا ، اس موقع پر ابوجعفر منصور وہاں موجود تھا اس نے خیزران کو دیکھا اور پسند کیا ، اور اس سے پوچھا ۔

''تیرا گھر بار کہاں ہے ؟''

اس نے ـــ غلط طور پر ـــ یہ دعوی کیا کہ وہ اس دنیا میں اکیلی ہے ۔ نہ اس کا کوئی عزیز ہے نہ رشتے دار ، اس نے اسے خرید لیا ، اور تحفے کے طور پر بیٹے کے پاس روانہ کر دیا ۔

شاید قدرت کو یہ منظور تھا کہ یہ جاریہ (باندی) بنو عباس کی تاریخ میں اہم ترین واقعات و حوادث کی موجب بنے ۔

مہدی ـــ محمد بن منصور ـــ کے ولی عہد بننے سے ایک سال پہلے، وہ ایک لڑکے کی ماں بن گئی ، مہدی کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ، اپنے اس پہلے بیٹے کی ولادت پر ہر باپ کی طرح وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا ، اور اس نومولود کا نام ''موسیٰ'' رکھا ، پھر اس نے خیزران کو قید غلامی سے آزاد کیا ، اور اس سے باقاعدہ شادی کر لی[1] اور اس کا

---

۱ ـ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی نے موسیٰ کی ولادت (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مرتبہ و مقام وہی قرار دیا ، جو خاندانی بیوی ریطہ کا تھا ۔ اس سال ریطہ بھی ایک لڑکے کی ماں بنی تھی ۔ جس کا نام علی تھا ، جسے بعد میں لوگ ''علی بن ریطہ'' کے نام سے یاد کرتے تھے ۔

موسیٰ کی ولادت سے قصر ولی عہد میں اس کی ماں ـــــ خیزران ـــــ کے دبدبے اور طنطنے میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ، اب اس کی حیثیت ایک جاریہ کی نہیں تھی جو بہت سی محل میں موجود تھیں ، اب وہ مہدی کی بیوی تھی ، اور مساوات کی نعمت سے بہرہ ور ، مہدی نے اس کے ، اور اس کے بیٹے موسیٰ کے لیے ۔ خاص انتظامات راحت و آسائش سے متعلق کیے تھے ۔

اس صورت احوال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا ، خیزران اور ریطہ میں وہی تعلق نفرت ، حسد ، اور بیزاری قائم ہو جائے جو دو سوکنوں میں ہوا کرتا ہے ۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ دونوں ، سماج ، خاندان ، اور مرتبے کے اعتبار سے ایک دوسرے کی بالکل ضد ہوں ، اور شوہر کا میلان بھی ایک کی طرف کم ، اور ایک کی طرف زیادہ ہو ۔

اور ان تمام باتوں پر مستزاد یہ کہ ریطہ کو چونکہ مخصوص منزلت اور وقعت حاصل تھی لہٰذا نہ وہ لوگوں کی مدارات اور خاطر داشت کی پروا کرتی تھی اور نہ ان خواتین کو منہ لگاتی تھی جو اس کے شوہر کی بارگاہ میں دخل رکھتی تھیں ، کیونکہ چاہیے تو یہ تھا کہ مرد اور عورتیں خود اس کی طرف محبت و تودد کا ہاتھ بڑھائیں نہ یہ کہ ۔ ریطہ

اس کے برعکس خیزران کی پرورش جس ماحول میں ہوئی تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ چھوٹے بڑے سب کی دل دھی کرتی تھی ، جو لوگ ضرورت مند کی حیثیت سے اس کے پاس آتے تھے ان کی ضروریات و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے کئی سال بعد خیزران کو آزاد کیا یعنی ہارون الرشید کی ولادت کے بعد اسے بند غلامی سے آزادی عطا کی ۔

لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ موسیٰ کی ولادت کے فوراً بعد اس نے خیزران کو آزاد کر دیا ۔

حاجات کو پورا کرتی تھی ، اور کبھی بھی کسی پر اپنی فوقیت اور بڑ د
نہیں جتاتی تھی ۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس نے سب کی محبت
جیت لی ، اور لوگ اس کی ثنا و صفت میں تر زبان رہنے لگے ۔

کوئی شبہ نہیں ریطہ اس صورت احوال کو اچھی طرح محسوس کر
رہی تھی ، لیکن وہ خیزران کے نقش قدم پر نہیں چل سکتی تھی ۔ ۔
دوسرے الفاظ میں وہ ایسا کرنا اپنے شایان شان نہیں سمجھتی تھی ۔ للبہ
اس نے خیزران کے لیے میدان خالی چھوڑ دیا ۔ اور اپنی دنیا میں مگن
رہنے لگی ۔ جہاں کبھی اپنے آپ کو وہ پندار اور نخوت سے چور پاتی تو
کبھی درماندگی اور عاجزی کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ۔

اب خیزران کے لیے میدان صاف تھا ، اس نے اپنی شخصیت کو اس
بحر بے کراں میں گم کر دیا تھا جو عبارت تھا آسائش ، فخر ، اور زعم
بالا دستی سے ، یہاں وہ تن تنہا صاحب حل وعقد تھی ، اور اس کے بعد
رفتہ رفتہ وہ شوہر پر حاوی ہوتی گئی اور اسے اپنے خواہشات و رغبات
کی تکمیل و تنفیذ کے راستے پر چلانے لگی ، ـــــ تفصیل اپنے موقع پر
آئے گی ۔

مہدی کی امہات اولاد میں اس کی کوئی بیوی یا جاریہ اس جگہ
تک نہ پہنچ سکی جو خیزران نے حاصل کر لی تھی[1] نہ اس کے
رتبے میں فرق آ سکا ، نہ اقتدار میں ۔

اور یہ بات تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس زمانے میں
شہر 'رے' دولت عباسیہ کا دوسرا پایۂ تخت بنا ہوا تھا ۔ کیونکہ
ولی عہد مملکت اور اس کے اعوان و انصار کا قیام یہیں تھا ۔ اور تمدنی
اعتبار سے اس کی حیثیت اور وقار میں برابر اضافہ ہو رہا تھا ۔

---

۱ ۔ ریطہ اور خیزران سے شادی کے بعد بھی مہدی نے متعدد عورتوں
سے شادی کی ، اور کئی باندیوں سے رشتہ قائم کیا ، اور ان کے
بطن سے لڑکے اور لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں ، مثلاً ، ابراہیم ، عباسہ ،
بانوقہ ، علیہ وغیرہ ! ـــــ ان لڑکوں اور لڑکیوں کے نام آگے چل
کر زیر بحث آئیں گے ۔

چونکہ یہ شہر ، ایران کی قدیم تہذیب و تمدن ، اور حضارت کا مرکز رہ چکا تھا ۔ اور اب تک یہاں حیات اجتماعی اور رفعت فکر کی گونا گونی موجود تھی ۔ اس لیے ، عرب اور فارس کے بہت سے خاندان اور کُنبے اپنے اپنے مقام سے اٹھ کر یہاں آ بسے ۔

ان نو وارد خاندانوں اور کنبوں میں یحییٰ بن خالد برمکی کا خاندان بھی تھا ۔

اس خاندان کی خواتین نے خیزران کا تقرب حاصل کر لیا ، اور اس کے التفات و عنایت سے اس درجہ بہرہ ور ہوئیں ۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

علاوہ ازیں خود یحییٰ ۔ اور مہدی کے مابین ایک نہ ٹوٹنے والا روحانی رشتہ اور تعلق قائم ہو چکا تھا ، جس کے متعدد اسباب اور وجوہ ہیں ۔ جن پر آگے چل کر حسب موقع گفتگو کی جائے گی ۔

ہارون کی ولادت اور طفولیت

روایات تاریخی سے یہ بات ثابت ہے کہ خیزران اپنے پہلے بچے، موسیٰ سے والہانہ محبت کرتی تھی۔ اس کی دیکھ بھال میں نہ دن کو دن سمجھتی تھی نہ رات کو رات، یہاں تک کہ اسے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ موسیٰ کو، کوئی اور دودھ پلائے یا کھانا کھلائے۔ یہ ساری ذمے داریاں ذوق و شوق کے ساتھ وہ خود انجام دیا کرتی تھی۔ اس کے لیے رات رات بھر جاگتی تھی۔ اس کی راحت آسائش کے لیے اپنی ہر تکلیف کو ہیچ سمجھتی تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے اندیشے آیا کرتے تھے۔ وہ سوچا کرتی تھی اور سوچ سوچ کر خائف ہو جایا کرتی تھی کہ قدر و منزلت اور شان و تمکنت کا یہ زور شور کیا جانے کس دن ختم ہو جائے؟ کسی دن بھی ختم ہو سکتا ہے۔ جو نعمتیں اور راحتیں اسے حاصل تھیں انہیں وہ اس طرح سمجھتی تھی جیسے ہوا کو مٹھی میں لیے ہوئے ہو۔ بھلا ہوا کا کیا ٹھکانا، مٹھی میں وہ کیا ٹھہر سکتی ہے؟

لیکن قسمت یاور تھی، زمانہ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ ابھی موسیٰ پاؤں پاؤں چلنے کے قابل بھی پورے طور پر نہیں ہؤا تھا اور پہلے سال کی حد سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اس نے اپنے پیٹ میں پھر ایک کلبلاتی ہوئی روح محسوس کی —— مولود سعید کی خوش خبری۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ موسم سرما کی ایک ٹھٹھرا دینے والی رات میں ۱۴۸ھ (مطابق ۷۶۵ع)[1] وہ ایک اور بچے کی ماں بن گئی،

---

۱ - ہارون کی تاریخ ولادت کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے، بعض ۱۴۵ھ بتاتے ہیں، بعض ۱۵۰ھ، لیکن صحیح سال ولادت وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

چو خاے صحت مند اور خوش شکل تھا - باپ نے اس کا نام ہارون رکھا[۱]۔
- رون کی ولادت مہدی کے لیے نہ کوئی ندرت کا پہلو رکھتی تھی - نہ غیر معمولی مسرت کا - کیونکہ اس سے پہلے اس کے دو بیٹے ، موسیٰ ، اور علی بن ریطہ موجود تھے - ہارون کی ولادت سے اسے وہ خوشی نہیں ہوئی جو پہلے بیٹے کی ولادت کے توقع پر ہوتی تھی - اس کے برعکس خیزران کی مسرت حد بیان سے باہر تھی ، اس کے نزدیک ہارون کی ولادت اس کے لیے بہتر مستقبل اور استمرار و دوام سعادت و نعمت کی ضامن تھی ، یہ خدا کی ایسی رحمت تھی ، جس نے اسے اندیشہ ہائے دور دراز سے آزاد کر دیا ، جو خوف ، مستقبل کے بارے میں ہر وقت دامن گیر رہتا تھا دور ہو گیا ، مبارکباد دینے والے شاعر اور قصیدہ خواں بھی خیزران کی اس ذہنی کیفیت سے ناواقف نہ تھے - جو وفور مسرت سے بے حال ہوئی جارہی تھی ، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :

لیس فی الناس موسیٰ وہا
رون بجینان انجیا لھجان
ساستشر نا عرق الخلافۃ حتی
اورق العود فی نبی الخیزران[۲]

یعنی : خلقت میں موسیٰ اور ہارون کے سے شریف و نجیب کہاں
ہم نے خلافت سے اس وقت تک وابستگی نہیں اختیار کی جب تک
بنی خیزران کی ٹہنی سر سبز و شاداب نہ ہو گئی -

بہر حال ہارون کی خبر ولادت ، عراق پہنچی ، منصور کے کان اس خبر سے اس وقت گوش آشنا ہوئے جب وہ ہاشمیہ سے اپنے نو تعمیر دارالخلافہ ـــ بغداد ـــ میں منتقل ہو رہا تھا ، جس کی تعمیر و تکمیل کا مرحلہ اتمام تک پہنچا چکا تھا -

---

۱ - ہارون جب تک ولی عہد نہیں ہو گیا ، کسی لقب سے سرفراز نہیں کیا گیا ، ولی عہدی پر جب بیعت ہو گئی تو باپ نے اسے ''رشید'' کا لقب عطا کیا -

۲ - تاریخ بغداد ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۸۲ -

منصور یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا ۔ اس نے اس خبر کو فال نیک قرار دیا ، اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ لڑکا بہت زیادہ مبارک و مسعود ہوگا اور بغداد خوب پھلے پھولے گا کیونکہ اس کی تاریخ ولادت اور بغداد کی تکمیل تعمیر ایک ہی دن ہوئی ہے اور یہ بات کچھ تعجب خیز بھی نہ تھی ، کیونکہ منصور فال کا قائل تھا ، اور نیک فال سے تو بہت زیادہ خوش ہوتا تھا ۔

اس دوسری ولادت نے خیزران کو بہت خستہ اور درماندہ کر دیا تھا ، رات بھر جاگ جاگ کر اور دن کو بے آرام رہ رہ کر ، وہ ہارون کی اس طرح نگہداشت اور پرورش نہ کر سکی جس طرح اس کے بھائی کی کرتی رہی تھی ، چنانچہ اس سلسلے میں وہ یحییٰ بن خالد کی بیویوں کی امداد کی جویا ہوئی اور اس نے ہارون کو ایک لبادے میں لپیٹ کر وہاں بھیج دیا[1] ۔

یحییٰ بن خالد کی تین بیویاں تھیں تینوں، نوجوان اور تندرست تھیں ، ان میں سے ایک زینب بنت منیر کے ہاں ایک لڑکا ہارون کی ولادت سے صرف چھ سات مہینے پہلے پیدا ہوا تھا ، جس کا نام 'فضل' تھا ، چنانچہ ہارون اور فضل ایک ساتھ زینب کا دودھ پینے لگے[2] ، اس کے چند ماہ بعد یحییٰ کی ایک اور بیوی عتابہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جعفر رکھا گیا ، لیکن کسی وجہ سے عتابہ جعفر کو اپنا دودھ نہ پلا سکی[3] ، چنانچہ یحییٰ کی تیسری بیوی فاطمہ بنت محمد بن الحسن بن

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۹۰ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۳۶ ۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ خیزران کبھی کبھی ہارون کو دودھ پلا دیا کرتی تھی اور ساتھ فضل کو بھی تاکہ اس کی ماں کی توقیر بڑھے ، اور حوصلہ افزائی ہو ۔

۳ ۔ ایک روایت یہ ہے کہ جعفر کی ماں عتابہ کا وضع حمل کے فوراً بعد انتقال ہو گیا تھا ، لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جعفر کے بعد بھی بہت دنوں زندہ رہی ۔

قحطبتہ الطائی نے اسے اپنے دودھ پر رکھ لیا ، کبھی کبھی وہ ہارون کو بھی دودھ پلا دیا کرتی ، اس طرح ہارون اور جعفر رضاعی (دودھ شریک) ، بھائی بھی بن گئے ۔

بہر حال ہارون کی زندگی کا پہلا سال اس طرح گذرا کہ کبھی ماں (خیزران) کا دودھ پیتا ، کبھی یحییٰ کی بیویوں کا ، یہاں تک کہ وہ خاصا توانا نظر آنے لگا ، بعد ازاں اپنے باپ کے محل میں آگیا ، یہاں کنیزوں اور جواریوں نے اس کی پرورش اور پرداخت کا کام اپنے ذمے لے لیا ، وہ بچپن ہی سے توانا ، خوب رو اور خوش قامت تھا ، گورا رنگ گھونگھریالے بال ، بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں اس عمر میں اس قد کا ٹھہ اور رنگ روپ کے بچے مشکل ہی سے نظر آتے ہیں ۔

پھر جب ہارون نے زندگی کی دوسری چوکھٹ پر قدم رکھا ، تو وہ اپنے بھائیوں اور ہمجولیوں کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے لگا ، زبیدی کے باغات میں کد کڑے لگاتا ، کبھی فصیل کی دیوار پر جا کر شہر رے کا اور اس کے سرسبز کھیتوں کا نظارہ کرتا ، جو بلندی پر اور پستی پر میدان میں اور ٹیلوں پر ہر جگہ نظر کو شاداب کرتے تھے ۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ماں کے ساتھ یا خاندان کے دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہ محمدیہ کی سیرگہوں میں اور مندان کے خرابے میں چلا جاتا ، جہاں قدیم سلاطین عجم کے قصر و محلات کے آثار قدم قدم پر موجود تھے ۔

ہارون کی زندگی کے تین سال اس حسین و جمیل شہر میں بیت گئے وہ اپنے خاندان اور ہمجولیوں کے مابین خوشی خرمی کی زندگی بسر کر رہا تھا ، نہ کوئی تکلیف تھی ، نہ مصیبت ، بے فکری تھی اور مسرت کے دن ، لیکن زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا ، ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) کے اوائل میں ایک خراسانی شخص استاذ سیس نے حکومت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا ، اس کے ساتھ بہت بڑا لاؤ لشکر تھا ، اس نے خراسان کے کئی شہر فتح کر لیے ، لوگوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا اور پانی کی طرح خون بہایا ، محمد بن منصور نے اس کے مقابلے کے لیے جو فوج بھیجی تھی اس کا

قلع قمع کر کے رکھ دیا ، یہاں تک کہ صورت احوال حد درجہ تشویش ناک ہوگئی ۔ پایہ تخت میں منصور کو یہ خبریں پہنچیں تو وہ حواس باختہ ہوگیا ۔ اس زمانے میں خازم عراق میں تھا منصور نے اسے تدارک کے لیے فوراً روانہ کیا ، حکم پاتے ہی خازم بن خزیمہ نیشاپور روانہ ہوگیا ، مہدی بھی بہ چشم خود مشاہدہ احوال کے لیے یہاں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا ۔ مہدی نے سالاری خازم کے حوالے کی اور اس کی کمک کے لیے تابڑ توڑ لشکر بھیجنے لگا ۔ چنانچہ خازم استاذسیس کے لشکر پر غالب آیا اور اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا اور استاذسیس بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا ۔

اسی سال کے آخر میں ایک اور خبر بد رے میں پہنچی یعنی منصور کے لڑکے ''جعفر اکبر''۱ کا عین عنفوان شباب میں انتقال ہو گیا ، مہدی نے بھائی کا خوب سوگ منایا ۔ بہت رویا دھویا اور صرف مہدی ہی پر کیا منحصر تھا ، سارا محل رنج و غم کی تاریکی میں ڈوب گیا ، یہ صورت اس وقت تک قائم رہی جب تک بیٹے کو خراسان کی اقامت فوراً ترک کرکے عراق واپس آنے کا حکم نہیں ملا ، اس فرمان کے پاتے ہی یہ خاندان رخت سفر باندھنے کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہو گیا ، اور پہلی فرصت میں ارکان خاندان ، اور حوالی موالی کے ساتھ ایک لشکر کی حفاظت میں 'رے' سے روانہ ہو گیا ۔

رخصت کے دن خیزران اپنی سہیلیوں اور جان پہچان والیوں ، اور خاص طور پر آل برمک سے جدائی کے غمناک احساس کے ساتھ وداع ہوئی ، کیونکہ خاندان برمک اپنے منصب کی ذمے داریاں انجام دینے کے

---

۱ ۔ جعفر بن منصور کا لقب 'اکبر' اس لیے پڑا کہ اس کے ایک اور بھائی کا نام بھی یہی تھا ، جسے جعفر اصغر کہتے تھے ۔
جعفر اکبر نے کئی اولادیں چھوڑیں ۔ جنھوں نے ہارون رشید کے دور میں نمایاں حیثیت اختیار کی ، جن میں اس کی لڑکی 'امۃ العزیز' خاص طور پر قابل ذکر ہے جو بعد میں زبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی ۔ اور ہارون کی بیوی بنی ۔

سلسلے میں یہاں مقیم رہنے پر مجبور تھا۔ خیزران اپنے پیچھے ایسی خوشگوار یادیں چھوڑ گئی جو بھلائے نہیں بھلائی جا سکتی تھیں۔

ہارون بھی اپنے دوستوں اور ہمجولیوں، اور خاص طور پر یحییٰ کے بیٹوں، فضل اور جعفر سے جو اس کے رضاعی بھائی بھی تھے وداع ہؤا، اور بغداد کی طرف اپنے اہل خاندان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

دوری مسافت کے باعث، 'رے' سے بغداد کا سفر بہت زیادہ تکلیف دہ تھا، راستے میں کئی بڑے بڑے پہاڑ بھی پڑتے تھے، یہ ساری منزل اس طرح طے ہوئی کہ نہ عورتیں ہودج سے اتر سکیں نہ بچے۔ سارا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کرنا پڑا۔

یہ پہلی جسمانی تکلیف تھی جو ہارون رشید کو اپنے عہد طفولیت میں برداشت کرنا پڑی۔

۱۵۱ھ (مطابق ۷۶۸ع) کے ماہ شوال میں یہ قافلہ بغداد پہنچا، استقبال کے لیے خلیفہ بہ نفس نفیس موجود تھا، ساتھ ہی ساتھ اعیان دولت اور امرائے حکومت بھی، پھر یہ سب کے سب مع سرداران قوم کے رصافہ کی طرف بڑھے، جسے آباد ہوئے ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ ہارون نے ہودج پر بیٹھے بیٹھے پل پار کیا، اس سے پہلے اس نے دریائے دجلہ جیسی کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی تھی۔

یہ قافلہ باب خراسان کی طرف سے مدینۃ السلام بغداد میں داخل ہؤا، شہر کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر، اور شان و شکوہ کا نظارہ کرکے دوسروں کی جو حالت ہوئی وہ تو ہوئی، لیکن خاص طور پر بچے تو مبہوت ہو گئے، اتنے شاندار گنبد، بلند و بالا محلات، اور باغات کاہے کو کبھی ان کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ یہ لوگ قصر طلائی میں اترے، جہاں خلیفہ منصور فروکش تھا!

ایک روایت یہ ہے کہ مہدی جب سفر کی ماندگی سے تازہ دم ہؤا تو باپ کی خدمت میں حاضر ہؤا، اور اپنے تینوں بچے اس کے حضور میں پیش کیے۔ اس نے انہیں سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ ہارون کی خوب روئی اسے بہت پسند آئی، اور اسے یاد آ گیا اس کی تاریخ ولادت وہی ہے

جس روز بغداد کی تعمیر مکمل ہوئی تھی ، اس نے ہارون کو اپنی دونوں بانہوں پر اٹھا لیا ۔ اور غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا ۔ پھر مہدی کی طرف متوجہ ہوا ۔ اور کہا :-

''میرا بیٹا انشاء اللہ صاحب اقتدار و اختیار اور سیرت صالحہ کا مالک بنے گا !''

مہدی نے باپ سے سوال کیا :

''پدر محترم کیا اس کی کسی ادا سے آپ نے اندازہ کیا ہے ؟''

منصور نے جواب میں مہدی سے کہا :

''نہیں ـــــ میں ابھی سے اس میں اس طرح کے آثار دیکھ رہا ہوں'' ۔۱

ہارون نہایت مزے میں دادا کے بازوؤں پر لیٹا اسے گھور رہا تھا ۔ جیسے اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا ، آج اس کے کانوں میں بار بار اپنا نام پڑ رہا تھا قصر زبیدی سے بھی کہیں زیادہ ، اور منصور جوش نشاط میں سر مست پوتے کی طرف دیکھے جا رہا تھا ۔ شاید اس کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ یہ چھوٹا سا اور سادہ سا بچہ ایک مرد خوش جمال و خوش خصال کا پیکر بنا ہوا ہے ۔ چوڑی پیشانی ، بلند بینی ، خوب صورت سی گھنی ڈاڑھی ، بڑی بڑی کالی آنکھیں جیسے یہ آنکھیں نہیں تھیں زبان گویا تھیں !

جس روز مہدی نے بغداد میں قدم رکھا ، تو بغداد اتنا سجا ہوا تھا جیسے یہ یوم جشن ، یا قومی میلے کا دن ہے ۔ اس کے استقبال کے لیے بہت سے وفود آئے تھے ان وفود میں خود عباسی خاندان کے بھی کئی وفد تھے ، جو بلاد متفرقہ میں بکھرے ہوئے تھے ۔ ابوجعفر نے ان کی شایان شان پذیرائی کی ، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا ، ان میں سے کئی کو اس نے اپنے بیٹے کا ندیم اور مصاحب بنانے کے لیے چن لیا ، اور ان کے لیے مدینۃ السلام (بغداد) میں حویلیاں تعمیر کرائیں ، اپنے وزیر معاویہ بن عبیداللہ بن یسار کو ، جو خراسان کے سارے دوران قیام میں اسی کے ساتھ رہا تھا ، حسب سابق اپنے پاس رکھا اور نگہداری

---

۱ - الامامت و السیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۷۹ -

پر ساسور سپاہیوں کے قیام کا بھی بیرون شہر ہی بندوبست کیا۔ یہ لوگ عرب و عجم کی مخلوط نسل تھے[1]۔ لیکن انہیں قرار نہ تھا۔ بہت جلد انھوں نے پر پرزے نکالنا شروع کیے، کیونکہ اپنی قدر و قیمت محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کے مطالبات میں اضافہ ہونے لگا۔ لیکن منصور نے سنی ان سنی کر دی۔ ان لوگوں نے محل کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ منصور نے انھی میں سے ایک آدمی کو بھیجا جس نے سمجھا بجھا کر انہیں واپس کیا، اس موقع پر خلیفے کو راوندیہ کا حادثہ یاد آ گیا، جو پرانے پایۂ تخت ـــ ہاشمیہ ـــ میں پیش آیا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بغداد میں بھی اس کا اعادہ ہو۔ چنانچہ اس نے مہدی کے لیے رصافہ میں ایک جداگانہ محل تعمیر کرایا۔ اس کے قریب ہی ایک شاندار مسجد کی بنا بھی ڈالی، مسجد اور قصر مہدی کے سامنے چھاؤنی بنائی، اب اس نے یہ کیا کہ نگہدار فوج کا آدھا حصہ تو اس نے سابق مقام پر مقیم رکھا، اور دوسرے آدھے کو چھاؤنی میں منتقل کر دیا۔ ان میں سے ایک کو عرب قرار دیا، دوسرے کو عجمی، اب اس سپاہ کا کوئی حصہ اگر سر اٹھاتا، تو دوسرا نصف فوراً اس کی سرکوبی کر دیتا[2]۔

بغداد پہنچنے کے ایک سال بعد مہدی نئے محل میں اپنے خاندان سمیت منتقل ہو گیا، جو لوگ اس کے ساتھ وہاں جانا اور بسنا چاہتے تھے ان کی پوری پوری حوصلہ افزائی کی، حویلیوں اور مکانوں کی تعمیر کے لیے انہیں خاطر خواہ مالی امداد بھی دی، حالت یہ ہوئی کہ بہت ہی مختصر مدت میں اس علاقے کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں تھا جو آباد نہ ہو گیا ہو اور جسے سرسبز و شاداب نہ کر دیا گیا ہو تفریح گاہیں، حویلیاں، مکانات، باغات ہر طرف نظر آتے تھے[3]، خیزران اور اس کے دونوں بیٹوں کو بھی اب قصر طلائی میں رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ وہ بھی اپنے

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۳۶۴ -
۲ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۳۶۵ -
۳ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۳۶۵

بچوں سمیت شوہر کے نئے محل میں آ گئی ، اور یہاں سات سال تک رہی[1] ۔

شہر 'رے' کے مقابلے میں بغداد کی اجتماعی زندگی ، وہاں کا ماحول اور وہاں کی سوسائٹی کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ جہت تھی ۔

ہارون کے لیے بھی بغداد میں نت نئی دلچسپیوں اور تفریحوں کے مواقع 'رے' کے بہ نسبت یہاں بہت زیادہ تھے ۔ کیونکہ عباسی خاندان کے بہت سے کنبے یہاں مقیم تھے ، اسی طرح مہدی اور منصور کے رجال دولت، مقربین بارگاہ ، اور امرا و اعیان کے خاندان آباد تھے ۔ ہارون مدینۃ السلام کے ان مختلف اور متفرق خاندانوں اور کنبوں میں جب اور جس وقت چاہتا چلا جاتا ، جہاں جاتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ۔ سیر و تفریح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا ، کبھی رصافہ میں اور دریائے دجلہ کے ساحل پر خراسان نظر آتا ، کبھی باغات میں تفریح کناں دکھائی دیتا ، کبھی ماں کے ساتھ جب وہ سہیلیوں میں سے کسی کے ہاں جاتی چلا جاتا ، اور وہاں کے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلتا کودتا ، اور تفریحوں میں حصہ لیتا ۔ امرا ، وزرا اور فوجی منصب داروں کے لڑکوں کے ساتھ لہو و لعب میں مصروف ہو جاتا ، کبھی وہ اپنے باپ اور دادا کے حاشیہ نشینوں کی صحبت میں جا بیٹھتا ، مثلاً سعید الخفتانی ، منارۃ ، مسرور ، حسین اور رشید وغیرہ کے پاس ، اور ان میں سے کسی کے ساتھ شہر کے بازاروں کی سیر کرتا ، اور باغات عامہ (پبلک گارڈنس) میں چہل قدمی کرتا اور ان پلوں پر سے گزرتا جو رصافہ اور کرخ کے مابین واقع تھے ۔

جن ہم عمر لڑکوں سے ہارون کو بہت زیادہ تعلق خاطر تھا ، ان میں جعفر بن منصور کا لڑکا عیسیٰ بن جعفر بھی تھا ۔ جسے وہ بہت مانتا اور چاہتا تھا ، اور اس کی بہن زبیدہ تھی جس سے وہ عہد صغر سنی سے مانوس چلا آ رہا تھا ، پھر جب وہ سن شعور کو پہنچی اور جوان ہوئی تو اس سے شادی کر لی ۔

ہارون کی عمر اب آٹھ سال ہو چکی تھی ، زمانہ اسی طرح آہستہ آہستہ گزر رہا تھا ، اب اس کی سیرت اور شخصیت کے پہلو نمایاں ہونا شروع ہو

---

۱ - الطبری ، صفحہ ۲۳۲ -

گئے تھے ۔ وہ عمدہ اطوار و عادات کا حامل تھا ، دل سادہ و سلیم پایا تھا ، مزاج میں نرمی زیادہ تھی ، جمال صورت ، ذہانت و فراست ، ذکاوت اور خوبی ، فطرت کے لحاظ سے وہ خاص شان اور خاص امتیاز کا حامل تھا ۔ بڑا بھائی موسیٰ ان اعتبارات سے اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا تھا ۔

ہارون کے بالکل برعکس موسیٰ، حد درجہ سخت مزاج ، زیادہ سے زیادہ کپٹ رکھنے والا ، اور بے پروا قسم کا آدمی تھا ، اسے مجلس آرائیوں سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی ، تنہائی پسند تھا اور زیادہ سے زیادہ وقت گوشۂ خلوت میں بسر کرتا تھا ، اگرچہ وہ بد صورت نہیں تھا ، لیکن ہارون کے مقابلے میں حسین و جمیل بھی نہیں تھا ، اس کے ہونٹ موٹے اور بھدے تھے ، جب وہ چلتا یا خاموش ہوتا تو اس کا منہ کھلا رہتا ، اس بات کو اس کے والدین برا مناتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے خدام حاضر باش کو تاکید کر رکھی تھی کہ جب اس کا منہ کھلا دیکھیں تو ٹوک دیا کریں ، وہ جب اس کا منہ کھلا دیکھتے تو کہتے :

"ہونٹ بند کر لیجیے" !

بات چل پڑی اور اس کے ہم سن اور ہم عمر اسے لے اڑے ۔ انھوں نے اس کا نام ہی "موسیٰ لب بند" رکھ دیا تھا ۔ یہ نام کچھ ایسا چپکا کہ وہ بڑا ہو گیا تب بھی اس نام سے یاد کیا جاتا رہا ، لیکن جب کسی سے اپنا یہ نام سنتا تو تلملا کر رہ جاتا ۔

موسیٰ اور ہارون کے مزاج و سرشت ، اور صورت و سیرت میں جو عظیم فرق تھا اور بچپن ہی سے تھا ، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہارون ماں باپ کی نظر میں اور اقربا کی نگاہ میں بہت پیارا تھا ۔ اس کی نشو و نما اسی لیے محبت اور لاڈ کے ماحول میں ہوئی ۔ نہ اسے غم حرماں سے کبھی دو چار ہونا پڑا ، نہ سختی تادیب سے ، ناز و نعم کی گود میں اس نے طفولیت کا مرحلہ طے کیا ، گھر کے اندر بھی ، اور باہر بھی ۔

دونوں بھائیوں کے مابین اس فرق و امتیاز نے اگر موسیٰ کے دل میں گرہ ڈال دی اور ملال و الم نے اس کے دل میں جگہ بنا لی تو یہ بات بعید از فہم نہیں ، وہ ملکہ خیزران کے محل کا تنہا فرد تھا جو

کپٹ ، حسد ، اور سختی و درشتی کا پیکر بن گیا تھا ، اس کے دل میں ان لوگوں کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان اٹھتا رہتا تھا ۔ جو ہارون کو اس پر ترجیح دیتے تھے ، اور ماں کو بھی اس ڈیرے پر لا ڈالا تھا ، وہ بھی ہارون کو زیادہ چاہنے لگی تھی ، حالانکہ دونوں کے سن میں کچھ ایسا زیادہ فرق نہ تھا ، اس کے جذبۂ نہاں کا ظہور اسی دن سے شروع ہؤا ہو ۔ جب اس نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا ۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نشاط و مسرت اور بے فکری و بے پروائی نے ہارون کے قویٰ اور صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا ، اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں ثابت ہے جس سے ثابت ہو کہ کسی مرض نے اس کی صحت پر اثر ڈالا ہو ، یا اس کے جسم کی رعنائی میں فرق پیدا ہو ، یا اس کی طبیعت اور مزاج پر برا اثر ڈالا ہو ، اس کا بچپن صاف ستھرا تھا اس کے طور طریقے معقول اور دل پسند تھے ۔ وہ سلامت روی کے ساتھ طفولیت کی منزل سے جوانی کی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا !

ہارون کی تربیت اور نشو و نما

بچے کا پہلا مدرسہ گھر ہے ! —— اس کے بعد استادوں کی باری آتی ہے ، پھر سوسائٹی کا نمبر ہے ، غرض یہ ہیں تین مدرسے ، جہاں زندگی نکھرتی اور سنورتی ہے ۔ علمی ، فکری ، اور خلقی اعتبار سے ان ہر سہ مراحل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

گزشتہ صفحات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہارون جس گھر میں پیدا ہؤا وہ وسیع الآفاق تھا ، تنویر ذہنی کے بے شمار وسائل وہاں موجود تھے ، اس لیے کہ زمانے نے اس گھر کو سب کچھ دے رکھا تھا ، کسی چیز کی کمی نہ تھی ۔

جو اساتذہ ہارون کی تعلیم و تدریس پر مامور تھے ، وہ بھی اپنے وقت کے یگانہ اور معروف تر حضرات تھے ۔

رہی ہارون کی سوسائٹی وہ ایک خاص رنگ ڈھنگ کی تھی جس پر اریسٹو کریسی کے عناصر غالب تھے ، شعبیت کی بڑی حد تک کمی تھی۔

اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ان چند اہم شخصیتوں کا ایک مرقع بھی پیش نظر رہے جو ہارون پر اثر انداز ہوئیں اور جن سے ہارون نے اثر قبول کیا ۔ بچپن سے لے کر سن شعور تک ، اور سن شعور سے لے کر عہد بلوغ تک ان شخصیتوں کے اثرات اس کے مزاج ، میلان ، اور تہذیب و ثقافت کی تکوین میں شامل رہے ۔

اس موضوع پر سب سے پہلے ہارون کے والدین کا ذکر ضروری ہے ۔

خیزران کے بارے میں ، اور اس کی تاریخ حیات کے بارے میں ہم بہت کچھ گزشتہ صفحات میں معلوم کر چکے ہیں ، وہ بے انتہا زود حس اور انتہا پسند تھی ؛ محبت میں بھی اور نفرت میں بھی ، محبت کرتی تو سراپا

محبت بن جاتی ، اور سب کچھ فراموش کر دیتی ۔ نفرت کرتی تو پیکر نفرت بن جاتی ، اور وحشت و بہیمیت کی منزل تک پہنچ جاتی ، اس کا شوہر اس مزاج کے بنانے میں اور زیادہ مددگار ثابت ہؤا، وہ اسے غضب ناک دیکھ کر سہم جاتا اور اس کی ہر بات مان لیتا ۔ اس کا کوئی مطالبہ ایسا نہ تھا جو پورا نہ ہو اور کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو ادھوری رہ جائے ۔

واقدی کی روایت خطیب بغدادی نے نقل کی ہے:

''ایک روز میں مہدی کی خدمت میں حاضر ہؤا اسے میں نے بعض احادیث سنائیں ، جنھیں اس نے لکھ لیا ۔ پھر اٹھا ، اور زنان خانے میں چلا گیا ، ذرا دیر گزری تھی کہ غصے میں بھرا ہؤا باہر نکلا ۔''

میں نے عرض کیا:

''یا امیرالمومنین ! مزاج عالی برہم کیوں نظر آ رہا ہے ؟''

مہدی نے جواب دیا :

''میں خیزران کے پاس گیا ، وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی ، اس نے میرے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور انھیں تار تار کر دیا اور کہنے لگی:

جب سے تیرے پاس آئی ہوں میں نے اے خاکروب تجھ سے کوئی بھلائی نہیں پائی !''

حالانکہ خود میں نے اسے نخاس سے خریدا تھا ۔ خدا تجھے غارت کرے اے واقدی بتا کیا میں خاکروب ہوں ؟[1]

خیزران کو مال جمع کرنے کی بڑی ہوس تھی ، شان کا مظاہرہ بھی اس کی سرشت میں داخل تھا ۔ یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے کہی جا سکتی ہے کہ اپنے آخری زمانے میں ،اپنے عہد کی وہ سب سے مالدار عورت تھی ، جواہرات ، زیورات ، سیم و زر ، جائداد ، املاک ، جاگیر ، کون سی چیز اس کے پاس نہ تھی ، اور بہ کثرت نہ تھی ، حد شمار سے زیادہ نہ تھی ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ۔ صفحہ ۴۳۱ ۔

ساتھ ہی ساتھ وہ حد درجہ فیاض اور لکھ لٹ بھی تھی - شاید اس سخاوت اور داد و دہش کا محرک احساس کمتری تھا - ہاشمی خواتین اور امرا و وزرا کی خواتین کے مقابلے میں اور اکابر و رجال دولت کی عورتوں میں اس کی حیثیت اصلی کیا تھی ؟ ـــــ ایک کنیز ، جسے قیمت دے کر خریدا گیا تھا - اپنی اس کمزوری پر، پردہ ڈالنے کے لیے، تھیلیوں کے منہ کھول کر یک گونہ تفوق حاصل کر لیتی تھی ، جو اس کے سامنے دست سوال دراز کرکے حاضر ہوتا - مایوس نہ جاتا ، جو مانگتا ، پاتا -

ہمارے سامنے متعدد ایسی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسکینوں ، اور زمانے کے ستائے ہوئے لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کس درجہ شفقت و رحمت پر مبنی تھا - خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ تو اس کی عالی حوصلگی انتہا کو پہنچ جاتی ، جو پہلے بہت کچھ تھے اور اب کچھ نہیں رہ گئے تھے -

روایت ہے کہ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد الجعدی کی بیوی غربت کی چادر میں لپٹی اور بھوک پیاس سے نڈھال ایک دن خیزران کے در دولت پر حاضر ہوئی -

اس وقت خیزران کی خدمت میں اور بھی کئی ہاشمی خاندان کی خواتین موجود تھیں ، انہوں نے مزنہ کو پہچان لیا اور طنز و تعریض کے تیروں سے اس کا دل چھلنی کرنے لگیں ، اور نہایت ذلیل و خوار کرکے اس سے نکل جانے کو کہا -

لیکن خیزران کی آنکھوں میں مزنہ کا حال زار دیکھ کر آنسو آ گئے ، اس نے فوراً اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ محل میں ایک کمرہ جلد از جلد اس کے لیے آراستہ کر دیں - اس کی آرام و آسائش کا پورا خیال رکھیں ، اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دیں -

پھر جب مہدی گھر میں آیا ، تو خیزران نے یہ سارا واقعہ از اول تا آخر اسے سنا دیا ، مہدی کی آنکھیں بھی اشک آلود ہو گئیں ، اس نے کہا :

"اگر تم نے مزنہ کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا ہوتا تو میں تم سے

کبھی بات نہ کرتا !"

سزنہ کا عیش و آرام مروان کے قتل کے بعد چھن گیا تھا ۔ خیزران کے حسن سلوک نے اسے یہ نعمت پھر سے عطا کر دی تھی ۔ وہ اس وقت تک شاہی محل میں سکھ کی زندگی بسر کرتی رہی جب تک موت نہ آ گئی ! !

جہاں خیزران میں یہ خوبیاں تھیں کہ حد درجہ فیاض اور سخی تھی اور محتاجوں اور غریبوں کے کام آتی اور ان کی مرادیں پوری کرتی تھی ، وہاں یہ بات بھی تھی کہ اس نے اپنے شوہر مہدی کو اپنی مرضی اور خواہش کا تابع بنا لیا تھا ، اسے ان امور عامہ میں مداخلت کرنے اور حصہ لینے کا بھی جنون کی حد تک شوق تھا ۔ جو حکومت سے تعلق رکھتے تھے ۔ وہ سامنے آئے بغیر نہ جانے کتنے معاملات فیصل کر دیا کرتی تھی ، یہاں تک کہ کہا جانے لگا :

"پس پردہ خیزران ہی حکومت کرتی ہے ۔"

اور یہ بات کچھ غلط بھی نہ تھی ۔ بالا دستی اور حکم چلانے کا جذبہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہؤا تھا ۔ اگر دشواریاں حائل نہ ہوتیں اور وہ پس پردہ رہنے پر مجبور نہ ہوتی تو بلا شبہ علی الاعلان وہ سیاسیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ۔

خیزران کی شان و ثقافت کے بارے میں مؤرخین مختلف الرائے ہیں ۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ ادب اور لٹریچر سے اسے بدرجہ غایت دل چسپی تھی ، اشعار بھی سوزوں کر لیتی تھی ۔

بعض دوسرے مؤرخین کا یہ بیان ہے کہ وہ صرف پڑھنا لکھنا جانتی تھی ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں کے بین بین تھی ، اس لیے کہ اس زمانے کا یہ رواج تھا کہ جو تاجر غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت کرتے تھے وہ پہلے انھیں ادب و تہذیب ، ثقافت و شعر اور نغمہ و موسیقی میں طاق کر لیتے تھے ، پھر امرا کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور خیزران چونکہ ولی عہد کے ہاتھ فروخت ہوئی تھی اس لیے ضروری تھا کہ وہ ان تمام

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۲۷ ۔

چیزوں میں ، بہ نسبت دوسری کنیزوں کے ، زیادہ دسترس رکھتی تھی ۔ چنانچہ علم و ادب اور دین کے اوامر و نواہی وغیرہ سے وہ بہ خوبی آشنا تھی ۔

خیزران کی شخصیت کا اگر امعان نظر سے جائزہ لیا جائے اور امور مملکت کے سلسلے میں اس نے جو کام انجام دیے انھیں پرکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ گو وہ عقیل و فہیم عورت تھی ، لیکن ذہانت ، بصیرت اور تدبیر امور سے زیادہ بہرہ ور نہیں تھی ۔

مہدی اپنے باپ منصور کی طرح علم و ثقافت میں کوئی خاص پایہ نہیں رکھتا تھا ، تدبر و حکمت عملی کے فن سے بھی زیادہ آشنا نہیں تھا ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ علم و ثقافت میں بالکل کورا نہیں تھا ۔ تدبر اور حکمت عملی سے یکسر بے بہرہ نہیں تھا ۔ شئون عامہ میں عنفوان شباب ہی سے حصہ لینے لگا تھا ۔ ابھی نوعمر ہی تھا کہ علم و ثقافت کی راہ پر لگا دیا گیا اور پندرہ سال کی عمر تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ اس نے زیادہ تر علم و تجربہ کی دولت اپنے ہم نشین حضرات سے حاصل کی ، جن میں علما ، ادیب اور فقیہہ سبھی شامل تھے ۔

منصور کی طرح مہدی نہ میانہ رو تھا نہ تقشف پسند تھا ، نہ بخیل تھا ۔ اس کا ہاتھ کھلا ہؤا تھا اور ضرورت سے زیادہ فیاض اور سخی تھا ۔ شعرا کو باریاب کرتا تھا ، ان کے مدحیہ قصیدے سنتا تھا اور انھیں انعام و بخشش سے مالا مال کر دیتا تھا ، ساتھ ہی ساتھ نغمہ و موسیقی سے بھی غیر معمولی شغف رکھتا تھا ، لیکن ایسے مواقع پر اپنا وقار اور دبدبہ قائم رکھنے کے لیے شریک محفل نہیں ہوتا تھا ، پس پردہ بیٹھ کر نغمہ سرائیوں سے لطف اندوز اور محظوظ ہوتا تھا ۔ اس لیے کہ اب زمانہ بدل چکا تھا ، اسلاف نے جو پابندیاں اپنے اوپر عائد کر رکھی تھیں ، اخلاف نے وہ ڈھیلی کر دی تھیں ۔ اب کھل کھیلنے کا دور تھا ، وضع احتیاط کا دور ختم ہو چکا تھا ۔

لیکن بایں ہمہ مہدی میں خدا ترسی بھی تھی ، دین کے معاملات میں بحث و جدل کو وہ سخت نا پسند کرتا تھا ۔ اس کی پالیسی یہ نہیں تھی

کہ زنادقہ کے قتل عام کا درپے ہو جائے اور جو جہاں ملے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۔ جو احکام صادر کرتا تھا وہ زیادہ تر عدل و انصاف پر مبنی ہوتے تھے ۔ اگرچہ بعض مواقع پر اس راہ سے ہٹ بھی جاتا تھا ۔

روایت ہے کہ جب وہ مسند عدالت پر رفع مظالم کے لیے بیٹھتا تھا تو ڈرتا تھا کہ کہیں لوگوں کے حقوق پامال نہ ہو جائیں ، لہذا قضاۃ یا فقہا کو طلب کر کے اپنے پاس بٹھا لیتا تھا تاکہ ان سے اُن امور میں مشورہ کر سکے جو اس کے حیطۂ علم سے باہر تھے ۔

مہدی کی سب سے بڑی کمزوری عورت تھی ، اس کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا تھا ، خاص طور پر خیزران تو اس درجہ اس پر مسلط ہو چکی تھی کہ اس کے شعور اور ارادے تک پر حاوی ہو گئی تھی ۔ مہدی کی یہ کمزوری اس کی فطرت اور سرشت بن چکی تھی ۔ اس سے چھٹکارا ممکن ہی نہ تھا ۔ منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد ، اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی زندگی کا یہ پہلو ہمیشہ یکساں رہا ۔

منصور ، بیٹے کی اس کمزوری سے اور دوسرے متوقع عواقب و نتائج سے بہ خوبی واقف تھا ۔ وہ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا رہتا تھا ۔ پیار اور شفقت سے بھی ، دھمکی اور سختی سے بھی ، لیکن نتیجہ خاک نہ نکلا ۔ اپنی وفات سے پہلے اس نے بڑی دل سوزی کے ساتھ بیٹے کو ——— جو اس کا جانشین بننے والا تھا ——— نصیحت کی تھی :

"اے بیٹے خبردار ! عورتوں کو اپنے امور اور معاملات میں دخل انداز نہ ہونے دینا ، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تو ایسا کر کے رہے گا ۔"[۲]

اور مہدی کا یہ اندیشہ درست نکلا ، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ، نتیجہ واقعی برا نکلا ۔

لیکن اس کمزوری اور بعض دوسری کمزوریوں کے باوجود امر واقعہ

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۲۲ ۔

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۷ ۔

یہ ہے کہ اس میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں ، اور ان صفات حسن نے اس کی شان بڑھا دی تھی اور اسے بہترین آدمیوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا ۔

ہارون کو اپنے باپ — مہدی — سے جسمانی اور حسی خصوصیات بھی وراثت میں ملے تھے ۔ اس کی طبیعت اور مزاج پر بچپن ہی سے ان موثرات کا پرتو نظر آ رہا تھا ، کیونکہ بچے کا پہلا مدرسہ گھر ہی ہے ۔ وراثت میں جہاں اس نے باپ کے بعض خصوصیات پائے تھے ، وہاں دادا کے صفات و خصائص سے بھی محروم نہیں رہا تھا ۔

باپ اور دادا کے علاوہ کچھ اور شخصیتیں بھی تھیں جو ہارون کی تکوین خلقی و روحی پر اثر انداز ہوئی تھیں ۔ اس لیے کہ ان سے بھی اس کا گہرا ربط و تعلق رہا تھا اور ان کے گہوارۂ فکر میں اس نے زندگی کے دن گزارے تھے ۔

وہ اپنی رضاعی ماں فاطمہ بنت محمد — جو یحییٰ بن خالد کی بیوی تھی — سے بھی بہت متاثر تھا ۔ فاطمہ مشہور سپہ سالار قحطبہ بن شبیب طائی کی پوتی تھی ، مذہبی اعتبار سے اور عادات و خصائل کے لحاظ سے بڑی خوبیوں کی خاتون تھی ، مزاج بھی بڑا اچھا پایا تھا ۔

ہارون ، فاطمہ یعنی اپنی رضاعی ماں کا حد درجہ ادب و احترام کرتا تھا ۔ خود وہ بھی ہارون کو بہت چاہتی تھی ۔ جب بھی فرصت کا کوئی لمحہ میسر آتا وہ فاطمہ کی زیارت کو پہنچ جاتا ۔ جب وہ بڑا ہوا تو اس نے قسم کھا کر فاطمہ سے کہا :

"آپ کی کوئی ضرورت ایسی نہ ہوگی جسے میں پورا نہ کر دوں ۔"

فاطمہ نے بھی قسم کھا کر اس سے کہا :

"کسی دنیاوی ضرورت کے لیے میں تجھے تکلیف نہ دوں گی ۔"

یہ نیک خاتون ہارون کے آخری زمانے تک زندہ رہی[1] ۔

ان لوگوں میں جنھوں نے ہارون کی فہم و بصیرت پر غیر معمولی اثر ڈالا ، مہدی کا وزیر معاویہ بن عبیداللہ بن یسار خاص طور پر قابل ذکر

---

۱ ۔ الامامت و السیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۳ ۔

ہے ۔ یہ ہارون کے باپ ــ مہدی ــ کا صرف وزیر باتدبیر ہی نہیں تھا ، اس کا ندیم اور دمساز بھی تھا ، رے میں بھی حق رفاقت ادا کرتا رہا ، اور بغداد میں بھی ساتھ آیا ۔ ولی عہدی اور خلافت کے چند سال تا ۱۶۱ھ (مطابق ۷۷۸ء) اس کے ساتھ بسر کیے[1] ۔

معاویہ بن عبیداللہ طبریہ کا رہنے والا تھا ، ورع و تقویٰ میں یگانہ تھا ، روایت حدیث میں بھی درک رکھتا تھا ، فقرا ، محتاجوں ، اور مسکینوں کے لیے سراپا رحمت و کرم تھا ، ہر روز بہت سے بھوکوں کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتا تھا ، اور روپے پیسے سے بھی امداد کرنے میں دریغ نہیں کرتا تھا ۔ " تاریخ بغداد " کے مصنف کا بیان ہے :

"معاویہ بن عبیداللہ کی جب وفات ہوئی تو شہر کے سارے پل جنازے کی مشائعت کرنے والوں سے بھر گئے ، ان کا پار کرنا مشکل ہو گیا ، جنازے کے پیچھے آزاد کردہ غلاموں ، یتیموں ، بیواؤں اور مسکینوں کا جم غفیر تھا ، یہ سب وہ لوگ تھے جو اس کی سخاوت اور دریا دلی سے بہرہ مند ہوا کرتے تھے[2] !"

ہارون کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے ، لیکن اس میں نمایاں اور ممتاز نام علی بن حمزہ کسائی کا ہے ۔

کسائی نے ہارون کی تعلیم و تدریس کا بار اس کے عہد طفولیت ہی سے اٹھا لیا تھا ، نشوونما کے مراحل طے کرنے کے دوران میں وہ کسائی سے بہت زیادہ قریب ہوتا گیا ، یہاں تک کہ صاحب شعور و بلوغ ہو گیا ، اور اپنے استاد کی قدر و قیمت کا دل سے مداح اور ثنا خواں بن گیا شاہی محل کے علما میں کسائی منفرد حیثیت رکھتا تھا ، ہارون نے کسائی سے کسب فیض کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا ، جب تک اس کا انتقال نہیں ہو گیا ۔

کسائی کا انتقال ۱۸۹ھ میں ، اور ایک روایت کے مطابق ۱۸۳ھ میں ہوا ، وہ زاہد متقی اور نیکوکار شخص تھا ، قرآن کی قرأت سبعہ کا

---

۱ ۔ الطبری ، ملاحظہ ہو ۱۶۱ھ کے حالات ۔
۲ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۶ ۔

ماہر تھا ، لغت ، ادب ، نحو میں وہ امام اہل کوفہ مانا جاتا تھا [1]۔

ہارون کے ایک استاد مفضل بن محمد ضبّی بھی تھے ، ایام عرب ، اخبار روایات اور ادب کے شیوخ میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔

مہدی ، مفضل کو بہت عزیز رکھتا تھا ، انہیں مقرب بارگاہ بنا لیا تھا ، اور ان کے ساتھ حد درجہ عنایت اور کرم کا برتاؤ کرتا تھا ، پھر اس نے انہیں اپنی اولاد کی تعلیم پر مامور کر دیا شاگردوں کے حلقے میں ہارون بھی شامل تھا ۔

ہارون نے مفضل سے علم حاصل کیا ، لیکن اتنا نہیں جتنا کسائی سے حاصل کیا تھا ، مفضل نے ہارون کے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے وفات پائی ۔

کسائی اور مفضل کے علاوہ دوسرے بلند پایہ عالموں سے بھی ہارون نے تحصیل علم کی ، جو اپنے فضل و کمال ، زہد و تقویٰ اور سیرت و کردار کے اعتبار سے مشہور انام تھے ۔

ہارون کے احوال و سوانح کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر تک اس نے با قاعدہ تعلیم حاصل کی ، پھر شئون عامہ میں غیر معمولی مصروفیت کے باعث یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ تکمیل علم نہ کر سکا ، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس نے استفادے کا سلسلہ یکسر ختم کر دیا تھا ان گراں بار مصروفیتوں کے باوجود جب موقع پاتا ، مطالعہ کرتا اور اساتذہ سے کسب فیض کرتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ صغر سنی ہی سے اسے علم سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا ، اور مبادی علوم مروجہ سے اس نے کافی واقفیت بہم پہنچا لی تھی ، اس لیے کہ ذہین بلا کا تھا ، اور قوت حافظہ غضب کی پائی تھی ، خاص طور پر ادب کا تو رسیا تھا ، بڑا ستھرا ادبی ذوق رکھتا تھا ، چنانچہ ان گنت اشعار نوک زبان تھے ، امثال وحکم ادیبوں اور خطیبوں کے اقوال اور خطبے اسے زبانی یاد تھے ، اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی ذات بجائے خود شعر و ادب کی انجمن نظر آتی تھی اس کی محفل میں ، جہاں علما اور فقہا کا ہجوم نظر آتا تھا ، وہاں

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۱ ، صفحہ ۴۰۳ ۔

اصحاب فکر و ادب ، اور شاعروں کا جمگھٹ بھی رہتا تھا ، ساری زندگی اس نے یہ شعر سازی رکھا جیسا کہ آگے چل کر تفصیل سے اس طرح کے واقعات نظر کے سامنے آئیں گے!

مہدی کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ ہارون کی کاٹھی مضبوط ہو، ورزشی اور عسکری فنون کا وہ ماہر ہو ، سب سے زیادہ اس کی خواہش یہ تھی کہ بیٹا ڈیل ڈول اور سلامتی و توانائی اعضا کے اعتبار سے ممتاز ہو ، خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے ، اور مصائب کی پروا نہ کرے ، جب تک ان چیزوں میں وہ یکتا نہ ہو جائے امارت اور سلطنت کا بوجھ اٹھانے کی اس میں سکت نہیں پیدا ہو سکتی ، اور ان خصائص کے حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ بار بار سفر کرے ، میدان جنگ میں پہنچے ، قتل و غارت کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ، جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرے۔

چنانچہ صغر سنی ہی سے ہارون کو اسی ڈگر پر چلایا گیا ، چابک سواری کی تعلیم دی گئی ، تیراندازی کس طرح کی جاتی ہے یہ بتایا گیا ، نیزے کی انی کس طرح کام کرتی ہے یہ سکھایا گیا ، شمشیر زنی کے طور طریقے کیا ہوتے ہیں یہ گر بتائے گئے ، فنون سپہ گری کی تعلیم و تربیت ان شہ سواروں اور جنگ آزماؤں کے ہاتھوں انجام پائی جو امرا اور افسران فوج کے لڑکوں کو مصنوعی جنگ میں شریک کر کے عملی طور پر فنون سپہ گری کی تعلیم دیتے تھے ، تاکہ بچپن ہی سے حربی ذوق استوار ہو جائے جسم مضبوط ہو جائیں ، اور حوصلہ بلند ہو جائے اور بازو میں سکت آجائے۔

ہارون کو خود بھی بچپن ہی سے ان تمام چیزوں سے لگاؤ تھا ، اور سپہ گری اس کی مرغوب چیز بن گئی تھی ، اس کے ہم عمر اور ہمجولی ، جو اہل خاندان بھی تھے ، بہ کثرت تھے ، ان کے ساتھ ”جنگی مشقیں“ جاری رہتی تھیں چونکہ جسم مضبوط اور توانا پایا تھا ، خطرات کو خاطر میں نہیں لاتا تھا ، صحت بڑی اچھی تھی لہذا اپنے ابنائے عم ، اور

وزرا و امرا اور افسران فوج کے لڑکوں پر ہمیشہ اسے یک گونہ تفوق سپہ گری کے اعتبار سے حاصل رہا ۔

روایت ہے کہ دس ہی سال کی عمر میں وہ منہ زور گھوڑے کی سواری اس شان سے کرتا تھا کہ اس کے چھکے چھڑا دیتا تھا ، اور یہ بات کچھ تعجب خیز بھی نہیں ہے ، مہدی نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح کی تربیت دی تھی چنانچہ اس کی بعض لڑکیاں بھی گھوڑے کی سواری کے فن بہت اچھی طرح جانتی تھیں ، اس کی لڑکی 'بانوقہ' بہت اچھی چابک سوار تھی اور باپ کے ساتھ ہر سفر میں برابر شریک رہتی تھی ، اور یہ کیفیت اس کی بالکل بچپن ہی سے تھی[1] ۔

جس زمانے میں ہارون سال بہ سال طفولیت کے جامے بدل رہا تھا ، دادا ، پھر باپ کے عہد خلافت میں ایسے واقعات و حوادث پیش آرہے تھے جو اس کے سامنے گذر رہے تھے ، یا تو بہ چشم خود وہ انہیں دیکھتا تھا یا ان کے بارے میں پرچہ نویسوں کی رپورٹیں سنتا رہتا تھا ۔ ان میں بعض واقعات و حوادث ایسے بھی تھے جو مستقبل پر اثر انداز ہوئے ، بعض ایسے تھے جو اس کے مستقبل تک تو نہ پہنچے لیکن ان کی یاد باقی رہ گئی اور دل پر ایک نقش سا قائم ہو گیا یہ چیزیں اس طرح اس کے لیے مفید ثابت ہوئیں ، جیسے تعلیمی فلم ، جن سے آج کل کے بچے سبق حاصل کرتے ، اور بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں ۔

نوعمری ہی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ہارون نے ایک روز باپ کے سر پر ہر طرف سے لپٹا ہؤا سیاہ عمامہ نہیں دیکھا ، اب عمامے کی جگہ عجمی کلاہ نے لے لی تھی ۔ یہ لمبی کلاہ اس طرح کی تھی کہ سیاہ ریشم کا ایک عمامہ اس کے گرد لپٹا ہوتا تھا ۔ آگے طرہ پیچھے شملہ ، یہ نیا فیشن منصور نے اپنے اور رجال دولت کے لیے ۱۵۳ھ (مطابق ۷۷۰ع) میں اختیار کیا تھا ، یہ چیز عربی مذاق کے خلاف تھی ، چنانچہ شروع شروع میں لوگوں نے اسے ناپسند کیا لیکن رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہو گئے ، مسخرا شاعر ابودلامہ سب سے زیادہ اس جدید فیشن کو ناپسند کرتا تھا ، ایک روز اس نے بڑی

۱ - الطبری ، جلد ۳ صفحہ ۴۱۷ -

لمبی چوڑی کلاہ پہنی اور منصور کی خدمت میں حاضر ہؤا ، اور ذیل کے اشعار سنائے :

و کنا نرجی من امام زیادۃ
فزاد الامام المصطفیٰ فی قلانس
تراھا علی ھام الرجال کانھا
دنان یہود جللت ببرانس

یعنی :

ہم امامِ وقت سے کچھ زیادہ دادودہش کی توقع رکھتے تھے
لیکن ہم نے جو اضافہ کیا وہ تھا ، کلاہ ،
لوگوں کے سروں پر کلاہ اس طرح نظر آئے گی ،
جیسے یہودیوں کے مٹکوں پر سر پوش

منصور ابو دلامہ کی ہیت کذائی دیکھ کر ہنس پڑا اور صرف اس کے لیے یہ اجازت ہو گئی کہ پہلے کی طرح کا عربی عمامہ زیب سر کر کے حاضر دربار ہؤا کرے۔

منصور کے وقت سے دولتِ عباسیہ کے اختتام تک پھر بھی شعار رہا کہ عمامہ کلاہ پر باندھا جاتا رہا[1] ۔

سات برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے تک ہارون نے ساز و سامان جنگ اور آلات و اسلحہ سے مسلح کوئی لشکر نہیں دیکھا تھا ۔ یہ مشاہدہ پہلی مرتبہ اس وقت ہؤا جب اس کے دادا منصور کی سالاری میں ایک لشکر گراں شام کی طرف بڑھا ۔ کیونکہ شمالی افریقہ کے بعض مقامات پر بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی ، جسے وہ غیرمعمولی اہمیت دے رہا تھا ، اور نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کا ایک چپہ ارض بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور خود مختاری حاصل کرلے ۔ یا اندلس کی اموی حکومت سے الحاق کر لے ۔ سب سے پہلی مرتبہ ہارون نے اپنے دادا کو لباس جنگ سے آراستہ ایک لشکر کی کمان کرتے ہوئے طویل سفر پر روانہ ہوتے ہوئے دیکھا ۔ خاندان

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۷۲ ۔

کے دوسرے ہم عمروں کے ساتھ وہ بھی منصور کے وداع کے وقت حاضر تھا ، لیکن اس وقت وہ ایک طرح کا فخر اور غرور محسوس کر رہا تھا ۔

اس سفر سے واپسی پر منصور کا گزر شہر رقہ کی طرف ہوا ، جو فرات کے کنارے واقع تھا ۔ منصور کو یہ جگہ بہت پسند آئی ۔ یہاں کی آب و ہوا نے اس کا دل موہ لیا ۔ اس نے یہاں پڑاؤ ڈالا اور عرصے تک مقیم رہا ، اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ رقہ کے دوسری طرف گرمائی صدر مقام تعمیر کیا جائے ، تاکہ عراق کی گرمی جب ستائے تو یہاں کی فرحت بخش فضا میں وقت گزارے ۔ بغداد واپس آ کر اس نے اپنے بیٹے مہدی کو اس کام کی تکمیل کے لیے بھیجا اور اسے حکم دیا کہ یہ گرمائی صدر مقام بالکل مدینۃالسلام (بغداد) کے طرز پر تعمیر کیا جائے ۔

۱۵۵ھ (مطابق ۷۷۲ع) میں مہدی رقہ وارد ہوا اور اس کے دوسری جانب نئے شہر کی تعمیر مکمل کر ڈالی ، اس کا نام رافقہ رکھا اور بغداد واپس آ گیا[1] ۔

ہارون کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ کامل ایک سال تک وہ باپ سے الگ رہا[2] ۔

۱۵۷ھ (مطابق ۷۷۳ع) میں خلیفہ منصور نے ارادہ کیا کہ ایک مصنوعی فوجی مہم ترتیب دی جائے جس میں تمام سوار اور پیادے اور منصب داران لشکر عراق اور آس پاس کے شریک ہوں اور حصہ لیں ۔ صرف وہ لوگ حاضری سے مستثنیٰ رکھے گئے جو سرحدوں کی دیکھ بھال اور حفاظت پر مامور تھے ۔

منصور اس طرح کی مُہمات وقتاً فوقتاً انجام دیا کرتا تھا ۔ مقصد یہ تھا کہ عسکری قوت کا بذات خود اندازہ کرتا رہے اور سپاہیوں کے احوال

---

۱ - رافقہ ، رقہ سے صرف تین سو گز کے فاصلے پر تعمیر ہوا تھا ۔ اپنی پوری مدت خلافت میں ہارون رشید بھی اسے گرمائی صدر مقام کے طور پر استعمال کرتا رہا ۔ یہاں اس نے ایک نیا محل بنوایا جس کا نام 'قصرالسلام' رکھا ۔

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۷۲ ۔

و معاملات سے ذاتی واقفیت حاصل ہوتی رہے تاکہ وہ چوکس رہیں اور ان کا حوصلہ بلند ہو اور جو اس کے مخالف ہیں ، ان مناظر کو اور ان تیاریوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائیں ۔

یہ مہم جمعہ کے دن قطر بل میں ، جو بغداد کا ایک حصہ تھا ، ایک وسیع و عریض میدان میں انجام پایا کرتی تھی ۔ اس موقع پر رجال دولت اور امرائے بنی عباس کے لیے حکم تھا کہ اپنے تمام اسلحہ سے آراستہ ہو کر حاضر ہوں ۔

وقت مقررہ پر سارا میدان سپاہیوں اور سواروں سے بھر گیا ، فوج کا ہر دستہ اپنے اپنے پرچم کے ساتھ موجود تھا ، باشندگان شہر کی بھی بہت بڑی تعداد یہ ولولہ آفریں منظر دیکھنے کے لیے اُمڈ آئی تھی ۔

سب سے پہلے امیرالمومنین کا موکب آگے بڑھا ، بدن پر سلاح جنگ ، سونے اور چاندی سے مڑھے ہوئے آراستہ تھے ۔ پھر خلیفہ منصور ایک سپید خچر پر سوار ، خوب صورت زرہ زیب بدن کیے ، شمشیر آب دار ہاتھ میں ، جس کا دستہ سونے کا تھا جس پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے ، سر پر کلاہ سیاہ ، خاص قسم کی دھات کے جوتے جو جنگ کے موقع پر استعمال کیے جاتے تھے ، برآمد ہوا ۔ وہ ایک چبوترے پر رونق افروز ہوا ۔ ارد گرد تمام فوجی دستے کیل کانٹے سے لیس جمع ہو گئے ۔ خلیفے کے داہنے بائیں دونوں ولی عہد منصور اور عیسیٰ بن موسیٰ موجود تھے ۔

اب تقریب کا آغاز ہوا ۔

منادی نے حسب مراتب سپہ سالاروں کو نام بہ نام پکارا ۔ وہ اپنے اسپ تازی پر سوار فوراً امیرالمومنین کے سامنے آ موجود ہوئے ۔ خلیفے نے ان کے اسلحہ کا معائنہ کیا ، پھر واپس جانے کا اشارہ کیا ۔ سب پھر اپنی اپنی جگہ پر جا کھڑے ہو گئے ۔ پھر مختلف دستے تیر و کمان سے مسلح خلیفے کے سامنے آئے ، اس کے بعد پیدل سپاہ کی باری آئی جو منجنیق اور آلات حصار اپنے ساتھ لائی تھی ، معائنہ جب ختم ہو گیا تو مصنوعی جنگ شروع ہوئی ۔ اس کے بعد حسب مراتب سب کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا گیا ۔

اس شان دار فوجی مظاہرے کے موقع پر ہارون رشید بھی موجود تھا۔ اب اس کی عمر دس سال کی تھی اور فنون سپہ گری کی تحصیل اس نے شروع کر دی تھی ۔ یہ منظر اسے بہت بھایا ۔ گھوڑوں ، سواروں اور سلاح جنگ کی ریل پیل اور خیرہ کن سرگرمیوں سے وہ اتنا ہی متاثر ہوا جتنا ایک طفل نوعمر بہادری اور شجاعت کے کارناموں کو دیکھ کر متاثر اور مسرور ہوسکتا ہے ۔ اس موقع پر اس نے خاندان بنو عباس ، سالاران فوج اور رجال دولت وغیرہ کے نوعمر لڑکوں کی صفیں بھی دیکھیں ، یہ وہ نسل تھی جس کے ساتھ وہ کھیل کود میں مشغول رہتا تھا ، لیکن جس نے آگے چل کر چوتھائی صدی تک عباسی شہنشاہیت کی تاریخ کے نازک ترین مواقع پر نمایاں اور شاندار حصہ لیا ۔

بغداد کی تعمیر کو اب دس سال کی مدت گزر چکی تھی ۔ اس اثنا میں آبادی اتنی بڑھ گئی تھی ، مکان اس کثرت سے تعمیر ہو گئے، بازاروں کی ایسی افراط ہو گئی تھی کہ اس شہر کی وسعت تنگ نظر آنے لگی[1]۔

اب منصور کو قصرالذھب میں قیام کرنا دوبھر ہوگیا ۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ کسی دوسرے وسیع ، خوش منظر اور بہترین قطعے پر ایک نیا محل تعمیر کرے اور وہاں جا بسے ۔ کافی غور و خوض کے بعد جنوب میں محلہ کرخ کے ایک جانب کسی قدیم ، دیر کا محل وقوع اسے بہت پسند آیا ۔ فوراً ہی ایک نئے اور شان دار محل کی نیو کھد گئی اور تعمیر کا کام شروع ہو گیا ۔ یہ محل اپنے وقت کا سب سے زیادہ شان دار اور حسین و جمیل محل تھا ۔ وسیع و عریض اطراف میں باغات اور پھلواریاں ، علاوہ ازیں اس نے دریائے دجلہ کے مقابل اور بھی کئی قصر بنوائے اور حویلیاں تعمیر کرائیں جن کی وسعت اور رعنائی آصافہ کے محلات اور پلوں تک چلی گئی تھی ۔ اس سارے مجموعۂ عمارات کا نام اس نے 'خلد' رکھا تھا[2]۔

---

۱ - معجم البلدان ، لفظ 'خلد' ملاحظہ ہو۔

۲ - قصر خلد ہارون کو اتنا زیادہ پسند خاطر تھا کہ اپنی ساری مدت خلافت میں وہ یہیں مقیم رہا ۔

۱۵۸ھ (مطابق ۷۷۵ع) میں منصور اپنے خدم حشم کے ساتھ قصرالذہب سے اس نئے محل میں جو 'خلد' کے نام سے موسوم تھا ، منتقل ہو گیا ۔ اس موقع پر ایک بہت بڑی تقریب سرانجام پائی ۔ بغداد کے عوام و خواص میں سے جو بھی شہر میں موجود تھا ، حاضر تھا ۔ شہر کے امرا و نجبا اور اعیان قوم بھی خلیفے کے حضور میں حاضر ہوئے ۔

یہ قصر خلد نہ صرف منصور کی مستقل قامت گاہ بنا رہا ، بلکہ اپنی باری پر اس کے بیٹے اور پوتوں نے بھی یہاں کی اقامت ترک نہیں کی ۔

ابو جعفر منصور ستر سال کا ہو چکا تھا ۔ حوادث کا تواتر ، سیاسی معرکہ آرائیاں ، نظم مملکت کا بوجھ ، اوائل شباب ہی سے وہ برداشت کرتا آیا تھا ، اس چیز نے اس کی صحت میں گھن لگا دیا تھا ، اس کے قویٰ مضمحل اور فرسودہ ہوتے چلے گئے ، وہ مجموعۂ امراض و آلام بن گیا ، سب سے بڑی اور تکلیف دہ بیماری معدے کی تھی ۔ جس میں قوت ہضم باقی نہیں رہ گئی تھی ۔

قدرت کا منشا شاید یہ تھا کہ جس قصر خلد کی تعمیر و تکمیل اس نے اتنے چاؤ سے کی تھی ۔ اس میں چند مہینے سے زیادہ زندگی کے دن بسر نہ کر سکے ، فریضۂ حج ادا کرنے کی نیت سے اس نے حجاز کا رخت سفر باندھا ، اپنے پوتے موسیٰ بن مہدی کو بھی ساتھ لیتا گیا وہ حکم پاتے ہی کوچ کے لیے تیار ہو گیا ۔

شوال ۱۵۸ھ میں بغداد سے وہ خدم و حشم کے ساتھ حجاز کے قصد سے نکلا ، اور قریب ہی ایک مقام قصر عبدویہ میں پڑاؤ کیا ۔ یہاں چند روز تک قیام کیا تاکہ اس طویل سفر کے جملہ لوازم پورے طور پر مکمل ہو جائیں ، اس کے اہل بیت اور رجال دولت بھی رخصت کرنے کے لیے یہاں تک آئے تھے ۔

پہلے ہی سے منصور اپنی طبیعت اور مزاج و صحت کو ڈانوا ڈول محسوس کر رہا تھا ۔ یہاں آ کر یہ کیفیت اور بڑھ گئی ، ضعف حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا ، اجل کا پیام اس نے سن لیا تھا ۔

ایک روز خلوت میں اس نے اپنے ولی عہد مہدی کو بلایا ، اور اسے رموز مملکت اور اسرار حکومت سمجھائے ۔ حکومت کرنے کے گر بھی بتائے ۔ کن لوگوں پر اعتماد کیا جائے ، اور کن لوگوں سے دور رہا جائے یہ نکتہ بھی سمجھایا ، پھر کہا :

''میں نے تیرے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے ، مصیبت ، اور ابتلا کے وقت وہ تیرے کام آئے گا !''

پھر باتوں باتوں میں بیٹے کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ذکر چھیڑا ۔ ان سے بچنے اور مجتنب رہنے کی نصیحت کی ، زیادہ زور اس پر دیا کہ امور مملکت میں خواتین کو دخل انداز ہونے کا موقع نہ دیا جائے ۔

یہ مجلس جب ختم ہوئی ، تو اس نے بیٹے کو کلیجے سے لگایا ، اور رو پڑا ، مہدی کا بھی یہ حال تھا کہ باپ کے ساتھ وہ بھی رو رہا تھا ۔ جب منصور کی سواری حجاز مقدس کی طرف روانہ ہوئی تو رخصت کرنے والوں میں ہارون بھی تھا ، یہ سب اس وقت تک جاتے ہوئے قافلے کو تکتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا ۔

راستے میں منصور کا مرض کچھ اور بڑھ گیا ، اور حالت نازک ہوتی چلی گئی ، اس نے قافلے کو زیادہ سبک روی کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تاکہ مختصر ترین مدت میں مکہ مکرمہ پہنچ جائے ، اور سفر کی ماندگی سے ، جس نے مرض کو اور بڑھا دیا تھا نجات پائے ۔ لیکن قافلے نے ابھی پوری ایک منزل بھی طے نہیں کی تھی کہ مرض نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی ، اور سفر کا جاری رکھنا دوبھر ہو گیا ۔ چنانچہ ایک مقام بئرمیمون پر ، مجبور ہو کر اس نے پڑاؤ کا حکم دیا ، ماہ ذی‌الحجہ کے اوائل میں آخرکار وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا ۔ اور اس کی روح خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں پہنچ گئی ، علما اور فقہا نے جو شریک سفر تھے جنازہ اٹھایا ، اور اسے لے کر مکہ مکرمہ پہنچے ، وہیں نماز پڑھائی گئی اور اسے سپرد خاک کر دیا گیا[1] ۔

---

۱ ۔ ابن اثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۹ ۔

س حادثے کے وقت منصور کا وزیر ربیع بن یونس حاضر تھا ۔ اس نے فوراً مہدی کے لیے مکہ مکرمہ میں بیعت خلافت لینے کا اہتمام کیا ، اور عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کی بھی بیعت لے لی جو اس سفر میں منصور کے ساتھ تھا ، اور اس حادثے کی خبر دینے کے لیے فوراً ایک خبر رساں کو مہدی کے پاس بغداد روانہ کر دیا ، ساتھ ہی ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک ، انگشتری ، اور عصا بھی نئے خلیفے کے پاس روانہ کر دیا ، پھر فریضۂ حج کی تکمیل کے بعد یہ قافلہ عراق واپس گیا ۔

منصور کی خبر مرگ نے سارے بغداد کو وقف غم و الم کر دیا ۔ نہ صرف بغداد میں یہ کیفیت تھی بلکہ دور دراز مقامات تک غم کی گھٹائیں چھا گئی تھیں ۔ کیونکہ اس سال خوردہ اور بوڑھے شخص کے صفات و عادات کو لوگ بہت پسند کرتے تھے ۔ اس کے عہد میں بنو عباس کو جو فراغ میسر آیا وہ اپنی مثال آپ تھا ۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اپنی پوری مدت خلافت میں ان پر بذل و عطا کی بارش کی تھی اور ان کے شرف و مجد کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا ۔ ان کا رونا بجا تھا اور گریہ و ماتم میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔

ہارون کی عمر اب تیرہ سال کی تھی ۔

یہ عمر فہم و شعور کی ہوتی ہے ، اور واقعات و حوادث کے اثرات اور کیفیت کو آدمی اچھی طرح سمجھنے لگتا ہے ۔ چنانچہ سب سے زیادہ ہارون دادا کی موت پر رویا ، جو اپنے اس پوتے کو بہت چاہتا تھا ، پہلے پہل اسے دیکھتے ہی گود میں اٹھا لیا تھا اور اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے تھے جو اس کے لیے خلافت کی پیش گوئی کی حیثیت رکھتے تھے ۔

مہدی نے اپنی خلافت کی بیعت لینے میں ذرا بھی تاخیر سے کام نہیں لیا ، وہ اپنے خدم حشم کے ساتھ قصر رصافہ سے کرخ کی طرف جہاں قصر خلد واقع تھا فوراً روانہ ہوا ۔ قصر خلد کے بڑے ہال میں داخل ہوا ، جو اسی موقع کے لیے خاص طور پر سجایا گیا تھا ، امرا ، سپہ سالار ،

افسران فوج ، اور اعیان حکومت صف بستہ موجود تھے ۔

مہدی اس مجمع میں سے گزرتا ہوا ، باپ کے تخت پر جا بیٹھا ۔ اس کے بدن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک تھی ، انگلی میں آپؐ کی انگشتری ، اور ہاتھ میں آپؐ کا عصا ۔

اس تقریب کے وقت مہدی کی عمر بتیس سال کی تھی ، خوش شکل ، چہرے سے بشاشت عیاں ، ملاحت اور صباحت کا امتزاج ، بال گھونگریالے ، قامت کے اعتبار سے نحیف لیکن وجیہ ، بائیں آنکھ میں ایک سفید پھٹکی تھی ، جو زیادہ واضح نہ تھی اور دیکھنے والے کو جب تک وہ غور سے نہ دیکھے نظر نہیں آتی تھی ، مہدی کے پس پشت اس کا وزیر معاویہ بن عبید اللہ بن یسار ایستادہ تھا ، نیز متعدد پرچہ نویس بھی[1] ۔

مہدی جب تخت خلافت پر متمکن ہو گیا ۔ تو حاضرین نام بہ نام پکارے جانے لگے ۔

سب سے پہلے خاندان ہاشمی کے لوگوں کی باری آئی ۔ ان میں بھی تقدم انہیں دیا گیا جو عمر کے لحاظ سے بڑے اور امیرالمومنین سے قرابت قریبہ رکھتے تھے ۔

ہاشمیوں کے افسران فوج کی باری آئی ، یہ بھی حسب مراتب طلب کیے گئے ۔

اس کے بعد ، دوسرے اعیان و امرا ۔

بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ ہر شخص جس کا نام پکارا جاتا تھا صف سے باہر نکلتا تھا ، اور خلیفے کی دست بوسی کرتا تھا اور بیعت خلافت کا حلف لیتا تھا ۔ ساتھ ہی ساتھ موسیٰ بن عیسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت بھی لی جا رہی تھی ۔ اس تاریخی اجتماع میں ہارون بھی موجود تھا ، اس لیے کہ خلیفے کا بیٹا تھا لیکن اس سے بیعت نہیں لی گئی ، اس لیے کہ وہ ابھی پورے طور پر سن رشد کو نہیں پہنچا تھا ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۵۸ ۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مہدی کی بیعت مدینۃ السلام کی مسجد میں ہوئی تھی ۔

مہدی نے اپنی حکومت کا آغاز اس طرح کیا کہ اپنے والد کے وزرا اور عمال کو اپنے حضور میں طلب کیا ، جو دفاتر اور خزانے کے ذمے دار تھے ، اور جتنی دولت اب اسے حاصل ہوئی تھی اس کا اندازہ لگایا ، اسے اتنی دولت ملی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی ، منصور نے جز رسی ، اور تدبیر سے کام لے کر بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا تھا ، چنانچہ مروی ہے کہ منصور نے مہدی سے آخری سفر پر روانہ ہوتے وقت کہا تھا :

''میں تیرے لیے اتنی دولت چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر دس سال تک بھی تجھے خراج نہ وصول ہو تو ہر ضرورت کے وقت یہ کافی ہوگی!''

مؤرخین کا اس باب میں اختلاف ہے کہ منصور نے جو دولت چھوڑی تھی وہ کتنی تھی ؟ بعض کا قول ہے کہ کم و بیش اسی کروڑ درہم اس کے خزانے میں تھے[1] ۔ یہ اتنی بڑی دولت تھی ، جو منصور سے پہلے کسی خلیفے نے بیت المال میں نہیں چھوڑی تھی ۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوجعفر (مہدی) نے اپنے بیٹے (مہدی) کے لیے ، بے غل و غش حکومت کرتے رہنے کا سارا سر و سامان مہیا کر دیا تھا ۔ سیاسی اعتبار سے بھی ، انتظامی ، اقتصادی اور مالی اعتبار سے بھی ، ساتھ ہی ساتھ اس کے لیے ایسے آزمودہ کار ، اور سرد و گرم چشیدہ مشیر اور مصاحب چھوڑ گیا تھا ، جو درحقیقت ہر اعتبار سے یکتا اور یگانہ تھے ، زمانے میں ایسا مجموعۂ اصحاب کمال کم پیدا ہوگا ، یہ لوگ حسن تدبیر ، دانش مندی ، فراست ، تہذیب و ثقافت اور جلالت قدر کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے ۔ ان میں خاص طور پر ، ربیع بن یونس اور اس کا بیٹا فضل تھا ۔ نیز خالد برمکی ، اور اس کا بیٹا یحیٰی برمکی اور معاویہ بن عبیداللہ اور ابان بن صدقہ کا شمار تو ماہرین جنگ اور ارباب سیف میں ہوتا تھا ۔ اسی طرح معن بن زائدہ[2] اور یزید بن مزید شیبانی اور ہرثمہ بن اعین اور محمد بن فروخ ازدی اور مہلب بن ابی

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۵۶ ۔ (باقی حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۲۱ پر)

صفرہ کے پوتے اور قحطبہ کے بیٹے ، وغیرہ مشاہیر رجال حکومت میں شمار ہوتے تھے - یہ صاحب قلم بھی تھے اور صاحب سیف بھی ، تاریخ ان کے کارنامے فراموش نہیں کر سکتی -

مہدی پہلا عباسی خلیفہ تھا - جو مسند حکومت پر متمکن ہوا ، لیکن اس شان سے کہ نہ راستے کا کوئی پتھر تھا - نہ دامن کا کوئی کانٹا ، نہ کوئی دشواری حائل تھی ، نہ کوئی پریشانی عناں گیر تھی ، نہ کہیں شورش تھی ، نہ بغاوت - اس فضا نے اس میں سلامت اور شگفتگی پیدا کر دی تھی اور زیادہ سے زیادہ امن و سکون کا ماحول اسے میسر تھا - یہی وجہ تھی کہ اس نے --- جیسا کہ مقدمے میں ہم نے ذکر کیا ہے --- اپنے اعمال سیاست کا افتتاح جملہ علوی قیدیوں کو پروانۂ رہائی عطا کر کے کیا - البتہ اس عفو عام سے حسن بن ابراہیم علوی کو مستثنیٰ رکھا ، کیونکہ ان کی طرف سے وہ اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا تھا[1] حسن بن ابراہیم کے سوا ، جن علویوں کو اس نے جیل سے رہائی بخشی انہیں عام اجازت تھی خواہ بغداد میں بود و باش رکھیں یا حجاز واپس چلے جائیں ، ان میں سے غالب اکثریت حجاز واپس چلی گئی ، ان لوگوں کے وظائف اس نے دریا دلی سے مقرر کر دیے -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲)

۲ - معن بن زائدہ ، بنوامیہ کے سرداران جنگ میں سے تھا ، عباسیوں کی شورش کے زمانے میں اس نے بے دریغ انہیں موت کے گھاٹ اتارا ، معرکۂ فرات میں یہی تھا جس نے عباسی سالار عسکر قحطبہ بن شبیب طائی کو قتل کیا تھا - پھر اموی حکومت کے خاتمے کے بعد یہ بھاگ کھڑا ہوا اور روپوش ہو گیا ، لیکن عہد منصور میں ہاشمیہ میں یہ وارد ہو کر طالب عفو ہوا ، اور جب راوندیہ قتل منصور کے درپے تھے تو یہ ان سے لڑا ، چنانچہ خلیفے نے اسے معاف کر دیا اور منصبدار بنا دیا - مہدی کے عہد خلافت میں اس نے وفات پائی - اس کے بھتیجے یزید بن مزید نے عہد ہارون میں بڑے بڑے معرکے سر کیے -

۱ - یعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸۲ -

مہدی نے علویوں کی طرح دوسرے سیاسی قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا، لیکن جن کا جرم ثابت ہو چکا تھا، یا جو زندہ تھے، وہ رہائی نہ پا سکے۔

جو لوگ رہا کیے گئے ان میں منصور کا وزیر یعقوب بن داؤد بھی تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ عباسی حکومت کے خلاف علویوں کی سازش میں شریک تھا۔ مہدی نے نہ صرف اسے رہا کیا، بلکہ مقرب بارگاہ بھی بنا لیا اور کچھ عرصے کے بعد منصب وزارت پر بھی بحال کر دیا، لیکن کچھ مدت کے بعد اس نے سوچ لیا کہ یعقوب اب تک اپنے سابقہ خیالات پر قائم ہے۔ چنانچہ اس کی وفاداری مہدی کی نظر میں مشکوک ٹھہری، اس نے در پردہ اس کی آزمائش کی اور اپنے شبہ کو بجا پایا، اور آخر کار اسے پھر اسیر زندان کر دیا[1]۔

یہ تھا مہدی کا حال جب زمام حکومت اس کے ہاتھ میں آئی۔

خیزران نے ابوجعفر منصور کی وفات پر ایک طرح کی خوشی محسوس کی جو جملہ شئون دولت و حکومت پر قابض تھا، اور اس کا فولادی پنجہ خاندان کے تمام افراد پر حاوی تھا اور جو ان کاموں میں جو مردوں کے کرنے کے تھے یعنی معاملات حکومت میں کسی طرح بھی عورتوں کا عمل دخل پسند نہیں کرتا تھا، خاص طور پر اپنے بیٹے مہدی کی اس کمزوری سے تو بہت نالاں تھا، جو اپنی بیوی خیزران کی بات ہر معاملے میں بالا رکھتا تھا اور جو نہایت کثرت سے شوہر کے اعمال و افعال میں مداخلت کرتی رہتی تھی۔

منصور کے انتقال کے بعد خیزران، اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ قصر خلد میں منتقل ہو گئی، اب اس قصر میں اس کی حیثیت خاتون اول کی تھی اور بہت مختصر مدت میں اس نے ایسی پوزیشن حاصل کر لی کہ جو لوگ خلیفہ سے کسی بات کے متمنی اور آرزو مند ہوتے تھے وہ اسی کو واسطہ بناتے تھے۔ اس کے دروازے پر حکام و عمال اور افسران

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۴۸۲۔

فوج ہمہ وقت حاضر رہتے تھے ۔ وہ جانتے تھے بات بن سکتی ہے تو خیزران ہی کے وسیلے سے ۔

خیزران نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس کے خاندان کے جو لوگ بلاد یمن میں تھے ۔ انھیں ڈھونڈ کر بغداد میں بلایا ۔ حالانکہ وفات منصور سے قبل ان میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں تھا کہ بغداد کا رخ بھی کر سکے ۔ مہدی نے خیزران کی مرضی پوری کی ، اور یمن کے حاکم کو لکھا کہ وہ خاندان خیزران کے افراد کو بغداد بھیج دے ۔

حاکم یمن نے ان لوگوں کی تلاش شروع کی ۔ ایک مقام پر ان کا سراغ لگا ۔ جہاں یہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ ان لوگوں میں اس کی ماں ، اور اس کی دو بیٹیاں ''سلسل'' اور ''اسماء'' بھی تھیں ، اور ان دونوں کا ایک بھائی بھی جس کا نام غطریف بن عطاء تھا ، جو انگور کے ایک باغ میں رکھوالی کا کام کرتا تھا ۔

یمن کے حاکم نے ان لوگوں کو عزت اور اکرام کے ساتھ پایۂ تخت خلافت بغداد کی طرف روانہ کر دیا ۔ خیزران اور اس کے دونوں بیٹوں نے ان لوگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا ۔ خیزران نے پہلے ہی سے ان لوگوں کے لیے ، مدینۃالسلام میں ایک شاندار حویلی مخصوص کر دی تھی ۔ وہیں یہ اتارے گئے ۔

اب ہارون نے پہلی مرتبہ اپنی نانی ، خالاؤں ، اور ماموں کو دیکھا ، یہ دونوں عورتیں ، 'سلسل' اور 'اسماء' بہت خوب صورت تھیں ، کچھ عرصے کے بعد ان کی شادیاں دو امیر زادوں سے کر دی گئیں ۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ 'سلسل' اور 'اسماء' کے شوہر خاندان عباسیہ کے امرا میں سے تھے ۔

خاندان مہدی کے یہ احوال و مقامات سب کی نظر میں تھے اور سب ہی نے انھیں تسلیم کر لیا تھا ۔ اب اس خاندان کی منزلت اور وقعت قدرتی طور پر بہت زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ خاص طور پر خیزران کے دونوں بیٹے موسیٰ اور ہارون تو درجۂ امتیاز پر فائز تھے ۔ مرحوم خلیفے کے پوتے ،

موجودہ حبشہ کے بیٹے اور قصر خلد کی خاتون اول کے لخت جگر۔

موسیٰ بن مہدی اپنے دادا کے ساتھ آخری سفر حجاز میں شریک تھا ، امرائے بنو عباس اس کو خاص منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور منصور کے انتقال کے بعد تو یہ سب سے اگلی صف میں پہلے نمبر پر تھا۔ دادا کی وفات کے بعد اسی کے ہاتھ پر مہدی کی خلافت پر بیعت کی گئی تھی ، اور بغداد واپس آنے کے بعد بھی موکب ہمایونی کا سزاوار قرار پایا تھا ۔ نئے خلیفے کا بڑا بیٹا تھا اگرچہ ابھی نو عمر تھا[1] ۔

بہت تھوڑی مدت میں موسیٰ اور ہارون امرائے بنو عباس میں سب سے آگے نظر آنے لگے ۔ اونچی قسم کی سیاست میں ان کا درجہ سب سے بالا تھا ، یہ مرکز نظر بن گئے تھے خاص طور پر موسیٰ۔

مہدی کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ اس نے یہ بات سوچنی شروع کر دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے محروم کر دیا جائے اور اس کے بجائے اپنے بیٹے کو یہ منصب بلند عطا کر دے ۔ لیکن اس راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ موسیٰ بن امیرالمومنین مہدی کی عمر ابھی صرف سولہ سال کی تھی اور اس وقت تک کوئی نظیر ایسی موجود نہ تھی کہ اس نوعمری میں کسی کو ولی عہد بنایا گیا ہو ۔ لیکن مہدی کو اور خیزران کو بھی جس بات کا دھڑکا لگا تھا وہ یہ تھی کہ اگر کہیں موسیٰ کے سن رشد کو پہنچنے سے پہلے مہدی کا انتقال ہو گیا تو پھر خلافت اس گھرانے سے نکل جائے گی ۔

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مہدی نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ہر قیمت پر ولی عہدی کا مسئلہ حسب دل خواہ طے کر دینا ہے اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے ایسے اکسانے والے اور ہاں میں ہاں ملانے والے رجال دولت بھی کچھ کم نہ تھے ۔

اندر ہی اندر کھچڑی پکنے لگی اور سرگوشیاں ہونے لگیں ۔ عیسیٰ بن موسیٰ کے کان میں بھی ان باتوں کی بھنک پڑی اور یہ بات اسے

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۷۵ ۔

ناگوار گزری اور وہ محسوس کرنے لگا کہ جو چیز منصور سے اسے ملی تھی - وہ مہدی کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے چھن جائے گی ۔ چنانچہ اس نے بھی ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے اور طے کر لیا کہ اس سازش اور مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور اپنے حق سے محروم ہونا گوارا نہیں کرے گا ، اس نے اپنے مددگاروں ، اور حامیوں کو جمع کرنا شروع کیا ، لیکن مہدی کب اسے مہلت دینے والا تھا - اس نے کھلے بندوں اپنے ارادے کا اعلان کر دیا - عیسیٰ بن موسیٰ نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے موقف پر قائم رہا ، مہدی نے اسے بغداد حاضر ہونے کا حکم دیا - لیکن اس نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی - کیونکہ اسے اپنی جان کا اندیشہ تھا ، مہدی نے بار بار اسے بغداد بلانے کے سلسلے میں خطوط لکھے اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا ، آخر تنگ آ کر مہدی نے اسے بغداد آنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا :

''اگر تم نے میری بات نہ مانی اور ولی عہدی سے دستبردار نہ ہوئے کہ میں موسیٰ کی ولی عہدی پر بیعت لے سکوں تو یاد رکھو ، تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو مجرموں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے ، اور اگر تم نے میری بات مان لی ، تو پھر میں تمھیں بڑا اچھا معاوضہ دوں گا اور مالا مال کر دوں گا !''[1]

ساتھ ہی ساتھ اس نے بہت سا زر و مال بھی عیسیٰ کو روانہ کر دیا -

لیکن عیسیٰ بن موسیٰ اپنی بات پر اڑا رہا - اسے بغداد نہ آنا تھا نہ آیا -

آخر مہدی نے ایک بڑے فوجی افسر محمد بن فروغ ازدی کو حکم دیا کہ جائے اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آئے ، خواہ بہ رضا و رغبت ، خواہ بہ جبر و اکراہ -

عیسیٰ بن موسیٰ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی اور مہدی ابھی

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۶۷ -

جوان تھا۔ بہ ظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ منصب خلافت پر عیسیٰ ـــ اس تفاوت عمر کے باعث ـــ فائز ہو سکتا ہے، بجز اس صورت کے کہ کوئی ناگہانی حادثہ ـــ مہدی کی موت ـــ پیش آ جائے۔ عیسیٰ اس حقیقت کو محسوس کرتا تھا۔ لہٰذا وہ مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ بات بڑھ جائے کہ نوبت جنگ و جدل تک پہنچ جائے، یہ سوچ کر اس نے آخر کار فیصلہ کیا کہ بغداد چلا جانا چاہیے۔ وہ بغداد آیا اور اس نے مہدی سے مطالبہ کیا کہ فقہا سے فتویٰ لیا جائے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی یہ امانت اسے واپس کر سکتا ہے؟

بعض فقہا نے یہ فتویٰ دے دیا۔

چنانچہ عیسیٰ ولی عہدی سے دستبردار ہو گیا، اور اس نے ایک مجلس عام میں اپنی تحریری دستبرداری پیش کر دی۔

یہ واقعہ محرم ۱۶۰ھ (مطابق ۷۷۶ء) کی چار تاریخ کو رو نما ہوا۔ عیسیٰ نے مہدی سے کافی مال و زر لے لیا اور کوفہ میں اپنے محل کے اندر ایک گوشۂ عافیت اختیار کر کے زندگی بسر کرنے لگا[1]۔

عیسیٰ کی دستبرداری کے بعد، مدینۃ السلام کی مسجد منصور میں مہدی نے بغداد کے اعیان و اکابر، اور امرا و اشراف کو طلب کیا۔ تاکہ ان سے بیعت لی جائے۔

وقت مقررہ پر تمام لوگ حاضر ہو گئے، مختلف طبقات کی نمائندگی اس اجتماع میں تھی، اس موقع پر مہدی کی بیعت خلافت از سر نو کی گئی، اور اس کے بیٹے موسیٰ کی ولی عہدی پر بھی سب نے بیعت کر لی۔ موسیٰ کا لقب ''ہادی'' قرار پایا۔ اس کے بعد دوسرے بلاد و امصار میں فرمان بھیج دیا گیا کہ یہی رسم وہاں بھی انجام دی جائے اور لوگوں سے بیعت لی جائے[2]۔

---

۱ - عیسیٰ بن موسیٰ کا انتقال مہدی کے عہد خلافت میں ہو گیا۔ اس نے ہادی کا عہد خلافت نہیں دیکھا۔

۲ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۴۶۹ -

ہارون اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور اپنی ماں خیزران کی شادی مرگ کی سی کیفیت تھی ۔

مہدی کا یہ اقدام لوگوں کو عام طور پر پسند نہیں آیا ۔ کیونکہ اس خاندان میں یہ پہلا موقع تھا کہ تہدید و جبر سے کام لے کر ، ولی عہدی پر بیعت لی گئی تھی ۔ نیز اس لیے بھی کہ ہادی (موسیٰ) کی ابھی عمر ہی کیا تھی ، نہ اس نے کوئی مقام حاصل کیا تھا ، نہ عوام میں اسے کوئی خاص منزلت حاصل تھی ۔ اب تک اس سے کوئی ایسا کارنامہ سرزد نہیں ہوا تھا ، جس سے اس کے مواہب شخصی کا اعتراف کرنے پر لوگ مجبور ہو جاتے اور لوگ حکومت کے مستقبل کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولی عہدی کا ایک شخص سے دوسرے کو منتقل کرتے رہنا ، جیسا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ گزرا ، عقلائے قوم کے نزدیک ایک خطرناک بات تھی کیونکہ اس طرح لوگ بیعت توڑنے کے خوگر ہو سکتے تھے ۔

مہدی کے اس اقدام کو ناپسند کرنے والے ، بلکہ اس پر ناراض اور برہم ہونے والے لوگوں میں امرائے بنو ہاشم میں سے علی بن عبداللہ بن عباس کے پوتے خاص طور پر پیش پیش تھے ۔ یہ لوگ اپنے آپ کو خود مہدی کے مقابلے میں خلافت کا زیادہ سزاوار سمجھتے تھے ، نہ کہ ولی عہدی کا منصب ان کے ہوتے اس طفل صغیر کو سونپ دیا گیا[1] ۔

خاندان علی بن عبداللہ بن عباس کی خفگی اور برہمی ایک دیرینہ قصے سے تعلق رکھتی ہے ۔ جس کا مختصر الفاظ میں اس جگہ بیان کر دینا ضروری ہے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس عباسی دعوت کا پرچم لے کر محمد بن علی میدان میں آیا تھا ، وہ اس خاندان کے لیے تھی نہ اس کے بیٹوں کے لیے ۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ بنو عباس میں جو شخص سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو اسے منصب پر فائز کر دیا جایا کرے ۔ کیونکہ بنو امیہ کے خلاف

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۹۶ ۔

شورش اور بغاوت کے اقدام و عمل میں تمام بنو عباس اسی جذبے کے تحت شریک ہوئے تھے۔

پھر جب عباسی خلافت قائم ہوئی، اور پہلا خلیفہ عبداللہ (سفاح) بن محمد مسند خلافت پر متمکن ہوا تو یہ لوگ اس لیے خاموش ہو گئے کہ ابھی حکومت کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں۔ لہٰذا سب نے اس کا ساتھ دیا اور اس کے حفظ و دفاع میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن علی اور صالح بن علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اول الذکر نے زب کی جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دے کر، یادگار فتح و ظفر حاصل کی تھی اور ثانی الذکر وہ شخص تھا جس نے آخری اموی خلیفہ مروان (الحمار) کی گردن کاٹی تھی، دوسرے لوگ بھی، جو اس حکومت کے استحکام میں دل و جان سے شریک تھے، کارہائے جلیلہ و نمایاں انجام دے چکے تھے۔

لیکن جب خلافت 'سفاح' سے اس کے بھائی ابو جعفر منصور کی طرف منتقل ہوئی تو ان میں سے بعض بگڑ گئے، اس برہمی اور ناراضی کا سب سے بڑا مظاہرہ وہ بغاوت تھی، عبداللہ بن علی عباسی جس کا بانی تھا، پھر جب منصور نے اُسے قتل کر دیا تو اندر ہی اندر مخالفت اور عداوت کی آگ سلگنے لگی، جس کے آثار و علائم علانیہ طور پر اس لیے ظاہر نہیں ہوئے کہ زمام حکومت منصور کے فولادی پنجے میں تھی اور اس کے جلال و جبروت سے سب ہی لرزاں و ترساں تھے۔

منصور نے بیس سال تک خلافت کا بار سنبھالا اس طویل مدت میں مخالفت اور عداوت کی وہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی دب گئی۔

لیکن جب خلافت مہدی کے ہاتھ میں آئی تو عداوت اور مخالفت کی دبی ہوئی چنگاریاں علی عباسی کی اولاد کے سینے میں پھر بھڑک اٹھیں، کیونکہ ان میں دو موزوں ترین شخص جو مہدی سے کہیں زیادہ اس منصب کے مستحق تھے موجود تھے، یعنی عبدالملک بن صالح اور عیسیٰ بن موسیٰ ان دونوں کے علاوہ اور بھی کئی لوگ اس منصب کے بجا طور پر سزاوار تھے۔

اور جب ہادی (موسیٰ) کو ولی عہد بنایا گیا اور اس کے لیے بیعت لی گئی تو یہ چنگاریاں انگارے بن گئیں ، کیونکہ دوسرے عباسی امیدواران خلافت اسے گوارا کرنے پر تیار نہیں تھے کہ خلافت خاندان منصور میں منحصر ہو کر رہ جائے ۔ ہادی (موسیٰ) بن خیزران ابھی نو عمر تھا ، اور اس کے مقابلے میں زیادہ سن اور مستحق افراد نظر انداز کر دیے گئے تھے ۔ اس واقعہ نے بنو عباس کے دوسرے امیدواران خلافت کو یکسر ناامید اور مایوس کر دیا ۔

اگرچہ رائے عامہ نے ان تغیرات احوال پر زیادہ التفات نہیں دیا نہ عام لوگوں پر یہ بات کچھ گراں گزری کہ مہدی نے ولی عہدی کا حق ایک مستحق شخص سے چھین کر اپنے بیٹے ہادی (موسیٰ) کو تفویض کر دیا ، جو ابھی سن رشد کو نہیں پہنچا تھا[1] ۔ لیکن جن لوگوں کو یہ اقدام ناگوار گزرا تھا وہ خاموش بھی نہ رہ سکے اور انہوں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں کوئی کسر بھی نہیں اٹھا رکھی اور عیسیٰ بن موسیٰ پر طنز و تعریض کی بوچھاڑ شروع کر دی کہ روپیہ اور جاگیر لے کر اپنے حق سے دستبردار ہو گیا ۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا :

کرہ الموت ابو موسیٰ و قد
کان فی الموت نجاء و کرم
خلع الملک و اضحیٰ لا بساً
ثوب لئوم ما تری منھا القدم[2]

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵۳ ۔
فوج کے بعض افسروں نے مہدی کے اس اقدام کی کہ وہ ہادی (موسیٰ) کو ولی عہد بنا رہا ہے مخالفت کی تھی ، لیکن جب عیسیٰ بن موسیٰ خود ہی اپنے حق سے دستبردار ہو گیا تو انہوں ہادی کی ولی عہدی پر بیعت کر لی ۔

۲ ۔ ابن اثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۱۵ ۔
پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں ابو موسیٰ سے مراد ، عیسیٰ بن عیسیٰ ہے جس نے اپنے بیٹے موسیٰ کے نام پر اپنی کنیت 'ابو موسیٰ' رکھی تھی !

معنی:

ابو موسیٰ نے موت کو ناگوار جانا ، حالانکہ اس کی موت باعث شرف و کرم تھی۔

اس نے جادرِ سلطنت اتار دیا ، جو ابھی کہنہ نہیں ہوا تھا اور پہنا گیا؟ جادرِ سلامت ۔

لیکن ان باتوں کے باوجود امر واقع یہ تھا کہ جس سکون اور خاموشی کے ساتھ ہادی کے حق میں ولی عہدی کا فیصلہ ہو گیا تھا ، اس نے مہدی کے خاندان ، مہدی کے مقربان بارگاہ اور خدام دربار کو وفور مسرت سے بے خود کر دیا تھا ۔ خاص طور پر خیزران کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اپنے بیٹے کو ولی عہدی کے منصب پر فائز دیکھ کر اس کا دل آرزوؤں کی جولاں گہ بن گیا تھا ۔ اب اس کی حیثیت کتنی بلند اور مرتبہ کتنا اونچا تھا ۔ وہ امیرالمومنین کی رفیقۂ حیات اور ولی عہد سلطنت کی ماں تھی ۔

اس واقعہ کا ریطہ بنت سفاح نے کیا اثر لیا تھا ؟ یہ بات واضح طور پر نہیں معلوم ، لیکن ظن غالب یہ ہے کہ وہ بہر حال اس بات سے خوش تھی کہ مسند خلافت اس کے شوہر کے گھر میں باقی ہے ۔ خیزران کا بیٹا ولی عہد بن گیا ، اس سے بھی وہ کچھ ملول نہیں تھی ، کیونکہ وہ اسکے بیٹے علی سے عمر میں بڑا تھا اور بہر حال اس کے لیے بھی امید کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند نہیں ہوا تھا ۔ ہو سکتا تھا کسی وقت پانسہ پلٹ جائے اور علی یہ مسند سنبھال لے اور جہاں تک ہارون رشید کا تعلق تھا ، تو ابھی تک وہ کسی شمار قطار میں نہیں تھا ۔

ان سازگار حالات سے مہدی بھی بہت زیادہ خوش اور مسرور تھا ، اس نے فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے سفر حجاز کا عزم کیا ۔ موسم بہت زیادہ گرم تھا ۔ اس نے فرمان صادر کیا کہ منزلوں کو ٹھنڈا رکھنے کے انتظامات کیے جائیں ، نہریں اور تالاب کھودے جائیں تاکہ سفر میں گرمی کی شدت سے کسی حد تک نجات ملے[1] ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۵ ۔

بغداد میں اپنا نائب ، اس نے ہادی کو نامزد کیا اور چند منتخب لوگوں کی ایک مجلس قائم کر دی ، جس کا کام یہ تھا کہ حسب ضرورت وہ ولی عہد کو مشورے دے اور اس کی عدم موجودگی میں کاروبار حکومت کو چلائے ۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ ایک بڑے قافلے کی صورت میں حجاز مقدس کی طرف روانہ ہوا ۔ اس کے ساتھ علما و فقہا اور امرائے بنو عباس کی ایک بڑی جماعت تھی ۔ ہارون کو بھی اس سفر میں اس نے ساتھ رکھا تھا ۔

طویل اور دشوار گزار سفر کے مراحل طے کرتا ہوا بالآخر مہدی مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ۔ یہاں پہنچ کر اس نے پرانے غلاف کعبہ کو اتارا اور نیا اور اس سے کہیں اچھا غلاف چڑھایا ۔

حرمین شریفین کے باشندوں پر اس نے مال و زر کی بارش کر دی ۔ اس نے تیس ملین درہم تقسیم کیے ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سا مال بانٹا ۔ جو کچھ اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ اور جو کچھ مصر و یمن سے آیا تھا وہ سب کا سب اس نے وہاں تقسیم کر دیا ۔ لوگوں کو اس نے ملبوسات اور پارچہ جات بھی بڑی تعداد میں عطا کیے ۔ حرمین کے علاقے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مہدی کے افضال و انعام سے مالا مال نہ ہو گیا ہو۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے مسجد نبوی کی توسیع اور اس کی شایان شان تزئین کی طرف توجہ کی ۔

فریضۂ حج ادا کر چکنے کے بعد بھی وہ کچھ عرصے تک وہاں مقیم رہا ۔ اثنائے قیام حجاز میں اس نے ایک اور شادی کی ، یعنی رقیہ بنت عمر و عثمانی کو حبالۂ عقد میں لے لیا ۔

مدینہ منورہ کے پانچ سو انصاری نوجوانوں کو اس نے اپنے باڈی گارڈ کے عملے میں شامل کر لیا اور انھیں اپنے ساتھ عراق لایا اور پایۂ تخت خلافت بغداد میں ان کی بود و باش کا انتظام کر دیا ۱ ۔

یہ سب سے پہلا حج تھا جو ہارون نے ادا کیا ۔ اس سفر میں اسے بڑی تکلیف و اذیت سے سابقہ پڑا ۔ بلا کی گرمی اور پھر گرم گرم ریت کے

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۸۱ ۔

اڑتے ہوئے بگولے ۔ یہ سفر اس نے کامیابی کے ساتھ ختم کیا اور وطن سے کئی مہینے باہر رہا ۔ یہاں اس نے اپنے باپ کے کار نامے دیکھے ۔ اس کی جود و سخا کے کرشمے اس کی نظر سے گزرے ، اس کے بذل و احسان کا بہ چشم خود مشاہدہ کیا ۔ اس کے کانوں نے تشکر و سپاس کی وہ آوازیں سنیں جو ہر گھر سے بلند ہو رہی تھیں ، کون شخص تھا جو مہدی کے مکارم کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہ تھا وہ ان صفوں میں شریک رہا ، جو کعبے کے گرد نماز کے لیے قائم ہوئی تھیں ۔ اس نے لوگوں کے ساتھ لبیک لبیک کے نعرے لگائے اور تکبیر کی صدائیں بلند کیں ۔ بہت بڑے مجمع کے ساتھ اس نے طواف کی سعادت حاصل کی اور استغفار کیا ، نماز پڑھی اور تسبیح و تہلیل میں وقت گزارا اور ایک خاص طرح کی روحانی طمانیت محسوس کی ، اس کا دل یاد الٰہی سے معمور ہو گیا ۔

اس سفر میں ہارون کی تادیب و راہ نمائی کے لیے ایک نہایت فاضل شخص —— جو مہدی کے خاص آدمیوں میں سے تھا —— ابان بن صدقہ ساتھ تھا[1] ۔ جہاں جہاں سے اور جس جس مقام سے ہارون کا گزر ہوتا ۔ ابان اس کی ساری تاریخ سے اسے باخبر کرتا اور وہاں کے ابطال و اکابر کی داستانیں سنا کر اس کے دل میں ایک نیا جذبہ موجزن کر دیتا ، شعائر حج کی تعلیم دیتا اور ان کے مفہوم و مقصد سے آگاہ کرتا ، کوئی مسئلہ اور واقعہ ایسا نہیں تھا جو چودہ سال کے لڑکے کی سمجھ میں آ سکتا ہو اور اس نے شرح وبسط کے ساتھ اسے بیان نہ کر دیا ہو ۔ یہ سفر ہارون کے لیے ایک عملی درس ثابت ہوا جو بہت سی کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا ، یہ درس اس کے لیے فوائد و عبر کا دفتر تھا ۔

---

۱ ۔ ابان بن صدقہ منصور کے وزیر ابو ایوب الموریانی کا کاتب (سکریٹری) تھا ، جب اس وزیر پر زوال آیا تو ابو جعفر منصور نے ابان کو خفیہ خط و کتابت کا کام سونپا اور پرچہ نویسی کی ذمہ داری بھی اس پر ڈال دی ۔ پھر مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کا کاتب بنا دیا ، اس کا ۱۶۷ھ میں انتقال ہوا ۔ جب وہ ہادی کے ساتھ جرجان گیا ہوا تھا ، جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی ۔

۱۶۱ھ (مطابق ۷۷۸ء) میں چھ مہینے کی مدت حجاز میں گزار نے کے بعد مہدی اپنے خدم و حشم کے ساتھ اپنے دارالحکومت میں واپس آیا۔ یہاں آکر کسی طرح ابتری نہیں دیکھی؛ بلکہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک پایا، کیونکہ ولی عہد سلطنت کے لیے جو مجلس مشاورت قائم کر گیا تھا وہ اصحاب رائے و تدبیر پر مشتمل تھی، اس نے ان سب کو انعامات بے حساب سے مالا مال کر دیا اور کوئی شبہہ نہیں ابان بن صدقہ ہادی کے لیے ویسا ہی وزیر و مشیر تھا جیسا بعد میں ہارون کے لیے یحییٰ بن خالد برمکی ثابت ہؤا۔

بنو برمک

دعوت عباسیہ کے آغاز سے اور اس کے بعد بھی ، برامکہ کی تاریخ اس سے وابستہ ہے اور خاص طور پر ہارون بن مہدی کی ذات اور عہد سے تو آل برمک اس درجہ متعلق ہیں کہ اس تاریخ سے انہیں الگ ہی نہیں کیا جا سکتا ۔

برامکہ کی نسبت ''برمک'' سے ہے ۔ جو اس خاندان کا جد اعلیٰ تھا ۔ برمک بلخ کے مجوسیوں میں خاص عزت و عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کا شمار قوم کے اکابر و اشراف میں ہوتا تھا ۔ یہ مجوسیوں کے معبد ''نوبہار'' میں ایک خادم تھا ، یہاں ہر وقت ''آتش مقدس'' کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے ، مجوس[1] آگ کو مظہر خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں ۔

برمک کے بیٹے خالد نے اموی عہد کے آخر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور خراساں میں دعوت عباسیہ کے پرجوش علم بردار کی حیثیت سے کام کرنے لگا تھا ، ابومسلم خراسانی کے پرچم تلے اس نے اموی فوجوں سے قتال میں بھی سرگرم حصہ لیا ۔ اس کے بعد یہ قحطبہ بن شبیب طائی

---

۱ - مجوس کے ساتھ حضرت عمرؓ نے اہل کتاب کا سا برتاؤ کیا تھا ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گو قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ ہی کا اہل کتاب کی حیثیت سے ذکر آیا ہے ۔ لیکن اگر تائیدی شہادت مضبوط ہو تو دوسری قوموں کو بھی اس ذیل میں لیا جا سکتا ہے ۔ جیسا کہ حضرت مظہر جان جاناں نے ایک موقع پر متھرا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے ۔ ''یہاں مجھے انوار نبوت نظر آتے ہیں'' ۔ (رئیس احمد جعفری)

کے لشکر میں شامل ہو گیا جو عراق کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اور وہاں اموی فوج سے زبردست جنگ کی۔

جب ابوالعباس سفاح کی خلافت پر بیعت ہوئی تو خالد بھی حاضر ہوا اور بیعت کر لی۔ اس نے سفاح سے عربی زبان میں بڑی فصیح و بلیغ گفتگو کی۔ اس کی قرابت اور قوت گویائی سے سفاح بہت متاثر ہوا، اس سے پہلے اس کے شاندار کارناموں، دعوت عباسیہ سے اس کی والہانہ شیفتگی اور خلوص و جوش کے واقعات وہ سن چکا تھا۔ چنانچہ فوراً اس نے خالد کو دیوان خراج کا منصب عطا کر دیا، کچھ عرصے بعد مزید ترقی دے کر دیوان افواج کے عہدے پر بھی سرفراز فرما دیا۔ خالد نے ان دونوں محکموں کی بڑی قابلیت سے تنظیم کی اور ان کے بگڑے ہوئے اور الجھے ہوئے معاملات سلجھائے اور ٹھیک کیے۔ اس نے ایسے قواعد اور طریقے رائج کیے، جو اس سے پہلے عربوں میں معروف نہیں تھے اور ان کے نتائج بھی بہت دل خوش کن اور اطمینان بخش ظاہر ہوئے۔ ابوالعباس سفاح اس سے اتنی محبت کرنے لگا کہ ابوسلمہ الخلال کے قتل کے بعد اسے اپنا وزیر بنا لیا[1]۔

'الفخری' نے خالد برمکی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشہور تاریخ میں لکھا ہے:

''خالد کا شمار دولت عباسیہ کے اکابر رجال میں ہوتا تھا، وہ بے انتہا قابل اور منتظم شخص تھا، شریف تھا، سخی تھا، رحیم تھا اور بیدار مغز تھا۔ ابوالعباس سفاح نے اسے وزارت کے منصب پر فائز کر دیا اور یہ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا''!

ایک مرتبہ ابوالعباس سفاح نے خالد برمکی سے کہا:

''خالد! میں تم سے اس وقت تک خوشنود نہیں ہو سکتا جب تک تم مجھ سے کوئی خدمت نہ لو!''

---

[1] سفاح نے ابوسلمہ خلال کو اس الزام میں قتل کیا کہ وہ اسے محبان آل بیت نبوی میں شامل سمجھتا تھا اس لیے اس سے خائف رہنے لگا تھا۔ (مترجم)

خالد گھبرا گیا ، اس نے عرض کیا :

''یا امیرالمومنین یہ کیونکر ممکن ہے ، میں تو آپ کا خادم اور غلام ہوں'' !

ابوالعباس سفاح ہنس پڑا ، اس نے کہا :

''میری بیٹی ریطہ تمہاری بیٹی کے ساتھ ایک ہی جگہ سو رہی تھی، رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا دونوں پر سے چادر ڈھلک گئی ہے میں نے دونوں کو پھر سے چادر اڑھا دی !''

خالد نے سفاح کے ہاتھ چومے اور عرض گزار ہؤا :

''آقا اپنے غلاموں اور باندیوں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں !''[1]

خالد منصب وزارت پر سفاح کے انتقال کے وقت تک فائز رہا ، اس کے بعد زمام خلافت منصور کے ہاتھ آئی ، اس نے بھی اسے اس منصب پر برقرار رکھا اور مملکت کی تنظیم حسابات کا سربراہ اعلیٰ بنا دیا ۔

لیکن کچھ عرصے بعد خالد اور منصور کے وزیر ابو ایوب الموریانی کے مابین اختلاف اور منافرت پیدا ہو گئی ؛ ابو ایوب منصور پر حاوی تھا ۔ اس نے خالد کی اس سے چغلی کھائی اور اس کے خلاف لگائی بجھائی کرنے لگا ۔ آخر منصور نے اسے معزول کر کے ، طبرستان ، رے اور دنباوند کی عملداری سونپ دی ۔ خالد نے طبرستان میں قیام اختیار کیا اور اپنے بیٹے یحییٰ کو شہر رے میں متعین کر دیا ، خالد کی عمر اب ساٹھ سال سے بھی متجاوز ہو چکی تھی یہیں کے دوران قیام میں مہدی سے اس کے روابط اور تعلقات کی بنیاد زیادہ مضبوط ہو گئی ۔ کیونکہ دونوں کے خاندانوں میں پہلے سے ربط ضبط چلا آتا تھا ۔ یہاں آنے کے بعد دونوں کے تعلقات اس درجہ استوار و محکم ہو گئے کہ ہر دو خاندانوں کی خواتین میں بھی تعلقات محبت قائم ہو گئے اور ہارون کی ولادت کے بعد ؛ خیزران کے بچوں کو جب اس خاندان کی خواتین نے اپنا دودھ پلایا ، تو تعلقات انتہا کو پہنچ گئے ۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے ۔

---

۱ - الفخری ، صفحہ ۲۷ ۔

جب مہدی اپنے خاندان سمیت رے سے بغداد واپس آ گیا تب بھی کئی سال تک بنو برمک خراسان ہی میں اپنی خدمات مفوضہ انجام دیتے رہے -

ابو ایوب موریانی بھلا اپنی خو کیوں چھوڑتا ؟ اب اس نے منصور کے کان خالد کے خلاف بھرنا شروع کیے اور اس پر الزام یہ لگایا کہ اپنی عملداری سے جو سرکاری مالیہ وہ وصول کرتا ہے ۔ اس میں غبن اور حساب کتاب میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے ۔

منصور نے اسے فوراً محاسبے کے لیے بغداد طلب کیا ۔ خالد اپنے خاندان سمیت بغداد واپس آ گیا ، تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین لاکھ درہم کی رقم خالد کے ذمے نکلی ، منصور نے حکم دیا تین دن کے اندر اندر یہ رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے اور اگر مدت معینہ میں بیت المال کے اندر یہ رقم داخل نہ ہوئی تو اسے قتل کر دیا جائے گا[1] ۔

خالد کے ہاتھ میں روپیہ کب ٹکتا تھا ۔ سب خرچ ہو چکا تھا ۔ اس نے اپنے دوستوں کو بیچ میں ڈالا کہ منصور سے کہہ سن کر یہ مطالبہ معاف کرا دیں ، لیکن کسی کی بات پذیرا نہیں ہوئی ۔ اس کے بعد خالد نے اپنے دولت مند دوستوں کی طرف دست طلب دراز کیا ، ان لوگوں نے کچھ رقم فراہم کر دی ، آخر یحییٰ بن خالد نے اپنے ہاں کی خواتین کو خیزران کے پاس جس سے ان کی بڑی دوستی تھی بھیجا ، اس نے اپنے زیورات اور جواہرات سے اس کی مدد کی ، جن کی مالیت کم و بیش دو لاکھ درہم تھی ، پھر مہدی نے باپ سے سفارش کرکے باقی مطالبہ معاف کرا دیا[2] ۔

۱۵۸ھ (مطابق ۷۷۵ء) میں موصل ، جزیرہ اور بلاد کرد میں شورش اور بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ، اور بھڑکتی ہی چلی گئی ۔ آخر منصور کو اس طرف خاص توجہ مبذول کرنی پڑی ، اس نے اپنے مشیروں سے صلاح کی کہ یہ کار اہم کس کے سپرد کیا جائے ؟ لوگوں نے خالد برمکی کا نام لیا ، کیونکہ وہ ان علاقوں سے اور وہاں کے احوال و معاملات سے گہری واقفیت رکھتا تھا ۔ لیکن منصور نے اس مشورے کے ماننے سے پہلے تو

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۳ -
۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۹۹ -

انکار کر دیا ۔ پھر کچھ سوچا اور خالد کو اپنے حضور میں طلب کیا ۔ اور خوشنود ہو کر موصل اور اس کے اطراف کا والی بنا کر اسے بھیج دیا ، اور اس کے بیٹے یحییٰ کو ـــــ جس کی عمر اب تقریباً چالیس سال کی تھی ـــــ آذر بائیجان کی گورنری کا پروانہ عطا کر دیا ۔ ان دونوں ـــــ خالد اور یحییٰ ـــــ کے ساتھ منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو بھی ایک بہت بڑے لشکر کی سالاری دے کر روانہ کر دیا کہ ان نئے فتنوں کو اچھی طرح سے کچل دے ۔

یہ سب ایک ساتھ روانہ ہوئے اور بہت تھوڑی مدت میں شورش اور بغاوت کا کلی طور پر خاتمہ کر دیا ۔ مہدی اس کے بعد فوراً ہی بغداد واپس آ گیا اور خالد و یحییٰ وہیں مقیم رہے اور اپنے فرائض انجام دیتے رہے ۔

اسی سال منصور کا انتقال ہو گیا ، اور خلافت اس کے بیٹے مہدی کے ہاتھ آئی ۔ اب یہ دونوں ـــــ خالد اور یحییٰ ـــــ اپنی ولایت میں زیادہ عرصے تک نہ رہ سکے اور بغداد واپس آ گئے ۔

یحییٰ اپنے دوست اور نئے نوجوان خلیفہ کا ندیم و جلیس بن گیا ۔ اسی طرح برمکی خاندان کی خواتین اور خیزران کے مابین دوستی اور خلوص و محبت کا رشتہ پہلے سے کہیں زیادہ محکم اور استوار ہو گیا ۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہدی نے یحییٰ کو اپنے بیٹے ہارون کا وزیر ، اور پرچہ نویس ، اور اس کی جاگیر کا منتظم بنا دیا ، اب اس کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی ۔ جو پختگی اور کمال کی عمر ہوتی ہے ۔

یحییٰ اپنے وقت کا نابغہ (جی نی یس) تھا ، فہم و فراست اور علم و تدبیر میں یکتا ، زور بیان اور استدلال کے فن میں فرد حد درجہ سخی بھی تھا اور اس سخاوت نے اسے عوام کا ممدوح بنا دیا تھا ۔ آدمی دبنگ اور من چلا تھا ، جو فیصلہ کر لیا ڈٹ گیا ، جو قدم بڑھایا پیچھے نہیں ہٹایا ۔ منصور بھی اس کی ان خوبیوں کو بہت زیادہ پسند کیا کرتا تھا ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۳ ۔

اور اس کی تدبیر و تدبر کا قائل تھا ۔ اس کے بارے میں منصور کا یہ قول مشہور ہے کہ:

”لوگ بیٹا پیدا کیا کرتے ہیں ، خالد نے باپ پیدا کیا ہے؟“

اس مختصر سے بیان سے اندازہ ہوگیا ہوگا ۔ کہ یحییٰ بن خالد نے ہی تنہا ہارون کی تعلیم و تہذیب میں حصہ نہیں لیا ۔ کیونکہ اس کو جو اس کے ساتھ رہنے کے مواقع ملے ان کا تعلق اس کے عہد طفولیت سے ہے اور وہ بھی کبھی کبھی —— ہاں مہدی کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد البتہ اس کو تعلیم و تربیت کے براہ راست مواقع ملے ۔

۱۶۱ھ (مطابق ۷۷۸ء) میں ہارون خلیفہ بنا ، وہ یحییٰ کی شخصیت سے حد درجہ مانوس تھا اور اس سے بے حد محبت کرتا تھا اور اس کے طور طریقوں کو بہت پسند کرتا تھا ، اور جتنا احترام کرتا تھا اس کی تو کوئی حد ہی نہ تھی ۔ وہ اکثر اسے ”پدر محترم“ کہہ کر یاد کیا کرتا تھا ۔ یہ اس بات کا اعتراف تھا کہ رضاعی باپ سے کتنی بے پناہ محبت کرتا تھا ۔

اور مہدی نے جب اپنے بیٹے ہارون کا ہاتھ اس برمکی —— یحییٰ —— کے ہاتھ میں دیا تھا تو یہ بات اس کے سان گمان میں بھی نہ تھی کہ تاریخ آئندہ چل کر کیا گل کھلانے والی ہے اور خود یحییٰ بھی آنے والے واقعات سے انجان تھا ، وہ ہر اندیشے سے بے پروا تھا ۔ اس لیے جو قوت کسی کو حاصل نہ تھی اسے وہ حاصل تھی ۔ خلیفہ کا اعتماد ، خیزران کی تائید اور ہارون کی طاعت ! اور یہی وجہ تھی کہ اس کے دل میں نئی نئی امنگیں پیدا ہو رہی تھیں اور تاریخ دولت بنو عباس میں وہ ایک اہم رول ادا کر رہا تھا ۔

حصہ دوم

ہارون الرشید

ولی عہدی اور خلافت کے درمیانی زمانے میں

ہارون : ولی عہد

اپنے ولی عہد موسیٰ کے ساتھ مہدی نے وہی طرز کار اختیار کیا ، جو اس کے باپ منصور نے اسے ولی عہد بنانے کے بعد جب وہ طفل صغیر سن تھا ، روا رکھا تھا اور وہ طرز کار یہ تھا کہ شروع ہی سے ولی عہد سلطنت کو ذمے داریاں سونپی جائیں اور اس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ کامیابی و کام گاری کے ساتھ نتائج سلیمہ ظہور پذیر ہوں اور مشاہیر رجال اس کے ارد گرد موجود رہیں ۔ اس طرح وہ لوگوں کے دل سے قریب تر ہو جائے گا اور خواص و عوام کے قلوب میں اس کی عظمت و ہیبت راسخ ہو جائے گی اور آئندہ چل کر ، بغیر کسی زحمت اور دشواری کے وہ حکومت کا بار گراں اپنے کندھوں پر لے سکے گا اور لوگ دل و جان سے اس کی اطاعت کریں گے ۔ چنانچہ یہی سب کچھ سوچ کر مہدی نے موسیٰ کو ولی عہد نامزد کرنے اور اس کی بیعت لینے کے بعد اپنے اثنائے غیبت میں اسے حجاز کا نائب مناب مقرر کر دیا ۔

پھر دوسرے سال ایک قدم اور بڑھایا اور موسیٰ کو امیر حج بنا دیا اور موکب جلیل کے ساتھ وزیر ابان بن صدقہ کو اس کی رفاقت کے لیے روانہ کیا ۔ علاوہ ازیں بغداد کے فقہا ، علما ، اور سر برآوردہ اصحاب کی ایک جماعت بھی ساتھ کر دی ۔ چلتے وقت مہدی نے موسیٰ کو بہت سی نصیحتیں بھی کیں اور کچھ ہدایتیں دیں جن کے فوری نفاذ کی تاکید کی ۔

موسیٰ نے جب مکۂ مکرمہ کی مقدس سر زمین پر قدم رکھا ، تو اس کا بڑا شاندار استقبال ہوا ، اطراف و جوانب کے مختلف مقامات سے

وفود آئے اور انہوں نے شرف باریابی حاصل کیا ۔ کبار رجال اور مشاہیر کو اس نے انعامات سے نوازا ، بڑے بڑے عطیے دیے ۔ باشندگان حرمین شریفین کو اموال و صدقات سے مالا مال کر دیا ۔ جب واپس ہوا تو حال یہ تھا کہ کوئی زبان ایسی نہیں تھی جو اس کے ذکر سے تر نہ ہو اور کوئی دل ایسا نہیں تھا جو اس کی یاد سے معمور نہ ہوا[1]۔

موسیٰ کے بغداد واپس آ جانے کے بعد ، مہدی نے اپنی مملکت کے شرقی حصے کی گورنری کا پروانہ عطا کیا ، جس میں خراسان ، فارس ، اور جرجان وغیرہ شامل تھے ۔ یہ بڑا اہم مقام تھا اور بڑی اہم ذمہ داری تھی ۔ جہاں کے انتظامی اور مالی انتظامات اپنے ندیموں ، مشیروں اور کاتبوں (سکریٹریز) کی مساعدت سے اس نے خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے ۔ لیکن خلیفے کی ذاتی اور براہ راست نگرانی اور مداخلت برابر قائم رہی ۔ بغداد سے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری تھا ۔ بیٹے کے پس پشت رہ کر در حقیقت اپنے اعمال کے واسطے سے خلیفہ ہی ان اقطار و امصار کا بار سنبھالے ہوئے تھا ۔

یہ ایک بالکل نئی پالیسی تھی جسے مہدی نے اپنے بیٹے کی عملی تربیت کے لیے اپنے ذہن رسا کی مدد سے وضع کیا ، کہ یہ طفل نو عمر امور مملکت سر انجام دے ۔ اکابر و رجال حکومت سے میل جول رکھے ۔ شئون بلاد سے براہ راست واقفیت پیدا کرے اور یہ سب کچھ اس کے ظل عاطفت میں وہ کر کرے ۔ اس کا نتیجہ بھی حسب دل خواہ نکلا ۔ ولی عہد مملکت (موسیٰ) ایسا چاہ شیرین گیا ، جس کے گرد "مردم و مرغ و مور" کا ہجوم رہنے لگا ۔ ان میں عوام بھی تھے ، حکام بھی اور فوج کے افسر بھی ، اور حد یہ ہے کہ امرائے بنو عباس کی ایک بڑی جماعت بھی ۔

اب موسیٰ کا ستارہ اوج پر تھا ۔

کوئی ایسا نہیں تھا جو ترقی اور عروج کے زینے پر چڑھنے میں اس کا مزاحم ہو سکتا ، نہ کوئی ایسا تھا جو اس پالیسی کے نفاذ میں

---

۱ ۔ الطبری ، ذکر واقعات ۱۶۱ھ ۔

خلل انداز ہو سکتا، جو مہدی نے اس کی تادیب و تربیت اور امور مملکت میں تجربہ آموزی کے لیے وضع کی تھی ۔ اب وہ بلا شرکت غیرے ولی عہد تھا اور مستقبل کا خلیفۂ منتظر ۔ لیکن واقعات و حوادث اس امر کا اشارہ کر رہے تھے کہ کوئی خفیہ ہاتھ پس پردہ کوئی نیا کھیل شروع کرنے والا ہے ، جو سیاست ملکی میں ایک نئی شان کے ساتھ منظر عام پر نمودار ہونے والا ہے ۔

موسیٰ اپنے منصب پر فائز تھا اور اپنے فرائض انجام دے رہا تھا کہ یہ خبر گشت کرنے لگی کہ خلیفہ مہدی ایک لشکر جرار لے کر روم پر چڑھائی کرنے والا ہے اور بہت جلد یہ خبر ایک واقعہ بن گئی ۔ خراسان ، شام اور شمالی عراق میں خلیفے کے فرامین پہنچے کہ جلد از جلد سپاہیوں اور افسروں کی جتنی زیادہ تعداد مہیا ہو سکے مرکز خلافت میں روانہ کر دی جائے ۔ چنانچہ جنگ آزماؤں اور سپہ گروں کی ایک بہت بڑی تعداد جو کسی طرح ۹۵ ہزار سے کم نہ تھی پہنچ گئی ۔ مہدی نے اس سپاہ کو بیرون بغداد پڑاؤ کرنے کا حکم دیا[1] اور یہ سپہ گر اور جنگ آزما جو مختلف علاقوں سے آئے تھے انہیں ایک لشکر جرار کی صورت میں منظم کر دیا ۔ انہیں بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ ساز و سامان جنگ سے آراستہ کیا ، ان کے احوال و کوائف کی بذات خاص پرسش اور دیکھ بھال کرتا رہا ۔ پورے دو مہینے اسی طرح گزر گئے اور کوئی شبہ نہیں یہ بہترین فوج تھی ۔ اس میں سارے ہونے سپہ گر اور جنگ جو شامل تھے ۔ کہا جاتا ہے اس نے اپنے آدمیوں سے ہر ایسے شخص کو اس لشکر میں شامل کر دیا ۔ جو حزم و تدبیر اور تصریف امور میں معروف و مشہور تھا ۔ ان سب کو اس نے بڑے بڑے انعامات اور عطایا سے نوازا ۔ ہر وہ چیز فراہم کی جو جنگ کے سلسلے میں یا آذوقۂ حیات کے سلسلے میں درکار تھی اور ایک رقم خطیر اس جنگ کو سر کرنے کے لیے الگ کر دی[2] ۔

---

۱ ۔ اس جگہ کا نام ''البردان'' تھا ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۹۳ ۔

لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوئیں، اس لشکر بے اماں کا سردار کون ہوگا ؟

کیا خود خلیفہ ؟

کیا بنو عباس کے امرا میں سے کوئی ماہر فنون جنگ مثلاً عبدالملک بن صالح یا موسیٰ بن عیسیٰ ؟ ـــ یہ دونوں بھی اس لشکر میں شامل تھے۔

بعض کا خیال تھا، جس حملے کی اس زور شور سے تیاریاں کی جا رہی ہیں اور جس کے لیے اتنا بڑا لشکر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کی سیادت یقیناً ولی عہد مملکت کو عطا کی جائے گی۔ جس نے اب تک رن کے میدان میں قدم نہیں رکھا ہے اور ضروری ہے کہ یہ تجربہ بھی حاصل کر لے۔

لیکن قصر خلافت کے حاشیہ نشینوں اور خلیفہ کے مقربین بارگاہ کا خیال کچھ اور تھا۔

ان حضرات کی زبان سے چرچا یہ ہو رہا تھا کہ اس لشکر عظیم کا شرف سیادت ہارون کو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ ایسی بات تھی جسے لوگ حیرت سے سنتے اور نظر انداز کر جاتے تھے۔ بجز ان لوگوں کے جو محرم اسرار تھے۔ اس افواہ پر لوگوں کا متحیر ہونا قدرتی بھی تھا، اس لیے کہ روم جیسی شان و شکوہ والی سلطنت پر اب تک تو کسی سولہ سال کے سپہ سالار نے حملہ کرنے کی جرات کی نہیں تھی۔

لشکر کی روانگی میں چند روز باقی تھے کہ مہدی نے اس دعوت (جنگ روم) کے چند سر برآوردہ لوگوں کو جمع کیا تاکہ وہ کسی ایسے شخص کا لشکر کی سیادت کے لیے انتخاب کر لیں جو امور و لوازم سے بہ خوبی عہدہ برآ ہو سکے اور اس کار اہم کو خوش اسلوبی کے ساتھ اتمام تک پہنچا سکے۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے اس اجتماع کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''مہدی نے ہمیں اپنے حضور میں طلب کیا، ہم فوراً حاضر خدمت

ہوئے ، میری نشست سب سے پیچھے تھی ۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو مہدی نے مجھے قریب آنے کو کہا اور گویا ہؤا :

''میں نے اپنے اہل دولت اور اصحاب جماعت کے بیٹوں پر تجسس کی نگاہ ڈالی کہ ان میں سے کسی ایسے معتمد شخص کو منتخب کروں جسے اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ ، جو لشکر کا سردار ہوگا ، بہ طور کاتب اور ناظم امور ساتھ کردوں ۔ لیکن مجھے تیرے سوا کوئی ایسا نظر نہ آیا ، تجھے میں اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ تو نے اسے پالا اور اس کی تادیب و تربیت میں حصہ لیا ہے ۔ لہٰذا اس کی کتابت (سکریٹری شپ) امور عسکر (ناظم امور) کی ذمے داری تجھے سونپتا ہوں ، میں تجھے ایک لاکھ درہم دیتا ہوں جو زاد راہ کے طور پر تیرے کام آئیں گے ، دیکھ میرے حسن ظن کو قائم رکھنا ، اور اب خدا کا نام لے کر چل کھڑا ہو[۱][۲]۔''

جب کوچ کا وقت آیا ، تو مہدی نے اعلان کیا کہ وہ بہ نفس نفیس لشکر کے ساتھ حدود بلاد تک جائے گا ۔ بغداد میں اپنی جگہ موسیٰ کو بٹھا گیا اور ابان بن صدقہ کو بھی جو اس کا وزیر تھا ، یہیں چھوڑا ۔ انگشتری خلافت کی ذمے داری عبداللہ بن علاثہ کو سپرد کی اور اس کی نگہبانی پر علی بن عیسیٰ بن ہامان کو مقرر کیا ۔ پولیس کا افسر اعلیٰ عبداللہ بن خازم کو بنایا ، ان سب کاموں سے فراغت پا کر لشکر کے ساتھ ساتھ بہ جانب شمال شہر موصل اور جزیرے سے گزرتا ہؤا روانہ ہؤا ۔ چند روز تک حلب میں قیام کیا ، پھر روم کی طرف بڑھا ۔

---

۱ ۔ عبدالملک بن صالح اور موسیٰ بن عیسیٰ نے جب دیکھا کہ ہارون سالار لشکر کے طور پر آگے آگے ہے تو حقارت کے طور پر زیر خندہ کرنے لگے ۔ (الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۹۵)

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۹۳ ۔

اس موقع پر اس نے جملہ سرداران لشکر کو جمع کیا اور انہیں ہدایت کی کہ ہارون کا خاص طور پر خیال رکھیں ، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ۔ خطرات سے کھیلنے میں بہت زیادہ بے پروا ہے اور ہارون کو نصیحت کی ، خبردار خالد بن برمک اور ربیع بن یونس جیسے اصحاب رائے کے مشورے کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانا ۔ پھر سب سے رخصت ہو کر اور سب کو رخصت کر کے پایہ تخت خلافت بغداد کی طرف واپس ہؤا[1] ۔

ہارون نے اپنا لشکر لے کر ۱۶۳ھ (مطابق ۷۷۹ع) میں بلاد روم کی طرف چڑھائی کے ارادے سے کوچ کیا ۔ یہاں تک کہ وہ ایک رومی شہر کے قریب پہنچا ، جہاں ایک بہت بڑا اور ناقابل تسخیر قلعہ واقع تھا ، جس کا نام سالو تھا ۔

ہارون کا لشکر دیکھ کر قلعے والوں نے پھاٹک بند کر لیا ۔ ہارون نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور سامنے منجنیق نصب کر دیے اور آلات حصار سے کام لے کر قلعہ سر کرنے کی تیاریاں کرنے لگا ۔

محاصرہ اڑتیس دن تک جاری رہا ۔ اس عرصے میں جھڑپیں ہوتی رہیں اور طرفین کے کچھ آدمی کام آئے ۔

لیکن پانی کی کمی کے باعث سکان قلعہ پیاسے مرنے لگے ۔ آخر وہ چند شرائط پر ہتھیار ڈال دینے پر رضا مند ہوگئے ، جو یہ تھے :

۱ - کسی کو قتل نہ کیا جائے ۔
۲ - کسی کو جلا وطن نہ کیا جائے ۔
۳ - نہ اہالی قلعہ کو پراگندہ اور منتشر کیا جائے ۔

ہارون نے یہ شرائط تسلیم کر لیے اور امان دے دی اور فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہؤا اور یہاں کچھ عرصے تک قیام کیا ۔ باشندگان قلعہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا اور انہیں پیش کش کی کہ جو چاہے بغداد چلے اور وہاں امن و امان اور فراغت کی زندگی بسر کرے ۔ بعض لوگوں نے یہ پیشکش قبول کر لی اور ساتھ ہو لیے ، ہارون نے

---

۱ - ابن اثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۴۰ ۔

وہاں حسب ضرورت سپاہ چھوڑی اور بغداد کی طرف چل پڑا ۔

بغداد میں فتح کی خبر پہنچی تو دھوم مچ گئی ، اس فتح کا ایسا پراپیگنڈا ہؤا کہ لوگ جوش سے بے قابو ہو گئے ۔ چنانچہ باشندگان بغداد اپنے خلیفے اور اس کے ندیموں اور منصب داروں اور امرا کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں فاتح مجاہدوں کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے ، ہارون اس شان سے شہر میں داخل ہؤا کہ اس کے ساتھ رومیوں کی بھی ایک معقول تعداد تھی ، جو رضا کارانہ طور پر آئے تھے ، ہارون کے لشکر عظیم کے ساتھ ہدایا ، جزیہ اور مال غنیمت کا ایک انبار تھا ۔ تکبیر و تہلیل کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور فرزند ، امیرالمومنین کے دیدار کے لیے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے ، جو دشمن کو شکست فاش دے کر واپس آیا تھا ۔

لوگوں نے یہ رات جشن مسرت کے طور پر گزاری ، لیکن آل برمک کے ہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی ۔ کیونکہ ان کا سربرآوردہ شخص اور زعیم خالد اثنائے حصار میں مختصر سی علالت کے بعد وفات پا گیا تھا اور وہیں فصیل قلعہ کے قریب دفن کر دیا گیا تھا[1] ۔ اس واقعے نے خلیفے کو برمک پر اوز زیادہ مائل بہ کرم کر دیا اور عوام کی نگاہوں میں بھی ان کی قدر اور وقعت بڑھ گئی ۔ یہ وہ خاندان تھا جو دولت عباسیہ کے لیے حاضر و غائب ہر قربانی کے لیے تیار رہتا تھا ۔

مؤرخین نے اس جنگ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے ۔ لیکن اس کے اسباب و علل پر روشنی نہیں ڈالی ہے ۔ نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کون سے محرکات تھے جو کام کر رہے تھے ، نہ اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ اس تحریک کا چلانے والا خفیہ کس کا ہاتھ تھا ؟ اور کسی دوسرے موزوں اور مستحق شخص کو نظر انداز کر کے ہارون کو سیادت اور امارت کیوں سونپی گئی ؟

کیا اس سہم کی سربراہی کے لیے ہارون کا انتخاب صرف مہدی کی فکری کاوش کا نتیجہ تھا ؟ ایک بات اس کے دماغ میں آئی اور کر گزرا ۔

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۵۱ -

یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے یہ ایک منصوبہ تھا جو خفیہ خفیہ انجام پا رہا تھا ، تا کہ ایک نیا نقشہ ترتیب دیا جائے جو اپنے مختلف ادوار و فصول رکھتا ہو ۔

جیسا کہ گزر چکا ہے ، منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو — جس کی عمر وہی تھی جو اس وقت ہارون کی تھی — ایک لشکر جرار کا سردار بنا کر خراسان کی شورش اور بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا تھا اور اس نے عبدالجبار ازدی کی بغاوت کچل کر رکھ دی تھی اور اس کا لشکر سرحدی پابندیاں توڑتا ہؤا بلاد اعدا میں گھس گیا تھا ۔

لیکن اس مہم کا مہدی کو سربراہ بنانے سے مقصد یہ تھا کہ اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لیے فضا تیار کرے اور میدان ہموار کرے اور موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی سے حق ولایت عہد چھین لے ۔

لیکن منصور والی بات مہدی پر تو صادق نہیں آتی تھی ۔ کیونکہ بغیر کسی رکاوٹ کے وہ اپنے بیٹے ہادی کو ولی عہد بنا چکا تھا اور اس کے لیے بیعت لے چکا تھا اور اس طرح اپنے گھر میں خلافت کو باقی اور قائم رکھنے کا بندوبست کر لیا تھا ۔

پھر کیا وجہ تھی کہ اس نے ہارون کو آگے بڑھایا ؟

کس لیے اس نے ہارون کو روم پر چڑھائی کرنے والی فوج کا سردار بنایا ؟ — حالانکہ اس کا برادر بزرگ ہادی موجود تھا ۔

ایک سوال اور ہے — ریطہ کے بطن سے مہدی کا جو لڑکا علی تھا ، اس کے نام قرعہ فال کیوں نہیں پڑا ؟ علی کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت یہ تھی کہ نجیب الطرفین ہاشمی تھا اور عمر میں بھی ہارون سے بڑا تھا ؟

اس جگہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں :

(۱) یہ راز کیا تھا کہ اس معرکے میں شرکت کے لیے آل برمک کو مجموعی طور پر شریک کیا گیا ۔ خواہ کوئی بوڑھا ہو یا جوان ؟ — مثلاً خالد اور اس کے دونوں بھائی حسن اور سلیمان اور اس کے دونوں بیٹے یحییٰ اور محمد وغیرہ ، سوا کم سن بچوں کے کوئی

ایسا نہ تھا جو شریک لشکر نہ ہو ؟۱

(۲) اس کا سبب کیا تھا کہ یہ لشکر عظیم ، اتنے ہی مال غنیمت پر قناعت کر گیا اور صرف ایک قلعہ فتح کر کے واپس آ گیا؟ اور ایک مہینے سے کچھ زیادہ مدت تک محاصرہ کیے پڑا رہا ؟

کیا ان تمام باتوں کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ ہارون کی شان و شوکت میں اضافہ کیا جائے اور اس کے کار نامے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے ۔

یا سامنے کچھ اور منزلیں تھیں اور یہ صرف پہلی منزل تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ خیزران کی شخصیت قصر خلافت کے تمام داخلی امور پر حاوی تھی اور ہر چیز پر غالب تھی ، یہاں تک کہ مہدی کے عزم اور ارادے پر بھی اس کا تسلط تھا اور یہ کوئی ایسی تعجب خیز بات بھی نہ تھی ، تاریخ کے صفحات پر عظیم و جلیل افراد و اشخاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ حکومتیں ان کے نام سے کانپتی تھیں ، قومیں ان نام کا سن کر سہم جاتی تھیں ۔ لیکن حسین و جمیل خواتین کے سامنے وہ سر نگوں نظر آتے تھے اور بلا شبہ مہدی کا شمار بھی انہی لوگوں میں تھا ۔

ہارون خیزران کی کمزوری کا دوسرا نام تھا ، وہ ہارون کو ہادی سے کہیں زیادہ چاہتی تھی اور ہارون سے اس کی اس بے پناہ محبت اور غیرمعمولی الفت نے اس کے دل میں یحییٰ بن خالد برمکی کی بیویوں کی محبت بھی پیدا کر دی تھی جو ہارون کی رضاعی مائیں تھیں ، اور اتنی ذکی اور ذہین تھیں کہ خیزران کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں ۔ وہ اس کی کمزوری سے واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ کس طرح اور کیونکر اس سے کام نکالا جا سکتا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ یحییٰ بن خالد مہدی کے بعد اس کی نظر میں بہت زیادہ عزیز اور محترم تھا ۔ اور خیزران کے دل میں یحییٰ کی اس منزلت اور عزت کے پیدا کرنے میں اس کی بیویوں کا بڑا ہاتھ تھا ، یحییٰ اچھی طرح جانتا تھا کہ خیزران سے بڑے بڑے کام نکا لے جا سکتے ہیں ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۹۶ ۔

مہدی نے جب ابان بن صدقہ کو ہادی کا وزیر مقرر کیا تو ہارون کی وزارت یحییٰ بن خالد کو سونپی ۔

ان دونوں وزیروں میں بہت جلد چشمک شروع ہو گئی اور ان دونوں میں ، نفرت اور عداوت کے اسباب اسی وقت پیدا ہو گئے تھے جب بان منصور کے وزیر ابو ایوب موریانی کا کاتب (سیکریٹری) تھا اور بو ایوب آل برمک کا شدید دشمن تھا ، جس کی چغل‌خوری کی وجہ سے خالد بن برمک کو دو مرتبہ مورد عتاب سلطانی بننا پڑا - پہلی مرتبہ وہ وزارت سے محروم کر کے طبرستان بھیج دیا گیا اور دوسری مرتبہ اسے غبن کا ملزم گردان کر تین لاکھ درہم بیت‌المال میں داخل کرنے کا حکم دیا گیا ، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے ، لہٰذا ان دونوں میں نفرت اور عداوت کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اور اس کا لازمی نتیجہ دونوں نوعمر بھائیوں موسیٰ اور ہارون کے درمیان کدورت کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا ۔

ابان بن صدقہ ڈپلومیسی اور مکر و شر میں یحییٰ بن خالد سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا ، لیکن یحییٰ کے پاس ایک ایسا ہتھیار تھا ، جس سے ابان محروم تھا ، اس کی بیویوں کا سیدۂ قصر خلافت خیزران پر گہرا اثر تھا ، خیزران کے ذریعے اپنے اہل خانہ کو واسطہ بنا کر مہدی سے جو کام چاہتا لے سکتا تھا ، اور یہ ایسا کارگر ہتھیار تھا جس کی کاٹ نہیں تھی ۔

یہ تو حالات کا ایک پہلو ہوا ۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ یحییٰ جیسا ذکی اور ذہین و فطین شخص خلیفے کے صرف ایک لڑکے کی خدمت پر قانع ہو سکتا تھا ، اسے ہم کسی طرح باور نہیں کر سکتے ، وہ بھی اس صورت میں کہ اسے قصر سلطانی کی بے انتہا بااقتدار ملکہ کا پورا پورا اعتماد حاصل تھا اور وہ اس پر ہر طرح کا اثر ڈال سکتا تھا ، پھر وہ کیونکر اسے گوارا کر لیتا کہ ابان بن صدقہ ولی عہد مملکت اور مستقبل کے خلیفہ کا وزیر اور پورے شرقی علاقہ سلطنت کا گورنر بنا رہے ، اور یہ صرف منہ تکتا رہے ۔

لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ روم پر چڑھائی کرنے والی فوج کی قیادت و امارت کے لیے ہارون کا انتخاب ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھا ؛ اور یہ سکیم یحییٰ بن خالد کے ذہن و دماغ کی پیداوار تھی ، جس کی تکمیل میں اس کی بیوی اور خیزران کے اثر و نفوذ نے مدد کی ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جیسے ہی ہارون بغداد واپس آیا خلیفہ نے ایک فرمان صادر کر کے سلطنت کے پورے غربی علاقے کا اسے والی بنا دیا ، اس علاقے میں شمالی افریقہ ، مصر ، شام ، آرمینیہ اور آذر بائیجان شامل تھے ، اور یحییٰ اس کا وزیر ناظم امور اور کاتب بن گیا[1] ۔

یہ باران حوادث کا پہلا قطرہ تھا ـــــ اس کے بعد واقعات و حوادث کا پیہم صدور ہونے لگا ۔

دن گزرتے رہے تا کہ ایک نیا 'حادثہ' رونما ہو ۔

اس حادثے کا اثر ہارون کے مستقبل پر نہایت گہرا پڑا ، اور یہ اثر دو پہلو تھا ، شخصی لحاظ سے بھی اور عام اعتبار سے بھی ۔

ہارون اب جوانی کی سرحد میں قدم رکھ چکا تھا اور اپنی بنت عم زبیدہ بنت جعفر سے اس کا قلبی لگاؤ دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا ، یہ لگاؤ بہت جلد عشق جنوں آمیز کی صورت اختیار کر گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ زبیدہ اس کی بیوی بنے گی ، ماں باپ پر جب یہ راز منکشف ہؤا تو انھیں کوئی بات اس میں قابل اعتراض نظر نہ آئی ، انھوں نے اسے مناسب سمجھا کہ دونوں محبت کرنے والوں کو ایک نہ ٹوٹنے والے رشتے میں منسلک کردیں ، چنانچہ پبلک طور پر منگنی کا اعلان کر دیا گیا اور قصر میں شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں ۔ طے یہ پایا کہ ماہ صفر ۱۶۵ ء (مطابق ۷۸۱ ع) میں یہ رسم انجام دے دی جائے ۔

زبیدہ کی تاریخ حیات اب تک ایک سادہ ورق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی ، اس ورق سادہ پر اگر کچھ نقش تھے تو رنج و الم کے یا پھر محبت کی دبی ہوئی چنگاری کے ۔

---

۱ ۔ الطبری ، ملاحظہ ہوں ۱۶۳ ھ کے واقعات و حوادث ۔

زبیدہ ۱۴۹ھ (مطابق ۷۶۶ء) میں پیدا ہوئی ، عمر میں ہارون سے چند مہینے چھوٹی تھی ۔ اس کی ولادت حدثیہ دجلہ[۱] میں — جسے حدثیہ موصل بھی کہا جاتا تھا — ہوئی ، کیونکہ اس کا محل وقوع موصل سے بہت قریب جنوب میں تھا ، اس کے داہنے پہلو پر دریائے دجلہ رواں دواں تھا ۔ اس کا کنبہ یہیں مقیم تھا کیونکہ موسم بہار میں یہاں کی رعنائیاں دامن دل اپنی طرف کھینچتی تھیں ، یہ لوگ قصر حرب میں بود و باش رکھتے تھے ، یہ محل منصور نے تعمیر کرایا تھا اور اپنے بڑے بیٹے جعفر کو ہدیہ کر دیا تھا ۔

باپ نے اس لڑکی کا نام ' امتہ العزیز ' رکھا تھا ، جو اپنی لڑکی کو پال پوس نہ سکا اور عین عنفوان شباب میں وفات پا گیا ۔ باپ کی وفات کے وقت زبیدہ کی عمر صرف تین سال کی تھی ، منصور نے اس کی اور اس کے بھائیوں کی پرورش اور کفالت اپنے ذمے لے لی اور اسے ناز و نعم کے ساتھ پالنے لگا ، منصور اسے بہت چاہتا تھا ، اس کی تادیب و تربیت پر اس نے خصوصی توجہ کی ، کیونکہ وہ اس کے باپ جعفر سے بھی غیر معمولی محبت کرتا تھا اور زبیدہ اس کی نشانی تھی ۔

زبیدہ خوب صورت ، نازک اندام ، جادو نگاہ ، خوش قامت اور لمبے لمبے بالوں والی لڑکی تھی ، دادا پیار سے اسے زبیدہ[۲] کہنے لگا ، کہ اس کے بشرے کی ملاحت اور جسم کی نزاکت اس کی مقتضی تھی ، یہ لقب زبانوں پر کچھ ایسا چڑھا کہ لوگ اصلی نام بھول گئے اور وہ زبیدہ کے نام سے پکاری جانے لگی ۔

منصور کا جب انتقال ہوا تو زبیدہ دس سال کی تھی ، اب پرورش اور پرداخت کا ذمہ اس کے چچا مہدی نے لے لیا ، مہدی بھی اسے بہت

---

۱ - عراق میں سب سے زیادہ حسین و جمیل قصبہ 'حدثیہ موصل' یا حدثیہ دجلہ تھا ۔ یہاں اشجار و باغات کی بہتات تھی ، چرند و پرند کا شکار بہ کثرت دستیاب ہوتا تھا ۔
(ابن حوقل ، صفحہ ۱۴۷ ، ۱۵۵)

۲ - یعنی 'مکھن بی بی' — زبد عربی میں مکھن کو کہتے ہیں (مترجم)

چاہتا اور مانتا تھا ۔ اس نے اس کی تہذیب و ثقافت کو ہموار کرنے کے لیے قابل و فاضل خواتین کی خدمات حاصل کیں، جو رات دن اس کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھیں ۔ وہ اسی طرح پروان چڑھ رہی اور نشو و نما کے مراحل طے کر رہی تھی ۔ جیسا شہزادیوں کا دستور ہوتا ہے ، خلقی اعتبار سے بھی اور علمی اعتبار سے بھی ۔ اس نے قرآن پڑھا اور اس کا بڑا حصہ زبانی یاد کر لیا ، ادب کی تعلیم حاصل کی ، وہ سخن فہم بھی تھی اور سخن سنج بھی ۔ اخبار ، سیر اور تاریخ پر بھی اس کی وسیع نظر تھی اور جس چیز نے خاندان میں اسے اور زیادہ معزز و محترم بنا رکھا تھا ۔ وہ اس کی ہاشمیت تھی ۔ وہ نجیب الطرفین ہاشمیہ تھی ، نماز روزے کی پابند ، خدا سے ڈرنے والی ، نیک کاموں کی طرف راغب ، دوسروں کے کام آنے اور ان سے حسن سلوک کا برتاؤ کرنے میں پیش پیش ، دکھی انسانیت کی خدمت گزار ، بے کسوں اور حاجت مندوں کا ملجا و ماویٰ ، بے انتہا سخی اور لکھ لٹ ، جود و کرم کی آخری حدیں بھی اس نے پار کرلی تھیں ، اس کی ان صفات نے لوگوں کے دل میں گھر کر لیا تھا اور بنو عباس تو سارے کے سارے اسے بہت زیادہ چاہتے تھے ۔ اس چاہت میں صرف خاندان منصور ہی کی خصوصیت نہیں تھی، جو بھی عباسی تھا اس کا یہی حال تھا ۔

واقعات تاریخی کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ خیزران بھی اس ننھی منی لڑکی کو شروع ہی سے پسند کر تی اور چاہتی چلی آ رہی تھی اور جب مہدی نے ـــــ منصور کی وفات کے بعد ـــــ اس کی کفالت کا بار اٹھایا پھر تو وہ اسے ماں کی طرح چاہنے لگی ، اس نے یہ بات بھی تاڑ لی تھی کہ ہارون اس سے محبت کرتا ہے ، وہ اس محبت میں روک نہیں بنی بلکہ سہارا بن گئی اور حوصلہ افزائی کرتی رہی ۔ گویا وہ خود آرزومند تھی کہ اسے بہو بنا کر بیٹے کا گھر آباد کرے ۔ اس میں ایک فائدے کا پہلو بھی تھا ، یعنی اس طرح بنو ہاشم کی تائید و اعانت بھی حاصل ہو سکتی تھی ۔ چنانچہ اس نے خوشی خوشی منگنی کا اعلان کیا اور جب شادی کا وقت آیا تو وہ اس پر بضد ہوئی کہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہو اور بغداد میں اس تقریب سعید پر جشن مسرت منایا جائے ۔ اس مقصد

کے لیے اس نے ایک بہت بڑی رقم اپنی ذاتی آمدنی سے الگ کر دی ، یہ اس رقم کے علاوہ تھی جو مہدی کے خزانۂ عامرہ سے اس موقع پر خرچ ہونے والی تھی -

الشابشتی نے اپنی کتاب ''الدیارات'' میں لکھا ہے :

''مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کی شادی اپنی بھتیجی زبیدہ سے کی اور اسے ساز و سامان ، جواہرات ، زیورات ، تاج و کلاہ زرین ، سونے چاندی کے برتن ، نادر خوشبویات اور بیش بہا ملبوسات اس کثرت سے اور اتنی زیادہ تعداد میں دیے کہ اب تک کسی عورت کو نہیں ملے ہوں گے !

اس تقریب کے موقع پر آفاق و اطراف سے لوگوں نے آ کر شرکت کی تھی - مہدی نے دل کھول کر ان سب کو تحائف دیے اور زر و مال سے نوازا ، دینار چاندی کے ڈبے میں ، درہم سونے کے ڈبے میں ، عنبر ، مشک اور عطریات شیشے کے ڈبے میں رکھ کر لوگوں میں تقسیم کیے ، قیمتی خلعت اور پارچہ جات عطا کیے -

بنو ہاشم کی خواتین کو اس تقریب میں اس نے مدعو کیا اور ہر خاتون کو دینار سے بھری ہوئی ایک تھیلی اور درہم سے بھری ہوئی ایک ہمیانی اور خوشبویات سے بھرا ہوا ایک چاندی کا ڈبہ عطا کیا اور نہایت قیمتی جوڑا دیا - اس ٹھاٹھ کی مثال تاریخ اسلام میں اس سے پہلے نہیں ملتی - شادی کی اس تقریب پر خیزران نے اور خود ہارون رشید نے اپنے پاس سے جو کچھ خرچ کیا ---- اور بہت کچھ خرچ کیا ---- اس کے علاوہ خزانۂ شاہی سے جو رقم صرف ہوئی ، وہ پچاس لاکھ درہم تھی''[1] -

شب زفاف میں محمد بن سلیمان عباسی نے اپنے محل پر ایسا چراغاں کیا کہ وہ بقعۂ نور بن گیا[2] - یہی محل دولہا دلہن کے رات گزارنے

---

۱ - کتاب الدیارات ، الشابشتی ، صفحہ ۱۰۱ -

۲ - محمد بن سلیمان عباسی ، مہدی کی لڑکی عباسہ کا شوہر ، جو اس زمانے میں بصرے کا گورنر تھا -

کے لیے مخصوص کیا گیا تھا اور اسی مقصد کے لیے بڑے بڑے صناعوں اور کاریگروں سے اس محل کی زیب و زینت دوبالا کرائی گئی تھی[1] ۔

روایت یہ ہے کہ اس رات خیزران نے زبیدہ کو ایک جوڑا عطا کیا جس پر جواہر اور موتی ٹنکے ہوئے تھے ۔ اسے خوب صورت اور نازک اندام کنیزیں اٹھائے ہوئے چل رہی تھیں ۔

زبیدہ نے یہ جوڑا زیب تن کر لیا ۔ لیکن یہ اتنا بھاری تھا کہ اسے پہن کر چلنا اس کے لیے دوبھر ہو گیا ۔ اس لیے کہ قیمتی پتھروں کی کثرت نے اسے بوجھل بنا دیا تھا ۔ آخر اسے بدل کر وہ دوسرا جوڑا پہننے پر مجبور ہو گئی[2] ۔

اس قران السعدین پر سب سے زیادہ خوشی آل برمک کی تھی ۔ چنانچہ اس موقع پر انھوں نے دل کھول کر روپیہ صرف کیا اور جودوسخا کا غیر معمولی مظاہرہ کیا ۔ اس طرح وہ اس کے امور پر اور زیادہ حاوی ہوگئے ۔ کیونکہ ہارون سے پہلے ہی وہ زیادہ قریب تھے ۔ اب زبیدہ سے اس کی شادی جو ہوئی تو ان کے نفوذ اور قوت میں مزید اضافہ ہو گیا ۔ کیونکہ اس کا اور ہارون کا معاملہ وہی تھا، جو خیزران اور مہدی کا اور اس سے وہ حسب ضرورت اور حسب موقع سیاسی فائدے اٹھا سکتے تھے ۔

قدرت اپنا کام کر رہی تھی—اس نے ہارون کی خدمت کا ایک اور موقع پیدا کر دیا ۔

عین اس وقت جب بغداد اس شادی اور جشن مسرت میں ڈوبا ہوا تھا ۔ بلاد روم کی سرحد پر ایک فوجی سردار عبد الکبیر بن عبد الحمید جو حضرت عمر بن الخطاب رض کے بھائی زید کی اولاد میں سے تھے ۔ دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر لے کر پہنچے ۔ اس لشکر کی تعداد تین ہزار افراد سے زیادہ نہ تھی ۔ روم کے

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۷ ۔
ایک دوسری روایت کے مطابق رسم شادی قصر خلد میں سرانجام پائی ۔

۲ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۳ ۔

بطریق نے ۹۰ ہزار لشکر کے ساتھ اس مختصر سی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس کے لشکر میں ارمنی سوار بھی تھے اور اصحاب دین بھی۔

دونوں لشکروں میں زبردست رن پڑا، پہلے پہل تو ایسا نظر آیا جیسے مسلمان غالب ہوا چاہتے ہیں۔ لیکن افراد اور ساز و سامان کی کمی آڑے آئی۔ اسلامی لشکر کے کافی آدمی قتل ہوگئے۔ عبدالکبیر موت کا سامنا نہ کر سکے۔ لہٰذا میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ ان کے پیچھے پیچھے بچے کچھے لوگ تھے، جو تلوار کا نشانہ اور دشمن کا ہدف بن رہے تھے، بہت تھوڑی سی تعداد مسلمانوں کی بچی جو ادھر اُدھر منتشر اور پراگندہ ہوگئی۔ کچھ لوگ پایۂ تخت (بغداد) پہنچے تاکہ خلیفہ کو اس حادثہ الیمہ سے باخبر کریں[۱]۔

شکست کی اس خبر نے مسلمانوں کو بد دل کر دیا اور وہ غم و غصہ سے بھر گئے۔ مہدی نے عبدالکبیر کی گرفتاری کا فرمان صادر کیا جو پابجولاں اس کے حضور میں حاضر کیے گئے۔ مہدی اتنا برہم تھا کہ اس نے عبدالکبیر کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن قوم کے بعض سربرآوردہ اصحاب اور ارباب حکومت نے سفارش کی اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی قرابت کو شفیع بنایا اور یاد دلایا کہ اس خاندان کی مسلمانوں کی نگاہ میں کتنی وقعت ہے۔ مہدی نے سفارش قبول کر لی، لیکن عبدالکبیر کو جیل میں ڈال دیا، یہاں تک کہ قید ہی کی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا[۲]۔

مہدی شکست کے اس داغ کو دھو ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ بہت جلد ایک لشکر گراں تیار کیا جائے جو ہزیمت کی عار اور ننگ کو مٹا دے اور مسلمانوں کے دل میں پھر سے حوصلہ، اعتماد اور طمانیت پیدا کر دے۔ خاص طور پر ان لوگوں کا حوصلہ بلند ہو جائے، جو بلادِ روم کی سرحدات کے قریب اقامت گزیں تھے۔

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۰۱۔

۲ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۰۲۔

بہت مختصر سی مدت میں ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوگیا۔ جو جذبہ جہاد سے بھرپور تھا۔ اس کی تعداد ایک لاکھ جیالوں اور سپہ گروں پر مشتمل تھی۔ یہ وہ لوگ تھے، جو جنگ کی اونچ نیچ سے بہ خوبی واقف تھے اور بڑے بڑے معرکے سر کر چکے تھے۔ خلیفہ نے اس لشکر کو ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس کر دیا اور اس کی بہت اچھی طرح سے تنظیم کی۔ ہر دستہ فوج کو ایک الگ پرچم عنایت کیا اور جدا سردار مقرر کیا اور پورے لشکر کی سپہ سالاری یزید بن مزید شیبانی کے سپرد کی، جو وقت کے ممتاز ترین ماہرین جنگ میں شمار ہوتا تھا اور جیوش بنو عباس کا مانا ہوا قائد تھا۔

بغداد میں عام طور پر لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ حسب سابق اس مرتبہ بھی مہدی اپنے آل بیت میں سے کسی کو اس رسوا کن شکست کا داغ دھونے کے لیے امارت کے منصب پر فائز کرے گا۔ کیونکہ اتنے بڑے دشمن اور اتنے بڑے لشکر کو شکست دینا امیرالمومنین کے فرزند کے لیے پراپیگنڈے کا اچھا وسیلہ بن جائے گا۔ لیکن یہ معرکہ جو پیش آنے والا تھا۔ پہلے کے مقابلے میں بہت اہم اور نازک تھا۔ روم نے بھی مقابلے کے لیے اپنی پوری طاقت مجتمع کر لی تھی۔ لہٰذا اگر امارت فرزندان خلیفہ میں سے کسی کو سونپی جانی لازمی ہے تو پھر وہ فرزند اکبر اور ولی عہد دولت موسیٰ الہادی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہارون کا سوال اس موقع پر خارج از بحث تھا۔ کیونکہ ایک تو وہ ہادی سے عمر میں چھوٹا تھا، دوسرے ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ زندگی کے اس نئے دور سے شاد کام ہونے میں مصروف تھا۔

بلاشبہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ہارون کو جہاد سے اور قتال اعداد سے اور میدان جنگ میں فوج کی کمان ہاتھ میں لینے کا والہانہ شغف تھا۔ لیکن ہم دوسرے مؤرخین کی طرح اسے ۱۹ سال کی عمر میں فن جنگ کا ہیرو ماننے کو تیار نہیں ہیں اور نہ مہدی اتنے اہم معرکے کا بوجھ آنکھ بند کر کے بہ ثبات عقل و ہوش اس پر ڈال سکتا تھا۔ جب کہ

ن کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر کار آزمودہ اور جنگ آزما سورما، امرائے بنو عباس وغیرہ میں موجود تھا اور یہ کوئی اٹل پالیسی بھی نہیں تھی کہ لامحالہ ہر جنگ کی سربراہی فرزندان امیرالمومنین ہی میں سے کسی کو دی جائے۔ رومیوں ہی سے مسلمان لشکروں نے کئی ایسی جنگیں لڑیں جن کی سربراہی دوسروں کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن قصر خلافت میں پس پردہ خانگی سیاست کی کارفرمائی کا تقاضہ یہی تھا کہ اس مرتبہ بھی ہارون ہی کو یہ فخر عطا کیا جائے۔

یزید بن مزید شیبانی کے سپہ سالار اعلیٰ نامزد ہونے پر بھی کسی کو تعجب نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی وہ کئی معرکے سر کر چکا تھا — اگر زور بازو سے نہیں تو خوبی طالع اور کرشمۂ تقدیر سے۔

مہدی نے اس جنگ کو جیتنے کے لیے ہر چیز داؤ پر لگا دی تھی۔ اتنی زبردست تیاریاں اس جوش و خروش اور انہماک کے ساتھ اس نے کبھی نہیں کی تھیں۔ اس نے چیدہ ہوئے اور منتخب روزگار لوگوں سے اپنے لشکر کو بھر دیا تھا۔ اس نے ہارون کو ۲۰۰ لاکھ درہم اور دو ہزار دینار طلائی صرف دوران جنگ میں لشکر کو عطا کرنے کے لیے دیے تھے۔ روم سے جنگ کرنے کے لیے اس سے پہلے خلیفہ نے نہ کبھی اہتمام کیا تھا، نہ اتنا ساز و سامان مہیا کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فتح کے پہلے ہلے میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے اسے سمیٹ کر لشکر واپس آ جائے جیسا کہ پہلی مرتبہ جنگ سمالو میں ہو چکا تھا۔ اس نے سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ لشکر اسلام دشمن کی سر زمین کو روندتا ہوا جتنا آگے بڑھ سکتا ہے، بڑھتا چلا جائے۔[۱]

جمادی الآخر ١٦٥ھ (مطابق ٧٨١ع) میں ہارون اپنا لشکر لے کر باپ کے حدود سلطنت سے باہر نکلا، اور سیل رواں کی طرح بڑھتا اور راہ میں جو قلعہ، جو شہر، جو علاقہ آیا، اس کی مزاحمت اور مقاومت کو کچلتا چلا گیا، یہاں تک کہ دشمن کے اصل لشکر کے سامنے آ کر کھڑا ہو

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۰۲ -

گیا ۔ جس کی قیادت، روم کے سب سے بڑے سپہ گر اور ماہر فنون جنگ نقیطا کے ہاتھ میں تھی ۔ اسے ان کے ہاں 'قومس القوامس' کے لقب سے پکارا جاتا تھا ۔

طرفین میں گھمسان کا رن پڑا ، یہ لڑائی کئی دن تک جاری رہی لیکن کوئی بھی غالب نہیں آیا ۔

یزید بن مزید شیبانی نے سوچا ، یہ صورت حال ختم ہونی چاہیے ۔ وہ بیچ میدان میں اپنے حریف نقیطا کے سامنے آ کر دو دو ہاتھ کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا ۔ کچھ عرصے تک دونوں میں نیزہ بازی ہوتی رہی ، یہاں تک کہ دونوں گھوڑے پر سے نیچے اتر آئے ، اور تلوار سونت کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے ، کچھ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا ، آخر یزید کے ہاتھوں نقیطا مارا گیا ، رومی بھاگ کھڑے ہوئے ، اور مسلمان ان کے لشکر پر غالب آئے ۔ یزید تلوار چلاتا ، تقمودیہ کے دروازے تک پہنچ گیا ۔ جہاں وزیر جنگ دشتق موجود تھا ۔ اسے اپنی جان کی خیر اسی میں نظر آئی کہ صلح کا جھنڈا بلند کر دے ، اور واقعی اس طرح اس کی جان سلامت رہ گئی اور وہ بے انتہا دولت بھی بچ گئی جو اس کے پاس تھی ۔

ہارون ابواب قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوا اس نے قسم کھائی کہ یا تو قسطنطنیہ فتح کرکے رہے گا ورنہ اسی جد وجہد میں جان دے دیگا ۔ اس زمانے میں روم کے تخت حکومت پر ''الیون'' کی بیوی ایرینی متصرف تھی جو نو عمر وارث تخت شہزادۂ قسطنطین سادس کی ماں تھی ۔ اس نے صلح کی گفت و شنید شروع کر دی ، فدیہ دینے اور ہر سال جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئی ۔ ہارون نے ان شرائط پر صلح کر لی ، اور ایک مزید شرط یہ عائد کر دی کہ اس کے لشکر کی خاطر داشت آتے جاتے وقت کی جائے اور عربی سرحد تک پہنچانے اور راستہ بتانے کے لیے رومی راہ داں ساتھ کر دیے جائیں تاکہ کسی طرح کی دشواری لاحق نہ ہو ۔ کیونکہ اس سے پہلے ہارون سخت زحمت برداشت کر چکا تھا ، اور ایسے راستے ہر جا پڑا تھا ۔ جس سے اس کا کوئی لشکری واقف نہیں تھا ۔ جب یہ شرط

بھی منظور کر لی گئی تو طرفین کے اسیران جنگ کا تبادلہ عمل میں آیا ، اور ایک عہد نامہ مرتب ہؤا جس کی رو سے طے پایا کہ فریقین ایک دوسرے سے تین سال تک کسی طرح کی جنگ نہیں کریں گے ۔ اس کے بعد ہارون نے جزیہ کی رقم لی اور واپس لوٹا ، اس کے ساتھ مال غنیمت کا بے اندازہ انبار تھا ۔ رومیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ساتھ تھی جو تحائف ، ہدایا ، اور دوسری چیزیں بار کیے ہوئے خلیفۂ وقت کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھی[1] ہارون فاتح و غانم محرم ۱۶۶ ھ (مطابق ۷۸۲ع) بغداد واپس آیا ۔

فتوحات اور کامرانیوں کی خبریں دارالخلافہ میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ پہنچ رہی تھیں ۔ ہر خبر بڑی تیزی سے شائع و ذائع ہو جاتی تھی اور لوگوں کی زبان پر اسی کا چرچا شروع ہو جاتا تھا ۔ پھر اصل خبر پر نمک مرچ لگا کر لوگ زیب داستان کے لیے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کر دیتے تھے ۔ اب تک چار مرتبہ عربی لشکر قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ چکا تھا[2] بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ چوتھا حملہ بہت بڑا اور زبردست تھا اور اس سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے ۔ کیونکہ اس فتح نے گزشتہ شکست کا داغ بالکل دھو دیا تھا ۔ جس نے عوام کو بہت زیادہ مغموم و ملول کر رکھا تھا ۔

دارالخلافے میں جو خبریں پہنچیں ان سے یہ بھی معلوم ہؤا کہ اس جنگ میں ہارون پہلے کی طرح جیسا کہ اس کا باپ بھی کرتا آیا تھا ۔ صرف ایک رمز (Symbol) کی طرح فوج میں موجود نہیں رہا ۔ بلکہ اس نے قتال و پیکار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ، خطرات کا جرآت سے مقابلہ کیا اور کامل آٹھ مہینے تک اپنی محبوب بیوی کے ہجر میں بسر کر دیے ، اور برابر معرکہ آرائیوں میں مصروف رہا ۔ اس کے بعد قدرتاً یہ ہونا چاہیے تھا

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۰۳ ۔

۲ ۔ قسطنطنیہ تک عرب فوجیں تین مرتبہ اموییوں کے عہد حکومت میں پہنچیں ۔ (مؤلف)

کہ لوگ اس کی بڑائی اور عظمت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ۔ اس کا اور اس کے سپہ سالار یزید بن مزید کا کلمہ پڑھنے لگتے ۔ جو بنو شیبان کا ایک جوان تھا اور جس کی جنگی مہارت فتح مبین کا سبب بنی تھی ۔ عوام کی طرف سے اس تعظیم و تکریم میں یحییٰ بن خالد برمکی کو بھی پورا پورا حصہ ملا ، کیونکہ وہ ہارون کا اتالیق اور مربی تھا ۔

ہارون کا لشکر جب بغداد کے دروازوں پر پہنچا تو وہاں کے باشندے خیر مقدم کے لیے جوش بے نہایت سے مجبور ہو کر نکل پڑے ۔ وہ ان فاتح مجاہدوں پر گلاب اور چمبیلی کے پھول نچھاور کر رہے تھے اور اس فوج گراں کے امیر کے لیے تو وہ دیدۂ دل فرش راہ کر رہے تھے ۔ جس نے دنیا کی نظر میں حکومت اسلامیہ کی ہیبت و جلالت میں اضافہ کر دیا تھا ۔ دشمن حواس باختہ تھے ، دوست مسرور اور شاداں ۔ اس موقع پر باپ نے بیٹے کو خلعت فاخرہ پہنایا ، اور اس کی رفعت و جلال میں اضافہ کیا ۔ اس قوسی میلے کے ضبط و نظام کو برقرار رکھنے پر جو لوگ مامور تھے وہ عوام کے جوش و خروش کا مقابلہ نہ کر سکے ، سپاہیوں اور سواروں میں گھل مل گئے ، تکبیر و تہلیل کا غلغلہ بلند ہوا ۔ اسلام کے جاں نثاروں کو لوگ بوسے دینے لگے ۔ ان کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو بہہ رہے تھے ۔

اور اس وقت خیزران سے زیادہ مسرور اور سراپا نشاط و مسرت کوئی نہ تھا ۔ وہ وفور جوش سے بے قابو ہو کر محل کی کھڑکیوں سے عوام کا یہ بے اندازہ جوش و خروش دیکھ رہی تھی ۔ ہاں ایک زبیدہ بنت جعفر تھی جو اپنے حجلۂ عروسی میں اپنے عظیم و جلیل شوہر کا انتظار کر رہی تھی کہ کب وہ آئے اور اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دے ۔

دوسرے روز مہدی نے قصر خلد میں جلوس کیا اور دربار عام منعقد کیا اور لشکر کے افسروں اور سالاروں کو شرف باریابی عطا کیا ، شعرا نے قصائد مدحیہ گزارے ۔ انھی میں مروان بن حفصہ بھی تھا جس نے ہارون الرشید کو مخاطب کر کے کہا :

"تو نے روم پر دھاوا بولا۔
اور اس کی دیواروں کو ڈھا دیا۔
تیری تیر اندازی کے باعث سلوک روم جزیہ لے کر حاضر ہو گئے،
اور جنگ کے شعلے سرد پڑ گئے[1]۔"

بعد ازاں خلیفے نے تحفے، انعامات، اور عطایا سے ان تمام لوگوں کو نوازا جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جسے پورا پورا صلہ اور انعام نہ مل گیا ہو۔ پھر خلیفے نے ہدایت کی کہ دشمن سے چھینا ہوا مال فروخت کر دیا جائے، بازار گھوڑوں، سلاح جنگ، مال فراواں، اور کنیزوں، باندیوں سے اٹ گیا اور چیزوں کی قیمتیں اتنی گر گئیں کہ بیس تلواروں کی قیمت ایک درہم رہ گئی[2]۔

بلا شبہ ہارون کی یہ بہت بڑی فتح اور بہت بڑی کامیابی تھی، خلیفہ اور اس کے خواص کی نظروں میں ہارون کی عزت اور وقعت دو چند ہو گئی۔ موسیٰ کا چراغ اس مجد کے سامنے جو اس کے بھائی نے حاصل کیا تھا جھلملانے لگا، اس کی منزلت جو کچھ تھی وہ صرف ولی عہد ہونے کے باعث، ورنہ عزت اور احترام کا توشہ تو ہارون نے حاصل کر لیا تھا۔ خیزران جو اپنے بڑے بیٹے موسیٰ کے مقابلے میں ہمیشہ چھوٹے بیٹے ہارون کو زیادہ چاہتی رہی تھی۔ اس کے فخر و ناز کا تو کوئی ٹھکانا نہ تھا، وہ بھی اس کی آرزو مند تھی کہ اس کار عظیم کا معقول صلہ ہارون کو ملے، اور اب کوئی رکاوٹ باقی بھی نہیں رہ گئی تھی، بس صرف اس کی کسر تھی کہ یحییٰ بن خالد آگے بڑھے، اور ہارون کو ولی عہد دوم بنانے کی تجویز پیش کر دے۔

ماہ رجب ۱۶۶ھ (بمطابق ۷۸۲ع) کو جمعے کے دن خلیفے نے امرائے

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۰۶۔ ایک روایت ہے کہ مروان کا یہ قصیدہ کسی دوسرے موقع پر پڑھا گیا تھا۔
۲۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۰۶۔

بنی ہاشم ، افسران فوج ، امرائے دولت ، اور اکابر شہر کو جامع منصور میں طلب کیا ۔ یہاں خلیفے کے لیے تجدید بیعت ہوئی ، پھر موسیٰ ہادی کی ولی عہدی پر لوگوں نے بیعت کی اور بعد ازاں فیصلہ ہؤا کہ دوسرا ولی عہد ہارون ہوگا ۔

اس ساعت سعید پر باپ نے بیٹے کا لقب ''ہارون الرشید'' قرار دیا ۔

ایک نیا فتنہ

ہارون رشید کی ولی عہدی

اسباب و محرکات

اگرچہ ہارون محبوب عوام بن چکا تھا اور دولت بنی عباس کے آسمان پر اس کا ستارہ اوج پر تھا ، لیکن قوم کا دانشور اور فہمیدہ طبقہ اس بات پر کچھ زیادہ خوش نہیں تھا کہ ہارون کو دوسرا ولی عہد بنا دیا گیا ہے ۔ اس طرح اس کا بھائی یعنی پہلا ولی عہد کسی روز نفرت اور عداوت کا ہدف بن سکتا تھا اور اس سے بھی قطع نظر مملکت کی وحدت پارہ پارہ ہو سکتی تھی اور افتراق پیدا ہو سکتا تھا ۔ تاریخ ماضی قریب اور ماضی بعید کے مطالعے سے یہ بات واضح تھی کہ جب بھی بہ یک وقت دو آدمیوں کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی گئی ، تو جیسے ہی پہلے نے مسند حکومت پر قدم رکھا تو پہلا کام یہ کیا کہ دوسرے ولی عہد کو اس کے حق سے محروم کر دیا تاکہ اپنے بیٹے کو یہ منصب بلند عطا کر سکے ۔ عیسیٰ بن موسیٰ عباسی ، منصور اور مہدی کے واقعات پھر دہرائے جا سکتے تھے - پھر خلیفے نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کے سلسلے میں وہی غلطی کر بیٹھے جسے وہ خود بھگت چکا تھا ۔ جو بات آج غلط ہے وہ کل بھی غلط ہوگی ۔

تاریخ کے اوراق اس باب میں خاموش ہیں کہ پس پردہ جو سازشیں اس سلسلے میں ہو رہی تھیں وہ کیا تھیں ؟ اور کس طرح بالآخر وہ اس فیصلے پر منتج ہوئیں ؟

ہارون کا فاتحانہ شان سے قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچنا اور پھر دھوم دھام سے بغداد واپس آنا ، تقریباً نصف سال کی مدت پر حاوی ہے ۔

یقیناً اسی عرصے میں سہدی کے سامنے یہ تجویز خفیہ طور پر پیش کی گئی ، اور وہ مسلسل اس کے مقصد اور مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا ۔ یہ تجویز خیزران کے سوا کسی اور میں پیش کرنے کی جرأت نہ تھی ، کیونکہ وہی ایک ایسی ہستی تھی جو امیرالمومنین کے سامنے نتائج کے اعتبار سے اتنی دور رس اور پرخطر تجویز پیش کرنے کی ہمت رکھتی تھی اور اس پر اصرار اور ضد بھی کر سکتی تھی ۔

آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل سہدی نے اس تجویز کو سنا اور چپ سادھ لی ۔ دل ہی دل میں غور کرتا رہا ، کیونکہ اس کے خطرناک متوقع نتائج سامنے تھے لیکن آخرکار خیزران کے اصرار اور ضد کے سامنے سرنگوں ہو گیا ۔

اور خیزران کی ضد کے سامنے سپرافگندہ ہو جانا سہدی کے لیے کوئی نئی یا پہلی بات تو نہ تھی ۔ اس سے قبل بھی خیزران کے بہکاوے میں آ کر اپنی سہل انگاری اور خودسپردگی کے باعث وہ کئی بڑی بڑی غلطیاں کر چکا تھا ۔ اس طویل فہرست اغلاط میں ایک کا اضافہ کوئی حیرت انگیز بات تو نہیں تھی ۔ لیکن شاید اب تک اتنی بڑی کوئی غلطی اس سے سرزد نہیں ہوئی تھی جتنی ہارون کی ولی عہدی کی توثیق اپنے اس عمل سے اس نے کی ——— اگرچہ وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے چل کر کیا کچھ رونما ہونے والا ہے ؟ ——— اپنے خاندان کو تباہی کے غار میں دھکیل دیا ، بلکہ کہنا چاہیے اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود ڈالی اور مستقبل قریب کی تاریخ سرخ سطروں سے قلم بند کی ۔

اس بات کی تائید کہ سہدی ہارون کو دوسرا ولی عہد بنانے پر آمادہ نہیں تھا ، تاریخ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے :

''ہارون کی ولی عہدی کے بعد سہدی رات بھر نہیں سو سکا ۔ وہ اس معاملے پر سخت متفکر تھا اور اس کے مختلف پہلوؤں کے نتائج پر غور کر رہا تھا ۔ وہ امکانات اور احتمالات بار بار اس کے سامنے آتے تھے جو ان دو قریب العمر بھائیوں کو ولی عہد بنانے سے آگے چل کر پیش آ سکتے تھے ۔ یہی سوچتے سوچتے وہ اونگھ گیا ۔ پھر

اس نے خواب میں دیکھا کہ اس نے موسیٰ (ہادی) کے سامنے ایک شاخ ڈال دی ہے اور ایک دوسری ہارون کے سامنے ۔ موسیٰ کی شاخ اوپر سے پتیاں لائی اور ہارون کی مکمل طور پر سر سبز اور بارآور ہو گئی ۔ پھر وہ خواب سے بیدار ہؤا ، اور تعبیر دینے والوں کو اپنے حضور میں طلب کیا ۔ انھوں نے اسے بتایا کہ موسیٰ (ہادی) کی مدت خلافت بہت مختصر ہوگی اور ہارون لمبی مدت تک راج کرے گا اور اس کا زمانہ (ہر اعتبار سے) بہترین زمانہ ہوگا ۔''

خواب کی یہ خبر بہت جلد لوگوں میں پھیل گئی ۔ رفتہ رفتہ موسیٰ ہادی کے کانوں تک بھی پہنچی اور اُسے بہت ناگوار ہوئی ۔ اس نے یہ بات دل میں رکھ لی ۔ موسیٰ ہادی اب سے بہت پہلے محسوس کر رہا تھا کہ اس کا بھائی ہارون ماں کی محبت اور شفقت کا مرکز بنا ہؤا ہے اور وہ ماں (خیزران) ہی ہے جو ہر موقع پر اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتی اور لوگوں میں اس کی رفعت شان کا سبب بنتی ہے ۔ موسیٰ ہادی اس بات سے بھی بہ خوبی واقف تھا کہ یحییٰ بن خالد برمکی خیزران کی اس تجویز اور کارروائی کے پیچھے اصل عامل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ برمکی خواتین سے اس کے بڑے گہرے مراسم ہیں اور اس طرح اپنی خیرخواہی جتا کر اور اپنی خواتین کا اثر ڈال کر وہ درحقیقت خیزران کو آلۂ کار بنا کر اپنے اقتدار اور سطوت کا راستہ صاف کر رہا ہے ۔

ممکن تھا کہ موسیٰ (ہادی) ان باتوں کو پورے طور پر محسوس نہ کرتا اور اس کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوتا ۔ لیکن اس کے ہمدم اور ندیم ، اور مصاحب ایک ایک بات پر نظر رکھتے تھے اور اسے بھڑکاتے اور اُکساتے رہتے تھے ، جب بھی موقع ملتا وہ اپنی سی کر گزرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے ۔

یہی وجہ تھی کہ موسیٰ ہادی یحییٰ برمکی کا درپے رہتا تھا اور اپنی ماں پر بھی کھلے بندوں نکتہ چینی کرتا رہتا تھا کہ وہ یحییٰ کے ہاتھوں کھیل رہی ہے ۔ چنانچہ بعض اوقات موسیٰ ہادی ماں سے الجھ

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ۲۸۵ ۔

پڑتا اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ۔ اس کا خیال تھا کہ باپ اپنی اولاد کے ساتھ محبت اور شفقت میں پورا منصف ہوتا تھا ، لیکن ماں اس راستے سے اسے ہٹا دیتی تھی ۔ مگر باپ پر نکتہ چینی کرنے کا یارا نہ تھا ۔ اس کا سبب کچھ تو احترام پدر تھا اور زیادہ تر اس کے غیظ و غضب سے خوف ۔ رفتہ رفتہ موسیٰ (ہادی) کا رویہ ہارون سے بدلنے لگا ۔ یہاں تک کہ آخرکار وہ اسے اپنے اور اپنے مستقبل کے لیے ایک مستقل خطرہ تصور کرنے لگا ، لیکن زبان ابھی تک خاموش تھی ۔ کھچڑی دل ہی دل میں پک رہی تھی ۔

ہارون کی ولی عہدی پر جب بیعت ہوئی اور دونوں بھائیوں کے درمیان مخالفت اور منافقت کے جذبات بھڑکنے لگے ۔ موسیٰ (ہادی) نے محسوس کیا کہ ہارون کی قوت اور اعوان اور انصار میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ تو اس کے سوا کوئی اور چارہ کار اسے نظر نہ آیا کہ وہ بھی اپنے اعوان و انصار سے رجوع کرے اور جس ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے اس کا مداوا چاہے ۔ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بہت فکرمند اور پریشان تھا ۔ چنانچہ اس نے ارد گرد امرائے بنو عباس کی ایک خاصی تعداد جمع کر لی ۔ مثلاً عبدالملک بن صالح ، موسیٰ بن عیسیٰ ، عباس بن محمد وغیرہ ۔ اپنے وزیر ابان بن صدقہ کو بھی پورے طور پر اس نے ہموار کر لیا ۔ علاوہ ازیں فضل بن ربیع ، علی بن عیسیٰ بن ماہان وغیرہ اور دوسرے کئی سرداران فوج کو بھی اپنی ٹولی میں شریک کر لیا ۔ مثلاً یزید بن مزید الشیبانی ، محمد بن فروخ الازدی ، عبداللہ بن علاثہ اور عبداللہ بن خازم وغیرہ ۔ ان کے علاوہ بھی اس نے کئی لوگوں کو دم ساز بنا لیا ۔ یہ مختلف طور طریقوں کے لوگ تھے ، لیکن یحییٰ برمکی کے مخالف تھے اور قومی عصبیت نے انھیں برمکی شعوبیت کے خلاف مستعد کر دیا تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ۔

مہدی کے محل میں دو پارٹیاں جو ایک دوسرے کی بالکل ضد اور سخت مخالف تھیں ، کام کر رہی تھیں ۔ ان دونوں میں اندر ہی اندر غیرمحسوس اور غیر واضح طور پر چوٹ چل رہی تھی ۔ ایک پارٹی موسیٰ ہادی کی حامی اور پشت پناہ تھی اور خلیفے کی اولاد میں سب سے زیادہ

اس کو اس اعزاز اور سربلندی کا سزاوار سمجھتی تھی ۔ دوسری پارٹی ہر موقع پر ہارون کو آگے بڑھاتی تھی اور اس کے تفوق اور غلبے کے لیے کام کرتی رہتی تھی اور ترازو کے دونوں پلڑے اس وقت تک برابر ہو بھی نہیں سکتے تھے جب تک خیزران اور اور زبیدہ کا نفوذ اور اثر یحییٰ کی پشت پناہی ہارون کو آگے بڑھانے میں صرف ہو رہا تھا ۔

زبیدہ اور خیزران کا نام جب ہم لیتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان دونوں کے موقف کا فرق بھی واضح کر دیں ۔

خیزران بہرحال ماں تھی ، دونوں ولی عہد اس کے بیٹے اور لخت جگر تھے دونوں سے وہ محبت کرتی تھی ، لیکن موسیٰ ہادی سے خفا بھی رہتی تھی ، کیونکہ وہ خود سر اور نا فرمان تھا ۔ ایک ماں کی حیثیت سے اس کا خیال تھا کہ اگر چھوٹا بیٹا بڑے بیٹے سے بازی لے جائے تو بھی وہ گھاٹے میں نہیں رہے گی ۔ لہٰذا وہ ہارون کو آگے بڑھاتی رہتی تھی ۔ کیونکہ وہ ماں کا مطیع اور فرماں بردار تھا ۔ اس چیز نے خیزران کو ہارون سے زیادہ مانوس کر دیا تھا اور اسے آگے بڑھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی ۔ اگرچہ اس سے موسیٰ کی کسی حد تک حق تلفی کیوں نہ ہوتی ہو اور اس کے مستقبل پر اثر کیوں نہ پڑتا ہو ۔

رہی زبیدہ سو وہ ابھی کم سن تھی اور اپنے لباس عروسی میں مگن تھی ، وہ اس سیاست کو پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتی تھی ۔ چنانچہ ہادی کے خلاف کوئی جذبہ اس کے دل میں نہیں تھا ، کم از کم وہ اسے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی ، لیکن امراء بیت ہاشمی اس لیے کہ وہ بھی ہاشمیہ تھی اور ہارون اس کا شوہر تھا ۔ جوش و خروش کے ساتھ اس کی اور اس کی وجہ سے خیزران اور ہارون کی حمایت کیا کرتے تھے اور یحییٰ بن خالد برمکی اس جذبے کو بڑے حکیمانہ انداز میں اُبھارتا اور پروان چڑھاتا رہتا تھا ، لیکن در پردہ نہ کہ علانیہ ۔

اس صورت احوال کو ابھی چند مہینے گزرے تھے کہ جرجان سے خلیفے کے پاس خبریں پہنچنے لگیں کہ کوہستانی علاقے میں زبردست

بغاوت اس اقلیم کے دو بڑے سرداروں ، ونداہرمز اور شروین کی سرکردگی میں پھوٹ پڑی ہے۔

پھر یہ خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بغاوت کا دائرہ مزید وسیع ہو گیا ہے۔ اب وہ طبرستان تک پہنچ گئی ہے اور اس کا بڑا حصہ اس کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔

مہدی نے بغاوت فرو کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ۔ فوج کی کمان یزید بن مزید الشیبانی کے ہاتھ میں دی ، جو قسطنطنیہ کے معرکوں میں بڑا نام پیدا کر چکا تھا اور لشکر کی امارت ولی عہد اول موسیٰ (ہادی) کو عطا کی ، کیونکہ مملکت کے شرقی علاقے کا وہی گورنر تھا ۔ ابان بن صدقہ کو بھی کہ ہادی کا وزیر تھا ، ساتھ کر دیا حجابت کا منصب نفیع کو سونپا جو منصور کا غلام رہ چکا تھا ، اور نگہ بانی کا فریضہ علی بن موسیٰ بن ہامان کے سپرد کیا ۔ عبداللہ بن خازم کو پولیس کا سربراہ بنایا اور بندوبست کی نگرانی محمد بن جمیل کے ذمے کی۔

۱۶۷ھ (مطابق ۷۸۳ع) کے اوائل میں یہ عظیم الشان لشکر بغداد سے روانہ ہوا ۔ خلیفہ کی مرضی کے مطابق موسیٰ ہادی نے اپنے دارالحکومت میں قیام کیا اور یزید بن مزید لشکر لے کر طبرستان کی طرف بڑھا جہاں بغاوت کے شعلے بھڑک رہے تھے ۔

طرفین میں زبردست معرکے اور مقابلے شروع ہوئے ۔ خلیفے کے لشکر کے لیے فوراً ہی اس بغاوت پر قابو پا لینا اور باغیوں کو کچل دینا آسان نہ تھا ۔ کوہستانی علاقہ ، دشوار گزار راستے ، پہاڑی باشندوں کا جوش اور استقامت ، یہ چیزیں سد راہ ہوتی رہیں ۔ ایک سال سے کچھ اوپر کی مدت گزر گئی ، مگر جنگ ختم نہ ہوئی ۔ یزید بن مزید بڑھ بڑھ کر زوردار حملے کرتا رہا ، موسیٰ ہادی بھی پشت پناہی اور مال و رجال سے مدد کرنے کو قریب ہی موجود تھا ، اسے دم بہ دم کی خبریں میدان جنگ سے ملتی رہتیں اور وہ انھیں خلیفے کی خدمت میں پوری مستعدی سے پہنچاتا

رہا جو بڑی بے کلی کے ساتھ جنگی خبروں کا منتظر رہتا تھا[1]۔

اور عین اس وقت جب جنگ زور شور سے جاری تھی اور بغداد موسیٰ ہادی اور اس کے اعوان و انصار سے تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن کا مقصد یہ تھا کہ ہادی کو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے اور پہلا ولی عہد ہارون کو بنا دیا جائے۔

مہدی پر اس سلسلے میں اتنا دباؤ پڑا کہ بادل نخواستہ وہ رضا مند ہو گیا۔ 'بادل نخواستہ' کا لفظ ہم نے اس لیے استعمال کیا کہ یہ بات قطعاً خلاف عقل ہے کہ اتنے نازک موقع پر ایسا بے تکا فیصلہ خلیفہ کر سکتا ہو؟ جب کہ مملکت کا شرقی حصہ بغاوت کی آگ میں جل رہا تھا اور جو لشکر باغیوں سے لڑنے بھیجا گیا تھا، اس کا امیر وہی ولی عہد اول تھا، جس کا مستقبل برباد کرنے کا فیصلہ اس سے کرایا جا رہا تھا۔

یہ واقعہ مہدی کے زن مرید ہونے کی اور خیزران کے غیر معمولی با اقتدار ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ کوئی موقع ہاتھ سے کھو دینے کا قائل نہیں تھا، خواہ اس کی کیسی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اس کی پالیسی یہ تھی:

''حصول مقصد کے لیے سب کچھ کر گزرنا چاہیے۔''

بہر حال کتب اخبار کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سازش کئی مرحلوں کے بعد اس نتیجہ بد تک پہنچی۔ شروع شروع میں تو مہدی کے سامنے جب یہ تجویز پیش کی گئی تو بھونچکا رہ گیا کیونکہ یہ بات کبھی اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ کیونکہ ایک باپ کی حیثیت سے دونوں بیٹے اس کی نظر میں مساوی تھے۔ اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ موسیٰ ہادی کو خواہ مخواہ اس کے حق سے محروم کر دیا جائے، باپ کی نظر میں وہ نکما اور ناکارہ نہیں، بلکہ دور اندیش، صاحب تدبیر، بہادر، جری، سخی، اور امرا فوج کی نظر میں محبوب شخصیت کا حامل تھا۔ کیونکہ وہ تیغ زن بھی تھا اور صف شکن بھی۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۶۹۔

پھر ایک بات اور بھی تھی۔

مہدی، عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے محروم کرکے اور اس کے بجائے اپنے بیٹے ہادی کو والی نامزد کرکے دیکھ چکا تھا کہ اس کا عوام پر کتنا برا اثر پڑتا ہے، اب اگر ایک مرتبہ پھر ولی عہدی کا منصب ہادی سے چھین کر ہارون کو دے دیا جائے تو لوگوں کی نظر میں بیعت کی کیا وقعت رہ جائے گی؟ اور ان کے لیے خلع بیعت اور نقض عہد کا کام کتنا آسان ہو جائے گا!

اور ان سب باتوں سے بالا یہ بات کہ موسیٰ ہادی پر ہارون رشید کی تقدیم، دونوں بھائیوں میں زبردست دشمنی پیدا کر دے گی، اور اس کا مہدی کو خود بھی تجربہ تھا۔ اسے یاد تھا کہ جب اسے یہ غلط خبر ملی تھی کہ اس کا باپ منصور اسے ولی عہدی سے محروم کرکے یہ منصب اس کے چھوٹے بھائی جعفر اصغر کو دینا چاہتا ہے تو اس پر کیا کچھ نہ گزر گئی تھی، اور اس نے جھٹ باپ کو لکھ مارا تھا:[1]

"خدا کی قسم اگر آپ نے ایسا کیا تو میں اسے قتل کرکے رہوں گا!"

اور مہدی کو منصور نے جواب میں لکھا تھا:

"تمہیں غلط خبر ملی ہے، ہم جعفر سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اسے تمہارا نشانہ نہیں بننے دیں گے!"

یہ تمام باتیں مہدی کے سامنے تھیں اور اسے اس طرح کا نازیبا قدم اٹھانے سے روک رہی تھیں۔

لیکن قصر کے اندر سے خیزران کا اور باہر سے امرائے بنی عباس کا ایسا دباؤ پڑ رہا تھا کہ اس کی قوت مزاحمت جواب دے گئی، اس نے اس سازش کے سرکردہ لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا:

"مسلمانوں سے موسیٰ ہادی کی بیعت لی جا چکی ہے، اور اس کا انتزاع اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اس سے دستبردار ہو جائے!"

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۲۹۷۔

لوگوں نے جواب میں عرض کیا:

''اگر امیرالمومنین نے موسیٰ ہادی سے دستبردار ہونے کو کہا تو وہ ہرگز سرتابی نہیں کریں گے!''

مہدی نے کہا:

''تو پھر تم ہی لوگ اس کے پاس جاؤ، اسے قائل کرو۔ اگر وہ مان گیا تو پھر میرے لیے کوئی مانع نہیں رہ جائے گا!''

چنانچہ یہ لوگ جرجان پہنچے اور ہادی سے مطلب کی بات شروع کی، اسے لاکھ لاکھ سمجھایا، مگر اس نے ایک نہ سنی۔ جب زیادہ اصرار کیا تو وہ برہم ہو گیا، اور سخت سست کہنے لگا۔ آخر یہ لوگ ناکام و نامراد واپس آ گئے، البتہ انھوں نے یہ ضرور کیا کہ بیٹے کے دل میں ماں، باپ، اور اس تجویز کے حامیوں کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کر آئے اور اسے اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش میں مبتلا کر دیا[1]۔

اس کے بعد مہدی سے اصرار کیا گیا:

''اگر آپ اپنی طرف سے ہادی کو لکھیں تو انکار کی جرات نہ کر سکے گا۔ کیونکہ آپ کا فیصلہ بہر حال آخری اور قطعی ہے!''

مہدی نے ہادی کو خط لکھ کر بغداد طلب کیا، ہادی نے بغداد واپس آنے سے انکار کر دیا، نامہ بر کے سامنے باپ کا خط پھاڑ کر پھینک دیا اور اسے خوب پیٹا، پھر باہر نکال دیا اور قتل کر دینے کی دھمکی دی![2] پھر اس نے اپنے اعوان و انصار کو جمع کیا اور ان کے سامنے فریاد کی کہ دشمن کس طرح اسے زک دینے کی کوشش، وہ بھی باپ کے ہاتھوں کرا رہے ہیں؟

پھر ہادی نے اپنے ان ہوا خواہوں کو جو بغداد میں موجود تھے تاکیداً لکھا کہ وہ حالات کی رفتار پر کڑی نظر رکھیں اور اس سلسلے میں

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۲۳ -

۲ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۲۳ -

جو کچھ وہاں رو نما ہو اس کی برابر اطلاع دیتے رہیں ۔ اب وہ کسی اہم اقدام کا فیصلہ کر چکا تھا !

مہدی کو جب یہ خبر ملی کہ ہادی نے اس کا خط پھاڑ ڈالا اور قاصد کو مارا پیٹا تو اسے بہت رنج ہوا ۔ اپنی توہین کا اسے غم تو تھا لیکن یہ احساس بھی تھا کہ ہادی پر زیادتی ہوئی ہے ، ورنہ وہ باپ کے دائرۂ اطاعت سے خارج ہونے والا نہیں تھا ۔ اس کی یہ سرکشی اپنے حق کو قائم رکھنے اور اپنے مستقبل کو بربادی سے بچانے کے لیے تھی ۔

لیکن خیزران نے اس سرکش بیٹے کے خلاف علم مخالفت بلند کر دیا ، اور اپنے شوہر کی اہانت کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ، گویا اس توہین کا اصل سبب یہ خود ہی نہیں تھی ۔

مہدی کے بالکل اختیار میں تھا کہ معاملات کے اس حد تک پہنچ جانے کے بعد ، کسی مزید لغویت کو برداشت نہ کرتا ، اور ولی عہدی کے مسئلے کو جوں کا توں رہنے دیتا اور بیوی کے بہکاوے میں نہ آتا جس کی پیش گوئی اس کا باپ کر گیا تھا :

”خبردار اپنے معاملات میں عورتوں کو دخل انداز مت ہونے دینا ، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم ایسا کروگے !“

اور اگر کچھ کرنا ضروری ہی تھا تو بھی کم از کم جرجان کی جنگ کا انتظار کر لیا ہوتا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے ، اختتام جنگ کے بعد بہر حال ہادی واپس آتا ، اور اس وقت کسی بھی حکمت اور تدبیر سے یہ عقدہ حل کیا جا سکتا تھا ۔

لیکن مہدی اب اتنا مغلوب ہو چکا تھا کہ اس نے یہ رائے بھی مان لی کہ بہ نفس نفیس جرجان جائے جہاں اس کا ولی عہد قیام پذیر تھا ۔

چنانچہ اپنے خاص خاص آدمیوں کو لے کر امراء بیت ، ہارون رشید ، اور مصاحبوں کے جھرمٹ میں جرجان کی طرف روانہ ہوا ۔

ہادی کو بھی اطلاع مل گئی کہ مہدی آ رہا ہے ۔ اس خبر نے اسے حد درجہ ملول اور افسردہ کر دیا ، اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنے حق سے محروم ہو کر رہے گا ، بجز اس کے کہ غیب سے کوئی ایسی صورت پیدا

ہو جائے جو اس مصیبت سے اسے بچا لے۔

شروع محرم ۱۶۹ھ (مطابق ۷۸۵ع) میں مہدی اس ناخوشگوار سفر پر روانہ ہوا، یہ سفر اس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے ایک مصاحب کا بیان ہے:

"مہدی نے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بخدا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی کھینچے لیے جا رہا ہے!"[1]

جب وہ نہروان کے قریب ایک مقام ماسبذان پر پہنچا جو بغداد سے چند مراحل کے فاصلے پر تھا تو یہیں پڑاؤ کا حکم دیا، صحت بہت اچھی تھی، لیکن دوسرے دن وہ ناگہانی موت کا شکار ہو گیا۔ — مشکوک موت![2]

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مہدی کی موت کس طرح ہوئی؟ اس باب میں جو روایات ہیں وہ کافی متناقض ہیں۔ حالانکہ موت کسی گوشۂ تنہائی میں نہیں واقع ہوئی، اچھی خاصی تعداد لوگوں کی اس وقت موجود تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ:

"مہدی شکار کے لیے نکلا، گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے ایک ہرن کا تاک کر نشانہ کیا۔ وہ لوٹ پوٹ کر ایک خرابے کے دروازے میں گھس گیا، شکاری کتوں نے اس کا تعاقب کیا۔ گھوڑا بھڑکا، مہدی گر پڑا، کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی وقت اس نے جان دے دی!"[3]

ایک دوسرا قول یہ ہے:

"مہدی کے ساتھ جو باندیاں آئی ہیں، ان میں سے ایک نے دوسری جاریہ کو جسے وہ اپنی سوت سمجھتی تھی اور بے حد نفرت کرتی تھی۔ زہر ملا ہوا کھانا بھیجا، جو غلام کھانا لے کر جا رہا تھا وہ اس باغ کی طرف سے گزرا جہاں مہدی ایک گوشۂ باغ میں بیٹھا ہوا تھا،

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۲۳۔

۲۔ ابن الاثیر، جلد ۹، صفحہ ۵۳۔

۳۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۲۴۔

مہدی کی اس پر نظر پڑی ۔ اس نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا ، کھانا دیکھا ۔ اور اسے کھا لیا ، زہر نے اپنا اثر کیا اور مہدی نے گردن ڈال دی!"(۱)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

"مہدی کی ایک باندی نے امرود کھانے کی خواہش ظاہر کی ۔ مہدی اسے بہت چاہتا تھا ، ایک دوسری باندی نے زہر ملا ہوا امرود اسے تحفے کے طور پر بھیجا ۔ جو شخص امرود لے کر جا رہا تھا وہ مہدی کے سامنے سے گزرا ، مہدی نے اس میں سے اچھے اچھے چن لیے ، یہی زہر آلود تھے ۔ اس نے یہ امرود کھائے اور مر گیا !"(۲)

جہشیاری کی روایت دوسری ہے :

"مہدی کی وفات سے متعلق مشہور خبر یہ ہے کہ اس نے زہر آلود حلوا کھایا ۔ اور کھاتے ہی مر کر گر پڑا !"(۳)

یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آتی کہ اس حد تک مہدی کی موت کے اسباب مجہول ہو سکتے ہیں ، کچھ پتا نہیں چلتا کہ ہرن کے شکار میں مرا ، یا امرود کھا کر ، یا حلوا نوش جاں کرکے ؟ حالانکہ اس کے ارد گرد حاشیہ نشینوں ، خادموں ، اور باندیوں کا جھرمٹ تھا ۔

بہر حال مہدی کی موت کے اسباب و عوامل کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی موت مجرمانہ اقدام و عمل کا نتیجہ تھی ۔ اور جو لوگ اس راز سے واقف تھے انہوں نے ہنگامہ آرائی ، فتنہ و فساد ، اور افتراق و اختلاف کے اندیشے سے اسے چھپائے رکھا ۔

یا پھر دوسرے الفاظ میں صاف بات یہ تھی کہ لوگوں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ بات اس لیے پوشیدہ رکھی کہ مجرم کوئی معمولی

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۲۳ ۔
۲ ۔ ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ۳۵ ۔
۳ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱٦۸ ۔

شخص نہیں بلکہ ولی عہد مملکت موسیٰ ہادی تھا اور وہ باپ کے مرتے ہی مسند خلافت پر فائز ہو گیا ، اور کسی میں یہ حوصلہ نہیں تھا کہ حادثہ واقع ہونے کے بعد اس کی اصل حقیقت سے لوگوں کو واقف کرتا ——— اور میرے خیال میں یہی بات صحیح ہے۔

مشہور مؤرخ ابن کثیر نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے :

''مہدی ایسی موت مرا ، جو شک و شبہہ کی طرف دعوت دیتی ہے !''[1]

ابن قتیبہ نے اور زیادہ وضاحت کر دی ہے اور صاف الفاظ میں کہا ہے :

''خلیفہ مہدی نے جب یہ فیصلہ کیا کہ ولی عہد اول موسیٰ ہادی کے بجائے ہارون رشید کو بنا دیا جائے ، تو ہادی اسے برداشت نہیں کر سکا ، اس نے بعض باندیوں کو اپنے باپ کے خلاف آمادۂ عمل کیا ، جنھوں نے چوری چھپے اسے زہر دے کر ہلاک کر ڈالا !''[2]

ابن قتیبہ نے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ اور زیادہ وضاحت اور صراحت کے ساتھ کہا :

''مہدی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسے زہر دیا گیا ہے ، اور یہ کہ زہر موسیٰ ہادی ، اس کے بیٹے اور ولی عہد نے دیا ہے !''[3]

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۵۵ -

۲ - الامامۃ و السیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۰ -

۳ - الامامۃ و السیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۱ -

ہادی مسند خلافت پر متمکن ہوتا ہے

ہارون رشید نے ہادی کی بیعت کر لی

مہدی کی وفات کے بعد جو ۲۲ محرم ۱۶۹ھ (مطابق ۷۸۵ع) کو واقع ہوئی ، اس حادثے کا اثر یہ ہوا کہ ہارون رشید کو ولی عہد اول بنانے کی سازش اور کوشش ناکام ہوگئی اور یہ اس وقت ہوا جب کامیابی کی منزل بالکل قریب آ گئی تھی ۔ اب یحییٰ بن خالد برمکی اور اس کے ساتھیوں کی بھی آنکھیں کھلیں ۔ چنانچہ ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا ، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ۔ اب چاہیے کہ بغیر کسی مزاحمت کے تاریخ اپنا سفر جاری رکھے ۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداران جیش اور رؤسائے موالی جو اس سفر میں مہدی کے ساتھ تھے ، ہارون رشید کے پاس مہدی کی خبر وفات سن کر حاضر ہوئے اور اس سے سوال کیا :

''اب آپ کون سی تدبیر اختیار کرنا چاہتے ہیں ؟ اگر فوج کو مہدی کی وفات کا علم ہوگیا تو ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا ۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے واپس جانے کا حکم دیا جائے اور ہم خلیفے کی نعش لے کر بغداد جائیں اور وہیں اسے دفن کر دیں ۔''

ہارون رشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو طلب کیا اور اس سے صلاح لی ۔ اس نے کہا :

''میری تو یہ رائے نہیں ہے ، کیونکہ مہدی کی خبر وفات چھپی نہیں رہ سکتی ، فوجیوں کو جب خلیفے کی وفات کا علم ہوگا تو وہ نت نئے مطالبات شروع کر دیں گے اور کئی سال کی تنخواہ طلب کریں گے ۔ ورنہ فساد پر اتر آئیں گے ، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ خلیفے کو

یہیں دفن کر دیا جائے ۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پوشیدہ طور پر انگشتری اور عصا ہادی کو بھیج دیجیے اور ہر فوجی کو دو سو درہم عنایت کیجیے ۔ اس کے بعد انہیں واپس جانے کا حکم دیجیے پھر کوئی چون و چرا نہیں کرے گا ، سب چپ چپاتے گھر سدھار جائیں گے !"

رشید نے اس رائے پر عمل کیا ۔ باپ کی نماز جنازہ کے بعد اسے ایک قریے میں جس کا نام الرذ تھا دفن کر دیا ۔ الرذ ماسبذان کے قریوں میں سے ایک قریہ تھا۱ ۔

مہدی کی تدفین کے بعد ہارون رشید نے ان تمام لوگوں کو جو ساتھ آئے تھے ، جمع کیا اور ان سے اپنے بھائی موسیٰ کی خلافت پر بیعت لی ۔ اس کے بعد پہلے لشکر کو روانہ کیا اور پیچھے پیچھے خود بھی بغداد کی جانب چل پڑا۲ ۔

یہ لوگ جب بغداد واپس آئے تو خیزران نے ربیع بن یونس اور یحییٰ بن خالد برمکی کو بعض امور پر مشورہ کرنے کے لیے طلب کیا ۔ ربیع تو حاضر ہو گیا ، لیکن یحییٰ نہیں آیا ۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یحییٰ نے اس لیے حاضر ہونے میں لیت و لعل سے کام لیا کہ وہ جانتا تھا ہادی کارپردازان حکومت سے خیزران کا میل جول پسند نہیں کرتا ۔

لیکن امر واقعہ یہ نہیں ہے ، بلکہ یہ ہے کہ یحییٰ بہت اچھی طرح یہ بات جانتا تھا کہ خیزران حد درجہ بد دماغ عورت ہے اور جب اسے غصہ آ جاتا ہے تو کسی کی نہیں رکھتی ۔ یحییٰ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر ربیع بن یونس کے ساتھ وہ خیزران کی خدمت میں حاضر ہوا تو لامحالہ ایسی باتیں چھڑ جائیں گی جنہیں اب تک وہ ربیع سے پوشیدہ رکھتا آیا تھا اور اب بھی اس کے سامنے ان کا انکشاف مناسب نہیں سمجھتا تھا ۔ کیونکہ پھر یہ باتیں ہادی کے کان تک بھی پہنچتیں اور وہ پہلے ہی سے

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۲۶ ۔

۲ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۵۸ ۔

اس کے خلاف بھرا بیٹھا تھا ۔ اب مزید اس کی خفگی مول لینا خلاف دانش تھا ۔ لہذا اس نے عافیت اس میں سمجھی کہ خیزران کے سامنے حاضر ہی نہ ہوا ۔

مہدی کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ، خلیفہ موسیٰ ہادی اپنے پایۂ تخت بغداد میں وارد ہو گیا ۔ جب کہ ہارون رشید اس کے لیے لوگوں سے بیعت لے چکا تھا اور گورنروں اور عہدےداران مملکت کو نئی خلافت کے قیام کی اطلاع دے چکا تھا ۔

امرائے شہر ، سرداران قوم اور عمائد حکومت نے شہر سے باہر نکل کر نئے خلیفے کا استقبال کیا ۔ ان لوگوں میں سب سے پیش پیش یحییٰ بن خالد برمکی تھا ۔ یحییٰ نے خلیفے کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس منصب کے جلیل حصول پر مبارک باد پیش کی اور ایسی نیاز مندی اور جوش طاعت کا مظاہرہ کیا ، گویا اس سے پہلے کچھ ہوا ہی نہیں تھا ۔

ہادی نے جب یحییٰ کا یہ عالم دیکھا اور اسے یہ علم ہوا کہ خیزران کی طلبی کے باوجود یہ وہاں نہیں گیا اور یہی تھا جس نے ہارون کو ترغیب دی تھی کہ فوراً بیعت کر لے اور سابقہ طرز عمل کو یک سر فراموش کر دے ، تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ سیاست کے مسلمہ اصول ''بھول جاؤ'' پر عمل کرے اور در گزر سے کام لے ۔ چنانچہ اس نے یحییٰ کے خلاف نہ صرف کوئی اقدام نہ کیا بلکہ اسے اس کے منصب پر بحال رکھا اور اسے اجازت دی کہ بدستور ہارون کے معاملات و انتظامات سر انجام دیتا رہے[1] ۔

اب ہادی کی کوشش یہ تھی کہ ماں سے صلح کر لے اور ماضی کے واقعات کو فراموش کر دے ۔ ویسے بھی خیزران سے اب توقع یہ تھی کہ جوان مرگ شوہر کے بعد حالات کا رخ دیکھ کر سبق لے گی اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر جو کچھ اب تک کرتی رہی تھی اسے بھول جائے گی اور خاموشی سے شوہر کا سوگ منائے گی اور بیٹے کو اس کے حال پر چھوڑ دے گی کہ قسمت نے اس کا ساتھ دیا تھا اور اب وہی

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ٦٥ ۔

مکمل طور پر با اقتدار و با اختیار تھا ۔ لیکن اس نے یہ کچھ نہیں کیا ، بلکہ حسب سابق معاملات حکومت میں دخل اندازی شروع کر دی اور اپنے در پر آنے والے حاجت مندوں کی سعی سفارش ، ضد اور اصرار کے ساتھ جاری رکھی ۔ جس طرح شوہر کی زندگی میں خاندان برمک سے اس کا تعلق تھا ، وہ نہ صرف قائم رہا ، بلکہ اب کچھ اور زیادہ مضبوط ہو گیا ۔

شروع شروع میں ہادی نے کوئی ایسا موقع نہیں آنے دیا ۔ جو خیزران کی برہمی اور عتاب کا سبب بنتا ، البتہ یہ بات وہ وقتاً فوقتاً اس تک پہنچاتا رہا کہ عورتوں کو مردوں کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے[1] ۔ لیکن خیزران نے ایک نہ سنی اور برابر اپنے حدود اختیار سے تجاوز اختیار کرتی رہی ۔

آخر اس نے ماں سے کہہ دیا :

"میں چاہتا ہوں آپ حرم کے باہر جو امور ہیں ان میں دخل اندازی نہ فرمائیں ، کیونکہ عورتوں کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ حکومت کے معاملات میں مداخلت کریں ۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ نماز روزے سے کام رکھیے ، تسبیح و تہلیل میں وقت صرف کیجیے ، اس کے بعد بے شک میں آپ کی اطاعت کروں گا[2] !"

لیکن ہادی کی اس تنبیہ کا اگر خیزران پر کوئی اثر ہوا تو یہ کہ وہ اور زیادہ شدت زور اور اصرار کے ساتھ حکومت کے معاملات میں دخیل ہونے لگی ، یہاں تک کہ اس مداخلت نے بہت سے سرکاری کاموں کو چوپٹ کر دیا ۔ اس کے دروازے پر حاجت مندوں اور سفارش چاہنے والوں کا ہر وقت انبوہ جمع رہتا تھا ۔ بالکل اس طرح جیسا مہدی کے زمانے میں ہوا کرتا تھا ۔

ایک روز خیزران ہادی کے پاس ایک کام پورا کرانے کے لیے آئی ۔ وہ اس کام کو سرانجام دینے پر آمادہ نہیں ہوا ، لیکن خیزران کا اصرار

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۴۷ ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۶۹ ۔

جاری رہا ۔ اس نے کہا :

''یہ کام تو تمھیں کرنا ہی پڑے گا !''

ہادی نے کہا :

''میں نہیں کر سکتا !''

خیزران نے اور زیادہ اصرار کے ساتھ کہا :

''تمھیں کرنا پڑے گا !''

ہادی نے کہا :

''ہرگز نہیں !''

خیزران نے کہا :

''میں عبداللہ بن مالک[1] کی یہ ضرورت پوری کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں !''

موسیٰ ہادی کا چہرہ وفور غضب سے تمتما اٹھا اس نے کہا :

''خدا اس شخص سے سمجھے ، خدا کی قسم میں آپ کے کہنے سے یہ کام نہیں کروں گا !''

خیزران نے پر عتاب لہجہ میں کہا :

''خدا کی قسم اب تجھ سے میں کسی کام کو نہیں کہوں گی !''

ہادی نے جواب دیا ۔ ''مجھے اس کی کوئی پروا نہیں !''

خیزران سارے بدن سے کھڑی کانپ رہی تھی ۔ شدت غضب سے اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی ۔ ہادی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا :

''میری بات غور سے سنیے ، بخدا مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے ایک گونہ تعلق ہے ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرا کوئی سردار فوج یا حاکم یا مصاحب آپ کے دروازے پر پہنچا ہے ، تو اس کا سر قلم کردوں گا اور اس کا سارا مال و منال ضبط کر لوں گا ، آخر ہر روز صبح و شام یہ ٹھٹھ کا ٹھٹھ کیوں آپ کے دروازے پر لگا رہتا ہے ؟ کیا آپ کے پاس کوئی چرخہ

---

۱ ۔ یہ خلیفہ کی محافظ جماعت کا سردار تھا ۔

نہیں کہ بیٹھ کر سوت کاتیں؟ نہ قرآن ہے کہ اس کی تلاوت کریں، نہ کوئی گوشہء عافیت ہے کہ چپ چاپ وہاں وقت گزاریں؟ خبردار، خبردار، آپ کا دروازہ اب میرے کسی آدمی کے لیے کبھی نہ کھلے!"

خیزران ہادی کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی، چلی گئی۔ حالت یہ تھی کہ پاؤں رکھ کہیں رہی تھی پڑ کہیں رہا تھا ۱۔

اس کے بعد ہادی نے اپنے سرداران فوج، حکام و عمائد اور مقربین بارگاہ کو ایک مجلس میں طلب کیا اور ان سے پوچھا:

"کون زیادہ بہتر ہے، میں یا تم؟"

سب نے جواب دیا:

"امیرالمومنین آپ!"

ہادی نے پھر سوال کیا:

"کون زیادہ بہتر ہے، میری ماں یا تمہاری ماں؟"

سب نے جواب میں کہا:

"امیرالمومنین آپ کی والدہ!"

اس کے بعد ہادی نے ایک سوال اور کیا:

"کیا تم میں سے کوئی اسے گوارا کر سکتا ہے کہ لوگ اس کی ماں کے بارے میں چرچا کریں، کوئی کہے فلاں شخص کی ماں نے یہ کہا اور فلاں آدمی کی ماں نے یہ کیا؟"

سب لوگوں نے عرض کیا:

"نہیں امیرالمومنین کوئی شخص بھی اسے گوارا نہیں کر سکتا!"

ہادی نے کہا:

"پھر کیا بات ہے کہ لوگ میری ماں کے دروازے پر پہنچتے ہیں اور پھر اس کی باتوں اور کاموں کے متعلق چرچا کرنے لگتے ہیں؟"

لوگ خاموش ہوگئے اور سمجھ گئے، خلیفہ کیا چاہتا ہے اور اس کے بعد سے لوگوں نے خیزران کے ہاں جانے سے توبہ کر لی۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۷۰۔

خیزران کو یہ معلوم ہوا تو اسے بہت صدمہ ہوا ۔ اس نے بیٹے سے بالکل کنارہ کشی کر لی اور قسم کھائی کہ اب اس سے زندگی بھر بات نہیں کرے گی ۔ حتیٰ کہ اپنے ذاتی اور نجی معاملات پر بھی اس سے کسی طرح کی گفتگو نہیں کرے گی[1] ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خیزران کی پبلک زندگی بالکل ختم ہو گئی اور ہادی پورے طور پر تمام معاملات اور امور مملکت پر حاوی ہو گیا ، اس نے بھی ماں سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور اس کی حاجت و ضروریات کی طرف سے بالکل منہ موڑ لیا ، سوائے اس کے کہ کبھی کبھی اس کی خیریت دریافت کر لیتا ۔ اس طرح ماں اور بیٹے میں عداوت اور دشمنی حد کمال تک پہنچ گئی اور یہ سب کچھ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چند ہی ماہ کے اندر ہو گیا ۔

ہارون رشید کا حال اور زیادہ ابتر تھا ، مملکت کے غربی حصے کی گورنری عملاً معطل ہو چکی تھی ، اگرچہ باضابطہ طور سے ہادی نے اسے معزول نہیں کیا تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی باپ کے کیے پر پانی پھیر دیا ، البتہ اس کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت پر نگرانی سخت کر دی ، یحییٰ کو بھی بحال رکھا لیکن وہ بھی حد درجہ دل تنگ تھا ، جاسوس اور مخبر ہر وقت گھات میں لگے رہتے اور دم بہ دم کی خبریں ہادی کو پہنچاتے تھے ۔

خلیفہ اور اس کے بھائی کے مابین ایک دیوار کھڑی ہو گئی تھی ، موسیٰ ہادی کے دل میں حسد ، نفرت اور برہمی کے سوا کچھ نہ تھا اور ہارون خوف و دہشت میں مبتلا تھا ۔

روایت ہے کہ ایک روز ہادی ، اپنی مجلس خاص میں بیٹھا تھا کہ خادم حاضر ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ ہارون رشید آ رہا ہے ، خلیفے نے اذن باریابی عطا فرمایا ۔

ہارون نے حاضر ہو کر خلیفے کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے داہنے طرف ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا ، موسیٰ ہادی نے گردن جھکا لی پھر

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷۱ ۔

بھائی کو دزدیدہ نظروں سے تھوڑے تھوڑے وقفے سے دیکھنا شروع کر دیا پھر اس سے کہا:

''ہارون ہاں وہ خواب کیا تھا؟ وہی شاخ سرسبز والا خواب؟ تم اس چیز کے آرزومند ہو جس سے تم بہت دور ہو۔ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں، کیا واقعی تم خلافت کے آرزومند ہو؟''

ہارون زانوں کے بل سنبھل کر بیٹھ گیا اور گویا ہوا:

''اے موسیٰ! اگر آپ نے جبر کیا تو خوار ہوں گے، اگر تواضع کا برتاؤ کیا، سربلند ہو جائیں گے، اگر ظلم کیا تو خود بھی ہدف بنیں گے، اگر امر خلافت میرے پاس آیا تو میں ان لوگوں کے ساتھ انصاف کروں گا جن پر آپ نے ظلم کیا ہو گا، جو شاخ آپ نے کاٹ دی ہو گی، اسے میں پھر سے گاڑ دوں گا، آپ کی اولاد کو اپنی اولاد سے اعلیٰ اور برتر طریقے پر رکھوں گا اور ان کی بیویوں کو اپنی لڑکیاں سمجھوں گا اور خلیفہ مرحوم کا جو حق ہے اسے ادا کروں گا۔''

موسیٰ خوش ہو گیا اور مسکرانے لگا، اس نے کہا:

''ابو جعفر میرا تمہارے بارے میں یہی خیال تھا، آؤ میرے قریب آ جاؤ!''

ہارون قریب آ گیا اور ایک مرتبہ پھر اس نے خلیفے کے ہاتھ چومے اور دوبارہ اپنی جگہ واپس جانے لگا، موسیٰ ہادی نے کہا:

''اس مرد بزرگ، یعنی خلیفہ منصور کی قسم، تمہیں میرے پاس ہی بیٹھنا ہوگا۔''

پھر اس نے صدر مجلس میں اپنے پاس بٹھایا، اس کے بعد اپنے وزیر ابراہیم الحرانی سے کہا:

''ابھی میرے بھائی کے ساتھ ایک لاکھ دینار کر دو اور جب خراج کی رقم آئے تو اس میں سے نصف ہارون کو پہنچا دو اور اسے ہمارے خزانہ عامرہ تک لے جاؤ، وہاں جو کچھ یہ پسند کرے، دے دو۔''

پھر ہارون رشید جانے کے لیے اٹھا تو ہادی نے اپنے خادم خاص صالح سے کہا:

"اس کی سواری یہاں فرش تک لا کر کھڑی کر دو"[۱]۔

اس واقعہ کے بعد کچھ عرصے تک دونوں بھائیوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف رہے اور شاید رہتے ، اگر قصر خلافت کی سازشیں کار فرما نہ ہوتیں ، خواہشات ، منافات اور ترغیبات کا ایک سلسلہ تھا ، جس نے سیاست خانہ کو ڈانواں ڈول کر رکھا تھا ۔

خیزران اب تک برہم تھی اور بھری بیٹھی تھی ۔ آل برمک کی خواتین اس کے ساتھ تھیں ، ان کا کام ہی یہ تھا کہ ماں اور بیٹے کے درمیان مخالفت اور عداوت کی آگ بھڑکائیں ، یحییٰ کو بھی اس میں اپنی بھلائی نظر آتی تھی ان سازشوں کی کامیابی ہی اس کی افسردہ اور مضمحل زندگی میں رعنائی اور شادابی پیدا کر سکتی تھی ، صرف اسی طرح جلد یا بہ دیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا تھا ۔

خیزران اور یحییٰ اور خواتین آل برمک کے علاوہ نئے خلیفے کے حاشیہ نشینوں اور ہواخواہوں میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جنھیں ماضی قریب کی تلخیاں یاد تھیں ، یہ برابر ہادی کو یحییٰ کے خلاف اکسایا اور بھڑکایا کرتے تھے اور وہ واقعات یاد دلایا کرتے تھے۔ انجام کار جن کا نتیجہ مہدی کی موت کی صورت میں نکلا ۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یحییٰ کو ہدف انتقام بنایا جائے اور مبتلائے مصیبت کیا جائے ۔ کیونکہ یہی شخص تھا جو ہارون کو ولی عہد اول بنانے کی سرگرم کوششیں کر رہا تھا ، تاکہ خلافت کی باگ ہارون کے ہاتھ میں آئے اور وہ مملکت کا پورے طور پر حاکم اور فرماں روا بن جائے ۔

ایک روز ہادی نے اپنے سرداران فوج ، حکام وزرا اور عمائد کو جمع کیا ، اور دل کی بات زبان پر لے آیا ، یعنی یہ کہ ولی عہدی سے ہارون رشید کو محروم کر دیا جائے اور یہ منصب اس کے کم عمر لڑکے جعفر

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷۸ ۔

بن موسیٰ کو بخش دیا جائے ـــــ جعفر بن موسیٰ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی ۔

حاضرین میں سے بعض نے اس تجویز کی مخالفت کی اور اپنے خیال کی تائید میں دلائل اور بیانات بھی پیش کیے ، لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جنھوں نے اس تجویز کو بہت زیادہ پسند کیا اور چاہا کہ جو کچھ ہادی کی مرضی ہے وہی ہو ۔ ان کا خیال تھا یحیٰی بن خالد ہارون رشید پر بری طرح حاوی ہے ، اور اگر حکومت ہارون کے ہاتھ میں آ گئی تو حالات ابتر ہو جائیں گے ۔

یہ لوگ جو ہادی کی تجویز کے موید تھے ، معمولی لوگ نہیں تھے۔ ان میں بڑی بڑی شخصیتیں شامل تھیں ، مثلاً یزید بن مزید شیبانی، محمد بن فروخ ازدی اور علی بن عیسیٰ بن ماہان وغیرہ ۔

لیکن جو شخصیتیں اس تجویز کی مخالف تھیں وہ بھی معمولی نہیں تھیں بلکہ اپنا ایک خاص مقام اور مرتبہ رکھتی تھیں ۔ انھوں نے بڑے شاندار کارنامے سرانجام دیے تھے ، اور ان کی خدمات ایسی نہیں تھیں جو نظر انداز کی جا سکتیں ۔

ان میں سب سے نمایاں شخصیت فضل بن ربیع کی تھی جو ہادی کا حاجب تھا ، اور خلیفے کا بہت زیادہ معتمد اور مقرب بارگاہ تھا ۔

فضل رشید سے محبت کرتا تھا ۔ اور زبیدہ کو بھی بہت پسند کرتا اور عزیز رکھتا تھا ۔ اسے زبیدہ کے دادا منصور کے وہ احسانات یاد تھے جو اس نے اس پر اور اس کے باپ ربیع بن یونس پر کیے تھے ، جب کہ یہ اس کا وزیر خوش تدبیر تھا ، لیکن فضل یحیٰی برمکی سے حد درجہ نفرت کرتا تھا ، اور جب بھی موقع ملتا خلیفہ ہادی کو اس کے خلاف اکسایا کرتا اور اس کے خطرے سے ڈراتا رہتا تھا ۔

دوسری ہستی ابراہیم بن ذکوان الحرانی الاعور کی تھی ۔ یہ مہدی کے وقت سے ہادی کا معتمد اور مقرب بارگاہ چلا آ رہا تھا ۔ جس زمانے میں ہادی اور رشید کے مابین مسئلہ ولی عہدی سے متعلق کشمکش اور نزاع

۱۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۰۹ ۔

جاری تھی ، ابراہیم پورے خلوص اور وفاداری کے ساتھ ہادی کا دم بھر رہا رہا تھا ۔ جوش وفاداری میں کئی کام اس نے ایسے کیے جن سے مہدی ناخوش ہؤا ، بلکہ اس درجہ برہم ہؤا کہ فوراً حاضر خدمت ہونے کا حکم بھیجا ، اور قسم کھائی کہ اسے قتل کر کے رہے گا ۔ لیکن اپنی قسم پوری کرنے سے پہلے وہ خود خدا کے حضور میں پہنچ گیا ۔ ہادی نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسے وزیر بنا لیا ۔ یہ صحیح معنی میں اس کا محرم اسرار اور رفیق جان نثار تھا ۔ البتہ یحییٰ بن خالد برمکی سے اس کا یارانہ تھا ۔ اسے ہادی کے راز بتایا کرتا تھا ۔ اپنے خاص آدمی اسماعیل بن صبیح کو ذریعہ بنا رکھا تھا وہی ادھر کی خبر اُدھر لے جایا کرتا تھا ، کسی زمانے میں یہ شخص یحییٰ کا کاتب بھی رہ چکا تھا[1] ۔

موسیٰ ہادی نے پورے طور پر اپنے آپ کو مستحکم کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی ہارون رشید سے مطالبہ کیا کہ وہ ازخود بہ رضا و رغبت اپنے بھتیجے جعفر بن ہادی کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے ۔ وعدہ کیا کہ اگر اس نے تعمیل حکم کی تو مالا مال کر دیا جائے گا ۔ خیر کثیر اور اجر جزیل کا سزاوار قرار پائے گا ، ہارون اتنی تاب و مجال کہاں رکھتا تھا کہ انکار کرتا ؟ اپنے حق سے دستبردار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا ، لیکن یحییٰ آڑے آیا ، اس نے ہارون کو حوصلہ دلایا اور سمجھایا کہ دستبردار ہونے کے بجائے اپنے حق سے چمٹا رہنا چاہیے[2] ۔

یہ بات ہادی تک بھی پہنچی، اس نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا، قربت کا شرف عطا کیا ، اور بے اندازہ دولت عطا فرمائی اور ہر طرح سے اسے رام اور اسیر دام کرنے کی کوشش کی ، لیکن یحییٰ کی روش میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اپنی بات پر اڑا رہا ۔ آخر تنگ آ کر اسے قید کر دیا اور ایک عرصہ تک اسے جیل میں محبوس رکھا ، پھر اس امید پر رہا کیا کہ شاید راہ راست پر آ گیا ہو اور یہ ہارون کو دستبرداری سے نہ روکے ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۶۸ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۶۸ ۔

لیکن یحییٰ میں کوئی فرق نہیں آیا ، ہادی نے پھر اسے اپنے حضور میں طلب کیا ، حاضرین کے سامنے اسے اپنے بالکل قریب بٹھایا ، اتنا قریب بٹھایا کہ بالکل آمنے سامنے دونوں ہو گئے پھر کہا :

''یحییٰ ! میں نے تجھ پر ظلم کیا ، تجھے اسیر زنداں کیا ، تیری بھلائیوں کا بدلہ برائیوں سے دیا ۔ کیا تو مجھے معاف کر دے گا؟''

ہادی کی یہ باتیں سن کر حاضرین دنگ اور ششدر رہ گئے ۔ اتنے بڑے مخالف کا یہ اعزاز و اکرام ! یحییٰ نے ہادی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کا شکریہ ادا کیا ۔ پھر ہادی نے پوچھا :

''وہ کون ہے جس نے تیرے متعلق یہ شعر کہا ہے ع

لولمیس البخیل راحۃ یحییٰ
لسخت نفسہ ببذل النوال

یعنی :

اگر کوئی بخیل یحییٰ کے دست فیاض کو چھو لے تو وہ خود بھی سخی داتا بن جائے گا ۔''

یحییٰ نے جواب میں عرض کیا :

''امیرالمومنین یہ دست فیاض آپ کا ہے ، نہ کہ آپ کے غلام یحییٰ کا!''[1]

ہادی نے یحییٰ کو اپنے پاس بٹھائے رکھا ، یہاں تک کہ سب لوگ رخصت ہو گئے ۔ تنہائی میں پھر اس نے بیعت جدید کا سوال چھیڑا ، یحییٰ نے عرض کیا :

''امیرالمومنین اگر آپ نے لوگوں کو عہد شکنی پر آمادہ کیا تو پھر یہ کام (آیندہ بھی) ان کے لیے بہت آسان ہو جائے گا ، لیکن اگر آپ نے ہارون کو اس کی جگہ باقی رکھا اور جعفر بن ہادی کے لیے ولی عہد دوم کی بیعت لی تو یہ بنیاد زیادہ مستحکم ہوگی !''

ہادی نے مطمئن ہو کر جواب دیا :

''تم نے ٹھیک کہا اور پتے کی بات بتائی !''[2]

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷۳ -
۲ - ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ٦٦ -

اپنے اوائل ایام خلافت میں ہادی نے قصر خلد میں بود و باش رکھی - لیکن جب ماں سے ان بن ہوگئی اور اختلاف بڑھتا گیا، تو اس نے یہاں سے ہٹ جانے کا فیصلہ کر لیا - چنانچہ قصر خلد سے منتقل ہو کر بستان ابو جعفر میں آ رہا، کچھ عرصے بعد رصافہ کے قریب عیسا باذ میں منتقل ہو گیا - یہاں اس نے ایک نہایت شان دار محل تعمیر کرایا جس کا نام "قصر ابیض" (سفید محل) رکھا - ہارون رشید بدستور قصر خلد میں ماں کے ساتھ مقیم رہا - یحییٰ بن خالد برمکی اپنے دونوں بیٹوں، فضل اور جعفر کے ساتھ یہاں اکثر آتا رہتا تھا - قصر خلد کا سازشی گروہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑتا تھا کہ مبادا وہ ہادی کے ساتھ ہو جائے اور ہارون کی دست برداری سے اتفاق کر لے[1] اور ولی عہدی اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور جب کبھی بھی ہارون پر ہادی کا عتاب شدت اختیار کرتا اور یحییٰ محسوس کرتا کہ اسے جبر و جور کے سامنے کہیں جھکنا نہ پڑے تو اس کا ارادہ اور پختہ ہو جاتا اور وہ وقار سلطانی اور مجد خلافت کا سوال پیدا کر کے بات ٹال دیتا[2] -

اخبار و روایات سے منقول ہے کہ ہارون ایک مرتبہ ہادی کی پیدا کی ہوئی مشکلات اور پابندیوں سے دل تنگ ہو کر جب کہ ولی عہدی سے دست برداری کی صورت میں اسے ھنی و مری[3] کی پیش کش کی گئی تھی - یحییٰ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤں تا کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ملے!"

یحییٰ نے کہا:

"خبردار، ایسا ہرگز مت کرنا!"

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۷۱ -

۲ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۷۲ -

۳ - ھنی و مری، دو نہروں کا نام ہے - جو نواحئی رقہ میں واقع تھیں - ان نہروں کو ہشام بن عبدالملک نے کھدوایا تھا - (معجم البلدان)

ہارون رشید نے یہ سن کر کہا:

''اگر مجھے ھنی اور مری مل جائیں اور اپنی بنت عم — زبیدہ — سے خلوت میسر ہو پھر مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے!''

یحییٰ نے جواب دیا:

''اور پھر خلافت ہے؟ شاید تمہارے نصیب ہی میں اس منصب تک پہنچنا نہیں ہے!''

پھر اس نے ہارون کو بہت زیادہ قائل معقول کر کے اس ارادے سے باز رکھا[1]۔

شدہ شدہ یہ بات ہادی تک بھی پہنچی اور اسے بہت بری لگی۔ اس نے یحییٰ کو بہت برا بھلا کہا اور دھمکی دی۔ پھر حکم دیا، اسے گرفتار کر لیا جائے، اسے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں مقید کر دیا گیا۔ اس نے جیل سے ہادی کو ایک خط لکھا، جس میں عرض کیا تھا، میں ایک بہت اہم بات امیرالمومنین کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، جس میں ان کا بھلا ہے۔ ہادی نے اسے طلب کیا جب کہ وہ حاشیہ نشینوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا، وہ لایا گیا تو پوچھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

اس نے عرض کیا:

''مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے خلوت میں عرض کروں گا!''

ہادی نے مجلس برخاست کر دی، اب یحییٰ نے عرض کیا:

''امیرالمومنین کیا آپ کا خیال ہے کہ اسے موت نہیں آئے گی؟ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے پہلے اٹھا لے، کیا آپ کا خیال ہے کہ لوگ راضی خوشی ابو جعفر بن ہادی کی ولی عہدی تسلیم کر لیں گے، جب کہ وہ صرف آٹھ سال کا بچہ ہے؟ اسے اپنی نماز کا امام اور حج کا امیر بنا لیں گے؟''

---

۱ - الجہشیاری، صفحہ ۱۶۹ -

ہادی نے جواب دیا:
''نہیں میرا تو ایسا خیال نہیں ہے!''
یحییٰ نے پھر عرض کیا:
''کیا آپ اس بات کا اندیشہ نہیں کرتے کہ خلافت کی چاہ آپ کے فلاں فلاں اکابر خاندان کو بھی ہے، اور دوسرے بھی اس کے آرزو مند ہیں۔ اس حالت میں آپ اپنے باپ کے بیٹے کو محروم کیے دے رہے ہیں؟ خدا کی قسم اگر خلیفہ مہدی نے ہارون کے لیے بیعت نہ لی ہوتی، تو آپ کو چاہیے تھا کہ اسے ولی عہد بنا دیتے، پھر یہ کب سزاوار ہے کہ آپ اس صورت میں اسے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیں جب کہ اس کی ولی عہدی پر کسی اور نے نہیں خود مہدی نے بیعت لی تھی؟ میری رائے یہ ہے کہ اپنے بھائی کو علی الحال اس کے منصب پر باقی رہنے دیجیے۔ جب ابو جعفر بڑا ہو جائے گا، میں خود اسے لے کر رشید کے پاس جاؤں گا۔ وہ یقیناً از خود دست بردار ہو کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا!''
ہادی سر جھکائے ایک سحر زدہ کی طرح یحییٰ کی باتیں سنتا رہا، اس کی منطق قوی اور بیان واضح سے بہت متاثر ہوا، کہنے لگا:
''یحییٰ تو نے سچ کہا، خدا کی قسم تو نے میرے سامنے وہ نقطۂ فکر رکھا ہے جدھر اب تک میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا!''
پھر حکم دیا فوراً یحییٰ کو رہا کر دیا جائے[1]۔
قبل اس کے کہ یحییٰ ہادی کے پاس سے رخصت ہوتا، کافی دیر تک دونوں میں اخلاص اور محبت کے ساتھ مختلف امور و معاملات پر باتیں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ہادی نے کہا:
''میں چاہتا ہوں کہ ہارون سے بات کر کے اس سے وہ انگشتری حاصل کر لوں، جیسے وہ استعمال کرتا ہے اور جو میرے باپ کی دی ہوئی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ خود اسے پہنوں، کیونکہ والد مرحوم بھی اپنے ایام خلافت میں اسے استعمال کیا کرتے تھے!''

---
۱ - ابن الاثیر، جلد ٦، صفحہ ٦٦ -

یحییٰ نے یہ سن کر عرض کیا:

"امیرالمومنین آپ انگشتری کی بات کر رہے ہیں؟ خدا کی قسم ایک مرتبہ ہم دونوں قصر جاتے ہوئے پل پر سے گزر رہے تھے۔ اُس دن ہارون بہت زیادہ افسردہ اور دل گیر تھا۔ میں نے یہی بات انگشتری والی چھیڑ دی۔ اس نے کہا، میرے بھائی کے قبضہ قدرت میں ساری دنیا کے خزانے ہیں اور اب اس انگشتری پر بھی اس کی نگاہ ہے۔ جو مرحوم باپ کی میرے پاس نشانی ہے؟ یہ کہہ کر اس نے وہ انگشتری انگلی سے نکالی اور نہر میں پھینک دی!"

یہ سن کو موسیٰ ہادی خاموش ہوگیا۔

یہ خوش گوار فضا زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی۔ موسیٰ ہادی نے پھر رشید سے مطالبہ شروع کیا کہ ولی عہدی سے بھتیجے کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ لیکن رشید نے یہ بات نہیں مانی، اب ہادی نے اپنے خواص کے سامنے اعلان کیا کہ وہ جبراً ہارون رشید کو ولی عہدی سے محروم کر دے گا اور ابو جعفر کی ولی عہدی پر لوگوں سے بیعت لے گا، اگر کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہ گیا تو!

یہ خبر لوگوں میں فوراً ہی پھیل گئی، ہادی کے بعض حاشیہ نشینوں نے رشید کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہنا شروع کر دیں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے:

"ہم ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنانے پر کس طرح آمادہ ہو سکتے ہیں جو دوسرے شخص کے ہاتھ کا کھلونا بنا ہؤا ہے!"

دوسرے شخص سے ان کی مراد یحییٰ بن خالد برمکی کی ذات تھی۔

اس کے بعد ہادی نے حکم دیا کہ ولی عہد (ہارون) کی سواری کے ساتھ جلوس اور خدم حشم نہ ہؤا کریں، حالانکہ اب تک ہر ولی عہد کے لیے یہ ہوتا آیا تھا۔ لوگوں نے اس فرمان کے آگے سر جھکا دیا۔ جب اس کی سواری نکلتی کوئی بھی ساتھ نہ ہوتا، بلکہ امیرالمومنین کے غضب کے خوف سے لوگوں نے اسے سلام تک کرنا چھوڑ دیا تھا![1]

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۷۲۔

ان حالات نے رشید کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ۔ وہ اپنی ماں خیزران کے پاس آیا اور اپنی ذہنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا:

''میرا بھائی دن بہ دن میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ سخت برتاؤ کرتا جا رہا ہے ۔ مجھے اندیشہ ہے ، کسی دن اس کے دل میں کوئی اور سنگین بات نہ آ جائے اور وہ اسے کر گزرے ، میں تو چاہتا ہوں ولی عہدی سے دست بردار ہو جاؤں ، لیکن یحیئی نہیں مانتا ، آپ اسے سمجھائیے !''

خیزران نے اپنی ایک کنیز کو یحیئی کے پاس بھیجا وہ روتی ہوئی اس کے پاس پہنچی ، اس نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا ، اور کہنے لگی:

''میری سیدہ نے آپ کو سلام کہلایا ہے اور کہا ہے کہ خدا کے لیے میرے بچے (ہارون) پر رحم کرو ، کہیں تمھاری ضد اس کی جان نہ لے لے ، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ اپنے بھائی (ہادی) کا مطالبہ پورا کر دے ، کیونکہ اس کی زندگی دنیا و ما فیہا سے زیادہ مجھے عزیز اور محبوب ہے!''

یحیئی نے گھور کر غصے کی نظروں سے اسے دیکھا اور چیختے ہوئے کہا:

''کیا بک رہی ہے ؟ واپس جا ، اور سیدہ خیزران سے کہہ دے ، آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ ایسی باتیں کر رہی ہیں ؟ میں ، میرے اہل و عیال اور آل و اولاد اس واقعہ سے پہلے قتل ہو جائیں گے ۔ اگر میں اس (ہارون) کی جان کا لاگو ہوں تو اپنے بال بچوں اور اپنی جان کا لاگو تو نہیں ہو سکتا!''

یہ سن کر خیزران خاموش ہوگئی ، پھر اس باب میں اس نے کچھ نہیں کہا[1] ۔

یحیئی کے اس موقف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہارون رشید اور خیزران سے کس درجہ وفاداری کا اظہار کیا کرتا تھا ، وہ ان دونوں پر پورا پورا تصرف رکھتا تھا ، وہی نفوذ اور تصرف جو ایک ڈکٹیٹر کا ہوتا ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں یہ نفوذ اور تصرف ارشاد و نصیحت کے رنگ میں

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷۶ ۔

تھا اور یہ اثر ایک دن میں پیدا نہیں ہوگیا تھا ، بلکہ اسے عالم وجود میں آنے میں کافی عرصہ لگا تھا ۔ یہ جذبہ مرحوم خلیفہ مہدی ہی کے زمانے سے ابھرنا شروع ہوگیا تھا ۔ اس کے انتقال کے بعد ، یہ خیزران اور ہارون کی طرف وفا اور خدمت کے رنگ میں منتقل ہؤا ۔ ان واقعات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موسیٰ ہادی پر ہارون کی تقدیم کی سازش اور کوشش تمام تر اسی برمکی کے ذہن و دماغ کی پیداوار تھی ۔

اور اس سازش کی مصلحت ظاہر ہے ۔ مختصراً یوں سمجھیے کہ یہ شخص مرحلۂ شباب سے آگے نکل چکا تھا ۔ اگرچہ دونوں (ہادی اور رشید) ولی عہد ابھی کم سن ہی تھے ۔ لیکن اگر ہادی ، رشید سے پہلے زمام خلافت ہاتھ میں لے لیتا ہے اور کافی مدت تک فائز رہتا ہے ۔ تو رشید کے برسر اقتدار ہونے کا انتظار کرتے کرتے ایک عمر صرف ہو جائے گی ۔ بلکہ ممکن ہے ، رشید بوڑھا ہو جائے اور یحییٰ ارذل عمر کو پہنچ جائے ۔ یہ وہ زمانہ ہوگا کہ ہمت جواب دے چکی ہوگی اور عزیمت رخصت ہو چکی ہوگی اور وہ صرف وزارت پر قناعت کر کے مقدرات حکومت پر تصرف کی آرزو سے دست بردار نہیں ہوسکتا تھا ۔ یہ اس کی فطرت تھی ۔

لیکن ہؤا یہ کہ ہادی سریر خلافت پر قابض ہو گیا ۔ عین نوجوانی اور تنو مندی کے عالم میں اور اب وہ اس پر تلا بیٹھا تھا کہ ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دے ، اس سلسلے میں سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا ۔ اسے نصیحت کی گئی ، اس نے سنی ، مان بھی لی ، مگر پھر اپنے رنگ پر آ گیا ۔

پھر اب ؟

آخر وہ (یحییٰ) کب تک رشید کو اصرار کر کر کے اور سمجھا بجھا کے حق ولی عہدی سے دست بردار ہونے سے روکتا رہے گا ؟ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ خود رشید بھی عاجز آ کر حق ولی عہدی چھوڑنے پر آمادہ ہو چکا ہے اور اس کی ماں خیزران کی بھی یہی رائے ہے ۔

اب وہ اُمید کس طرح پروان چڑھے گی ، جس کی اتنے دنوں سے پرورش ہو رہی تھی ؟

اگلے باب میں جو واقعات و حوادث پیش کیے جا رہے ہیں ۔ ان میں اس اہم سوال کا شافی جواب ملے گا ۔

ہادی کی موت اور اس کے اسباب

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں اور اس برمکی کے مزید کارناموں کو بیان کریں ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فضا اور ماحول پر ایک نظر ڈال لیں ، جو ہادی کی حکومت اور قصر کو گھیرے ہوئے تھی ۔

ہادی کی عمر ابھی ۲۳ سال سے متجاوز نہیں ہوئی تھی ؛ جو لوگ اس کے حاشیہ نشین اور مقرب بارگاہ تھے وہ بھی ناتجربہ کار ، سرد و گرم ناچشیدہ اور حسن تدبیر سے محروم تھے ۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ہی اس کا وزیر باتدبیر ابان بن صدقہ جرجان ہی میں وفات پا گیا تھا ؛ اور تخت خلافت پر متمکن ہونے کے چند ہی ماہ بعد ربیع بن یونس کا بھی انتقال ہو گیا ، جو منصور کے عہد میں بھی وزارت پر فائز تھا ، اور مہدی کے زمانے میں بھی اس منصب پر قائم رہا ۔ علاوہ ازیں عبیداللہ بن زیاد بن ابی‌لیلیٰ جیسے لوگ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ، جنھوں نے سیاست کے داؤ پیچ اپنے بزرگوں سے سیکھے تھے ۔ اب جو لوگ ہادی کے مشیر اور وزیر تھے وہ اس کی طرح نوجوان اور نوآموز تھے ۔

یحییٰ بن خالد جوانی کی عمر سے گزر چکا تھا ۔ اس کی عمر تقریباً پچاس سال کی تھی ۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق سے یہ بات واضح ہو چکی ہے ؛ وہ فہم حوادث ، اور خلق فتن اور حالات و حوادث کا رخ دوسروں کی طرف موڑ دینے میں بڑا کھاگ تھا ۔ بدترین حالات سے بھی وہ خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ گزر جاتا تھا ۔ دولت عباسیہ کے آغاز ہی سے وہ سیاست ملکی و ملی میں دخیل تھا ۔ جملہ سابق عباسی خلفا کا مشیر اور حاشیہ نشین رہ چکا تھا ۔ اس چیز نے اسے ایک خاص مقام پر فائز کر دیا تھا ۔ جملہ کار پردازان

حکومت سے خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان ربط و تعلق رکھتا تھا ۔ وہ ایسے حالات پیدا کرنا بھی جانتا تھا کہ لوگ اس کی امداد کے جویا ہوں اور وہ اُن کی حسب دل خواہ مدد کر گزرے ۔ شروع شروع میں جب ہارون اور ہادی کے مابین کشمکش کا آغاز ہوا ، وہ پہلی پارٹی کا قائد تھا ۔ اس نے دوسری پارٹی کے لوگوں میں اپنے مخبر اور جاسوس پیدا کر لیے جو ہادی کی ہر نقل و حرکت اور تمام سرگرمیوں سے اُسے واقف رکھتے تھے ، حتیٰ کہ وزیر قصر خلافت ابراہیم بن ذکوان الحرانی ، جو خلیفے کے رموز و اسرار کا محرم تھا یحییٰ کا پروردہ اور آوردہ تھا ، اور ہر بات سے اسے باخبر رکھتا تھا اور اگر ضرورت ہو تو اس کے لیے ہر کام جس کی ہدایت کی جائے کر گزرتا تھا ۔ اس کے بارے میں جہشیاری کا قول ہے :

"ابراہیم حرانی نے اسمٰعیل بن صبیح کو یحییٰ بن خالد کی سفارش پر ، جس کا وہ کاتب رہ چکا تھا ، دیوان بنا دیا ۔ اس نے ایسی جگہ پر اس کا تقرر کر دیا کہ جن خبروں کی ضرورت ہو وہ ہر وقت بغیر کسی خلل کے مل سکیں ۔ ہادی کو بھی یہ خبر ملی کہ یحییٰ نے ابراہیم حرانی سے سفارش کر کے اسماعیل کو سلک ملازمت میں داخل کرایا ہے تا کہ وہ یہاں کی خبریں اسے اور ہارون کو پہنچایا کرے ۔ یحییٰ کو جب اس بات کا پتا چلا تو اُس نے فوراً اسماعیل کا تبادلہ حران میں کرا دیا اور اس کی جگہ ابراہیم نے یحییٰ بن سلیمان کا تقرر کر دیا ۔ موسیٰ ہادی نے جب ابراہیم سے اسماعیل کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا :

"یہاں کہاں ؟ وہ تو حران میں ہے !!"[1]

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ یحییٰ کو دربار اور محل کے اسرار و رموز سے واقفیت بہم پہنچانے کے کیسے وسائل حاصل تھے اور اپنے حریف ہادی کے مقابلے میں اس اعتبار سے وہ کتنا تگڑا تھا ۔ ان روایات سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ دونوں بھائیوں کے افتراق و اختلاف اور نزاع و کشمکش نے محل کی فضا کیسی

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۶۸ ۔

بنا دی تھی ، لوگ حیرت میں تھے، کیا کریں ؟ کدھر جائیں ؟ اس صورت احوال کا نتیجہ یہ ہؤا کہ سازشوں ، ریشہ دوانیوں ، تجسس اور غیبت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور یحییٰ سے زیادہ ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا ملکہ کسی میں نہیں تھا ۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یحییٰ تن تنہا خلیفہ ہادی کی قوت و سطوت کو چیلنج کر سکتا تھا ۔ گو اس کا یہ زور اس وقت ضعیف ہو گیا تھا جب خیزران کچھ مدت کے لیے گوشہ نشین ہو گئی تھی ، اور زبیدہ اور اس کے اعوان الگ تھلگ رہنے لگے تھے ۔ اس سازش سے خود ہارون رشید بھائی کی دراز دستیوں سے درماندہ ہو کر سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہو گیا تھا ۔

لیکن یہ بہت مختصر مدت تھی جب کہ امید کے دروازے یحییٰ کو بند نظر آنے لگے تھے ، مگر وہ ہار ماننے والے لوگوں میں نہیں تھا ، نہ آسانی سے میدان چھوڑ سکتا تھا ۔ اپنی چال بازی اور پالیسی کے اعتبار سے وہ یکتا تھا ۔ بڑی سے بڑی مشکلوں کو وہ استقامت سے برداشت کرتا تھا ، یہاں تک کہ بادل چھٹ جاتے اور میدان صاف ہو جاتا تھا ۔

اب اس نے وہ روش بدل دی جو مہدی کے زمانے میں اختیار کر رکھی تھی ۔ خیزران اور موسیٰ ہادی کا اختلاف اب شدید نفرت اور عداوت کی صورت اختیار کرچکا تھا ۔ اب اس کی سرگرم کوشش یہ تھی کہ ماں اور بیٹے کی نفرت اور عداوت قائم رہے اور یہ کم اس کے لیے کچھ ایسا دشوار نہ تھا ۔ وہ جانتا تھا اور بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ چنگاری کس طرح شعلہ بنائی جاسکتی ہے ۔ وہ اس حقیقت کا شناسا بھی تھا کہ خیزران کا مزاج جب بگڑ جائے تو وہ بڑے سے بڑا اقدام کر سکتی ہے ۔ ساری دنیا کے خلاف حتیٰ کہ اپنے لخت جگر کے خلاف بھی اور اگر اسے یہ باور کرا دیا جائے اور پورے طور پر یقین دلا دیا جائے کہ وہ ہادی ہی تھا ، جس نے باپ کو زہر دیا اور اس کی موت کا سبب بنا ، تو پھر یہ باور کرانا کیا مشکل ہے کہ اب وہ اسے زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کے چہیتے بیٹے ہارون

کو بھی راستے سے ہٹانے کے لیے زہر دینے پر تلا ہوا ہے اور یحییٰ (جیسے دیرینہ وفادار) کو بے بس کر دینے کا تہیہ کر چکا ہے۔

اس سلسلے میں ہم ایک روایت کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں جو مختلف تاریخی ماخذ میں دہرائی گئی ہے۔ روایت یہ ہے کہ ہادی نے اپنی ماں کو چاول پکوا کر بھیجا اور قاصد سے کہا کہ خیزران سے کہے کہ:

''خلیفے کو یہ چیز بہت پسند آئی ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ آپ بھی اسے نوش فرمائیں!''

خیزران نے یہ تحفہ لے لیا۔ مگر اس کی ایک جاریہ نے جس کا نام خالصہ تھا، کہا:

''ٹھہریے! ابھی نہ کھائیے، ذرا دیکھیے تو سہی، مجھے اندیشہ ہے اس میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو آپ کو نقصان کرے!''

پھر ایک کتا لایا گیا اور چاول اس کے سامنے ڈال دیے گئے۔ اس نے جیسے ہی منہ ڈالا اس کی کھال گل کر گر پڑی اور وہ اسی وقت مر گیا[1]۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو بھی موسیٰ ہادی کی طرف سے تحفے کا بھیجا جانا، نہ عقل میں آتا ہے، نہ قرین منطق ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ خلفائے مسلمین میں سے سب سے بڑا اور عالی جاہ خلیفہ چاولوں کو پکوا کر ماں کے پاس اس طرح بھیج دے، جیسے فقیروں کو خیرات بھیجی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ دونوں کے مابین نفرت و عداوت حد کمال کو اس وقت سے پہنچ چکی تھی جب خیزران اس کے پاس سے یہ کہہ کر اٹھ آئی تھی کہ اب وہ زندگی بھر اس سے بات نہیں کرے گی، نہ وہ زندگی بھر اس سے بات کرے اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ یہ واقعہ نفرت و عداوت پیدا ہونے سے پہلے کا ہے، تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہادی خواہ مخواہ ماں کو قتل کرنے کے درپے ہوتا اور وہ بھی ایسے طریقے سے جو چھپ نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ اگر یہ کام اسے کرنا ہی

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۷۳۔

تھا ۔ تو خیزران کے کسی آدمی کو ملا کر بھی کر سکتا تھا اور جرم چھپا بھی رہ سکتا تھا ۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا بھی نہ ہوتا ، کہیں ایسا تو نہیں کہ چاولوں کے زہریلے ہونے کا خادمہ کی طرف سے اندیشے کا اظہار اور خیزران کو کھانے سے منع کرنا اس لیے تھا کہ زہر آلود چاول کسی سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھے ، جس کا مقصد یہ تھا کہ خیزران کو یقین دلا دیا جائے کہ اس کا بیٹا ہادی اسے قتل کرنے کے درپے ہے ۔ اس سکیم کو کامیاب بنانے کے لیے خادمہ کو بہ طور آلہ کار استعمال کیا گیا ــــ لیکن سوال یہ ہے کہ سکیم کس نے بنائی تھی ؟

امر واقعہ یہ ہے کہ طرفین کے مخبروں اور جاسوسوں نے کوئی راز ، راز نہیں رکھا تھا ۔ ہر پارٹی دوسری پارٹی کے اسرار و رموز سے واقف ہو جایا کرتی تھی خواہ اسرار درون پردہ کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جاتی ہو ۔

پے بہ پے جو خبریں مل رہی تھیں ان سے خیزران بہت ہراساں تھی ۔ ہارون اس کا چہیتا بیٹا تھا اور اس کی زندگی اسے خطرے میں نظر آ رہی تھی اور اسے ہادی کے پنجۂ انتقام سے ہر قیمت پر بچانا چاہتی تھی اور خود ہادی کا جہاں تک تعلق تھا وہ بھی اس مخالف ٹولی کی سرگرمیوں سے خطرہ اور اندیشہ محسوس کر رہا تھا ۔ ایک روز اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کو طلب کیا اور اس سے کہا :

''یحییٰ بتاؤ میرے اور تمہارے درمیان معاملات کی نوعیت کیا ہے؟''

یحییٰ نے جواب دیا :

''جہاں تک غلام کا تعلق ہے وہ آقا کی اطاعت کے سوا اور کیا کر سکتا ہے ؟''

ہادی نے کہا :

''میں چاہتا ہوں ، میرے اور میرے بھائی کے مابین مناقشات کا سلسلہ تم بند کر دو! ــــ کیا تم میرے خلاف فساد انگیزی نہیں کر رہے ہو ؟''

یحییٰ بن خالد برمکی نے عرض کیا :

''میری کیا مجال کہ آپ بھائیوں کے بیچ میں آنے کی جسارت کروں ؟ مجھے خلیفہ مہدی نے ہارون کے ساتھ وابستہ کیا تھا۔ پھر آپ نے اس حکم کی تجدید کی ، میں تو صرف آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں!'' ۔

ہادی نے یحییٰ سے سوال کیا :

''پھر ہارون یہ کیا کرتا رہتا ہے ؟''

یحییٰ نے جواب میں عرض کیا :

''کچھ بھی نہیں ، ایسی کوئی بات نہیں !''

اِسی طرح کچھ مدت گزر گئی اور ہادی بھی علویوں کی شورش اور بغاوت کے استیصال میں لگ گیا ، جو حجاز میں حسین بن علی بن حسن کی زیر قیادت رونما ہوئی تھی[1] اور آخر کار اس کا اختتام حسین بن علی بن حسن کے قتل پر مقام فخ میں ہوا ۔ اس کے بعد ادریس بن عبداللہ بن حسن اور ان کے بھائی یحییٰ علوی کے جملہ اہل خاندان رو بہ فرار لائے اور چشم مردم سے چھپ کر اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے ، جن کی تفصیل آگے آئے گی ۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ہادی نے پھر ہارون کو مجبور کرنا شروع کیا کہ از خود حق ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے ۔ اس سلسلے میں ہر طرح کا تشدد روا رکھا گیا اور تلخ و ترش کلمات سے اسے یاد کیا گیا ۔ آخر تنگ آ کر وہ ایک روز یحییٰ کے پاس آیا اور کہنے لگا :

''اب معاملہ حد برداشت سے گزر چکا ہے ، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بھائی کی بات مان لوں اور حق ولی عہدی سے کنارہ کش ہو جاؤں !''

یحییٰ نے جواب دیا :

''ہادی سے اجازت لے کر شکار پر چلے جاؤ ، عید کا موقع بھی ہے ۔ جب یہاں سے ہٹ جاؤ گے ، معاملات رو براہ ہو جائیں گے ، یاد

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۹۰ ۔

دیکھو ہادی کا زمانہ بہت تھوڑا رہ گیا ہے ۱ !''

یہ گفتگو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پس پردہ سازشوں کا سلسلہ جاری تھا اور ان کی تکمیل و تنفیذ کا وقت قریب آ رہا تھا ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہارون رشید ان سازشوں سے پورے طور پر واقف نہیں تھا ۔

غرض عید کے دن شکار کے ارادے سے ہارون انبار کی طرف روانہ ہؤا اور چالیس دن تک اس میں مشغول رہا ۔ ہادی کو یہ بات ناگوار گزری ۔ ہارون کی غیرحاضری سے وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا ۔ چنانچہ اسے خط لکھا کہ فوراً واپس آجائے ، لیکن رشید نے ٹال مٹول سے کام لیا اور تعمیل حکم نہیں کی ۔ ہادی کا غصہ اور بڑھ گیا ، وہ علانیہ اسے دھمکیاں دینے اور برا بھلا کہنے لگا ۲۔

جب انتظار کی مدت زیادہ طویل ہوگئی تو اس نے ایک روز یحییٰ کو اپنی مجلس میں طلب کیا ۔ اسے بہت ڈانٹا ڈپٹا اور سخت و سست کہا اور گویا ہؤا :

''تم چاہتے ہو کہ ہارون خلیفہ بن جائے اور تم وزارت کرو ! خدا کی قسم میں تم دونوں کو مزا چکھا کر رہوں گا ، قبل اس کے کہ تمھاری آرزو پوری ہو''

پھر اسے قید کر دیا ۔ ایک ایسی تنگ کوٹھری میں قید کیا کہ پاؤں پھیلانا بھی ممکن نہ تھا ۔ قریب تھا کہ اس حالت میں جان دے دے کہ ابراہیم حرانی کام آیا ۔ اس نے ہادی سے سفارش کر کے اسے دوسرے قید خانے میں بھجوا دیا ۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہادی نے پھر اسے خود ابراہیم کے گھر میں رکھے جانے کا حکم دیا ۔ تاکہ وہ اس کی اچھی طرح نگرانی کر سکے ۳۔

دوسرے روز ہادی نے اپنے رؤسائے فوج اور عمائد و اعیان کو طلب کیا

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ٦٦ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٥٧۳ ۔

۳ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ٤٩٠ ۔

اور ان سے ہارون کی معزولی اور اپنے بیٹے جعفر کی ولی عہدی کے بارے میں مشورہ کیا۔

بعض نے کہا:

''یہ بات اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ تمام لوگ جو ہارون کی ولی عہدی پر بیعت کر چکے ہیں، بیعت نہ توڑ دیں۔ البتہ اگر وہ خود راضی خوشی اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو دوسری بات ہے!''

دوسروں نے کہا:

''کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کام فوراً انجام پا سکتا ہے۔ ہارون کو معزول کیا جا سکتا ہے اور جعفر کے لیے بیعت لی جا سکتی ہے۔''

چنانچہ ہادی نے حاضرین میں سے محمد بن فروخ ازدی کو حکم دیا کہ سامان سفر تیار کرے اور فوراً روانہ ہو جائے۔ اپنے ساتھ ایک بڑا لشکر لیتا جائے۔ جزیرہ، مصر اور مغرب میں اگر کوئی بیعت سے انکار کرے تو اس کی سرکوبی کرنے میں تامل نہ کرے۔ ضرورت ہو تو تلوار سے کام لے، ازدی سالار فوج محمد بن فروخ خلیفہ ہادی کے حسب الحکم سامان سفر تیار کر کے فوراً شام کی طرف سے روانہ ہو گیا۔

خیزران کو یہ تمام خبریں پہنچیں۔ اس نے رشید کو لکھا کہ فوراً واپس آ جائے۔ چنانچہ وہ بغداد آ گیا۔ پھر رصافہ کی طرف عیسا باذ چلا گیا، جہاں ہادی اپنے قصر ابیض میں مقیم تھا۔

ہارون رشید کو قطعاً علم نہیں تھا کہ اس کے پس پشت یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے، خیزران نے اسے تمام باتیں بتائیں۔ چنانچہ وہ ماں سے رخصت ہو کر بھائی کے پاس جا پہنچا۔ راستے میں اس نے لوگوں کو اور اپنے خاص آدمیوں تک کو دیکھا کہ ان کا رخ بدلا ہؤا ہے۔

اس اثنا میں کہ وہ ایک چھوٹے سے پل کے اوپر سے گزر رہا تھا کہ جعفر بن موسیٰ ہادی کی سواری اسی طرف آئی، اس کے ساتھ فوج کا ایک افسر ابو عصمہ بھی تھا۔ جب دونوں سواریاں قریب آئیں تو ابو عصمہ نے غیظ و غضب کے عالم میں چیخ کر کہا:

"وہیں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ ولی عہد کی سواری گزر جائے!"

یہ سن کر رشید بھونچکا رہ گیا، کوئی جواب نہ دے سکا، چپ چاپ کھڑا ہوگیا، یہاں تک کہ جعفر کی سواری پل سے گزر گئی۔ اس کے بعد ہارون نے پل پار کیا۔ زندگی میں آج تک ہارون کی ایسی توہین نہیں ہوئی تھی[1]۔

ہارون بھائی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمیں نہیں معلوم دونوں کے مابین کیا کیا باتیں ہوئیں، صرف اتنا معلوم ہے کہ ہادی نے وہی اپنا پرانا مطالبہ دہرایا۔

رشید نے اس مطالبے کے ماننے میں تامل سے کام لیا اور ٹال مٹول کی۔

ہادی انکار کی تاب نہ لا سکا، اس نے فوراً اسے قید کر دینے کا حکم دیا۔ اس کی نگرانی پر وقت کے مشہور جیلر سلامہ ابرش کو مامور کیا۔ یہ منصور اور مہدی کے زمانے میں بھی یہی کام کرتا رہا تھا، ہارون کو ایک خاص گھر میں قید کیا گیا تھا۔ سلامہ نے خلیفہ کے حسب الحکم اس کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور ملاقات بند کر دی۔ رشید کو اب باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا، آفات و مصائب کی اس پر ہر چہار طرف سے یورش ہو رہی تھی۔

اس کے بعد ہادی نے اپنے چند بھروسے کے آدمیوں کو بلایا اور ان سے یحییٰ بن خالد برمکی کو قتل کر دینے کے بارے میں مشورہ کیا کہ یہی شخص تھا، جو ہارون کو دست بردار ہونے سے روکتا رہا تھا اور سارے فساد کی جڑ تھا۔

اسی اثنا میں کہ گفتگو جاری تھی، دفعتاً ہادی اٹھ کھڑا ہوا اور کسی کام کا عذر کر کے محل کی طرف روانہ ہوا اور جاتے جاتے کہتا گیا کہ آپ لوگ صلاح و مشورہ جاری رکھیں۔ لیکن ہادی واپس نہیں آیا، بلکہ یہ اطلاع ملی کہ وہ علیل ہوگیا ہے اور بستر پر دراز ہے اور کسی سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۰۲۔

دوسرے دن یہ سارے لوگ جو ہارون کی معزولی کے بارے میں ہادی کے ہم رائے تھے ، پھر جمع ہوئے اور یحییٰ کے قتل پر مشورہ کرنے لگے ۔ ایک نے کہا :

''اگر ہادی کا انتقال ہوگیا اور خلافت ہارون کے ہاتھ میں آئی ، تو اس کا وزیر یحییٰ ہمیں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالے گا ۔ لہٰذا قبل اس کے کچھ واقع ہو ، ہمیں جلدی سے یحییٰ کو قتل کر ڈالنا چاہیے !''

دوسروں نے کہا :

''اگر موسیٰ ہادی تندرست ہوگیا اور قتل یحییٰ کے بارے میں اس کی رائے بدل گئی ، تو ہم اسے کیا جواب دیں گے کہ اس سے پوچھے بغیر ہم نے یحییٰ کو قتل کر دیا ؟''

آخر کار طے یہ پایا کہ جب تک صورت حال واضح نہ ہو جائے تامل سے کام لینا چاہیے ۔ چنانچہ قتل یحییٰ کی سکیم معرض التوا میں پڑ گئی[1]۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون کو منصب خلافت تک پہنچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی ۔ ثبوت میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خلیفہ ہادی نے اسی باعث اسے قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا ۔ جس کی تائید دوسرے سازشیوں نے بھی کی تھی اور حالات اس منزل تک پہنچ چکے تھے کہ قریب تھا قتل بھی کر دیتے ۔ لیکن واقعات کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ یحییٰ نے سازش کا جو جال بچھایا تھا ۔ اس سے وہ اس وقت بھی پورے طور پر مطمئن تھا جب اس کے قتل کے منصوبے تیار ہو رہے تھے ۔ کیونکہ اس کے مخبر اور جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور یقیناً اس مجلس میں بھی موجود تھے ، جہاں اس کے قتل پر بحث و گفتگو ہو رہی تھی اور غالباً یہی لوگ تھے ، جنھوں نے تجویز پیش کی تھی کہ جب تک ہادی کو افاقہ نہ ہو جائے ، معاملۂ قتل ملتوی کر دیا جائے ۔

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۶۷ ۔

اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہادی کی بیماری کی خبر سن کر خیزران نے یحییٰ کو جیل میں پیغام بھیجا :

''وہ شخص اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے - وہ قطعاً ہلاک ہو جائے گا - تم ضروری اقدامات کے لیے تیار ہو جاؤ !''

چنانچہ یحییٰ نے جیل سے اپنے بیٹے فضل کو پیغام بھیجا کہ کتاب کو گنیر میں جمع کر لے ، لیکن یہ وہی کاتب ہوں ، جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو اور رشید کی طرف سے عمال کے نام ایک فرمان جملہ اقطار و امصار میں بھیجا جائے ، جس میں انہیں ہادی کی وفات کی اطلاع دی جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ فوراً لوگوں سے اس کے لیے بیعت لیں - نیز اس فرمان میں عمال کو یہ بھی لکھا جائے کہ وہ اپنی ذمے داریاں حسب معمول سر انجام دیتے رہیں اور اپنی جگہ پر موجود رہیں ، امن و امان قائم رکھیں ، عدل و انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں -

فضل بن یحییٰ نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور مطلوبہ فرامین بڑی تیزی اور مستعدی سے آل برمک کے کاتبوں سے لکھوا لیے[1] اور ہادی کی خبر وفات کا انتظار شروع کر دیا -

قصرابیض میں داخل ہونے کے تیسرے دن نصف شب کو ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ — ستمبر ۷۸۶ع) موسیٰ ہادی کی وفات کا اعلان کر دیا گیا - خیزران نے ایک پیام کے ذریعہ یحییٰ کو اس واقعے کی اطلاع دی - اطلاع لانے والے نے اسے جیل سے رہا کیا اور خبر وفات پہنچائی -

یحییٰ جیل سے سیدھا قصرابیض کی طرف روانہ ہوا کہ خبر کی تصدیق کر لے - ہادی کی علالت سے لے کر وفات تک یہ پہلا شخص تھا جس نے اب قصر میں قدم رکھا تھا - اس نے دیکھا واقعی ہادی اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے[2]-

اب بعض سالاران فوج اور چند مخصوص آدمیوں کے ساتھ جنہیں یحییٰ نے دربار سے وابستہ کر رکھا تھا ، اور جن میں وزیر ابراہیم حرانی

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷۸ -

۲ - الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۹۰ -

بھی شامل تھا ، یحییٰ اس گھر کی طرف روانہ ہؤا ، جہاں رشید قید تھا ۔

اس وقت رشید سو رہا تھا ۔ یحییٰ نے اسے جگایا ، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ۔ یحییٰ نے کہا :

''امیرالمومنین خواب راحت سے بیدار ہو جائیے !''[1]

ہارون نے اس لفظ (امیرالمومنین) کے استعمال پر اسے جھڑکتے ہوئے کہا :

''اگر یہ بات ہادی تک پہنچ گئی تو میرا کیا حشر ہوگا !''

رشید کو اب تک اصل واقعہ کی خبر نہیں تھی ۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر یحییٰ نے مسکراتے ہوئے کہا :

''ہادی کا انتقال ہو گیا ، یہ رہی اس کی انگشتری ، دروازے پر وزیر حرانی آپ کا منتظر ہے !''

یہ سن کر ہارون رشید اٹھا ، لباس ٹھیک کیا اور خدم و حشم کے ساتھ اس طرف بڑھا جہاں ہادی کی لاش ایک چادر میں لپٹی رکھی تھی ۔ ہارون نے میت کے غسل کا حکم دیا ، پھر نماز جنازہ پڑھائی ۔ بعد ازاں اسے قصر ابیض کے باغ میں دفن کر دیا[2] ۔

طبری نے ایک حاضر الوقت ہاشمی کی روایت درج کی ہے :

''ہادی کا سبب موت صرف یہ تھا کہ اس نے ہارون کو معزول کرنے اور جعفر کو ولی عہد بنانے کی سرگرم کوشش کی تھی ۔ خیزران کو دھڑکا پیدا ہو گیا تھا کہ اب ہارون کی جان کی خیر نہیں ، چنانچہ جب ہادی بیمار پڑا تو ایک جاریہ کو اس نے آلہ کار بنایا ۔ جس نے گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا[3] ۔''

طبری کے اس بیان کی تائید اور بھی کئی دوسرے مؤرخین کرتے ہیں ۔

بہر حال خواہ ہادی ہلاکت سے پہلے واقعی بیمار پڑا ہو یا اسے کوئی ایسی چیز کھلا دی گئی ہو ، جس نے اس کی صحت پر مضر اثر ڈالا ہو ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵٦۸ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵٦۸ ۔

۳ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵٦۸ ۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی موت دم گھٹ کر ہوئی اور خیزران کے اشارے سے ہوئی۔ اگر سب نہیں تو اکثر مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہیں۔

اس سے بھی بحث نہیں کہ خیزران کا یہ فعل ہارون کی محبت پر مبنی تھا یا ہوس اقتدار پر، یا نافرمان بیٹے سے انتقام لینے کا جذبہ کارفرما تھا۔ کچھ ہی ہو، اس ڈرامے کا اصل ہیرو یحییٰ ہے!——اگر یحییٰ کو اس بات کا یقین ہوتا کہ معاملہ اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے اور یہ کہ جلاد کی تلوار اس کا سر قلم کر دے گی تو ایک لمحہ بھی تامل کیے بغیر وہ ہارون کی دست برداری اور جعفر کی بیعت پر آمادہ ہو جاتا۔

اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ اتنا بڑا اور بھیانک جرم چھپا رہا اور اس پر پردہ پڑا رہا، اس لیے کہ فوراً ہی اقتدار و اختیار کی باگ ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو اسے چھپانا چاہتے تھے۔

اسی طرح یہ بات بھی حیرت انگیز نہیں ہے کہ اس حادثہ وفات کی خبر سن کر رنج و الم کا کوئی اثر خیزران پر نہیں ظاہر ہوا، کیونکہ یہی تھی جو اس کے خلاف سازشیں کر رہی تھی۔ چنانچہ متعدد روایات مذکور ہیں کہ جب خیزران بعض ہاشمی عورتوں سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اس کی کنیز خالصہ حاضر ہوئی اور کہنے لگی:

"یا سیدہ، موسیٰ (ہادی) کا انتقال ہو گیا!"

خیزران نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

"تو کیا ہوا؟ ہارون تو زندہ ہے!"

پھر اس نے ستو خود بھی پیا اور حاضر الوقت خواتین کو بھی پلایا۔ خزانے سے ایک بڑی رقم نکلوائی اور ان عورتوں کو تقسیم کر دی۔ گویا یہ ایک خوش خبری تھی جس کا انعام بانٹا جا رہا تھا[1]۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۵۶۹۔
وفات کے وقت ہادی کی عمر ۲۴ سال اور چند ماہ کی تھی۔ مدت خلافت ایک سال ایک مہینہ اور چند دن، اپنے پیچھے اس نے سات لڑکیاں اور لڑکے چھوڑے۔

حصۂ سوم

ہارون الرشید مسند خلافت پر

ہارون رشید کی خلافت پر بیعت

ہادی کی شب وفات ایک تاریخی رات تھی ــــ حوادث سے بھرپور۔ اسی رات ہارون رشید قید سے رہا ہوا، اسی رات اس کی خلافت پر بیعت کی گئی، اسی رات ایک جاریہ کے بطن سے اس کا ایک بچہ تولد ہوا۔ ماں کا نام مراجل تھا، بیٹے کا نام عبداللہ رکھا گیا جو بعد میں مامون کے نام سے مشہور آفاق ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ رات ''شب خلفا'' تھی، اسی رات ایک خلیفہ دنیا سے رخصت ہوا، ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور ایک خلیفہ پیدا ہوا۔

جعفر بن ہادی کی ولی عہدی سے دست برداری

اور سپیدۂ سحر جب نمودار ہوا تو ہادی کا جسم قبر میں پہنچ چکا تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے ان کاتبوں کو پیش کیا جنھوں نے اس کے حکم سے عمال اقالیم کے نام فرامین تحریر کیے تھے۔ ہارون نے ان پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور سر بہ مہر کرکے ''ایکسپریس ڈلیوری''[1] سے بھیج دیا۔ اس کے بعد سپہ سالار خزیمہ بن خازم کو جعفر بن ہادی کے گھر بھیجا۔ جس نے اسے بستر سے اٹھایا اور لے کر آیا، اسے ایک اونچی جگہ کھڑا کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ حاضر الوقت عمائد و اعیان کے سامنے حق ولی عہدی سے دست برداری کا اعلان کرے جو ہادی کی زندگی میں اسے عطا ہوا تھا، اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے کہا:

''یا معشرالمسلمین!

جس کی گردن میں میری بیعت کا حلقہ ہو اسے میں اس عہد سے

---

۱ - میرے خیال میں ''اسرع برید'' کا مفہوم ''ایکسپریس ڈلیوری'' ہی سے موزوں طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

آزاد کرتا ہوں ، خلافت میرے چچا ہارون رشید کا حق ہے ۔ میرا اس میں نہ کوئی حق ہے نہ مطالبہ[1] !"

دن چڑھنے سے پہلے کبار دولت اور بغداد کے اعیان و امرا حاضر ہوئے ۔ یہ لوگ رصافہ اور کرخ[2] سے آئے تھے ، یہ لوگ قصر کے کھلے صحن میں جمع ہوئے تاکہ رشید کی خلافت پر بیعت کریں ۔ کاتب یوسف بن قاسم بن صبیح کھڑا ہوا ، اس نے حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیتے ہوئے کہا :

"خدائے بزرگ و برتر نے خلیفہ ہادی کو اپنے پاس بلا لیا ، ان کے بعد زمام خلافت ہارون رشید کے ہاتھ میں آئی ہے ۔ وہ اپنی طرف سے عدل و رافت کا عہد کرتے ہیں ، لوگوں کا حق قائم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ، اور اعلان کرتے ہیں کہ لوگوں کی آبرو اور مال کو عصیاں شعاروں اور امن شکنوں سے محفوظ رکھیں گے !"

پھر جب رشید نے تقسیم انعامات کا ارادہ کیا ، تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خطیب نے کہا :

"اٹھو اور خلیفہ وقت کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دو ، عہد پر قائم رہو ، اللہ تم سے راضی رہے اور تمھاری حفاظت کرے ، تمھاری حالت سدھارے اور تمھارے حالات ٹھیک رکھے اور تم پر ایسے لوگوں کو حاکم کرے ، جن کا شمار اس کے صالح بندوں میں ہوتا ہو[3] ۔"

اس کے بعد سب سے پہلے امرائے بنو ہاشم ، پھر فقہا ، پھر علما ، پھر افسران فوج ، پھر کتاب اور آخر میں دوسرے لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے ۔

یہ تقریب عیسا باذ کے قصرابیض میں انجام پائی ۔ اس کے بعد رشید

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۲ ۔

۲ ۔ بغداد کے دو بڑے محلے ۔ (مترجم)

۳ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۱ ۔

نے یحییٰ سے پوچھا :

''اب کیا کیا جائے ؟''

یحییٰ نے جواب میں عرض کیا :

''میری رائے یہ ہے کہ کچھ روز یہیں قیام کیجیے ، البتہ ہم میں سے کچھ لوگ بغداد چلے جائیں ، تاکہ وہاں فضا ہموار کریں ، اس کے بعد ایک بڑے اور شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد تشریف لے جائیے ـــــ اسی طرح جو آپ کے اور آپ کی خلافت کے شایان شان ہو[1] !''

غالباً یحییٰ خائف تھا ، کہیں اہل بغداد اس جرم اور سازش سے واقف نہ ہوگئے ہوں ، جس کا ارتکاب کیا جا چکا تھا ، یا خلیفہ مقتول کے کسی آدمی نے راتوں رات بغداد پہنچ کر وہاں کی فضا مکدر نہ کر دی ہو۔

رشید چونکہ قید تھا اور یہاں کے حالات سے لا علم تھا ، اس نے سوچا اب عیسا باذ میں رہنا بے سود ہے ، چنانچہ اس نے یحییٰ کو جواب دیتے ہوئے کہا :

''خدا کی قسم میری اقامت اب یہاں بے سود ہے ۔ میں قطعاً نماز جمعہ بغداد کی مسجد منصور میں پڑھوں گا !''

پھر اس نے حکم دیا کہ فوراً بغداد کی طرف کوچ کر دیا جائے[2] ۔

خیزران کو جب بیٹے کے عزم و ارادہ کا پتا چلا تو وہ بھی اپنے قصر بغداد میں جانے کے لیے تیار ہوگئی اور رشید کے بغداد پہنچتے ہی چل پڑی[3] ۔

ہارون رشید کی نفسی حالت کا اندازہ بہ آسانی ممکن ہے ۔ اگرچہ خلافت کا حصول اور اقتدار و اختیار پر تسلط مسرت بخش چیز تھی اور وہ خوش بھی تھا ، لیکن اس کی حدت مزاج نے اسے اُن آلام و ہموم کو

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۲ ۔

۲ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۷۳ ۔

۳ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۳ ۔

بھولنے نہیں دیا تھا ، جو گزشتہ عرصے میں اسے پہنچے تھے ۔ خاص طور پر وہ اہانت جو پل پر سے گزرتے ہوئے ابو عصمہ نے کی تھی ، یا سلامہ ابرش نے قید کے زمانے میں اسے جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی تھیں یا ابراہیم حرانی کی وہ بد کلامی جو اس نے ہادی کے سامنے قصر ابیض کے ہال میں اس سے روا رکھی تھی ، یہ سب باتیں اسے یاد تھیں اور اس نے ان تمام لوگوں کو قتل کر ڈالنے کا تہیہ کر لیا تھا ۔ اس کا فیصلہ تھا کہ بغداد روانہ ہوتے ہوئے یہ کام انجام دے ڈالے گا ، پھر قدم آگے بڑھائے گا ۔

یحیی بن خالد برمکی کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ہارون کو اس اقدام سے بالکلیہ روک سکتا ، البتہ اس نے اپنی طرف سے کوئی کوشش بھی نہیں اٹھا رکھی ، اس نے کہا :

"ابو عصمہ تو بے شک نا قابل معافی مجرم ہے ۔ جعفر بن ہادی کو آپ کے مقابلے میں مقدم کر کے اس نے بے شک آپ کی بہت بڑی توہین کی اور یہ حماقت کی انتہا تھی ۔ لیکن سلامہ مجبور تھا ، اسے حکم دیا گیا ، اس نے اطاعت کی ، رہا ابراہیم حرانی تو وہ ہمارا مخالف کبھی بھی نہ تھا !"

یحیی ، ابراہیم حرانی کی اس سے زیادہ سفارش نہ کر سکا ، اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے مزید کچھ کہا تو جرم و سازش کا بھانڈا پھوٹ جائے گا ۔ چنانچہ رشید نے ابو عصمہ کا سر قلم کرا دیا اور سلامہ و ابراہیم کو جیل میں ڈال دیا[1] ، اور اپنا موکب لے کر آگے بڑھ گیا[2] ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰۹ ۔

۲ ۔ کچھ عرصے بعد یحیی کی سفارش پر ابراہیم حرانی کو پروانہ رہائی عطا ہوا ۔ یحیی نے اسے انعام و اکرام سے بھی نوازا اور بغداد سے باہر ایک منصب اسے سونپ دیا تاکہ رشید کی نظر کے سامنے نہ آئے ۔ یہ تھا اس کے خدمات سابقہ کا صلہ ، بعد میں رشید نے سلامہ کو بھی رہا کر دیا اور اسے جیل کا داروغہ بنا دیا ۔ اس عہدے پر وہ منصور ، مہدی اور ہادی کے زمانے سے فائز چلا آ رہا تھا ۔

ہادی کی خبر وفات آخر شب میں بغداد پہنچ گئی ، کیونکہ عیسا باذ قریب ہی تو تھا ، یہ خبر اچانک اور خلاف توقع موصول ہوئی ۔ بغداد کے لوگ ایک دوسرے سے سوال جواب اور چہ می گوئیاں کرنے لگے ، طرح طرح کی افواہیں دل سے زبان پر آنے لگیں ، فضا بہت جلد مسموم ہوگئی ۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ موکب ہارون کے آنے کی اطلاع پہنچی ، لوگ اس کے استقبال میں ایسے جوش و خروش سے منہمک اور مصروف ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے ۔ خلقت کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ سڑکوں پر ، چوراہوں پر ، پلوں پر ، نئے خلیفہ کا دیدار کرنے کے لیے لگا ہؤا تھا ، جس کی سواری قصر خلد کی طرف جا رہی تھی[1] ۔

دفعتاً رصافہ کی جانب سے خلیفے کی سواری آتی دکھائی دی ، لوگ تکبیر و تہلیل کے ساتھ جوش و خروش کے عالم میں استقبال کو ٹوٹ پڑے ۔ عورتیں بڑی بڑی عمارتوں اور شہر کے مکانوں کی چھتوں سے جھانک رہی تھیں ، ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی میلہ ہے ۔ اتنے شاندار استقبال کی مثال اگر تھی تو صرف اس استقبال کی جب ہارون رشید مہدی کے زمانے میں چند سال پہلے قسطنطنیہ کا معرکہ سر کر کے بغداد واپس آیا تھا ۔

جب سواری پل کے قریب پہنچی تو ابنائے انصار پیشوائی کے لیے اپنی مشہور تلواروں اور خوب صورت گھوڑوں کے ساتھ آگے بڑھے ، یہ لوگ سیاہ رنگ کا زرکار لباس پہنے ہوئے تھے ۔ اس کے بعد بنو عباس کی سربرآوردہ اور معزز شخصیتیں تھیں ۔ ان کے درمیان میں ہارون لباس سیاہ زیب تن کیے جواہر دار دستے کی تلوار لٹکائے لوگوں کی تہنیت اور مبارک باد کا دل ربا تبسم کے ساتھ جواب دیتا ، خوش جمالی اور خوش قامتی کی پوری آن کے ساتھ جو ۲۳ سال کے ایک نوجوان میں پائی جاسکتی ہے موجود تھا[2] ۔ اس کے بعد افسران فوج ، فقہا ، قضاۃ ، علما اور منصب داران دربار کی صفیں تھیں ۔ طبری کی روایت ہے :

''ہارون رشید اپنے موکب کے ساتھ پل پر سے گزرا ، وسطی پل کے

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۲ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۳ ۔

پاس جب پہنچا تو رک گیا ، اشارہ ملتے ہی موکب ٹھہر گیا ، سارے مجمع پر سناٹا چھا گیا - پھر خلیفے نے دریا کے ایک خاص مقام کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا ، یہ وہی جگہ تھی جہاں رشید نے باپ کی دی ہوئی انگوٹھی ہادی کے تقاضے سے برہم ہو کر پھینک دی تھی - رشید کا اشارہ پاتے ہی کئی خادم اور غلام جھپاک سے پانی میں کود پڑے ، تھوڑی دیر میں ایک خادم اس طرح برآمد ہؤا کہ اس کے ہاتھ میں وہی انگوٹھی تھی ، اس نے وہ انگشتری رشید کی خدمت میں پیش کر دی ، جسے اس نے فوراً پہن لیا - جلوس پھر آگے بڑھا ، لیکن لوگ یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے ، انھوں نے اس سے فال لیتے ہوئے اسے عظیم واقعات کا پیش خیمہ تصور کیا ۱ !"

پھر جب نماز جمعہ کا وقت آیا ، تو رشید قصر خلد سے برآمد ہو کر مدینۃ السلام (بغداد) کی جامع مسجد میں پہنچا ، اس مرتبہ کا جلوس پہلے جلوس سے بھی بڑا تھا - ہارون نے خود ہی امامت کی ، اس کے بعد صحن مسجد میں ایک شہ نشین پر بیٹھا اور بیعت کے لیے وہ لوگ پیش ہوئے

---

۱ - الطبری جلد ، صفحہ ۶۰۴ -

جس صورت میں یہ واقعہ طبری نے بیان کیا ہے ہم اسے درست نہیں خیال کرتے - یہ واقعہ اگر واقع بھی ہؤا تو کسی اور طرح ہؤا ہوگا ، کیونکہ جس طرح موکب کا رکنا اور فوراً ہی انگوٹھی کا برآمد ہونا بیان کیا گیا ہے یہ خلاف عقل ہے -
اور اگر یہ روایت صحیح ہے اور اسی طرح صحیح ہے جس طرح بیان کی گئی ہے تو پھر یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ یہ ایک پہلے سے بنائی ہوئی سکیم تھی اور یحییٰ کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھی - جس میں رشید بھی شریک تھا تاکہ لوگ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوجائیں اور نئے خلیفہ کے بارے میں خوش آئند توقعات قائم کر لیں -

لگے ، جو عیسا باذ میں حاضر نہیں تھے - یہ سارا دن بیعت اور تقریب بیعت کی دھوم دھام میں صرف ہؤا ، یہاں تک کہ رات نے اپنا پردہ ڈال دیا [1]۔

دوسرے روز محل میں اس نے دربار عام منعقد کیا - اس موقع پر اساطین مملکت کی بھی بڑی تعداد موجود تھی ، ان سب کے سامنے اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کو طلب کیا اور اسے وزارت کا منصب سونپا ، مہر وزارت عطا کی اور کہا :

''پدر محترم ، اپنی رائے کی برکت اور حسن تدبیر سے آپ ہی نے مجھے اس جگہ بٹھایا ہے ، میں آپ کو رعایا کے معاملات سونپتا ہوں ، اپنی ذمے داری کا حلقہ آپ کی گردن میں ڈالتا ہوں ، آپ جو حکم چاہیے نافذ کیجیے ، جسے چاہیے مناصب عطا کیجیے اور جسے مرضی ہو معزول کیجیے ، میں آپ کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا [2]!''

پھر حاضر الوقت شعرا میں سے ایک شاعر اٹھا اور اس نے اپنا قصیدۂ تہنیت شروع کر دیا :

الم تر ان الشمس کان مریضا
فلما هارون اشرف نور ها
و البست الدنیا جمالاً بوجهه
فهارون و الیها و یحییٰ وزیرها

یعنی :

کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورج رندھا ہؤا تھا
لیکن ہارون نے جب حکومت ہاتھ میں لی تو اس کا نور ہر طرف پھیل گیا ،
ہارون کے رخ روشن سے دنیا نے جمال حاصل کیا ،
ہارون والی ہے اور یحییٰ اس کا وزیر -

قصیدہ سن کر ہارون نے اسی وقت شاعر کو مالا مال کر دیا - یہ

---

۱ - الامامہ و السیاسہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۲ -

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۰۳ -

پہلا انعام تھا جو اس نے خلیفہ ہونے کے بعد عطا کیا ۱ -

ہارون نے یحییٰ پر جو نوازش کی تھی اور جس طرح اسے بام عروج پر پہنچایا تھا صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ''امیر'' کا لقب عطا کیا - اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اپنے کسی وزیر کو یہ لقب نہیں عطا کیا تھا ۔ اس طرح دولت بنو عباس کا یحییٰ پہلا عجمی وزیر تھا ، جسے ''امیر'' کے لقب سے سرفراز کیا گیا۲ -

عباسی خلفا میں ہارون سب سے زیادہ نو عمر خلیفہ تھا - اپنے اسلاف کی طرح اسے زمانے کی کھٹنائیاں نہیں برداشت کرنا پڑی تھیں - اسے ان تجارب اور مصائب سے عہدہ برآ نہیں ہونا پڑا تھا ، جن سے منصور عہدہ برآ ہوا تھا ، نہ ان زحمتوں اور مشقتوں سے دو چار ہونا پڑا تھا ، جن سے مہدی دو چار ہوا تھا ، نہ عزیزوں اور ساتھیوں کی ان سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا جن کا مقابلہ ہادی نے کیا تھا - اس کی ناز و نعم میں پرورش ہوئی ، لاڈ پیار میں زندگی بسر ہوئی ۔ باپ مہربان ، ماں فدائی اور ہر مشکل وقت میں سینہ سپر - نہ اس کے دن بے چینی میں گزرے ، نہ راتیں پریشانی میں - بچپن سے جوانی تک کا زمانہ سرور و نشاط اور عیش و راحت ہی میں گزرا ، کم سنی ہی میں میدان جہاد میں اترا اور کامیاب و کامران واپس آیا - کوئی معرکہ ایسا نہ تھا جو اس نے سر نہ کر لیا ہو ، کوئی دشمن ایسا نہ تھا جسے اس نے سرنگوں نہ کر دیا ہو - وہ ایک غازی اور فاتح کی حیثیت سے ابھرا ، جہاد کے مواقع پر دوسرے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ اس کا نام بھی لیا جاتا تھا ، پھر مملکت کا نصف حصہ اس کی ماتحتی میں دے دیا گیا - نظم انصرام اور بحالی امن و امان کے سلسلے میں اسے کوئی خاص مشقت نہیں کرنا پڑی - ستارہ اوج پر تھا ، سارے کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتے چلے گئے -

پھر جب اسے ہادی پر مقدم کر کے ولی عہد اول بنانے کی سعی

---

۱ - الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۰ -

۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۷۷ -

سازش کی گئی ، تو بے شک اسے متاعب و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہ کارروائی بہت بڑے جرم اور سازش پر منتج ہوئی ، لیکن اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا ۔ نہ اس کے ہاتھ خون ناحق سے آلودہ تھے ۔ پھر وہ تخت حکومت پر پہنچ گیا ، حالانکہ اس نے حصول خلافت کے لیے کوئی سعی و کاوش اور جد و جہد نہیں کی تھی ۔

بڑی آسانی اور سہولت سے وہ مجد و رفعت کے زینے طے کرتا چلا گیا ۔ لوگوں نے اسے خوش آمدید کہا اور عوام کے حسن ظن کا وہ مرجع بن گیا ، بدون اس کے کہ اس نے سیاسی حیلہ جوئی اور زمانہ سازی سے کام لیا ہو ۔

یہ بات ہرگز تعجب انگیز نہ ہوگی ، اگر ہم کہیں کہ رشید کی اصل زندگی تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد شروع ہوئی اور اس زندگی میں ایسے ایسے سبق ملے جنھوں نے اس کے جوہر کو صیقل دے دی اور بہت مختصر سے وقت میں اس کے مواہب اور محاسن کو نمایاں کر دیا ۔

یحییٰ کا عہد وزارت و اقتدار

عروج و اقبال کی داستان

یحییٰ برمکی کے ہاتھ میں مہر وزارت آ گئی - اس نے اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائی - اس نے دیکھا کہ پرانے سیاست دانوں میں اب کوئی اس کا حریف نہیں رہا ، نہ کوئی ایسا شخص ہی زندہ ہے جو اس کے اثر و نفوذ میں مزاحم ہو سکے اور نہ کوئی ایسا آدمی ہی باقی رہ گیا ہے جو دولت اسلامیہ کے حالات میں شرکت کا خواہاں ہو -

خیزران یحییٰ پر حاوی ہو گئی

البتہ خیزران ایک ایسی ہستی تھی جس سے مفر نہ تھا ، اور جس کا کوئی توڑ بھی نہیں تھا - وہ معاملات عوام اور امور مملکت میں اسی طرح دخل انداز ہوتی تھی جس طرح شوہر کے زمانے میں ہوا کرتی تھی ، اور جو چاہتی تھی کام لے لیتی تھی ، اس پر یہ احساس حاوی تھا کہ اس کے بیٹے کی مملکت میں کوئی اس کی مرضی اور حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں رکھتا اور ظاہر ہے ہارون کی ابھی بساط ہی کیا تھی ؟ نو عمر ، ناتجربہ کار ، امور مملکت سے بے خبر!

یحییٰ کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ خیزران کے سامنے سپر انداز ہو جائے ، اس لیے نہیں کہ وفا داری کا تقاضا یہی تھا اور وہ بہت بڑا وفا دار تھا ، بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ وہ خیزران سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تھا - وہ اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا تاکہ قصر خلافت کی سب سے بڑی ہستی اس کی پشت پناہی کرتی رہے اور ان دشمنوں اور مخالفوں کا توڑ کر سکے جو اس کے خلاف ہارون الرشید کو بھڑکائیں ، جس

کا نتیجہ یہ ہو کہ کسی دن اس کی سعادت مندی، رعونت سے بدل جائے۔

اور اس میں اس کا بگڑتا بھی کیا تھا، اگر امور مہمہ میں خیزران سے مشورہ کر لیا کرے یا کوئی کام کرنے سے پہلے اس کی رائے بھی لے لیا کرے؟ کرنا سب کچھ بہرحال اس کو تھا۔ پھر اس کے سامنے کوئی نہیں آ سکتا تھا اور یحییٰ سے بڑھ کر خیزران کو رام کرنے اور پھسلانے کا گر اور کس کو آتا تھا[1]؟

مصادر تاریخی سے یہ بات ثابت ہے کہ یحییٰ خیزران سے صلاح و مشورہ کرتا رہتا تھا اور اس کے احکام کی تعمیل بے چون و چرا کر گزرتا تھا[2]۔ بلکہ روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ عام طور پر پہلے خیزران کو ہموار کر لیتا تھا، پھر کوئی اقدام کرتا تھا تاکہ کسی طرح کا دھڑکا باقی ہی نہ رہ جائے اور وہ اس کے کسی معاملے پر معترض نہ ہو سکے۔

یحییٰ اچھی طرح جانتا تھا کہ خیزران کو دولت جمع کرنے کی دھن ہے، اس معاملے میں بغیر حساب کتاب وہ اس کی ہر خواہش پوری کرتا رہتا تھا۔ اس نے اس کے لیے بہت سے گاؤں، باغات اور جاگیریں خرید کر نذر کر دی تھیں۔ یہی اس کی آرزو تھی اور یہ چیزیں پا کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ اس کی جائداد بہت زیادہ تھی، اس کی قیمت کا اندازہ مملکت کی سالانہ آمدنی کا پانچ گنا تھا، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ[3]۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کے معین و مددگار بنے ہوئے تھے اور آڑے وقت میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔

رشید کی زندگی کا یہ دور نوعمری کا دور تھا۔ دانا اور تجربہ کار وزیر کی موجودگی ہر خطرے اور دشواری سے تحفظ کی ضامن تھی۔ اس کی کارگزاری کے بعد نہ اسے رات کو جاگنے کی ضرورت تھی، نہ افکار لاحاصل میں مبتلا ہونے کی۔ اس نے سارا بار وزیر باتدبیر کے کندھوں پر ڈال دیا تھا

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۰۳ -
۲ - الطبری، جلد ۲، صفحہ ۶۰۳ -
۳ - تاریخ التمدن الاسلامی، جلد ۲، صفحہ ۳۵ -

اور اسے مکمل اختیارات سونپ دے تھے ۔ وہ اپنے وزیر پر اندھا اعتماد کرتا تھا جو ہر اندیشے اور شک سے ماورا تھا ۔

اور خیزران کی صورت میں بھی رشید کو ایک بہت بڑی پناہ گاہ حاصل تھی ، جو اس کی ذات اور تخت حکومت کو ہر خطرے اور دشواری سے بچانے کے لیے ہمہ وقت سینہ سپر تھی ۔ اس نے لگام اس کے ہاتھ میں دے دی تھی اور خود اسکی رکاب کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا ۔ اس سپردگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی شخصیت ماند پڑ گئی ۔ ماں کی ہوس زر اور وزیر کی ہوس اقتدار نے اسے معاملات حکومت سے بالکل دور کر دیا تھا ۔ چنانچہ اس کے اوقات کا بڑا حصہ جہاد و حج اور فقہا و علما کی صحبت ، ادیبوں اور شاعروں کی مجلس اور نغمہ و سرور کی محفل میں بسر ہوتا تھا ۔

یحییٰ ہارون کی اس بے تعلقی سے مطمئن نہیں تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ ہارون کبھی بھی امور مملکت کی طرف متوجہ نہ ہو ۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اپنے دونوں بیٹوں فضل برمکی اور جعفر برمکی کو قصر خلد کا مستقل مکین بنا دیا تاکہ یہ دونوں ہر وقت اس کے ساتھ رہیں ۔ جہاں وہ مقیم ہو وہاں ٹھہر جائیں ، جب وہ سفر کرے تو یہ بھی ساتھ ساتھ ہوں ۔ یہ دونوں بھی اس طرح پیچھے لگے کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے تنہا نہیں چھوڑتے تھے ۔ ایک ورنہ ، دونوں سایے کی طرح ساتھ رہتے تھے ۔

اس کے بعد یحییٰ نے ایک قدم اور بڑھایا اور اپنے بھائی محمد بن خالد برمکی کو حاجب بنا دیا تاکہ وہ اس کی مجلسوں کا در و بست کرے اور جب لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو موجود رہے[1] ۔

اس طرح اس نے ہارون کو ہر طرف سے بالکل گھیرے میں لے لیا تھا ۔ پرندہ پر تک نہیں مار سکتا تھا اس کے پاس ۔

ادھر تو یہ کارروائیاں ہو رہی تھیں اور ادھر رشید خواب خرگوش

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۰۷۸ ۔

محمد بن خالد برمکی ۱۷۲ھ میں منصب حجابت پر فائز ہوا ۔

میں مبتلا تھا ۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس جکڑ بندی سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے ؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فضل برمکی اور جعفر برمکی کو چاہتا تھا ۔ یہ دونوں اس کے رضاعی بھائی تھے ۔ بچپن سے لے کر جوانی تک کا سارا زمانہ انھی کے ساتھ گزرا تھا ۔ اپنے حاجب محمد بن خالد برمکی کو بھی وہ پسند کرتا تھا ۔ اس کی موجودگی اسے ذرا بھی گراں نہیں گزرتی تھی ۔

یحییٰ نے صرف وزارت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکومت کے تمام شعبوں اور دواوین پر قبضہ کر لیا ۔ البتہ دیوان خاتم (مہر بردار) کا منصب ایسا تھا جس پر اس نے ابو العباس فضل بن سلیمان طوسی کو مجبوراً فائز کر دیا تھا ۔ یہ قصر بنی عباس کا خاص آدمی تھا اور اس سے پہلے ابو جعفر منصور کے زمانے میں بھی اس منصب پر فائز رہ چکا تھا اور مہدی و ہادی کے زمانے میں بھی برقرار رہا تھا ۔ جب خلافت رشید کے ہاتھ میں آئی تو اس نے بھی اسے برقرار رکھا[1] ۔

یہ طوسی یحییٰ کے جملہ تصرفات میں اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا ۔ رشید کے نام سے جو فرامین و رسائل یحییٰ کی طرف سے اس کے پاس مہر لگانے کے لیے آتے تھے ، فوراً ان پر مہر نہیں کر دیتا تھا ، کوئی تحریر اس کی رائے کے خلاف ہوتی تو تاخیر کا حربہ بھی استعمال کرتا ۔

یحییٰ نے ناراض ہوکر رشید سے طوسی کی شکایت کی ، لیکن رشید نے کچھ توجہ نہیں کی ۔ اب یحییٰ صرف خاص خاص کاغذات اس کے پاس بھیجنے لگا ۔ پھر کچھ عرصے بعد یحییٰ نے اس سے خاتم خلافت لے لی اور خود ہی تن تنہا ہر طرح کے تصرفات رشید اور خیزران کے علم میں لائے بغیر کرنے لگا ۔ البتہ بہت ہی اہم معاملات پر یا بہت ہی معمولی امور پر صلاح مشورہ کر لیتا[2] ۔

معاملات حکومت سے متعلق رشید نے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ اس نے عہد گزشتہ کے حسابات طلب کیے ، تاکہ معلوم کر سکے خزانے

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۷۷ ۔
۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۷۸ ۔

میں کیا ہے ؟ جانچ پڑتال کے بعد معلوم ہؤا خزانہ تقریباً خالی ہے ۔ اس کا بڑا حصہ مہدی کی فیاضی اورسخاوت ، اور باقی حصہ ہادی کی فضول خرچی ور بے پروائی کی نذر ہو گیا ہے[1] ۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا ؟ اس نے حکم دیا :

''گزشتہ عہد میں اس کے اہل بیت یا دوسرے لوگوں نے غلط طور پر جو کچھ لیا ہے ، یا جس اراضی پر قبضہ کیا ہے ، اسے واپس لے لیا جائے اور اصل حق داروں کو لوٹا دیا جائے اور جملہ نواحی میں مستحق لوگوں کو روپیہ دیا جائے اور اموال ذوی القربیٰ کو بنو ہاشم میں عدل کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے[2] ۔''

ہارون کے اس انداز نے لوگوں کا دل موہ لیا ۔

سیاست کے میدان میں ہارون باپ کے نقش قدم پر چلا ۔ اس نے عفو عمومی کا پروانہ صادر کیا متہم لوگوں کو ، جنھوں نے راہ فرار اختیار کی تھی ، امن دیا ۔ البتہ زندیقوں اور مجرموں کو اس معافی سے مستثنیٰ رکھا ، ان لوگوں کو بھی مستثنیٰ رکھا جو حقوق العباد کے مجرم تھے ۔

جیل سے جو لوگ رہا ہوئے ان میں یعقوب بن داؤد بھی تھا ۔ یہ منصور کے زمانے میں مرتبۂ وزارت پر فائز تھا ۔ پھر اس پر الزام لگایا گیا کہ یہ علویوں کا دم بھرتا ہے ، لٰہذا جیل میں ڈال دیا گیا ۔ مہدی نے اسے رہا کیا اور پھر مرتبۂ وزارت عطا کیا ۔ لیکن یہ اپنی روش سے باز نہ آیا ۔ بنو عباس سے خار کھاتا اور ابناء علی کا کلمہ پڑھتا ، دوبارہ پھر جیل میں ڈال دیا گیا ۔ اب رشید نے اسے رہا کیا ۔ بہت بوڑھا ہو چکا تھا ۔ آنکھیں بھی جاتی رہی تھیں ۔ ہارون نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا ، اس سے کہا گیا :

''امیرالمومنین کو سلام کرو!''

اس نے سلام کیا ۔ پھر رشید نے اس سے پوچھا :

''میں کون سا امیرالمومنین ہوں ؟''

---

۱ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۰۴ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۴ ۔

اس نے کہا۔

''مہدی!''

ہارون گویا ہؤا:

''خدا اُن پر رحمت نازل کرے، وہ تو وفات پا چکے!''

یعقوب نے کہا:

''تو پھر ہادی؟''

ہارون نے کہا:

''وہ بھی جوار رحمت میں جا پہنچے!''

یعقوب نے عرض کیا:

''تو ہارون رشید؟''

ہارون نے جواب دیا:

''ہاں ـــــ اے یعقوب اپنی حاجت بیان کر؟ میں چاہتا ہوں تیری عزت افزائی کروں!''

یعقوب عرض گزار ہؤا:

''یا امیرالمومنین! اب تو ایک ہی آرزو ہے، مجھے مکۂ مکرمہ بھجوا دیجیے!''

ہارون نے کہا:

''ہم نے تمہارے لیے بہت بڑی رقم منظور کی ہے جو تمہیں کفایت کرے گی۔ تم اپنی ہر ضرورت اس سے پوری کر سکو گے، ہم نے تمہارا روزینہ بھی مقرر کر دیا ہے، اپنی زندگی کے آخر دن تک چین سے رہو گے!''

یعقوب نے شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گیا[1]۔

ہادی نے معرکۂ فخ کے بعد علویوں کی بہت بڑی تعداد کو جلا وطن یا قید کر دیا تھا۔ رشید نے ان تمام لوگوں کو جو قید تھے رہا کر دیا اور انھیں اجازت دی کہ اپنے وطن مدینۂ منورہ واپس چلے جائیں۔ ان کے لیے وظائف بھی مقرر کر دیے، سوا عباس بن حسن کے کہ ان سے وہ

۱۔ ابن الاثیر، جلد ۶، صفحہ ۹۳۔

اندیشہ سرکشی کا محسوس کرتا تھا - ہارون کی اس روش سے عام لوگ بہت خوش ہوئے اور شیعہ حضرات نے بھی اسے سراہا[1]۔

ایک روایت ہے کہ رشید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا - یہ واقعہ خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے - آں حضرتؐ نے رشید سے ارشاد فرمایا:

''خلافت تجھے ملنے والی ہے، پس جہاد کر، حج کر اور اہل حرمین کے ساتھ حسن سلوک کر[2]!''

اس دن سے اس نے عہد کرلیا کہ جب بھی موقع پائے گا، حج ناغہ نہیں کرے گا اور جہاد سے منہ نہیں موڑے گا - جب تخت خلافت پر بیٹھا تو یہ خواب یاد آیا - اس نے فوراً ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور بہ ارادۂ جہادِ بلاد روم کی طرف بڑھا - فاتحانہ شان سے برابر آگے بڑھتا چلا گیا اور فتح یاب رہا - اس کے بعد حج کے ارادے سے واپس آیا تاکہ اس سال کا حج ناغہ نہ ہوجائے - شوال ۱۷۰ھ (مطابق ۷۸۶ع) کے مہینے میں بغداد پہنچا اور یہاں سب سے پہلی خوش خبری جو ملی یہ تھی کہ زبیدہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا ہے، یہ ہارون کا نجیب الطرفین لڑکا تھا - یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا اور باپ کے نام سے برکت لیتے ہوئے اس کا نام ''محمد'' رکھا، جو بعد میں محمد الامین کے نام سے مشہور ہوا -

بغداد میں قیام بہت مختصر رہا - پھر ایک موکب جلیل کے ساتھ جس میں اساطین مملکت اور بغداد کے علما و فقہا شامل تھے، کوفے کے راستے ارض حجاز کی طرف روانہ ہوا -

حجاز پہنچ کر رشید نے اہل حرمین کو اموال و صدقات کثیرہ سے نوازا، اور پھر فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد اپنے پایۂ تخت بغداد واپس آ گیا -

ہارون پہلا خلیفہ تھا جس نے خلافت کے پہلے ہی سال میں جہاد کا

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۱۷ -

۲ - تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۱۴ -

شرف اور حج کی سعادت حاصل کی ۔ یہ بات لوگوں کی زبان پر چل نکلی ۔ ایک شاعر داؤد بن زرین نے کہا :

بھارون لاح النور فی کل بلدۃ
و قام بھا فی عدل سیرتہ النھج
امام بذات اللہ اصبح شغلہ
و اکثر ما یعنی بہ الغزو والحج
تضیق عیون الناس عن نور وجھہ
اذا ما بدا للناس منظرہ البلج
وان امین اللہ ہارون ذا الندی
ینیل الذی یرجوہ اضعاف مایرجو

یعنی :

ہارون کے نور سے سارا ملک جگمگا اٹھا ہے
اور ہر ہر شہر میں اس کے عدل کی مثال قائم ہو گئی ہے
یہ ایسا امام ہے جو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے
اسے صرف جہاد اور حج سے دل چسپی ہے
اس کے نورانی چہرے کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں
جب کہ اس کا روشن جمال لوگوں کے سامنے نمودار ہوتا ہے
اللہ کا امین ہارون ایسا ہے جسے لوگ گھیرے رہتے ہیں
اور ہر شخص اپنی امید سے کئی گنا اس سے حاصل کر لیتا ہے ۔"

سیاست وقت اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ حکومت کے انتظامی ڈھانچے کی تعمیر کی جائے اور اسے اُن عناصر سے پاک کیا جائے جو نیا سانچہ قبول نہیں کر سکے یا جن کے دامن پر مخالفت ، سازش ، عداوت اور غداری کے دھبے موجود ہیں ، یا جو اسے پسند نہیں کرتے کہ رشید کا برامکہ سے ربط و ضبط بڑھے ۔ چنانچہ مکہ ، مدینہ ، طائف ، کوفہ ، خراسان ، آرمینیہ ، جزیرہ ، موصل اور شمالی افریقہ کے عمال و حکام میں دور رس تبدیلیاں کی گئیں[1] ۔

---

۱ ۔ النجوم الزاہرہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۰ ۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رشید اور یحیئ نے ان لوگوں پر توجہ کی جنھوں نے ان دونوں کے برخلاف ہادی کا ساتھ دیا تھا ۔ ان میں بعض وہ تھے کہ انہوں نے خلع بیعت میں بھی تامل نہیں کیا تھا اور ہادی کو ہارون کے خلاف اور یحیئ کے خلاف بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا ۔ یہ دونوں (یحیئ اور رشید) اسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ خیزران کا پیام پہنچا :

''میری صلاح تو یہ ہے کہ ہر اس شخص کی گردن قلم کر دی جائے جس نے ہارون کی ولی عہدی کی بیعت توڑنے اور جعفر بن ہادی کی بیعت کرنے پر زور دیا اور اس تحریک میں حصہ لیا تھا !''

یحیئ نے اس پیام کا جواب بھیجا :

''آپ کی تجویز سے بھی بہتر اور مناسب تجویز میرے خیال میں یہ ہے کہ ان لوگوں کو ہم دشمن کی طرف دھکیل دیں ۔ اگر یہ اس سے سر بر ہو جاتے ہیں تو بھی ہمیں فراموش کر کے یہ اسی کام میں لگے رہیں گے اور اگر دشمن ان پر غالب آیا تو ہم ان سے راحت پا جائیں گے !''

خیزران نے یحیئ کی اس رائے کو پسند کیا [1] ۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں یحیئ کی یہ رائے بڑی مناسب تھی ، اس سے اُس کی فراست اور دور اندیشی کا اندازہ ہوتا ہے ، اس لیے کہ وہ لوگ جو ہارون و یحیئ کے مخالف اور ہادی کے دم ساز اور حامی رہ چکے تھے ، مٹھی بھر نہ تھے ۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور معمولی لوگ بھی نہ تھے ۔ یہ اپنے وقت کے منتخب لوگ تھے ، ان میں امیر ، قائد ، وزیر ، حاجب سب ہی تھے ۔ لٰہذا قرین دانش یہ نہیں تھا کہ انہیں ابدی نیند سلا کر ، ان کے حامیوں اور ساتھیوں کو مشتعل کیا جاتا ۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے قبائل پر غیر معمولی اثر و رسوخ بھی رکھتے تھے ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۲۸ ۔

ایسے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا ، مصائب اور مشکلات کو دعوت دینا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے ، جنہیں رشید دل میں پسند کرتا چلا آ رہا تھا ۔ ان کا احترام اس کے دل میں جاگزیں تھا اور محسوس کرتا تھا کہ ہادی کے احکام کی اطاعت انہوں نے اس لیے نہیں کی کہ اس (رشید) سے نفرت کرتے تھے ، بلکہ اس طرز عمل میں یحییٰ سے مخالفت اور عداوت کا جذبہ شامل تھا ۔ اس لیے کہ وہ شعوبیت پرست تھا اور اپنے ہم قوموں پر جان دیتا تھا یا اُن لوگوں نے یحییٰ کی سازشوں کی مخالفت کی تھی ، محض اپنی سر بلندی کے لیے جن کا اس نے جال پھیلا رکھا تھا یا پھر ان کی مخالفت کے اسباب تمام تر ذاتی اور شخصی تھے ۔

لیکن یحییٰ اپنے ایک ایک دشمن کو نام بنام جانتا اور پہچانتا تھا ، اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان دشمنوں میں سے ہر ایک کی مقدار عداوت کتنی تھی اور کیوں تھی؟ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھا کہ یہ لوگ اپنی قوم میں کس مرتبے اور اثر کے حامل ہیں؟ ان کے اسالیب خصومت سے بھی واقف تھا اور ان سے کس طرح نمٹا جائے ، یہ بھی جانتا تھا ۔ ہمارا خیال ہے ، اس نے ہارون کو جملہ اسرار سے واقف نہیں کیا تھا ۔ اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو سب سے زیادہ انجان رکھا جائے ۔

قائد (سالار فوج) محمد بن فروخ الازدی ، یحییٰ کے معتوب و مغضوب لوگوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھا ، نہ اس لیے کہ وہ ہادی کا حامی اور موید تھا ، بلکہ اس لیے کہ وہی تھا ، جو ایک لشکر لے کر ممالک محروسہ کی طرف اس ارادے سے بڑھا تھا کہ جو لوگ جعفر بن ہادی کی ولی عہدی پر اور ہارون کی محرومی پر بیعت نہ کریں انہیں تلوار سے جواب دے ۔ علاوہ ازیں آل برمک کی شعوبیت کا قواد عرب میں یہ سب سے بڑا دشمن اور مخالف تھا اور یحییٰ کے ان تصرفات کا بھی مخالف تھا ، جو قصر عباسی میں اس نے کر رکھے تھے ۔

یہ قائد اپنی فوج لے کر شام کی طرف سے گزر رہا تھا کہ اسے ہادی کی خبر وفات ملی ۔ اب ہارون کو ولی عہدی سے معزول و محروم کرنے کا

فریضہ بہ نوک شمشیر ادا کرنے کے بجائے اسے توقف اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ نواحی جزیرہ میں یہ اپنی چھاؤنی (معسکر) میں واپس آ گیا۔ یحییٰ نے اسے اس کی جگہ بحال رکھا اور اس سے کسی طرح کا تعارض نہیں کیا۔

چند مہینوں کے بعد ایک خارجی شخص صحصح نے اقلیم موصل میں علم بغاوت بلند کیا۔ خاصی کامیابی حاصل کر لی اور شوکت و قوت کا مالک بن گیا۔ یحییٰ کی صلاح کے مطابق رشید نے محمد بن فروخ کو خوارج کی تادیب اور سرکوبی پر مامور کیا۔ محمد بن فروخ نے خارجیوں سے زبردست مقابلہ کیا، لیکن ان کی قوت اور کثرت تعداد کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور آخرکار میدان جنگ سے رو بہ فرار لایا، میدان جنگ سے یہ فرار اس کے لیے پیام موت بن گیا۔ اس کو بغداد طلب کیا گیا اور قصر خلد میں اس کی گردن اڑا دی گئی۔[1]

اس ازدی قائد کا ایک اور جوڑی دار، جو اس سے کہیں زیادہ اہم شخصیت کا مالک تھا اور جس تک ہاتھ پہنچنا آسان نہ تھا، یزید بن مزید شیبانی تھا۔ مہدی نے اسے 'الاعرابی' کے لقب سے نوازا تھا، اس لیے کہ یہ ذہن و دماغ کے اعتبار سے خالص بدوی تھا اور تہذیب و حضارت جدیدہ سے سخت بیزار، کیونکہ یہ جدید تہذیب و حضارت عربی نہیں فارسی تھی۔

یہ وہ زبردست ہستی تھی جس نے اس عظیم لشکر کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے تھے، جس کی امارت ہارون کے ہاتھ میں تھی اور جو قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ جبال طبرستان و جرجان کی بغاوت اور شورش فرو کرنے کے لیے بھی اسی کو ہادی کے لشکر کا سربراہ بنا کر بھیجا گیا تھا، جو برمکی سیاست کے لیے حد درجہ تکلیف دہ اقدام تھا۔ یہ یزید بن مزید ہادی کے دم سازوں اور حامیوں میں تھا۔ ہارون کی حق ولی عہدی سے محرومی کا بھی حامی تھا۔ اسی نے یحییٰ کے

---

[1] - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۲۱ -

* محمد بن فروخ ازدی کا قتل ۱۷۱ھ کے اوائل میں ہوا۔

قتل کا مشورہ دیا تھا ۔ جب وہ اسیر تھا ۔

یحییٰ نے کوشش کی کہ رشید سے یزید بن مزید کے خلاف فیصلہ صادر کرا دے ، مگر وہ تنے مرتبۂ بلند پر فائز تھا کہ یہ ممکن نہ ہو سکا ۔ علاوہ ازیں خود رشید بھی اسے پسند کرتا تھا ، برامکہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے ، مگر بس نہیں چلتا تھا ۔ لیکن دشمن کی قسمت یاور تھی ، بے چارہ اپنی موت آپ مر گیا [1] ۔

حکومت کے سیاسی اور انتظامی معاملات سے تعلق رکھنے والے آدمیوں میں یحییٰ برمکی کے لیے سب سے زیادہ خطرناک شخص فضل بن ربیع بن یونس تھا ۔ ہارون کے بر سر اقتدار آنے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی ، اسی پائے کا دوسرا شخص علی بن عیسیٰ بن ہامان تھا ۔

فضل بن ربیع کا باپ منصور کا وزیر تھا ، جسے وہ اپنے وزرا میں سب سے زیادہ عزیز و محبوب رکھتا تھا ، اس کی اصابت رائے اور حسن تدبیر کا لوہا مانا جاتا تھا ۔ ایک روز منصور نے اس سے کہا :

''کوئی حاجت ہو تو بیان کرو تاکہ میں پوری کردوں !''

اس نے جواب دیا :

''امیرالمومنین میری حاجت یہ ہے کہ میرے بیٹے فضل کو چاہنے لگیے !''

منصور نے کہا :

''احمق ــــ محبت کہیں اس طرح ہوتی ہے ؟ اس کے کچھ اسباب بھی تو ہوتے ہیں !''

ربیع نے عرض کیا :

''اللہ آپ کے لیے اس کی سبیل بھی پیدا کر دے گا !''

منصور نے سوال کیا :

''وہ کیا ہو سکتی ہے ؟''

ربیع نے جواب میں عرض کیا :

''میرے بیٹے پر کرم اور نوازش کی بھرمار کیجیے ۔ جب آپ اسے

---

۱ - الطبری ، ۱۷۱ ھ کے واقعات ملاحظہ کیجیے ۔

مورد کرم بنالیں گے تو وہ آپ سے بے تحاشا محبت کرنے لگے گا اور اس کی محبت آپ کو اس سے محبت کرنے پر مجبور کر دے گی !''

منصور نے پھر سوال کیا :

''لیکن تمام دوسری چیزوں کو چھوڑ کر میں اس کی محبت کس طرح اختیار کر لوں گا ؟''

ربیع نے اس سوال کے جواب میں عرض کیا :

''اگر آپ اس سے محبت کرنے لگیں گے تو اس کی معمولی سی اچھائی بھی آپ کو بہت بڑی معلوم ہوگی اور اس کی بڑی برائی بھی آپ کو معمولی نظر آئے گی ۔ اس کی ہر ضرورت آپ خوشی خوشی پوری کریں گے اور اس کی ہر غلطی آپ ہنسی خوشی معاف کر دیں گے !''

چنانچہ منصور نے فضل کو حجابت کا عہدہ عطا کر دیا[1] اور اسے محکمہ فوج کا سر براہ بنا دیا ۔ مہدی کے عہد میں ربیع دیوان تھا ؛ پھر وزیر ہوگیا اور اس کا بیٹا فضل موسیٰ ہادی کے حاشیہ نشینوں میں شامل ہوگیا کیونکہ اس میں اور وزیر ابان بن صدقہ میں بڑی دوستی تھی ۔ پھر جب ہادی خلیفہ بنا تو اسے حاجب بنا دیا ۔ اس کے بعد ابراہیم حرانی کے ساتھ اسے بھی وزیر بنا دیا ۔ یہ یحییٰ بن خالد برمکی کا دشمن جان تھا اور ہادی کو اس کی سازشوں اور حیلہ جوئیوں سے باخبر کرتا رہتا تھا ۔ البتہ ہارون رشید سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی ، بلکہ اس سے یک گونہ ربط و تعلق رکھتا تھا ۔ اور زبیدہ کا تو یہ بہت زیادہ خیال و لحاظ رکھتا تھا ۔ وہ بھی مانتی تھی کہ اس کے دادا کی اور خود اس کی کسی خدمت سے کبھی اس نے دریغ نہیں کیا ، جب کہ ابھی وہ بچہ ہی تھی اور منصور کی گود میں پرورش پا رہی تھی[2] ۔

لیکن خیزران بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر فضل سے خار کھاتی تھی ، شاید یہ یحییٰ کی در اندازی کا نتیجہ تھا ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۳۵ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۲۵ ۔

جب رشید خلیفہ ہؤا تو اس نے فضل کو مقرب بارگاہ بنانے کا ارادہ کیا ، لیکن خیزران آڑے آئی ۔ حالانکہ زبیدہ اس کا اکرام کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے شوہر کا مقرب بارگاہ بن جائے ، لیکن اس کی کچھ نہ چلی ، خیزران کامیاب رہی ، البتہ اس کے انتقال کے بعد حالات بدل گئے ، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہ فارسی الاصل شخص تھا ۔ دعوت عباسیہ کے داعیوں میں سے ایک داعی کا بیٹا اور یکے از قواد جیوش ۔ ابو جعفر منصور کے زمانے میں مطلع سیاست پر نمودار ہؤا اور مکہ مکرمہ کے قریب بہ حالت سفر جب اس کا انتقال ہؤا اس وقت تک یہ اس کے موکب میں شامل تھا ۔ اس موکب کے جن لوگوں نے مہدی کی بیعت خلافت کے لیے سعی و جہد کی اُن میں یہ بھی تھا اور اس کام میں اس نے ربیع بن یونس کی پوری مدد کی تھی ۔ مہدی اس کی وفاداری سے بہت خوش تھا ، اس نے اسے مراتب عالیہ پر فائز کیا ، پھر اپنے بیٹے ہادی کے ساتھ وابستہ کر دیا ، یہ اس کے ندیموں اور حاشیہ نشینوں میں شامل ہوگیا ۔ ''ونداہرمز'' کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں یہ بھی جرجان کے سفر میں ساتھ تھا ۔ ہادی جب مسند خلافت پر بیٹھا تو اسے دیوان فوج بنا دیا[1] ۔

علی بن موسیٰ بن ماہان اور آل برمک کے مابین شدید عداوت تھی ، جس کا سبب ہمیں نہیں معلوم، لیکن اتنا جانتے ہیں کہ برامکہ اس کے بارے میں نا سزا الفاظ استعمال کیا کرتے تھے اور تیغ زبان کے وار کرتے رہتے تھے ۔ جب موقع ملتا چوٹ کرنے سے نہ چوکتے ؛ اسی طرح وہ بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا[2] ۔ جب موسیٰ ہادی اور ہارون میں نزاع و کشمکش برپا ہوئی تو اس نے اپنے خلیفے کا ساتھ دیا ۔ ہارون کی بیعت توڑ دی اور جعفر بن ہادی کی ولی عہدی پر بیعت کر لی اور یحییٰ بن خالد برمکی کی برائیوں کو خوب خوب طشت از بام کیا ۔ یہاں تک کہ

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۶۷ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۰۵ ۔

جب حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت رشید کے ہاتھ میں آئی ، تو یہ اس کی خدمت میں حاضر ہؤا ، معذرت کی اور اظہار خلوص و عقیدت کیا ۔ لیکن صرف اسی کی ذات سے ۔ اپنے دشمن یحییٰ کے ساتھ اس کے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک لمبی مدت تک حکومت کے مناصب سے دور رہا ، جس کا مزید ذکر آئے گا ۔

عبدالملک بن صالح

امرائے بنو عباس میں ایک اہم شخصیت عبدالملک بن صالح کی تھی ، اپنے خاندان میں معزز ، نگاہ عوام میں سربلند ، تقویٰ ، شجاعت اور دلیری میں یکتا ، منبر پر خطبہ دینے بیٹھتے تو بلاغت بیان کا دریا بہا دیتے ۔ رشید اور ہادی کی نزاع کے زمانے میں یہ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے ہادی کا ساتھ نہیں دیا تھا ۔ اپنی جلالت شان کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ حکومت ان نوجوانوں کے ہاتھ میں نہیں ہونی چاہیے ، جن کی رہنمائی عورتیں کرتی ہوں ۔ یہ خود خلافت کا خواب دیکھنے لگے ، لیکن دروازہ بند تھا ، کامیاب نہ ہو سکے ۔

عبدالملک بن صالح کو آل برمک سے عام طور پر اور یحییٰ سے خاص طور پر سخت کد تھی ۔ وہ بیت خلافت پر اس کی اثر اندازی پسند نہیں کرتے تھے اور یہ بات تو انہیں سخت نا پسند تھی کہ ان کے اسلاف کی قائم کی ہوئی حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک ایک فارسی الاصل شخص ہو ۔ عبدالملک اپنی قومی عصبیت میں بالکل بےلچک تھے اور اس فارسی شعوبیت کے سخت مخالف جو تخت بنو عباس پر چھائی ہوئی تھی ۔

رشید ، عبدالملک کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف تھا ۔ یحییٰ نے اسے اور زیادہ اس شخص سے خائف اور برگشتہ کر دیا تھا ۔ لیکن یہ کوئی معمولی ہستی نہیں تھی ، بیت خلافت سے اس کا قریبی تعلق تھا ، اس کے مواہب اور خصائص نے عوام کو اس کا گرویدہ کر رکھا تھا ۔ رشید جو کشمکش میں مبتلا تھا ، کبھی اس سے حد درجہ برہم ہو جاتا ، کبھی خوش ہو جاتا ۔ عبدالملک کو معلوم تھا یہ سب کیا دھرا آل برمک کا

ہے ۔ انھی نے رشید کو بھڑکا رکھا ہے ، لیکن بعد میں حالات ایسے پیش آئے کہ عبدالملک اور آل برمک کی دشمنی دوستی سے بدل گئی ، جس کی تفصیل کتاب کے آخر میں آئے گی[1] ۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی امرا بنو ہاشم تھے ، جو یحییٰ برمکی کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ مثلاً موسیٰ بن عیسیٰ اور جعفر بن سلیمان وغیرہ ، لیکن رشید اس لیے انھیں نہیں چھیڑتا تھا کہ وحدت بنو عباس کو پارہ پارہ کرنا نہیں چاہتا تھا ، وہ تو عباسیوں کی تائید و مساعدت کا جویا رہتا تھا ، پھر ان کی صف میں تفرقہ پیدا کرنے کا سبب کس طرح بن جاتا ؟

ان سیاسی اور انتظامی تطہیرات کے ساتھ ساتھ دوسری اصلاحات بھی نافذ کی جا رہی تھیں اور فکری و عمرانی میدان میں بھی قدم ترقی کی طرف اٹھ رہا تھا ۔ نئے نئے قلعے بنائے گئے اور چھاؤنیاں تعمیر ہوئیں ۔ جہاں جہاد کے لیے فوج ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتی ۔ بغیر کسی انقطاع کے ہر سال بلاد روم پر مسلمان چڑھائی کرتے ۔ الجزیرہ اور کسنرین کی سرحدات کے بجائے ایک مستقل فوجی مرکز قائم کر دیا گیا ۔ اس طرح دولت اسلامیہ کے حدود عسکری مستقل اور محکم ہوگئے ۔ ورنہ اس سے پہلے مسلمانوں اور رومیوں کی لڑائی میں حسب یلغار حدود میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی ۔

۱۷۰ھ (مطابق ۷۸۶ء) میں ہارون رشید نے اپنے خادم سلیمان بن فرح ترکی کو حکم دیا کہ بحر ابیض متوسط——جو اب بحر روم کے نام سے مشہور ہے——کے ساحل پر شہر طرطوس کی بنا ڈالی جائے تاکہ یہاں سے بری اور بحری یلغار بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھی جا سکے ۔

سلیمان نے یہ شہر تعمیر کر دیا ، بہت جلد یہ آباد ہو گیا ۔ شاندار اور خوش نما عمارتیں بن گئیں ، تھوڑی ہی سی مدت میں یہ شہر مراکز جہاد میں ایک اہم ترین شہر متصور ہونے لگا[2] ۔

اس عہد میں اور بھی کئی شہر اور قلعے تعمیر ہوئے ۔ مثلاً ہارونیہ

---

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۷۸ ۔

۲ ۔ معجم البلدان ، کلمہ ”طرطوس“ ۔

وغیرہ ، یہ سب حدود بلاد روم پر واقع تھے ، کیونکہ بازنطینی حکومت رشید کی حکومت سے سخت پرخاش رکھتی تھی اور بد ترین دشمن تھی ۔

داخلی طور پر بھی بہت سی اصلاحیں عمل میں آئیں ۔ زراعت وسیع پیمانے پر ہونے لگی ، نئی بستیاں بسائی گئیں ، پل تعمیر ہوئے ، دوس کھودے گئے ، نہروں کی بنیاد پڑی ، پانی اس کثرت سے مہیا ہونے لگا کہ کھیت اور باغ سرسبز و شاداب ہوگئے ۔ ان اصلاحات کو زیادہ کامیاب بنانے کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا ، کاشت کاروں اور کسانوں کو زیادہ سے زیادہ رعایتیں اور سہولتیں دی گئیں[1] ۔ فاضل محصول کسانوں پر سے اٹھا لیے گئے ۔

اس طرح اقالیم مختلفہ میں طرح طرح کی صنعتوں کے سلسلے میں حوصلہ افزا اقدامات کیے گئے ۔ دور و دراز مقامات کے راستوں پر پہرا لگایا گیا تاکہ تجارت میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے ۔ غرض تنظیم جدید میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا کہ ساری مملکت میں خوش حالی عام ہوگئی اور خراج اور ٹیکس کی آمدنی اس خوش حالی کے باعث اتنی بڑھی کہ خزانہ معمور ہوگیا ۔

اس زمانے میں رشید نے ایک اور کام جو کیا ، وہ یہ تھا کہ وہ ایک گرمائی صدر مقام بنانے کی فکر میں لگ رہا تاکہ جب بغداد میں گرمی شدت اختیار کرے تو وہاں جا کر اقامت اختیار کر لے ۔ اپنے گرمائی صدر مقام کا نام اس نے "مدینۃ البخار" رکھا[2] ۔ پہلے پہل تو اس نے حلوان و ہمدان کے مابین ایک قلعہ اس مقصد کے لیے بنایا ۔ وہاں جا کر رہا بھی ، لیکن بیمار پڑ گیا ۔ چنانچہ پایہ تخت واپس آ گیا ۔ پھر شمال کی طرف اس نے قدم بڑھایا اور جزیرۂ ابن عمر میں پہنچا ، چنانچہ یہاں اپنی جاگیر باقردی و بازبدی میں ایک قصر جمیل اس نے تعمیر کیا ، جس کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے :

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۷ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۷ ۔

بقردی و باز بدی معیف و مربع
و عذب یحاکی السلسبیل برود
و بغداد ما بغداد الا ترا بھا
فخرؤ و اما حرّ ھا فشدید[1]

یعنی :

قردی و باز بدی ایک ایسا سر سبز گرمائی مقام ہے جہاں کا شیریں اور خنک آب سلسبیل کے مانند ہے ۔

اور بغداد ، کیا ہے بغداد ؟ اس کی مٹی غلیظ ہے اور گرمی نہایت شدید ۔

لیکن یہ گرمائی صدر مقام پایہ تخت بغداد سے دور تھا ۔ آخر اس نے اپنے باپ کے بنائے ہوئے شہر رافقہ پر توجہ کی جو رقہ کی سمت واقع تھا ۔ یہاں اس نے ایک بہت بڑا محل تعمیر کیا ، جس کا نام "قصر السلام" رکھا اور بعض رجالِ دولت کو ترغیب دی کہ وہ بھی یہاں اپنی حویلیاں بنائیں ، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی ۔ اس نے حکم دیا ، یہاں جملہ اسباب راحت فراہم کیے جائیں ۔ مثلاً گھڑ دوڑ کے لیے میدان ، چوگان (پولو) کھیلنے کے لیے فیلڈ ، شکاری جانوروں کے لیے رمنے ، کشتیوں کے لیے لنگر گاہ ، بہت سی کشتیاں ، تفریح گاہیں ، باغات ، دریائے فرات کے کنارے کنارے نظر آنے لگے ۔ تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کے گرمائی صدر مقاموں میں قصر السلام سب سے بڑھ گیا ۔

اس طرح ہارون نے اپنی خلافت کے چار سال گزار دیے۔۔بے فکری ، یار باشی ، جہاد ، حج ، سفر ، شہر شہر کی سیر ۔ حکومت کا سارا کاروبار یحییٰ کے ہاتھ میں تھا یا پھر ماں کے ہاتھ میں ، جس کا مشورہ حکم اور جس کی مرضی قانون تھی ۔

یہاں تک جمادی الآخر ۱۷۳ھ (مطابق ۷۸۹ع) میں پہلی مرتبہ بے فکری اور اطمینان کا سفینہ ڈانوا ڈول ہونے لگا۔۔۔خیزران کا انتقال ہو گیا ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ صفحہ ۶۱۰ ۔

یہ زخم ابھی پرانا نہیں ہؤا تھا کہ بہن ـــ عباسہ بنت مہدی ـــ بیوہ ہوگئی ، یہ دونوں حادثے صرف ایک دن کے فرق سے ہوئے ۔

ہارون کی بہن عباسہ ، محمد بن سلیمان ہاشمی سے بیاہی ہوئی تھی جو مہدی کے زمانے سے اہواز ، فارس اور بحرین کا گورنر چلا آ رہا تھا ۔

یہ شخص حد درجہ بخیل تھا ، لوگوں پر ظلم کرتا اور ان کا مال چھین لیتا ، یہاں تک کہ بے اندازہ دولت کا مالک بن گیا ۔ خیزران کے بعد عباسی حکومت میں یہ سب سے بڑا مال دار شخص تھا ، کسی میں ہمت نہیں تھی کہ محاسبہ کر سکتا ، کیونکہ نہ صرف بیت خلافت سے قرابت کا تعلق رکھتا تھا ، بلکہ اس گھر کا داماد بھی تھا ۔ لیکن اس کا بھائی جعفر بن سلیمان اسے سخت ناپسند کرتا تھا اور اس کے خلاف بدگوئی کرتا رہتا تھا ۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں رشید کو لکھا :

''محمد بن سلیمان بے تحاشا مال اور اسلحہ جمع کر رہا ہے تاکہ حکومت کے خلاف بغاوت کر دے !''

لیکن رشید نے سنی کی ان سنی کر دی ، اس لیے کہ جھوٹی بات تھی ۔

محمد بن سلیمان لاولد مرا ، رشید نے اس کے تُرکے پر قبضہ کر لیا جو ستر لاکھ دینار تھا ، یہ رقم خزانے میں داخل کر لی ۔ جاگیر اور جائداد میں ہاتھ نہیں لگایا ، دوسرا سامان حاشیہ نشینوں اور ندیموں میں تقسیم کر دیا[1] ۔ جعفر بن سلیمان کو ایک کوڑی بھی نہیں دی ۔ یہ اس بات کی سزا تھی کہ بھائی کے خلاف لگائی بجھائی کیا کرتا تھا ۔ محمد بن سلیمان کے بارے میں اس نے ہارون کو لکھا تھا کہ بغاوت کی تیاری کر رہا ہے ۔ ہارون نے یہی بات پکڑ لی ۔ باغی کا مال حکومت کا[2] !

عباسہ نے بھائی (رشید) کا اس معاملے میں ساتھ دیا ، لیکن اقامت اپنے مرحوم شوہر کے محل میں رکھی ، یہیں اس کا عقد ثانی ابراہیم بن

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۱۱ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۱۱ ۔

صالح بن علی عباسی کے ساتھ ہؤا[1] ۔

انتقال کے وقت خیزران کی عمر تقریباً پچاس سال کی تھی ، بیماری کا سلسلہ زیادہ مدت تک نہیں جاری رہا ۔ رشید کو ماں کے مرنے کا بہت غم ہؤا ، اس نے ماں کا بڑا سوگ منایا اور خوب جزع فزع کی ، جنازے کو کندھا دیتا ہؤا چلا ، گرد سے اٹا ہؤا ، حد درجہ آشفتہ حال ، یہاں تک کہ جنازہ مقابر قریش میں پہنچ گیا ، یہیں تدفین کا فیصلہ ہؤا تھا ۔ پانی لایا گیا ، پہلے پاؤں دھوئے پھر پورا وضو کیا ، خود ہی نماز جنازہ پڑھائی ۔ قبر میں جب اسے اتارنے لگا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ پھر اسے دفن کر دیا ، اس کے نام پر خیرات کرتے ہوئے فقرا کو مالا مال کر دیا ، ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی اور نے ماں کے مرنے پر اس قدر زیادہ خیرات کی ہو[2] ۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں :

''خیزران کے جنازے کے ساتھ بے اندازہ خلقت تھی ۔ اس ہجوم میں قوم کے سردار اور شہر کے عائد و اعیان اور بغداد کی سر برآوردہ شخصیتیں شامل تھیں اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ خیزران خلیفہ کی ماں تھی ۔ اس لیے تھا کہ وہ لکھ لٹ تھی، حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اس کا شعار تھا !''۔

نعش کے پیچھے جو ہجوم تھا ، اس میں سب سے آگے یحییٰ بن خالد برمکی تھا ۔ وہ اس طرح چل رہا تھا کہ سر جھکا ہؤا تھا ، اور فکر میں ڈوبا ہؤا تھا—مجہول مستقبل کی فکر ، بلاشبہ یحییٰ کو حق تھا کہ سر جھکا کر چلے اور فکر مند ہو ، اس کے لیے اس سے بڑھ کر کٹھن گھڑی اور کون ہو سکتی تھی ؟ یہ عورت اپنے پیچھے ایسی یادیں چھوڑ گئی تھی جو اس کے فکر و خیال کی دنیا میں ہمیشہ زندہ اور باقی رہیں گی ، یہ یادیں معمور تھیں مسرتوں سے ، اور آلام و وحشت سے ، اور خون سے ۔ گویا اپنی

---

۱ ۔ النجوم الزاہرہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۳ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۱۱ ۔

موت کے بعد وہ یحییٰ کے لیے امید و بیم کی دنیا چھوڑ گئی تھی ۔ اب قصر خلافت کے دروازے حریفوں کے لیے چوپٹ کھلے ہوئے تھے ۔ وہ بڑی آسانی سے اس میں داخل ہو سکتے تھے اور رشید کے کان تک ہر بات پہنچا سکتے تھے ۔

سیدۂ قصر کا انتقال ہو گیا ، اب اس کی جگہ زبیدہ بنت جعفر لے گی ۔ ایک نوجوان اور نو آموز لڑکی ، جو نا تجربہ کار ہے ، نہ ہوشیار ، نہ گزشتہ واقعات و حوادث سے باخبر ، کیونکہ نزاع و کشمکش کی اس تاریخ میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا ۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کون لوگ شوہر کی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں اور کون مخالف ہیں ؟ نازوں میں پلی اور دولت میں کھیلی ہوئی ہاشمی خاتون ، جسے نہ مال جمع کرنے کی ہوس تھی ، نہ دولت بٹورنے کا لپکا ۔ جس کی رگوں میں خالص عربی خون دوڑ رہا تھا اور جو قومی عصبیت سے بھرپور تھی اور اب فارسی شعوبیت اور عربی عصبیت میں نزاع و کشمکش کا آغاز ہو چکا تھا ۔ اب آل برمک کو اس کی ضمانت کون دے سکتا تھا کہ کل وہ اس کے ہدف انتقام نہیں بن جائیں گے؟ اس نوجوان سیدہ کی نظر میں یحییٰ اور اس کی اولاد کی حیثیت ایک عجمی گروہ سے زیادہ نہ تھی ، جو اس کے شوہر رشید کا انتظام و انصرام مملکت میں ہاتھ بٹا رہا تھا——بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔

ماضی اور حال میں یحییٰ نے جو کچھ رشید کے ساتھ مل کر بنایا اور تعمیر کیا تھا وہ خیزران کی موت سے ڈولنے لگا تھا ۔ اب اسے دوسرا نہج اور نیا اسلوب اختیار کرنا ہوگا ، لیکن کون سا اسلوب ؟ کیا ستر سال کی عمر میں بھی یحییٰ اتنا چونچال اور چست رہ سکتا تھا ؟ نہیں ، اسے حوادث نے تھکا دیا تھا ، سیاست اب اس کے لیے ایک بارگراں بن گئی تھی !

بہر حال یہ تھا وہ دماغی انتشار اور ذہنی تفکر جس سے یحییٰ بن خالد برمکی کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا ، اس کا سر بھاری ہو گیا تھا اور گردن ڈالے وہ نعش کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا ۔

مقبرہ قریش میں جب تدفین عمل میں آ گئی ، تو رشید ایک قریبی

حویلی میں پہنچا جو اس کی استراحت کے لیے تیار کی گئی تھی - یہاں ایک ایک شہر کے لوگوں نے تعزیت پیش کی ، اس نے اشارے سے سب کو جواب دیا ۔ آخر میں فضل بن ربیع کی باری آئی ، وہ آگے بڑھا اور اس نے ہارون کے ہاتھ چومے ، بڑے دل گداز انداز میں تعزیت کی ، رشید متاثر ہوا ۔ اس نے کہا :

''اے فضل ! دادا جان (مہدی) کی قسم ، جس روز سے منصب خلافت مجھے ملا ہے ، میں تجھے مقرب بنانے اور مرتبہ خاص تک پہنچانے پر غور کر رہا ہوں ، خدا میری والدہ پر رحم کرے ، وہ مجھے روکتی رہیں - میرے لیے اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ۔ اب تم جعفر بن یحییٰ برمکی سے انگشتری لے لو [۱] !''

اس سوگوار مجمع میں رشید کا یہ اچانک اور غیر متوقع اقدام سب کے لیے حیرت انگیز تھا ۔ فضل بن ربیع جو ابھی چند لمحے پہلے تک قصر خلافت کا سب سے زیادہ معتوب شخص تھا ، اب ایک مرتبۂ عالی پر فائز تھا اور یحییٰ برمکی تو ششدر بیٹھا تھا ۔ وہ رشید کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس سے مشورہ اور رائے لیے بغیر وہ ایسا اہم اقدام کر سکتا ہے ۔ لیکن اب خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا ، وہ خاموش بیٹھا اپنی دید و شنید کا جائزہ لے رہا تھا ۔

ابن ربیع صورت احوال کی نزاکت کو بہ خوبی محسوس کر رہا تھا ، وہ جانتا تھا خلیفہ کا یہ اقدام تمام تر بندہ نوازی اور شفقت پر مبنی ہے ، لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا ؟ جعفر بن یحییٰ سے چپقلش ، اس نے اپنے دوست اسماعیل بن صبیح کاتب برامکہ کو وسیلہ بنایا کہ یحییٰ رشید کو اس سے منحرف کرنے کی کوشش نہ شروع کر دے ۔ آخر بات یوں بنی کہ فضل بن ربیع شہر کوفہ میں بعض انتظامی ذمے داریوں پر مامور کر دیا گیا ، تاکہ معاملات حکومت سے عرصہ دراز تک دور رہنے کے باعث اسے جو غیر معمولی مالی نقصان پہنچا تھا ، اس کی کچھ تلافی ہو جائے [۲] ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۸ -
۲ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۸۲ -

بہ ظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا ، لیکن حقیقتاً دور رس نتائج کا حامل تھا ۔ خیزران کی زندگی میں رشید یکسر مغلوب و مجبور تھا ، لیکن اس کی موت نقطہ تحول و تغیر ثابت ہوئی ۔ اب بہ حیثیت خلیفہ کے اپنی شخصیت اور اہمیت کا اس پر انکشاف ہو رہا تھا ، اسے جو حقوق حاصل تھے ان سے بہرہ ور ہو سکتا تھا ، جو واجبات تھے بغیر کسی پابندی اور مداخلت کے انہیں انجام دے سکتا تھا ، جس میں یحیی بن خالد برمکی کی دہشت اور اثرانگیزی بھی خارج نہیں ہو سکتی تھی ، وہ اب اپنی قدر و قیمت سے آگاہ ہو چکا تھا ۔ پس ضروری تھا کہ اپنے ارادے میں ، فیصلے میں ، اور رائے قائم کرنے میں وہ اس اقتدار مطلق کو نظر انداز کر دے جو یحیی بن خالد برمکی کی صورت میں موجود تھا ۔

دن گزرتے رہے !

زبیدہ ، خیزران کی جگہ سیدۂ قصر ہو گئی ، یہ اس کا حق تھا جو اس نے پا لیا ، لیکن امور مملکت اور شئون دولت میں مداخلت کی وہ عادی نہیں تھی ، شوہر اور وزراء برامکہ کے مابین جو معاملات جاری و ساری تھے ، نہ انہیں اہمیت دیتی تھی ، نہ زیر غور لاتی تھی ۔ وہ اگر کچھ جانتی تھی تو صرف اتنا کہ برامکہ ہارون سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان پر اعتماد کرتا ہے ، اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائز المرام اور سر بلند کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ۔ یہ معاملات اس کی عنان توجہ کو اپنی طرف ذرا بھی مبذول نہیں کرتے تھے ۔ البتہ عمل خیر اور سب کی بھلائی کا جذبہ بے شک اسے آمادہ کار رکھتا تھا ۔ اسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ وہ کون لوگ تھے جو کل موسیٰ ہادی کی جماعت میں شریک اور یحیی و خیزران کے سخت مخالف تھے ! اس کے لیے تو یہ کافی تھا کہ اس کے شوہر سے کون محبت کرتا ہے ۔ وہ بھی اس کا لحاظ و خیال کرنے لگتی تھی اور جو اس کے شوہر کے ساتھ نہ تھا وہ اس کا بھی معتوب و مقہور تھا ، اسے اگر کوئی دھن اور فکر تھی تو صرف اتنی کہ ہارون کا مقام زیادہ سے زیادہ بلند ہو اور وہ کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوتا رہے ۔ ہادی کے زمانے میں کیا ہوتا رہا تھا ؟ یہ بات اس کے دائرۂ

خیال سے باہر تھی ، آخر وہ اس کا ابن عم اور جیٹھ تھا ، وہ کئی اولادیں چھوڑ گیا تھا جو اب یتیم تھیں اور کم عمر تھیں ، ان سب کو زبیدہ کی محبت اور بے پناہ شفقت حاصل تھی ۔

زبیدہ کی اس روش کا اثر رشید پر بھی پڑا اور خصوصات سیاسی کے سلسلے میں اس کا تشدد نسبتاً نرمی سے بدل گیا ۔ جو لوگ مغضوب و مقہور تھے ، انھیں شرف تقرب حاصل ہونے لگا ۔ یحییٰ اور خیزران نے جنھیں دور دور پھینک رکھا تھا ، اب قصر خلافت سے ربط و تعلق قائم رکھنے کے مواقع انھیں حاصل تھے ۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ قصر خلد میں کافی مدت تک رشید کے پاس رہی ، پھر اس کے لیے رصافہ میں ایک شاندار محل ''دارالقرار'' تعمیر ہؤا تو وہاں منتقل ہوگئی ، وہ ہر طرح خوش اور مطمئن تھی ، کوئی بات ایسی نہیں تھی جو اس کے عیش و راحت کو مکدر کرنے والی ہو ، ہاں مگر ایک بات ــــ ولی عہدی کا معاملہ !

مسئلہ ولی عہدی

ہارون رشید سریر خلافت پر قابض ہو گیا، لیکن اس کا کوئی ولی عہد نہیں تھا جو بعد مرگ اس کا جانشین ہو اور حکمت و مصلحت اس امر کی مقتضی تھی کہ اس مسئلہ کا فیصلہ کر لیا جائے، تا اگر ناگہانی طور پر کبھی موت واقع ہو تو بیعت سابقہ کی عدم موجودگی کے باعث کہیں حکومت کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے۔ مسند خلافت پر جب وہ متمکن ہؤا تو صرف ایک طفل شیر خوار عبداللہ تھا جو مراجل کے بطن سے تھا اور مسلمان اتنے چھوٹے بچے کی بیعت پر آمادہ نہیں کیے جا سکتے تھے۔ آخر یہ مسئلہ ملتوی کر دیا گیا، کیونکہ اپنی اولاد کے سوا کسی اور کو وہ ولی عہد نامزد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وقتی طور پر بھی وہ اس کا قائل نہ تھا کہ کسی کو آگے بڑھائے اور پھر بعد میں عزل و حرمان اور دست برداری کے مراحل سے دو چار ہو اور وہی دشواریاں اسے بھی پیش آئیں، جو منصور، مہدی اور ہادی کو پیش آ چکی تھیں۔

۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ء) میں یہ مسئلہ از سر نو زیر غور آیا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ بن مراجل (مامون) یا محمد بن زبیدہ (امین) میں سے کسی ایک کو نامزد کر دے۔ یہ دونوں اب چھ سال کے ہو چکے تھے۔ لوگوں کی نظر بار بار عبداللہ بن مراجل (مامون) پر جاتی تھی، اس لیے بھی کہ وہ محمد (امین) سے بڑا تھا اور اس لیے بھی کہ جعفر برمکی کے آغوش محبت میں پروان چڑھ رہا تھا[1]۔

لیکن زبیدہ آڑے آئی اور ضد کرنے لگی کہ یہ منصب اس کے بیٹے کو ملنا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ محمد (امین) ماں اور باپ دونوں کی

۱۔ تاریخ بغداد، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳۔

طرف سے ہاشمی ہے اور اپنے بھائی (مامون) کی طرح ایک جاریہ کے بطن سے پیدا نہیں ہؤا ہے - زبیدہ کی تائید میں شیوخ بنی ہاشم بھی کر رہے تھے اور محل کے با اثر افراد بھی اس کے ساتھ تھے ، غرض اس مسئلے پر دو رائیں ہو گئیں ، ہر رائے اپنا ایک وزن اور اثر رکھتی تھی[1] -

اب معاملہ تنیت پر آ گیا -

زبیدہ نے شوہر کی ہر طرف سے ناکہ بندی کر لی ، اس کے حامی اور ناصر تعداد میں بہت زیادہ تھے اور ان میں پیش پیش فضل بن یحییٰ برمکی تھا - کیونکہ محمد (امین) کی تربیت اور پرداخت اسی کے ذمے تھی[2] ، البتہ جعفر بن یحییٰ برمکی عبداللہ بن مراجل کے حق میں پورا زور لگا رہا تھا اور مخالفوں کی رائے کا توڑ کر رہا تھا - اس طرح دونوں برمکی بھائیوں میں اختلاف و نزاع کا ڈول پڑ گیا اور ایک دوسرے کو ناروا اور ناسزا الفاظ سے یاد کرنے لگا[3] -

یحییٰ برمکی نے اس اختلاف میں کوئی حصہ نہیں لیا ، نہ اپنی رائے کا اظہار کیا ، وہ زبیدہ سے خائف تھا کہ اگر وہ خفا ہو گئی تو مشکل ہوگا اور ایسا نتیجہ برآمد ہوگا جو ہرگز خوش گوار نہیں ہوگا -

لیکن رشید ، یحییٰ سے رائے لینے پر تلا ہؤا تھا ، اس نے یحییٰ کو بلایا اور بڑی دیر تک مشورہ کرتا رہا - پھر دونوں اس رائے پر متفق ہو کر برآمد ہوئے کہ وقتی طور پر ابن زبیدہ (امین) کی بیعت ولی عہدی لے لی جائے ، تاکہ زبیدہ اور اس کے حامیوں اور ناصروں کو لب کشائی کا موقع نہ رہے ، پھر جب دونوں بھائی بڑے ہو جائیں اور ان کے عادات و خصائل اور کردار و سیرت واضح ہو جائیں ، تو ان میں سے زیادہ موزوں اور مناسب کو اختیار کر لینا آسان ہوگا[4] -

---

۱ - الامامہ و السیاسہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۲ -

۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۹۳ -

۳ - الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۶۱۱ -

۴ - المختار ، صفحہ ۵۹ -

لیکن یہ فیصلہ جتنا خوش آئند نظر آ رہا تھا ، اتنا تھا نہیں اس کے بڑے تلخ اور بدتر نتائج نکلے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی -

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آخر رشید ، محمد (امین) کو عبداللہ (مامون) پر ترجیح دینے اور اس کی ولی عہدی کی بیعت لینے پر کیونکر آمادہ ہو گیا ؟

ایک قول تو یہ ہے کہ فضل بن یحییٰ نے جب دیکھا کہ رشید مذبذب ہے اور ولی عہدی کا فیصلہ نہیں کر پاتا ، تو خراسان میں اس نے اپنے گروہ کے لوگوں کو اکسایا اور انہوں نے وہاں امین کی ولی عہدی پر بیعت کر لی اور خلیفہ کو چپ سادھ لینا پڑی ا ۔ لیکن یہ بات ہم قبول نہیں کر سکتے ۔ اس لیے کہ بیعت ولی عہد کا مسئلہ اتنا ہلکا پھلکا نہیں تھا کہ اس صورت میں اس کا فیصلہ ہو جاتا ۔

ایک اور قول یہ ہے کہ رشید ، عبداللہ (مامون) کی طرف مائل تھا اور اس کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا ، کیونکہ عمر میں وہی بڑا تھا اور جعفر برمکی بھی اس کا پشت پناہ تھا ، جو بڑا محبوب وزیر تھا ۔ لیکن زبیدہ اس پر کسی طرح تیار نہ تھی ، وہ زبیدہ سے بے پناہ محبت کرتا تھا ، آخر اسے زبیدہ کے سامنے جھکنا پڑا ۔ درباری لوگ بھی ہوا کا رخ پہچان گئے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ اپنے ندیموں کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے شاعر رجز خواں محمد بن ذویب العمانی کو آگے بڑھایا اور اس نے اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا :

لما اتانا خبر مشھر ؟
اغر لایخفیٰ علی من یبصر
قلت لا صحابی و وجھی مسفر
فاز بھا محمد فا لبشروا

یعنی :

جب ہمارے پاس اڑتی ہوئی خبر پہنچی

ا - الطبری ، جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ -

واضح ، صاف صاف ، جو کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں
میں نے اپنے ساتھیوں سے دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا
مجھ سے منصب ولی عہد حاصل کر لیا خوش ہو جاؤ

رشید نے کہا :

"اپنے عزیز بنا سو مجھ کی ولی عہدی کی بشارت دے رہا ہے ؟"

اس نے جواب دیا :

"جی ہاں یا امیرالمومنین ! یہ سوکھی زمین کو بارش کی خوش خبری ہے ، یہ لب گور مریض کو حیات نو کی خوش خبری ہے !"

رشید نے سوال کیا :

"وہ کیسے ؟"

عزی نے جواب دیا :

"یہ قومی وحدت کو قائم رکھے گا ، اپنے مجد و عظمت کو برقرار رکھے گا اور (گھوڑوں کی ٹاپوں) سے چنگاریاں اڑاتا رہے گا ۔"

پھر رشید نے سوال کیا :

"عبداللہ (مامون) کے بارے میں کیا رائے ہے تمھاری ؟"

اس نے کہا : یا امیرالمومنین وہ تو تھوڑی چیز پر بھی قناعت کر لے گا !"

رشید ہنس پڑا ، اور کہنے لگا :

"خدا اس اعرابی سے سمجھے ، یہ شخص موضع رغبت سے کتنا آشنا ، اپنی بذل و عطا سے کتنا قریب اور اہل عزم و حزم سے کتنا دور ہے !"

بہر حال اس واقعہ کچھ بھی ہو ، یہ حقیقت ہے کہ رشید نے عزم و توکل سے کام لیا ، اس نے آل بیت اور رجال حاشیہ اور قواد و فقہا کو ایک مجلس میں طلب کیا ۔ جو ۲ شعبان ۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ء) کو ترتیب پائی ۔ یہاں محمد بن زبیدہ حاضرین کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اسے

۔ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۷۹ ۔

مسند پر باپ کے پاس اس کے پہلو میں لایا گیا ، وہ حمد و ثنا اور صلاۃ و سلام کے بعد خاموشی سے بیٹھ گیا ۔

پھر بنو عباس میں سب سے زیادہ معمر شخص عبدالصمد بن علی ، ابو جعفر منصور کے چچا اٹھے اور انہوں نے کہا:

''اے لوگو!

اس لڑکے کی کم سنی تمھیں دھوکے میں نہ مبتلا کر دے ، یہ ایک مبارک درخت ہے جس کی جڑ ثابت ہے اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہیں!''

عبدالصمد کے بعد بنو ہاشم کے دوسرے لوگوں نے خطبے دیے ، انہوں نے بھی تقریباً وہی باتیں دہرائیں جو عبدالصمد نے کہی تھیں ، اس کے بعد اس طفل صغیر کی ولی عہدی پر بیعت کر لی گئی ، باپ نے اس کا لقب ''محمد الامین'' قرار دیا اور فوراً ہی بلاد شام و عراق کی گورنری سونپ دی اور اس کے تربیت دہندہ فضل بن یحییٰ برمکی کو نگران کار بنا دیا[۱] ۔

راویوں نے اس مجلس کے حالات بیان کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے:

''حاضرین پر اس تقریب سعید میں درہم و دینار کی تھیلیاں اور مشک نافے نچھاور کیے گئے!''

اس موقع پر شاعر ''سلم الخاسر'' نے امین اور ہارون رشید کو ایک قصیدہ گزرانا ، اس نے کہا:

قد وفق اللہ الخلیفۃ اذ بنی
بیت الخلافت بالہجان الازہر
فہو الخلیفۃ عن ابیہ و جدہ
شہدا علیہ بمظہر و بمخبر
قد بایع الثقلان فی مہد الہدی
لمحمد بن زبیدۃ ابنۃ جعفر

یعنی:

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کو توفیق دی کہ

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۳ ۔

ـ نے بیت خلافت بہترین زمین پر تعمیر کیا ،
وہ ایسا خلیفہ ہے جو باپ اور دادا سے خلیفہ چلا آ رہا ہے ،
حرم دونوں کھلے بندوں اس کی خوبیوں پر گواہ ہیں
جن و انس نے گہوارہ ہدایت میں بیعت کی
محمد (امین) بن زبیدہ بنت جعفر کے لیے !

پھر یہ قصیدہ زبیدہ کے حضور میں گزرانا گیا ، اس نے حکم دیا شاعر کے منہ جواہر سے بھر دیا جائے ، جس کی فوراً تعمیل ہوئی[1] ۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ تقریب ولی عہدی اس دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائی گئی ۔ زبیدہ اپنے اس اکلوتے بیٹے پر دیوانہ وار فدا تھی ، جس طرح وہ خود بھی جملہ امراء بنو ہاشم کی لاڈلی تھی ۔

لیکن مملکت کی ولی عہدی پر بیعت دوسری چیز ہے ، اور لاڈ پیار شیئے دیگر اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رشید کا یہ اقدام قطعاً غیر دانشمندانہ تھا ۔ اسے چاہیے تھا کہ انتظار کرتا اور جب دونوں بھائی (مامون و امین) سن رشد کو پہنچ جاتے تو ان میں سے اصلح کا انتخاب کر لیتا ۔ بات وہیں ختم ہو جاتی ، نہ یہ کہ فی‌الوقت تو ایک کو (خواہ وہ کوئی بھی ہو) ولی عہد نامزد کر دیا ، اور پھر یہ پخ لگا دی کہ اگر نالائق اور نا اہل ثابت ہؤا تو یہ منصب اس سے لے کر دوسرے بھائی کو دے دیا جائے گا ۔ یہ اس نے ایسی بات کی تھی جس کا شاید وہ ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا ، اور یہ نتیجہ تھا ان غلطیوں سے صرف نظر کا ، جنھیں حوادث آگے چل کر ہم پر منکشف کریں گے ۔

بہر حال بات آئی اور ختم ہو گئی ، تقریب ولی عہدی کی مجلس برپا ہوئی اور منتشر ہو گئی ، زبیدہ اس معرکے سے کامیاب اور فاتح برآمد ہوئی ۔ لیکن اس کے دل میں ان لوگوں کے خلاف گرہ پڑ گئی تھی جو اس کے چہیتے بیٹے کو مرتبۂ خلافت سے دور رکھنا چاہتے تھے اور ان

---

[1] ۔ الاغانی ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۲۳ ۔

میں پیش پیش جعفر بن یحییٰ برمکی تھا ۔ وہ اس معرکہ خیز مجلس سے اس طرح برآمد ہوا کہ مغلوب تھا ، دل جل رہا تھا ۔ اس کا امید وار عبداللہ بن مراجل (مامون) ولی عہدی سے محروم رہ گیا تھا ۔ وہ اپنے حق سے صرف اس لیے محروم کیا گیا تھا کہ اس کی ماں فارسی تھی ، عرب نہ تھی ۔

جعفر برمکی پہلے سے زیادہ مامون کا گرویدہ ہو گیا ۔ وہ اپنے دل کو یہ سوچ کر تسلی دے رہا تھا کہ رشید نے آج اگر مامون کو محروم کر دیا تو کیا ہوا ؟ کل وہ اس کا حق اسے دے گا ۔ اسے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنی ہی پڑے گی ۔

اور جہاں تک رشید کا تعلق تھا ، وہ اس واقعہ ولی عہدی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے رہا تھا ۔ بہر حال قوت و سطوت اسی کے ہاتھ میں تھی ۔ وہ جب اور جس وقت چاہے ایک فیصلہ منسوخ کرکے دوسرا فیصلہ نافذ کر سکتا تھا ، کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا تھا ۔

ولی عہدی کا فیصلہ کرنے کے بعد رشید نے دونوں لڑکوں (مامون و امین) کی تربیت و نگہ داشت پر پوری توجہ شروع کر دی ۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں مملکت کی فلاح و صلاح کے امور کو سمجھیں اور جو ذمے داریاں ان پر آنے والی ہیں ، ان کی اہمیت کو محسوس کریں ۔ اس نے فضل بن یحییٰ برمکی کو محمد الامین کی تربیت اور نگہ داشت پر مامور کیا ۔ یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ امین کو ہر اعتبار سے کامل بنا دے اور جعفر برمکی کے حوالے اس نے مامون کو کیا ۔ اس کا فرض یہ تھا کہ مامون کی اس طرح تربیت کرے کہ کسی جہت سے اس میں کوئی نقص نہ رہے ، کامل بن جائے[1] ۔

اس کے بعد ہارون رشید نے ان دونوں لڑکوں کے لیے بہتر سے بہتر اساتذہ کا انتخاب کیا ، جو اپنے اپنے فن یعنی لغت ، ادب اور قرآت میں یکتا اور بے ہمتا تھے ۔ مثلاً علی بن حمزہ الکسائی[2] اور یحییٰ بن مبارک

۱ - الجہشیاری ، ۱۹۳ -
۲ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۹ -

الیزیدی[1] اور الاحمر نحوی[2] وغیرہ۔

بہ ظاہر معاملات ٹھیک راستے پر چلنے لگے، لیکن بیعت ولی عہدی کے باعث پردۂ غیب میں کیا چھپا تھا؟ یہ ابھی کسی کو نہیں معلوم تھا۔

۱۔ تاریخ بغداد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۳۔
۲۔ المسعودی، جلد ۲، صفحہ ۳۲۱۔

شمالی افریقہ میں علوی حکومت کا قیام

آغاز خلافت کے چند سالوں تک تو ہارون رشید کا رویہ علویوں کے ساتھ ہاتھ نرم رہا ۔ یہی رائے اس کے وزیر یحییٰ برمکی کی بھی تھی ۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے سریر آرا ہونے کے بعد ان علویوں کو ، جو بغداد کی جیل میں محبوس تھے ، رہا کر دیا ۔ ان کے ساتھ اعزاز و احترام کا برتاؤ کیا ۔ انہیں ان کے وطن اول ——— حجاز ——— میں جانے اور بسنے کی اجازت دے دی ۔ ان کے روزینے اور وظائف مقرر کر دیئے اور وہ بھی بڑی بڑی رقموں کے ۔ اس حکیمانہ سیاست کو استحسان و ثنا کی نظر سے دیکھا گیا اور اس پالیسی کو قبول عام حاصل ہوا ، کیونکہ یہ پالیسی درحقیقت رائے عامہ کی مظہر تھی ۔

لیکن رشید نے جب علویوں کو جیل سے رہا کیا تو سارے کے سارے علوی تو جیل میں نہیں تھے ۔ ان میں بہت بڑی اور معقول تعداد ان نوجوانوں کی تھی جنہوں نے معرکۂ فخ ١٦٩ھ (مطابق ٧٨٥ع) میں بڑھ چڑھ کر ہادی کے لشکر کے خلاف عملی حصہ لیا تھا ۔ یہ بنو عباس کی تلوار سے بچ گئے اور پس پردہ چلے گئے تھے ۔ ان کے سربراہ ادریس اور یحییٰ تھے ۔ عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹے اور محمد ابراہیم[1] کے بھائی جو قتل ہو گئے تھے ۔

ادریس شمالی افریقہ میں منتقل ہو گئے اور بلاد مغرب میں انہوں نے ثبات و استقرار حاصل کر لیا ۔ یہاں انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا اور قوم بربر نے اس دعوت کو جوش و خروش کے ساتھ قبول کیا ۔ بربر قبائل نے ہر طرح ادریس کا ساتھ دیا اور ہر مرحلے پر ان کی امداد اور حمایت

---

١ - یعنی نفس ذکیہ اور نفس رضیہ ۔ (مترجم)

کی ۔ چنانچہ ادریس نے بلاد مغرب اور تلمسان پر قبضہ کر لیا ۔ یہ واقعہ ۱۷۲ھ (مطابق ۷۸۸ع) کا ہے ۔ پہلے پہل اپنا پایۂ تخت ، مستقل حکومت قائم کرنے کے بعد ایک شہر دلیلی کو بنایا اور اپنے آپ کو ''امیرالمومنین'' کے لقب سے ملقب کیا ۔

رشید کی حکومت کے لیے یہ واقعہ بڑا سخت اور اہم بلکہ نا قابل برداشت تھا ۔ یہ بربری نئی حکومت جو اندلس کی بڑی اور مستقل اموی حکومت کے پاس ابھری تھی ، ایک خطرہ تھی اور یہ دونوں اگر مل جاتیں تو خطرہ اور بڑھ جاتا تھا ۔ یہ ایک مستقل خطرہ تھا جو مغربی جانب سے دولت بنی عباس کے لیے ہمیشہ پریشانی اور زحمت کا سبب بنا رہ سکتا تھا ، اور خاص طور پر شمالی افریقہ میں تو پھر امن و آشتی کا سوال ہی نہیں تھا ۔

رشید کے لیے ضروری تھا کہ شمالی افریقہ کی اس نئی علوی حکومت کو جلد از جلد ختم کر کے اطمینان کا سانس لے ، جو اس کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہی تھی ۔ چنانچہ پہلے تو اس نے فوج کشی کا ارادہ کیا ، پھر حکمت سے کام لینے کا خیال آیا ۔ یعنی اگر کسی طرح ادریس کا خاتمہ کر دیا جائے تو کوئی وارث نہ ہونے کے باعث ادریسی حکومت خود بہ خود ختم ہو جائے گی ۔ سلیمان بن جزیر بڑا مکار شخص تھا ۔ اسے ہارون رشید نے اس کام پر مامور کیا اور ہر طرح کا سامان راحت فراہم کر دیا ۔ یہ شیعہ بن کر شمالی افریقہ پہنچا ، وہاں ایک عرصے تک مقیم رہا ۔ ادریس کا تقرب حاصل کیا ، پھر اس کا معتمد بن گیا ، اس کے بعد انھیں زہر دے کر (۱۷۷ھ مطابق ۷۹۳ع) واپس آ گیا اور کسی کو کانوں کان پتا نہ چلا ۔

ادریس کا انتقال ہو گیا ۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا جو باپ کا جانشین بن سکتا ۔ لیکن ایک جاریہ حمل سے تھی ، عقیدت مندوں اور جاں نثاروں نے وضع حمل کا انتظار کیا ، لڑکا پیدا ہوا ، اس کا نام بھی باپ کے نام پر ادریس ہی رکھا گیا ۔ سب نے اس کی خلافت پر بیعت کر لی اور اس کے لیے ایک اتالیق کا انتظام کر دیا کہ لڑکا جب بالغ اور باشعور ہو جائے تو باپ کی گدی سنبھال لے ۔ اس طرح ادریسی حکومت قائم رہی ۔

اور حکومت بغداد کے لیے ایک مستقل خطرہ بنی رہی[1] ۔

رہے یحییٰ بن عبداللہ ، انہوں نے مشرق کا رخ کیا اور دیلم میں جا کر اپنا پرچم نصب کر دیا ۔ انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی شروع کر دی ۔ مختلف دیار و امصار سے جوق در جوق لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے جمع ہونے لگے ، یہاں تک کہ یحییٰ نے جب کافی قوت اور شوکت حاصل کر لی تو علم بغاوت بلند کیا ۔ یہ واقعہ ۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ع) کا ہے ۔

رشید نے بغاوت کو کچلنے کا یحییٰ بن خالد کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے فضل کو یحییٰ کے قتال کے لیے بھیجے یا انہیں اطاعت پر آمادہ کرے[2]۔

یحییٰ نے فضل کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر روانہ کیا اور اسے رے ، طبرستان ، قومس ، دنباوند اور رویان کی گورنری بھی عطا کر دی ، اور بہت سا زر و مال بھی دیا اور تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے قتال کی نوبت نہ آنے دینا ۔ یحییٰ بن عبداللہ کو (اچھے شرائط پر) آمادہ بہ صلح کر لینا ۔

فضل اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا ، اس نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو ایک خط لکھ کر صلح کی دعوت دی اور معافی دلانے کا وعدہ کیا ، لیکن اس کی یہ دعوت رد کر دی گئی ۔ پھر اس نے حاکم دیلم کو

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۶۰ ۔

۲ - جہشیاری نے لکھا ہے :

"یحییٰ برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کی مال کثیر سے مدد کی ، تاکہ وہ قوت و شوکت حاصل کر لیں ۔ جب انہوں نے قوت و شوکت حاصل کر لی تو رشید ڈرا ، اس نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس مہم پر مامور کیا ، فضل نے یحییٰ بن عبداللہ سے مقابلہ کیے بغیر انہیں اطاعت پر آمادہ کر لیا ۔ رشید اس کامیابی سے بہت خوش ہوا ۔ فضل کی عزت اور وقعت اس کی نظر میں اس کے بعد سے بہت بڑھ گئی تھی ۔ (الجہشیاری ، صفحہ ۲۰۰)

ایک خط لکھا اور اسے جنگ کی دھمکی دی اور لکھا اگر اس نے خلوص سے اطاعت پر آمادہ نہ کیا تو اس کی خیر نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فضل نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کی خدمت میں بڑے گراں بہا اور گراں قیمت ہدیے اور تحفے اور زر و مال کے توڑے روانہ کیے۔

یحییٰ علوی اس شرط پر راضی ہوئے کہ رشید ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھے، اور اس پر قضاۃ، فقہا اور مشائخ بنی ہاشم کی گواہی ثبت کرائے۔

رشید نے یہ بات ہارون رشید کو لکھ بھیجی۔ وہ بہت خوش ہوا اور فضل کی وقعت اس کی نظر میں بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور جس طرح کا امان نامہ مطلوب تھا لکھ کر بھیج دیا۔ ساتھ ہی ساتھ بہت سے تحفے اور ہدیے بھی روانہ کیے۔ فضل نے یہ سب چیزیں یحییٰ علوی کو بھیج دیں پھر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے[۱]۔

۱۷۶ھ (مطابق ۷۹۲ء) کے اوائل میں فضل بن یحییٰ برمکی، یحییٰ بن عبداللہ علوی کو بغداد لے کر آیا۔ رشید ان سے بہت تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ ملا، بہت سا مال و دولت دیا اور باقاعدہ وظیفہ اور روزینہ مقرر کر دیا اور مہمان کی حیثیت سے یحییٰ بن خالد برمکی کے قصر میں ٹھہرایا۔ بعد ازاں رہائش کے لیے ایک جداگانہ قصر مستقل طور پر عطا کیا اور لوگوں کو عام اجازت دے دی کہ وہ یحییٰ بن عبداللہ علوی کی زیارت کو آئیں۔ لوگ اس اذن عام سے بہت خوش ہوئے۔ فضل برمکی کے ثنا خواں بن گئے کہ اس نے خون ریزی نہیں ہونے دی۔ خلیفہ اور اس کے ابن عم میں تقرب پیدا کر دیا۔ چنانچہ مروان بن ابی حفصہ شاعر کہتا ہے:

ظفرت فلا شلت ید برمکیۃ
رتقت بھا الفتق الذی بین ھاشم
علی حین اعیی الراتقین التئامہ
فکفوا و قالوا لیس بالمتلائم

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۲۲۔

فما صحبت قد فازت یداک بخطۃ
من المجد باقٍ ذکرها و المواسم؟

یعنی:

تو کامیاب ہوا، تیرا ہاتھ شل نہ ہو۔
تو نے وہ شگاف جوڑ دیا جو ہاشمیوں کے مابین پڑ گیا تھا۔
ایسے موقعے پر تو نے یہ کام کیا کہ جب اس شگاف کو جوڑنے کی
کوشش ناکام ہو گئی تھی۔
اور سب نے اصلاح کی کوششوں سے منہ پھیر کر ہاتھ روک لیا تھا
کہ یہ شگاف دور ہونے والا نہیں لیکن تیری تدبیر کامیاب رہی،
جس کا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔

یحییٰ بن عبداللہ علوی کا شمار اکابر آلِ بیت نبوت میں ہوتا تھا ان کے علم و معرفت کی دھوم تھی، شہرت کا آوازہ [illegible] الامصار تک پہنچ چکا تھا، اس واقعہ بغاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وقت سے جب ان کے بھائیوں نے بنو عباس کو اپنی سرگرمیوں اور بغاوت سے سراسیمہ کر دیا تھا۔ بہر حال یحییٰ علوی جب بغداد آئے اور رشید نے ان کی عزت و تکریم کی، تو لوگوں کو ان سے ملنے ہوئے جو جھجک محسوس ہوتی تھی، وہ دور ہو گئی۔ چنانچہ ہر طبقے کے لوگ بہ کثرت ان کی خدمت میں حاضری دینے لگے، ان لوگوں میں امرائے بنو ہاشم تک تھے۔

لیکن یحییٰ علوی کی یہ ہر دل عزیزی، ان کے قصر پر زائروں کا ہجوم، ان کی ذات سے عام وابستگی، رشید کے حاشیہ نشینوں کو جن میں کافی تعداد ان لوگوں کی تھی جو علویوں سے عداوت رکھتے تھے کھٹکی اور انہوں نے رشید کو بھڑکانا شروع کیا:

"اس شخص نے تو آپ کے قریبی عزیزوں تک کو ورغلا لیا ہے[2]!"

اس تخویف اور ترہیب سے رشید متاثر ہوا، اس نے مخبروں اور جاسوسوں کا پہرا بٹھا دیا۔ زائرین میں سے جو مشکوک و مشتبہ شخص

۱۔ الطبری، جلد ۳ صفحہ ٦٢٣۔
۲۔ مقاتل الطالبیین، صفحہ ۳۰۸۔

نظر آتا ، رشید اس کے بارے میں یحییٰ سے پوچھ گچھ کرتا ، وہ جواب دیتے :

"یہ تو ان ستر آدمیوں میں سے ہے ، جنھیں میرے ساتھ آپ نے امان عطا فرمائی ہے !"

یحییٰ کے منہ سے بار بار یہ بات سن کر رشید نے ان سے کہا :

"مجھے اُن ستر آدمیوں کے نام بتایئے ، تاکہ میں ان میں اور دوسروں میں امتیاز کر سکوں !"

یحییٰ علوی نے جواب میں کہا :

"خدا کی قسم وہ اگر میرے پاؤں تلے ہوں گے تو میں ان پر سے اپنا پاؤں نہیں ہٹاؤں گا[1] !"

یہ وہ زمانہ (۱۷۶ھ مطابق ۷۹۲ع) تھا کہ جب یحییٰ بن عبداللہ کے بھائی ، ادریس بن عبداللہ مغرب (شمالی افریقہ) میں تھے اور زندہ تھے ، ابھی تک انہیں زہر بھی نہیں دیا گیا تھا اور یہ یحییٰ بن عبداللہ کے اتباع اور ساتھی دیلم میں جو مملکت کا مشرقی حصہ تھا ، فساد کے درپے تھے۔ جس طرح ادریس مغرب میں ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے ، ساتھ ہی ساتھ رشید کو اُن علویوں سے متعلق تشویش انگیز اطلاعات مل رہی تھیں ، جو بہ تعداد کثیر حجاز میں موجود تھے اور ان میں وہ شخصیتیں بھی تھیں جن کا احترام و اکرام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں تھا ۔ یہ لوگ کسی وقت بھی کوئی شورش بپا کر سکتے تھے ۔ وہ سوچتا تھا اگر یہ تینوں علوی قوتیں بہ یک وقت حملہ آور ہوئیں تو کیا ہوگا؟ واقعات و احوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید اسی نہج پر سوچ رہا تھا ، اب اس نے سوچا کہ دو ہی صورتیں زیر عمل لائی جا سکتی ہیں :

(۱) انتہائی سختی اور تشدد کی پالیسی

(۲) صبر و حلم کا مظاہرہ — لیکن اس صورت میں کسی وقت بھی تخت چھن جانے کا خطرہ تھا

چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ علوی کا وجود

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۲۳

(جو اب اس کے قبضے میں آچکے تھے) گوارا کرنا اس کے بس نے ناقابل برداشت ہو گیا اور اس نے معاہدۂ امان کو ختم کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے قضاۃ اور فقہا کی ایک جماعت بلائی اور یحییٰ بن عبداللہ کو بھی طلب کیا اور قاضیوں اور فقیہوں سے یحییٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

''میں نے اس شخص کو اور اس کے ستر ساتھیوں کو امان دی تھی، لیکن ان میں سے جو شخص مجھے مشتبہ نظر آتا ہے - یہ آدمی اس کے لیے کہہ دیتا ہے یہ بھی ان ستر امان یافتہ لوگوں میں ہے - میں کہتا ہوں ، اپنے امان یافتہ آدمیوں کے نام بتاؤ؟ تو کہتا ہے ، خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے پاؤں تلے ہوں تو بھی میں ان پر سے اپنا پاؤں نہیں اٹھاؤں گا! ——کیا اسے اس کا حق ہے؟''

امام ابو یوسف قاضی القضاۃ نے جواب دیا :

''آپ کو حق نہیں ہے کہ کوئی نئی بات پوچھیں !''

پھر رشید نے وہ امان نامہ نکال کر امام محمد بن الحسن فقیہہ کے ہاتھ میں دیا اور پوچھا :

''آپ اس امان نامے کے بارے میں کیا کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟''

امام محمد نے جواب دیا :

''بالکل درست ہے !''

رشید نے سوال کیا :

''وہ کس طرح ؟''

امام محمد نے جواب دیا :

''امیرالمومنین آخر آپ امان کو کیا سمجھتے ہیں ؟ اگر یہ شخص محارب ہوتا ، پھر بھاگ جاتا ، تو بھی اس کی امان قائم رہتی !''

اتنے میں قاضی ابوالبختری اٹھ کھڑے ہوئے ، انھوں نے ارشاد فرمایا :

''یہ امان بالکل بے قیمت ہے ، اس لیے کہ یہ شخص خود ہی اسے باطل کر چکا ہے !''

رشید نے امان نامہ چاک کر کے پھینک دیا اور یحییٰ کو جیل

بھیج دیا، جہاں کچھ عرصے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

یحییٰ بن عبداللہ کے اسباب مرگ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

طبری کا بیان ہے:

''رشید نے یحییٰ کو ایک روز اپنی مجلس میں طلب کیا، وہ سخت بیمار تھے، رشید نے حاضرین سے پوچھا:

''کیا اس شخص کو تم بیمار دیکھ رہے ہو؟''

سب نے جواب دیا:

''جی ہاں!''

رشید نے کہا:

''اگر یہ مرگیا تو لوگ کہیں گے اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے!''

یحییٰ نے رشید سے تخاطب کیا:

''نہیں، ہرگز نہیں، میں تو جیل ہی میں بیمار پڑا تھا، بلکہ اس سے پہلے سے بیمار چلا آ رہا ہوں[1]!''

تاریخ بغداد میں یہ مرقوم ہے:

''رشید نے اپنی مجلس میں یحییٰ کو بلانے کے بعد حاضرین سے کہا: اس شخص کا کہنا ہے کہ میں نے اسے زہر پلایا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اس کا قتل مناسب سمجھتا تو اس کی گردن جب چاہتا اڑا دیتا! بخدا میں نے اسے نہ زہر پلایا ہے، نہ کسی کو حکم دیا ہے کہ اسے زہر پلا دے[2]!''

یعقوبی کا بیان، اس شخص کی روایت پر مبنی ہے، جو یحییٰ بن عبداللہ کے ساتھ قید تھا:

''داروغہ جیل نے یحییٰ کو کئی دن کچھ کھانے کو نہیں دیا، چنانچہ بھوک سے ان کا انتقال ہوگیا[3]۔

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۲۶ -
۲ - تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۱۱۰ -
۳ - الیعقوبی، جلد ۲، صفحہ ۳۲۲ -

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ کی موت اور ان کے بھائی ادریس کی شمالی افریقہ میں زہر خورانی سے قریب قریب ایک ساتھ ہی ہوئی ۔ اس بات نے علویوں کو اور ان کے دوست داروں کو ، ہر جگہ بہت صدمہ پہنچایا ۔ خود رشید کا اب یہ حال ہوگیا تھا کہ وہ عواقب کے تصور سے خائف رہتا تھا اور علویوں کی ہر جنبش اسے مشکوک و مشتبہ کر دیتی تھی اور ان کے خلاف جو بات کہی جاتی تھی اسے کان لگا کر سنتا تھا ۔

رشید کے حاشیہ نشینوں میں معقول تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو علویوں کے دعوائے خلافت کو نا پسند کرتے تھے اور بنو عباس کے مقابلے میں انہیں صف آرا دیکھ کر برانگیختہ ہو جاتے تھے ۔ ان لوگوں نے حجاز میں عباسی خلفا کے لیے سرگرمیٔ کار کا مظاہرہ کیا اور نفوذ آل بیت سے ٹکر لی ، چنانچہ ان لوگوں کے اور علویوں کے مابین بغض اور نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوگئے ۔ یہ لوگ ہر وقت رشید کو علویوں کے خلاف اکسایا اور بھڑکایا کرتے تھے ۔ انھوں نے ــــ خاص طور پر زبیری اور ریاحی وغیرہ نے ــــ رشید کو علویوں کا بالکل مخالف بنا دیا تھا اور اپنی لگائی بجھائی سے اس کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی[1] کہ حجاز کے علوی موقع پاتے ہی اٹھ کھڑے ہوں گے ۔ چنانچہ رشید کو یقین ہو گیا تھا کہ علوی اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے اسی طرح آمادۂ کار ہیں ، جس طرح بنو امیہ کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے ، کچھ عرصہ پہلے عباسی برسرکار تھے ۔ بلکہ اب تو حالت یہ ہے کہ علوی اپنے ابنائے عم بنو عباس سے قطع تعلق کر کے بنو امیہ کی طرف راغب ہو رہے ہیں ! ۔ چنانچہ اب وہ اتنا چوکنا رہنے لگا تھا کہ کسی بھی علوی کے منہ سے نکلی ہوئی بات ــــ خواہ وہ طفل صغیر ہو یا مرد دانا ــــ اس کے لیے ، تخت حکومت کے خلاف سازش بن جاتی تھی اور پھر وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہو جاتا تھا ، جیسا کہ موسیٰ بن جعفر ، الملقب بہ موسیٰ

۱- تاریخ الخلفا ، صفحہ ۱۱۳ ۔

کاظم کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے ، جو ائمۂ شیعہ میں شمار ہوتے ہیں ۔

امام موسیٰ کاظم : پورا نام ہے موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ۔ یہ زہد اور ورع ، خلق او کرم اور تقویٰ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے ۔ ان کا لقب کاظم تھا ، اس لیے کہ اپنے بد اندیشوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے ۔

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی کے کان ان کے خلاف بھرے گئے ، وہ ڈر گیا اور اس نے انہیں بغداد کے ایک جیل میں قید کر دیا ۔ پھر ایک مرتبہ خواب میں ان کا دیدار کچھ اس طرح ہوا کہ ہیبت زدہ ہو گیا ، فوراً قید سے رہا کیا ، اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا اور مدینہ منورہ واپس بھیج دیا ۔

رشید جب سریر آرائے خلافت ہوا ، تو اس کے عہد میں علویوں کی شورشیں شروع ہوگئیں ، غرض مندوں نے جس طرح مہدی کے کان بھرے تھے ، رشید کے بھی بھرے ۔

۱۷۹ھ (مطابق ۷۹۵ء) میں رشید نے فریضہ حج ادا کیا اور شیوخ قریش کے ساتھ روضہ نبوی ؐ کی زیارت کو مدینہ منورہ حاضر ہوا ، اس کے ساتھ وفود حج کے رؤسا بھی تھے ۔ رشید نے صاحب قبر ؐ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے اور ساتھیوں پر اپنی برتری جتاتے ہوئے کہا :

''السلام علیک یا رسول اللہ ، اے میرے ابن عم !''

امام موسیٰ کاظم پیچھے تھے ، انہوں نے بھی صاحب قبر ؐ کو سلام کیا اور کہا :

''السلام علیک یا رسول اللہ ؐ ، اے میرے پدر !''

رشید کا رنگ رخ متغیر ہو گیا ، اس نے امام موسیٰ کاظم سے کہا :

''اے ابوالحسن بے شک اس فخر کا تمہیں حق ہے !''

پھر انہیں اپنے ساتھ عراق لایا اور قید کرکے سندھی بن شاہک کی تحویل میں دے دیا ۔

امام موسیٰ کاظم کا حادثہ وفات

کیا وفات زہر خورانی سے ہوئی ؟

امام موسیٰ کاظم کی اسیری کو جب ایک مدت گزر گئی تو انہوں نے ہارون رشید کو ایک خط لکھا :

''اس وقت کیفیت یہ ہے کہ میرا دن تو مصیبت میں کٹتا ہے ، جب کہ تم راحت و آسائش سے دن گزارتے ہو ۔ لیکن یہ دونوں دن ختم ہو جائیں گے ، اور ایک ایسا دن آئے گا جو ختم نہیں ہوگا ۔ وہ لوگ جو ناحق پر ہیں گھاٹے میں رہیں گے ۔''

رشید نے اس خط کا جواب نہیں دیا ۔ امام موسیٰ کاظم سندھی بن شاہک کے گھر میں بدستور قید رہے ، یہاں تک کہ ۱۸۳ھ (بمطابق ۷۹۹ء) میں انتقال فرمایا ۔

امام موسیٰ کاظم کے اسباب وفات مشکوک اور مشتبہ ہیں ۔

کتاب ''مقاتل الطالبین'' میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم کے مطابق سندھی بن شاہک نے امام صاحب کو ایک چٹائی میں لپیٹ دیا اور پھر بہت سے فراش آپ کے چہرے پر بیٹھ گئے ، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی [۱] ۔

یعقوبی کا بیان ہے :

''امام موسیٰ کاظم کا انتقال سندھی بن شاہک کے گھر میں ہوا ۔ جب آپ کی خبر وفات پھیلی تو ہارون رشید نے حکم دیا کہ جتنے ہاشمی موجود ہیں وہ سب حاضر کیے جائیں ۔ نیز بغداد کے طالبی ، فقہا اور کتاب بلائے جائیں ۔ یہ لوگ حاضر ہوئے تو ان کے سامنے

---

۱ - مقاتل الطالبین ، صفحہ ۳۳۱ -

امام موسیٰ کاظم کی لاش رکھی گئی ۔ ہارون نے امام صاحب کے چہرے سے چادر ہٹائی اور حاضرین سے کہا:

”کیا تم انہیں اچھی طرح پہچانتے ہو ؟“

لوگوں نے جواب دیا:

”ہم انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں ، یہ موسیٰ بن جعفر ہیں ۔“

ہارون رشید نے کہا:

”کیا تم ان کے بدن پر زہر کا یا کسی اور چیز کا اثر دیکھتے ہو ؟“

لوگوں نے جواب دیا:

”نہیں ! ہمیں تو ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی ۔“

پھر ہارون نے امام صاحب کا چہرہ ڈھانپ دیا اور حکم دیا کہ انہیں غسل دیا جائے اور کفن دیا جائے اور نماز جنازہ پڑھائی جائے ۔ بعد ازاں شہر کے مغربی حصے میں ، جہاں قریش کی قبریں تھیں ، انہیں دفن کر دیا گیا [1]“۔

تاریخ بغداد کے مصنف نے بھی اس روایت کی تائید کی ہے [2]۔

دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا [3]۔

ان تمام حوادث کو پیش نظر رکھنے کے بعد ذہن اس طرف جاتا ہے کہ ہارون رشید ظالم ، سفاک اور خوں آشام شخص تھا ، قتل اور خوں ریزی کو ایک کھیل سمجھتا تھا ۔ نیز یہ کہ اس کے زمانے میں علویوں پر جو مصیبتیں آئیں ، ان سب کی ذمے داری صرف ہارون پر تھی ۔

لیکن امر واقعہ یہ نہیں ہے ۔

ہارون رشید علویوں سے خائف رہتا تھا کہ کہیں اقتدار و اختیار اور

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۹۹ ۔

۲ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۳۰ ۔

۳ ۔ مختصر تاریخ الخلفا ، صفحہ ۱۴ ۔

حکومت کی باگ اس کے ہاتھوں سے نہ چھین لیں۔ لہٰذا جو علوی اپنے کردار اور اعمال کے لحاظ سے اسے مشکوک اور مشتبہ نظر آتا تھا، یا تو اسے وہ قید کر دیتا تھا یا جلا وطن کر دیتا تھا۔ جیسا کہ سیاسی چپقلش اور کشمکش کے زمانے میں حاکم اور محکوم کے مابین ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

لیکن یہ بات علمی دیانت کے خلاف ہوگی کہ ان تمام مخالفوں اور دشمنوں کے خون کی ذمہ داری ہارون کے کندھے پر رکھ دیں، جو شاہی حکم سے جیل خانے میں مرے۔ عام اس سے کہ یہ علوی ہوں یا کسی اور طبقے اور جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔ اگرچہ یہ بھی نہیں ہے کہ ہارون کو ہم بالکل معصوم قرار دیتے ہوں اور اسے ان حوادث کے وقوع و صدور کا کسی نہ کسی حد تک ذمہ دار نہ گردانتے ہوں۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ اپنے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہارون رشید پر اس کی ماں خیزران چھائی ہوئی تھی، اور اس کا وزیر یحییٰ بن خالد سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا تھا۔ ان دونوں کی مرضی کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جب خیزران کا انتقال ہو گیا تو یحییٰ کے ہاتھ میں سارے اختیارات آ گئے۔ حکومت اور سلطنت کے تمام امور صرف وہی اپنی مرضی سے جس طرح چاہتا انجام دیتا تھا، یہاں تک کہ ۱۸۷ھ میں یحییٰ کے ساتھ اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر رشید کے ساتھ سائے کی طرح لگ گئے۔ ان سے کسی وقت بھی اسے مفر نہیں تھا، اس کی رفتار و گفتار کے ہر پہلو کی نگرانی ہوتی تھی۔

اخبار و روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قتل و قید کے جو واقعات ہارون رشید کے عہد میں پیش آئے ان کی ذمہ داری انھی باپ بیٹوں پر تھی، یہی اپنی مرضی سے جو چاہتے کرتے تھے۔

اگرچہ ہارون کو یہ باتیں نا گوار ہی کیوں نہ گزرتی ہوں، حالات ایسے تھے کہ وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ مثلاً مقاتل الطالبین میں ایک واقعہ مرقوم ہے کہ ایک روز عبداللہ بن حسن علوی کو جو افطس کے نام سے مشہور تھے، یحییٰ بن جعفر کے پاس قید کر دیا۔ جعفر نے

اپنے زندان خانے میں ان پر بہت زیادہ سختیاں کیں ۔ عبداللہ نے رشید کو ایک خط بھیجا جس میں اسے برا بھلا کہا گیا تھا ، اور مذمت کی گئی تھی ۔ ہارون نے جعفر کو حکم دیا کہ عبداللہ بن حسن کے ساتھ اتنا زیادہ تشدد نہ کیا جائے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرنے پر مجبور ہو جائیں ۔ لیکن جعفر نے عبداللہ بن حسن کو قتل کر دیا ۔ گویا اس طرح اس نے ہارون کی خوشنودی مزاج اور تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ رشید ، عبداللہ بن حسن کے قتل سے دہشت زدہ اور سراسیمہ ہو گیا ۔ اپنے وزیر جعفر کی اس حرکت پر وہ بہت زیادہ برہم ہؤا اور سختی کے ساتھ باز پرس کی ۔ یقیناً رشید کا یہ فرض تھا کہ وہ صرف زجر و توبیخ پر اکتفا نہ کرتا بلکہ قاتل کو کیفرکردار تک پہنچاتا ۔ لیکن سیاسی حالات و اسباب نے کچھ اس طرح اسے جکڑ رکھا تھا کہ وہ ایسا نہ کر سکا ، جیسا کہ آگے چل کر ہم معلوم کریں گے ۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دولت بنو عباس کے عہد اول میں علوی نہایت آسائش اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ انھیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں تھی ۔ لیکن ان کی یہ عادت ہو چکی تھی کہ جو علوی بھی جیل خانے میں وفات پائے ، اگرچہ اس کی موت طبعی کیوں نہ ہو ، اسے مقتول قرار دے کر خلیفہ کے سر تہمت لگا دیتے تھے ۔ اس حرکت سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ عباسی حکومت کے خلاف لوگوں میں عداوت اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں اور عوام ان کی طرف مائل ہوں اور ان کی دعوت قبول کر لیں ۔ یہی وجہ تھی کہ ہارون نے اپنا اصول بنا لیا تھا کہ جب کوئی علوی حالت قید میں انتقال کرتا تھا تو وہ رجال دولت اور فقہا کو جمع کر کے اس امر کا گواہ کر لیتا تھا کہ یہ موت طبعی ہے ، مشکوک اور مشتبہ نہیں ہے اور اس طرح کا جب کوئی واقعہ بھی پیش آتا تھا بار بار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے تھے :

"لوگ یہی کہیں گے کہ رشید نے اسے قتل کیا ہے ۔"

مقاتل الطالبیین ، صفحہ ۳۲۸ ۔

تاریخ الخلفا کے مصنف نے اس سلسلے میں ہارون رشید کا ایک قول نقل کیا ہے:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ عوام میرے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضؓ بن ابی طالب سے بغض رکھتا ہوں۔''

خدا کی قسم! وہ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، لیکن میرے زمانے کے یہ علوی ہمارے دشمن بنے ہوئے ہیں - ہم سے بغض رکھتے ہیں، ہم پر طعن کرتے ہیں، ہماری حکومت میں رخنہ ڈالتے، فتنہ و فساد برپا کرتے اور شورش و ہنگامہ آرائی کی لگاتار کوشش کرتے رہتے ہیں - حالانکہ ہم نے ان کے خون کا بدلہ لیا اور ان کے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور ان کا یہ حال ہے کہ اب وہ ہمارے مقابلے میں بنو امیہ کی طرف زیادہ مائل ہیں اور جہاں تک حضرت علی رضؓ کے صاحب زادے کا تعلق ہے تو ہم انہیں سردار اور سب سے برتر اور بہتر مانتے ہیں! -''[1]

ہارون رشید کا یہ حال تھا کہ اس کی مجلس میں اگر کوئی شخص علویوں کے خلاف لب کشائی کرتا تھا تو یہ بات اسے ناگوار گزرتی تھی - البتہ ان شعرا کو انعام و اکرام سے مالا مال ضرور کرتا تھا جو اپنے اشعار میں عباسیوں کو خلافت کے سلسلے میں علویوں پر ترجیح دیتے تھے - اور ایسا کرنا کسی طرح سلطنت اور حکومت کو قائم رکھنے کے لیے ناروا اور نا درست قرار نہیں دیا جا سکتا -

کتاب الاغانی میں مرقوم ہے کہ ایک شاعر منصور نمری نے ہارون رشید کی مدح میں ایک پر زور قصیدہ پڑھا - اس قصیدے میں اس نے علویوں کو خوب جی بھر کے برا بھلا کہا - ہارون نے منصور کو بری طرح ڈانٹا اور اس سے کہا:

''بد بخت کیا تیرا یہ خیال ہے کہ ان لوگوں کی ہجو کر کے تو میرا تقرب حاصل کر لے گا؟ جن کا باپ میرا باپ تھا جن کا نسب

---

۱ - تاریخ الخلفا، صفحہ ۱۱۲ -
۲ - الاغانی، جلد ۱۲، صفحہ ۸۱ -

میرا نسب ، جن کی میں میری اصل اور جن کی فرع میری فرع ہے ؟"

منصور نے جواب میں عرض کیا :

"ہم نے تو وہی کہا جو ہمیں معلوم تھا ۔"

ہارون رشید کا غصہ اور بڑھ گیا ۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن پکڑ کر اور دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے ۔

اس کے بعد منصور معذرت کرتا ہوا پھر حاضر ہوا اور اس نے ذیل کا شعر پڑھا :

و انک حین تبلغھم اذاء
و ان ظلموا المحزون الغمیر

یعنی

جب آپ انہیں کوئی اذیت دیتے ہیں تو
اگرچہ یہ ظالم ہوں ، مگر آپ کو تکلیف ہوتی ہے ۔

رشید نے کہا :

"شاباش ! تو نے بالکل ٹھیک کہا ۔"

پھر وہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے بڑی سخت قسم کھا کر کہا :

"اگر یہ لوگ خلافت کے معاملے میں میرے حریف نہ بنیں ، شورش اور بغاوت اختیار نہ کریں ، تو میں ہرگز انہیں کسی قسم کی ایذا دینی پسند نہیں کرتا ۔"

ہارون کے دربار میں شعرا جو اشعار اور قصائد پیش کیا کرتے تھے ان میں یہ سیاسی رنگ واضح اور نمایاں طور پر جھلکتا ہوا نظر آتا ہے ۔ مثلاً :

اعم رسول اللہ اقرب زلفۃ
لدیہ ام ابن العم فی رتبۃ النسب

۔ الاغانی ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۱۸ ۔

فان کان "عباس" احق بتلکم
و کان "علی" بعد ذالک علی سبب
فاولاد عباس ہم یرثونہ
کما العم لا بن العم فی الارث قد حجب

یعنی:

از روئے نسب و حسب عم رسول ؐ زیادہ ان سے قریب ہیں
یا ان کی اولاد
پس اگر اس معاملے میں عباس زیادہ مستحق ہیں تو
علی سببی [1] رشتے کے باعث بعد میں آتے ہیں للہذا اولاد عباس ہی کو حق وراثت پہنچتا ہے جس طرح چچا بھتیجے کو محجوب الارث کر دیتا ہے۔

یہ سیاسی پراپیگنڈے کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے۔ رشید اس اسلوب کو جائز رکھتا تھا اور ایسے شعرا کو لطف و کرم سے نوازتا تھا ، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اسی طرح وہ ان دوسرے شعرا کا منہ بند کر سکتا تھا جو اپنے اشعار میں علویوں کی تائید و حمایت اور ان کا پراپیگنڈا کیا کرتے تھے اور جوش کلام میں اس درجہ بڑھ جاتے تھے ، کہ رشید کی دل کش شخصیت ، اعلیٰ صفات اور دوسرے خصائص کو نظرانداز کر دیتے تھے ، جنھوں نے اسے محبوب عوام بنا دیا تھا اور سوسائٹی کے مختلف طبقات میں اسے ایک اونچے مقام پر فائز کر دیا تھا۔

---

۱ - "سببی رشتے" سے مراد دامادی کا رشتہ ہے۔ (مترجم)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حصۂ چہارم

ہارون رشید

شخصیت اور سوسائٹی

بغداد ۔ ہارون رشید کا پایۂ تخت

عروس البلاد

سر زمین عراق کی تعریف کرتے ہوئے ایک پرانے اور بڑے مؤرخ نے لکھا ہے :

"عراق میں جہاں بغداد واقع ہے ، وہ بہترین خطۂ ارض ہے اور بالکل بیچو بیچ واقع ہے ۔ اسے چھ اقالیم گھیرے ہوئے ہیں ، یعنی ترک ، ہند ، چین ، شام ، حجاز اور مصر ؛ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کا رنگ معتدل ہے ، جسم متناسب ہیں ۔ یہاں کے لوگ نہ رومیوں کی طرح سفید اور نہ اہل سسلی کی مانند سرخ و سفید ہیں ، نہ حبشیوں کی طرح اور اہل سوڈان کی مانند کالے ، نہ ان میں اہل خراسان کی بے مروتی ہے ، نہ ان میں اہل چین کی بد صورتی اور بد وضعی ہے ۔ یہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بری ہیں ۔ خدائے عزیز و قہار کے فضل و کرم سے اہالیان عراق ان تمام محاسن سے متصف ہیں ، جو دوسرے اقطار و امصار میں پائے جاتے ہیں اور جس طرح یہ اپنی خلقت کے اعتبار سے معتدل ہیں ، اسی طرح ذہانت ، علم پرستی ، ادب پروری اور محاسن امور سے متصف ہیں[1] ۔"

ظاہر ہے مؤرخ خطیب بغدادی نے یہ وصف صرف بغداد کا کیا ہے ۔ سارا عراق اس توصیف کے ذیل میں نہیں آتا ، کیونکہ عہد رشید میں یہ تمام اوصاف پورے عراق پر حاوی نہیں تھے جو اس زمانے میں ، عناصر متعدّدہ کے شمول سے ایک نئی ہیئت اور صورت اختیار کر رہا تھا ۔ جن میں سے بعض قومی جبلت اور موروثی تقالید کے حفظ و بقا پر مصر تھے ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۲ ۔

مثلاً عرب اور کرد اور دوسرے گروہوں پر مشتمل اقلیتیں !

اس زمانے میں سکان بلاد کی اکثریت عربی عنصر پر مشتمل تھی۔ یہ عرب موج در موج ، جزیرۂ عرب سے فتح اسلامی سے قبل آنا شروع ہو گئے تھے۔ ان کا سواد اعظم بدوی زندگی اور قبیلے کے نظام پر اب تک عامل تھا۔ یہ ہر وقت سفر میں رہتے تھے ، خیمے اکھاڑے ، مویشی ہانکے اور چل کھڑے ہوئے۔ جہاں دجلہ و فرات کے مابین پانی اور چارہ ملا ، پڑاؤ ڈال دیا۔ کبھی شمالی عراق سے جنوب کی طرف ، کبھی مغرب کی جانب ، ایک مدت سے یہی ہوتا چلا آ رہا تھا۔ انھیں اپنی عربیت کے تحفظ پر اصرار تھا اور دولت اسلامیہ کی رزم آرا فوجیں جب جہاد اور کشور کشائی کے لیے تیار ہوتیں تو یہ اپنے آدمیوں سے ان کی پوری پوری مدد کرتے۔

عربی عنصر دوسرے عناصر سے اختلاط کو پسند نہیں کرتا تھا ، اس لیے کہ انھیں اپنے مقابلے میں حقیر اور کم مایہ تصور کرتا تھا۔ کیونکہ بہ زور شمشیر ان کی گردنیں اس نے جھکائی تھیں ، زراعت اور دوسرے پست کاموں کے لیے ، انھیں مختص کر رکھا تھا۔ خود عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ فتوحات اور کشور کشائی کے سلسلے میں مال و دولت فراوانی کے ساتھ ہاتھ آ رہا تھا۔ ان میں سے جو عرب زیادہ خوش حال تھے ، دیہات اور اراضی کے مالک بن گئے تھے۔ وہ بلاد عراق کے قدیم باشندوں یعنی قبطی ، سریانی ، کلدانی اور صائبی وغیرہ سے اپنی جائداد اور زمین کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ کی خدمت لیتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے ، جو قدیم زمانے سے بر لب دریا بود و باش رکھے ہوئے تھے۔ کھیتوں کا بونا اور جوتنا ، باغوں کا لگانا اور رکھوالی کرنا ، زمین کو کھودنا ، پانی دینا ، سینچنا اور اس پر اپنی پوری توانائی صرف کر دینا ان کا پیشہ اور کام تھا۔ اس محنت شاقہ کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایسے سر سبز و شاداب بنا دیا ، جو سواد عراق کے نام سے مشہور ہوئی اور کوئی شبہ نہیں یہ انھیں کی محنت ، کارکردگی اور کارگزاری کا طفیل تھا کہ اس سر زمین کی

اقتصادی حالت کہیں سے کہیں پہنچ گئی ۔ البتہ کرد اس ذیل میں نہیں آتے ، اگرچہ یہ بھی یہاں کے قدیم باشندے تھے ۔ لیکن یہ اپنے پہاڑوں میں مگن تھے اور کوہستانی زندگی سے شاد و مسرور اور ایک عرصہ دراز تک انہوں نے اپنا پہاڑی علاقہ نہیں چھوڑا ، وہیں کے مکین بنے رہے ۔

عراق کی ان اقلیتوں پر بسط و تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہم نہیں محسوس کرتے ۔ نہ ان کے اجتماعی اور موروثی خصائص پر بحث کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جدا رنگ رکھتا تھا ۔ ان میں کوئی وحدت کسی درجے میں بھی نہیں تھی ۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ تھا اور یہ اختلاف طبعی ، موروثی اور اجتماعی طور پر بہت زیادہ نمایاں تھا ۔ اگرچہ ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ حکومت عباسیہ کی لائی ہوئی تہذیب ، مدنیت اور حضارت کی کرنیں ان کے ظلمت کدوں میں بھی کسی نہ کسی حد تک بہر حال پہنچ رہی تھیں ۔ چنانچہ ان کی سوسائٹی میں ہمیں اس طرح کے آثار و شواہد نظر آتے ہیں ، کہیں ضعیف ، کہیں قوی ۔ اس ضعف اور قوت کا انحصار اس امر پر تھا کہ یہ اقلیتی جماعتیں پایۂ تخت بغداد سے کس قدر بعید مقام پر یا کس درجہ قریب جگہ رہتی بستی تھیں ؟

اس موقع پر جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ بس اتنا کہ (عراق کے ان قدیم باشندوں پر جو عربوں کی لائی ہوئی تہذیب و حضارت سے متاثر ہو رہے تھے ، ایک سرسری نظر ڈال لیں ۔) کہ اگر کوئی آنے والا مصنف ہارون رشید کے عہد حکومت پر بحث و گفتگو کرنا چاہے تو اس کے لیے شعب عراق کی حالت اور خصوصیت سے متعلق یہ اشارہ کفایت کر سکے کہ یہ لوگ بغدادی سوسائٹی اور اجتماعی زندگی کا ایک لازمی جز ہیں جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ ان قدیم قوموں کے باقیات تھے ، جنہوں نے دولت بنی عباس کے پرچم تلے ، آخر آخر میں زندگی کے دن بسر کیے ۔

ہارون رشید کا بغداد اپنے وقت میں عروس عالم تھا اور سب سے بڑی شہنشاہیت کا پایہ تخت ۔ جس کا خزانہ مال و زر سے بھرپور تھا ۔ جہاں حاجت مند دور دراز سے آتے تھے اور مال و دولت سمیٹ کر لے جاتے تھے ۔

جہاں کی زندگی ثروت اور عشرت کی زندگی تھی - بغداد کی یہی کشش تھی جس سے کھنچ کھنچ کر وقت کے بہترین دماغ رکھنے والے لوگ، صناع فن کار، ماہرین علوم و فنون، طبیب اور حکیم مختلف مقامات سے رواں دواں چلے آ رہے تھے - بغداد نئی تہذیبوں اور تمدنوں کا مرکز تھا - اس کی تہذیب و تمدن میں ایران، ہندوستان، چین، فراعنہ، فینقی حتیٰ کہ یونان و روما کا تمدن سمویا ہوا تھا - یہاں بہت سی ذاتیں تھیں، بہت سے خاندان اور کنبے تھے جو گھل مل کر ایک ہو گئے تھے - جن کی اپنی انفرادیت تھی اور اپنا ایک خاص رنگ - لیکن ان پر عرب اکثریت کی چھاپ لگی ہوئی تھی - یہ مختلف گروہ اب وہی زبان بولنے لگے تھے جو ان کے عرب حاکموں کی تھی اور ان کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھی -

جب بغداد کی تعمیر ابو جعفر منصور نے کی تو فصیل کے اندر کا علاقہ چودہ بڑے بڑے محلوں میں تقسیم تھا - لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ وسعت تنگ ہو گئی اور بستیوں، آبادیوں اور محلوں کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی - جنوب میں رضافہ اور کرخ کا علاقہ بغداد میں شامل ہو گیا - بڑی بڑی سڑکوں سے چھوٹے چھوٹے کوچے اور گلیاں وجود میں آ گئیں - یہاں جو محل تھے وہ دور دور مسافت پر بکھرے ہوئے تھے[1] یہاں کے رہنے والوں نے اپنی ہر بستی میں متعدد مسجدیں تعمیر کر لی تھیں - یہ مسجدیں حسن تعمیر کا نمونہ تھیں، جمال ذوق کی آئینہ دار اور فن انجینئرنگ کا شاہکار - بعض مسجدوں کے فرش سنگ مرمر کے تھے، جو آئینے کی طرح چمکتے تھے - بعض کے سنگ اسود کے تھے جو دور سے چمکتا نظر آتا تھا - دیواروں پر طرح طرح کے نقش بنے ہوئے تھے، باغ پھول، پھل اور ان سب کو اس طرح رنگا گیا تھا کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے - صحن مسجد میں حوض تھے اور ان میں فوارے جن سے پانی

---

۱ - مصادر بحث :

معجم البلدان، تقویم البلدان، تاریخ ابن خرداذبہ، تاریخ بغداد، الجہشیاری، الطبری، ابن الاثیر، القزوینی وغیرہ -

اچھلتا رہتا تھا ۔ قبوں کے ارد گرد اونچے اونچے مینارے تھے جن پر ریشم کی چادریں لٹکی ہوئی تھیں ، جنھیں دور سے دیکھنے والا ایسا محسوس کرتا تھا جیسے یہ گھنا جنگل ہے اور سورج کی شعاعیں منعکس ہو کر سونے کے چاندوں سے ٹکڑا کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی تھیں ۔

ہر مسجد کے قریب صاف ستھرے حمام بنے ہوئے تھے ۔ تاکہ لوگ آئیں ، غسل کریں اور پاک ہو کر باہر نکلیں ۔ ان حماموں کی تعداد کئی ہزار تھی ۔

شہر میں متعدد بڑے بڑے پارک تھے جو عوام کے لیے وقف تھے ۔ اسی طرح بہت سے باغات تھے جہاں لوگ سیر و تفریح کے لیے جایا کرتے تھے ۔ دور و دراز شہروں سے رنگا رنگ کے پھول اور پودے یہاں لا کر لگائے گئے تھے ۔ یہ تفریح گاہیں زیادہ تر چوراہوں کے قریب تھیں ۔ یا ان بڑے بڑے حوضوں کے پاس جو ہر وقت پانی سے لبالب بھرے رہتے تھے ۔ ان میں سے ''برکت زلزل'' زیادہ مشہور ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے :

لو ان زهيراً و امراالقيس ابصرا
ملاحة ما تحويه بركة زلزل
لما و صفا سلمى ولا ام جندب
ولا اكثر اذكر الدخول فحومل

یعنی :

اگر زہیر اور امراءالقیس
اس ملاحت کو دیکھ لیتے جو ''برکت زلزل'' کو سمیٹے ہوئے ہے تو
سلمی اور ام جندب کی تعریف نہ کرتے
نہ ''دخول'' اور ''حومل'' کا ذکر کرتے ۔

دریائے دجلہ پر تین پل بنائے گئے تھے ۔ انھی کے بارے میں شاعر علی بن جہم کہتا ہے :

عيون المها بين الرصافة و الجسر
جلبن الهوى من حيث ادرى ولا ادرى

اغدن لی الشوق القدیم ولم اکن
سلوت ولکن زدن جمراً علی جمر

یعنی :

رصافہ ور پل کی گزرگاہ کے مابین آہو چشم عورتیں
محبت کے جادو رکھتی ہیں ، خواہ ہم اسے محسوس کر سکیں یا نہ کر سکیں ۔
شوق قدیم کا بار بار اعادہ کرتی ہیں ، جس سے
آتش شوق اور بھڑک اٹھتی ہے ۔

اکثر گذرگاہیں نالوں اور کھائیوں پر تھیں ، جنھیں پار کرنے کے لیے بہت سے چھوٹے چھوٹے پل بنائے گئے تھے ۔ جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی ۔ امراء ، سرداران فوج اور برامکہ کے محلات میں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے چھوٹے چھوٹے پل موجود تھے ۔

بہت سی کتابوں میں اور بھی کثیر تفریح گاہوں کا ذکر موجود ہے جو شہر سے باہر اور شہر کے دامن میں بنائی گئی تھیں ۔ مثلاً قطر بل اور طیرناباز ۔ یہ اتنی بڑی بڑی جگھیں تھیں کہ لوگ تعطیل اور تہوار کے مواقع پر بڑی تعداد میں لطف و تفریح کے لیے وقت گذارنے یہاں آیا کرتے تھے ۔ شعراء ، سیلانی اور لہو و طرب کے رسیا تو ٹوٹ پڑتے تھے ۔ علاوہ ازیں اچھی اچھی جگھوں پر پایہ تخت کے قریب اور بھی بہت سی تفریح گاہیں تھیں[۱] ۔

بغداد کے باشندوں نے اپنے قصور و مساکن کی تعمیر پر بہت زیادہ توجہ صرف کی ۔ یہ عمارتیں خوبصورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں اور انجینئرنگ کا بہترین نمونہ تھیں ، عربی اور فارسی طرز تعمیر کو سمو کر ایک نیا طرز تعمیر بن گیا تھا ۔ ان عمارتوں کا نچلا حصہ پتھر اور چونے کے گارے سے بنایا جاتا تھا ، تا کہ پانی کا ریلا روک سکے ۔ بالائی حصہ انتہائی سبک ، نازک اور خوب صورت ہوتا تھا ۔ عام طور پر ان عمارتوں پر کلس ضرور ہوتا تھا ۔ چھت کے اوپر گنبد بھی لازمی تھے ۔ بعض حویلیاں

۱ ۔ کتاب الدیارات للشابشتی اور اخبار ابی نواس ۔

دہری دیواروں کی ہوتی تھیں تاکہ اندر رہنے والے لوگ گرمی اور سردی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں۔

دولت مند اور ارباب ثروت جو حویلیاں بناتے تھے ، ان کے دو حصے ہوتے تھے ۔ ایک زنان خانہ دوسرا مردانہ ، جس میں مجلسیں منعقد ہوتی تھیں ، مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا اور لطف و تفریح کے دوسرے مشاغل بھی یہیں انجام پاتے تھے ۔ ایک تیسرا حصہ بھی ہوتا تھا جو صرف خادموں اور نوکروں کے لیے وقف تھا ۔

کرخ کی طرف خلیفہ کے جو محلات تھے اور مدینۃالسلام میں امرا کی جو حویلیاں تھیں اور برامکہ کی رصافہ کی طرف جو عالی شان عمارتیں تھیں ، ان کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی ۔ پائیداری اور خوب صورتی میں ان کا جواب نہ تھا ۔ ان کے علاوہ سرداران فوج ، حکام و عمال ، تاجر اور سوداگر اور دوسرے بڑے بڑے لوگوں کے جو قصور و محلات تھے ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔

ان تمام قصور و محلات کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر ایک کے ساتھ ایک وسیع پائیں باغ بھی تھا ۔ جہاں طرح طرح کے نادر پھول ، پودے اور درخت بہت بڑی تعداد میں موجود تھے ۔ ہر پائیں باغ میں ایک حوض بھی ضرور ہوتا تھا ، اس کے اوپر مختلف پتھروں اور دھاتوں کی پتلیاں ، حیوانات اور طیور کی شکلیں نصب ہوتی تھیں ، جن کے منہ سے پانی بہتا تھا اور اس کے ساتھ مختلف قسم کی آوازیں نکلتی تھیں ۔

ہارون رشید کی بیوی زبیدہ بنت جعفر کا قصر ''دارالقرار'' کے نام سے موسوم تھا ۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ یہ محل ایک بہت بڑے باغ سے گھرا ہؤا تھا ، جس کے اندر ان نادر طیور ، اور وحوش اور حیوانات کے تمام انواع و اقسام موجود تھے ، جو دنیا میں پائے جاتے ہیں ۔ محل میں جو ہال تھا اس کا طول ۸۰ گز تھا ۔ اس میں جو فرش تھا اس میں کوئی جوڑ نہیں تھا ، صرف ایک ہی ٹکڑا تھا اور نہایت قیمتی پتھروں سے اسے مرصع کیا گیا تھا ۔ اس کی چھت آبنوس کے ستونوں

پر قائم تھی ، جو ہاتھی دانت اور سونے سے مزین تھی ۔ دیواروں پر قرآن مجید کی آیتیں سنہرے حرفوں میں نہایت خوب صورت لکھی ہوئی تھیں ۔ سارے محل میں جو کیلیں اور میخیں استعمال کی گئی تھیں ، وہ سب سونے کی تھیں ۔ یاد رہے کہ زبیدہ کا یہ محل تمام محلات میں یکتا نہ تھا ۔ اس سے اچھے بھی قصور و محلات موجود تھے ۔ یحییٰ بن جعفر برمکی نے رصافہ کی جانب اپنا جو قصر بنایا تھا اس پر بیس ملین درہم صرف کیے تھے ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بکریوں کے ایک ریوڑ کی قیمت ایک درہم تھی ۔

شہر میں بہت سے بازار تھے ۔ نہایت وسیع ، سادہ اور صاف شفاف ، جہاں ضرورت کی ہر چیز ہر وقت مہیا ہو جاتی تھی ۔ ان کی تعداد حد شمار سے خارج تھی ۔ ہر بازار کسی ایک چیز یا اس سے متعلق چیزوں کے لیے مخصوص تھا ۔ مثلاً سونے کا بازار ، جواہر کا بازار ، تانبے کا بازار ، کپڑے کا بازار وغیرہ ۔ ان بازاروں میں ایک سے ایک اور بہتر سے بہتر چیزیں آرائش و زیبائش ، لباس و غذا اور دوسری ضرورت کی موجود تھیں ۔ بغداد صرف ہارون رشید کا پایہ تخت نہ تھا ، ساری دنیا کا پایہ تخت تھا ۔ بغداد کے باشندوں نے اپنی خوش حالی کے مظاہرے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ لذائذ اور تفریح و طرب پر بے دریغ صرف کرتے تھے ، اپنے گھروں کو انھوں نے طرح طرح کے نقش و نگار سے آراستہ کر رکھا تھا ۔ آنکھوں میں کھب جانے والے رنگ و روغن سے ہر گھر مزین تھا ۔ ریشم اور دیباج کا استعمال عام تھا ۔ سنہرے رنگ کے پردوں اور قیمتی فرشوں سے کوئی گھر خالی نہیں تھا ۔ باغات میں دور دراز ممالک کے پھول اور پودے موجود تھے ۔ جہاں ہر نوع کے طیور اور حیوانات بھی رکھے جاتے تھے ۔ اصیل گھوڑے اور سفید خچر بھی بہ تعداد کثیر بغداد کے لوگ خریدتے رہتے تھے ، جنھیں خوب صورت زین اور قیمتی لگام سے مزین کیا جاتا تھا ۔ سواری کے وقت ہتھیار ساتھ ہوتے تھے ۔ سونے اور جواہر سے یہ ہتھیار بھی مزین رہتے تھے ۔ ایک شاعر نے کسی شخص کی ہجو کرتے ہوئے کہا ہے :

و ما تصنع بالسیف
اذلم تک قتالا ؟

فکسر ذھب السیف
وصغہ لک خلخالا

یعني :

تلوار تمھارے کس کام کی؟
اگر قتال نہ کرو
زر شمشیر پگھلا کر
پازیب بنا لو

بغداد کے لوگ غلاموں ، خواجہ سراؤں ، غلمانوں اور خوب صورت باندیوں کو بھی بڑے چاؤ سے خریدتے اور رکھتے تھے ۔ یہ باندیاں مختلف ملکوں اور قوموں سے تعلق رکھتی تھیں ۔ مثلاً ترکی ، روسی ، گرجی ، چینی اور حبشی وغیرہ ، یہ سب بلاد اسلامیہ کے باہر سے لائی جاتی تھیں ۔ بیع و کسب کے لیے انھیں خاص طور پر تربیت دی جاتی تھی ۔ باندیوں کی خرید و فروخت کے لیے بغداد میں ایک خاص بازار تھا ۔ جو لوگ یہ کام کرتے تھے ان میں ابن رامین بہت مشہور ہے ۔ جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے :

ھل من شفاء لقلب لج محزون
صب یمیل الی ربھم "ابن رامین"
یارب ان ابن رامین لہ بقر
عین و لیس لنا غیر البر اذین

یعنی :

کیا اس قلب حزیں کا بھی کوئی علاج ہے ۔
جو ابن رامین کی ہرنیوں پر ہزار جان سے فریفتہ ہے ۔
اے خدا ابن رامین کے پاس تو بڑی بڑی آنکھوں والی گائیں (عورتیں) ہیں ،
اور ہمارے پاس خچر کے سوا کچھ نہیں ۔

بغداد کے لوگ خوش خوراک بھی بہت تھے ۔ اس سلسلے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے ۔ دور دراز مقامات سے پھل منگاتے تھے ۔

اگرچہ ہر پھل کے وزن برابر چاندی ہی کیوں نہ دینی پڑے ۔ اپنی مرغیوں کو بادام اور اخروٹ کھلاتے تھے تاکہ دسترخوان پر پک کر جب ان کا گوشت آئے تو بہت زیادہ لذیذ ہو۔ ایک ایک شخص کے پاس مختلف شہروں کے کئی کئی باورچی تھے ، ان میں سے ہر ایک اپنے ملک کا بہترین کھانا پکا کر پیش کیا کرے ۔ یہ لوگ کھانا پکانے میں چربی کی بجائے تیل استعمال کیا کرتے تھے ۔ سینکے چاول بھی شوق سے کھاتے تھے ۔ مختلف قسم کی شیرینیاں اور حلوے بھی ، جن میں پستے کی ہوائی پڑی ہوتی تھی ، تیار کرتے تھے ۔ شیرینی اور مٹھائی بڑے اہتمام سے سونے اور چاندی کے مرصع برتنوں میں رکھتے تھے ۔ پانی پینے کے لیے شیشے کے گلاس استعمال کرتے تھے ، جن پر بہترین قسم کی تصاویر نقش ہوتی تھیں ۔ انہوں نے اکل و شرب کے سلسلے میں بہت سی نئی نئی چیزیں ایجاد کر دی تھیں اور ان کا استعمال بھی ڈھنگ اور سلیقے سے کرتے تھے ۔ شعرا کی زبانوں پر بھی عیش و تنعم کی ان چیزوں کا ذکر آ جایا کرتا تھا ۔ ابو نواس کہتا ہے :

تدار علینا الراح فی عسجدیة
حبتها بانواع التصاویر فارس
قرار تها کسریٰ و فی جنباتها
مها تدریها بالقسی الفوارس
فللخمر ما زرت علیه جیوبها
و للماء ما دارت علیه القلانس

یعنی :

ہمارے درمیان شراب کا دور ایسے طلائی پیالوں میں چلتا ہے
جن میں اہل فارس کی طرح طرح کی بنائی ہوئی تصویریں نقش ہیں
جن کی تہ میں کسریٰ کی تصویر اور پہلوؤں میں
سفید ہرنیاں جن کا شکاری کمان لیے پیچھا کر رہے ہیں
شراب کا کیف یہ کہ گریبان تار تار ہو جائیں
اور پانی کا وصف یہ کہ سر چکرانے لگے ۔

گرمی کے موسم میں گھڑوں کو برف سے ٹھنڈا رکھا جاتا تھا ۔ ایسا بھی ہوتا کہ کتان کا کپڑا پانی میں تر کرکے اس کی پنکھیا بنا کر جھلتے تھے ۔ پانی کو شکر سے شیریں کرکے اور اس میں بنفشہ یا کسی چیز کی خوشبو ڈال کر مہمانوں کو پیش کرتے تھے ۔ کبھی نبیذ تمر اور کبھی افشردۂ انگور ۔

دولت مند اور ارباب ثروت جن لوگوں کو اپنا ندیم اور مصاحب بناتے تھے ان کے لیے بڑی سخت شرطیں رکھی تھیں ۔ گفتگو کا ڈھنگ بہت اچھا آتا ہو ، راز کو راز رکھ سکتے ہوں ، بات توجہ سے سنیں ۔

یہ لوگ اپنی مجلسوں کو عنبر اور مشک کی خوشبو سے معطر کیے رہتے تھے ۔ جو مہمان آتا بہترین قسم کا عطر اس کی داڑھی اور سینے پر لگاتے ۔

اجتماعی طبقات کے حسب اختلاف مختلف مواقع پر لوگوں کا لباس بھی مختلف ہوا کرتا تھا ، اگرچہ کسی حد تک یکسانیت کا پہلو بھی قائم رہتا تھا ۔ لباس

اہل ثروت اور دولت مند طبقہ جو لباس استعمال کرتا تھا اس میں زرکار پائجامے ، کڑھی ہوئی قمیضیں ، زرہ ، خنجر ، نیزہ ، تلوار ، جبہ ، عمامہ اور ٹوپی لازمی چیزیں تھیں ۔

بعض لوگ ریشمی یا ؟ بھی پہنتے تھے ۔ وقت اور موقع کے لحاظ سے بھی لباس الگ مثلاً مجلس ناؤ نوش میں جو لباس استعمال کیا جاتا تھا تا تھا ۔ اسی طرح سواری کا لباس ، شکار کا ' باس الگ الگ ہوتا تھا ۔

عو… کا آئینہ دار تھا ۔ کیونکہ اس زما… کا سب سے بڑا مرکز تھا ، … ، فیشن اور لباس کی خوبروئی … لت مندوں ، ارکان حکومت او… دور و دراز گوشوں سے خو… کے لیے آیا کرتے تھے ۔

یہ چیزیں بھی بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتی تھیں۔ علاوہ ازیں غیر ممالک سے جو باندیاں آتی تھیں، وہ بھی اپنے دیس کا اچھے سے اچھا اور خوب صورت لباس استعمال کرتی تھیں، تاکہ آسانی کے ساتھ لوگوں پر ڈورے ڈال سکیں۔

جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس زمانے میں خواتین کے لباس میں یہ پہلو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا، کہ ایک ایسی لمبی چادر لپیٹ لی جاتی تھی کہ جسم کی زیب و زینت کی چیزیں چھپی رہیں اور گرد و غبار سے قیمتی لباس گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں محفوظ رہے۔ حد درجہ خوش رنگ اور نہایت باریک ریشمی رومال سر پر باندھ لیے جاتے تھے، جو چوٹی کو سنبھالے رہتے تھے۔ خواتین عام طور پر اس لباس کو بہت پسند کرتی تھیں، جنھیں خلیفہ مہدی کی بیٹی اور ہارون رشید کی بہن عالیہ نے ایجاد کیا تھا۔ یہ ایک قسم کا ریشمی نقاب تھا جس میں جواہر اور سونے کی ٹکلیاں جڑی رہتی تھیں، جسم پر ایک ریشمی قمیض ہوتی تھی، اس کے نیچے رنگین اندر جامہ ہوتا تھا جو گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا۔ خواتین کے جوتے چمڑے کے ہوتے تھے یا ایسے مضبوط کپڑے کے جو نہایت باریک سنہرے یا کسی اور قسم کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ سینے اور سر پر جواہرات کا استعمال پسند نہیں کرتی تھی۔ البتہ اس کی جوتیوں پر نہایت نادر قسم کے ہیرے جواہر ٹکے رہتے تھے۔

بغداد کی خواتین چہرے پر خاص قسم کے ابٹن یا پوڈر لگایا کرتی تھیں۔ پلکوں اور بھنوؤں کو اس طرح سنوارتی تھیں، جیسے ایران کی شہزادیاں سنوارا کرتی تھیں۔ بالوں کو گوندھ کر سر پر تاج کی شکل بنا لیتی تھیں یا ایسا بھی کرتی تھیں کہ کندھوں پر زلفوں کو لہراتا ہوا چھوڑ دیتی تھیں۔ بالوں کا تھوڑا حصہ ماتھے پر چاند کی شکل بنا کر چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ ایسی خواتین بھی تھیں جو مردوں کی طرح بال کٹواتی تھیں۔ چنانچہ ان کا نام 'غلامیات' پڑ گیا تھا۔

حسن و جمال کی تزئین اور زیبائش کے سلسلے میں ایک اور چیز چل پڑی تھی، وہ تھا چہرے کو سرخی مائل کر لینا۔ چنانچہ عورتوں میں

یہ بات مشہور ہو گئی تھی ، حسن کا سرخی مائل ہونا ضروری ہے ۔

اس زمانے کی عورتوں کو کافی آزادی حاصل تھی ۔ پردہ اتنا سخت نہیں تھا جتنا بعد میں جا کر ہؤا ۔

مرد عام طور پر دو ، تین یا چار بیویاں رکھا کرتے تھے اور جہاں تک جیب اجازت دیتی تھی کنیزیں بھی رکھتے تھے ۔

بغداد کے لوگ شادی بیاہ اور ختنے کے موقع پر بڑی دھوم دھام سے تقریبات کا اہتمام کیا کرتے تھے ۔ عیدین یعنی عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے موقع پر عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو کھانا کھلا کر خوش ہوتے تھے ۔ دولت مند لوگ مسافروں اور نووازدوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیتے تھے اور انہیں خوب جی بھر کر کھانا اور شیرینی کھلاتے تھے ، فقرا اور مساکین کو روپے بانٹتے تھے ۔

جشن نوروز ایرانی تہوار تھا ۔ اسے صرف ایرانی ہی مناتے تھے ، لیکن رفتہ رفتہ عباسی عہد میں یہ عوامی تہوار بن گیا ۔ اس تہوار کے موقعے پر خوب خوشی منائی جاتی تھی ، لوگ ٹولیاں بنا بنا کر دور و دراز مسافت پر واقع باغوں اور تفریح گاہوں میں کھانے پینے کا سامان اور لہو و طرب کے وسائل مہیا کر کے چلے جایا کرتے تھے ۔

ان تہواروں کے علاوہ کچھ تہوار ایسے تھے جو عیسائیوں کے لیے خاص تھے ۔ لیکن ان تہواروں میں بھی وہ مسلمان جو لہو و لعب کے رسیا تھے ، دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے ۔

خوش حالی ، عیش و عشرت ، لذت کی طلب ، لہو و لعب کا شوق اور شاہ خرچیاں نتیجہ تھیں مرکزی نظام دولت کا ، اور بیت المال کے معمور ہونے کا ۔ اس چیز نے وہ طبقے پیدا کیے جو مال دار اور صاحب ثروت و نعمت تھے ۔

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانے میں بغداد اپنے اندر جو سوسائٹی رکھتا تھا وہ ان سوسائٹیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی ، جو آج دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کے پایہ تخت میں پائی جاتی ہیں ۔ جنھیں کسب و عمل کی پوری آزادی حاصل تھی ۔ البتہ فرق جو کچھ ہے وہ

..ہے کہ آج کی سوسائٹی اپنے حکمرانوں پر نکتہ چینی کر سکتی ور اُن کا محاسبہ کر سکتی ہے ۔ زیر بحث عہد بغداد میں یہ نا ممکن تھا ، س لیے کہ خلیفے کو مکمل اختیارات حاصل تھے ۔ اس کا ہر اقدام ۔ز پرس سے اور خرچ محاسبے سے آزاد تھا ۔

سینکڑوں ملین دینار ـــــ جب کہ دنیا کی قوت خرید بہت زیادہ تھی ـــــ ہر سال ہارون رشید کے خزانے میں داخل ہوا کرتا تھا ۔ اس رقم کا ڑا حصہ اس کی ذات ، اس کے ندیم و مصاحب اور اس کے رجال دولت پر خرچ ہوتا تھا ۔ حکومت کے دوسرے گوشوں میں اس آمدنی کا بہت کم حصہ پہنچتا تھا ۔ کیونکہ ہر چیز گورنروں اور حاکموں کے ہاتھ میں تھی ، ور جو وہ چاہتے تھے کرتے تھے ۔

ہارون رشید ، اس کے افراد خاندان اور امرائے بیت کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی ۔ ایک قول کے مطابق یہ تین ہزار کے قریب تھے اور یہ سب انتہائی عیش و عشرت اور شاہ خرچی کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ یہی حال برامکہ کا تھا ، جن کے قبضے میں وزارت تھی ۔ ان کی ثروت و دولت کا حساب ہی نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کے ذاتی محلات و قصور کی تعداد بیس سے زیادہ تھی ۔ وہ محلات و قصور ان کے علاوہ تھے جو ان کے قرابت مندوں ، عزیزوں ، رشتے داروں اور کارکنوں کے تھے ۔ ان کی شاہ خرچی اور عیش و تنعم کا عالم بھی ہاروں رشید سے کچھ کم نہ تھا ۔ وہی داد و دہش ، وہی بذل و عطا اور وہی جاہ و حشم ۔ رشید کے عملے میں جو لوگ شامل تھے مثلاً حاجب ، کاتب ، باڈی گارڈ ، مصاحب و ندیم ، افسران فوج و عدالت ، شعرا و ادبا ، مسخرے اور لطیفہ گو ، داستان طراز اور قصہ خواں ، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ہارون رشید ، اس کے وزرا اور اس کے اہل خاندان کی داد و دہش سے مالا مال نہ ہوگیا ہو ۔ یہ ساری رقم بیت المال کی تھی جو اس طرح دھڑا دھڑ صرف ہو رہی تھی ۔ ان لوگوں کے علاوہ خدمت گار غلام اور محل شاہی کے دوسرے کار گذار اور ملازم تھے ، جن پر بے دریغ روپیہ صرف ہوتا تھا ۔ تاجروں اور سوداگروں کی خوش حالی بھی حد قیاس

سے باہر تھی - یہ لوگ بازار پر چھائے ہوئے تھے ، دور دراز کے شہروں سے کم یاب اور نادر چیزیں ، خوب صورت اور دل کش مصنوعات لا لا کر ڈھیر کر دیا کرتے تھے - جنھیں دیکھ کر دولت مند طبقہ للچا جاتا تھا اور اپنی تھیلیوں کے منہ کھول دیتا تھا - جواہرات

روایت ہے کہ ہارون رشید نے اپنی بیٹی حمدونہ کی شادی کے سلسلے میں بعض قیمتی جواہر خریدنا چاہے - اس نے شہر کے مشہور جوہری عون کو بلایا اور اس سے جواہرات کے زیور کا ایک سیٹ طلب کیا - جس کی قیمت ستر لاکھ دینار آنکی گئی - اس چیز کو رشید نے ذرا بھی پسند نہیں کیا - اس نے اسے واپس کر دیا اور دوسرے جوہری سے اس سے بھی اچھا مال منگا لیا -

دوسرے صناعوں ، زرگروں اور ماہرین فن کا بھی یہی حال تھا - مثلاً رنگنے والے ، شیشہ بنانے والے ، سنہرے اسلحہ تیار کرنے والے اتنے مزے میں تھے اور اتنا پیدا کرتے تھے کہ آمدنی اور نفع کے معیار سے طبقہ تجار سے کم نہ تھے -

لیکن متوسط طبقے کے لوگ اتنی سکت نہیں رکھتے تھے کہ شاہ خرچی اور اسباب تنعم اور لذائذ و تمتع کے معاملے میں مال داروں کا مقابلہ کرسکیں - لیکن زندگی ایسی ہی بسر کرنا چاہتے تھے - لہذا ایک اور بڑا طبقہ پیدا ہوگیا تھا - یہ تھا قرض لینے والے اور قرض دینے والے کا، رہن کرنے والے اور رہن رکھنے والے کا اور رہن رکھ کر دولت سمیٹنے میں یہودی سب سے پیش پیش تھے ۔ یہ روپے کی تجارت کرتے تھے اور دوسروں کی گاڑھی کمائی کی ایک ایک پائی کھینچ لیتے تھے - کیونکہ ان کا نفع اس میں تھا کہ سود اور سود در سود وصول کریں ان لوگوں کی دراز دستیاں اتنی بڑھیں کہ آخر ہارون رشید کی حکومت نے مجبور ہو کر ایسے محتسب مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ ان نفع خوروں کی آمدنی اور حساب کتاب کا جائزہ لیں اور ان کے طور و طریق کو جانچیں ، تاکہ عدل و انصاف سے انحراف نہ ہونے پائے -

دولت کی اس فراوانی ، فضول خرچی اور لہو و لعب کی کثرت کا بد

نتیجہ نکلا کہ لوگ بڑی تعداد میں شراب کے عادی ہوگئے ۔

بوالہوسی اور ہوس ناکی کے چکر میں پڑ گئے ۔ مفاسد کا ارتکاب کرنے لگے ۔ ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہوگیا جو غیر شریفانہ طریقوں سے روزی کماتا تھا ۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نام مخنثوں کا تھا ۔ یہ لوگ زرکار لباس پہنا کرتے تھے اور عطر میں بسے رہتے تھے ، بڑے دل کش انداز میں بات کرتے تھے ۔ ہنسی اور ٹھٹھول اور فقرہ بازی ان کا پیشہ تھا ۔ ان لوگوں کے رہنے کے مقامات خاص تھے ، جو کرخ کے باغات کے پاس واقع تھے ۔ یہاں پر کئی سرائیں تھیں جن کی عمارت لکڑی کی بنی ہوئی تھی ، یہاں بہتر سے بہتر کھانا اور شراب اور عیاشی کے تمام وسائل موجود تھے ۔ جؤا بھی خوب ہوتا تھا ۔ بے حیائی کے کرشمے لواطت کی صورت میں نظر آتے تھے اور ان چیزوں کو بڑے فخر سے یہ اپنے اشعار میں بیان کیا کرتے تھے ۔

ہارون رشید کی حکومت ان مفاسد کے سامنے بے بس ہو کر نہیں بیٹھ گئی ۔ پولیس کا ایک خاص دستہ متعین کیا گیا جس کا کام یہ تھا کہ یہ جہاں نظر آئیں انہیں گرفتار کر لے ۔ اس طرح جو لوگ پکڑے جاتے تھے انہیں قید اور کوڑے کی سزا ملتی تھی ۔ حکومت کے علاوہ علما اور سماجی اصلاح کا کام کرنے والے لوگ اور واعظ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر ، اخلاق کو برباد کرنے والی ان حرکتوں کے سامنے بیٹھ نہیں گئے تھے ۔ انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ اس اخلاق سوز صورت حال کا مقابلہ کیا اور جو کچھ اور جتنی کچھ بھی قوت انہیں حاصل تھی اس سے زیادہ یہ کر گزرتے تھے ۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ باشندگان بغداد اگرچہ لاکھوں کی تعداد میں تھے لیکن سال داروں ، شاہ خرچوں اور اخلاق سوز حرکتیں کرنے والوں کا طبقہ ان کے مقابلے میں بہت چھوٹا اور محدود تھا ۔ فضول خرچی اور نمائش کی عادت بغداد کے عوام میں عام نہیں ہوگئی تھی ۔ اخلاقی فساد بھی بہر حال محدود تھا اور اتنی بڑی آبادی کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ بہت کم تھا ۔

اس سلسلے میں ہمیں کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا ، اگر شاعروں اور ادیبوں نے ان باتوں کا چرچا نہ کیا ہوتا ۔

متوسط طبقہ ہی درحقیقت بغدادی سوسائٹی کا صحیح ترین آئینہ تھا کہ اسے غیر معمولی اکثریت حاصل تھی ۔ اس میں عالم ، فقیہ اور ادیب بہ تعداد کثیر موجود تھے ۔ جنھوں نے فکر اور بیداری پیدا کی اور جنھیں غیر معمولی اجلال و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ۔ ان لوگوں کی مالی حالت بھی معمولی تھی ۔ البتہ وہ لوگ جو ہارون رشید کے قصر سے وابستہ تھے ، بے شک غنی اور دولت مند تھے ۔ اس متوسط طبقے میں وہ لوگ بھی تھے جو مزدوری کر کے زندگی بسر کرتے تھے اور عوامی ضرورت کی صنعتوں کو فروغ دیتے تھے ۔

یہ تمام طبقات مختلف قوموں کا مخلوطہ تھا ۔ عقلی صلاحیت اور ذہنی قوت جدا جدا تھی ۔ لیکن سب نے ایک سوسائٹی کی صورت اختیار کر لی تھی ، جس پر عربیت کی مہر لگی ہوئی تھی اور حاکم قوم کی زبان یعنی عربی ہی ان کی بول چال بن گئی تھی ۔ ان کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا ، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عربیت ہی ان پر چھائی ہوئی تھی۔ ایسے فارسی خاندان بھی تھے مثلاً برامکہ ، رشید کے درباری اور مصاحب ، بڑے بڑے تاجر و زر دار دولت مند ۔ مشاہیر علما جب آپس میں بات چیت کرتے تو فارسی میں کرتے تھے ، اپنے گھر میں بھی اور بازار میں بھی ۔ ان میں ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی تھی جو اپنی قومیت کو عرب قومیت سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے اور عربی عنصر کی مخالفت میں انھوں نے عجمی برتری کی تحریک اٹھا رکھی تھی ۔

بغداد میں اقلیتوں کے بہت سے قبیلے اور خاندان آباد تھے ۔ ان میں ایک جماعت روم کے رہنے والوں کی تھی جو بازنطینی قومیت رکھتے تھے ، لیکن انھوں نے بغداد کی اقامت اختیار کر رکھی تھی ۔ یہ اپنی تہذیب اور زبان سے بالکل دست بردار نہیں ہوئے تھے ۔ یہی حال ہندوؤں کا بھی تھا اور اسی طرح چینی طبقہ بھی بغداد میں زندگی کے دن گذار رہا تھا ۔ یہ لوگ اپنے وطن اور بغداد کے درمیان تجارت بھی کرتے تھے ، جو مبادلے

کی صورت میں ہوتی تھی - جو شخص بغداد کے بازاروں سے گزرتا تھا وہ خریداروں، بیچنے والوں اور کاریگروں کے منہ سے نئی نئی زبانیں سنتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عربی زبان ان سب پر حاوی تھی، اس لیے کہ وہ قصر شاہی اور حکومت کی زبان تھی اور اکثریت کی زبان بنی تھی -

ہارون رشید کے زمانے میں حریت ادیان و معتقدات حد انتہا تک پہنچی ہوئی تھی - بے شک حکومت کا سرکاری مذہب اسلام تھا، اور یہ بھی سچ ہے کہ بغداد کی غیر معمولی اکثریت اسی دین کی پرستار تھی - اور یہی وجہ تھی کہ بغداد معبدوں کا شہر معلوم ہوتا تھا - بہ کثرت معابد تھے، فقہا اور واعظ اور تبلیغ دین کرنے والے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی -

ہارون رشید ہی کے زمانے میں حنفی، شافعی اور مالکی مذاہب ابھرے اور کچھ عرصے بعد حنبلی مذہب بھی عالم وجود میں آ گیا - قاضی جو فتویٰ دیتے تھے وہ اس مذہب کے مطابق ہوتا تھا جس پر اہل شہر کی غالب آبادی عامل تھی اور وہ مذہب حنفی تھا، جس پر باشندگان بغداد کی غالب ترین اکثریت عمل پیرا تھی - چنانچہ حکومت کے قاضی القضاۃ کے منصب پر امام ابو یوسفؒ فائز تھے، جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید تھے - ہارون رشید کی حکومت اس اجتہاد کا قرار واقعی احترام کرتی تھی جو وزن رکھتا ہو، لیکن زندیقوں کے 'اجتہاد' کو قبول کرنے پر تیار نہ تھی، بلکہ حسب موقع و ضرورت انہیں قتل کرنے اور سخت سے سخت سزا دینے میں بھی تامل نہیں کرتی تھی -

بغداد میں کافی تعداد اہل ذمہ یعنی ذمیوں کی تھی - یہ وہ غیر مسلم تھے، جن کے مال اور جان کی حکومت از روئے شرع اسلامی ذمے دار تھی -

ذمیوں کو نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے، مذہبی رسوم ادا کرنے اور اپنے معتقدات پر عمل کرنے کی پوری آزادی تھی بلکہ انہیں اس امر کی بھی پوری آزادی تھی کہ دینی بحثیں کریں، مناظرے کریں اور اپنے دین کی سچائی ثابت کرنے کے لیے تحریر و تقریر سے کام لیں -

ہارون رشید ہی کی حکومت میں توریت اور انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔

بغداد میں جو عیسائی تھے ، وہ دو فرقوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ ایک فرقہ کلیسائے یعقوبی کا ماننے والا تھا ، دوسرا کلیسائے نسطوری کا ۔ عیسائیوں کی اکثریت کلیسائے نسطوری کی مقلد تھی ۔ ان کا سردار 'جاثلیق' کہلاتا تھا ۔ اسے اجازت تھی کہ اپنے مشنری نواحی' مختلفہ میں بھیجے ، اس کے ماننے والے اور پیرو کار چین تک میں تھے ۔ بغداد کے قریب اس فرقے کے متعدد کلیسا اور دیر تھے ، جن میں راہب عبادت کیا کرتے تھے ۔ قصر شاہی کے اطبا کی بڑی تعداد نسطوری تھی ۔ ان لوگوں نے علوم قدیمہ اور مسلمانوں کے مابین ربط و ضبط پیدا کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں اور اپنی زبان کی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کیے ۔

آخر آخر میں ہارون رشید اس فرقے کے لوگوں سے کچھ چڑ سا گیا تھا ، چنانچہ اس نے ان پر پابندی عائد کر دی تھی کہ مسلمانوں کا سا لباس نہ پہنا کریں اور ان کلیساؤں کو منہدم کرنے کا فرمان صادر کر دیا تھا جو فتح اسلامی کے بعد تعمیر کیے گئے تھے ۔ لیکن رشید کی یہ خفگی دینی اور مذہبی نہیں تھی ، سیاسی وجوہ پر مبنی تھی ۔ بات یہ تھی کہ ہارون رشید اور روم کی بازنطینی حکومت کے تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے ، اس نے جن کلیساؤں کے منہدم کرنے کا حکم دیا تھا یہ روسی سرحد کے قریب واقع تھے اور اندیشہ تھا کہ ان کلیساؤں میں رہنے والے جنگ کی صورت میں عیسائی حکومت کا ساتھ دیں گے[1] اور اسلامی حکومت کے برخلاف اس کی مدد کریں گے ۔

بغداد کے یہودی

بغداد کی یہودی اقلیت ، تعداد کے لحاظ سے ناقابل ذکر تھی ، لیکن اندرون شہر اور اندرون ملک میں کاروباری اور تجارتی اعتبار سے یہ سب پر

---

۱ ۔ جیسا کہ اکثر کر چکے تھے اور کرتے رہے تھے ۔

مترجم

غالب تھی۔ یہ لوگ سود کا کاروبار بھی خوب کرتے تھے۔

یہودیوں نے اپنے جداگانہ مدرسے بھی قائم کر رکھے تھے جو سورا میں واقع تھے۔ جہاں تلمود اپنی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ یہاں قدیم یہودیت کی تعلیم دی جاتی تھی اور وہ شریعت سکھائی جاتی تھی جو حضرت موسیٰؑ لے کر آئے تھے۔

بغداد میں یہودیوں نے اپنے رہنے کے لیے ایک الگ بستی بسا رکھی تھی، لیکن عربوں کے عادات و احوال سے یہ بالکل غیر متاثر ہوئے ہوں، ایسا بھی نہیں ہوا۔ یہ لوگ بے تکلفی سے عربی بولتے تھے، اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے علاوہ اور اقلیتیں بھی بغداد میں بستی تھیں، ان میں ایران کے مجوسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خاص طور پر زردشت کے پیرو کار، ان لوگوں کا پیشہ شیشوں پر نقش و نگار بنانا اور اسلحہ تیار کرنا تھا۔

ایرانیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پورے کمال اور مہارت کے ساتھ حاصل کر لی، انھی لوگوں کی وجہ سے عرب ایران کی قدیم تہذیب سے عرب آشنا ہوئے۔

مجوسیوں کی بڑی تعداد عہد ہارون رشید میں مسلمان ہو گئی اور باشندگان بغداد میں اس طرح گھل مل گئی، جیسے یہ لوگ یہیں کے رہنے والے ہوں۔

ان طبقات کے پہلو بہ پہلو ایک بڑا طبقہ ان آشفتہ حالوں اور پریشان روزگاروں کا تھا جو فقر اور فاقے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حاکم جماعت اور طبقہ امرا کے لوگ تو بے اندازہ دولت سے اندھا دھند کھیل رہے تھے، لیکن ان بے چاروں کے پاس کچھ نہ تھا، سوا حسرت اور آرزو کے۔ ان کے حصے میں نہ عیش تھا نہ آرام، نہ آسائش جو دولت مندوں اور حاکموں کے لیے مخصوص ہوچکی تھی۔ اس طبقے میں وہ لوگ تھے جو دن بھر خون پانی ایک کر کے محنت کرتے تھے اور روٹی کو ترستے تھے، یہ نادار اور محتاج تھے، ان کا ذریعہ معاش صرف دریوزہ گری تھا۔

شاعر ابو العتاھیہ نے اپنے ایک قصیدے میں رشید کو مخاطب کرتے ہوئے انھی حالات کی ترجمانی کی ہے ، وہ کہتا ہے :

من مبلغ عنی الاُما
م نصائحا متر الیۃ
انی اری الا سعاد
اسعار الرعیۃ غالیۃ
واری المکاسب نزرۃ
واری الضرورۃ فاشیۃ
واری غموم الدھر
ررائحۃ تمر و غادیۃ
واری المراضع فیہ عن
اولادھا متجا فیہ
واری الاُرامل و الیتاء
ی فی البیوت الخالیۃ
من بین داج لم یزل
یسمو الیک وارجیہ
یا ابن الخلائف لا فقد
ت ولا عدمۃ العافیۃ
ان الاصول الطیا
ت لہا فروع زاکیۃ
القیت اخباراً الیک
من الرعیۃ شافیہ

یعنی :

ہے کوئی جو میری نصیحت امام (خلیفہ) تک
پہنچا دے ؟
میں دیکھتا ہوں رعیت کی ضروریات زندگی
بے حد گراں ہوگئی ہیں

میں دیکھتا ہوں کمائی کم ہو گئی ہے
میں دیکھتا ہوں ضرورتیں بڑھ گئی ہیں
میں غم دہر کو صبح و شام رواں و دواں دیکھتا ہوں۔
میں دودھ پلانے والی ماؤں کو دیکھتا ہوں جو
(غربت کے سبب) اپنی اولاد سے غافل ہو گئی ہیں،
میں بیواؤں اور یتیموں کو
خالی اور ویران گھروں میں دیکھتا ہوں۔
آرزو کا توشہ لے کر زن و مرد
تجھ تک پہنچتے رہتے ہیں،
اے خلفا (سابق) کے فرزند
تو ہمیشہ صحت و عافیت سے بہرہ مند رہے،
اچھی جڑ سے
اچھی شاخ پیدا ہوتی ہے،
میں نے پورے طور پر تجھے
رعایا کے حال زار سے با خبر کر دیا ہے۔

اس طبقے کے لوگ جھونپڑیوں اور تنگ و تاریک مکانوں میں زندگی بسر کرتے تھے، سبزہ زاروں اور میدانوں کے عین سامنے جہاں امیروں، تاجروں دولت مندوں، وزیروں اور حاکموں کی وسیع اور کشادہ حویلیاں بنی ہوئی تھیں، جیسا کہ اکثر دارالحکومتوں میں عہد قدیم سے لے کر آج تک نظر آرہا ہے۔ مال دار عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں، تاکہ سوسائٹی میں شان اور آن کی زندگی بسر کر کے اپنی امارت کی نمائش کر سکیں اور یہ تنگی و ترشی میں زندگی کا بوجھ اٹھاتے رہیں۔ بات یہ ہے کہ ایک آدمی اس وقت تک عیش بے حساب کی زندگی نہیں بسر کرسکتا۔ جب تک دوسروں کا حق نہ مارے، اور ان کی بدبختی سے فائدہ نہ اٹھائے۔

اس غریب اور نادار طبقے کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تلاش رزق میں بازار کے چکر کاٹا کرتے تھے کہ شاید کوئی کام مل جائے یا مزدوری ہاتھ آ جائے۔ یہ تاجروں اور دولت مندوں کے ساتھ ساتھ لگے

رہتے تھے اور بڑے لوگوں کی سواریوں کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہتے تھے۔ انہیں لوگوں میں وہ لوگ بھی گھل مل جاتے تھے، جو مکار، عیار، گرہ کٹ، جیب کترے، چور اور اچکے، جواری اور شعبدہ گر ہوتے تھے۔ بعض ادبی کتابوں مثلاً الف لیلۃ و لیلۃ میں ان کے واقعات مذکور ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ تیز و چالاک جماعت عیاروں کی تھی، یہ پولیس کی آنکھوں تلے اپنے آپ کو نہیں پڑنے دیتے تھے۔ سارے بدن سے ننگے صرف ایک لنگوٹی باندھے رہتے تھے۔ کمر پر گوپھن مضبوطی سے باندھ لیتے تھے۔ ضرورت کے وقت یہ آلے کا کام دیتی تھی، نیز پتھروں اور ڈھیلوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھی ساتھ رکھتے تھے، جنھیں حسب موقع و ضرورت گوپھن میں رکھ کر استعمال کرتے تھے، یہ تھیلی کندھے پر رہتی تھی۔ دبلے پتلے، انتہائی تیز رفتار، جہاں کوئی اکا دکا نظر آیا، اس پر ٹوٹ پڑے اور ساری پونجی چھین لی، ان عیاروں کی تاریخ حیرت انگیز واقعات سے بھری پڑی ہے۔

بغداد کی حیات اجتماعی —— جو رشید کے عہد میں تھی —— کی تحقیق و تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رنگا رنگ تھی۔ ایک طرف غربت، دوسری جانب امارت، ایک طرف تعمیر، دوسری جانب تخریب، صلاح بھی اور فساد بھی۔ اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں یہ تناقض صاف نظر آتا ہے۔ بہت سی مسجدیں اور عبادت گاہیں تھیں، جہاں مومنوں، زاہدوں، حق کے پرستاروں، طالب علموں، فقیہوں، عالموں اور ادیبوں کا مجمع رہتا تھا اور اس زندگی کے مقابلے میں وہ زندگی بھی تھی جو عبارت تھی عبث و سکر سے، لہو و ہوس سے، عیش و طرب سے۔

ایک طرف دولت کی ریل پیل، انتہائی خوش حالی اور شاہ خرچی، لذت کی طلب اور زندگی کی حرص اور اس کے عین مقابل، فقر، تنگ دستی، بد بختی اور نا داری۔

لیکن اس کے باوجود بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو دین پر عمل [illegible] تھی، اخلاق کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ عباد کے [illegible]

کمر بستہ رہتے تھے ، دنیا بھی کماتے اور آخرت کمانے کی سعی و کوشش سے بھی غافل نہ تھے ۔

ہر ایسی سوسائٹی میں جو بے شمار نفوس پر مشتمل ہو ، یہ تناقض و تباین ہوتا ہی ہے ۔ دولت کے سائے میں غربت بھی چلتی رہتی ہے ، پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے !

امرائے بنو عباس

ہاشمیات ، علویات ، طالبیات

ہارون رشید کے عہد میں اور اس سے پہلے بھی بنو ہاشم کا لفظ جملہ امرائے بنو عباس کے لیے استعمال ہوتا تھا ۔ ان لوگوں کے علاوہ ہاشم بن عبد مناف کی نسل میں جو لوگ تھے انہیں دوسرے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا ۔ مثلاً علوی ، امام علیؓ بن ابی طالب کی اولاد کو کہتے ہیں، اور طالبیین کا لفظ احفاد ابو طالبؓ کے لیے (جو علیؓ کی نسل سے ہوں) استعمال ہوتا تھا ۔ اس طرح کئی نام چل پڑے تھے جیسے ، ہاشمیات ، علویات اور طالبیات وغیرہ ۔

ان ہاشمیوں کی تعداد جو آل عباسؓ سے تھے زیر بحث عہد میں بہت زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ اتنی زیادہ کہ وہ ایک وسیع قبیلے کے مساوی ہوگئی تھی جس کی کئی شاخیں موجود تھیں ۔

عباسؓ بن بنو عبدالمطلب ---عم نبی صلی اللہ علیہ و سلم--- کے نو لڑکے تھے : حارث ، کثیر ، تمام ، عبدالرحمن ، معبد ، قثم ، عبیداللہ فضل اور عبداللہ ۔

عبداللہ کے چھ لڑکے تھے : عباس ، محمد ، فضل ، عبدالرحمن ، عبداللہ اور علی ۔

علی کے بائیس لڑکے تھے :

عثمان ، مبشر ، بشیر ، داؤد ، عبدالعزیز ، عیسیٰ ، عبداللہ ، سلیمان ، صالح ، اسماعیل اکبر ، اسماعیل اصغر ، احمد ، اسحاق ، یحییٰ ، عبدالصمد ، یعقوب ، عبدالملک ، عبداللہ اکبر ، عبداللہ اوسط ، عبداللہ اصغر ، عبدالرحمن اور محمد ۔

محمد کے چھ لڑکے تھے:

عباس ، یحییٰ ، عبداللہ —یعنی خلیفہ سفاح— ابراہیم ، موسیٰ اور عبداللہ (یعنی خلیفہ منصور)

عبداللہ یعنی خلیفہ منصور کے دس بیٹے تھے:

قاسم ، عباس ، یعقوب ، عیسیٰ ، سلیمان ، صالح ، جعفر اکبر ، جعفر اصغر ، عبدالعزیز ، محمد (یعنی خلیفہ مہدی)

محمد یعنی خلیفہ مہدی کے پانچ بیٹے تھے:

موسیٰ (یعنی خلیفہ ہادی) علی ، عبداللہ ، ابراہیم ، ہارون (خلیفہ ہارون رشید[1])

یہ تمام لوگ جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے ، اولاد والے ، پوتے پوتی والے اور نواسے نواسی والے تھے ۔ یہ لوگ اس طرح تعداد میں بڑھتے رہے ، یہاں تک کہ ہارون رشید کا زمانہ آیا ۔ اس مدت میں اس خاندان کے افراد کا مجموعہ جتنی زیادہ تعداد پر مشتمل ہو گیا اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے اور یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس خاندان کے لوگوں کو اجتماعی اور سیاسی حیثیت سے کتنا اونچا مقام حاصل تھا ۔

رشید نے اپنے دوران خلافت میں اپنے کئی چچاؤں کو زندہ پایا ، مثلاً سلیمان اور صالح (خلیفہ منصور کے بیٹے) اور اپنے والد کے چچاؤں کو بھی زندہ دیکھا ، جیسے عباس بن محمد بن علی اور دادا کے چچاؤں کو بھی زندہ پایا ، جیسے عبدالصمد بن علی بن عباس —جن کے متعلق کسی نے کہا تھا کہ:

"عہد رشید میں کوئی عباسی عورت نہیں ہے جو عبدالصمد بن علی بن عباس پر حرام نہ ہو ، اس لیے کہ یا تو وہ اس کے چچا تھے ، یا خالو ، یا ماموں یا دادا یا پر دادا ۔"

---

۱ - یہ اسماء ہم نے نہایت مستند مصادر سے جمع کیے ہیں ، مثلاً طبری ، یعقوبی ، جہشیاری ، تاریخ بغداد ابن خلکان اور عیون الاخبار وغیرہ ۔

عباسی خاندان یا مجلس شوریٰ ؟

اس خاندان کی سر براہی ہارون رشید کو حاصل تھی اور خود اس کی حیثیت ایک برتر مجلس شوریٰ کی تھی ۔ اپنے افراد خاندان سے ہارون اہم معاملات سے متعلق مشورے کیا کرتا تھا ۔ مثلاً ولی عہد کس کو بنایا جائے ، خاندان کے فلاں فرد کی شادی کس سے کی جائے ۔ اگر کوئی شخص حکومت کے لیے خطرناک ہے ، اس کا تدارک کیسے کیا جائے ، سیاسی شورشوں اور ہنگامہ آرائیوں کو کس طرح دبایا جائے ۔ ہارون اپنے خاندان کا غایت درجہ احترام ملحوظ رکھتا تھا ۔ صلہ رحمی اس کی سرشت بن گئی تھی ۔ اپنی اولاد کو بھی ان لوگوں کے احترام کی تاکید کیا کرتا تھا ۔ انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچنے دیتا تھا ۔ ایسے کسی شخص کو معاف نہیں کرتا تھا خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو جو ان میں سے کسی کی توہین کرے ۔ وہ کہا کرتا تھا ، یہ میرے اہل خاندان ہیں ، میں انہیں سر بلند رکھنا چاہتا ہوں ۔

ہارون کے چچا کی مدح و ذم

ربیعۃ الرقی نے جو ایک بلند پایہ شاعر تھا ، ہارون رشید کے چچا عباس بن محمد بن علی کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ۔ اس قصیدے میں اس نے کہا تھا کہ :

لو قیل للعباس یا ابن محمد
قل : لا وانت مخلد ، ما قالها
ما ان اعد من المکارم خصلۃ
الا وجدتك عمها او خالها
و اذا الملوک تسایروا فی بلدۃ
کانوا کواکبها و کنت هلالها
ان المکارم لم تزل معقولۃ
حتی حللت براحیتک عقالها

یعنی :

اگر عباس سے کہا جائے ، اے ابن محمد

تو اگرچہ اس کے جواب میں 'نہیں' کہے گا لیکن تو درحقیقت
ابن محمد ہی تو ہے ۔
مکارم میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں ہے
جو تیرے چچا یا ماموں میں موجود نہ ہو۔
ملوک وقت جب شہر میں نمودار ہوتے ہیں
تو ان کی حیثیت کواکب کی اور تیری ہلال کی ہوتی ہے
بلاشبہ مکارم اخلاق بندھے ہوئے تھے
اور تو نے اپنے ہاتھ سے ان بندھنوں کو کھولا ہے ۔

یہ عباس بہت بخیل تھے ۔ چنانچہ شاعر کو دو دینار نذر کیے ۔ شاعر نے قاصد کو یہ دینار بخش دیے اور اس سے وہ کاغذ لے لیا جس پر اپنا قصیدہ لکھا تھا اور اس کی پشت پر یہ اشعار لکھ کر بھیج دیے :

مدحتک مدحۃ السیف المحلی
لتجری فی الکرام کما جریت
فہبہا ذہبت ضیاعاً
کذبت علیک فیہا و اقترفت
فانت المرء لیس لہ وفاء
کانی اذا مدحتک قد زنیت

یعنی :

میں نے تیری مدح کی ، سیف زریں کی طرح
تاکہ تو بھی جود و کرم کا ویسا ہی مظاہرہ کرے جیسا میں
شعر کہہ کر کیا ہے
لیکن وہ جھوٹ تھا جو ضایع گیا ۔
میں نے تیری جو تعریف کی وہ دروغ اور افترا تھی
تو ایسا شخص ہے جو پاس وفا سے محروم ہے
میں نے تیری مدح کرکے گویا زنا کا ارتکاب کیا ۔

یہ کاغذ قاصد کو دیا ، اس نے اپنے آقا تک پہنچا دیا ۔
عباس نے یہ اشعار پڑھے تو وفور غضب سے تلملا اٹھا ، فوراً رشید

کے پاس پہنچا اور اس سے شکایت کی کہ شاعر نے میری ہجو کی ہے ۔
رشید نے اسی وقت شاعر کو بلایا اور اس سے کہا :

''بدبخت ! تیری یہ مجال کہ میرے چچا کی ہجو کرتا ہے ، میں ابھی تیری گردن اڑا دوں گا ۔''

شاعر نے سارا واقعہ بیان کیا اور خلیفہ کو اپنے مدحیہ اشعار سنائے ، جنھیں ہارون نے بہت پسند کیا اور عباس سے کہا :

''آخر آپ نے اسے کچھ صلہ اور انعام بھی تو دیا ہوگا ؟''

عباس نے کوئی جواب نہ دیا ۔ شاعر نے کہا :

''امیرالمومنین ! آپ کی حیات مبارک کی قسم ، عباس نے مجھے صرف دو دینار دیے ۔''

ہارون رشید بہت خفا ہوا ۔ اس نے عباس سے کہا :

''آخر اس قصیدے کا صلہ دینے سے آپ کو کس چیز نے روکا تھا ، کیا مال نے ؟ خدا کی قسم وہ تو میں نے بہت سا دے رکھا ہے آپ کو ، کیا دنیاوی وسائل کے انقطاع کے اندیشے نے ؟ بخدا ایسا بھی نہ ہوتا ۔ کیا آپ کے خاندان نے ؟ لیکن آپ کا خاندان تو ایسا ہے کہ کوئی اس کا حریف نہیں ۔ پھر کیا آپ کے نفس نے ؟ بے شک یہ آپ کے نفس کی کارروائی ہے ۔ آپ نے اپنے آبا و اجداد کو رسوا کیا ، مجھے اور اپنے آپ کو ذلیل کیا ۔''

پھر ہارون نے شاعر کو تیس ہزار درہم عطا کیے اور اس سے کہا :

''اس واقعہ کا ذکر کسی شعر میں نہ کرنا ! !''

رشید نے بنو ہاشم کو یعنی خاندان عباسیہ کو بہت سے امتیازات عطا کر رکھے تھے ۔ ان کے مخصوص معاملات کا بغیر کسی وزیر کے توسط کے وہ خود ہی فیصلہ اور دیکھ بھال کیا کرتا تھا ۔ دربار میں ان کی نشست تخت خلافت کے داہنی طرف ہوتی تھی ۔ دوسرے لوگوں کی نشستوں سے ان کی نشستیں کچھ اونچی ہوتی تھیں ۔ شاہی جلوس اور سواری کے موقع پر یہ لوگ دوسروں سے آگے آگے ہوتے تھے ۔ انھی لوگوں میں سے خاص

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۳۸ ۔

خاص اقالیم کے گورنر بھی نامزد کیے جاتے تھے ۔ چنانچہ عمال دولت کی زیادہ تعداد انہی لوگوں پر مشتمل تھی ۔

امارت حج کی ذمہ داری انہی میں سے کسی کو سونپی جاتی تھی ۔

بیت المال سے ان لوگوں کو ایک خاص حصہ ملتا تھا جسے ''سہم ذوی القربیٰ'' کہا جاتا تھا ۔ یہ رقم تمام لوگوں میں برابر برابر پورے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کی جاتی تھی ا ۔

علاوہ ازیں مختلف تقریبات اور مناسبات کے موقع پر ان لوگوں کو انعامات ، تحائف اور جاگیریں بھی دی جاتی تھیں ا ۔

ان لوگوں کو اپنے اپنے رتبے میں مخصوص حقوق حاصل تھے ۔ مظاہر اجتماعیہ کے موقعے پر کسی شخص کو دوسرے لوگوں سے مؤخر نہیں ہونے دیا جاتا تھا ۔

ہاشمی (عباسی) خواتین محلات میں راج کرتی تھیں ۔ آسائش اور جاہ و حشم کی زندگی بسر کرتی تھیں ۔ ان کے استعمال میں جو برتن تھے وہ سونے اور چاندی کے تھے ، جو زیور استعمال کرتی تھیں وہ نہایت قیمتی پتھر اور جواہرات کے ہوتے تھے ۔ بغداد کے دوسرے دولت مند خاندانوں کے لیے ان کا طرز زندگی ایک قابل تقلید نمونے کی حیثیت رکھتا تھا ۔ ان کی زندگی میں ایک خاص قسم کا سبھاؤ اور ٹھہراؤ تھا ، نہ کم رکاکت اور پستی ۔ بہت کم ایسی خواتین تھیں جو لہو و طرب سے دلچسپی لیتی تھیں ، البتہ مہدی کی بیٹی علیہ لہو و طرب سے دلچسپی رکھتی تھی اور شعر موزوں کرتی تھی اور اپنے محل میں گتی بھی تھی ، بعض کنیزیں یہ گیت یاد کر لیا کرتی تھیں اور مجالس میں گیا کرتی تھیں ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ مہدی اپنی لڑکیوں کی تربیت میں تساہل برتتا تھا ۔ اخبار و روایت میں مہدی کی ایک لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے راوی نے بیان کیا ہے :

''میں نے خلیفہ مہدی کو بصرہ میں داخل ہوتے دیکھا ، اس کی لڑکی بانوقہ ، اس کے اور پولیس کے افسر اعلیٰ کے مابین سیاہ

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ...

۲ ۔ الاغانی ، جلد ۱۳ ، صفحہ ...

رنگ کی قبا پہنے مردوں کی طرح تلوار لٹکائے بیٹھی تھی ۔ اس کے جسم میں کوئی نسوانی علامت نظر نہیں آ رہی تھی ۔"[1]

ہمارے نزدیک یہ روایت نا قابل یقین اور پایۂ صحت سے ساقط ہے ۔ یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ مہدی جیسے خلیفہ کی بیٹی ایسے غیرمعقول انداز میں لوگوں کے سامنے آئے ۔ البتہ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے عورتوں کو ڈھیل زیادہ دے رکھی تھی ۔ اس معاملے میں وہ کسی حد تک آزاد خیال تھا ۔

ہاشمیوں (عباسیوں) کی بڑی تعداد ان محلات میں رہتی تھی جو انہوں نے مدینۃ السلام میں بہ عہد ابو جعفر منصور ، تیار کر رکھے تھے ۔ اس کے بعد کچھ لوگ شہر پناہ سے باہر نکل کر کرخ اور رصافہ وغیرہ میں مقیم ہو گئے تھے ۔ کیونکہ یہاں کی گورنری اور سربراہی نظم و انتظام اور معاملات کی دیکھ بھال انھی کے ہاتھ میں تھی ۔ باقی لوگ بغداد میں رہے جن میں خاص طور پر قابل ذکر ابو سفاح کا خاندان اور ابو جعفر منصور کی اولاد تھی ۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ہارون رشید کے زمانے میں آل عباسؓ کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور شاخ در شاخ تقسیم ہو کر انہوں نے ایک بڑے قبیلے کی صورت اختیار کر لی تھی ۔ ان میں سے بعض تاریخی حوادث کے باعث کچھ لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے ۔ جیسے عبداللہ بن علی کا قتل ، اور کچھ لوگوں کو مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑا ، جیسے عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی سے محرومی ۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات باہمی تلخی اور بد مزگی کا سبب بنے ، لیکن اس حد تک نہیں کہ خاندان میں تفرقہ اور انتشار پیدا ہو جاتا اور یہ لوگ حکومت کے خلاف سعی و کوشش اور ریشہ دوانی میں مصروف ہو جاتے ۔ بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ جب حکومت کو کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑا تو یہ لوگ تن واحد کی طرح مقابلے کو آ موجود ہوئے ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۸۲ ۔

ہارون رشید کی شخصیت

ہارون رشید کا شجرۂ نسب یہ ہے:

ہارون رشید بن خلیفہ محمد مہدی بن خلیفہ عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رض ــــ عم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ــــ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ۔

ہارون رشید کشیدہ قامت ، بھاری بھر کم ، نہ بے انتہا موٹا ، نہ غیر معمولی نحیف ، گورا رنگ ، خوش نما بال ، کشادہ پیشانی ، بڑی بڑی آنکھیں چمک دار بھی اور دور تک دیکھنے والی بھی ، ستواں ناک ، کشادہ چہرہ ، پتلے ہونٹ ، شیریں گفتار ، فصیح و بلیغ اتنا کہ سننے والے اس کا خطبہ اور گفتگو سن کر ششدر رہ جائیں ، سیاہ ڈاڑھی بقدر یک مشت دو انگشت یعنی اصول شرع کے بالکل مطابق ۔

منصور کے پوتوں میں ہارون سب سے زیادہ خوب صورت اور طرح دار تھا[1] ۔

مؤرخین کے دو گروہ

تقریباً تیئیس سال کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہؤا اور پینتالیس سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ عین عنفوان شباب میں اس نے مملکت کے نظم و انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور جب پختگی کی عمر کو پہنچا تو دنیا چھوڑ گیا ۔ ہارون کا عہد خلافت نہایت اہم اور زبردست حوادث سے بھرپور ہے ۔ یہ حوادث تاریخ میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا زمانہ بہترین اور دل کش ترین زمانہ

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۵ ؛ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۹ ؛ الامامت و السیاست ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۱۹ وغیرہ ۔

بھی تھا - چنانچہ اس کے عہد کو خوبیوں ، زرخیزیوں ، زرپاشیوں ، تہذیب و تمدن اسلامی کی وسعت ، خوش حالی اور رنگا رنگی کی کثرت کے اعتبار سے عہد عروس کہا جاتا ہے - اس کے کارنامے غیرفانی بن چکے ہیں ، اس کا نام اتنا اونچا ہوا کہ آج بھی اس کا ذکر عزت و احترام سے لیا جاتا ہے -

وہ مر گیا اور تمام بڑے بڑے لوگوں کی طرح اپنے پیچھے اپنے متعلق مؤرخین کے مابین اختلاف و کشمکش کا ورثہ چھوڑ گیا - اس کی شخصیت اور سیرت کے متعلق اختلاف و کشمکش کا سلسلہ تاریخ نویسوں کے درمیان آج بھی جاری ہے - ایک گروہ اسے ناپسند کرتا ہے ، دوسرا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے - ایسے بہت کم مؤرخ ہیں جنھوں نے اعتدال و توازن کا راستہ اختیار کیا ہو ، اور اپنے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں طرف داری یا تعصب کا مظاہرہ نہ کیا ہو - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تاریخ حیات کے بہت سے گوشے اور اس کی سیرت کے متعلق واقعات و حقائق کے مختلف پہلو تاریکی میں گم ہو گئے -

وہ قدیم مؤرخ جو ہارون کے معاصر ہیں یا اس کی وفات کے کچھ ہی عرصے بعد قلم لے کر میدان میں اترے ، ان کی بڑی تعداد علوی شیعوں پر مشتمل تھی - یہ اس کے اعمال و افعال سے خوش نہیں ، اور ناخوشی کا سبب وہ کشمکش ہے جو اس کے اور آل بیت کے مابین رونما ہوئی - ان مؤرخین نے ہارون کے مفاخر اور محامد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں ، اور اس کی خامیوں اور کوتاہیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگے - انھوں نے اسے سنگ دل اور خون آشام قرار دیا جو ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا تھا اور ذرا سے شک پر گردن اڑا دیتا تھا -

ان مؤرخین کی تائید ان ایرانی مؤرخین نے بھی کی جو اپنی قومیت کے باعث اس سے تعصب رکھتے تھے ، کیونکہ اس کشمکش میں جو عربیت اور عجمیت کے مابین برپا ہوئی اور اس کے محل پر چھا گئی - اس کا رجحان و میلان عربیت کی طرف تھا -

"ان مؤرخین کے نزدیک وہ اس لیے بھی معتوب و مقہور ہے کہ اس نے

برامکہ کو اور ان کی شان و شوکت کو ختم کر کے رکھ دیا ۔ یہ برامکہ وہی تھے جو اس کی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے ۔ ان مؤرخین نے اس پر یہ تہمت لگائی کہ وہ بے وفا تھا ، جو حکم صادر کرتا تھا اس کی فوراً تعمیل کراتا تھا ۔ جلد بازی اس کی سرشت تھی ، ہدایت اور صراط مستقیم سے وہ دور تھا ۔

ان مؤرخین کے بعد ایک دوسری جماعت سامنے آتی ہے ۔ یہ ادیبوں کی جماعت ہے جس نے کتب طرائف و نوادر و قصص تالیف کیں ۔ ان لوگوں نے مجالس لہو و شراب اور خوب صورت کنیزوں سے عیش و عشرت کی داستانیں خوب جی کھول کر بیان کیں ۔ انہوں نے خیال و تصور کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور قلم کی وحی کو حقیقت اور واقعہ سمجھ کر نئی نئی باتیں ، جو زیادہ تر ان کے ذہن و دماغ کی پیداوار تھیں ، بیان کرتے رہے ۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ پڑھنے والے ان کے نتائج فکر سے متاثر ہوں اور ان پر یقین کر لیں ۔ اپنے مبتدعات میں انہوں نے ہارون رشید کا نام زیادہ سے زیادہ استعمال کیا ۔ بایں طور کہ داستانوں اور افسانوں پر تاریخ کا رنگ چڑھا دیا ، انہیں اس نوجوان کی شہرت نے گفتنی اور ناگفتنی داستانوں کا موقع فراہم کر دیا ۔ اس کے عہد کی علمی ادبی اور فنی داستانوں کے ساتھ یہ اپنے تراشے ہوئے افسانے بھی سنانے لگے ۔ انہوں نے اس کا جو چہرہ پیش کیا وہ حقیقی نہ تھا ۔ لوگوں کے سامنے جس طرح اس کی تصویر بنائی وہ ایک ایسے فاسق و فاجر کی تصویر تھی جو شراب میں بدمست رہتا تھا ، محرمات کا ارتکاب کرتا تھا اور عورتوں کا بہت زیادہ دل دادہ تھا ۔

مزید برآں مؤرخین کی ایک اور جماعت تھی جو ہارون کی سیرت اور شخصیت کے بارے میں حد درجہ متعصب تھی ۔ لیکن اپنی عربیت اور قومیت کے تعصب میں یہ بھی حد سے بڑھ گئی تھی ۔ اس نے ہارون کے محامد اور افعال جمیل کے بیان پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ قومیت کے جوش میں اس کی اس طرح مدافعت کی کہ اس کے تمام کارناموں کو مکرم اور مقدس ثابت کرنے میں پورا زور صرف کر دیا ۔ وہ تمام کام جن میں عیب کا کوئی شائبہ بھی ہو سکتا تھا ، ان سے ہارون کو بری کر دیا اور اسے

زاہدوں ، عابدوں اور صالحین کی صف میں لا کھڑا کیا ، جو خوف خدا سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے ہیں ، یا پھر اس کو فلاسفہ اور حکما کے گروہ میں لے آئے جن سے گویا کبھی کسی طرح کی غلطی سر زد ہو ہی نہیں سکتی۔

ہارون رشید سے متعلق تاریخ و ادب کی کتابوں میں جو واقعات اور روایات درج ہیں، ان کے اسباب و محرکات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو دونوں گروہ قابل بمعاف نظر آتے ہیں ۔ وہ بھی جن کا رویہ اس کے ساتھ مخاصمانہ ہے اور وہ بھی جو اس کے حامی اور طرف دار ہیں ۔

مثلاً روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہارون کی ایک علوی سے گرما گرم گفتگو ہوئی ۔ ہارون رشید بھڑک اٹھا ، علوی سے کہا :

''اے فاحشہ کے لڑکے !!''

علوی نے جواب دیا :

''وہ تو تمھاری ماں ہو سکتی ہے ۔ جو بیچ بازار میں خریدی گئی تھی ۔''

یہ بات تیر کی طرح ہارون کو لگی ۔ یہ جواب اگرچہ واقعے پر مبنی تھا ، لیکن اس سے ہارون کے شرف و کرامت میں فرق آتا تھا ، اپنے مصاحبوں اور ندیموں کے سامنے یہ تلخ جواب برداشت نہ کر سکا ۔ اس نے حکم دیا اس شخص کی گردن اڑا دی جائے ۔ حکم کی تعمیل اسی وقت ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا [1] ۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے ، ایک روز اس نے ابوالعتاہیہ کو بلایا ، مجلس زوروں پر تھی ، بہتر سے بہتر کھانا ، شراب اور دوسری چیزیں موجود تھیں ۔ ہارون نے ابوالعتاہیہ سے کہا :

''بات تو جب ہے کہ اس عیش و نعیم کی کیفیت کو اشعار کے قالب میں ڈھال دو ۔''

ابوالعتاہیہ نے برجستہ کہا :

عش مابدالک سالماً

فی ظل شاہقۃ القصور

۱ ۔ مقاتل الطالبیین ، صفحہ ۲۶۳ ۔

تسعی عنیک بما اشتھیت
لدی الرواح الی البکور
فاذا النفوس تقعقعت
عن ضیق حشر جة الصدور
فھناک تعلم موقنا :
ما کنت الا فی الغرور

یعنی:

عالی شان قصور و محلات کے زیر سایہ
جب تک زندگی ہے مزے کر لو ،
جو تو چاہتا ہے اس کو انجام دینے کے لیے کئی اونڈیاں اور غلام
موجود ہیں جو صبح سے شام تک خدمت میں مصروف ہیں
لیکن جب روح رخت سفر باندھے گی ،
اور سانس حلق میں آ کر اٹک جائے گا ،
اس وقت تم یقین کر لو گے کہ
تم دھوکے میں مبتلا تھے ۔

رشید پر گریہ طاری ہو گیا اور وہ بے اختیار رو پڑا ۔ فضل بن یحییٰ برمکی نے شاعر سے کہا ، امیرالمومنین نے تمھیں اس لیے یاد کیا تھا کہ انھیں خوش کرو اور تم نے انھیں غمگین کر دیا ؟ رشید نے فضل سے کہا ، اسے کچھ نہ کہو ، اس نے ہمیں گمراہی کی حالت میں پایا اور یہ بات اس پر گراں گذری کہ ہم اسی حالت میں رہیں [1] ۔

ایک مرتبہ مکے میں کسی شخص نے اسے آواز دی:

اے ہارون !

ہارون نے کہا ، اسے پکڑ لو ۔ لوگوں نے اسے پکڑا اور لا کر اس کے سامنے پیش کر دیا ۔

اس نے پوچھا:

بدبخت ، تیری یہ مجال کہ میرا نام لے کر پکارے ؟

---

۱ ۔ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۲۸ ۔

اس آدمی نے جواب دیا ، خدائے بزرگ و برتر نے اپنے محبوب خلائق بندوں کو ان کا نام لے کر یاد کیا ہے ۔ مثلاً فرماتا ہے : یا آدمؑ ، یا نوحؑ ، یا محمدؐ ، یا عیسیٰؑ اور کنیت سے ان لوگوں کو یاد کیا ہے جو اس کی جناب میں حد درجہ مبغوض و مقہور تھے ۔ مثلاً تبت یدا ابی لہب و تب ۔

رشید نے کہا اسے چھوڑ دو ۱ ۔

ہارون کی ماں خیزران کا جب انتقال ہوا تو بڑا غم منایا اور پھوٹ پھوٹ کر رویا ۔ جنازے کی مشایعت کے لیے چل رہا تھا اور آنسو بہا رہا تھا ، نعش کو کندھا بھی دیتا جاتا تھا ۔ یہ ایسی ہیئت تھی جو ایسے عظیم المرتبت خلیفہ کے شایان شان نہ تھی ۔ اسے وقار و تمکنت کے ساتھ ، صبر و ضبط کے ساتھ کام لینا چاہیے تھا ۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ۔ پھر خاندان کے کئی دوسرے لوگوں کا انتقال ہوا لیکن کسی کے انتقال پر بھی اس کی وہ کیفیت نہ ہوئی جو خیزران کے انتقال پر ہوئی ۔

جعفر بن یحییٰ برمکی کو ہارون بہت زیادہ چاہتا تھا اسے مقرب بارگاہ بنایا اور منصب وزارت پر فائز کر دیا ۔ حد یہ ہے کہ اس کا درجہ اہم امرائے بیت سے بھی بڑھا دیا ۔ جب کبھی اسے آواز دیتا تو "بھائی جعفر" کہہ کر پکارتا ۔ درہم و دینار پر اپنے نام کے ساتھ جعفر کا نام بھی اس نے نقش کرایا ۔ جب کبھی بزم بے تکلف منعقد کرتا اور وہاں داستاں سرائی شروع ہوتی تو ہارون اور جعفر ایک ہی چادر میں لیٹے پہلو سے پہلو ملائے بیٹھ جاتے ۔ حکومت اور سلطنت کے تمام معاملات اس نے جعفر کو سونپ رکھے تھے ، سیاہ و سفید کا وہی مالک تھا ۔ اس کے ذاتی امور و معاملات پر بھی جعفر کو پورا تصرف حاصل تھا ۔ اس سے پہلے یہ اقتدار و اختیار کسی وزیر کو حاصل نہیں ہوا ۔ لیکن بعض وجوہ سے جعفر پر برہم ہوا ۔ خفگی اتنی بڑھی کہ اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا ۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے باپ اور بھائیوں کو بھی جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مقید کر دیا ، یہاں

---

۱ ۔ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۷ ۔

تک کہ یہ لوگ وہیں مر گئے ۔

مکے میں ایک مرتبہ اس نے کسی عورت کو یہ اشعار پڑھ کر بھیک مانگتے ہوئے سنا :

طحنتنا کلا کل الاعوام
و رستنا حوادث الایام
فاتیناکم نمد کفاً
نائلات لزادکم و طعام

یعنی :

ہم کو گردش ایام نے پیس ڈالا
اور حوادث دھر نے ہمیں دور پھینک دیا ۔
ہم تمہارے پاس ہاتھ پھیلائے آئے ہیں
کھانا اور توشہ لینے کے لیے ۔

وہ رونے لگا ۔ اس نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ اس کا کشکول سونے کے سکوں سے بھر دیا جائے ۔ فوراً تعمیل ہوئی ۔ کشکول لیا اور سونے کے سکوں سے لبالب بھر دیا ۔[۱]

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک حسین و جمیل جاریہ فروخت کے لیے اس کے سامنے پیش ہوئی ۔ اس کا حسن دیکھ کر بے قابو ہوگیا اور اسے پچاس ہزار دینار میں خرید لیا ۔ پھر محسوس کیا کہ یہ تو اسراف اور فضول خرچی کی انتہا تھی ۔ خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر توبہ اور استغفار کرنے لگا ۔

ایک مرتبہ ایک درباری گویے نے کچھ ایسے لحن سے اشعار سنائے کہ ہارون بہت زیادہ محظوظ ہوا ۔ اس نے مغنی کو بہت بڑی جاگیر بخش دی ۔ اتنی بڑی جاگیر آج تک کسی گویے کو نہیں ملی تھی ۔ اس کے باوجود ہماری ساعت تک یہ بات بھی پہنچتی ہے کہ خاصان دربار میں سے ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ امیرالمومنین ! کیا آپ کو کبھی فقر سے بھی ڈر لگتا ہے ؟

---

۱ ۔ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۸ ۔

ہارون نے جواب دیا :

''کیا کوئی شخص مجھ سے بھی زیادہ فقر سے خائف ہوسکتا ہے ؟''

امرائے دربار میں سے ایک شخص نے اپنے گھر پر ہارون کی دعوت کی اور اس کے سامنے بہترین کھانا پیش کیا ۔ ہارون نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہوگی ۔ جواب ملا ، اتنے درہم ۔ جو کافی گراں قیمت تھی ۔ دعوت کرنے والے کی فضول خرچی پر وہ برس پڑا اور حکم دیا یہ فقیروں کو دے دیا جائے ۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ واقعہ بھی نظر آتا ہے کہ گوشت کا ایک لقمہ جو وہ کھاتا تھا ۔ اس کی تیاری پر لاکھوں درہم صرف ہو جاتے تھے ۔

ہارون رشید کی زندگی کے یہ تھے امثال و تصرفات ، لیکن ان کا وقوع و حدوث متفرق اوقات میں مختلف مواقع پر ہوا اور تاریخ و ادب کے بعض راویوں نے لوگوں سے جو کچھ سنا انہیں اپنی کتاب میں مبالغے اور اضافے کے ساتھ جمع کر دیا ، اور وہ بھی اس طرح کہ جیسے ہارون رشید سے ان تمام واقعات کا صدور ایک ہی ساتھ اور ایک ہی وقت میں ہوا ۔ پڑھنے والا قدرتاً ان واقعات کے تناقص اور تباین سے پریشان ہو جاتا ہے ، جنہیں ہارون کی ذات سے کد ہے ۔ انہیں اچھا خاصا سواد اس پر حملہ کرنے کا مل جاتا ہے اور جو ہارون کو سراہتے ہیں وہ اس کے طرز عمل اور طریق کار کی مدافعت انہی واقعات و حوادث کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں اور اس کی مدح و ثنا میں ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں ، جن کا وہ یقیناً حقدار نہیں ہے ۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید دوسرے انسانوں کی طرح مختلف حالات و کیفیات کے ماتحت اقدام و عمل کرتا رہتا تھا ۔ اس میں رحم و کرم کا مادہ بھی تھا ، زود حس بھی تھا ، جوانی کی امنگوں نے اسے آزادہ رو بنا دیا تھا ، اقتدار و اختیار کی کنجی اس کے ہاتھ میں تھی ۔ دوسرے ملوک و سلاطین کے مقابلے میں کہیں زیادہ دولت مند تھا ۔ لہذا اگر طبیعت لہو و طرب کی طرف مائل ہوتی تو اس میدان میں بہت

---

۱ ۔ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۶ ۔

آگے نکل جاتا ۔ اس کے صفات میں سب سے بڑی اور اہم بات جو کھلم کھلا ہر شخص کو نظر آ سکتی ہے ؛ یہ تھی کہ وہ اپنے جذبات و کیفیات سے مغلوب ہو جایا کرتا تھا ۔ لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ پورے طور پر وہ ایک ہی طرف ڈھلک کر رہ گیا تھا ۔ اس کی ایک بہت اچھی اور نمایاں صفت رزانت و ثقافت بھی تھی اور یہ چیز حدود شرعی سے متجاوز ہونے میں مانع آتی تھی اور نفسی خواہشات کی اندھا دھند تعمیل و تکمیل سے روکتی تھی ۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کا قدم کبھی راہ راست پر پڑتا تھا ، کبھی ڈگمگ جاتا تھا اور یہ بات کس انسان میں نہیں ؟

اس شخص کی عظمت اور بڑائی کا اصل راز یہ ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور طبیعت کے اعتبار سے عام لوگوں سے الگ تھا ۔ اگر اس کے اصول حیات کا نگاہ غور سے مطالعہ کیا جائے اور تمام پہلو پیش نظر رکھے جائیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ بیدار مغز فرماں روا تھا ۔ رعایا کی صلاح و فلاح کے لیے رات رات بھر جاگتا تھا ، بہادر تھا ، خدا سے ڈرتا تھا ۔ آخرت کے کام انہماک سے کرتا تھا جیسے بھوت سر پر کھڑی ہو ۔ اسی طرح اس کے علمی اور ادبی میلان اور فکر و تدبر کے نشانات سے متعلق تمام معلومات سامنے رکھنے والا شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ وہ اپنے عہد کی حضارت و ثقافت کا ایک بہت بڑا ستون تھا ۔ اس نے یہ کام خوبی کے ساتھ جاری رکھا اور اس طرز فکر کے لوگوں کا وہ صحیح معنی میں زعیم اور قائد تھا ۔ لیکن جو لوگ صرف اغانی اور اس جیسی دوسری کتابوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں صرف اس کے لہو و طرب کے واقعات ، محفل داستان سرائی اور بزم بےتکلف کی رنگینیاں درج ہیں وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہارون عورتوں کا شائق تھا ۔ خوب صورت کنیزوں اور باندیوں کے جھرمٹ میں وقت گزارا کرتا تھا ، اور مجلس ناؤ نوش کی رونق بنا ہوا تھا ۔

مؤرخین کی تحقیقات اور کدوکاوش سے فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہارون کی سیرت ان دونوں پہلوؤں پر حاوی تھی ۔ ضرورت اس کی ہے کہ غلو اور مبالغے کو الگ کر دیا جائے اور ان روایات

کی طرف اعتنا نہ کیا جائے جن سے وہ بری ہے، لیکن جو اس پر چسپاں کر دی گئی ہیں۔

آئندہ صفحات میں ہارونؒ کے صفات و اخلاق سے متعلق ایک واضح صورت سامنے آ جائے گی اور یقیناً یہ حقیقت اور واقع سے قریب ہوگی۔

ہارون کے صفات و اخلاق

ہارون رشید کے نمایاں اور ممتاز صفات و اخلاق اور وضع و عادات میں جو چیزیں شامل ہیں اُن میں حدت مزاج ، حزم ، تقویٰ ، علم اور علما سے محبت ، ادب اور ادبا کی طرف رجحان ، نغمہ و موسیقی سے دل چسپی ، عورتوں سے زیادہ میل جول ، لطائف و ظرائف سے دل چسپی اور جود و سخا سے غیر معمولی شغف شامل ہیں ۔

ہارون کو مزاج کی حدت باپ ، دادا اور خاص طور پر اپنی ماں خیزران سے وراثت میں ملی تھی ۔ گذشتہ صفحات میں جہاں خیزران کا ذکر ہؤا ہے ، ہم بتا چکے ہیں کہ شدت احساس و جذبات کے سامنے وہ کس طرح بے بس ہو جایا کرتی تھی اور حدت مزاج کی یہ خاصیت ہے کہ جس شخص میں یہ چیز پائی جائے اسے انتقام کا خوگر اور ناپسندیدہ باتوں پر جلد مشتعل ہونے والا بنا دیتی ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر حکمت اور معقولیت سے کام لے کر معاملے کو رو براہ کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ کیفیت جلد ہی دور بھی ہو جاتی ہے ۔ یہی کیفیت رشید کی بھی تھی ، وہ بھی جلد بھڑک اُٹھتا تھا اور جب اپنی غلطی محسوس کر لیتا تھا تو نادم بھی ہوتا تھا ۔ اس کی ذکاوت و ثقافت اور فراست ایسے مواقع پر آڑے آ جایا کرتی تھی ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ غصے میں بھرا بیٹھا ہے لیکن عقوبت کے سلسلے میں حد سے تجاوز اسی وقت کرتا ہے ، جب اس کی حکومت کو خطرہ ہو ، یا اس کی شان اور وقار کو مجروح کیا جا رہا ہو ، یا اس کی رعایا پر زیادتی کی گئی ہو ۔ ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ غصہ اتر جانے کے بعد معاف بھی جلد کر دیتا ہے اور اگر سزا دینے کے بعد

محسوس کر لے کہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے تو تلافی میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا ۔ یا عتاب و برہمی کی مدت طویل ہو جائے تو بھی بھول بھال جاتا ہے ۔ یا گناہ گر منطق سلیم اور حسن اعتذار سے کام لے تو بھی جلد من جاتا ہے ۔

ایک مرتبہ مکے میں چند وفود اس کی خدمت میں حاضر ہوئے ، انہیں وہ خطاب کر رہا تھا کہ اسی اثنا میں اس نے لوگوں کو طاعت الٰہی اور عمل خیر پر عامل ہونے کی ترغیب دی ۔ سامعین میں سے ایک شخص قطع کلام کرتا ہوا اٹھا اور اس نے کہا :

"کبر مقتا عنداللہ ان تقولو مالا تفعلون" ۔

"یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ بات سخت نا پسند ہے کہ وہ کہو جو کرتے نہیں ہو" ۔

ہارون رشید اس مداخلت بے جا سے بھڑک اٹھا ۔ اس نے حکم دیا اس آدمی کو ابھی کوڑے لگائے جائیں ، چنانچہ سو کوڑے اسے لگائے گئے ۔ اس واقعہ کو گذرے ہوئے کافی دن ہو چکے تھے کہ ایک مرتبہ ہارون کو یہ معتوب شخص یاد آیا ، اس کے بارے میں اس نے پوچھ گچھ کی ۔ بتایا گیا :

"وہ ایک زاہد و عابد شخص ہے ۔ پیر مرد ، کمزور و نحیف ۔ سزائے تازیانہ نے اس کی صحت پر برا اثر کیا ہے ، رات بڑی بے چینی میں کٹتی ہے ، اور موت کی دعا مانگا کرتا ہے ۔"

یہ سن کر رشید کو صدمہ ہوا ، اس نے اپنا ایک خاص آدمی اس کے پاس بھیجا کہ اس کی دل دہی کرے اور اسے راضی کرے اور اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک وہ معاف نہ کر دے ۔ آخر وہ شخص راضی ہو گیا اور اس نے خلیفہ کو معاف کر دیا ۔[1]

ہارون رشید اور ایک خارجی

قبیلہ ربیعہ شمالی عراق میں خوارج کا گڑھ بنا ہوا تھا ۔ حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائیوں اور شورشوں کا مرکز یہی علاقہ تھا ۔ اس قبیلے کے

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۱ ۔

لوگوں نے موصل اور اس کے مضافات میں ہارون کے گورنر کو بہت پریشان کیا ۔ بعض سرداران فوج اور سپاہیوں کو قتل کر دیا اور امن و عافیت کا نظام درہم برہم کر دیا ۔ قبیلہ ربیعہ کی تادیب کے لیے ہارون نے ایک بڑا لشکر بھیجا اور سالار لشکر کو حکم دیا کہ اس سرکش قبیلے کے لوگوں میں سے جو سامنے آئے اس کی گردن اڑا دو ، یہاں تک کہ یہ سر اطاعت خم کر دے ۔ اس حکم کی تعمیل میں بنو ربیعہ کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے ۔ طویل مدت تک تادیب کا سلسلہ جاری رہا اور رشید کی برہمی قائم رہی ۔ ایک دن قبیلہ ربیعہ کا ایک شاعر منصور بن بجرہ رشید کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے یہ اشعار پڑھے :

یجرد فینا السیف من بین سارق
و عان بخود کلھم متحامل
وقد علم العدوان و الجور و الخنا
بانک عیاف لھن مزایل
ولو علموا فینا بامرک لم یکن
ینال بریئاً بالاذی متناول
لنا فیک ارحام و نعتد طاعۃ
و باسا اذا اصطک القنا و القنابل
و ما یحفظ الانساب مثلک حافظ
ولا یصل الا رحام مثلک و اصل
و انت اذا عاذت بوجھک عوذ
نطا من خوف و استقرت بلابل

یعنی :

وہ (تیرے) لوگ ہم پر بے دریغ تلوار چلاتے ہیں ، ہر شخص پر ، ہر بے دین اور گنہگار پر تلوار برس رہی ہے اور وہ سب اسے برداشت کیے ہوئے ہیں

ہر سرکشی نے ، ظلم نے ، جور نے ، یہ جان لیا ہے کہ تو ان کو برا سمجھتا ہے اور ان کے ازالے کے درپے ہے

اگر انھیں ہمارے بارے میں تمہارے احکام معلوم ہیں
پھر بے گناہ کو سزا نہ دی جائے ؛
ہم میں تم میں رشتے داری ہے اور ہماری طاعت اور
حمایت مشہور ہے ، جب نیزے اور گولے ٹکراتے ہیں
انساب کے معاملے میں تجھ سے زیادہ واقف کون ہوگا
تیرے علاوہ اور کون ہوگا جو رشتوں کو دوست رکھے
اور جب تجھ سے کوئی پناہ کا طالب ہوتا ہے تو
تو خوف امن سے اور اضطراب تسکین سے بدل جاتا ہے ۔

رشید نے حکم دیا کہ بنو ربیعہ سے اب تعرض نہ کیا جائے اور شاعر کو بہت بڑا انعام دیا[1] ۔

ایک مرتبہ رشید پولیس کے افسر اعلیٰ عبداللہ بن مالک خزاعی سے کچھ مشکوک ہوگیا ؛ کیونکہ اس کے کانوں تک عبداللہ کے عدم اخلاص کے کچھ واقعات پہنچے تھے ۔ ہارون نے اسے برخاست کر دیا اور قصر شاہی میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا اور اپنے عزیزوں ، قرابت داروں اور متعلقین کو حکم دے دیا کہ اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے ۔ بات چیت اور ہر قسم کی رسم و راہ بند کر دیں ۔ چنانچہ جو لوگ ہارون کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے ، انھوں نے عبداللہ سے بالکل قطع تعلق کر لیا ، کوئی آدمی اس کے قریب پھٹکتا تک نہیں تھا ، بات چیت کا کیا کہنا !

اس طرز عمل کا اثر اس کی صحت پر برا پڑا ۔ ایک روز اس کا ایک دوست محمد بن ابراہیم ہاشمی آدھی رات کو اس کے پاس آیا اور کہنے لگا :

''عبداللہ تمہارے مجھ پر احسانات ہیں ، میں انھیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ جس حسن سلوک کا تم نے مجھ سے برتاؤ روا رکھا ، اسے میں کبھی بھول نہ سکوں گا ۔ میں جانتا ہوں امیرالمومنین نے تمہارے بارے میں کیا حکم دے رکھا ہے ۔ لیکن میں تمہارے سامنے موجود ہوں ، بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں ؟ خدا کی قسم ! تمہیں بچانے کے لیے میں اپنی جان بھی قربان کردوں

[1] الاغانی ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۲ ۔

گا اور ہر تکلیف اور ہر مصیبت خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل لوں گا۔''
عبداللہ نے اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اس کے لیے کلمۂ خیر کہا۔ اس کے بعد امیرالمومنین کے شکوک و شبہات سے متعلق اپنا عذر پیش کیا۔ محمد نے وعدہ کیا کہ وہ رشید سے اس معاملے میں گفتگو کرے گا اور یہ اعتذار اس تک پہنچا دے گا۔ جاسوسوں نے یہ خبر فوراً رشید تک پہنچا دی۔ صبح ہوتے ہی رشید کا قاصد اس کے پاس پہنچا اور اسے حاضر دربار کیا۔ محمد نے دیکھا، ہارون رشید کا چہرہ وفور غضب سے تمتایا ہوا ہے۔ رشید نے پوچھا:

''رات تم کس کے پاس گئے تھے؟''

محمد نے کہا ''میں عبداللہ بن مالک کے پاس گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ امیرالمومنین کے سمع مبارک تک جو باتیں پہنچی ہیں ان کا وہم و گمان بھی مجھے کبھی گذرا ہو یا انہیں میں نے اپنے دل میں چھپایا ہو، یا ان کا اظہار کیا ہو تو میری تمام بیویوں کو طلاق، میرے تمام غلام آزاد، میرا تمام مال صدقہ، بیت اللہ تک بیس قربانیاں با پیادہ مجھ پر واجب۔''

رشید نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگا، پھر کہا:

''محمد میرا خیال ہے، عبداللہ سچ ہی کہتا ہے۔ جاؤ اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ۔''

محمد نے کہا ''امیرالمومنین کیا میں بھی اس کے ساتھ حاضر ہوں؟''

ہارون نے جواب دیا کہ ''ہاں''!

عبداللہ بن مالک جب رشید کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبلے کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر پڑا۔ پھر سر اٹھایا تو رشید نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا:

''تمہیں کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔''

اس واقعے کے بعد بھی عبداللہ بن مالک جب کبھی رشید کے سامنے آتا تو اس کے چہرے پر اعراض و انقباض کے آثار دیکھتا۔ اس بات کا

تذکرہ اس نے اپنے دوست محمد بن ابراہیم سے کیا ۔ محمد ایک روز رشید کی خدمت میں حاضر ہؤا اور کہنے لگا ، امیرالمومنین ! عبداللہ محسوس کرتا ہے کہ امیرالمومنین پر اب تک گذشتہ برہمی اور عتاب کا اثر باقی ہے ۔

رشید نے جواب دیا :

''محمد بات یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کبھی کسی سے خفا ہوتے ہیں تو گو اسے معاف کر دیں لیکن عتاب اور برہمی کے تھوڑے بہت اثرات باقی رہ جاتے ہیں[1]'' ۔

ایک بہت ہی دل چسپ روایت بھی پیش نظر رہے تو اچھا ہے ۔

مشہور شاعر منصور نمری نے ایک مرتبہ ہارون کی مدح میں قصیدہ لکھا ، اس میں یہ شعر بھی تھا :

ان أخلف الغيث لم تخلفہ معالمہ
او ضاق امر ذکرنا لا فیتسع

یعنی :

جب امساک باراں ہوتا ہے تو
ہارون کا ابر کرم برسنے لگتا ہے ۔ ہر تنگی میں اس کا ذکر کشادگی پیدا کر دیتا ہے ۔

تھوڑی مدت کے بعد منصور کی بیوی عسر ولادت میں مبتلا ہوئی ۔ وہ اپنے دوست کلثوم بن عمر عتابی کے پاس پہنچا ، جو عرب کے فصیح ترین اور ذہین ترین شعرا میں تھا ، اور اس سے اپنی بیوی کا حال زار بیان کیا ۔ کلثوم کو مسخرہ پن سوجھا ، کہنے لگا ، کیا تم نے رشید کی مدح میں یہ قصیدہ نہیں کہا ہے ؟

او ذاق امر ذکرنا لا فیتسع ؟

منصور نے کہا ہاں ، کہا تو ہے !

عتابی نے کہا ایسا کرو کہ اپنی بیوی کی کمر پر ہارون رشید کا نام لکھ دو تاکہ وسعت پیدا ہو اور امر دشوار آسان ہو جائے ۔

یہ گفتگو رشید تک بھی پہنچ گئی ، بہت برہم ہؤا ۔ حکم دیا کہ

---

۱ ۔ کتاب التاج صفحہ ۹۳ ۔

عتابی کو حاضر کیا جائے تاکہ اس کی گردن اڑا دی جائے ۔ وہ پولیس اور سپاہیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ اور کئی برس تک لاپتہ رہا ۔ پھر یحییٰ بن خالد کے پاس آ کر پناہ گزین ہوا ۔ یحییٰ بن خالد نے رشید سے اس کی سفارش کی اور جان بخشی کا حکم طلب کر لیا ۔ رشید نے اسے معاف کر دیا ، لیکن تاکید کر دی کہ سامنے کبھی نہ آئے ۔

عتابی کی حالت خستہ ہوتی چلی گئی ، فقر و فاقے تک نوبت پہنچ گئی ۔ ایک مرتبہ بھیس بدل کر رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا :

"یا امیرالمومنین ! لوگوں نے آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے بدگمان کر دیا ، لیکن میں آپ کا شکر گزار ہوں ، آپ کے در کے سوا مجھے کہیں در مقصود نہیں مل سکتا ، یہی میرے لیے بہتر راستہ ہے"

اتترکنی جدب المعیشۃ مقترا[1]
و کفاک من بحر بھا تکفان
و تجعلنی سھم المطامع بعد ما
بللت یمینی بالندی و لسانی ؟ ؟

یعنی :

کیا تو مجھے مفلوک الحال رہنے دے گا
حالانکہ تیرے دست سخا کے دونوں سمندر میرے لیے بہت ہیں ۔
کیا تو مجھے خواہشات کا شکار بنا رہنے دے گا
جب کہ تو میرے ہاتھ اور زبان کو اپنے جود و سخا سے بہرہ مند کر چکا ہے ۔

ہارون کو یہ حسن اعتذار ، فصاحت بیان اور نزاکت شعری پسند آئی ، اسے معاف کر دیا اور اجازت دے دی کہ حاضر دربار ہو سکتا ہے ۔ وہ رشید کے پاس سے اسی حالت میں نکلا کہ وفور مسرت سے بے قابو ہوا جا رہا تھا ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۳ ۔

ہمیں اس بات سے اختلاف نہیں ہے کہ بادشاہ اور حاکم کے صفات میں حدت مزاج ایک بڑا نقص ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رشید کی بعض غلطیاں اسی نقص کا نتیجہ تھیں۔ لیکن ہم اس کے مخالفوں اور نکتہ چینوں کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں کہ اس میں اس خامی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے دوسرے صفات و سزایا نے اس نقص کو ڈھانپ لیا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدت مزاج برائی کی بجائے ایک خوبی بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدت مزاج کے سبب اس نے ایسے بعض شان دار کارنامے سر انجام دیے ہیں جنھوں نے تاریخ میں اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے اور جو اس کے بعض دوسرے صفات کے لیے سپر ثابت ہوئے۔ ان دوسرے صفات میں سر فہرست حزم و تدبیر ہے۔

جاحظ کہتا ہے کہ:

''ملوک و سلاطین میں ہارون رشید رعایا کے حالات سے بہت زیادہ با خبر رہتا تھا۔ اس کے ساتھ مہربانی اور عنایت کا برتاؤ کرتا تھا۔ حزم و احتیاط و تدبیر اس کی سرشت تھی[1]۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''ہارون رشید نے اپنے معاملات کو انجام دینے کے سلسلے میں ہفتے کی ایک ایک رات ایک ایک کام کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ ایک رات وزراء کے لیے مخصوص تھی، جن سے لوگوں کے معاملات پر بحث و گفتگو ہوتی تھی اور اہم معاملات سے متعلق مشورے کیے جاتے تھے۔ ایک رات کتاب کے لیے وقف تھی، ان سے امور مسلمین سے متعلق بات چیت ہوتی تھی اور قوم کی فلاح و صلاح سے متعلق پروگرام وضع کیے جاتے تھے۔ ایک رات سپہ سالاروں اور امرائے افواج کے لیے مخصوص تھی۔ جن سے دیار و امصار کے معاملات وسائل زیر بحث آتے تھے اور حفظ و دفاع کے مسائل پر صلاح مشورہ ہوتا تھا۔ ایک رات علماء و فقہا کے لیے تھی، ایک رات

۱۔ کتاب التاج، صفحہ ۱۰۷۔

قاریوں اور عابدوں کے لیے تھی اور ایک رات وہ تن تنہا گذارتا تھا ۔ کسی کو نہیں معلوم کیا کرتا تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ شب خلوت ، عبادت اور استغفار کے لیے وقف تھی[1]''۔

اس آخری روایت کا پایہ صحت و استناد کیسا ہی ہو لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ محتاط ، دور اندیش اور بیدار مغز فرماں روا تھا ۔ اس کے بعض معاصرین کا قول ہے :

''ہارون رشید اپنے دادا منصور سے بہت مشابہہ ہے، اسی کے نقش قدم پر چلتا ہے البتہ سخاوت اور بخشش اور بذل و عطا کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گیا ہے[2]'' ۔

اخبار و روایات سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اس نوجوان اور دور اندیش خلیفہ کی بیدار مغزی پر دلالت کرتی ہیں ۔ اسی ذیل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ وہ اپنے سرداران فوج اور امرائے عسکر کی غفلت کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔ اگر وہ اپنے فوجی فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرتے تھے یا دشمن کے مقابلے سے گریز کرتے تھے تو یہ بات اس کے لیے قطعاً ناقابل برداشت ہو جاتی تھی ۔ ایک دفعہ اس نے اپنے ایک سالار فوج کو جو خوارج سے جنگ کر رہا تھا اور جنگ کا کوئی حسب دل خواہ نتیجہ اب تک برآمد نہیں ہوا تھا ، لکھا :

''اگر تیری جگہ میں اپنے کسی غلام کو بھیجتا تو وہ تجھ سے زیادہ کارگزار ثابت ہوتا ۔ اگر تو نے اپنی کارگذاری نہ دکھائی تو میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو تیرا سر لے کر واپس آئے گا ۔''

ایک مرتبہ شام میں بغاوت ہوئی وہاں کا گورنر بھاگ کھڑا ہوا ، جو عباسی خاندان کا ایک سر برآوردہ شخص تھا، ہارون نے اسے لکھا کہ :

''وہ بوڑھا میرے لیے باعث ننگ ہے جو منصور کی اولاد میں سے ہے ، اور جو اس کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا ۔ جو کندہ و طے کی اولاد سے تھا ، تو نے سینہ سپر ہو کر کیوں مقابلہ نہیں کیا ، کیوں دشمن کو

---

۱ ۔ الامامت و السیاست ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۲ ۔

۲ ۔ کتاب التاج ، صفحہ ۱۶۹ ۔

نیست و نابود نہیں کر دیا ، کیوں پوری توجہ اس کے استیصال پر صرف نہ کر دی ، تو مروان ـــ مروان بن محمد ، آخری اموی خلیفہ ـــ کی طرح کیوں نہ بن گیا جو تلوار سونت کر باہر نکلا اور الجحاف بن حکیم کا یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑا :

وہ چوڑی چپٹی ہندی تلواریں باندھے ہوئے نکلے

اور دشمن کو یوں مار مار کر ختم کر دیا گویا وہ عالم وجود ہی میں نہیں آئے تھے ۔

گویا :

انھوں نے دشمنوں کو ہندی تلواروں سے یوں ختم کر دیا ،

جیسے وہ عالم وجود ہی میں نہیں آئے تھے ،

اور لڑتا ہوا مارا گیا[۱] ۔

ڈاک کا خصوصی اہتمام

ہارون رشید کے حزم و حسن تدبیر کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ وہ ڈاک کا بہت زیادہ اہتمام کرتا تھا جو رعایا کے حالات و واقعات کی نگہ داری کے لیے ایک اہم ترین چیز ہے ۔ اس کے ذریعے پایہ تخت تک مملکت کے دوسرے حصوں سے خبریں پہنچتی ہیں اور اطراف بلاد میں چھوٹے بڑے جو واقعات ہوتے ہیں ان سے خلیفہ با خبر رہتا ہے ۔ عام اس سے کہ وہ واقعات سرکاری ملازموں اور عہدے داروں سے متعلق ہوں یا عوام سے ۔ رشید نے اپنے بہترین اور مخلص ترین عمال کو اس اہم ترین شعبے کی سر براہی سونپی تھی ۔ شعبہ ڈاک کی تنظیم کی وہ بہت زیادہ فکر رکھتا تھا ۔ اس سلسلے میں مصارف کی اسے کوئی پروا نہ تھی ۔ روایت ہے کہ رشید کے عہد میں محکمہ ڈاک کا سربراہ ایک ایسا شخص تھا جس کی تنظیمی قابلیت اور اہلیت سب پر بالا تھی اور کسی خلیفہ کے دور میں ہارون سے پہلے اس شعبے کا اتنا اہتمام ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا ۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ، خلفاء میں ہارون رشید جاسوسوں اور پرچہ نویسوں سے کام لینے میں بڑا ماہر تھا ۔ ہر اہم واقع کی اطلاع اسے

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۰ ۔

فوراً ہو جاتی تھی - کوئی وزیر ، امیر ، زعیم اور سردار فوج ایسا نہیں تھا جس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع اسے نہ ملتی ہو - عام اس سے کہ پایہ تخت میں بود و باش رکھتا ہو یا دوسرے شہروں اور قصبوں میں مقیم ہو۔ یزید بن مزید حکایت بیان کرتے ہیں : ایک روز رشید کسی بات پر کچھ مشتبہ سا ہوگیا ، میں حاضر ہوا تو مجھ سے کہا یہ شعر کس کا ہے؟

و من یفتقر منا یعش بحسامہ
و من یفتقر من سائر الناس یسأل؟

یعنی :

جو ہم میں سے بے مایہ ہوتا ہے تلوار کا سہارا لیتا اور زندہ رہتا ہے ،
اور جو عوام میں ایسا ہوتا ہے وہ بھیک مانگنے لگتا ہے -

میں نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو شرف عطا کیا ، اور خلافت کی بزرگی بخشی ، میں نہیں جانتا - یہ سن کر رشید بھڑک گیا ، غصے کے عالم میں پوچھا ، اور یہ شعر کس کا ہے ؟

و ان یک جد القوم فھر بن مالک
فجدی "لجیم" قوم بکر بن وائل

یعنی:

اگر تمہارا دادا فہر بن مالک ہے ، تو
میرا دادا لجیم بکر بن وائل کا سردار ہے -

میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم ، اے امیرالمومنین ! جس نے آپ کو سربلندی اور سرفرازی عطا فرمائی ، میں نہیں جانتا - ہارون نے کہا : اس ذات کی قسم جس نے مجھے سربلندی اور سرفرازی عطا فرمائی ہے ، تو جانتا ہے - اے یزید ! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ جب میں تجھے اپنے فرش پر بٹھاتا ہوں ، یا اپنے طرز عمل سے تیرے شرف میں اضافہ کرتا ہوں تو کیا تیری حقیقت اور کیفیت سے واقف نہیں ہوتا ؟ یا تیرا یہ خیال ہے کہ میں تیرے امور و معاملات سے غافل ہوں ؟ یا تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے کوئی چیز چھپی ہوئی ہے ؟ خدا کی قسم ! میرے جاسوس خلوت اور جلوت میں تیری نگہداری کرتے رہتے ہیں - یہ شعر ربیعہ کے ایک احمق

اور اجدٗ شاعر کا ہے جس نے قریش کو ربیعہ میں شامل کر لیا ہے ۔ جا اسے اپنے ساتھ لے کر آ ۔

یزید کا بیان ہے کہ میں ہارون کے پاس سے اٹھ کر اُس شاعر کی تلاش میں نکلا ۔ معلوم ہوا کہ اس کا نام بکر بن نطاح ہے جو میرا ہم قوم اور دوست تھا ۔ میں نے اسے بلایا اور بتایا کہ امیرالمومنین کیا فرماتے ہیں ۔ پھر میں نے اسے دو ہزار دینار دیے اور اس کا نام رجسٹر سے کاٹ دیا اور اس سے تاکید کی کہ جب تک رشید زندہ ہے یہ بات اس پر ظاہر نہ ہو[1] ۔

ایک دوسری روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید یزید بن مزید سے کسی ایسی بات پر خفا ہو گیا جو اس کے کانوں تک پہنچی تھی ۔ اسے فوراً طلب کیا اور کہا کہ تم نے کل کہا تھا کہ میں حکومت کا ستون ہوں ، اس کا محافظ ہوں ، باغیوں کی گردن میری تلوار کے نیچے ہے ، تم کیسے رکن حکومت اور محافظ سلطنت بن گئے ؟

یزید نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے یہ نہیں کہا تھا ۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ میں حکومت کا خادم اور اس کے دشمن کا دشمن ہوں ۔ رشید نے سرجھکا لیا ، اور یزید بن مزید اپنی صفائی میں عرض معروض کرتا رہا ۔ یہاں تک کہ رشید کے چہرے سے آثار غضب مٹ گئے ۔ پھر وہ مسکرایا اور اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا[2] ۔

اگر ہارون رشید کو کسی صاحب اثر و نفوذ شخص کی نیت اور ارادے پر کوئی شبہ ہو جاتا تھا تو پھر اسے وہ اتنی مہلت نہیں دیتا تھا کہ اپنی تیاریاں مکمل کر سکے اور اپنے آپ کو مضبوط کر سکے ۔ وہ اس کا راستہ ہی قطع کر دیتا تھا ۔ اس کا اصول یہ تھا کہ حادثے کے واقع ہونے سے پہلے اس کی روک تھام زیادہ بہتر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کا محاسبہ کرتا تھا ۔ روایت ہے کہ مصر میں اس کے مہتمم ڈاک نے والئی مصر موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کے متعلق

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۱۵۰ ۔

۲ ۔ المستطرف ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۲۷ ۔

کوئی ناروا اور ناشائستہ بات کہی جس سے اس کی توہین کا پہلو نکلتا تھا۔ موسیٰ خاندان بنو عباس میں ایک ممتاز شخصیت کا حامل تھا۔ رشید تک یہ بات پہنچی تو بہت برہم ہؤا اور قسم کھائی کہ اسے معزول کر دے گا اور اس کے بجائے ایک نہایت ہی معمولی آدمی کو ماسور کرے گا۔ اور اس نے کیا بھی ایسا ہی۔

ایک روز ہارون کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ عبداللہ بن عبدالعزیز عمری جو عمرؓ بن خطاب کی اولاد میں سے تھے اور متقی اور پرہیز گار شخص تھے، بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس بات کا ہارون رشید کو کچھ یقین نہیں آیا۔ اس نے اپنے خاص آدمیوں سے کہا، بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ یہ بات مجھے ناگوار ہے کہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے خیالات و حالات صحیح طور پر معلوم کرنے سے پہلے کوئی قدم اٹھاؤں اور ایسا کوئی معتمد آدمی بھی نظر نہیں آتا جسے ان کے پاس تحقیق احوال کے لیے بھیجوں۔ فضل بن ربیع نے کہا میں اور عمر بن بزیع عبداللہ کے پاس جاتے ہیں اور انہیں ٹٹولیں گے۔

ہارون نے کہا، ہاں! ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ۔

یہ دونوں عبداللہ بن عزیز کے پاس پہنچے، وہ ایک مسجد میں جو بادیے میں واقع تھی، بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں لباس فاخرہ زیب تن کیے اور خوشبو میں بسے ہوئے ان کے پاس پہنچے، اور ان کے ایک جانب بیٹھ گئے اور ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمان! ہم اہل مشرق کے قاصد ہیں، انہوں نے آپ کو پیام بھیجا ہے کہ اللہ سے ڈریے اور اگر آپ چاہیں تو اٹھ کھڑے ہوں، ہم اپنی تلواریں لے کر آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ عبداللہ بن عبدالعزیز ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے، خدا تم سے سمجھے، کس لیے اور کس کے لیے؟ ان دونوں نے جواب دیا، اپنے لیے!

عبداللہ بن عبدالعزیز نے کہا، خدا کی قسم! مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملوں کہ کسی مسلمان کے خون سے میرے ہاتھ رنگین ہوں۔ میں جس طرح گزر کر رہا ہوں، ٹھیک ہے۔

ان دونوں نے ان کی باتیں سن کر کہا ہمارے ساتھ ایسا سامان ہے جو زندگی بھر آپ کے کام آئے گا۔

عبداللہ بن عزیز نے جواب دیا ، نہیں بھئی ، مجھے نہیں چاہئے!

یہ دونوں رشید کے پاس واپس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا ۔ وہ مطمئن ہو کر ان کی طرف سے بکسر ہو گیا ۱۔

سلطان خلفا میں ہارون رشید سے زیادہ کسی شخص نے کفار سے مسلسل اور غیر منقطع طور پر جنگ کا سلسلہ جاری نہیں رکھا ۔ اپنی پوری مدت خلافت میں جہاد کی سرگرمیاں اس نے ایک دن کے لیے بھی معطل نہیں ہونے دیں ، جب تک موت نہ آ گئی وہ اسی اصول پر عامل رہا ، خواہ اس نے بطور خود جہاد میں عملی حصہ لیا ہو یا اپنے رجال حرب اور سرداران فوج کو بھیجا ہو ۔ مملکت کے شرق و شمال اور بر و بحر میں برابر سلسلہ جاری رکھا ۲۔

سلوک مسلمین میں وہ واحد شخص تھا جو اس اعتبار سے مشہور تھا کہ ایک سال حج اور ایک سال جہاد کے لیے اس نے وقف کر رکھا تھا۔ چنانچہ شاعر ابوالمعالی کلابی کہتا ہے:

فمن یطلب لقاءک او یرده
ففی الحرمین اواقصی الثغور
ففی ارض العدو علی طمر
و فی ارض الترفہ فوق کور
و ما حاذ الثغور سواک خلق
من المتخلفین علی الامور

یعنی:

جو آپ سے ملنے کا آرزو مند ہو
تو یا حرمین میں یا دور دراز سرحدی مقام پر مل لے
دشمن کی سر زمین میں تو گھوڑے پر سوار ملے گا

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۷ ۔
۲ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۹۳ ۔

اور مقام امن میں عیش و مسرت کے ساتھ
اور تیرے سوا سرحدات کی نگرانی کس نے کی ہے
باقی جو ہیں وہ تو پیچھے رہ جانے والے مستاہل ہیں ۔

روایت ہے کہ ہارون رشید کے وزیر یحییٰ بن خالد نے ایک شخص کو ارض سواد میں خراج وصول کرنے کی ذمہ داری پر مامور کیا ۔ یہ شخص رخصت ہونے کے لیے رشید کے پاس آیا ۔ اس وقت اس کے پاس یحییٰ بن جعفر اور جعفر برمکی بھی موجود تھے ۔ رشید نے ان دونوں سے کہا :

اس شخص کو کوئی ایسی نصیحت کرو کہ ارض سواد میں جا کر یہ اس پر عمل پیرا ہو ۔

یحییٰ نے کہا ''خوب جمع کرو اور خوب روپیہ بٹور کر لاؤ ۔''

جعفر نے کہا ''انصاف سے کام لو اور آدھوں آدھ کر دو ۔''

رشید نے کہا ''عدل کرو اور اچھا برتاؤ کرو ا ۔''

ایک مرتبہ بلاد آرمینیہ میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے ہارون رشید نے اپنے سالار فوج خزیمہ بن خازم کو ایک بڑا لشکر دے کر باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔

خزیمہ نے باغیوں کو تلوار پر رکھ لیا ۔ آخر وہ لوگ اطاعت پر مائل ہوئے اور ہتھیار رکھ دیے ، لیکن خزیمہ نے ظن اور شک و شبہے کی بنا پر لوگوں کو قتل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ۔

رشید کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بہت خفا ہوا اور اسے پیغام بھیجا تو بے گناہوں کو جرم بے گناہی میں کب تک قتل کرتا رہے گا؟

خزیمہ نے تلوار میان میں کر لی ۲۔

اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ رشید نے قاضی ابو یوسفؒ کے پاس ایک مقدمہ تصفیے کے لیے بھیجا ۔ معاملہ یہ تھا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا ۔ ابو یوسفؒ نے مسلمان کے قتل کا فتویٰ دے دیا ۔ ایک آدمی ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ صفحہ ۸ے ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۹ ۔

اور ان کو ایک کاغذ کا ٹکڑا دے کر چپکے سے کھسک گیا۔ اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

یا قاتل المسلم بالکافر
جرت و ما العادل بالجائر
یا من ببغداد و اطرافها
من علماء الناس او شاعر
استرجعوا وابکوا علی دینکم
و اصطبروا فالاجر للصابر
جار علی الدین ابو یوسف
بقتله المؤمن بالکافر

یعنی:

اے کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے والے
کیا عدل کرنے والا ظالم بھی ہوتا ہے؟
بغداد اور اطراف بغداد میں رہنے والے لوگو!
کہ تم میں علما بھی ہیں اور شاعر بھی،
انا للہ پڑھو، آنسو بہاؤ اپنے دین پر
صبر کرو کہ صابر کے لیے اجر ہے
دین پر ابو یوسف نے جور و ظلم کیا ہے
کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر کے

ابو یوسفؒ جب رشید کے پاس آئے تو وہ اشعار والا کاغذ انھوں نے رشید کو دے دیا اور اپنے فتوے کی تفصیل بیان کی۔ رشید نے کہا کہ اس معاملے کا تدارک احتیاط اور دانش مندی کے ساتھ کیجیے، ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ ابو یوسفؒ نے رشید کی یہ بات مان لی۔ اس لیے کہ یہ بات امیرالمومنین نے کہی تھی اور جو اپنی مملکت میں سب سے بڑے حاکم اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ ابو یوسفؒ نے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ صحت ذمہ کا ثبوت لائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے لہٰذا قتل کی سزا بدل دی

گئی اور یہ مسئلہ یوں طے پا گیا کہ کسی طرح کا فتنہ اُٹھنے نہیں پایا ۱ ۔

اسی طرح کی ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید شہر موصل کے رہنے والوں پر بہت زیادہ برہم ہوُا ، کیونکہ یہ شہر خوارج کا اور قانون شکن لوگوں کی پناہ گاہ بن گیا تھا ۔ بغاوت اور شورش کے مرکز کی حیثیت سے اس نے شہرت حاصل کر لی تھی ۔ رشید نے حکم دیا :

''موصل کی شہر پناہ منہدم کر دی جائے''

حکم کی تعمیل ہوئی ۔ پھر قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا کہ آیا موصل کے باشندوں کا قتل جائز ہے ؟

قاضی ابو یوسف نے ہارون رشید کی مرضی کے خلاف فتویٰ دیا ، اُنھوں نے فرمایا :

''موصل کے باشندے جہاں شورش پسند اور باغی ہیں ، وہاں نیک ، اطاعت شعار اور امن پسند لوگ بھی ہیں ۔ سب کا قتل کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟''

رشید اپنے ارادے سے باز آ گیا ۔

غرض رشید کے واقعات اور حالات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ہم یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ اس سے بعض کوتاہیاں اور غلطیاں بھی سرزد ہوئیں ، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اگرچہ سخت مزاج اور جلد باز تھا ، لیکن اپنی دور اندیشی اور احتیاط کوشی کے باعث حتی الامکان ظلم سے پہلو بچا جاتا تھا ، اور فوری فیصلہ کرنے میں بھی اپنی حدت مزاج کے باوجود وزرا کے مشورے یا فقہا کے فتووں کے باعث احتیاط سے کام لیتا تھا البتہ حدود شرع کے معاملے میں اس کا فیصلہ عام طور پر قائم رہتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مذہب اس کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا ۔

رشید ایسے گھر میں پیدا ہوُا اور ایسے شہر میں اس نے پرورش پائی کہ جس کے افراد شریعت اسلامیہ کا پورا پورا احترام کرتے تھے ۔ اس کا دادا منصور اپنے وقت کے شیوخ فقہا میں شمار ہوتا تھا ۔ اس کا باپ مہدی

---

۱ - الاحکام السلطانیہ ، صفحہ ۲۱۹ -

رجال دین کی طاعت میں بہت زیادہ غلو کرتا تھا اور زندیقوں اور فاسقوں پر تشدد کرنے سے باز نہیں آتا تھا ۔ رشید نے اسی فضا میں آنکھ کھولی ، پروان چڑھا اور جوان ہوا ، لہٰذا قدرتاً وہ خدا ترس ، اپنے عقیدے میں صادق اور اپنے ایمان کے اعتبار سے قوی تھا ۔

رشید نے تعلیم ان اساتذہ سے حاصل کی جو زہد اور ورع میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے مثلاً علی بن حمزہ کسائی ۔ یہ فن قرأت کے شیخ تھے اور قرأت سبعہ کے ماہر تھے ۔ لغت ، نحو اور اخبار میں ان کا شمار کوفے کے ائمہ دین میں ہوتا تھا ۔

اپنے عنفوان شباب میں رشید کو جن فقہا سے استفادے کا موقع ملا وہ بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے ۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ ، امام محمدؒ وغیرہ ۔ یہ لوگ قضاۃ اور رجال تشریع میں اپنی مثال آپ تھے ۔ ان لوگوں سے آخر وقت تک اس نے ربط و تعلق قائم رکھا ۔

ہارون رشید ہر روز فرائض کے علاوہ سو رکعتیں پڑھا کرتا تھا[1] اور ہر صبح کو اپنی ذاتی آمدنی میں سے ایک ہزار درہم اور کبھی اس سے زیادہ بھی اپنے ہاتھ سے خیرات کرتا تھا[2] ۔

اخبار و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اپنے عہد خلافت میں رشید نے نو حج کیے ، یعنی ہر دو سال میں ایک مرتبہ ۔ یہ حج ان حجوں کے علاوہ تھے جو مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے وہ کر چکا تھا ، اور آخری حج تو اس نے اس شان سے کیا تھا کہ رقّہ سے مکے تک پا پیادہ گیا ، حالانکہ راستہ دشوار گزار تھا اور مسافت بھی طویل تھی ۔

ہارون رشید کی یہ عادت تھی کہ جب حج کرتا تو اپنے ساتھ سو عالموں اور فقیہوں کو بھی حج کراتا اور ان کے مصارف خود برداشت کرتا ، اور جس سال خود حج کو نہ جاتا تو تین سو آدمیوں کو زاد راہ اور ضروری مصارف دے کر حج کے لیے روانہ کرتا ۔ ہماری تحقیق کے مطابق ہارون نے

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۹ ۔
۲ - الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲ ۔

حسب ذیل سالوں میں فریضہ حج ادا کیا :

۱۷۰ھ ، ۱۷۳ھ ، ۱۷۴ھ ، ۱۷۵ھ ، ۱۷۷ھ ، ۱۷۹ھ ، ۱۸۱ھ ،
۱۸۶ھ ، ۱۸۸ھ -

تاریخ کی کتابوں میں عہد ہارون رشید کے امرائے حج کے نام بھی ملتے ہیں - یہ امرائے حج اس سال بنائے جاتے تھے جب ہارون رشید خود حج کو نہیں جاتا تھا - ہارون نے جن لوگوں کو بھی امیر حج بنایا وہ سب ہاشمی تھے [1] -

رشید کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ ہر مرتبہ جب وہ حج کو جاتا تھا تو بہت بڑی رقم باشندگان حرمین کو پیش کرتا تھا اور فقرا کے لیے بھی صدقات کی بہت بڑی رقم وقف رہتی تھی - اس معاملے میں اپنے سے پہلے کے تمام خلفا سے وہ آگے تھا - غالباً حج کرنے کا ولولہ اور مکے اور مدینے کے باشندوں کی خدمت کرنے کا جذبہ اس خواب کا نتیجہ تھا جس میں اس نے منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۰۶ - یہ ہیں امرائے حج کے اسمائے گرامی :

"عبدالصمد بن علی الہاشمی ، ۱۷۱ھ
یعقوب بن ابی جعفر المنصور ، ۱۷۲ھ
سلیمان بن ابی جعفر المنصور ، ۱۷۶ھ
محمد بن ابراہیم بن محمد الہاشمی ، ۱۷۸ھ
موسیٰ بن عیسیٰ الہاشمی ، ۱۸۰ھ
موسیٰ بن عیسیٰ الہاشمی ، ۱۸۲ھ
العباس بن موسیٰ الہادی ، ۱۸۳ھ
ابراہیم بن محمد بن عبداللہ الہاشمی ، ۱۸۵ھ
عبیداللہ بن العباس بن محمد الہاشمی ، ۱۸۷ھ
العباس بن موسیٰ بن عیسیٰ الہاشمی ، ۱۸۹ھ
عیسیٰ بن موسیٰ الہادی ، ۱۹۰ھ
الفضل بن العباس بن محمد الہاشمی ، ۱۹۱ھ
العباس بن عبیداللہ الہاشمی ، ۱۹۲ھ"

دیکھا تھا ۔ آپؑ نے فرمایا تھا:

''امر خلافت تیرے ہاتھ میں آئے گا ، دشمن سے لڑ ، حج کر اور اہل حرمین کی خدمت کر[1] ''۔

دین سے تمسک میں ہارون رشید اتنا سخت تھا کہ وہ دینی معاملات میں بحث و جدل کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا تھا ، کہا کرتا تھا:

''معاملات و مسائل دین میں جدال بے فائدہ چیز ہے ، کم از کم اس میں ثواب کا تو کوئی پہلو قطعاً نہیں ہے[2] ''۔

وہ اسے بالکل گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس کے سامنے دین کے اصول اور فلسفے پر مناقشہ کیا جائے ، خواہ اس کا مقصد نیک ہو یا بد ۔ اس سلسلے میں بہت سی چیزیں مروی ہیں ، ابن کثیر کا قول ہے:

''ایک مرتبہ ہارون کے سامنے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث بیان کی ۔ رشید کا چچا بھی اس موقع پر موجود تھا ، اس نے پیش کردہ حدیث پر اعتراض کیا ۔ رشید نے غضب ناک ہو کر کہا: کیا تم حدیث رسولؐ پر اعتراض کی جرأت کرتے ہو؟ حکم دیا کہ تلوار اور نطع[3] لاؤ اور چچا کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔ لوگوں نے بہت زیادہ سعی و سفارش ، الحاح و التجا کے ساتھ کی ۔ رشید نے اسے پھر بھی بالکل معاف نہیں کیا ، جیل بھیج دیا اور اس وقت تک آزاد نہیں کیا جب تک اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے خدا سے استغفار اور توبہ نہ کر لی[4] ۔

ایک آدمی کے متعلق رشید نے سنا کہ وہ خلق قرآن کے بارے میں

---

۱ ۔ المنیۃ و الامل ، صفحہ ۲۰ ۔

۲ ۔ تاریخ الخلفا ، صفحہ ۲۱۱ ۔

۳ ۔ نطع چمڑے کے اس فرش کو کہتے ہیں جس پر قتل کے وقت مقتول کو بٹھایا جاتا تھا تاکہ اس کے خون کے قطرے زمین پر نہ گریں ، اس لیے کہ یہ چیز منحوس سمجھی جاتی تھی ۔ (مترجم)

۴ ۔ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۵ ۔

گفتگو کیا کرتا ہے۔ اس نے اسے بلایا اور پوچھا :

''کیا تو خلق قرآن کے بارے میں کچھ کہا کرتا ہے ؟''

اس آدمی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ :

''بے شک قرآن مخلوق ہے۔''

ہارون رشید نے فوراً اس کی گردن اُڑا دی ۱۔

دین کے مسائل و معاملات میں بحث و جدل کی نا پسندیدگی میں ہارون رشید کو اتنا غلو پیدا ہو گیا تھا کہ علمائے علم و کلام تک کو دین سے انحراف کا مجرم گردانا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ دینی معاملات میں اس کثرت سے بحث و جدل کرتے رہتے ہیں جس کے باعث عوام انتشار فکر اور اضطراب فہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور طریق صواب سے دور جا پڑتے ہیں۔ لہٰذا اس نے تمام ایسے علما کو جیل بھیج دیا اور اس وقت تک رہا نہیں کیا جب تک سندھ کے راجا کا واقعہ نہیں پیش آ گیا۔ سندھ کے راجے کا واقعہ مختصر طور پر یہ ہے کہ ایک مرتبہ سندھ کے ایک راجے نے رشید سے استدعا کی کہ اس کے پاس کوئی ایسا عالم بھیجا جائے جو دین اسلام کے بارے میں مناظرہ کر سکے تا کہ اُسے کوئی رائے قائم کرنے میں آسانی ہو۔ رشید نے اس کے پاس اپنا ایک قاضی بھیج دیا۔ راجا کے سامنے قاضی صاحب اور سندھ کے دانش وروں کے مابین مناظرہ ہوُا۔

سندھی نے قاضی صاحب سے یہ پوچھا کہ :

''اپنے معبود کے متعلق بتائیے ، کیا وہ قادر ہے ؟''

قاضی صاحب نے جواب دیا :

''ہاں ! بے شک وہ قادر ہے۔''

قاضی صاحب سے پھر سوال کیا گیا :

''اگر وہ قادر ہے تو کیا اپنا مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ؟''

---

۱ - البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۵ -

خلق قرآن کا مسئلہ ایک فتنے کی صورت میں ہارون کے بعد پیدا ہوُا ، اور پھر کئی خلفا کے زمانے تک جاری رہا۔

قاضی صاحب اس سوال کا جواب نہ دے سکے ، انہوں نے فرمایا :

''یہ ایک کلامی مسئلہ ہے اور بدعت ہے اور ہمارے اصحاب کلام بدعت کو پسند نہیں کرتے ۔''

سندھی دانش ور نے اپنے راجا سے کہا :

''میں نے آپ پر ان لوگوں کے دین کی حقیقت واضح کر دی ۔''

راجا نے یہ بات رشید کو لکھی ۔ یہ پڑھ کر وہ پیچ و تاب کھانے لگا اور بہت زیادہ دل تنگ ہوا ۔ اس نے کہا :

''کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو وہاں جا کر دین اسلام کا دفاع کر سکے ؟''

لوگوں نے عرض کیا :

''ہاں امیرالمومنین کیوں نہیں ! وہ لوگ یہ کام بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں جنہیں آپ نے معاملات دین میں بحث و جدل سے روک رکھا ہے اور ان کی یہ جماعت اس وقت جیل میں محبوس ہے ۔''

ہارون نے کہا :

''ان لوگوں کو میرے سامنے لاؤ ۔''

جب وہ آئے تو پوچھا :

''اس معاملے میں تم کیا کہتے ہو؟''

ان میں سے ایک آدمی نے کہا :

''یہ سوال محال ہے، یعنی پیدا ہی نہیں ہوتا اس لیے کہ مخلوق لازمی طور پر فنا پذیر چیز ہے ، اور جو چیز فنا پذیر ہو وہ قدیم یعنی غیر فنا پذیر کی طرح نہیں ہو سکتی لہذا یہ بات مستحیل ہے کہ کہا جائے کہ خدا اپنا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں ۔ جس طرح یہ مستحیل ہے کہ کہا جائے کہ وہ عاجز اور جاہل ہونے پر قادر ہے ۔''

ہارون رشید نے علمائے کلام میں سے ایک شخص کو منتخب کر کے سندھ کے راجا کے پاس بھیج دیا اور باقی کو رہا کر دیا ، اور ان میں سے

چند کو اپنا مصاحب بنا لیا ، جن میں سے ایک شخص ثمامہ بن اشرس تھا [1]۔

۱۷۴ھ میں ہارون رشید حج کو گیا ۔ اس کی مجلس میں امام مالک بن انس تشریف لائے اور اس سے کہا :

''امیرالمومنین آپکے والد ماجد نے بھی مجھے اپنی خدمت میں طلب کیا تھا جس طرح آپ نے آج مجھے یاد کیا اور اہل مدینہ سے متعلق جو کچھ میں نے ان سے کہا تھا ، آپ سے بھی کہہ رہا ہوں ۔ یہ لوگ تمام تکلیفیں ، زمانے کی تمام مصیبتیں ، ہر طرح کی گرانی اور پریشانی صرف اس لیے گوارا کرتے ہیں کہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جدا ہونا نہیں چاہتے ۔''

ہارون رشید نے کہا :

''وہ میرے والد تھے میں ان کا بیٹا ہوں ۔ جو انہوں نے کیا تھا میں بھی وہی کروں گا ۔''

پھر اس نے اہل مدینہ کے لیے اپنے باپ کے دیے ہوئے عطایا سے دوگنے عطایا پیش کیے ۔ اس کے بعد اس نے امام مالکؒ سے کہا :

''آپ کا اس منبر کے بارے میں کیا خیال ہے ؟ میں چاہتا ہوں کہ معاویہؓ بن ابو سفیان نے اس میں جو اضافہ کیا تھا اسے ختم کر دوں اور صرف تین درجے رہنے دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں تھے ۔''

امام مالک نے جواب دیا :

''امیرالمومنین ایسا نہ کیجیے ، وہ ایک کمزور لکڑی ہے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی ہے اور اس کا کافی حصہ بیکار ہو چکا ہے ، لیکن اس کے باوجود آپ یہ بھی غور فرمائیے کہ اگر آپ نے اس کے تین درجے حسب سابق کر دیے تو اس کا ہر جگہ منتقل کرنا آسان ہو جائے گا ۔ آپ کے بعد جو شخص آئے گا ، وہ خود بھی کہہ سکتا

---

۱ ۔ المنیۃ والامل ، صفحہ ۲ ۔

ہے یا اس سے کہا جا سکتا ہے کہ رسولؐ کا منبر آپ جہاں بھی ہوں ، آپ کے ساتھ رہے ، کیونکہ منبر خلیفے کا حق ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاملہ صرف منبر ہی پر ختم نہ ہوگا بلکہ رسول صلعم کے جتنے بھی آثار ہیں ، وہ بھی یہاں سے منتقل کیے جا سکیں گے ۔ آپؐ کی پاپوش مبارک ، آپؐ کا فرش ، آپؐ کا موئے مبارک ، آپؐ کا عصا ، آپؐ کا پیالہ ، جتنی چیزیں بھی آثار نبویؐ میں سے یہاں ہیں ، وہ سبھی منتقل ہو جائیں گی ۔"

بات رشید کی سمجھ میں آ گئی اور وہ اپنے ارادے سے باز آ گیا [۱] ۔

راویوں اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہارون رشید خلفا میں سب سے زیادہ شرمیلا ، با حیا ، گداز قلب اور موعظۂ حسنہ پر آنسو بہانے والا تھا [۲] ۔

جب کبھی کسی واعظ اور زاہد کی تعریف سنتا تو یا اسے اپنے پاس بلاتا یا خود اس کی خدمت میں حاضر ہو کر نصیحت کا طالب ہوتا اور اس کی باتیں سن کر روتا ۔ ایک مرتبہ فضل بن عیاض کے اوصاف اس تک پہنچے ۔ یہ عالم ، عادل اور پرہیزگار شخص تھے ، ہارون رشید کے جی میں آئی کہ ان سے ملنا چاہیے ، لیکن لوگوں نے عرض کیا ، فضل اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے ، لیکن فقیہ بغداد عبداللہ بن مبارک کو لے کر ہارون رشید فضل بن عیاض کے گھر کی طرف چلا ۔ جب یہ دونوں ان کے گھر کے پاس پہنچے ، عبداللہ نے ہارون رشید سے کہا :

"یا امیرالمومنین ! فضل بن عیاض نے اگر آپ کو پہچان لیا یا آپ کا مرتبہ معلوم کر لیا تو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے ۔"

رشید نے کہا :

"تم ان سے اجازت طلب کرنا اور جب تک وہ داخل ہونے کی اجازت نہ دیں ، میرا ذکر نہ کرنا ؟"

---

۱ ۔ الامامۃ و السیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۶ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ صفحہ ۶۱۸ ؛ الفخری ، صفحہ ۲۶۳ ۔

ابن مبارک نے اجازت طلب کی، فضل نے انہیں 'مرحبا' کہا اور پوچھا:
''آپ کے ساتھ کون ہے؟''
ابن مبارک نے جواب دیا:
''ایک قریشی۔''
فضل نے کہا:
''میں انہیں آنے کی اجازت نہیں دوں گا، کسی قریشی سے ملنے کی مجھے ضرورت نہیں۔''
ابن مبارک گویا ہوئے:
''یہ صاحب اہل علم ہیں اور فقہ میں ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں، کہنا چاہیے کہ اپنے زمانے کے سردار قریش ہیں۔''
فضل نے کہا:
''اچھا تو آ جاؤ۔''
یہ دونوں گھر میں داخل ہوئے، ابن مبارک نے فضل سے رشید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:
''کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟''
فضل نے جواب دیا:
''میں نہیں پہچانتا۔''
ابن مبارک نے بتایا:
''یہ امیرالمومنین ہارون رشید ہیں، خلیفہ محمدالمہدی کے صاحبزادے۔''
فضل نے تھوڑی دیر رشید کی طرف دیکھا، پھر کہا:
''یہ خوب صورت چہرہ، کل اس سے امت محمدیہ کے بارے میں بازپرس ہوگی اور مؤاخذہ کیا جائے گا۔ اگر عفو و غفران نے تیرا ساتھ دیا تو یہ اللہ کا بڑا کرم ہوگا تیرے اوپر۔''
پھر فضل نے ہارون کو تلقین اور نصیحت شروع کی۔ ہارون کا دل ڈولنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کے بعد فضل نے ہارون

اور اس کے اہل بیت کے مثالب اور کردار و سیرت کی خامیوں کا تذکرہ شروع کیا ۔ رشید کو حیرت نہیں ہوئی ، اس نے فضل سے عرض کیا :

''اے ابوالحسن ! کیا آپ سے کچھ ایسے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں جن کے بارے میں آپ خائف ہیں کہ وہ آپ کو کہیں کا نہ رکھیں گے ۔ اگر آپ پر اللہ نے رحم نہ فرمایا ؟''

فضل نے جواب دیا :

''ہاں ! بے شک'' ۔

رشید نے کہا :

''پھر وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو رحمت الٰہی کا مجھ سے زیادہ مستحق بنا دیا ؟ آپ تو اللہ سے مغفرت کی امید رکھتے ہیں ، کیا میں نہ رکھوں؟ حالانکہ میں اس دین کا پیرو ہوں جس میں اللہ تعالیٰ حسنات کو قبول کرتا اور سیئات کو بخش دیتا ہے اور خدا کی قسم اگر اللہ اور کسی چیز کے مابین اختیار کا سوال پیدا ہو تو میں اس چیز کو چھوڑ کر خدا کو اختیار کر لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ میری نیت اور ضمیر کو بہت اچھی طرح جانتا ہے ۔ وہی میرا گواہ ہے اور اس سے بہتر گواہ کوئی نہیں ، اور میں بہر حال اصلاح بین الناس میں کوشش کرتا ہوں ، اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہوں ، معروف کا حکم دیتا ہوں اور منکر سے روکتا ہوں ۔ کیا آپ میری مغفرت کی امید نہیں رکھتے ؟''

ذرا دیر فضل نے سکوت اختیار کیا پھر کہا :

''جس نے تجھ سے بحث کی اس نے تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا [1]'' ۔

وقت کے بلند پایہ اور معروف و مشہور زاہد ابن السماک کے بارے میں رشید کے کانوں تک ان کا ذکر خیر پہنچا ۔ اس نے اپنے حاجب فضل بن ربیع کو حکم دیا کہ ابن سماک کو بلا لائے ۔ تھوڑی دیر میں وہ انہیں لے کر آ گیا ۔ رشید نے ان سے کہا :

''مجھے نصیحت کیجیے ۔''

---

۱ ۔ الامامۃ و السیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۱ ۔

ابن السماک نے فرمایا:

''یا امیرالمومنین! اللہ سے ڈریے جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھیے کہ کل جو آنے والا ہے آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس کے بعد دو منزلوں میں سے ایک منزل کی طرف آپ کو جانا پڑے گا اور یاد رکھیے ان دو منزلوں کے سوا کوئی تیسری منزل نہیں ہے۔ اور سمجھ لیجیے کہ ان دو منزلوں میں سے ایک جنت ہے اور دوسری دوزخ!''

رشید رونے لگا، فضل بن ربیع ابن سماک کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

''سبحان اللہ! کیا کسی آدمی کو امیرالمومنین کے جنتی ہونے میں شبہ بھی ہو سکتا ہے؟ انشا اللہ وہ جنت میں جائیں گے، اس لیے کہ وہ اللہ کے حق کو قائم رکھتے ہیں اور اس کے بندوں کے مابین عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔

ابن سماک رشید کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے گویا ہوئے:

''یا امیرالمومنین! یہ شخص (یعنی فضل بن ربیع) خدا کی قسم اس دن آپ کے ساتھ ہوگا نہ آپ کے پاس ہوگا۔ پس اللہ سے ڈریے اور خود اپنا محاسبہ کیجیے![1]''

بہلول مجذوب کے ساتھ بھی ہارون رشید کے قصص و نوادر مشہور ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید حج کے سفر پر روانہ ہوا۔ کوفے کے قریب اس نے بہلول کو دیکھا جو بانس کی چھڑ پر سوار چلے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے لڑکے تالیاں پیٹ رہے تھے۔

ہارون نے پوچھا: یہ کون شخص ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: یہ بہلول مجذوب ہے!

ہارون نے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ اس سے ملوں۔ جاؤ اسے لے آؤ، لیکن ستانا مت۔

لوگوں نے بہلول کو لا کر حوالے کر دیا۔ ہارون نے کہا السلام علیک

۱۔ الطبری، جلد ۳ صفحہ ۷۵۴۔

یا بہلول - بہلول نے جواب دیا : وعلیک السلام یا امیرالمومنین - ہارون نے کہا : مجھے تم سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا -

بہلول نے جواب دیا :

لیکن مجھے آپ سے ملنے کا ذرا بھی اشتیاق نہ تھا -

ہارون نے کہا : مجھے نصیحت کیجیے -

بہلول نے کہا : نصیحت کیا کروں ؟ دیکھ لو یہ قصور ہیں اور وہ قبور !

ہارون نے کہا : بہت اچھے ، کچھ اور کہیے -

بہلول نے کہا : یا امیرالمومنین ؟ اللہ تعالیٰ جس کو مال اور جمال عطا کرے پس اسے چاہیے کہ جمال کی عفت قائم رکھے اور مال کا حق ادا کرے - دیوان ابرار میں یہی لکھا ہے -

ہارون رشید نے خیال کیا ، معلوم ہوتا ہے یہ کچھ ضرورت مند ہیں ، کہنے لگا : میں نے حکم دیا ہے کہ آپ کا جتنا قرضہ ہو ، وہ اتار دیا جائے -

بہلول نے جواب دیا :

ایسا نہ کیجیے ، کسی کا قرض ادا کر کے مقروض نہ بن جائیے ، مستحق کو اس کا حق دیجیے اور اپنے نفس کا قرض خود چکایے -

ہارون رشید نے کہا : بہر حال ہم نے حکم دیا ہے کہ آپ کو رقم ادا کی جائے -

بہلول نے کہا : یا امیرالمومنین ! کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا کرتا ہے اور مجھے فراموش کر دیتا ہے ؟

اس کے بعد بہلول اپنی چھڑ پر سوار ہوئے ، رخصت ہوگئے[1] -

ایک روز بہلول نے ہارون رشید سے بڑے پتے کی بات کہی ، کہنے لگے : دنیا کی مملکت تمہاری مٹھی میں ہے لیکن انجام موت کے سوا کیا ہے ؟ اس ساری شان و شوکت کے بعد سب سے آخر میں جو چیز آپ کے ہاتھ آئے گی وہ گوشۂ لحد اور قبر کی تاریکی کے سوا کیا ہوگی ؟ ظلم سے

---

۱ - تحفۃ المجالس ، صفحہ ۳۴۲ -

بچیے ، اس لیے کہ کوئی بادشاہ اگر ظالم مشہور ہو جاتا ہے تو رعایا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اس دشمنی کا نتیجہ مخالفت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ مخالفت بغاوت کی صورت اختیار کر لیتی ہے[1] ۔

اصمعی کا بیان ہے ، ایک روز میں رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے کاغذ کا ایک ورق رکھا ہے ۔ امیرالمومنین اسے پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں ۔ مجھے دیکھا تو فرمایا : بیٹھ جاؤ ۔ میں بیٹھ گیا ۔ پھر پوچھا : کیا تم نے مجھے روتے دیکھا تھا؟ میں نے جواب دیا : جی ہاں یا امیرالمومنین! امیرالمومنین نے فرمایا : اگر دنیا کے جھنجھٹ نے مجھے پھانس نہ لیا ہوتا تو مجھے اس کی کیا ضرورت تھی کہ اسے پڑھتا اور روتا ۔ اس کے بعد وہ کاغذ میری طرف پھینک دیا ۔ اس میں ابوالعتاہیہ کے حسب ذیل اشعار جو زہد سے متعلق تھے ، لکھے ہوئے تھے :

هل انت معتبر بمن خلیت
منه غداة معنی دساکره ؟
و بمن ازل الموت صرعه
فتبرأت منه عشائره ؟؟
این الملوک و این غیرهم ؟
صاروا مصیراً انت صائره
نل مایدالک ان تنال من
الدنیا فان الموت آخره

یعنی :

کیا تو ان لوگوں کی موت سے عبرت حاصل کرتا ہے
جن کے قصر ہائے نشاط اجڑ گئے؟
کیا تو ان لوگوں سے عبرت حاصل کرتا ہے جنھیں موت نے پچھاڑ دیا
اور ان کے عزیزوں نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا ؟
بادشاہ اور دوسرے لوگ آج کہاں ہیں ؟
وہ اپنی منزل کی طرف چلے گئے اور تمھیں بھی اسی طرف جانا ہے

---

۱ ۔ مفید العلوم ، صفحہ ۱۶۴ ۔

اس دنیا سے جو کچھ لے سکتا ہے حاصل کر لے
کیونکہ بہر حال اس کا انجام موت ہے ۔

پھر کہنے لگا : خدا کی قسم ! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان اشعار میں دوسرے لوگوں سے نہیں ، صرف مجھی سے تخاطب کیا گیا ہے[1] ۔

وعظ و تلقین کے مواقع پر ہارون رشید کے گریہ کے اختیار کرنے کے متعدد واقعات ملتے ہیں ۔ اس کی شہادت دوست بھی دیتے ہیں اور دشمن بھی ۔ کتاب الفخری کے مصنف کا کہنا ہے :

"ذکر و پند کے موقع پر وہ بے اختیار آنسو بہانے لگتا تھا[2]"۔

تاریخ بغداد میں مرقوم ہے :

تین آدمی ذکر و پند کے موقع پر بے تحاشا آنسو بہانے لگتے تھے ، ایک فضیل بن عیاض ، دوسرے ابو عبدالرحمٰن اور تیسرا ہارون رشید تھا[3] ۔

دوسرے مورخین کی ایک بہت بڑی جماعت نے فخری اور تاریخ بغداد کی تائید کی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہارون کی کثرت گریہ کے متعلق جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان میں بعض راویوں نے حقیقت اور معقولیت کی حد سے تجاوز کر کے بہت زیادہ غلو اور مبالغے سے کام لیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان کا خیال تھا کہ ہر وعظ و تلقین کے موقع پر وہ رونے لگتا تھا ، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ۔ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ہارون رشید لذائذ مشروعہ میں مبتلا ہو کر کسی وقت حد سے تجاوز کر جاتا تھا ۔ نعیم اور عشرت کے جو سامان اسے مہیا تھے ، جوانی کی امنگیں ان میں بھی اسے ملوث کر دیتی تھیں لیکن اس کیفیت کے گذرنے کے بعد اس کا دینی شعور اسے جھنجھوڑتا تھا اور سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خوف الٰہی کی دہشت اس پر طاری ہو جاتی تھی ۔ حساب اور عقاب کے تصور سے وہ لرزہ بر اندام ہو جاتا تھا ۔ رقت اعصاب اور رقت حس سے مجبور ہو کر وہ کسی زاہد یا عالم کی خدمت میں پہنچتا تھا اور اس سے وعظ و تلقین کا جویا ہوتا تھا ۔ زاہد کی

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۹ ۔
۲ ۔ الفخری ، صفحہ ۲۶۳ ۔
۳ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۸ ۔

تلقین اور عالم کی نصیحت مبنی ہوتی تھی ، منطق سلیم ، بیان شیریں اور سحر کلام پر - اس کا دل خوف خدا سے معمور ہو جاتا تھا - اس کے سینے میں ایمان کا نور روشن ہو جاتا تھا - پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے - اس طرح اسے ایک طرح کا نفسی سکون حاصل ہوتا تھا - تاریخ میں بعض سنی خلفا کے واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی نماز میں اور تہجد میں رویا کرتے تھے اور اپنے دنیاوی اعمال کو یاد کر کر کے پشیمان ہوا کرتے تھے کہ آخرت میں کیا ہوگا؟ حساب اور عذاب کی دہشت انھیں سراسیمہ کر دیتی تھی - رشید کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھا جو اپنے دنیاوی اعمال سے پریشان و پشیمان ہو کر خوف خدا سے رونے لگتے تھے - لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ جب کبھی اور جہاں کہیں اور جس وقت بھی اس نے کوئی نصیحت کی بات سنی فوراً آنسو بہانے لگے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد ہارون میں لوگوں نے یہ بات جان لی تھی کہ وہ وعظ و پند کی باتیں سننے کا بہت شائق تھا اور لوگوں کی ایک کثیر جماعت تک اس کے گریہ اور خشوع کے واقعات پہنچ چکے تھے - چنانچہ بعض لوگ اس تاک میں رہتے تھے کہ کوئی موقع ملے تو کوئی ایسی بات جو مبنی بر نصیحت ہو ، اس سے کہہ دیں جس سے اس کی نگاہ میں ان کی وقعت بڑھ جائے - چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں طواف کر رہا تھا کہ سامنے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا : یا امیر المومنین ! میں چاہتا ہوں ، آپ سے ایک ایسی بات کہوں جو تند اور سخت ہے -

رشید نے جواب دیا :

نہیں اس کی ضرورت نہیں - اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جو تم جیسے لوگوں سے بہت بہتر تھا ، ان لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ، جو شر میں مجھ سے کہیں زیادہ تھے لیکن اسے تاکید فرمائی کہ لوگوں سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرے[1] -

طبری کی روایت ہے کہ ہارون ایک مرتبہ شکار پر گیا ہوا تھا کہ ایک درویش راستہ روک کر کھڑا ہو گیا - اس نے اسے نصیحت کی اور

۱ - البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۶ -

سخت الفاظ استعمال کیے۔

رشید نے کہا: اے شخص، میرے ساتھ مخاطبت اور گفتگو میں انصاف سے کام لے۔

درویش نے جواب دیا: تو جن ترش اور تلخ باتوں کا سزاوار ہے، جو کچھ میں نے کہا اس سے بہت کم ہے۔

ہارون نے درویش سے کہا: مجھے بتاؤ میں زیادہ بدتر اور خبیث ہوں یا فرعون تھا؟ درویش نے کہا: فرعون آپ سے کہیں زیادہ بدتر اور خبیث تھا۔

ہارون نے کہا: اب یہ بتاؤ، تم زیادہ بہتر ہو یا موسیٰؑ بن عمران؟ درویش نے جواب دیا:

موسیٰؑ کیا بات ہے؟ وہ تو صفی اللہ اور کلیم اللہ تھے۔

ہارون رشید نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب موسیٰؑ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان دونوں سے کہا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔ شاید وہ نصیحت حاصل کرے اور خدا سے ڈرنے لگے۔ درویش نے کہا: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہارون گویا ہوا: یہ فرعون اپنی شوکت و جبروت، سرکشی اور کفر میں بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا، اور تم مجھے جانتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں۔ میں ان فرائض کو ادا کرتا ہوں جو اللہ نے مجھ پر واجب کیے ہیں۔ ایک خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرتا۔ اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود پر عمل پیرا ہوں۔ امر بالمعروف بھی کرتا ہوں اور نہی عن المنکر بھی، لیکن اس کے باوجود نہایت سخت اور درشت الفاظ میں تم مجھے نصیحت کر رہے ہو۔ نہایت تلخ اور تند انداز کلام اپنی تلقین میں تم نے اختیار کیا، تم نے اس ادب کو ملحوظ نہیں رکھا جس کی تادیب خدا نے کی ہے، نہ صالحین کے اخلاق کو پیش نظر رکھا، پھر کون شخص اسے باور کرے گا کہ تمھیں میرے ساتھ اس طرح کی باتیں کرنے کا حق ہے؟ یہ باتیں تو خود تمھیں اپنے آپ سے کرنی چاہییں تھیں کہ مجھ سے زیادہ تم ان کے محتاج ہو۔

درویش نے کہا ، امیرالمومنین مجھ سے غلطی ہوگئی ، میں اللہ سے عفو کا طالب ہوں ۔

ہارون نے جواب دیا : اللہ تمہیں معاف کرے جاؤ ، اپنے رستے جاؤ[1]۔

اوپر جو چیزیں ہم نے بیان کیں ، ان کی روشنی میں ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ تقویٰ اور ایمان صحیح سے متعلق ہارون کا جو درجہ بھی ہو ، شراب نوشی کی تہمت اس پر کسی طرح بھی جائز نہیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ ان ضعیف روایات کی صحت پر یقین کر لیا جائے ، جو اس کی جانب منسوب کر دی گئی ہیں اور اسے بادہ نوش اور عیاش باور کر لیا جائے ۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے :

''شراب سے پرہیز کے بارے میں ہارون رشید کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اس سے قطعی اجتناب کرتا تھا ۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ اس نے ابو نواس شاعر کو اس جرم میں قید کر دیا کہ وہ بہ کثرت شراب پیا کرتا تھا اور اس وقت تک اسے رہا نہیں کیا جب تک اس نے شراب سے توبہ نہیں کر لی ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ رشید کھجور کے نبیذ پیا کرتا تھا ۔ اس کے جواز کا اہل عراق نے فتویٰ دے رکھا ہے اور یہ فتوے معروف و مشہور ہیں لیکن انگور کی خالص شراب پینے کا اتہام انتہائی زیادتی ہے ۔ یہ صرف بازاری افواہیں ہیں[2]۔''

ہمارے خیال میں ابن خلدون نے ہارون کا جو دفاع کیا ہے ، وہ بالکل درست اور بجا ہے ۔ نبیذ جس کے حلال ہونے کا فتویٰ جمہور فقہائے عراق نے جن میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل تھے ، دیا تھا ۔ اس میں کوئی حرام چیز نہیں تھی ۔

بعض لوگوں نے اس شراب حلال کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ :

''قرآن کریم میں تحریم خمر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی :

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۶ ۔

۲ ۔ مقدمہ ابن خلدون ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۵ ۔

انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

یعنی شراب ، جؤا اور انصاب و ازلام شیطانی کام ہیں ان سے اجتناب کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اسلام نے شراب اور نشہ آور چیزوں کا استعمال حرام قرار دیا لیکن اس آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلے میں چند سوالات پیدا ہوئے ۔ مثلاً خمر سے مراد کیا ہے؟ کیا یہ صرف انگور کا افشردہ ہے یا ہر نشہ آور چیز خمر ہے ؟ مقدار حرمت کیا ہے ؟ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو اس کا قلیل و کثیر ہر حصہ حرام ہے ، یا کثیر حلال ہے وغیرہ وغیرہ ؟ پھر فقہ کی دنیا میں نبیذ کا مسئلہ پیدا ہوا ، آیا یہ حلال ہے یا حلال نہیں ؟

یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ اور تابعین وغیرہ کے زمانہ میں بھی اختلافی صورت میں نمودار ہوا ۔ پھر ائمہ فقہ تک یہی صورت رہی ۔ ائمہ فقہ کا بھی اس مسئلے پر اتفاق نہیں ہو سکا ۔ امام مالک ، شافعی اور ابن حنبل نے پورے طور پر یہ دروازہ بند کر دینا چاہا ۔ چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ ہر وہ چیز جسے شراب کہا جائے ، حرام ہے ۔ لیکن امام ابو حنیفہ خمر کو افشردہ انگور قرار دیتے ہیں ۔ اور اس لفظ کے لغوی معنی پر استناد کرتے ہیں ۔ اس کے لغوی معنی افشردہ انگور ہی کے ہیں ۔ تائید میں وہ دوسری حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں ۔ ان کے اجتہاد کی رو سے بعض نبیذیں حلال ہیں ، جیسے کھجور کی نبیذ ، زیتون کی نبیذ ، بشرطیکہ ان کو زیادہ جوش نہ دیا جائے ۔ جیسے خلیطین یعنی تھوڑی سی کھجور اور تھوڑے سے منقے یہ دونوں چیزیں لے کر ایک برتن میں رکھ لی جائیں اور پھر ان پر پانی ڈال دیا جائے اور پھر ایک عرصے تک ان کو اسی حالت میں پڑا رہنے دیا جائے ۔ اسی طرح شہد ، انجیر ، اور گیہوں کی نبیذ ہے ۔ اپنے اس مسلک میں امام ابو حنیفہؒ صحابیٔ جلیل حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کرتے ہیں جن کے نزدیک نبیذ حلال تھی[۱] ۔

---

۱ ۔ ضحی الاسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۰ ۔

ہارون رشید جو چیز پیتا تھا ، وہ یہی نبیذ حلال تھی اور اسے بھی وہ اپنی مجلس خاص میں استعمال کرتا تھا ۔ جہاں گنے چنے چند لوگ ہوتے تھے اور ان مخصوص ندیموں کے علاوہ کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا تھا ۔ طبری کا بیان ہے کہ اپنے آخری ایام خلافت میں اس نے نبیذ کا استعمال شروع کیا تھا[1] ۔

جاحظ کا قول ہے :

''ہارون رشید ہر ہفتے میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ نبیذ پیا کرتا تھا ۔ یہ مجلس بالکل پرائیویٹ ہوتی تھی ، اور اس میں چند مخصوص ندیموں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا تھا ۔ تنہا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اسے پیتے ہوئے دیکھا ہے[2]۔''

ایک اور موقع پر جاحظ کہتا ہے :

''اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پانی کے علاوہ اس نے کوئی اور چیز رشید کو پیتے دیکھا ہے تو دشوار ہے ۔ اس لیے کہ شرب نبیذ کے وقت اس کی خاص کنیزوں اور ندیموں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا تھا[3] ۔''

ہمارے خیال میں جاحظ کی روایت بالکل درست ہے ۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ ہارون رشید کا معاصر تھا اور اس کے زمانے میں موجود تھا بلکہ اس لیے کہ دوسرے بہت سے تاریخی مصادر بھی اس کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں ۔

کتاب التاج میں مرقوم ہے :

''رشید کا یہ معمول تھا کہ مجلس طرب اور سماع میں جب کبھی وہ بیٹھتا تھا تو ایک موٹا سا پردہ سامنے ڈلوا لیتا تھا ، جو اس کے اور گانے والوں کے درمیان آڑ بن جاتا تھا ۔ تاکہ اگر وہ کوئی بے تکلفانہ حرکت کرے تو کسی کی نظر نہ پڑسکے[4]''

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۱۲ ۔
۲ ۔ کتاب التاج ، صفحہ ۱۵۳ ۔
۳ ۔ کتاب التاج ، صفحہ ۱۳۷ ۔
۴ ۔ کتاب التاج ، صفحہ ۹۲ ۔

یہ اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ کتب ادب میں اس کی شراب نوشی کے بارے میں جو روایتیں ہیں یا گانے والوں کے ساتھ اس کے مدہوش ہو جانے کے جو افسانے بیان کیے جاتے ہیں یا یہ کہ ایسے موقع پر وہ اول فول بکنے لگتا تھا یا اس طرح کی دوسری باتیں، یہ سب گھڑی ہوئی ہیں، ان کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ صحت سے بالکل عاری ہیں۔

بہت سے دلائل اس دعوے کی تائید میں موجود ہیں کہ رشید احکام دین کا پابند تھا اور ان کا پورا احترام کرتا تھا۔ ابو معاویہ ضریر محمد بن حازم کی روایت ہے کہ میں اس کے پاس جایا کرتا تھا اور اسے احادیث نبوی سنایا کرتا تھا۔ جب اس کے سامنے میرے منہ سے ''نبی'' کا لفظ نکلتا تھا تو بے ساختہ وہ کہہ اٹھتا تھا، صلی اللہ علیٰ سیدی رسول اللہ[1]۔

ابن کثیر کی روایت ہے کہ ہارون رشید اپنے خطبے میں احادیث نبوی، ان کے اسناد کے ساتھ بیان کیا کرتا تھا، لوگوں کی ایک معقول جماعت نے اس سے حدیث کا علم حاصل کیا، مثلاً سلیمان ہاشمی اور نواتہ بن عمرو وغیرہ[2]۔

اور ہمارے نزدیک یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ اپنے آخری ایام حیات میں رشید کا علمی اور دینی شغف فقہا اور شیوخ علم و ادب کے فیض صحبت سے بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ حالات نے رشید کو اس کا موقع نہ دیا کہ وہ منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے حصول علم کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ کر سکتا کیونکہ اس کے وقت کا بڑا حصہ جنگ اور جہاد میں صرف ہوتا تھا۔ حکومت کی بعض ذمے داریاں بھی اس کے کندھوں پر تھیں اور وہ انہیں انجام دیتا تھا لیکن تحصیل علم کی شدید لگن سے معرفت اور فوائد فکری سے متمتع ہونے کی غیر معمولی رغبت اسے بار بار اکساتی رہتی تھی کہ فرصت نکال کر پڑھنے لکھنے کا، علما کی مجالس میں بیٹھنے کا اور غیر معلوم مسائل کی تحقیق و

---

۱ - البدایہ و النہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۳ -
۲ - البدایہ و النہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۳ -

تفتیش کا وقت نکالے ۔ یہاں تک کہ ایسا مقام حاصل کر لے جو اس کا منتہائے مقصود تھا ۔ پھر عین عالم شباب میں جب وہ سریر آرائے خلافت ہوا تو علم و مطالعے کے اعتبار سے وہ ایک اوسط درجے کا آدمی تھا کوئی بلند پایہ عالم یا محقق نہیں ۔

لیکن خلافت کی ذمے داریاں سنبھالنے کے بعد اس منزل پر اپنے آپ کو اس نے مطمئن نہیں پایا ۔ علما اور فقہا کی مجلسوں میں اب وہ اور زیادہ شریک ہونے لگا ۔ اس نے اپنی مجالس علم کی زینت بڑھانے کے لیے علما کی بہت بڑی تعداد مملکت کے مختلف دیار و امصار سے بلا کر جمع کر لی تھی ۔ یہ مختلف النوع علوم کے ماہر تھے ۔ اب جو علمی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں وہ اس کے لیے ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ جن سے زندگی بھر وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتا رہا ۔

امام ابو یوسفؒ جو قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے اپنی کتاب الخراج کے مقدمے میں ہارون کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان کے لیے ایک ایسی جامع کتاب مرتب کروں جو خراج و عشور اور صدقات و جوالی وغیرہ کے سلسلے میں ایک ایسی چیز ہو جس کا مطالعہ نافع اور جس پر عمل درآمد آسان ہو ۔ امیرالمومنین کی اس خواہش میں یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ رعایا ظلم سے محفوظ ہو جائے اور اس کے معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں ۔ چنانچہ اے امیرالمومنین میں نے آپ کے لیے وہ کتاب لکھ دی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا اور معاملات و مسائل کی شرح و تبیین بھی آپ کے لیے کر دی ۔ اب آپ اسے سمجھیے اور اس پر غور کرنے کی کوشش کیجیے ؛ اسے بار بار پڑھیے یہاں تک کہ یہ آپ کو ازبر ہو جائے ۔ اس کتاب میں میں نے آپ کے لیے ایسی احادیث حسنہ بھی جمع کر دی ہیں جن میں ان چیزوں کی ترغیب پائی جاتی ہے جن کے آپ جویا ہیں اور جن پر عمل کرنے کے لیے بے قرار ہیں [۱] ''۔

---

۱ - مقدمہ کتاب الخراج ۔

امام ابو یوسفؒ کی یہ شہادت اس امر کا ثبوت ہے کہ ہارون رشید ان چیزوں کے فہم و ادراک کے لیے جن کا جاننا اس کے لیے ضروری تھا، کتنا اہتمام کرتا تھا۔

ہارون رشید کی زبان پر اکثر یہ قول جاری رہتا تھا:

"ایک فرماں روا کے لیے اس سے بڑھ کر بری بات کوئی نہیں کہ وہ عالم نہ ہو[1]"۔

واقعہ یہ ہے کہ اس قول کو اس نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ وہ ہمہ تن اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ رجالِ دولت کے اصحاب فکر و نظر کے مابین وہ سزاوار احترام قرار پائے، یا کم از کم یہ کہ ان میں جاہل نظر نہ آئے۔ اس کے واقعات و اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ گو بہت سے شیوخ علم کو اس نے اپنے گرد جمع کر لیا تھا مگر اسی پر وہ اکتفا نہیں کرتا تھا بلکہ اوقات فراغ میں فرصت کو غنیمت جان کر اور بھیس بدل کر بغداد کی مسجدوں میں اساتذہ آخرین کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوتا تھا۔ مسائل پر ان کی تقریریں کان لگا کے سنتا تھا۔ طلبا اور اساتذہ کے درمیان جو آزادانہ بحثیں ہوتی تھیں، انہیں گوش ہوش سے سماعت کرتا تھا کیونکہ یہاں بحث و گفتگو میں اس ضبط و نظم کی پابندی نہیں تھی جس کا قصر شاہی میں لازمی طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا[2]۔

ہارون رشید کی ایک خوش قسمتی یہ بھی تھی کہ اپنی حکمرانی کے ابتدائی سالوں میں جب کہ سفینۂ مملکت روانی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا اور زمام حکومت اس کے ہاتھ میں تھی، اسے کافی وقت علمی ذوق کے لیے مل جاتا تھا۔ فرصت کی ساعتیں زیادہ تر وہ حصول علم میں صرف کرتا تھا، اس نے لغت، حدیث اور نحو کے مانے ہوئے استادوں کو اپنے محل میں جمع کر لیا تھا اور اپنی مجالس میں بلا کر ان سے علمی اور فنی بحثوں میں گفتگو کیا کرتا تھا تاکہ جو کچھ چاہتا تھا حاصل کر لے۔ یہ شیوخ جن میں کسائی، مبارک بن فضالہ، ابو معاویہ، امام ابو یوسف

۱۔ تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۔

۲۔ الامامت و السیاست، جلد ۲، صفحہ ۹۱۔

اور اصمعی جیسے لوگ شامل تھے - اس کے ذوق علم کی تکمیل میں
بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے -

روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ ہارون رشید کے پاس آئے ۔ وہاں علی بن حمزہ کسائی بھی موجود تھے اور نحو کے بعض مسائل ہارون رشید کو سمجھا رہے تھے اور اس کے قواعد و غوامض کی شرح کر رہے تھے -

امام ابو یوسف نے کہا : ''یا امیرالمومنین ! یہ کوفی تو آپ کو بہت راس آیا -'' ہارون رشید نے جواب دیا : مجھے نحو سے بہت دل چسپی ہے اس لیے کہ معانیٔ قرآن اور فہم و شرح میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے -

امام ابو یوسفؒ نے کسائی پر چوٹ کرتے ہوئے کہا کہ نحو وہ علم ہے کہ اگر آدمی اس میں کمال حاصل کر لے تو بس معلم بن جاتا ہے ----کسائی ، رشید اور اس کی اولاد کو نحو کی تعلیم دیا کرتا تھا---- اور فقہ وہ علم ہے کہ اگر آدمی اس میں کمال حاصل کر لے تو قاضی بن جاتا ہے -

کسائی نے ابو یوسف کے اس طنز کا جواب دیتے ہوئے کہا ، جو کچھ آپ جانتے ہیں ، میں بھی جانتا ہوں ، اور جو کچھ میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتے -

پھر کسائی رشید کی طرف ملتفت ہوا اور کہا : اگر امیرالمومنین مناسب سمجھیں تو قاضی ابو یوسف کو حکم دیں کہ ایک فقہی مسئلے کا شافی جواب اگر دے سکتے ہیں تو مجھے دیں -

رشید نے تبسم کرتے ہوئے کہا : ہاں کیوں نہیں ! تم سوال کرو قاضی صاحب جواب دیں گے -

کسائی نے امام ابو یوسف سے سوال کیا : اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جس کا شوہر اس سے کہے :

''انت طالق ان دخلت الدار''

ابو یوسفؒ نے جواب دیا : اگر عورت گھر میں داخل ہوئی تو مطلقہ ہو گی -

''کسائی نے کہا : آپ نے غلط کہا اگر ان کو زیر ہے تو طلاق

واقع ہو گئی۔ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تو چونکہ گھر میں داخل ہو گئی ہے لہذا تجھ پر طلاق ہے اور اگر الف پر زبر ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوگی تو مطلقہ ہے۔"

امام ابو یوسف خاموش ہو گئے ۱۔

ہارون رشید، کوئی وقت بھی ہو اور کہیں بھی ہو علمی فوائد سے متتع ہونے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ خواہ وہ محفل علم ہو یا بزم لہو و طرب یا سیر و سفر۔

روایت ہے کہ ایام حج میں ایک مرتبہ زیارت کے ارادے سے وہ مدینہ منورہ حاضر ہؤا اور وہاں چند روز تک ٹھہرا۔ یہ وقت اس نے فقہا کی مجلس میں گذارا جن میں قاضی ابو یوسف بھی تھے۔ ایک دن اس نے امام مالکؒ کو اپنی مجلس میں طلب کیا۔ وہ تشریف لے آئے۔ شہادت اور شاہد کے مسئلے پر گفتگو چھڑی۔ رشید نے امام مالک سے درخواست کی کہ امام ابو یوسف سے وہ اس مسئلے پر مناظرہ کریں۔ امام مالکؒ نے خود تو مناظرہ نہیں کیا، اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا کہ وہ امام ابو یوسفؒ سے بحث کریں۔ اس نے بحث کی اور غالب آیا۔ رشید بہت خوش ہؤا اور اس فقیہہ کے ساتھ بہت زیادہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا جو حکومت کے قاضی القضاۃ پر فائق رہا تھا۲۔

ہارون رشید رقہ میں قیام پذیر تھا کہ ایک روز گھوڑ دوڑ کے میدان میں وہ پہنچا اور گھوڑ دوڑ شروع ہوئی۔ اس کا ایک گھوڑا سب سے آگے نکل گیا۔ اس بات سے ہارون بہت خوش ہؤا اور حکم دیا کہ اصمعی کو اسی وقت حاضر کیا جائے۔ اصمعی فوراً لا کر پیش کر دیا گیا۔ ہارون نے اس سے کہا: سب سے آگے آنے والے اس گھوڑے کی پیشانی پکڑو اور پھر اس کے سر سے پاؤں تک کے اعضا کا اشعار میں وصف بیان کرو۔ ان اعضا میں سے بیس کے نام پرندوں کے نام پر ہیں۔ اصمعی نے اسی

۱۔ معجم الادباء، جلد ۱۲، صفحہ ۱۷۹۔
۲۔ العقد الفرید، جلد ۱، صفحہ ۳۳۔

وقت ایک پرانے شاعر کا قصیدہ سنایا جس میں گھوڑے کے دس اعضا کے نام پرندوں کے نام سے مشابہ تھے - ہارون رشید یہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوا[1] -

---

۱ - الامامت و السیاست ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۲ -

مترجم کا نوٹ:

یہ روایت اگر درایت کی کسوٹی پر کسی جائے تو ناقابل اعتبار قرار پائے گی ، امام ابو یوسف کا فضل و کمال ، پایۂ اجتہاد ، ذہانت و فراست ، قوت استدلال ، علوم معقول و منقول پر کامل دسترس - یہ ایسی چیزیں تھیں کہ ہارون انہیں اپنی مملکت کا قاضی القضاۃ بنانے پر مجبور ہو گیا - ہارون امام ابو یوسفؒ کا حد درجہ احترام ملحوظ رکھتا تھا ، اپنی کتاب الخراج میں انہوں نے جس طرح ہارون کو مخاطب کیا ہے ، اسے نصیحتیں کیں اور مشورے دیے ہیں ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب ہارون سے نہ صرف یہ کہ ذرا بھی مرعوب نہیں تھے بلکہ پند و موعظت میں اس کے جلال و جبروت کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے تھے - اتنے بڑے مجتہد اور اتنے بڑے شخص اور حکومت کے اتنے بڑے رکن کو ایک معمولی سے مسئلے پر امام مالکؒ سے بھڑا دینا ، کسی طرح ممکن نہ تھا - یہ بات نہ ہارون رشید کے شایان شان تھی نہ ابو یوسفؒ اسے گوارا کر سکتے تھے -

اور یہ بات تو بالکل ہی خلاف قیاس اور ناقابل قبول ہے کہ امام مالکؒ نے امام ابو یوسفؒ سے خود بحث و گفتگو کرنے کے بجائے اپنے کسی شاگرد کو آگے بڑھا دیا ہو - یہ چیز بھی شائستگی اور متانت کے یکسر خلاف تھی جس کا امام مالکؒ جیسی شخصیت کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - اصل واقعہ یہ ہے کہ بعض مصنفین جو فقہائے عراق یعنی امام ابو حنیفہؒ کے مکتب فکر سے متفق نہیں ہیں اس طرح کی لایعنی باتیں جو پایۂ استناد سے قطعی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۲ پر)

ہارون رشید فوائد علمی و ادبی سے جہاں تک ہو سکتا تھا بہرہ ور ہوتا رہتا تھا۔ اچھے اچھے الفاظ اور جملے یاد کر لیتا تھا۔ خاص طور پر ایسے الفاظ اور جملے جو امور دین و دنیا کے فہم میں آسانی پیدا کرتے ہوں۔ یا بر سر منبر خطابت اور کلام میں کام دیتے ہوں ؛ یا عالموں ، ادیبوں اور لوگوں سے مخاطبت میں مدد دیتے ہوں۔ ایک مرتبہ اصمعی نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے ایک ثقیل اور متروک لفظ استعمال کیا۔ ہارون نے اس سے کہا: اے اصمعی اتنا علم ہمیں بھی آتا ہے کہ منبر کے زینے پر اور لوگوں سے گفتگو کرتے وقت اور تقریر کرتے وقت کام آ سکے۔ باقی رہے یہ ثقیل الفاظ اور غریب اشعار ، سو ان سے تو ہمیں معاف رکھو[۱]۔

اسی سلسلے میں ایک اور دل چسپ روایت بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ بھی اصمعی سے متعلق ہے۔ اصمعی کا بیان ہے ، عرصۂ دراز کی غیر حاضری کے بعد ایک مرتبہ میں خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجلس میں بہت سے لوگ موجود تھے ، میں نے سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۱)

ساقط ہیں ، روانی سخن اور زور کلام میں کٹ جاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ فاضل مؤلف کتاب جو روایات پر نقد و جرح بڑی بے باکی سے کرتے رہے ہیں ، اس روایت کو قبول کرنے میں انہوں نے کوئی تکلف محسوس نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود بھی اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کے مکتب فکر سے متعلق نا قابل قبول باتیں کرتا رہتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی کتاب میں سے جہاں کہیں انہوں نے امام ابو یوسف کا ذکر کیا ہے انہیں صرف قاضی لکھا ہے ، امام نہیں لکھا ، حالانکہ دوسرے ائمۂ فقہ کے لیے امام کا لفظ بڑی دریا دلی سے وہ استعمال کرتے رہے ہیں۔

۱۔ المقریزی ، صفحہ ۵۵۔

کیا - خلیفہ نے مجھ سے پوچھا : کس چیز نے تمھیں ہم سے غافل کر دیا تھا ؟ اتنے دن تک ہمارے پاس تم کیوں نہیں آئے ؟

اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا : یا امیرالمومنین میں بہت سے شہروں میں گھوما پھرا لیکن کسی نے مجھے اپنے ہاں روکا نہیں (مالا تتنی) صرف آپ کی کشش مجھے یہاں لے آئی ہے - خلیفہ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور خاموش ہوگیا - تھوڑی دیر کے بعد حاضرین مجلس اٹھ کر جانے لگے ، میں بھی اٹھ کھڑا ہوا لیکن خلیفہ نے اشارے سے مجھے جانے سے روکا - میں بیٹھ گیا ، یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے اور مجلس میں ہم ہی دو آدمی رہ گئے - خلیفہ نے مجھ سے پوچھا :

اے ابو سعید ! تم نے لا تتنی کا لفظ استعمال کیا تھا ، اس کے معنی کیا ہیں ؟ میں نے عرض کیا ، اس کے معنی ہیں ''اسکتنی'' (یعنی مجھے روک رکھا تھا) پھر میں نے ثبوت میں یہ شعر پڑھا :

تمھارے لیے وہ دست کافی ہے جو درہم کو روک رکھے (تلیق)
اور دوسرا وہ ہاتھ کافی ہے جس میں خون چکاں تلوار ہو

ہارون رشید نے کہا : ایک فرماں روا کے لیے یہ بات بہت معیوب ہے کہ وہ عالم نہ ہو - ایسے موقع پر اگر میں خاموش رہتا ہوں تو لوگ جان لیں گے کہ میں نہیں سمجھا ، کیونکہ جواب نہیں دیا ، اور اگر جواب دیتا ہوں اور وہ جواب صحیح نہیں ہے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں تمھاری بات پورے طور پر سمجھ نہ سکا - نتیجہ دونوں کا ایک ہے[1] -

ہارون رشید کی علمی رغبت اور علم کے اجلال و احترام کی کیفیت حد بیان سے باہر ہے ، وہ علما کا غیر معمولی احترام کرتا تھا ، ان کے فضل و کمال کا پورے طور پر قدر شناس تھا - محمد بن حازم جن کی کنیت ابو معاویہ تھی اور وہ نابینا تھے ، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہارون رشید کے ساتھ اس کے دسترخوان پر میں نے کھانا کھایا - کھانے کے بعد کسی آدمی نے میرے ہاتھ دھلائے جسے میں نہیں پہچانتا تھا - مجھ سے

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ▮ -

پوچھا گیا :

''تمہارے ہاتھ پر پانی کس نے ڈالا ؟ یہ بھی معلوم ہے ؟ ''

میں نے کہا : نہیں میں اسے نہیں جانتا ۔

مجھ سے کہا گیا کہ یہ امیرالمومنین تھے، جنھوں نے تمہارے ہاتھ دہلائے ۔

یہ سن کر میں مضطرب ہو گیا ، اور میں نے ہارون رشید سے کہا : یہ کام آپ نے کیا ؟ ہارون نے جواب دیا : ہاں ، یہ میں نے کیا ہے ۔ اس لیے کہ علم کی بزرگی کا تقاضا یہ تھا[1] ۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہارون رشید علم فقہ کے شیوخ میں ایک بہت بڑا شخص تھا ، نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لغت اور نحو کے اساتذہ میں اس کا شمار تھا اس لیے کہ اس کی اس سے توقع بھی نہیں کی جانی چاہیے لیکن وہ ایسا شخص ضرور تھا کہ اپنے زمانے کی تہذیب و حضارت کے لحاظ سے علم و فن میں اتنا بہرہ رکھتا تھا جو ایک خلیفہ کے شایان شان تھا ۔ علمی اعتبار سے بھی وہ اچھی خاصی منزلت کا حامل تھا ۔ لیکن جہاں تک ادب کا تعلق ہے اس میں تو اس کا پایہ ہی دوسرا تھا ۔

نثر و نظم میں مہارت

راویان ادب کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہارون رشید طبعاً ادیب اور شاعر پیدا ہوا تھا ۔ رقت طبع ، دقت شعور ، حسن ذوق ، ذکاوت ، یادداشت کی غیر معمولی قوت ، فوری اور برجستہ طور پر موزوں اور مناسب الفاظ کی طرف ذہن کا انتقال ، یہ ایسے کمالات تھے کہ جو شیوخ ادب ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اس کے سامنے بات کرتے ہوئے جھجھکتے تھے ، کہیں کوئی غلط لفظ منہ سے نہ نکل جائے ، کہیں کوئی غلط جملہ نہ بول جائیں[2] ۔ اگر کہیں خلافت کے بوجھ نے اسے دبا نہ رکھا ہوتا تو بلا شبہ اپنے وقت میں ادب کا نابغہ شمار ہوتا ۔

---

۱ ۔ الامامۃ والسیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹ ۔

۲ ۔ العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۳ ۔

نوعمری ہی سے عبارت کی بلاغت اور الفاظ کے اختصار کا وہ شائق تھا ۔ بڑا ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ خطاب میں قوی ، اسلوب میں متین ، تقریر میں دقیق ، اور گفتگو میں اختصار پسند تھا ۔ اشعار سے بھی اسے غیر معمولی شغف تھا ۔ بعض پرانے شاعروں کے دیوان اور کلیات اسے حفظ تھے[۱] ۔ شاندار اور فصیح و بلیغ قصائد سے اسے شروع ہی سے واسطہ پڑتا رہا تھا کہ راویان ادب اس کے حاشیہ نشین تھے ۔ جو شعر اس کی زبان پر آتا ، وہ اس کے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ۔ اشعار کے نقد و تحلیل میں بھی اس کا ذہن خوب کام کرتا تھا اور ان کی شاعری سے بھی وہ پورے طور پر واقف تھا ۔ کتب ادب میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ نثر و نظم میں اسے کتنی غیر معمولی مہارت حاصل تھی ۔

خلفا اور وزرا مختصر اور بلیغ جملے اپنے رقعات و توقیعات ، اپنے فرامین و رسائل میں لکھا کرتے تھے ۔ ہارون رشید اس معاملے میں بھی سب سے آگے تھا ۔ یہ بلیغ اور مختصر جملے فرمان یا مکتوب کے آخر میں روح سخن کے طور پر مہر لگانے سے پہلے لکھے جاتے تھے ۔ ان توقیعات کی طرف بطور خاص ادیب متوجہ ہوتے ۔ وہ انہیں تلاش کر کر کے جمع کرتے تھے ۔ بعض دفعہ روپیہ صرف کر کے ، رقم خرچ کر کے اپنے مؤلفات کے لیے انہیں فراہم کرتے تھے ۔ روایت ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی کی توقیع کی قیمت ایک دینار سے دو دینار تک تھی ۔ لیکن جاحظ کا بیان ہے کہ برامکہ کی توقیعات رشید کی توقیعات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں[۲] ۔

فارس کے عالم کے نام ایک فرمان میں ایک ایسے کام سے متعلق جس میں اس نے عدل کو ملحوظ نہیں رکھا تھا ہارون نے یہ فقرہ بڑھا دیا :

''مجھ سے اس طرح ہوشیار رہنا جس طرح لوگ شبخون سے ہوشیار رہتے ہیں ۔''

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۹۳ ۔

۲ ۔ البیان و التبیین جلد ۲ ، صفحہ ۳۹ ۔

سندھ کے عامل کے نام ایک فرمان کے آخر میں اس نے ایک جملہ لکھا :

''جو جاہلیت کی طرف دعوت دیتا ہے وہ موت کو بلاتا ہے۔''

اسی طرح اس نے عامل خراسان کے نام ایک مراسلے کے آخر میں تحریر کیا :

''زخم کا مداوا کر لو ، ایسا نہ ہو وہ پھیل جائے۔''

طبرستان کے عامل کو جب کہ اس کی ولایت میں بغاوت و سرکشی کی آگ سلگ اٹھی تھی ، اس نے ایک فرمان بھیجا جس کے آخر میں دو لفظ اپنے قلم سے بڑھا دیے :

''جو سر اونچا اٹھاتا ہے ، وہ اپنے پورے بدن سمیت لڑھک کر گر پڑتا ہے۔''

اسی طرح اس نے رے کے عامل کو لکھا :

''سلوک و سلاطین اپنا حصہ لے کر رہتے ہیں۔''

روم کے بادشاہ نے ایک مرتبہ اسے خط لکھا اور اعلان جنگ کی دھمکی دی۔ رشید نے اسے جو سرکاری جواب بھیجا اس کے آخر میں لکھ دیا :

''کافر کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے[۱]''۔

ایک شخص نے خلیفہ کے عمال میں سے کسی کی شکایت کی اور انصاف طلب کیا۔ ہارون رشید نے اس کے نام جو تحریر بھیجی اس میں اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا :

''عدل سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کا حق نہ مارو''۔

اسی طرح ایک دوسرے خط میں ایک جلیل الشان شخص کو جس پر عامل نے بہت ظلم کیا تھا ، اس نے لکھا :

''اس کا منصب ہم تم کو سونپتے ہیں لیکن خبردار اس کی سیرت نہ اختیار کر لینا''۔

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۷۱ ۔

ایک قیدی کے فرمان رہائی پر اس نے لکھا :

"جو اللہ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے ، نجات پاتا ہے[1]"۔

فن خطابت میں رشید کو غیر معمولی کمال حاصل تھا ۔ ممبر پر نمودار ہونے کے بعد اس کے دست و پا کی جنبش ، جلال آغاز ، انداز تکلم کا حسن اور لہجے کی فصاحت ، ایک عجیب سماں پیدا کر دیتی تھی ۔ اس کے خطبات کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ ان میں قرآن کے الفاظ نہایت بر محل استعمال کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد اس نے کہا :

لوگو !

"میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ سیآت کو مٹا دیتا ہے ، صفات کو دوگنا کر دیتا ہے ، جنت کی کامرانی سے ہم کنار کرتا ہے ، جہنم کی آگ سے نجات دیتا ہے ۔ میں تمھیں اس دن سے ڈراتا ہوں جب بصارت کام نہ دے گی اور اسرار ظاہر ہو جائیں گے ۔ جس دن بدی کی تلافی نہ ہو سکے گی اور نیکی میں کوئی اضافہ نہ ہوسکے گا ۔ وہ دن ہوگا مصیبت کا ، کیونکہ قلوب سینے سے نکل کر حلق میں آ جائیں گے ، ظالموں کے لیے گرم پانی ہوگا اور کوئی ان کا سفارش کرنے والا نہ ہوگا ۔ اس دن آنکھوں کی خیانت بھی ظاہر ہوگی اور دل کے چھپے ہوئے بھید بھی ۔ لوگو ! اس دن سے ڈرو جس روز تم خدا کے پاس لے جائے جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا ۔

اللہ کے بندو !

تم عبث اور بے کار نہیں پیدا کیے گئے ۔ نہ تمھیں بے کار بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اپنے ایمان کو امانت سے تقویت دو ۔ اپنے دین کو ورع سے قوت پہنچاؤ ، اپنی نماز کو زکوٰۃ سے مستحکم کرو ۔ تم ایسے مسافر ہو جس کا سفر جاری ہے ، بہت جلد دار فنا سے دار بقا کی طرف منتقل ہو جاؤ گے ۔ پس مغفرت کی طرف توبہ کا توشہ

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ ۔

لے کر بڑھو - رحمت کی طرف تقویٰ کی پونجی لے کر لپکو ، ہدایت کی طرف امانت کی زاد راہ لے کر بڑھو اور خام آرزوؤں سے بچو ؛ انھوں نے بہتوں کو کہیں کا نہ رکھا اور توبہ اور استغفار کا بھی یارا نہ رہا اور وہ چیز بھی نہ ملی جس کی انہیں جستجو تھی - لوگو ! میں تمہیں اسی چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے اور اسی چیز سے منع کرتا ہوں جس سے اللہ نے منع کیا ہے - اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے استغفار کرتا ہوں[1] "۔

ساتھ ہی ساتھ فکر صائب اور منطق سلیم سے ہارون رشید متاثر بھی ہوتا تھا - کلام کی بلاغت اسے مسحور کر دیتی تھی - نطق رقیق کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا تھا - ایسے موقع پر سائل کو جی بھر کے انعام دیتا تھا اور سائل کو معاف کر دیتا تھا بشرطیکہ وہ اعتذار میں حسن کلام سے کام لے -

رشید کے بھائی ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ میں ایک روز اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں ایک طباق پیش کیا گیا ، جس میں ایک رقعہ بھی رکھا ہوا تھا - رشید نے رقعہ پڑھا تو بہت لطف اندوز ہوا - میں نے عرض کیا : یا امیرالمومنین ! کس بات سے آپ اتنا خوش ہوئے ؟ اس نے جواب دیا : عبدالملک بن صالح ہاشمی نے یہ ہدیہ مجھے بھیجا ہے ، پھر وہ رقعہ میری طرف بڑھا دیا - میں نے پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد لکھا تھا :

"یا امیرالمومنین ! میں ایک باغ میں داخل ہوا ، جسے آپ کے لطف و کرم کے باعث خود میں نے بنایا تھا - اس کے پھل اور فواکہ پک چکے تھے - میں نے ہر ایک میں سے کچھ حصہ لیا اور طباق میں رکھ کر امیرالمومنین کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ یہ چیز اس شخص کی خدمت میں پہنچ جائے جس کے لطف و کرم کے باعث میں اس چیز کا مالک بنا "۔

---

۱ - العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۷ -

میں نے کہا: یا امیر المومنین ! اس میں خوشی کی کیا ایسی بات ہے ؟

رشید نے جواب دیا ، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے اطباق قضبان کا لفظ استعمال کیا ہے جو کنایہ ہے خیزران کے نام سے[1] ۔

ایک دفعہ ہارون ایک سرکش اور باغی شخص پر بہت خفا ہؤا اور حکم دیا کہ نطع اور تلوار لائی جائے تاکہ اسے قتل کر دیا جائے ۔

وہ شخص رونے لگا ۔ رشید کو حیرت ہوئی ، اس نے پوچھا : ''تو رو کیوں رہا ہے ؟''

اس نے جواب دیا : یا امیرالمومنین ، خدا کی قسم ! موت کی دہشت سے مجھے رونا نہیں آ رہا ہے اس لیے کہ وہ تو قطعی اور یقینی ہے ، اسے آنا ہی ہے ۔ البتہ اس بات پر مجھے رونا آرہا ہے کہ دنیا سے میں اس حالت میں رخصت ہوں کہ امیرالمومنین مجھ سے خفا ہیں ۔

ہارون کو یہ بات پسند آئی اور اس نے اسے معاف کر دیا[2] ۔

اصمعی کی روایت ہے کہ ایک روز میں رشید کے پاس بیٹھا ہؤا تھا کہ عبدالملک بن صالح عباسی ہتھکڑی ، بیڑی میں جکڑا ہؤا لایا گیا ۔ ہارون اس کی سرگرمیوں سے متعلق بدگمان تھا ، اس نے اسے جیل بھیج دیا ۔ دونوں کے مابین کافی تلخ گفتگو ہوئی ، جس سے رشید اور بھڑک اٹھا ۔ یحیٰی بن خالد بھی اس وقت موجود تھا ۔ اس نے چاہا کہ بات ٹل جائے اور یہ شخص بچ جائے ۔ اس نے اس سے کہا : تو حاسد ہے !

عبدالملک نے جواب دیا :

اللہ تعالیٰ وزیر صاحب کو خوش رکھے ۔ اگر حسد نام ہے اس خیر و شر کا جو میرے پاس ہے تو یہ دونوں باقی رہیں گے ۔

ہارون رشید کو یہ جواب پسند آیا ، وہ میری طرف متوجہ ہؤا اور اس نے کہا :

اصمعی ، اس بات کو لکھ لو ۔ خدا کی قسم ! حسد کے بارے میں اتنے

---

۱ ۔ محاسن الملوک ، صفحہ ۸۵ ۔
۲ ۔ امالی القالی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۷ ۔

مزے کی بات میں نے آج تک کسی اور سے نہیں سنی تھی[1]۔

ایک مرتبہ خوارج میں سے ایک شخص نے باغیانہ حرکت کی۔ ہارون رشید نے اس کے تعاقب میں سپاہی بھیجے، گرفتار کرکے وہ اس کے سامنے لایا گیا۔

رشید نے غضب ناک ہو کر، اس حالت میں کہ اس کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا، پوچھا:

"تم کیا چاہتے ہو، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

خارجی نے جواب دیا: "وہی سلوک کہ جب آپ خدا کے سامنے ہوں گے اور وہ آپ سے کرے گا"۔

ہارون نے سر جھکا لیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا: "اسے چھوڑ دو!"

خارجی جب ہارون کے پاس سے چلا گیا تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: امیرالمومنین! آپ نے روپیہ صرف کیا، اپنے آدمیوں کو مبتلائے زحمت کیا اور اس شخص کا صرف ایک جملہ سن کر اسے رہائی بخش دی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امیرالمومنین شر انگیزوں سے اس کے بعد محفوظ نہیں رہیں گے۔

ہارون نے حکم دیا: "اسے پکڑ لاؤ!"

خارجی سمجھ گیا کہ لوگوں نے اس کے خلاف خلیفہ کو بھڑکا دیا ہے۔ وہ واپس آیا اور اس نے کہا:

"یا امیرالمومنین اپنے اسیر کے بارے میں دوسروں کی رائے پر کان نہ دھریے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں اگر دوسروں کی رائے پر کان دھرتا تو ایک لمحے کے لیے بھی آپ خلیفہ نہیں رہ سکتے تھے۔"

رشید نے کہا: اسے چھوڑ دو اور اب اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا[2]۔

اس سے بھی زیادہ عجیب برتاؤ، ہارون رشید کا شعرا کے ساتھ تھا۔ اگر کوئی شعر اس کے ذوق کے مطابق ہوتا تھا تو وہ اس طرح یاد رہ جاتا تھا

---

۱ - مروج الذہب، جلد ۴، صفحہ ۲۰۳۔
۲ - المختار، صفحہ ۷۷۔

کہ وہ اسی وقت اس کے بارے میں اپنی یادداشت سے سب کچھ بتا دیتا تھا ۔

منصب خلافت پر ہارون جب فائز ہؤا تو اس کے کچھ عرصہ بعد مروان بن ابی حفصہ پہلی مرتبہ اس کی خدمت میں حاضر ہؤا اور شعر گوئی کی اجازت طلب کی ۔

ہارون رشید نے اس سے کہا ، ”کیا تو وہی شخص نہیں ہے جس نے معن بن زائدہ کا مرثیہ کہتے ہوئے یہ شعر کہے تھے :-

اقمنا بالیمامۃ بعد معن
مقاماً لا نرید لہ زوالا
و قلنا این یذہب بعد معن
و قد ذہب النوال فلا نوالا

یعنی :

معن کے بعد ہم یمامہ میں ٹھہرے
ایسی جگہ جس کے ادبار کا گمان بھی کبھی نہ تھا
ہم نے کہا اب معن کے بعد ہم کہاں جائیں
کیونکہ اس کے ساتھ تو بذل و نوال بھی رخصت ہو گئے

پس اگر تو انعام کا مستحق تھا ، تو وہ تو ابن زائدہ کے ساتھ گیا ، پھر تو میرے پاس کس لیے آیا ہے ؟ میں کیا کروں ؟ اس کے بعد حکم دیا اسے دربار سے نکال دیا جائے ۔ وہ دربار سے چلتا کر دیا گیا ۔

دوسرے روز مروان پھر آیا اور ایک نہایت زبردست قصیدہ رشید کی شان میں سنایا ، جو اسے بہت پسند آیا ۔ اس نے پوچھا : ”اس قصیدے میں کتنے اشعار ہیں ؟“ شاعر نے جواب دیا ”سو“ ۔

ہارون رشید نے حکم دیا ، ”اسے ایک لاکھ درہم عطا کیے جائیں۔“ اور اس کا سالانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا جس سے وہ اپنے مرنے کے وقت تک فائدہ اٹھاتا رہا[1] ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۱۴۷ ۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ مروان کا یہ واقعہ مہدی کے ساتھ پیش آیا تھا ۔

ایک مرتبہ اس کا ایک مصاحب حاضر خدمت ہؤا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے مامون کو ہنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے کہا: اللہ اس کی نیکیوں میں اضافہ کرے اور اس کی برکتیں وسیع کرے یہاں تک کہ اس کا ہر روز گذشتہ کل سے بہتر ہو اور آنے والے کل کے لحاظ سے کم ہو۔

رشید نے کہا: یہی مفہوم تم سے پہلے، اعشیٰ ہمدان نے بھی اپنے اشعار میں ادا کیا ہے:

و جد تک امس خیر بنی لؤی
وانت الیوم خیر منک أمس
و انت غداً تذیدا الخیر ضعفاً
کذ اک تذید سادة عبد شمس

یعنی:

میں نے تیرے گزرے ہوئے کل کو بہتر پایا
اور تیرا امروز، گزرے ہوئے کل سے بھی بہتر ہے
اور آنے والے کل کو تیری خیر مضاعف ہو جائے گی
عبد شمس کے سرداروں کی خیر اسی طرح بڑھتی رہے گی۔

ایک مرتبہ اسے اطلاع ملی کہ شاعر مسلم بن ولید نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور بنی عباس کی بیعت ترک کر دی ہے۔ اس نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جہاں وہ چھپا ہؤا تھا وہاں سے پکڑ کر لایا گیا۔ ہارون کی نظر اس پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ اس کا رنگ رخ بدل گیا ہے اور حالت غیر ہوتی جا رہی ہے، اسے وہ مجلسیں یاد آ گئیں جو اس کے ساتھ گزری تھیں، اور وہ قصائد بھی یاد آئے جنھیں وہ ذوق کے ساتھ سنا کرتا تھا۔ اس کا دل پگھل گیا، اس نے کہا:

"کہو مسلم کیا حال ہے؟ کیا یہ شعر تمھارا نہیں ہے:

أنس الھوی بنی العمومة فی الحشا
و راه یطمح عن بنی العباس"

یعنی:

میری محبت میرے بنی اعمام کے ساتھ جان و دل سے وابستہ ہے

اور میں محسوس کرتا ہوں وہ بنی عباس سے روگرداں ہے۔
مسلم نے جواب دیا:
جی نہیں، بلکہ امیرالمومنین! میں نے تو یہ بھی کہا ہے:

أنس الھوی بنی العمومۃ فی الحشا
مستتر حشاً فی سائر الأجناس
و اذ اتکلمت الفضائل کنتم
اولی بذالک یا بنی العباس"

یعنی:

میری محبت میرے بنی اعمام کے ساتھ جان و دل سے وابستہ ہے
اور دوسرے تمام لوگوں سے روگرداں ہے
اور جب فضائل کی تکمیل ہوئی تو
اے بنو عباس تم سب سے آگے نکل گئے

مسلم کی برجستہ گوئی ہارون کو پسند آئی اور اس نے اسے معاف کر دیا[1]۔

ہارون رشید کو شعر و شاعری سے بے انتہا دل چسپی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ شعر اس کی روح کی غذا تھا تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ کسی حال میں، کسی جگہ ہو، شعر سننے کا شوق ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، بیمار ہو یا تندرست، محل میں ہو یا سفر میں، مجلس قضا میں بیٹھا رد مظالم کے فیصلے کر رہا ہو۔ میدان جہاد میں ہو یا عرصۂ قتال میں، اکل و شرب میں مصروف ہو یا کوئی اور ضروری کام کر رہا ہو، سماع شعر سے انکار کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ البتہ موسم حج میں شعرا سے دور رہتا تھا، اس اندیشے سے کہ اس دل چسپی میں منہمک ہو کر ذکر الٰہی کے ان اوقات سے دور نہ ہو جائے جو عبادت اور استغفار کے لیے مخصوص ہیں[2]۔

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک روز میں رشید کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ بخار میں مبتلا تھا، کہنے لگا:

"کوئی اچھا سا شعر سناؤ۔"

---

۱ - العقد الفرید، جلد ۱ ؛ صفحہ ۱۶۹ -
۲ - الاغانی، جلد ۳ ؛ صفحہ ۳۰۵ -

میں نے عرض کیا کس طرح کا شعر آپ سننا پسند کریں گے؟ سرور و نشاط سے لبریز یا غم و اندوہ سے بھر پور؟ جواب دیا: ایسے اشعار سناؤ جو اثر انگیز ہوں۔ نہ بہت زیادہ غمگین کرنے والے ہوں، نہ بہت زیادہ سر مست کرنے والے۔ میں نے عدیل بن فرخ عجلی کے حسب ذیل اشعار سنائے:

صحا عن طلاب البیض قبل مشیبہ
و راجع غض الطرف نھر خفیض
دعا نی لہ یوما ھوی فاجابہ
فؤاد از یلتقی المرض مریض
لمستاً تسات بالحدیث کانہ
تھلل غر بر قھن و میض

یعنی:

بڑھاپا آنے سے پہلے نازنینوں کے جادو سے وہ ہوش میں آ گیا
اس نے آنکھیں جھکا لیں
ایک دن مجھے اس کی محبت نے بلایا، اس کا جواب دل نے دیا اسطرح
جیسے کوئی مریض، مریض سے ملتا ہے
وہ باتیں انس و ہوا کی
جیسے بجلی کوندی اور چاند چمکا

یہ اشعار سن کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ بار بار تاکید کرتا، پھر سناؤ۔ میں نے اتنی مرتبہ یہ اشعار سنائے کہ اسے زبانی یاد ہو گئے[1]۔

ایک روز اس کی سواری کا جلوس نکلا۔ راستے میں بنی امیہ کے ایک آدمی نے اسے روکا۔ وہ بے انتہا خائف تھا، اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا جس میں اشعار درج تھے جن کے ذریعے وہ اس کے لطف و کرم کا متمنی اور امان کا طالب تھا۔ رشید نے اس کے ہاتھ سے رقعہ لے لیا۔ بڑھا سواری چلتی رہی۔ اشعار پسند آئے۔ اسے امان نامہ عطا فرما دیا اور ہر

۱۔ الاغانی، جلد ۲۰، صفحہ ۱۹۔

شعر کا ایک ہزار دینار صلہ دیا اور کہنے لگا:

"اگر تم نے اور زیادہ اشعار کہے ہوتے تو میرا صلہ بھی اور زیادہ ہوتا[1]۔"

ایک مرتبہ رشید اپنی مجلس میں بیٹھا، معاملات و مقدمات کے فیصلے کر رہا تھا کہ علی بن خلیل بھیس بدلے ہوئے آیا، اس پر یہ الزام تھا کہ زندیق ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ اس نے رشید کو ایک قصیدہ سنایا جس میں یہ اشعار بھی تھے:

یا خیر من جدت لہ حلتہ
بحب الرکاب بھمہ جلس
انی لجات الیک من فزع
قد کان شردنی من الانس
و اخترت حلمک لا اجا وزہ
حتی اغیب فی ثری دمسی

یعنی:

اے بہترین وہ شخص جس کی ملاقات کے لیے صحراؤں کو طے کر کے تیز رو سواریاں آتی ہیں
میں دہشت زدہ ہو کر تیری پناہ کا طالب ہوں
کچھ لوگوں نے مجھے غریب البلاد بنا رکھا ہے
اب میں تیرے حلم سے آس لگائے ہوئے ہوں
یہاں تک کہ میری ہڈیاں مٹی ہو جائیں

پھر اس نے زندقے کی تہمت سے اپنے آپ کو بری بتایا۔ ہارون رشید نے کہا:

"جاؤ ہم تمھیں امان دیتے ہیں[2]۔"

ہارون رشید نے خالد بن یزید بن حاتم مہلبی کو موصل کا حاکم بنایا۔ خالد جب شہر میں داخل ہؤا تو اس کا جھنڈا پھٹ کر گر پڑا۔

۱۔ المسعودی، جلد ۲، صفحہ ۳۰۴۔
۲۔ محاسن الملوک، صفحہ ۲۵۔

خالد نے اسے بد شگونی سمجھا ، اس کے ساتھ ایک شاعر بھی تھا ، اس نے کہا :

ماکان منکسر اللواء نطیرة
تخشی ولا امر یکون مزیلا
لکن ھن الرمح اضعف دکنہ
صغرا لو لایة فاستقل الموصلا

یعنی :

یہ جھنڈا کسی بد شگونی کے باعث نہیں پھٹا ہے
جس سے تم خائف ہو ، نہ کوئی اور پریشانی کی بات ہے
اصل بات یہ ہے کہ پرچم والے نیزے کا یہ حصہ اس لیے کمزور نظر آیا کہ
جہاں حکومت کرنے جا رہے ہیں وہ جگہ ہماری شان سے کم ہے

یہ خبر ان اشعار کے ساتھ رشید کے کانوں تک بھی پہنچی ۔ اس نے خالد بن یزید کی ولایت میں توسیع کر دی اور شاعر کو انعام دیا[1] ۔

ہارون کو شعر و سخن کی پرکھ میں غیر معمولی کمال تھا ہی ، وہ باریک بیں بھی اتنا تھا کہ شاعروں کی غلطیاں بڑی آسانی سے پکڑ لیتا تھا ۔ اوس کا بیان ہے ، ایک مرتبہ میں نے رشید کو نابغہ جعدی کے کچھ اشعار سنائے ، جب میں اس شعر پر پہنچا :

''اشم طویل الساعدین شمردل ،
اذا لم یرح للمجد اصبح غادیا''

رشید نے کہا : بات کچھ بنی نہیں ۔ میں نے عرض کیا : تو امیرالمومنین اسے پھر کیا کہنا چاہیے تھا ۔

رشید نے کہا ''مجد'' کے بجائے اگر وہ ''معروف'' کا لفظ استعمال کرتا تو زیادہ بہتر تھا ، مثلاً یوں کہتا :

''اذا راح للمعروف اصبح غادیا''

میں نے عرض کیا ، یا امیرالمومنین ! اس فن میں آپ اس سے

---

١ ۔ ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ١٣٥ ۔

بہت زیادہ ہیں۱ ۔

ابو نواس شاعر مصر کے سفر سے واپس آیا ، تو رشید نے اس سے پوچھا : اہل مصر نے تمھاری پٹائی کیوں کی ؟ ابو نواس نے جواب دیا : یا امیرالمومنین ! اس لیے کہ میں نے ان کے امیر خصیب کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا :

''فان یک باق انک فرعون فیکم

فان عصا موسیٰ بکف خصیب''

یہ شعر سن کر لوگ غضب ناک ہو کر مجھ پر پل پڑے اور کہنے لگے : اے دشمن خدا ! حضرت موسیٰؑ کا معجزہ تو نے خصیب سے منسوب کر دیا اور اس کے بعد بے تحاشا مجھے پیٹنا شروع کر دیا ۔ رشید ہنس پڑا ، اور اس نے کہا : اگر تم نے مصرعہ ثانی اس طرح کہا ہوتا :

''و باق عصا موسیٰ بکف خصیب''

تو بات بھی بن جاتی ، شعر بھی مزے دار ہوتا اور تمھاری پٹائی بھی نہ ہوتی ۔ ابو نواس نے کہا : واقعی اس طرف میرا ذہن منتقل نہیں ہوا ۔ یا امیرالمومنین ! اس فن میں آپ مجھ سے کہیں زیادہ آگے ہیں۲ ۔

ایک مرتبہ مشہور رجز گو شاعر عمانی نے رشید کے سامنے اپنا ایک طویل رجزیہ پڑھا ۔ جس کے بعض اشعار گھوڑے کی تعریف میں تھے ، ایک شعر یہ بھی تھا :

''کان اذنیہ اذا تشوفا ،

قادمۃ او قلما محرفا''

رشید نے اسے وہیں روک دیا اور کہا ، ''کان'' کے بجائے ''تخال'' کر دو ، شعر زیادہ اچھا ہو جائے گا ۔

ہارون رشید کے سوا حاضرین میں سے کسی کی نظر بھی اس نحوی غلطی کی طرف نہیں گئی۳ ۔

---

۱ ۔ خزانۃالادب ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰۷ ۔

۲ ۔ دیوان المعانی ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶ ۔

۳ ۔ دیوان المعانی ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶ ۔

ہارون رشید کے اشعار

ہمارے سامنے ایک مجموعہ اشعار ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رشید کے ہیں ۔ ان میں معتدبہ حصہ ایسے اشعار کا ہے جو کہے ہوئے دوسرے شاعروں کے ہیں لیکن منسوب رشید سے کر دیے گئے ہیں ۔ تاہم مختلف کتب ادب اور مختلف مصادر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہارون شعر کہتا تھا ، طبع موزوں پائی تھی اور اپنے خیالات بڑے سلیقے سے نظم کرتا تھا ۔ ایک تحقیق کرنے والا محسوس کرے گا کہ یہ اشعار اپنے انداز و اسلوب کے اعتبار سے متباین قسم کے ہیں ۔ سوز و گداز سے بھرے ہوئے شعر بھی ہیں ، رواں اور شگفتہ بھی ، پست اور مبتذل بھی ۔ قیاس غالب یہ ہے کہ یہ آخری قسم دوسروں کی کارفرمائی ہے یا کسی وقتی تاثر کے ماتحت برجستہ ایسے اشعار نظم ہوگئے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ، کیونکہ اس فن رفیع کی طرف پورے طور پر متوجہ اور منہمک ہونے کا وقت وہ شخص کہاں سے نکال سکتا تھا ، جسے خلافت کی گراں بار ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہو؟

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنی ایک جاریہ کو طلب کیا ۱ جس نے کل آنے کا وعدہ کیا تھا ، لیکن وعدہ کے دوسرے روز آئی ۔ ہارون نے کہا :

اَیا من ددودی اُمـ
ـس لا اعطیکـه الیوما
و لا و الله لا اعطیک
الا الصد و اللوما
و ان کابقاہی منک
حب یمنع النوما
ایا من منته الوصل
تـاعلی الهجر و الیوما !

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۲۰ ۔

یعنی :

جس نے کل میری محبت ٹھکرا دی
آج میں اسے محبت کا نذرانہ دینے کو تیار نہیں ہوں ،
بخدا میں تمہیں سوا
ملامت اور برگشتگی کے کچھ نہیں دے سکتا ۔
اگرچہ میرے دل میں تیری محبت اس طرح جا گزیں ہے
جس نے میری نیند حرام کر رکھی ہے ،
اے وہ محبوب جس کا شیوہ وصل ہونا چاہیے تھا ،
اس نے اپنا نرخ بڑھا دیا ہے

ایک اور روایت ہے کہ رشید کی ایک جاریہ کا نام ہیلن تھا ۔ وہ اسے بہت چاہتا تھا ۔ اس کا انتقال ہو گیا ۔ ہارون نے ایک درد انگیز مرثیہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

قاسیت او جاعاً و احزانا
لما استخص الموت هیلانا
فارقت عیشی حین فارقتها
فما ابالی کیفما کانا
کانت هی الدنیا فلما ثوت
فی قبرها فارقت دنیانا
قد کثر الناس و لکننی
لست اری بعدک انسانا
و الله لا انساک ما حرکت
ریح باعلی نجدا غصانا[۱]

یعنی :

میں نے بہت سے دکھ جھیلے ، تکلیفیں سہیں
جب موت نے ہیلن کو آ لیا ۔
میں نے اپنی زندگی سے ، اس سے جدائی کے بعد منہ موڑ لیا

---

۱ ۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۶ ۔

اب مجھے کچھ فکر نہیں کہ کس ڈھب سے گزرتی ہے
میری دنیا وہی تھی ، وہ قبر میں پہنچ گئی ،
تو اب میں اس دنیا کا کیا کروں ؟ اسے بھی چھوڑا ،
آدمیوں کی کیا کمی ہے ،
لیکن تیرے بعد بھی کوئی آدمی ہے ؟
خدا کی قسم میں تجھے فراموش نہیں کر سکوں گا
جب تک نجد کی ہوائیں ٹہنیوں کو جنبش دیتی رہیں گی

رشید کی تین کنیزیں اس کے ساتھ محل میں رہتی تھیں ، ان کے بارے میں کہتا ہے :

ملک الثلاث الغانیات عنانی
وحللن من قلبی بکل مکان
مالی تطاوعنی البریۃ کلھا
و اطیعھن وھن فی عصیان
ماذاک الا ان سلطان الھوی
و بہ قوین اعز من سلطانی[1]

یعنی :

میری توجہ کو تین فتنہ طراز نازنینوں نے گھیر رکھا ہے
اور میرے دل کے ہر گوشے میں جگہ بنا رکھی ہے ،
یہ کیا بات ہے کہ سارا زمانہ میرا فرمان بردار ہے
لیکن میں ان کا مطیع ہوں حالانکہ یہ سرکش اور نا فرمان ہیں
بات اس کے سوا کچھ نہیں کہ سلطان محبت ان کی مٹھی میں ہے
اسی لیے ، یہ مجھ سے زیادہ قوی ہو گئی ہیں

ابراہیم موصلی رشید کے یہ اشعار گایا کرتا تھا :

اھدی الحبیب مع الجنوب سلامہ
فاردد الیہ مع الشمال سلاما
و اعرف بقلبک ما تضمن قلبہ

---

۱ - الاغانی ، جلد ۱۵ ، صفحہ ۸۱ -

و تـدا ولاء بـھوا کـمـا الاٴ یـامـا
و اذ ابـکـیـت لـہ فـایـقـن انـہ
سـتـجـودا دمـعـہ عـلیک کـھـامـا
فـا حـبس دمـوعـک رحـمـۃ لـدمـوعہ
ان کـنـت تـحـفـظ ارتـحـوط ذمـامـا[1]

یعنی:

میں اپنے محبوب کو جنوبی ہواؤں کی معرفت سلام بھیجتا ہوں
تمھیں چاہیے کہ تم بھی باد صبا کو نامہ بر بنا کر سلام بھیجو
اور اپنے دل سے پوچھو اور سوچو کہ
وہ شخص کتنی بے پناہ محبت کرتا ہے
اور یہ کہ کب تک یہ سلسلۂ محبت دراز رہے گا
اور جب میں اس کے لیے آنسو بھاؤں تو یقین کر لو کہ اس کے جواب میں اس کے آنسو بھی بہیں گے
لیکن تم اپنے آنسو روک لو، دوسرے کے آنسوؤں پر ترس کھاتے ہوئے،
اگر چاہتے ہو کہ صابر اور با حوصلہ انسان رہو

ہارون رشید نے اپنی ایک جاریہ کو رقہ میں چھوڑا اور بغداد واپس آ گیا - پھر اس کی یاد ستانے لگی ، کہتا ہے:

سلام علی النازح المغترب
تحیۃ صب بہ مکتئب
غزال مرا تعۃ بالبلیخ
الی دار 'ذکی' بقصر الخشب
ایا من اعاد علی نفسہ
بتخلیفۃ طائعا من احب
سأستر و الستر من شیمتی
ھوی من احب بمن لا احب[2]

---

۱ - الاغانی ، جلد ۔ ، صفحہ ۱۱ -
۲ - الاغانی ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۷۷ -

یعنی:

دور افتادہ غریب الدیار کو
ایک عاشق دل گیر کا سلام پہنچے ۔
وہ (محبوب) ایک ہرنی ہے جس نے چرا کر
بلخ سے لے کر قصر خشب تک وسعت پذیر ہے ۔
اے وہ جو اپنے محبوب کو پیچھے چھوڑ گیا ہے
میں تیری محبت کو چھپاؤں گا
میں تو چھپاؤں گا : اور میری نصرت ہے کہ
اپنے محبوب کے ذکر سے گریز کروں

ایک روز عباس بن احنف سے کہا ۔ دوسرے شاعروں سے یہ شعر کہہ کر تم بہت آگے بڑھ گئے ہو :

طاف الھوی بعباد اللہ کلھم
حتی اذا مربی من بینھم وقفا

یعنی :

عشق تمام بندگان خدا پر گردش کرتا رہا ۔
لیکن جب میرے پاس سے گزرا تو رک گیا

عباس نے جواب دیا : یا امیرالمومنین ، آپ تو مجھ سے بھی کہیں زیادہ آگے ہیں ، آپ ہی نے تو فرمایا ہے :

اما یکفیک انک تملیکنی
وان الناس کلھم عبیدی
و انک لو قطعت ایدی ورجلی
لقلت من الھوی احسنت زیدی [1]

یعنی :

کیا تیرے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تو میری مالک بنی ہوئی ہے
حالانکہ دوسرے تمام لوگ میرے غلام ہیں ۔
اگر تو میرے ہاتھ پاؤں بھی کاٹ ڈالے تو
میرے منہ سے یہی نکلے گا کہ ہاں اور !

---

[1] الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۷۷ ۔

ایک مرتبہ ایک جاریہ اس کے پاس سیب لے کر آئی ، جس پر یہ شعر لکھا ہؤا تھا :

سرورک الهاک عن موعدی
فصیرت نفسا حتی تذکرہ

یعنی :

تیری نشاط و مسرت نے تجھے مجھ سے کیا ہؤا وعدہ فراموش کر دیا
لہٰذا میں نے اس سیب کو یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے

رشید نے اس سے وہ سیب لے لیا اور اسے ایک دوسرا سیب دیا جس پر یہ شعر لکھا :

تقاضیت وعدی و لم انسہ
فتفاحتی ھذہ معزرۃ [1]

یعنی :

تو نے مجھے میرا وعدہ یاد دلایا ، حالانکہ میں اسے بھولا نہیں تھا ،
لہٰذا میرا یہ سیب عذر کے طور پر (قبول کر)

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اور محمد بن علی جن کی کنیت ابو حفص شطرنجی تھی ، رشید کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ وہ اندر سے برآمد ہؤا ۔ کہنے لگا : تم دونوں میں سے کوئی ایسا شعر کہہ سکتا ہے کہ اس کا مفہوم وہ ہو جو میرے دل میں ہے ، میں اسے دس ہزار درہم انعام دوں گا ۔

ابو حفص نے کہا :

مجلس یالف السرور الیہ
لمحب ریحانۃ ذکراک
کلما دارت الزجاجۃ زادتہ
حنینا و لو عۃ فبکاک

یعنی :

ریحانہ کے چاہنے والے کے لیے تیرا ذکر ہی

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۱۱ ۔

وہ محفل ہے جو سرور کو یکجا کر دیتا ہے ،
جب بھی پیمانہ گردش میں آتا ہے
تو اس کے دل کا سوز و درد اسے مائل بہ گریہ کر دیتا ہے
رشید نے اشعار سن کر داد دی اور کہا ، بہت خوب ، پھر میں نے ایک شعر پڑھا :

الم ینلک بان تحضرینی
و تجافت امنیتی عن سواک

یعنی :

میری یہ آرزو کہ تو میرے پاس آ جا ، تجھ تک نہیں پہنچی
حالانکہ میری تمنا تیرے سوا سب سے گریزاں ہے ۔

رشید نے اس شعر کی بھی داد دی اور کہا : بہت خوب ! اس کے بعد اس نے خود ایک شعر پڑھا :

فتمنیت ان یغشینی اللہ
نعاسا لعل عینی تراک

یعنی :

خدا سے میری دعا یہ ہے کہ مجھے نیند آ جائے تاکہ
عالم خواب میں تیرا دیدار کر سکوں

ہم نے عرض کیا : یا امیرالمومنین ، آپ تو ہم سے کہیں بہتر شاعر نکلے ، للھذا ہمارا انعام آپ کا ہو گیا ۔ مسکرایا اور کہنے لگا :
"نہیں تمھارا انعام تمھیں کو ملے گا ۔"
اور حکم دیا کہ دس ہزار درہم دے دیے جائیں [1] ۔

رشید پہلا خلیفہ نہیں تھا جس نے شعر گوئی کی طرف توجہ کی ہو ، بلکہ اکثر خلفا نے شعر گوئی سے شغل و شغف رکھا ، اور شعرا کی قدر افزائی میں زیادہ سے زیادہ جوش و خروش کا اظہار کیا ۔

ہارون رشید کے دروازے پر ، وقت کے بہترین اور یگانۂ روزگار شعرا کا انبوہ جمع رہتا تھا ، کسی ایک خلیفہ کے دربار سے اتنے شاعر وابستہ

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۹ ۔

نہیں رہنے ہوں گے ۔ نہ کسی اور کے اتنے زیادہ انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوئے ہوں گے ۔ شعرا پر اس کے اتنے زیادہ احسانات تھے جن کی مثال تلاش بسیار کے باوجود دوسرے خلفا کے ہاں نہیں مل سکتی ۔ اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چوٹی کے شعرا نے اس کی مدح و توصیف کے لیے اپنے تئیں وقف کر رکھا تھا اور جب تک اس سے اجازت نہ مل جائے ، دربار رشید کا کوئی شاعر کسی دوسرے کی مدح نہیں کر سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ انہیں بڑی بڑی رقموں کے سالانہ وظیفے ملتے تھے ۔ جن کی تعداد ایک لاکھ درہم تک پہنچتی تھی ۔ مثلاً مروان بن ابی حفصہ اور ابو العتاہیہ وغیرہ کو اتنی ہی رقم ہر سال ملا کرتی تھی اور یہ رقم ان انعامات و تحائف اور بخششوں کے ماسوا تھی جو مختلف مناسبات کے موقع پر ان لوگوں کو دے جایا کرتے تھے ۔

یہ شعرا جو رشید کے دامن دولت سے وابستہ تھے اور اس کی داد و دہش اور بذل بے حساب سے فیض یاب ہؤا کرتے تھے ، انہیں متعدد گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

ایک جماعت تو وہ تھی جو بغداد میں مقیم رہتی تھی اور محل شاہی کی حاضر باش تھی ۔ جب بھی رشید کوئی ادبی مجلس منعقد کرتا ، یہ شعرا موجود رہتے ۔ یہ اپنے عہد کے بہترین شعر گو تھے ۔ مثلاً :

ابو العتاہیہ ، مسلم بن ولید ، مروان بن ابی حفصہ ، ابو نواس اور اس پائے کے دوسرے لوگ ۔

دوسرا گروہ ان شعرا کا تھا جو خاص خاص تقریبات ، مواسم اور مناسبات کے مواقع پر ، مختلف مقامات سے بغداد آیا کرتے تھے اور اذن حضوری حاصل کرنے کے بعد شریک مجلس ہوتے تھے اور اپنے کہے ہوئے مدحیہ اشعار سنایا کرتے تھے ۔ اس کے بعد یہ شعرا اپنے اپنے شہر انعام و اکرام سے لدے پھندے واپس چلے جاتے تھے ۔ مثلاً :

کلثوم بن عمرو عتابی ، منصور نمری ، اشجع سلمی ، ابن مناذر وغیرہ وغیرہ ۔

ادبی اور شعری مجلسوں کے علاوہ رشید بزم داستان سرائی اور تاریخ

کوئی بھی منعقد کرتا رہتا تھا ۔

ان مجالس میں مانے ہوئے شیوخ ادب و روایات اور نکتہ و لطائف اور افسانہ و تاریخ کے مشاہیر شریک ہؤا کرتے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک رشید کا پسندیدہ اور مرغوب شخص ہوتا تھا ۔

ان لوگوں کو یہ خصوصیت و امتیاز حاصل تھا کہ رشید کے سامنے ایسے شاعروں کا ذکر کرتے جو مدح و توصیف سے متعلق بہترین اشعار کہتے تھے اور جو حسن بیان اور لطف کلام کے اعتبار سے یگ نہ تھے ، ان کا ذکر سن کر رشید انہیں طلب کرتا ، یہ اپنے اشعار سناتے وہ پوری توجہ سے ان کا کلام سنتا ، جس شاعر کا کلام بہت زیادہ پسند آتا ، اسے مالا مال کر دیتا اور دربار سے وابستہ کر لیتا اور مجلس مشاعرہ میں اسے شریک ہونے کی اجازت مل جاتی ۔

جن خاص مواقع پر رشید شعرا کی مجلس منعقد کرتا اور ان کا کلام سن کر محظوظ ہوتا ، وہ بھی خاص تھے ۔ مثلاً عید ، تہوار اور تقریبات کے زمانے میں یا بلاد روم سے جب جہاد کر کے فاتح اور غانم کی حیثیت سے واپس آتا تب یا جب فریضہ حج ادا کر کے حجاز مقدس سے اپنے پایہ تخت سے واپس آتا یا کسی اور دور دراز سفر سے بغداد واپس لوٹتا ۔

ایسے مواقع پر وہ دربار عام منعقد کرتا ، جس میں رجال دولت اور اصحاب سیف و قلم شریک ہوتے ، باری باری سے ہر شاعر اپنا قصیدہ حاضرین کے مجمع میں سناتا ۔

اس طرح جملہ شعرا کو امید اور توقع سے کہیں زیادہ انعام و اکرام ، خوش کلامی اور جودت فکر کے اعتبار سے ملتا ۔ یہ مجلس ایک طرح سے "سوق عکاظ" کے مانند ہوتی جو ایام جاہلیت میں منعقد ہؤا کرتی تھی ، جس میں معلقات خوانی ہؤا کرتی تھی ، فرق یہ تھا کہ اس مجلس میں خلیفہ کے سوا کسی اور کی مدح میں اشعار نہیں سنانے جا سکتے تھے [۱] ۔

---

۱ ۔ نوٹ از مترجم

سوق کے معنی ہیں ، میلے کے ، عکاظ جگہ کا نام ہے ۔ زمانہ جاہلیت میں ، یعنی قبل از اسلام عکاظ کے میلے میں عرب کے لوگ ٹوٹ پڑا

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایک دلچسپ روایت

سعید بن مسلم باہلی کا بیان ہے :

ہم رشید کی خدمت میں حاضر تھے کہ شعرا کی ایک جماعت حاضر ہوئی ان میں اشجع سلمی بھی تھا ، اس نے پڑھنا شروع کیا :

قصر علیہ تحیتہ و سلام
نثرت علیہ جمالہا الایام
قصر سقوف المزن دون سقوفہ
فیہ لا علاء الہدی اعلام!
فیہ اجتلی الدنیا الخلیفتہ والتقت
ملک فیہ سلامتہ و سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کرتے تھے ، کیونکہ اس موقع پر فنکار اپنے فن کا مظاہرہ بڑی بے ساختگی کے ساتھ کیا کرتے تھے - رجز خوانوں کے رجز ایک نیا ولولہ پیدا کر دیتے - قومی اور قبائلی تفاخر کے قصیدے ، ایک نیا ولولہ بیدار کر دیتے تھے اور شعرا کے قصیدے اور اشعار سننے والوں کو بے خود کر دیتے - یہ شاعری عشق و ہوس کی شاعری ہوتی تھی - اس میں عریانیت بھی ہوتی تھی اور ہوس کاریوں کی داستان بھی ، عشق کی گھاتیں بھی اور نفس کی کج رائیاں بھی ، فحاشی کی لذتیں بھی اور معصیت کی سرور انگیزیاں بھی ، ''در مدح خود'' بھی اور ''در ہجو غیر'' بھی -

اشعار میں محبوبہ کا ذکر زیر لب نہیں ہوتا تھا ، اس کا نام بر سر عام لیا جاتا تھا اور یہ نام فرضی نہیں حقیقی ہوتا تھا -

یہ شاعری برجستہ ہوتی تھی ، اس میں دریا کی روانی اور تلوار کی کاٹ ہوتی تھی - لوگ اشعار سنتے اور نوک زبان ہو جاتے ، ان کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ جو قصیدے زبان و بیان کے اعتبار سے بے مثال ہوتے ، انہیں دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا جاتا ، اس لیے یہ معلقات کہلائے جاتے تھے -

اذنتک من ظل النبی وصیتہ
وتہ ابذ و شجت بھا الارحام
برقت سماؤک فی العدو و العدت
ھا ما لھا تمل السیوف غمام !

یعنی :

یہ ایسا محل ہے جس پر تحیتہ و سلام ہو
اس قصر میں زمانے نے اپنا جمال نچھاور کر دیا ہے
بادل کی چھت بھی اس کے بام سے فرو تر ہے
اس میں ائمہ ہدی کی نشانیاں موجود ہیں
اس کی ہستی میں نور خلافت جلوہ فگن ہے
اس کے باعث دنیا سلامتی سے بہرہ ور ہے
تجھے سایہ نبوت سے وصیت اور قرابت نے نزدیک کر دیا ہے
اور رشتہ و نسب کے تعلقات اس کے باعث استوار ہیں
تیرا آسمان دشمنوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا اور کھوپریوں کا مینہ برسا دیا
جن پر تلواریں بادل کی طرح سایہ فگن رہیں

یہاں تک کہ ان اشعار پر پہنچا :

و علی عدوک یا بن عم محمدؐ
رصدان ضوء الصبح والاظلام
فاذا تنبہ رعتہ و اذ اغفا
سلت علیہ سیو فک الاحلام

یعنی :

اے فرزند عم رسولؐ تیرے دشمن کی
دو چیزیں نگراں ہیں ، ! دن کی روشنی اور شب کی تاریکی
جب وہ بیدار ہوتا ہے تو تجھ سے خائف رہتا ہے
اور جب سوتا ہے تو خواب میں تیری تلواریں بے نیام ہو کر آ جاتی ہیں

میں نے دیکھا یہ آخری دو شعر سن کر رشید کا چہرہ وفور مسرت سے گلنار ہو گیا ، میں نے اشجع کو اشارہ کیا کہ شعر خوانی بند کر دے کہ اس سے اچھے شعر ممکن نہیں ، لیکن اس نے پروا نہ کی اور پورا قصیدہ سنا کر دم لیا۔

پھر رشید نے شاعر منصور نمری سے فرمائش کی کہ اپنا کلام سنائے ، اس نے پڑھنا شروع کیا :

ما تنقضی حسرة منا ولا جزع
اذا ذکرت شباباً لیس یرتجع
ای ارئی بات من ھارون فی سخط
فلیس بالصلوات الخمس ینتفع
ان المکارم و المعروف اودیۃ
احلک اللہ منھا حیث تجتمع
اذا رفعت امرا اللہ رافعہ
و من وضعت من الاقوام متضع
نفسی فداءک و الابطال معلمت
یوم الوغی و المنایا صابھا نزع

یعنی :

حسرت و افسوس ہم سے کبھی جدا نہیں ہوگا
جب تم اپنی جوانی کی بات چھیڑو جو واپس آنے والی نہیں ،
جو شخص ہارون کو خفا کر کے رات گزارے گا
اسے نماز پنج گانہ سے بھی کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوگا ،
(تیرے) مکارم اور نیکیاں ایسی وادیاں ہیں
جن میں خدا تجھے داخل کر دیتا ہے خواہ تو کہیں بھی جائے ،
جس جماعت کو تو سر بلند کرے اسے خدا بھی سرفراز کرتا ہے
اور جو تیری نظر سے گر جائے وہ خدا کی نظر میں بھی ہیچ ہے ،
میری جان تجھ پر قربان جنگ کے دن جب سورما پرچم لہراتے ہیں تو
تیری دہشت موت کے تیر کی طرح نشانے پر لگتی ہے

یہ ایسا قصیدہ تھا کہ کسی عرب شاعر نے شاید ہی کبھی ایسا کہا ہو ، رشید بار بار عصا سے زمین پر ٹھوکر مارتا اور یہ اشعار دوہراتا اور کہتا :

''شاعری تو بس اب ربیعہ والوں ہی کا حصہ ہے ۔''

جب ہم مجلس سے باہر آئے ، میں نے اشجع سلمی سے کہا :

بد بخت میں نے اشارے سے منع کیا تھا کہ بس اب ختم کر ، لیکن تو کہاں سنتا تھا ، میری بات مان لیتا تو کون تیرا حریف بن سکتا تھا ؟ کاش یہ دونوں شعر کہنے کے بعد تو مر جاتا یا گونگا ہو جاتا ، تاکہ تو سب سے بڑا شاعر مانا جاتا[1] ۔

مروان بن ابی حفصہ کا قصیدہ

جہاد روم سے فارغ ہو کر ایک مرتبہ رشید جب واپس آیا تو مروان بن ابی حفصہ حاضر ہوا اور اس نے اپنا یہ قصیدہ پیش کیا :

و سدت بھاروںؓ الثغور فا حکمت
بہ من اسوی المسلمین المدائر
و ابناء عباس نجوم مضیئۃ
اذا غاب نجم لاح آخر زاھر
حصون بنی العباس فی کل مازق
صدور الھوالی و السیوف البواتر
ابوک ولی المصطفی د ان ھا منعم
و ان رغمت من حاسد یک المناخر

یعنی :

ہارون کے دم سے سرحدیں محفوظ و مضبوط ہیں
اور اسی کی بدولت مسلمانوں کو پریشانیوں سے نجات ملی ،
عباس کی اولاد ان روشن ستاروں کے مانند ہے کہ
ایک غائب ہو جاتا ہے تو دوسرا چمکتا ہوا نکل آتا ہے ،

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۳۲ ۔

بنو عباس کے قلعے ہر جنگ کے موقع پر
اسلحہ خانہ بن جاتے ہیں ، چمکتے ہوئے نیزوں اور شمشیر براں کا ،
تمہارا باپ (عباس) مصطفیٰ کا ولی تھا ،
اگرچہ تمہارے حاسد کتنے ہی جلیں !

رشید نے اسے پانچ لاکھ دینار مرحمت کیے ، خلعت فاخرہ سے نوازا اور روم سے جو غلام لائے گئے تھے ، اُن میں سے دس غلام عطا کیے اور اپنی خاص سواری کا خچر تک دے ڈالا[1] ۔

اس بے اندازہ بخشش کو بعض لوگ بہت بڑی فضول خرچی خیال کرتے ہیں کہ ایک معمولی تقریب پر ایک شاعر کو اتنا زیادہ مال و متاع عطا کر دیا گیا ۔

لیکن جو لوگ عہد رشید کے اضطرابات سیاسی پر نظر رکھتے ہیں ، ان کا خیال ہے کہ اس قصیدے کی جس چیز نے رشید کو بہت زیادہ متاثر اور مسرور کیا ، وہ اس کی ذاتی مدح و توصیف نہیں تھی ، بلکہ قصیدے کا آخری شعر تھا جس میں بنو عباس کو ، ہاشمیوں یعنی علویوں پر بڑے اچھوتے انداز میں فضیلت دی گئی تھی ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاسی جماعتیں پس پردہ رہ کر رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کر رہی تھیں ۔ مثلاً ایک گروہ علویوں کا تھا ، کچھ شعرا تھے جو از راہ عقیدت ان کے متوسلین میں تھے اور زبان شعر سے ان کے حق میں بہت کچھ کہہ جاتے تھے ۔ ایک جماعت اسویوں کی تھی ، جو اندلس میں اقتدار و اختیار اور حکومت کی مالک تھی ۔ یہ اپنے حدود مملکت میں رہنے والے شعرا سے رشید پر "حملے" کرایا کرتی تھی ۔ ایک اور طبقہ شعوبیوں کا تھا ، جو پس پردہ رہ کر عربی مرکز کو کمزور کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا تھا ، خاص طور پر خلیفہ کے خلاف زہر اگلا کرتا تھا ، کیونکہ عرب قومیت کا وہی مرکز تھا ۔ رشید ان تمام باتوں سے بہت اچھی طرح با خبر تھا اور اپنی "جماعت" کی تقویت کے لیے شعرا سے کام لیتا تھا ، اور ان کا منہ

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۔ ، صفحہ ۔ ۔

موتیوں سے بھر دیتا تھا ، کیونکہ دوسروں کے پاس اور چاہے جو کچھ بھی ہو ، مگر اتنی دولت کی فراوانی تو ہرگز نہ تھی ۔

لہٰذا ہمارے خیال میں یہ بات ہرگز حیرت انگیز نہیں ہے کہ وہ شعرا کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا کرتا تھا ۔ کیونکہ اول تو شعر بجائے خود اس کے لیے روح کا کام دیتا اور اس کے نفس و ذہن کو سکون بخشتا تھا ، دوسرے رائے عامہ کو بحال کرنے اور منظم کرنے میں بھی اس سے بڑی مدد ملتی تھی ، لہٰذا اسے ایک کامیاب سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرتا تھا ۔

چنانچہ اخبار و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ رشید اس طرح کے شعرا کی حوصلہ افزائی تواتر اور تسلسل کے ساتھ کرتا تھا اور جو وابستۂ دربار شعرا اس فرض کی بجا آوری میں تساہل یا غفلت برتتے تھے ، ان سے خفا ہو جایا کرتا تھا ۔

ابو العتاہیہ شاعر کا دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا اور اس نے زہد کی زندگی اختیار کر لی ، موٹا لباس پہننا شروع کر دیا اور شعر و سیاست سے رشتہ بالکل قطع کر لیا ۔ رشید نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی اور حکم دیا کہ سابقہ زندگی پھر اختیار کر لے ، لیکن وہ نہ مانا ۔ آخر رشید نے حکم دیا ، ابوالعتاہیہ کو قید کر دیا جائے اور اس وقت رہا کیا جائے جب پھر شعر گوئی شروع کر دے ۔ کچھ روز تک وہ قید رہا ، پھر یہ اشعار لکھ کر رشید کو بھیجے :

انا الیوم و الحمد للہ اشہر
یروح علی الہم منک دیبکر
تذکر امین اللہ حقی و حرمتی
و ما کنت تولینی لذلک یذکر
لیالی تدنی منک بالقرب مجلسی
و وجہک من ماء ابشاشتہ یقطر
فمن لی بالعین کنت ماۃ
الی بہا فی سالف الدھر تنظر ؟

یعنی:

بہر حال خدا کا شکر گزار ہوں ،
اگرچہ تیری جانب سے صبح و شام رنج سہتے مہینے گزر چکے ہیں
اے خدا کے امین میرے حق اور حرمت کو پہچان ،
جب تو مجھے مناصب سونپا کرتا تھا ،
راتوں کی مجلس آرائی میں تو مجھے شریک رکھتا تھا ،
اور تیرے چہرے سے بشاشت ٹپکتی تھی ،
مجھے ان نظروں سے ایک مرتبہ پھر دیکھ لے ،
جن سے پچھلے دور میں تو میرے لیے چشم براہ رہا کرتا تھا ۔

یہ اشعار پڑھ کر رشید کا دل پگھل گیا ۔ اور فرمان رہائی صادر کر دیا[1] ۔

موسم اور تقریبات کے موقع پر چونکہ قصائد کا مقصد خلیفہ کے حق میں سیاسی پراپیگنڈا تھا ، لہٰذا دربار میں صرف وہی شعرا جا سکتے اور اذن شعر گوئی حاصل کر سکتے جو مانے ہوئے ہوں اور مقبول عام شاعر ہوں ، جن کا نام دنیائے ادب کے لیے نا مانوس نہ ہو بلکہ محبوب و مرغوب ہو ۔ جو شاعر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا ، اس کے بارے میں حاجب کو مکمل آزادی حاصل تھی کہ شریک دربار ہونے کی اجازت دے یا نہ دے ۔ اور رشید خود بھی شعرا سے ، ان کے کلام سے ، اور کلام کی نوعیت سے بہت اچھی طرح واقف تھا ۔ لہٰذا اس کے انعامات و اکرامات سوچے سمجھے فیصلے اور طے شدہ معیار کے مطابق ہوتے تھے ، یعنی انعامات کی بنیاد شہرت کے ساتھ ساتھ جودت فکر اور لطافت بیان بھی ہوتی تھی ۔

شروع شروع میں ابو نواس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح رشید کی مجلس شعرا میں باریابی اور شعر خوانی کا موقع مل جائے ، تا کہ مدحیہ قصیدہ سنائے اور انعام حاصل کرے ۔ لیکن ایک نہ چلی ؛ یہاں تک کہ کچھ عرصے بعد ، وہ ایک گمنام شاعر نہ رہا ، بلکہ اس کے اشعار لوگوں

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۵ ۔

کی زبان پر چڑھ گئے اور ادبی مجلسوں میں اس کی شاعری کا چرچا ہونے لگا۔ تب جا کر اسے اذن حضوری ملا، وہ آیا اور اس نے اپنا قصیدہ شروع کیا:

حی الدیار اذ الزمان زمان
و اذ الشباک لناظری و معان

ملک تصور فی القلوب مثاله
فکأ غالم یخل منه مکان
ماتنطوی عنه القلوب بفجرة
الا یکلمه به اللحظان ، !
هارون الغنا ائتلاف مودة
ما تت لها الاحقاد والاضغان
فی کل عامٍ غزوة و دفادة
تنبت بین نواهما الا قران
حج و غز و بات ینهما الکری
بالیعملات شعار الوخلان
برلی یهن بناظ کل تنوفة
فی الله رحال بها ـ ظعان
یعسلی الهجبر بغرة مهدیه
ان التقی مسدد و سعان
الفت منادمة الدماء سیوفه
فلقلما تحتازها الاجفان
حتی الذی فی الرحم لم یک صورة
لفوادة من خوفه خفقان
حذر امری نصرت یداه علی العدا
کالدهر فیه سر امته و لسان

متبرج المعروف عريض الندا
حصريه "لا" منه فم و لسان
للجود من كفنا بديه محرك
لا نستطيع بلوغه الاسكان

یعنی :

اس دیار کو سلام پہنچاؤ کہ
یہی زمانہ اصل زمانہ ہے ، یہاں کا ایک گوشہ ہمارے لیے صحن و منزل ہے ،
وہ ایسا بادشاہ ہے کہ ذہن میں جب اس کی مثال آتی ہے تو
ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی جگہ بھی اس کے وجود سے خالی نہیں ہے
اگرچہ دلوں میں اس کے لیے غبار ہو ،
تاہم آنکھیں اس سے مصروف گفتگو رہتی ہیں
ہارون نے ہم میں ایسی الفت و مؤدت پیدا کر دی ہے کہ
تمام حسد اور کینے مٹ گئے ہیں
وہ ہر سال جہاد کرتا ہے ، اور حج کرتا ہے جس سے
اس کے ساتھی انھی دونوں کاموں (حج اور جہاد) میں منقسم ہو جاتے ہیں
مسلسل حج و جہاد کی وجہ سے نیند ختم ہو گئی ہے
جو ان تیز رفتار سانڈنیوں کی وجہ سے انجام پذیر ہوتا ہے ، جن کی سرشت میں ہی تیز خرامی ہے
ان سانڈنیوں کے ذریعہ ہر بیابان بے آب کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں
خدا کے راستے میں سفر کرنے والے اور کوچ کرنے والے ۔
دوپہر کی تپش میں وہ سر گرم سفر رہتا ہے
جب کہ پرہیزگار لوگ بھی موسم کی شدت کے باعث باہر نکلنے کی ہمت نہیں رکھتے
اس کی تلوار کو خون کی منادمت سے عشق ہے

جن کی چمک دمک سے آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں
یہاں تک کہ وہ بچہ بھی جس کی ابھی رحم مادر میں صورت نہیں بنی ہے
اس کا دل بھی اس کے خوف کی وجہ سے دھڑک رہا ہے
اس آدمی سے بچو جو دشمنوں پر کوتاہ دست ہو
جیسے زمانہ کہ سخت بھی ہے اور نرم بھی ۔
وہ خوب سخاوت کرتا ہے ۔ اس کی مجلس بڑی کشادہ ہے
اس کے منہ اور زبان سے ''نہیں'' کا لفظ نہیں نکلتا
جود و سخا کے باعث اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں رہتے ہیں
جن پر سکون کبھی طاری نہیں ہوتا ۔

یہ اشعار سن کر رشید پھڑک گیا ، اسے مالا مال کر دیا اور اجازت دے دی کہ جب چاہے شریک مجلس ہو سکتا ہے ، یہاں سے ابو نواس کی قصر سلطانی سے وابستگی کا آغاز ہوتا ہے ۔

رشید کا حسن سلوک شعرا کے ساتھ

اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس شاعر اور سخن فہم خلیفہ اور شعرا کے مابین ـــ جو عطا یا اور انعامات سے مالا مال ہوتے تھے ـــ صرف وہ سطحی تعلق نہیں تھا جو ممدوح سے کسب مال ۔ اور اس کے لیے سیاسی پراپیگنڈے پر مبنی ہو ، بلکہ وہ اس سے کہیں زیادہ محکم ، مضبوط اور روح سے قریب تر تھا ۔

ہم دیکھتے ہیں رشید بعض شعرا کو قرب حضوری عطا کرتا تھا ، ان کے ساتھ نشست ۔ برخاست رکھتا تھا اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے احوال و شئون کی تفتیش و جستجو کرتا رہتا تھا اور جب بھی کسی کی مالی درماندگی کا علم ہوتا ، چپ چپاتے اسے درہم و دینار کی تھیلیاں بھیج دیتا ۔ چنانچہ بہت سے ایسے لوگ تھے جو اس کے اس شعور طینت اور احساس نبیل سے بہرہ ور ہوتے تھے ، اور دل سے اس کے لیے دعا گو ، اور اس کے وفادار ، مداح اور ثنا خواں نظر آتے تھے ۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ خلیفہ تھا بلکہ اس لیے کہ اسے وہ اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے :

جو ان کے اسرار سے واقف اور حالات سے با خبر رہتا تھا اور وہ اس سے مرعوب بھی تھے کیونکہ دیکھتے اور جانتے تھے کہ وہ علم اور فضل کے اعتبار سے کتنا اونچا ہے ، اور ان کی عبقریت اور کمال فن کو ، فن کی کسوٹی پر کسنے اور پرکھنے میں کتنا ماہر ہے ، اوز ان پر مستزاد بذل و عطا اور لطف و کرم !

ایک رجز گو اعرابی جس کا نام عمانی تھا ــــ بوڑھا اور کہن سال ــــ ایک مرتبہ کسی تقریب کے موقع پر بغداد آیا ، تاکہ رشید کو اپنے کچھ اشعار سنائے ۔

عمانی سے کہا گیا :

باریاب ہونے کی پہلی شرط درباری لباس ہے ، لہذا اونچی ٹوپی سر پر رکھو اور ہلکے جوتے پہنو ، اس وضع میں وہ رشید کے پاس پہنچا ، رشید نے اسے پہچان لیا اور کہا :

اس وضع میں اشعار سنانے کیوں آئے ، باہر جاؤ ، اپنا خالص عربی لباس زیب تن کرو ، وہی پگڑی اور چپل ، پھر آؤ !

دوسرے دن اپنے اصل لباس میں وہ رشید کے پاس آیا ، بالکل خالص اعرابی ، یعنی ایک اجڈ دیہاتی کے لباس میں ، پھر اس نے اپنا رجزیہ سنایا ، جو بہترین اشعار پر مشتمل تھا ۔ رشید نے اسے انعام دیا اور بڑی دیر تک گھل مل کر بے تکلفانہ انداز میں اس سے باتیں کرتا رہا ، یہاں تک کہ حاضرین مجلس کو رشک آیا ، کاش اس شخص کی جگہ ہم ہوتے ۔

باتیں کرتے کرتے عمانی نے رشید سے کہا :

"یا امیر المومنین ، خدا کی قسم میں نے مروان جعدی ــــ آخری اموی خلیفہ ــــ کو اشعار سنائے ، اس کا چہرہ دیکھا ، اس کے ہاتھ چومے ، اس سے انعام لیا ، نیز یزید بن ولید اور ابراہیم بن ولید ــــ خلفا بنو امیہ ــــ کے ساتھ یہی ماجرا گذرا ، بعد ازاں ابوالعباس سفاح ، پھر منصور ، پھر مہدی ، ان سب کے چہرے دیکھے ، ہاتھ چومے اور انعام لیا ، ان کے علاوہ امرا ، رؤسا اور سرداروں کے ساتھ بھی یہی کچھ گذرا ، لیکن خدا کی قسم ان میں سے کسی کو بھی آپ

سے زیادہ خوش منظر ، خوش جمال اور دست سخا رکھنے والا نہیں پایا ۔ رشید ان باتوں سے بہت متاثر ہؤا ، اس نے اس کا انعام دو گنا کر دیا[1] “ ۔

دربار رشید سے وابستہ شعرا میں ایسے شاعر بھی تھے جنہیں شعر پڑھنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا ، مثلاً منصور نمری وغیرہ۔ رشید کے ذاتی سماع اور توجہ پر اس سے کوئی برا اثر نہیں پڑتا تھا ۔ شعر اچھا ہو ، تکلم غیر پسندیدہ یا آواز قبیح سہی ، شاعر کی طرف برابر ملتفت رہتا اور اسے داد دیتا رہتا تھا[2] ۔

لیکن حالات نے کہیں سے رشید کی مجلس میں ایک شخص محمد الروایہ کو پہنچا دیا ، جس کا لقب بیدق تھا ۔ یہ شعر خوانی میں جواب نہیں رکھتا تھا ، حد درجہ خوش گلو ۔ خوش آواز شعر سناتا تو یہ معلوم ہوتا جادو کر رہا ہے ، چنانچہ بعض شعرا نے تو کہ رکھا تھا کہ خلیفہ کے سامنے اپنے اشعار خود نہیں پڑھتے تھے بلکہ اسی شخص سے پڑھاتے تھے اور جو انعام ملتا اس میں ایک حصہ اس کا بھی مقرر کر دیتے ۔ مجلس رشید سے متعلق ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں ، وہ خود کہتا ہے :

ایک مرتبہ میں امیر المومنین کے حضور میں حاضر ہؤا ، فضل بن ربیع اور یزید بن مزید شیبانی بھی موجود تھے ، رشید کے سامنے کھانے کا خوان رکھا تھا ، اس نے مجھ سے کہا :

”کچھ کچھ اشعار سناؤ !“

میں نے منصور نمری کا ایک قصیدہ سنانا شروع کر دیا ، یہ سمع ہارون میں بالکل تازہ قصیدہ تھا ، بہت خوش ہؤا ، خوان سامنے سے ہٹا دیا اور کہنے لگا :

”خدا کی قسم یہ اشعار کھانے سے زیادہ لذیذ ہیں !“

پھر حکم دیا کہ منصور کو انعام فراواں عطا کیا جائے ۔

---

۱ ۔ عیون الاخبار ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۰۹ ۔

۲ ۔ الاغانی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲ ۔

منصور نے انعام لے لیا اور میرا پورا حصہ مجھے نہیں دیا ۔ یہ بات میں نے دل میں رکھ لی ۔ پھر منصور اپنے شہر راس العین چلا گیا ، میرے دل میں کسک باقی رہ گئی ۔ کچھ مدت کے بعد میں رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، حسب معمول رشید نے شعر سنانے کی فرمائش کی ۔ مجھے منصور کی زیادتی جو اس نے میرے ساتھ کی تھی ، یاد آ گئی ۔ چنانچہ میں نے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا ۔ منصور آخری زمانے میں شیعہ ہو گیا تھا ، میں نے وہ اشعار سنائے جو اس نے رشید کے ایک حریف کی تعریف میں کہے تھے :

ساد من الناس راتع هامل
يعللون النفوس بالباطل!
الا مساعير يغضبون لها!
لسلة البيض والقنا الذابل!

یعنی: ۔

سیادت اس نے اختیار کر لی ہے جو چھوڑے ہوئے جانور کی طرح چر رہا ہے
یہ لوگ دوسروں کو جھوٹے وعدوں پر ٹرخاتے ہیں
مگر کچھ سر پھرے لوگ ایسے بھی ہیں جو
تلوار اور نیزہ اٹھا کر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں ۔

رشید کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا ، اس نے غصے کے عالم میں کہا :

''اچھا وہ میرے خلاف کہنے پر اتر آیا ہے ، اسے فوراً میرے پاس حاضر کیا جائے ، چنانچہ سپاہیوں کا ایک دستہ اسے پکڑنے کے لیے گیا ۔ جب لوگ راس العین پہنچے تو اس رات نمری کا انتقال ہو چکا تھا اور تدفین بھی ہو چکی تھی [1] ۔

یہ تھا ہارون کا تعلق شعر سے اور شعرا سے ۔ اس سلسلے میں اتنی گنجائش نہیں کہ سارا مواد پیش کیا جائے ، لٰہذا ہم صرف اسی قول پر اکتفا کرتے ہیں :

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۰ ۔

''ہارون نے ادب کے اس شعبے پر دوسرے خلفا کے مقابلے میں بہت زیادہ توجہ کی اور ملوک و سلاطین میں سے کسی کی مدح اتنے اچھے اشعار میں اور اتنے بڑے شاعروں کی زبان سے نہیں ہوئی جتنی رشید کی، جسے بقائے دوام حاصل ہو چکی ہے۔''

دربار رشید

غنا اور موسیقی کی قدردانی

رشید کا ذوق سماع

ادب و شعر سے متعلق تو رشید کے بارے میں کافی گفتگو ہو چکی؛ اب ہم غنا اور موسیقی سے متعلق بھی اس کے ذوق شوق کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ ان دونوں فنون——ادب و شعر اور غنا و موسیقی——کا بہت قریبی ربط و تعلق ہے۔

ابو جعفر منصور، درشت مزاج اور متقشف قسم کا آدمی تھا۔ دف اور چنگ پر گانا اس نے کبھی نہیں سنا، نہ یہ بات اسے گوارا تھی کہ قصر میں گانے بجانے کی محفلیں برپا ہوں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابو جعفر منصور کے بعض خادم اپنی جائے اقامت پر دف اور چنگ بجا کر دل بہلا رہے تھے۔ آواز منصور کے کان میں پڑی، فوراً پہنچا اور دف چھین کر ان کے سر پر دے مارا اور برہمی کے عالم میں گویا ہوا:

''کم بختو، تمھاری یہ مجال کہ میرے محل میں رنگ رلیاں منا رہے ہو؟''

لیکن منصور کا بیٹا مہدی غنا اور موسیقی سے دل چسپی رکھتا تھا۔ یہ دل چسپی زمانۂ خلافت میں بھی قائم رہی، لیکن وقار اور تمکنت کے ساتھ، جب کبھی گانا سننے کا جی چاہتا تو اپنے اور گویوں کے مابین ایک موٹا سا پردہ ڈلوا لیتا۔

پھر جب مہدی کی جانشینی ہارون کے حصے میں آئی تو وہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلا لیکن ایک جدت یہ کی کہ نغمہ و موسیقی کی محفلیں ایک خاص ترتیب اور نظام کے ساتھ مخصوص اور جدا گانہ طور پر

منعقد کرنے لگا، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ہم پیش کریں گے۔

رشید کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن ہی سے خوبصورت اور اچھی آواز کا دلدادہ تھا۔ کہتے ہیں رشید کا عہد شباب تھا کہ یحییٰ بن خالد کے گھر میں ایک خوش گلو کنیز دنانیر آئی۔ آواز میں رس گھلا ہوا تھا، گاتی تو سماں باندھ دیتی۔ رشید اس کی تانیں سنتا اور سراہتا۔ بار بار یحییٰ کے گھر کی طرف صرف دنانیر کی خوش آوازی اسے کھینچ کر لے جاتی۔ اس بات کا پتہ زبیدہ کو بھی چل گیا۔ اسے یہ بات گراں گذری۔ اس نے بعض ہاشمیوں کو آمادہ کیا کہ رشید کی یہ لت چھڑائیں، اور دنانیر سے اُسے بے تعلق کر دیں چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلے میں ہارون رشید سے گفتگو کی اور اسے سمجھایا بجھایا۔ جواب میں اس نے کہا:

"بخدا میں تو صرف اس کی آواز پر فریفتہ ہوں۔ مجھے اس کی ذات سے قطعاً کوئی دل چسپی نہیں!"

لیکن ہاشمیوں کا اصرار زبیدہ کے اشارے پر جاری رہا، آخر اس نے اس سے رسم و راہ ترک کر دی[1]۔

رشید کا نقطہ نظر یہ تھا کہ شرع اسلامی کی رو سے غنا اور موسیقی مباح ہے، لہٰذا اس نے غناء اور موسیقی سے دل چسپی لینے اور شغف رکھنے میں اندھا دھند اپنے آپ کو بے لگام چھوڑ دیا۔ اس روحانی غذا سے اس نے گوش و سماعت کو زیادہ سے زیادہ متمتع کیا، لیکن ابتذال اور چھچھورے پن سے بھی کام نہیں لیا، نہ اپنا اور گویوں کا آمنا سامنا ہونے دیا۔ اپنے اور ان کے درمیان ایک بڑا سا پردہ ڈالے رہتا، ان سے کچھ بات چیت کرنا ہوتی تو ایک آدمی کے ذریعہ سے گفتگو کرتا۔ یہ ایک مستقل عہدہ تھا اور یہ منصب دار "صاحب الستارہ" کہلاتا تھا، تاکہ یہ واسطے کا کام دے اور امیرالمومنین اور مغنیوں کے درمیان گفتگو کا ذریعہ بنے۔

رشید کے عہد خلافت میں غنا اور موسیقی کا فن عروج و شباب کی

---

[1] الاغانی، جلد ۔

انتہا پر پہنچ گیا - جس طرح اور دوسرے علوم و فنون ، نہضت اور ارتقا سے بہرہ ور ہو رہے تھے - سوسائٹی کے تمام طبقات حسب وجدان و ذوق ان سے دل چسپی لیتے تھے ، اختلاف طبقات کے مطابق ہر ہر علم و فن سے دل چسپی رکھنے والے لوگ الگ الگ طبقوں میں بٹے ہوئے تھے - اس سلسلے میں لوگوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ بڑے اور چھوٹے بچے اور جوان ، غریب اور امیر حتیٰ کہ خاندان خلافت تک کے افراد اپنے ذوق اور فن کے مطابق کسی نہ کسی فن یا علم سے مخصوص وابستگی رکھتے تھے - رشید اس ہمہ گیر دل چسپی پر بھی معترض نہیں ہوا ، نہ اس میں اسے کوئی قابل اعتراض بات نظر آئی ، اگرچہ مغنی اس کا رشتے دار کیوں نہ ہو -

نغمہ و موسیقی کے سماع سے غیر معمولی دل چسپی کے باعث قصر خلافت میں ایک بہت بڑی تعداد ایسی کنیزوں اور باندیوں کی جمع ہوگئی تھی ، جو دف اور دوسرے آلات موسیقی کے بجانے میں مہارت رکھتی تھیں اور بہت اچھا گانا جانتی تھیں -

روایت ہے کہ مشہور مغنی ابراہیم موصلی سے خلیفہ سابق موسیٰ ہادی نے عہد لے لیا تھا کہ اس کے بعد وہ کسی کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ نہیں کرے گا - جب ہادی کا انتقال ہوگیا تو ابراہیم موصلی حسب عہد گوشہ گیر ہو گیا ، لیکن رشید نے اسے حکم دیا کہ حاضر مجلس ہو اور اپنے فن کا مظاہرہ کرے - ابراہیم نے انکار کر دیا - جیل بھیج دیا گیا ، اور اس وقت تک رہائی عمل میں نہیں آئی ، جب تک وہ گانا سنانے پر رضا مند نہیں ہوگیا[1] -

نغمہ و موسیقی سے رشید کے اس غیر معمولی شغف و انہماک کا نتیجہ یہ نکلا کہ دف بجانے والوں کے کمال فن کی سماعت پر ہی اس نے اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی اس فن میں دل چسپی لینے لگا - آواز کے

---

۱ - التمدن الاسلامی ، جلد ، صفحہ ۱۱۸ -
روایات سے ثابت ہے کہ رشید کے محل میں تین سو حسین و جمیل کنیزیں جو گانے بجانے کے فن میں ماہر تھیں ، موجود تھیں -

آتار چڑھاؤ کے فن سے وہ پورے طور پر واقف تھا ۔ اپنے وقت کے لوگوں میں اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ آواز اور اس کے مخارج کی صحت و خطا کا سب سے بڑا ماہر تھا اور راگ کی تمام باریکیاں اس کی نظر میں تھیں ۔

حکایت ہے کہ ایک روز ابراہیم موصلی نے ابن جامع[1] سے کہا :

''خدا کی قسم اس کرۂ ارض پر میری نظر میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو فن غنا اور موسیقی میں امیرالمومنین سے زیادہ معرفت رکھتا ہو!''

ابن جامع نے جواب میں کہا :

''ہاں سچ ہے اور بھائی اس معرفت کامل کا حق بھی اس شخص سے زیادہ کسے ہو سکتا ہے جو مسلسل پچیس سال سے اس فن میں ڈوبا پڑا ہو ، اور پھر ذہین بھی بلا کا ہو[2] !''

اس فن کے اسرار و رموز سے رشید کی واقفیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ مغنیوں کو بے تحاشا انعام و اکرام اور جاگیر و املاک سے نوازتا رہتا تھا ، جس کی مثال پیش رو خلفا میں سے کسی کے عہد میں نہیں

---

۱ - ابراہیم موصلی ، اور ابن جامع عہد رشید کے بہترین مغنی تھے ، انھوں نے غنا اور موسیقی کے فن میں گراں بہا اضافے کیے ، بہت سی دھنیں ایجاد کیں اور راگ بنائے ۔

ان دونوں کے متعلق اغانی میں ، بہت سے دل‌چسپ واقعات مندرج ہیں ، مصر سے اغانی کی طویل و ضخیم جلدوں کا خلاصہ ''آنات المثالث و المثانی فی روایات الاغانی'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے جس کا ترجمہ ۴۰ء میں ڈاکٹر عبدالحق کے ارشاد پر میں نے روایات اغانی کے نام سے کیا تھا ، اور جسے انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے چھاپا تھا ، اب یہ کتاب نایاب ہے ۔

رئیس احمد جعفری

۲ - الاغانی ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۴ ۔

ہائی ، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس معاملے میں وہ حد اعتدال سے تجاوز
کر گیا تھا ۔

ایک مرتبہ شاعر دحان الاشغر نے اسے حسب ذیل اشعار سنائے :

اذا نحن اولجنا و انت اسا سنا
کفی عطا یا نابی و یاک هادیا
ذکر تک بالدیرین فاشرقت
بنبات الھوی حتی باغنا الزایتا
اذا ما طواک الدھر یا ام مالک
نشان المنایا القاضیات و شاینا

یعنی :

جب ہم آمادۂ سفر ہوتے ہیں اور تم ہمارے امام ہوتے ہو تو
ہماری سواریوں کے لیے تمھیں راہ بر کی حیثیت سے دیکھ لینا کافی ہے
ایک دن میں نے تجھے یاد کیا تو جوش عشق
اس طرح ابل پڑا کہ حلق میں اٹک گیا
اے ام مالک (محبوبہ) زمانہ تجھے موت کی نیند سلا دے گا تو
زندگی کا فیصلہ کرنے والی موت میرا فیصلہ بھی کر دے گی

یہ اشعار سن کر رشید نہال ہو گیا ، فرمائش کر کر کے بار بار
انھیں سنتا تھا ، پھر کہنے لگا :

''مانگ کیا مانگتا ہے ؟''

دحان نے عرض کیا :

''میری آرزو ہے کہ ''ہنی اور مری'' عطا فرما دیے جائیں !''

ہنی اور مری ، دو بڑے گراں بہا دیہات تھے جن کی قیمت چالیس
ہزار دینار تھی ۔

ہارون نے دحان کی آرزو پوری کر دی اور حکم دیا کہ ہنی اور
مری دے دیے جائیں ۔

عرض کیا گیا :

''امیرالمومنین یہ دونوں گاؤں تو بڑے گراں بہا ہیں ، آپ انھیں بخشے

دیتے ہیں؟"

رشید نے جواب دیا :

"جو دے چکا ، دے چکا ، اب واپس لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ، البتہ چاہو تو منہ مانگی قیمت دے کر اسے خرید لوں!"

چنانچہ بہت بڑی قیمت ادا کر کے ہنی اور مری دحان سے خرید لیے گئے [۱] ۔

جاحظ کی ایک روایت

جاحظ نے "کتاب التاج" میں لکھا ہے :

"ایک مرتبہ ابراہیم موصلی نے رشید کو اپنا ایجاد کردہ راگ سنایا جسے اس پر بے حد فخر تھا ۔ ہارون رشید یہ راگ سن کر بہت محظوظ ہوا اور رات بھر اس کو سنتا رہا ، پھر کہنے لگا :

"میں نے کوئی راگ اب تک ایسا نہیں سنا تھا جس میں سخا طرب اور جودت صفت کا اس کمال اور خوبی کے ساتھ امتزاج ہو !"

ابراہیم موصلی نے رشید سے عرض کیا :

"یا امیرالمومنین ! اگر کوئی شخص آپ کو دو لاکھ درہم عطا کرے تو کیا آپ اس سے اپنا کوئی کمال یا ہنر پوشیدہ رکھ سکیں گے ؟"

ہارون نے جواب دیا :

"بخدا ، دو کروڑ درہم بھی اگر کوئی مجھے بخش دے تو بھی ایسا راگ ، جو تم نے مجھے سنایا ، ہرگز نہیں افشا کرنے کا !"

ابراہیم موصلی عرض گزار ہوا :

"پھر آپ نے مجھے دو لاکھ درہم ایسی چیز کے لیے کیوں عطا نہیں فرمائے جو آپ کے نزدیک دو کروڑ درہم کی قیمت رکھتی ہے ؟"

یہ سنتے ہی رشید نے حکم دیا :

"ابراہیم موصلی کو دو لاکھ درہم فوراً دے دیے جائیں [۲] ۔"

---

۱ - تاریخ الخلفاء ، صفحہ ۱۱۶ -

۲ - کتاب التاج ، صفحہ ۳۱ -

اغانی کی ایک روایت

ایسی ہی ایک روایت صاحب اغانی کی بھی ہے:

''ایک روز رشید اپنی بزم بے تکلف میں رونق افروز تھا ، ابن جامع مغنی بھی حاضر تھا اور اپنے نو ایجاد راگ لہک لہک کر سنا رہا تھا کہ زبیدہ کا پیام پہنچا کہ وہ بھی ابن جامع کو دیکھنا چاہتی ہے۔ ہارون رشید قصر میں آیا اور زبیدہ کے پہلو میں بیٹھ گیا ، پردہ پڑ گیا اور ابن جامع بھی آ موجود ہوا اور اس نے گانا شروع کیا:

مارعدت رعدۃ و لا برقت
لکنما انشأت لنا خلقہ
الماء یجری علی نظام لہ —!
لویجد الماء مخرتا حزتہ
بتنا و باتت علی غمار قہا
حتی بدالصبح عینہ ارتہ

یعنی:

نہ بادل گرجا ہے نہ بجلی چمکی ہے
بلکہ اس نے ہمارے لیے ایک نئی زندگی پیدا کی ہے
پانی اپنے بھاؤ پر چلنے لگتا ہے
وہ اگر کوئی دراڑ پائے تو اسے اور چوڑا کر دے گا
ہم بھی قالین پر سوئے اور وہ بھی سوئی
جب صبح نمودار ہوئی تو اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں

پھر زبیدہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ابن جامع کو ہر شعر کے بدلے میں ایک لاکھ درہم دیے جائیں۔

رشید کہنے لگا:

''ابو الفضل کی بیٹی ہم سے سبقت لے گئی ، ہمارے مہمان اور جلیس کی قدر دانی میں اس نے ہمیں پیچھے چھوڑ دیا!''

پھر رشید نے زبیدہ کو اتنے دینار بھیج دیے جتنے درہم اس نے ابن جامع کو عطا کیے تھے[1]!"

زندہ دلان بغداد میں ایک جاریہ "خنث" کا —— جس کا لقب "ذات الخال" تھا —— بہت چرچا چل نکلا ، اس نے اپنے کمال کا شاعروں اور مغنیوں کو والا و شیدا بنا رکھا تھا ۔ رشید نے اسے ستر ہزار درہم میں خرید لیا اور اپنے قصر میں داخل کر لیا ، اور اس طرح یہ چشم مردم سے نہاں ہو گئی لیکن رشید نے دیکھا کہ شاعروں کی زبان پر اس کا نام جاری ہے ۔ یہ بات اسے پسند نہ آئی ، کیونکہ غیرت کے معاملے میں وہ بہت سخت تھا ، آخر اس نے اپنے ایک خادم کو اسے بخش دیا اور اس سے صرف اس حد تک تعلق رکھا کہ جب چاہتا گانا سن لیتا[2] ۔

رشید کے قصر میں اگرچہ بہت سی کنیزیں تھیں جن کی تعداد دو ہزار سے متجاوز تھی ، پھر بھی حالت یہ تھی کہ جو جاریہ بھی فروخت کی غرض سے اس کے سامنے پیش کی جاتی ، اگر پسند آ جاتی تو فوراً خرید لیتا ، شرطیکہ شعر و ادب سے بھی کچھ مس رکھتی ہو ۔

کنیزوں کے سلسلے میں رشید کا معمول یہ تھا کہ کسی کنیز کو اس وقت تک قصر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی جب تک اس کا باقاعدہ امتحان نہ لے لیا جائے ، اور امتحان بھی وہ لوگ لیتے تھے جن کا شمار خاصان ادب میں تھا ، مثلاً اصمعی اور کسائی وغیرہ ۔

لیکن اگر باندی غنا و موسیقی میں درک رکھتی ہو تو اس کی قدر و منزلت کا کیا کہنا ، چنانچہ رشید کے قصر میں جو کنیزیں تھیں ، ان کے جدا جدا گروہ تھے ۔ ایک وہ جو خود شاعر تھیں ، دوسری دف اور چنگ بجانے والیاں ، ان میں سے کسی کی قیمت بھی بیس ہزار درہم یا بیس ہزار دینار سے کم نہیں تھی ۔

اور مغنیات کی کثرت تعداد کوئی غلط چیز بھی نہیں تھی ، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے "ماملکت یمینہ" کی کوئی حد یا تعداد مقرر نہیں

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۹ ، صفحہ ۷۷ ۔

۲ ۔ کتاب الاغانی ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۸۵ ۔

ڈ ہے ، بلکہ جتنی بھی ہوں ، مباح ہے[1] - مہذب شائستہ ، تعلیم یافتہ ،
ن مجلس میں ماہر ، باندیوں کے جو لطائف اور پر لطف و دل چسپ

یہ از مترجم

۔ یہ نظریہ اگر مصنف کا ہے تو بھی غلط ہے ، اگر ہارون کا تھا تو بھی خلاف شرع تھا! یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں ، لیکن بات ایسی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ، اسلام کے خلاف اتنا بڑا سنگین الزام برداشت کر لینا بھی ممکن نہیں لہٰذا اجمال و اختصار کے ساتھ ، مجھے اس مسئلے پر گفتگو کرنا پڑے گی -

غلاموں اور کنیزوں کا جو بے محابا استعمال مسلمان ملوک و سلاطین کرتے رہے ہیں حاشا اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں -

اسلام جب عقیدہ و فکر اور کردار و عمل کی دعوت لے کر نمودار ہؤا ، اس وقت دنیا کی حالت یہ تھی کہ غلام—— بلا تفریق جنس و صنف—— ضروریات زندگی میں شمار ہوتے تھے - ان کی باقاعدہ درآمد و برآمد جاری تھی ، پوری تنظیم کے ساتھ ہر شہر میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا 'بازار غلاماں' قائم تھے -

مرد غلاموں سے مختلف قسم کے کام لیے جاتے تھے ، یہ ذاتی خدمت گار تھے ، کھیت جوتتے تھے ، ہل چلاتے تھے ، پالتو جانوروں کی رکھوالی کرتے تھے ، گھر کی دیکھ بھال کرتے تھے ، کھانا پکاتے تھے ، لکڑی چیرتے تھے ، شراب بناتے اور پلاتے تھے ، دور دراز مقامات پر ریوڑوں کو چرانے کے لیے لے جاتے تھے ، مقامی اور معاصر دشمن اگر حملہ آور ہوتے تو اس کا مقابلہ کرتے تھے اور جان تک دینے سے گریز نہیں کرتے تھے - وقت کی کوئی قید نہ تھی ، شب و روز ان سے کام لیا جاتا تھا - معاوضۂ کار بھی مقرر نہیں تھا ، بلکہ معاوضے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا - بچا کھچا کھانا مل جاتا تھا ، پھٹے پرانے کپڑے دے دیے جاتے تھے ، گھر کا سب سے زیادہ ناکارہ حصہ رہنے کو مل جاتا تھا -

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

واقعات مشہور ہیں ، ان میں ایک قصہ ، جاریہ ''عنان'' کا ہے جو شاعر ابو نواس وغیرہ کے ساتھ گذرا تھا اور جو اپنی دل چسپی کے اعتبار سے بغداد کے کوچہ و بازار میں عرصے تک لوگوں میں مشہور رہا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جو عورتیں کنیز کی حیثیت سے بازار میں فروخت ہوتی تھیں ، وہ بھی ہر انسانی حق سے محروم تھیں اور ان سے بھی حسب دل خواہ کام لیے جاتے تھے ۔

البتہ جو کنیزیں نو عمر ، خوبصورت اور طرح دار ہوتی تھیں ، ان کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کام پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جاتا تھا ، یہاں تک کہ وہ علم مجلسی کی ماہر ہو جاتی تھیں ۔ نغمہ و موسیقی میں یکتائی حاصل کر لیتی تھیں ۔ عشوہ طرازی اور دل بری کا سلیقہ سیکھ لیتی تھیں ، نگاہ سے گھائل کرنا اور ادا سے شکار کرنا ، ان کا خاص فن بن جاتا تھا ، پھر یہ بازار میں لائی جاتی تھیں ، ان کا اس طرح معائنہ ہوتا تھا جس طرح بھیڑ بکری اور گائے بھینس کے خریدار ٹٹول ٹٹول کر معائنہ کرکے دام لگاتے ہیں ۔ ان کی آواز ، ان کے ذوق ادب و شعر اور ان کے نغمہ و موسیقی کے کمال کا امتحان لیا جاتا تھا ۔ پھر نیلام شروع ہوتا تھا ، زیادہ بولی دینے والا ہانکتا ہوا خریدی ہوئی باندی کو گھر لے جاتا تھا ، اسے اپنی باندی پر غیرمسئول اور غیرمشروط مالکانہ حقوق حاصل ہوتے تھے ، جن میں ہم بستری کا حق بھی شامل تھا ، لیکن باندی کو کوئی حق حاصل نہیں تھا ، آقا کے صلب اور باندی کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ مادر زاد غلام ہوتی تھی ۔ اس کی خرید و فروخت بھی ہوتی رہتی تھی ، اسے اپنے اصل لیکن غیر قانونی باپ پر ، یا اس کی املاک و جائداد پر کوئی حق نہیں تھا ۔ یہ تھی ان کی سوسائٹی کی عام کیفیت ، جس سے دنیا کا کوئی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

عنان ایک شخص ناطفی کی مملوکہ تھی ، شعر خوب کہتی تھی ، رشید کے کان تک اس کے اشعار پہنچے تو بہت پسند آئے ، پھر اس نے عنان کو دیکھا تو دل دے بیٹھا اور اسے خرید لینے کا فیصلہ کر لیا ، لیکن اس کا نام چونکہ زبان زد عام ہوچکا تھا اس لیے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے سے باز رہا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

گوشہ بھی خالی نہ تھا ـــ ملک عرب میں بھی یہی کیفیت تھی !

اسلام آیا !

اسلام مساوات اور اخوت کا مذہب تھا ، ظاہر ہے وہ انسانوں کی خرید و فروخت اور غلامی کو نہ جائز رکھ سکتا تھا نہ گوارا کر سکتا تھا ۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ، غلامی کا نظام اتنا محکم اور مستحکم تھا کہ ضروریات زندگی میں اس کا شمار ہونے لگا تھا ، کوئی گھر غلام اور کنیز سے خالی نہیں تھا ـــ جو غریب تھے ، وہ سستی قیمت کے غلام اور لونڈی خریدتے تھے ، ہزاروں لاکھوں کے بجائے ، دس روپے ، پانچ روپے بلکہ روپے دو روپے تک کے ۔

ان حالات میں اگر غلامی یکسر ممنوع اور حرام قرار دے دی جاتی تو بہت بڑا معاشی بحران پیدا ہو جاتا ۔

ایک دشواری یہ پیش آئی کہ غلاموں کا نعم البدل کیا ہو ؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ یہ خارج از حد شمار غلام آزاد ہو کر کہاں جائیں ، کہاں رہیں ، کیا کریں ، دفعتاً اور اچانک اتنی بڑی تعداد آزاد ہو کر اور مساوی حقوق حاصل کر کے اور ساتھ ہی ساتھ بے وسیلہ اور وسائل و ذرائع سے محرومی کی حالت میں ایک بہت بڑا فتنہ بن جاتی ، حکومت کے لیے بھی ، معاشرے کے لیے بھی اور خود اپنے لیے بھی !

اسلام اعتدال و اقتصاد اور حکمت کا دین ہے ، اس نے غلامی کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایک روز ندیموں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا اور بزم بے تکلف زوروں پر تھی ، کہ حاضرین میں سے کسی نے شاعر جریر کا یہ شعر پڑھا :

ان الذین غدوا بلبک غادروا
و شلا بعینک لا یزال یعنا

یعنی :

جن لوگوں نے تیری عقل و خرد کو اسیر کیا وہ
اس حال میں تمہیں چھوڑ کے چلے گئے کہ آنکھوں سے ایک آبشار رواں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فتح کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ، یہ تھا :

۱ - احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت تاکید تھی کہ غلاموں سے وہی سلوک کیا جائے ، جو ایک رکن خاندان کے ساتھ ہوتا ہے۔ آقا جو خود کھائے ، وہی غلام کو کھلائے ، جو خود پہنے وہی غلام کو پہنائے ، جو کام لے ، اس میں خود بھی شرکت کرے حتیٰ کہ جسمانی مشقت جو لی جائے ، اس میں آقا کو حصہ لینا چاہیے ، یہ مساوات کی طرف پہلا قدم تھا۔

* غلام کو 'عبد' کے لفظ سے یاد نہ کیا جائے تاکہ اس کا احساس کمتری دور ہو۔
* اسے مارا پیٹا نہ جائے۔

نئے غلام بنانے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

۲ - غلاموں کی بڑی تعداد میدان جنگ سے حاصل ہوتی تھی اور یہ کوڑی کے مول بکتے تھے ، قرآن کریم نے یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اور اسیران جنگ کے لیے فاما منا بعد او فداء (یا تو اسیران جنگ کو از روئے احسان و کرم رہا کر دیا جائے یا ان سے فدیہ —— جو شخصی تاوان جنگ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

رشید یہ شعر سن کر پھڑک گیا اور بہت خوش ہوا اور حاضرین مجلس سے گویا ہوا :

''اگر تم میں سے کوئی ایسا ہی شعر کہہ دے تو یہ تھیلی—— جو سیم و زر سے بھری ہوئی تھی——اس کی ہے ۔''

سب نے بڑا زور لگایا ، لیکن کسی سے بھی بات نہیں بنی ۔ جو خادم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی صورت تھی——لے کر رہا کر دیا جائے) مختصر یہ کہ از روئے قرآن اسیران جنگ کو غلام کسی طرح نہیں رکھا جا سکتا ، فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر رہا کر دینا لازمی ہے ۔

فدیہ لینے کے سلسلے میں بھی انتہائی رعایت اور سہولت ملحوظ رکھی گئی ہے ۔

روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فدیہ اسے بھی قرار دیا کہ اسیران جنگ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں ۔

جو یہ بھی نہ کر سکا ان کا فدیہ آپؐ نے خود ادا فرمایا ۔

عہد رسالت میں اور خلافت راشدہ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا کہ جنگ کے میدان میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہوں ، انھیں غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑی ہو ۔ احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر بہر حال وہ رہا کر دیے گئے ۔

معاشرے کے حالات کو دیکھتے ہوئے پہلے سے جو غلام—— بلا تفریق جنس و صنف—— چلے آ رہے تھے ، ان کو عام انسانی حقوق اور مساوات سے بہرہ ور کرنے کے علاوہ داعی اسلام علیہ الصلٰوۃ و السلام نے ایسی کئی صورتوں پر عمل درآمد لازمی قرار دیا ، جس کے نتیجے کے طور پر رفتہ رفتہ غلاموں کی آزادی اور خود مختاری ، خود بخود

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

خاص مورچھل لیے حاضر تھا کہنے لگا :
''امیرالمومنین یہ کام میں کر سکتا ہوں !''
رشید نے اس کی طرف (حیرت سے) دیکھا اور پوچھا :
''تم ؟ ــــ وہ کیسے ؟ ــــ اچھا اجازت ہے !''

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
عمل میں آتی چلی گئی مثلاً :

* مساویانہ سلوک
* بڑے سے لے کر چھوٹے تک ، ارتکاب گناہ پر جو کفارہ از روئے قرآن کریم مقرر کیا گیا ہے ، اس میں گناہ کی نوعیت کے اعتبار سے غلاموں کی مختلف تعداد کو کفارہ قرار دیا گیا ہے ، اس طرح بڑی تعداد غلاموں کی ، خود آپؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو گئی ۔
* سب سے بڑا اور اہم مسئلہ لونڈی کا تھا ، غیر اسلامی سوسائٹی میں لونڈی ــــ جسے قرآن کے الفاظ میں ''ملک یمین'' کہا جاتا ہے ــــ سے ہم بستری بغیر کسی شرط اور پابندی کے جائز اور روا تھی ۔

لیکن اسلام نے یہ صورت ختم کر دی ، آقا اگر لونڈی سے ہم بستری کرتا ہے تو ایجاب و قبول اور گواہ و شاہد کے بغیر ایک طرح سے نکاح ہوگیا اور وہ غلامی کی سطح پر آ گئی ، لیکن ابھی بہر حال ہے باندی ، لیکن اگر اس کے بطن سے اولاد پیدا ہو گئی تو وہ خود کار طور پر آزاد ہوگئی ۔ یہ اولاد جو باندی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اپنے باپ کی املاک و جائداد اور ورثے اور ترکے میں اسی طرح حصہ پائے گی جس طرح نکاحی بیوی کی اولاد کو یہ حق ہوگا ۔

* لونڈی سے نکاح کی شرط یہ ہے کہ پہلے اسے آزاد کیا جائے ، پھر نکاح کیا جائے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

وہ خادم سیدھا ناطفی کے ہاں پہنچا اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا ۔ وہ عنان کے پاس گیا اور اس سے فرمائش کی کہ طبیعت پر زور دے کر کچھ موزوں کرے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

* ۔ کوئی غلام شرعی اور فقہی اصطلاح میں اگر ''مکاتب'' بننا چاہے ، یعنی قسطوں میں ایک فدیہ ادا کرنا چاہے تو آقا اسے مکاتب بننے سے نہیں روک سکتا ، وہ مکاتب بنے گا اور آمدنی کے دوسرے وسائل پیدا کر کے رفتہ رفتہ اپنا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کر لے گا ۔

روایت ہے (بخاری کی) کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم راستے سے گذر رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا ، ایک صحابی اپنے غلام کے ساتھ سختی کا برتاؤ کر رہے ہیں اور نا سزا الفاظ استعمال کر رہے ہیں ۔

آپؐ نے فرمایا :

''خدا سے ڈرو !''

وہ لرز گئے ، اسی وقت غلام کو آزاد کر دیا ، آپؐ نے فرمایا :

''یہ تم نے اچھا کیا ، ورنہ مبتلائے مصیبت (عذاب) ہو جاتے''!

حجۃالوداع کے موقع پر جو آپؐ کا آخری حج تھا ، آپؐ نے جو آخری تقریر فرمائی تھی اور جو امت مسلمہ کے لیے ایک وصیت کی حیثیت رکھتی تھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید فرمائی تھی ۔

ان شرعی ، فقہی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں اگر ان غلاموں اور باندیوں پر ایک نظر ڈالیے ، جو بازار غلاماں سے مسلمان سلاطین و سلاطین اور نام نہاد 'خلفا' کے لیے منہ مانگی قیمت پر یا نیلام عام میں خریدے جاتے تھے ، ان کی حیثیت موجودہ زمانے کی اصطلاح میں ہبیس کارپس' یعنی حبس بے جا سے زیادہ نہیں ، نہ شرعی طور پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عنان کی طبع موزوں سے یہ شعر ڈھل کر نکلے :

هیجت با لقول الذی قد قلته
داءٌ بقلبی ماین ال کمینا ، !
قد ایفت ثمر انه فی طیبها
و سقین من ماء الهوی فردینا
کذب اللذین تقولوا یا سیدی
ان القلوب اذا هوین هدینا

یعنی :

جو بات تم نے کہی ہے وہ میرے دل کی بیماری کو ہیجان میں لے آئی ہے
جو ہمیشہ چھپی رہے گی ،
اس کے پھل اچھی طرح پک چکے ہیں
عشق کے پانی نے سیراب کیا اور
ان لوگوں نے جھوٹی بات کہی ہے ،
دل جب کسی پر مائل ہوتے ہیں تو ہو ہی جاتے ہیں ۔

خادم خوش خوش یہ اشعار لے کر رشید کی خدمت میں حاضر ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وہ غلام تھے ، نہ شرعی طور پر کسی کو ان پر مالکانہ حقوق حاصل تھے ۔ یہ صرف دھاندلی تھی جس سے شرع اسلامی کو قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ۔ وہ اس دھاندلی سے اور اس دھاندلی کا ارتکاب کرنے والوں سے بری ہے ۔

بہت سی باتیں غلط طور پر اسلام سے منسوب کر دی گئی ہیں ، انھی میں ایک غلامی کا مسئلہ بھی ہے ، فرق یہ ہے کہ دوسری باتیں دشمنوں نے اڑائی ہیں اور یہ غلامی والی بات خود مسلمانوں کی چلائی ہوئی ہے ۔ دوسروں سے گلہ نہیں لیکن اپنوں کے اس ظلم کو کیا کیا جائے ؟

(رئیس احمد جعفری)

اور انھیں پیش کر دیا ۔
رشید نے سوال کیا :
"کس نے کہے ہیں یہ شعر ؟"
خادم نے جو بات تھی سچ سچ بتا دی ۔

اب ہارون ضبط نہ کر سکا ، اس نے تیس ہزار درہم میں عنان کو خرید لیا ۔ لیکن زیادہ عرصے تک وہ رشید کے پاس نہیں رہی ، کچھ روز بعد رشید نے اپنے ایک مقرب گاہ کو اسے بخش دیا[1] ۔

اس جگہ خاص طور پر جس بات کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں ، وہ یہ ہے کہ ہارون رشید پاک دامن اور پاک نفس تھا ، اس کے ارتکاب معصیت یا فجور کے بارے میں ایک روایت بھی کہیں تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکتی ، اس معاملے میں وہ اور لوگوں سے کہیں زیادہ برگزیدہ اور برتر تھا ۔

بلاشبہ ، جواری (کنیزوں) سے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ، وہ دل چسپی رکھتا تھا اور یہ اس زمانے کا عام چلن تھا ، چھوٹے بڑے ، امیر غریب ، وزیر اور سلطان ، کون تھا جس کا گھر باندیوں سے خالی ہو ؟ کنیزوں اور باندیوں کے خاص بازار تھے ، جن کی گہما گہمی اور رونق قابل دید تھی ۔ یہ ایک ایسا کاروبار تھا جو ساری دنیا میں رائج تھا ، ان کنیزوں اور باندیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خاص طور پر درس گاہیں اور تربیت گاہیں قائم تھیں جہاں انھیں گانے کی تعلیم دی جاتی تھی اور دف و چنگ بجانے کا فن سکھایا جاتا تھا ۔ شعر و ادب کا ان میں ذوق صحیح پیدا کیا جاتا تھا ، قرآن حفظ کرایا جاتا تھا اور قرأت سکھائی جاتی تھی ، انھیں اس لائق بنا دیا جاتا تھا کہ ملوک و امرا کے معاشرے میں اچھی طرح کھپ سکیں ۔

کتابوں اور روایتوں میں رشید کے بارے میں جو خامہ فرسائیاں اور گل افشانیاں کی گئی ہیں ، ادیبوں اور انشا پردازوں اور شاعروں نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر اگر جائزہ لیا

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۵۸ ۔

جائے تو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو رشید کے شایان شان نہ ہو یا اس کی شان سے فرو تر ہو ۔ یا کوئی ایسی بات نظر کے سامنے آتی ہو جس سے ظاہر ہو کہ عورتوں کے بارے میں وہ بے کردار اور غیر محتاط تھا ۔

اس کے برعکس تواتر کے ساتھ روایات و اخبار سے جو بات معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ اپنی خواتین اور اپنے خاندان کی خواتین کے بارے میں حد سے زیادہ با غیرت تھا ، حالانکہ اس زمانے کی سوسائٹی اور معاشرت نے قصور کے اندر اور باہر بھی عورتوں کو کافی آزادی دے رکھی تھی ۔

رشید کے خاصان دربار اور مقربان بارگاہ اس کی اس فطرت اور سرشت سے بخوبی واقف تھے اور ہر اس چیز سے بچتے تھے جو اس کی اس غیرت کو ابھار کر برے نتائج کی حامل ہو سکتی ۔

اصمعی کا بیان ہے :

''ایک روز ہارون رشید نے کسی کام سے مجھے اپنے حضور میں طلب کیا ، میں فوراً حاضر خدمت ہو گیا ، ایک چھوٹی سی بچی اس کے سامنے تھی ، مجھ سے دریافت کیا :

''کیا تم اس لڑکی کو پہچانتے ہو ؟''

میں نے عرض کیا ، ''یا امیرالمومنین میں تو اسے نہیں جانتا !''

یہ سن کر رشید نے مجھ سے کہا :

''یہ تمہارے امیرالمومنین کی لڑکی مواسہ ہے !''

یہ سن کر میں نے مواسہ اور امیرالمومنین کی درازیٔ عمر اور ترقی اقبال و درجات کی دعا کی ۔

رشید نے مجھ سے کہا :

''اس بچی کے سر کو بوسہ دو !''

میں نے اپنے دل میں سوچا اگر تعمیل حکم کرتا ہوں اور بچی کے سر کو پیار کرتے دیکھ کر اس کی غیرت بھڑکتی ہے تو مجھے قتل ہونے سے کون بچا سکے گا اور اگر تعمیل حکم نہیں کرتا تو بھی تلوار سر پر لٹک رہی ہے ۔ نافرمانی کے جرم میں مارا جاؤں گا ، آخر میں نے اپنی آستین مواسہ کے سر پر رکھی اور اسے بوسہ دیا ۔

یہ منظر دیکھ کر رشید متبسم ہوا اور کہنے لگا :

"اگر تم ایسا نہ کرتے تو مجھے غصہ آ جاتا[1] !"

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ہارون رشید کی بہن علیہ بنت خلیفہ مہدی ، شعر موزوں کرتی تھی اور اپنے اشعار گاتی بھی تھی ، اس کے اشعار غزل اور نسب سے متعلق ہماری نظر سے گذرے ہیں ، لیکن اس کی غزلوں میں کہیں بھی اظہار عشق و محبت نہیں کیا گیا ہے ، صرف اثر میں ڈوبے ہوئے اشعار ہیں اور اس حد تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ، نہ اس میں کوئی ایسا پہلو ہے جو علیہ کے شرف اور وقار کو مجروح کرتا ہو۔

البتہ بعض اشعار میں علیہ نے ایک خیالی شخص کا ذکر کیا ہے ، جیسا کہ اس زمانے کے ادبیات کا چلن تھا ۔

بس اسی بات کو بعض لوگ لے اڑے اور مشہور کر دیا کہ وہ اپنے ایک مملوک (غلام) سے محبت کرتی ہے اور یہ وہی ہے - 'طل' کے (فرضی) نام سے جس کا ذکر اس کے اشعار میں پایا جاتا ہے ، لیکن یہ محض بازاری گپ ہے اس کا امر واقعہ سے کوئی تعلق نہیں!

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید نے اس سے اس بارے میں سوال کیا کہ یہ کون شخص ہے جس کا ذکر اس کے اشعار میں پایا جاتا ہے ؟ بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اس نے بتا دیا کہ :

"یہ تو زینت شعر کے لیے ایک نام میں نے گھڑ لیا ہے ، ورنہ خدا نخواستہ اس سے مراد کوئی خاص آدمی نہیں !"

لیکن رشید نے اس سے بھی روک دیا اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا ، خیالی شخص کا ذکر بھی تمہارے اشعار میں نہ آنا چاہیے[2] ۔

جہاں تک علیہ کے گانے کا تعلق تھا ، تو اس کا مظاہرہ بھی کبھی مردوں کے سامنے نہیں ہوا ، جیسا اس زمانے کی باندیاں اور کنیزیں کیا

---

۱ - تحفۃ المجالس ، صفحہ ۱۱۷ -

۲ - رسائل المقریزی ، صفحہ ۱۵۷ -

کرتی تھیں ، وہ صرف اپنے لیے گاتی تھی ، یا اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر نغمہ و موسیقی کے کمال فن کا مظاہرہ کرتی تھی ، جیسا کہ اکثر امرا و رؤسا کی خواتین کیا کرتی تھیں ۔

لیکن رشید اس معاملے میں بھی کچھ کم با غیرت نہ تھا ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ یگانۂ روزگار مغنی ابراہیم موصلی کے گھر گیا ۔

ابراہیم موصلی ان لوگوں میں تھا جو باندیاں خرید کر اور کامل فن بنا کر ، تہذیب و شائستگی ، نغمہ و موسیقی اور علوم و فنون کے زیور سے آراستہ کر کے منہ مانگے داموں فروخت کیا کرتے تھے ۔

اپنے گھر میں خلیفہ کو قدم رنجہ فرماتے دیکھ کر ابراہیم موصلی نے ایک خاص مجلس نغمہ و موسیقی ترتیب دی اور جو بہترین فن کار باندیاں تھیں ، انھیں حاضر کیا ۔ ان باندیوں نے کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے جی توڑ کے گایا اور دف و چنگنہ بجانے کا ہنر دکھایا ، ان میں سے ایک نے بڑی خوش آوازی کے ساتھ یہ شعر گائے :

یا موری الزند قد اعیت قوادحہ
اقبس اذا شئت من قلبی بمقباس
ما اقبح الناس فی عینی و اسمجھم!
اذا نظرت و لم ابصرک فی الناس

یعنی :

اے چقماق سے آگ حاصل کرنے والے
اگر تیری کوشش ناکام ہوتی ہے تو میرے دل کے شعلوں سے کام چلا لے
میری آنکھوں میں لوگوں کا وہ مجمع اتنا بد منظر اور تکلیف دہ ہوتا ہے
جن میں ، میں دیکھتا ہوں کہ تو نہیں ہے !

رشید نے اس جاریہ کے گانے کو بے حد پسند کیا اور اس کا نام دریافت کیا اور یہ بھی دریافت کیا کہ اس جاریہ کو یہ دھن کس نے

سکھاتی ہے۔

جاریہ نے دست بستہ عرض کیا کہ وہ امیرالمومنین کی ہمشیر علیہ کی کنیز ہے ، جسے انھوں نے ابراہیم موصلی کے پاس تکمیل فن کے لیے بھیجا ہے۔

یہ سنتے ہی رشید اٹھ کھڑا ہؤا اور اس نے ابراہیم موصلی سے کہا :

"پھر تو خود خلیفہ ہی کیوں نہیں بن جاتا ؟"

یہ سن کر ابراہیم موصلی کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ قریب تھا کہ وفور دہشت سے روح پرواز کر جائے۔ آخر بڑی مشکل سے پاؤں پکڑ کر اسے راضی کرنے میں کامیاب ہوسکا[1]۔

ان واقعات و حقائق کو اور تاریخ کی روشنی میں ہم کسی طرح بھی ان روایات کو صحیح باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ، جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ گانے والی کنیزوں اور فن کار مغنیوں کو اپنی مجالس میں بیک وقت مجتمع ہونے کا موقع دیتا تھا۔ اس طرح کی روایت کو ماننے کے لیے ہم اس لیے انکار کرتے ہیں کہ از روئے درایت یہ ناقابل یقین ہے۔

عورتوں کے بارے میں رشید کی غیرت کے جو واقعات ہم نے درج کیے ہیں ان کی روشنی میں یہ روایتیں قطعاً ساقط الاعتبار ہیں ، البتہ یہاں تک صحیح ہے کہ اپنے خاص الخاص ندیموں اور جلیسوں کے اجتماع میں وہ فن غنا جاننے والی کنیزوں کو باریابی کا موقع دیتا تھا اور ان کا گانا سنتا تھا۔

ایک بات ایسی ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا ، وہ یہ کہ ہارون رشید اپنے حزم و تقویٰ اور جلالت شان کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے ، ٹھٹھول ، دل لگی اور ظرافت سے بھر پور دل چسپی رکھتا تھا۔ کوئی مزے کی بات سن لیتا تو پورا لطف لیتا ، اس کے سامنے مسخرے پن کی باتیں کی جاتیں تو خوش ہوتا اور ہنستا۔ اپنے قصر میں اس نے بہت سے مسخروں اور ظریفوں کو جمع کر رکھا تھا ، جو اس کا جی بہلایا کرتے اور اسے ہنسا تے رہتے تھے۔

---

۱ - الاغانی۔

ان لوگوں میں ابن ابی مریم بہت مشہور تھا ، اس کی باتیں بڑی پر لطف ہوتی تھیں ، طرز بیان ایسا دل آویز اور سحر طراز جو اس کی باتیں سنتا ، ہنستے ہنستے لوٹ جاتا ، ایسی دور کی کوڑی لاتا تھا کہ سننے والے دنگ رہ جاتے ، عربوں کی تاریخ و القاب اور القاب اشراف سے پورے طور پر واقف تھا ، ظریف شاعروں سے پورے طور پر واقف تھا ، ظریف شاعروں کے اشعار نوک زبان تھے ، طرح طرح کے لطیفے ، تازہ بتازہ نو بنو سنانے اور بنانے میں کمال رکھتا تھا۔

رشید ابن ابی مریم کو بہت پسند کرتا تھا ۔ چنانچہ قصر شاہی میں رہنے کے لیے اسے ایک مکان دے دیا گیا تھا ، وہ آزادانہ محل کے خادموں ، غلاموں اور باندیوں سے خلا ملا اور میل جول رکھتا تھا ، اسے عام اجازت تھی کہ رشید کی بزم بے تکلف میں جب چاہے بغیر کسی روک ٹوک کے آ جائے اور شاعروں اور مغنیوں کے پہلو میں بیٹھ جائے ۔ اس طرح کی مجلسوں میں صرف خاص آدمیوں ہی کو حاضری کی اجازت تھی ، ہر کس و ناکس کو شریک مجلس ہونے کی نہ جرأت تھی نہ اجازت ۔

ابن ابی مریم ان مجلسوں میں بے تکلف شریک ہوتا ، رشید کے ندیموں اور ہم جلیسوں پر فقرے سر کرتا ، لیکن توہین اور حقارت کا پہلو بچا کر وہ بھی اس وقت میں جب محسوس کر لیتا خلیفہ کی بھی مرضی ہے اور وہ ان سے بگڑا ہوا ہے ، ایسے موقع پر رشید کا اشارہ پا کر وہ ایسی چٹکیاں لیتا تھا کہ سننے والا تلملا کر رہ جاتا ۔ ابن ابی مریم کی حیثیت رشید کے دربار میں وہی تھی جو قدیم فارس کے شاہی دربار میں مسخروں کی ہوتی تھی ، یا یورپ کے بھانڈوں کے ہاں جیسے مسخرے اور بھانڈ ہوا کرتے تھے ۔ ہمیں نہیں معلوم ، دربار رشید میں مسخروں کے لیے کوئی خاص دن معین تھا یا نہیں ؟ جیسا یورپ کے شاہی دربار میں معمول تھا ۔

اور یہ ابن مریم رشید کو بھی نہیں چھوڑتا تھا ، رشید کے ساتھ اس کے بہت سے لطائف و ظرائف مشہور ہیں ، لیکن ایسے موقع پر وہ حد ادب سے تجاوز نہیں کرتا تھا ، اگرچہ بات پتے کی کہہ جاتا تھا ۔ رشید بھی اس کی چٹکیوں اور گدگدیوں سے لطف اندوز ہوتا تھا البتہ اگر کوئی ایسی بات

کہہ جاتا جس میں دین کے استخفاف کا پہلو ہو تو اسے جھڑک دیتا ۔

ایک روز رشید نماز فجر کی امامت کرا رہا تھا ، پیچھے درباری لوگ تھے ، رشید نے قرأت کرتے ہوئے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

''وما لی لا اعبد الذی فطرنی'' ؟ (مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہیں کرتا جس نے مجھے پیدا کیا ہے)؟

مقتدیوں کی صف میں ابن ابی مریم بھی تھا ، نماز ہی میں بول پڑا :

''خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم'' ۔

رشید ضبط نہ کر سکا ، نماز ہی میں ہنس پڑا ۔ پھر ابن ابی مریم کی کی طرف ملتفت ہؤا اور برہمی کے عالم میں کہنے لگا :

''کیوں ! نماز میں بھی ؟''

ابن ابی مریم نے جواب دیا :

''خدا کی قسم میں نے تو کچھ نہیں کیا ، میں نے آپ سے ایک بات سنی ، جس نے مجھے رنجیدہ کر دیا ، اس سے متاثر ہو کر یہ الفاظ میرے منہ سے نکل گئے !''

رشید نے کڑے تیور سے کہا :

''خبردار ، قرآن اور دین کے معاملے میں کبھی تمہارے منہ سے ازراہ مزاح بھی کچھ نہ نکلے ، البتہ ان دونوں کے بعد جس بات پر جو چاہو کہو[1] !''

ایک دلچسپ لطیفہ

ایک دن رشید نے کوئی دوا استعمال کی ، ضروری تھا کہ دن بھر سب سے الگ تھلگ بستر پر دراز رہے ، ابن ابی مریم حاضر ہؤا اور کہنے لگا :

''آج کے دن مجھے اپنا حاجب بنا لیجیے ، جو ہدایا اور تحائف خاصان بارگاہ خلافت کی طرف سے مجھے اس کام کے باعث ملیں گے ، اس میں آپ کا حصہ بھی رکھوں گا !''

رشید نے بات مان لی ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۴۳ ۔

صبح ہوئی توخاصان بارگاہ خلافت کے قاصدوں کا تانتا خیریت مزاج دریافت کرنے کے لیے لگ گیا ۔ ابن ابی مریم خلیفہ کے خلوت خانے میں گیا اور فوراً واپس آگیا ، اس نے ہر قاصد سے کہا :

''جاؤ اپنے بھیجنے والے کو بتا دو کہ میں نے اس کا نام مزاج پرسی کرنے والوں کی فہرست میں دوسرے سب لوگوں سے پہلے رکھا ہے !''

یہ سن کر قاصد واپس جاتا اور یہ خوش خبری سنا کر بہت بڑا انعام اور قیمتی تحفہ لے کر بطور اظہار ممنونیت حاضر ہوتا کہ اس کے بھیجنے والے کا نام دوسروں سے مقدم رکھا گیا ۔

اس طرح ہر آدمی نے کیا ، جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ سہ پہر سے پہلے پہلے ہزارہا ہزار دینار جمع ہو گئے ۔

ابن ابی مریم رشید کے حضور میں حاضر ہؤا اور سارا ماجرا کہہ سنایا ، رشید ہنس پڑا اور گویا ہؤا :

''لیکن میرا حصہ بھی تمہارے رکھا تھا وہ کہاں ہے ؟''

''خدا کی قسم آپ نے بجا فرمایا آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اپنا حصہ لیں ؟''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور ذرا دیر کے بعد تھوڑے سے پختہ سیب لے کر حاضر ہؤا جنھیں پہلے سے اس نے رکھ چھوڑا تھا اور عرض گذار ہؤا ۔

''یہ ہے آپ کا حصہ اور یہ بہترین حصہ ہے جو میں نے آپ کے لیے منتخب کیا ہے آپ کی صحت اور طول عمر کا دعا گو ہوں !''

رشید ہنس پڑا [1] ۔

قصر خلافت کے مسخروں میں صرف ابن ابی مریم ہی نہیں تھا اور بھی کئی لوگ تھے ، مثلاً ابو الحسن دمشقی ، جو خلیع دمشقی کے لقب سے پکارا جاتا تھا اور ابن ابی المعازلی ، اور کئی دوسرے ظریف اور مسخرے ، جو اپنے فن میں یکتا اور بے مثل تھے ، جب کبھی بھی رشید کسی فکر یا صدمے میں مبتلا ہوتا تو ان میں سے کسی کو بلا لیتا تاکہ جی بہلے اور فکر و غم دور ہو ۔

---

۱ ۔ الطبری جلد ۳ ، صفحہ ۷۴۴ ۔

رشید کے ندیموں اور حاشیہ نشینوں میں بڑے بڑے ادیب ، شاعر اور راویان ادب بھی تھے ، اور جانتے تھے کہ ظرافت اسے کتنی بھاتی ہے اور لطیفوں سے وہ کس درجہ لطف اندوز ہوتا ہے اور فقرے بازیاں اسے کتنا مسرور کرتی ہیں ۔ دوران حضوری میں یہ لوگ بھی اپنی پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی مضحک اور لطیفہ خیز باتیں رشید کو سنایا کرتے تھے ۔ ان میں اور دوسرے مسخروں میں فرق یہ تھا کہ ان کے منہ سے جو کچھ نکلتا وہ ذوق سلیم ، ادب لطیف اور لذات فکر کا آئینہ دار ہوتا ، برعکس دوسروں کے کہ وہ صرف ٹھٹھول اور مسخرگی کی حد تک محدود تھے ۔

رشید کے حاشیہ نشینوں میں ایک بلند پایہ شخصیت جو مزاح و ظرافت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی ، بلکہ سب پر بالا تھی ، عبدالملک اصمعی کی تھی ، جس کے بارے میں جاحظ کا بیان ہے :

''فن گفتگو و حکایت میں حد درجہ شیریں بیان تھا !''

اصمعی دوسرے مسخروں کی طرح نہیں تھا ، اس کی باتوں میں ادب کی چاشنی ، ظرافت کی نکھری ہوئی روح اور لطف بیان کی عذوبت اور شعر و سخن کی لطافت ہوتی تھی ۔ فصاحت میں وہ اپنے وقت کا امام اور شیخ عصر تھا ۔ وہ پندرہ سال تک ہارون رشید کا ہمدم اور ندیم رہا اور اس مدت میں برابر رشید کو اعلیٰ فن سے مستفیض کرتا رہا اور ادب و شعر کی باریکیاں سکھاتا رہا اور ادب عربی کے بہترین اسلوب و منہاج سے اسے آشنا کرتا رہا ۔

اصمعی پر کوئی پابندی نہ تھی ، وہ ہر وقت رشید کے پاس بغیر کسی روک تھام کے آ سکتا تھا ، جب آتا تو جس طرح کی داستانیں اور کہانیاں چاہتا سناتا ، یہاں تک کہ فضا ، ادب، شعر اور طنز و ظرافت سے معمور ہو جاتی ۔ ایک روز اس سے رشید نے کہا :

''جس محفل میں تم نہ ہو ، وہ سونی اور بے مزہ ہے[1] !''

رشید کے دربار میں اصمعی کے علاوہ بھی گراں مایہ ادبی اور علمی

---

۱ ۔ الاصمعی ، صفحہ ۱۲۶ ۔

شخصیتیں تھیں ، جو طنز و مزاح کا چوکھا ذوق رکھتی تھیں اور اپنے دوران نشست میں ، حریت رائے اور حریت قول کے مظاہرے اسلوب لطیف کے ساتھ کرتی رہتی تھیں ، مثلاً اسحاق بن ابراہیم موصلی ، کلثوم بن عمرو عتابی ، ابو نواس اور دوسرے مشاہیر رجال ۔

رشید کی بزم بے تکلف میں ایک مرتبہ ثمامہ بن اشرس جو مشہور زمانہ علمائے علم کلام میں سے تھے اور مشہور شاعر ابو العتاہیہ بھی موجود تھے ۔

ثمامہ کم گو تھے ، مجلس میں بیٹھتے تو زیادہ تر چپ رہتے ۔ لیکن برجستہ جواب دینے میں بھی طاق تھے اور ابوالعتاہیہ موج میں ہوتا تو بولے چلا جاتا ۔ رشید نے سوچا آج ان دونوں کو بھڑا دیا جائے ۔ اس نے ابو العتاہیہ کو اشارہ کیا کہ ثمامہ سے چھیڑ خانی کرے ۔

ابوالعتاہیہ نے رشید سے کہا :

"یا امیرالمومنین علم کلام کا مسئلہ ایک ہے جس کا جواب میں ثمامہ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں ، اسے حکم دیجیے کہ میرے سوال کا جواب دے !"

ہارون رشید نے جواب دیا :

"ہاں کیوں نہیں ، پوچھو ۔ جواب ملے گا تمہیں !"

ابو العتاہیہ نے اپنا انگوٹھا ثمامہ کے منہ کے سامنے لے جا کر کہا :

"اس وقت یہ کہاں ہے ؟"

ثمامہ نے تڑ سے جواب دیا :

"تمہاری ماں کی اندام نہانی میں !"

اس جواب پر رشید کو اتنی ہنسی آئی کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگیا اور ابوالعتاہیہ ایسے چپ ہوا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو ۔

اپنی هجو کی فرمائش ۔

رشید کی بزم بے تکلف کا ایک اور نہایت دل چسپ واقعہ :

رشید کے کانوں تک بصرہ کے رہنے والے ایک شخص کا ذکر پہنچا کہ بڑا ظریف ہے ۔ برجستہ گو ہے ، شعر خوب کہتا ہے اور فی البدیہ کہتا

ہے - رشید نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور شریک مجلس کر لیا ، ندیموں اور حاشیہ نشینوں کی خاص تعداد اس موقع پر موجود تھی -

وہ شخص جب داخل مجلس ہوا ، تو اس نے خلیفے کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ پڑھنے کی اجازت طلب کی -

رشید نے جواب دیا :

''ہمیں اپنے مدحیہ قصیدے سے تو معاف رکھو ، لیکن یہاں جتنے لوگ جمع ہیں ایک ایک کر کے سب کی ہجو میں فی البدیہہ طور پر کچھ کہو تو بات ہے !''

شاعر ظریف نے پوچھا :

''یا امیرالمومنین کس شخص سے شروع کروں ؟''

رشید نے مسلم بن باہلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

''یہاں سے !''

اس شاعر ظریف نے سعید بن مسلم کی ایسی کڑوی ہجو کی کہ اس میں تاب ضبط نہ رہی ، تلوار میان سے نکال لی -

رشید نے ڈانٹا :

''خبردار ــــ یہ شاعر ہے ، شاعر کی بات کا برا نہیں مانتے ، بیٹھے رہو اپنی جگہ چپ چاپ'' بے چارہ سعید بیٹھ گیا -

اسی طرح اس شخص نے باری باری سے ہر شخص کی ایک سے ایک بڑھ کر ہجو کی ، ہر شخص تلملا کر رہ گیا اور ہر ایک کو رشید نے یہی کہہ کر روکا اور خاموش کیا :

''یہ شاعر ہے ، شاعر کی بات کا کیا برا ماننا !''

آخر جب سب کی ہجو ہو لی اور صرف رشید باقی رہ گیا ، تو شاعر نے خاموشی اختیار کر لی -

رشید نے اس سے کہا :

''میں تجھے قسم دیتا ہوں اگر میری ہجو میں بھی اپنا زور کلام نہ صرف کرے !''

اب شاعر کیوں چپ رہتا ، اس کی زبان چلی :

یا عین سحی الدمع فی عبرۃ
قربا یبع الناس لہارون
خلیفۃ اللہ ولکنہ
لا یعرف البقل من التین !

یعنی :

اے آنکھ آنسو بہا اس عبرت کی بات پر کہ
لوگوں نے ہارون کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے ،
جو اللہ کا خلیفہ ہے ،
لیکن ترکاری اور انجیر کا فرق بھی نہیں جانتا ۔

ہارون نے غضب ناک ہو کر کہا :

"حرام زادے تیری ہجو گوئی یہاں تک پہنچ گئی ہے ؟"

پھر حکم دیا :

"تلوار ، اور قتل کے لیے مجرم کو بٹھانے کا چمڑا (نطع) لاؤ !"

تمام حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر عرض کیا :

"یہ شاعر ہے یا امیرالمومنین اور شاعر کی بات کا برا ماننا کیا ؟"

ہارون ہنس پڑا اور اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۱ ۔

روایت ہے کہ امام ابو یوسف رح نے جو عہد ہارون میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے ، ایک شخص کو ایک مقام جبلہ کا قاضی بنا کر بھیجا ۔ کچھ عرصے بعد قاضی کو اطلاع ملی کہ خلیفہ بغداد سے بصرہ جا رہا ہے ، اور جبلہ کی طرف سے اثنائے سفر میں گذرے گا ۔ قاضی نے اپنے دوستوں اور ہم نشینوں سے کہا :

"جب امیرالمومنین کی سواری ادھر سے گذرے تو تم ان کے سامنے میری خوب تعریف کرنا اور میرا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کرنا !"

لوگوں نے وعدہ کر لیا ۔

جب خلیفہ کا گذر جبلہ کی طرف سے ہوا ، تو وہاں کے لوگوں نے

---

۱ ۔ تحفۃ المجالس صفحہ ۱۰۲ ۔

ں کا پرجوش استقبال کیا ، لیکن قاضی کی تعریف و توصیف میں ایک نفظ بھی نہیں کہا ۔

قاضی صاحب نے اپنی داڑھی میں کنگھی کی ؛ پگڑی ٹھاٹھ سے زیب سر کی اور خلیفہ کی گذرگاہ میں جا کر کھڑے ہو گئے ۔ جب خلیفہ کی سواری پاس سے گذری تو قاضی صاحب نے خلیفہ سے فرمایا :

''جبلہ کا قاضی بہت ہی عمدہ آدمی ہے !''

امام ابو یوسف ساتھ تھے ، انھوں نے قاضی صاحب کو پہچان لیا اور بے ساختہ ہنس پڑے ۔

رشید نے امام صاحب سے پوچھا :

''آپ کو ہنسی کس بات پر آئی ؟''

امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا :

''یا امیرالمومنین یہ صاحب جس قاضی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اتفاق سے خود ہی وہی قاضی ہیں !''

رشید کو بھی ہنسی آ گئی اس نے قاضی صاحب سے کہا :

''جس قاضی کی تم نے تعریف کی ہے ہم نے اسے معزول کیا[1] !''

مذکورہ واقعات سے اور دوسرے اخبار و روایات سے یہ بات صاف ثابت ہے کہ رشید کو ظرافت ، طنز و مزاح ، لطائف اور ٹھٹھول سے دل چسپی تھی ، اپنی خاص مجلس میں ان چیزوں سے وہ پورا لطف لیتا تھا، اس کی یہ خصوصیت کسی سے ڈھکی چھپی بھی نہ تھی ، سب اس سے واقف تھے ، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ سلسلہ بھی چل پڑا کہ لوگوں نے خود مضحکہ خیز اور خندہ آور کہانیاں اور داستانیں گھڑ لیں ، اور انھیں رشید کے بعض حاشیہ نشینوں کی طرف منسوب کر کے مشہور کر دیا کہ یہ واقعہ رشید کے سامنے اور اس کی موجودگی میں پیش آیا تھا ۔

بات یہیں تک رہتی تو کچھ ایسا مضائقہ نہ تھا ، لیکن نوبت یہاں تک پہنچی کہ رشید کی بزم بے تکلف سے ایسے لطائف و ظرائف بھی جو

---

۱ ۔ تحفۃ المجالس ۔ صفحہ ...

حد درجہ رکیک و سخیف ، مبتذل اور ناشائستہ تھے ، منسوب کرنا شروع کر دیے جو کسی درجے میں بھی ایک مہذب مجلس کے شایان شان نہ تھے اور ان سب کی تان آ کر رشید کی ذات پر ہی ٹوٹتی تھی ۔ یعنی ۔ ان رکیک ، مبتذل اور ناشائستہ و غیر مہذب لطائف و ظرائف کا مرکز و محور وہی قرار پاتا تھا ۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں بعض کتابوں کی زینت بن گئیں اور ان میں مزید اضافے بھی ہو گئے ۔ جن کا امر واقعہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا ۔

جو بات شک و ریب سے بالکل بالا ہے ، یہ ہے کہ خلفا میں رشید سب سے زیادہ سخی اور لکھ لٹ تھا ، لوگوں کے دامن واقعی سیم و زر اور لعل و گوہر سے بھر دیتا تھا اور فن کاروں کے ساتھ اس کی داد و دہش اور بذل و عطا کا تو عالم ہی کچھ اور تھا ۔ نتائج فکر و فن میں اختراع و ابداع کے لحاظ سے جو لوگ ممتاز تھے ۔ مثلاً شعرا ، رواق ، موسیقار اور مغنی ، چنگ و رباب بجانے والے ، ان کے معاملے میں تو اسراف کی حد تک سخی تھا ۔

گزشتہ صفحات میں ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ رشید کی صیانت کے اس پہلو کو بھی زیر بحث لائیں گے کہ اپنے رجال و دولت کے ساتھ اس کی بخشش و عطا کا کیا حال تھا ۔ اور اپنے ہم نشینوں اور ندیموں کو بات بات پر وہ انعام سے مالا مال کر دیا کرتا تھا ، تا کہ اس کی سخاوت ۔ دریا دلی اور بخشش کے جو واقعات داستان اور افسانہ معلوم ہوتے ہیں اور جن کی صحت کو مشکوک و مشتبہ سمجھا جاتا ہے ، تاریخ کی روشنی میں ان کی صداقت ظاہر ہو جائے ۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے دو بہت بڑے گاؤں جن کی سالانہ آمدنی چالیس ہزار دینار تھی ۔ دوسرے درجے کے ایک گویے کو بخش دیے ۔ جس نے اپنی نو ایجاد دھن میں ایسا راگ سنایا تھا کہ رشید بے خود ہو گیا تھا ۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی جو اس عہد فرخ فال کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ ـــــ ناقابل یقین حد تک ـــــ تھی ! نہ صرف زیادہ تھی

بلکہ خلاف اصول و دیانت بھی تھی -

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے ، کسی بات پر رشید خوش ہؤا اور ارد گرد جو مصاحب اور ندیم بیٹھے ہوئے تھے ، ان پر اس نے چھ ملین درہم نچھاور کر دیے ؛ —— صرف ایک ہی نشست میں !

کوئی ایک واقعہ بھی ایسا ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی شاعر نے اپنا کلام سنایا ہو اور اسے پسند آ گیا ہو ، کسی عالم نے کوئی نکتہ بیان کیا ہو اور وہ اس کے دل کو لگ گیا ہو ، کسی مطرب نے کوئی گیت سنایا ہو اور سن کر وہ خوش ہوگیا ہو ، اور پھر اسے ہزاروں درہم اور دینار انعام کے طور پر نہ دے ڈالے ہوں—— اور ایسا بھی نہیں ہے کہ رشید کی سخاوت اور بذل و عطا کے یہ واقعات کسی ایک ہی ماخذ اور مصدر سے ماخوذ ہوں ، کہ ان کی صحت مشتبہ قرار دی جا سکتی ہو - معاملہ یوں ہے کہ بہت سے ماخذ اور مصادر ان واقعات بذل و عطا کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں ، بعض مؤرخ ایسے بھی جو رشید کے ہم عصر ہیں ، آخر ان میں سے کس کس پر شک کیا جا سکتا اور کس کس کا انکار کیا جا سکتا ہے ؟

البتہ ان بڑی بڑی رقموں کو یوں اور اس طرح صرف ہوتے دیکھ کر جو ان کاروں ، مصاحبوں ، ندیموں ، رجال دولت اور امرا بیت عباسی پر بے دھڑک صرف ہوئی اور فضول خرچی اور اسراف کی حد سے بھی کہیں پرے نکل گئی - ایک سوچنے والے کے دل میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ اگر یہ دولت فراواں تنظیم مملکت اور فلاح ملت پر وقف کی جاتی تو اس کا نتیجہ ہر اعتبار سے کتنا دل خوش کن اور روح پرور ہوتا اور حکومت اور قوم کو اس سے کتنے بے انداز فائدے پہنچتے - لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے اور اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا -

اس زمانے کی سوسائٹی اور معاشرے پر اگر ہم ایک نظر ڈالیں اور اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ خزانۂ حکومت کے وسائل اور محاصل اتنے زیادہ تھے کہ آج کی دس حکومتوں کے میزانیے کے برابر تھے اور

مخصوص طبقات کی ثروت اور دولت حد قیاس سے باہر تھی ، تو اس کا ایک بڑا حصہ رائے عامہ کی استمالت اور عوام کی نگاہ میں ممدوح اور مقبول بننے کے لیے شاعروں ، ادیبوں ، راویوں اور اصحاب زبان و بیان اور اصحاب فکر و رائے پر صرف کرنا ایسا ہی تھا جیسا آج کل کثیرالاشاعت اخبارات میں پراپیگنڈے پر مختلف صورتوں میں بڑی بڑی رقومات کا صرف کرنا ۔

اگر ہم ان باتوں کو پیش نظر رکھیں اور ان حقائق کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں تو اگر پورے طور پر نہیں تو کسی حد تک ضرور اس لکھ لٹ فرماں روا کی بخشش اور سخاوت کو سراہنے پر اپنے تئیں مجبور پائیں گے۔

رشید کے زمانے میں متعدد طبقات کی ثروت و امارت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی ، امرا ، وزرا ، افسران فوج ، عمال اقالیم ، منصب دار ، پایۂ تخت اور دوسرے شہروں کے تاجر اور سوداگر ، ان سب کے گھر دولت سے پٹے ہوئے تھے ۔

ان کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ ثروت و امارت ، خوش حالی اور آسودگی کی لہریں ، ایوان علم ، شبستان ادب اور خیابان شعر و سخن تک بھی مدح و ثنا اور تائید و حمایت کے سہارے پہنچی ہوئی تھیں ۔

ان سب میں پیش پیش برامکہ تھے !

وزارت کا منصب ان کے ہاتھ میں تھا ، دولت ان کی باندی تھی اور اسے استعمال کرنے کا ڈھنگ بھی یہ خوب جانتے تھے ۔ اس خاص باب میں یہ حد جنون تک پہنچے ہوئے تھے ، انھوں نے صرف لوگوں کی زبانیں ہی نہیں خریدی تھیں ، دل بھی خرید لیے تھے ۔

مثلاً یحییٰ بن خالد کی سواری جب نکلتی تو درہم و دینار سے بھری ہوئی تھیلیاں اس کے پاس رہتیں ، راستے میں جو بھی دست سوال دراز کرتا ، وہی پاتا جو مانگتا ۔ جو بھی مدح و توصیف کے گیت گاتا نظر آتا ، مسرور جاتا[1] ۔

یہی حال جعفر برمکی کا تھا ، باہر نکلتا تو خادم درہم و دینار کی تھیلیاں لیے ہوئے ساتھ چلتا ۔ سر راہ کوئی ادیب یا شناسا نظر آجاتا

---

۱ - رسائل المنبرتی ، صفحہ ۲۷ ۔

یا مجلس میں کچھ زبانیں آمادۂ تکلم نظر آتیں ، اپنے عطا و کرم سے انہیں خرید لیتا[1] ۔

روایت ہے کہ فضل بن یحییٰ برمکی ایک مرتبہ خراسان سے واپس آیا ۔ رشید اور اس کے درباری اور شہر کے سر برآوردہ اصحاب نے بغداد سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا ۔ اسی وقت اس نے کئی لاکھ درہم لوگوں میں بانٹ دیے[2] ۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے محافظ دستہ پولیس کے افسر ابراہیم بن جبریل کو چار ملین درہم یک مشت بخش دیے[3] ۔

برامکہ کے علاوہ دوسرے امرا اور اہل ثروت بھی بخشش و عطا کے معاملے میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر تھا ، ایک مرتبہ یزید بن شیبانی نے اپنے لیے ایک گراں قیمت گاؤں خریدا اور آدھا باغ ایک شاعر کو عطا کر دیا ، جس نے اس کی مدح میں بڑے اچھے اشعار کہے تھے ۔

جب داد و دہش ، بذل و عطا اور دریا دلی و سخاوت میں مملکت کے خواص اور عوام کا یہ حال تھا ، تو خلیفۂ وقت کو تو ان سے زیادہ سخی اور جواد ہونا ہی چاہیے تھا ، کیونکہ اسے ان سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت تھی کہ رائے عامہ اس کے ساتھ ہو ، زبانوں پر اس کا ذکر خیر ہو ، اور اس کی مدح و توصیف میں اشعار و قصائد کہے جائیں کیونکہ وہ خلیفہ تھا سب پر بالا ، اسے ہر معاملے میں سب پر بالا ہی رہنا چاہیے تھا ۔

پھر ایک بات اور بھی تھی !

گو رشید فطرتاً سخی اور لکھ لٹ تھا ، لیکن موقع محل دیکھ کر !

اس زمانے کی سوسائٹی کا وطیرہ انفاق اور داد و دہش تھا ۔ لیکن رشید کے انفاق اور داد و دہش میں تکلف اور تصنع نہیں تھا ، کیونکہ اس کے پاس دولت کی کیا کمی تھی ، خزانہ سیم و زر سے بھرا ہوا تھا ۔

---

۱ ۔ ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۵ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۔۔۔ ۔

۳ ۔ [illegible] ، جلد ۳ ، صفحہ [illegible] ۔

پس ماننا پڑے گا کہ رشید کی سخاوت اور دریا دلی، کج رائی اور حماقت کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ وہ ایک اصول اور مقصد کے ماتحت تھی۔

قاضی ابوالبختری فرماتے ہیں :

"ایک روز میں رشید کے پاس بیٹھا تھا، کہ اسے پیاس لگی اور اس نے برف میں لگا ہوا ٹھنڈا پانی طلب کیا، لیکن اتفاق کی بات سٹور میں برف ختم ہو چکا تھا، اس نے غلام کے منہ پر گلاس کھینچ مارا اور بہت خفا ہوا۔"

میں نے کہا :

"اگر آپ امان کا وعدہ کریں تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ؟"

رشید نے جواب دیا :

"ہاں امان کا وعدہ کرتا ہوں، فرمائیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

میں نے عرض کیا :

"یا امیرالمومنین! میں دیکھ چکا ہوں کہ کل آپ کے غیر پر کیا گذرا تھا، یاد رکھیے، دنیا کی زندگی ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں، اس پر بھروسہ اور اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ دانش کا تقاضا یہ ہے کہ زبان کی چاٹ اور کام و دہن کی لذت کے عادی نہ بنیے۔ جس طرح لذیذ کھائیے اس طرح بے مزہ سے پیٹ بھریے، لباس میں بھی یہی وضع قائم رکھیے۔ اچھا بھی پہنیے اور کھردرا بھی، ٹھنڈا پانی مل جائے تو شوق سے پیجیے، لیکن آب گرم کے گھونٹ بھی حلق سے اتارنے میں تکلف نہ کیجیے!"

رشید نے میرا ہاتھ دبایا اور کہا :

"نہیں، خدا کی قسم نہیں، جیسا آپ کا خیال ہے، میں ویسا نہیں، جب تک نعمت سے بہرہ ور ہوں، اس سے لطف اٹھا رہا ہوں، لیکن اگر خراب زمانہ آیا تو اسے بھی ہنسی خوشی گذار لوں گا[1]!"

رشید کے جود و عطا کے بارے میں صاحب تاریخ بغداد کا بیان ہے :

---

۱ - شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید، جلد ۱، صفحہ ۱۲۲ -

''رشید اپنے دادا منصور کے قدم پر ہو بہو چلتا تھا ۔ لیکن انعام و بخشش کے معاملے میں اس سے بالکل مختلف تھا ، وہ حد سے زیادہ لکھ لٹ اور فیاض تھا ، آج کی بخشش وہ کل پر مؤخر نہیں کرتا تھا[1] ۔''

رشید کو بخیلوں اور کنجوسوں سے سخت نفرت تھی ، ایک آدمی میں اس کے نزدیک اس سے بڑا کوئی نقص نہیں ہو سکتا تھا ، کہ وہ بخیل ہے ۔ روایت ہے کہ اس نے اپنی لڑکی کا عباس بن محمد ہاشمی سے عقد کرنے کا فیصلہ صرف اس لیے بدل دیا کہ اسے معلوم ہوا کہ اس نے ایک شاعر کے ساتھ بخل کا ارتکاب کیا ، جس سے جل کر اس نے اس کے لیے ہجویہ شعر لکھے[2] ۔

بایں ہمہ رشید اس حقیقت سے ناواقف نہ تھا کہ اسراف و تبذیر کی شریعت اسلامیہ نے ممانعت کی ہے ، چنانچہ جب بھی محسوس کرتا کہ اپنی عطا اور بخشش کے معاملے میں وہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے فضول خرچی کی حد تک پہنچ گیا ہے تو فوراً غلطی کا اعتراف کرتا ، توبہ اور استغفار کرنے لگتا ۔

اسحاق موصلی کی روایت ہے :

میں نے ایک روز خلیفہ ہارون رشید سے عرض کیا :

''میرے آقا ، میرے والد نے آپ سے بہت پائے ہوں گے تو دو لاکھ سے کچھ زیادہ پائے ہوں گے ؟''

رشید نے کہا :

''دو لاکھ دینار ؟''

میں نے عرض کیا :

''جی ہاں دو لاکھ !''

یہ سن کر وہ گویا ہوا :

''استغفراللہ ـــــ اس نے چھوڑا کیا ہے ؟''

---

۱ ـ تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۱۰ ـ

۲ ـ الاغانی ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۴۰ ـ

میں نے عرض کیا :

''مجھ پر پانچ لاکھ دینار قرض کا بار چھوڑ گیا ہے !''

رشید نے کہا :

''سمجھ میں نہیں آتا ، دونوں میں کس نے زیادہ فضول خرچی کی ؟ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے[1] ۔''

رشید کے مشغلے

ورزشی اور تفریحی سرگرمیاں

رشید کا خاص ذوق

ہارون رشید کے عہد طفولیت اور نشو و نما کے واقعات و حالات بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ وہ مختلف قسم کی ورزشیں کیا کرتا تھا ، خاص طور پر شہ سواری ، شکار اور کشتی رانی وغیرہ ۔ ان سب فنون میں اس نے پوری مہارت حاصل کر لی تھی ، بچپن ہی سے اسے جہاد و پیکار کا بھی شوق تھا ، یہ شوق زندگی کے آخری سانس تک قائم رہا ۔ شکار کا تو وہ رسیا تھا ، یہ اس کا اتنا پسندیدہ اور مرغوب مشغلہ تھا جس سے غیر معمولی دل چسپی تھی ، فرصت کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتا تھا ، خاص طور پر شکار کے موسم میں تو اس کام کے لیے وقت جس طرح بھی ہوتا تھا نکالتا تھا ، دوسرے تفریحات اور لہو و لعب سے بھی لگاؤ تھا ، شعر کا بے انتہا شائق تھا ۔ بہت سے حج کر ڈالے ، ایک شہر سے دوسرے شہر کے چکر کاٹے ؛ خلافت کا منصب حاصل کرنے سے پہلے اور اس منصب پر فائز ہونے کے بعد ، سفر کے شوق میں کوئی فرق نہیں آیا ، وفات بھی سفر ہی میں ہوئی ، جب وہ قتال کے لیے ، کوچ پر کوچ کرتا آگے بڑھ رہا تھا ۔ وفات ایسی عمر میں ہوئی کہ ابھی بڑھاپے کی منزل بہت دور تھی ۔

اصمعی کا بیان ہے :

ایک روز رشید نے جب کہ تازہ تازہ سفر سے واپس آیا تھا ، مجھ سے سوال کیا :

''کوئی اچھا سا پھڑکتا ہوا شعر ایسے شخص کے بارے میں سناؤ

جس کو سفر کی کثرت نے تھکا دیا ہو!''
میں نے عمر بن ابی ربیعہ کے یہ اشعار سنائے:

رآت رجلا اما اذ الشمس اعرضت
فیضحیٰ و اما بالعشی فیحفر
اخا سفر، جواب ارض، تقاذفت
بہ تلوات فہو اشعث اغبر!

یعنی:
اس کو ایک ایسے شخص سے پالا پڑا جو غروب آفتاب کے بعد گھر میں آتا اور ناشتہ کرتا ہے
وہ بہت زیادہ سفر کرنے والا، اور بہت زیادہ فاصلے طے کرنے والا ہے
جنگل جنگل گھومنے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ پراگندہ مو اور پریشان حال ہے۔
یہ شعر سن کر رشید نے کہا:
''بخدا، میں ایسا ہی شخص ہوں[1]!''

ہارون رشید کے گھوڑے اور سلوتری

رشید بہت اچھا شہسوار تھا، گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس شان سے نیزے بازی کرتا تھا، کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے۔ شہسواری کے سلسلے میں متعدد قسم کے فن اور ہنر اچھی طرح جانتا تھا، اور فرصت کے اوقات میں ان کی مشق بھی کرتا رہتا تھا۔ مثلاً ایک نشانہ معین کر کے اس پر نیزہ پھینکتا، لکڑی کی میخیں زمین میں گاڑ کر، تیز رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر اسے اور زیادہ دوڑاتا ہوا گزرتا اور ان کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا، تیر اندازی اور شمشیر افگنی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔

ان تمام ورزشی فنون میں باہمی مقابلے بھی ہوتے تھے۔ اپنے مشاہیر سرداران فوج اور امراء آل بیت کے ساتھ وہ مقابلوں میں حصہ لیتا تھا۔

۱۔ الاغانی، جلد ۱، صفحہ ۳۸۔

کبھی یہ غالب آ جاتا تھا ، کبھی وہ !

گھوڑوں کی پرورش اور پرداخت ، دوڑ کی مشق ، اور بار آوری کے لیے اس نے بڑی بڑی چراگاہیں ، اور وسیع میدان اور اصطبل مختص کر رکھے تھے ، اس کے ذاتی گھوڑوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ، ان کے لیے سر سبز و شاداب چراگاہیں وقف تھیں ، کرخ اور رصافہ کے علاقے میں دوڑ کے میدان خاص تھے - یہی انتظام رقہ میں بھی تھا ، جہاں تبدیلی موسم کے لحاظ سے موسم گرما میں منتقل کر دیے جاتے تھے - گھوڑ دوڑ کے موقع پر بہ نفس نفیس موجود رہتا تھا ، جس میں امرا ، وزرا اور افسران فوج کے گھوڑے حصہ لیتے تھے -

اپنے ذاتی گھوڑوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے ، اس نے عرب کے بہترین سلوتری فراہم کیے تھے ، جن کی تعداد کسی طرح سو سے کم نہ تھی ، اس مد کے لیے ایک الگ بجٹ تھا ، جس سے ان کی تنخواہیں ، راتب ، انعامات اور دوسرے مصارف پورے کیے جاتے تھے - ان میں سے کئی لوگ خاصے مال دار ہو گئے تھے اور اہل ثروت میں شمار ہونے لگے تھے ، جن میں زنافہ غسّی کا نام سر فہرست آتا ہے ، جسے عرف عام میں "ہارون رشید کے گھوڑوں والا" کہا جاتا تھا[1] -

کتب ادب میں بہت ہی دل چسپ اور پر لطف حکایتیں رشید کے گھوڑوں اور ان کی دوڑ کے متعلق درج ہیں -

اصمعی کا بیان ہے :

"ایک روز رشید نے رقہ میں گھوڑ دوڑ میں حصہ لیا ، گھوڑ دوڑ جب شروع ہوئی تو وہ خود میدان میں اس جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں گھوڑ دوڑ ختم ہونے کا نشان تھا ، وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا ، گھوڑوں نے بھاگنا شروع کیا ، سب سے آگے آگے دو گھوڑے تھے ، دونوں ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے اور کوئی آگے نہیں بڑھ پاتا تھا ، رشید نے غور سے دونوں کو دیکھا ، اور پکار اٹھا :
"خدا کی قسم میرا گھوڑا !""

---

۱ - اخبار ابی نواس ، لابی ھفان المھزمی ، صفحہ ۸۸ -

پھر دوسرے پر نظر پڑی ، تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا :
"یہ تو میرے بیٹے ماسون کا ہے!"

دوڑ میں یہی دونوں گھوڑے سب سے آگے رہے ۔ ان میں واقعی پہلا گھوڑا ہارون کا اور دوسرا گھوڑا ماسون کا تھا ۔ ان دونوں کے پیچھے دوسرے امرا کے گھوڑے تھے ۔ رشید اس واقع سے بہت مسرور ہوا ۔ اس نے دونوں گھوڑوں کو اپنے سامنے کھڑا کیا ، اور مجھے طلب کیا ، اور کہنے لگا :

"کیوں اصمعی اس موقع کی مناسبت سے کوئی شعر ہے تمہارے پاس؟"

میں نے عرض کیا :

" یا امیر المومنین آپ اور آپ کے صاحبزادے ، آج اپنے گھوڑوں سے متعلق ویسے ہی تھے جیسے خنساء بنت عمرو بن شرید نے اپنے باپ اور بھائی صخر کے لیے کہا تھا ؛ جب ان کے گھوڑے دوڑے تھے :

جاری اباہ فا قبلا سبقا
یتقاربان تقارب الحضر
و ھما کا نھا و قد برزا
صقران قد حطا علی و کر
برزت صحیفۃ خد والاہ
و سعی علی غلو الہ یجری
اولی ناولی ۔ ان یقاربہ
لو لا جلال السن و القدر

یعنی :

اس نے اپنے باپ کے مقابلے میں گھوڑا دوڑایا
تو وہ دونوں پہلو بہ پہلو آگے بڑھنے لگے
اور ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلنے لگے
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں ،

شکرے کی طرح کسی آشیانے پر جھپٹ رہے ہیں
اتنے میں اس نے (بیٹے نے) باپ کا صحیفۂ رخ دیکھا ، حالانکہ وہ
اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا
بہت قریب تھا کہ اس سے آگے نکل جاتا اگر
اگر ادب اور عمر کا جلال حائل نہ ہوتا ۔

یہ اشعار سن کر اس کی مسرت دو چند ہو گئی[1] ۔

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی ہے :

بغداد میں ایک مرتبہ رشید کا گھوڑا دوڑا ، جعفر بن یحیٰی برمکی کا گھوڑا ، آگے نکل گیا ۔

رشید کو اس بات سے دکھ ہوا ، پاس ہی اس کے والد کے چچا عباس بن محمد ہاشمی بیٹھے ہوئے تھے ، انھوں نے رشید کے صدمے کو محسوس کر لیا ، کہنے لگے :

''یا امیرالمومنین ، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ خالد بن برمکی کا گھوڑا ، ابو العباس —— سفاح —— کے گھوڑے سے آگے نکل گیا ، یہ مدائن کا واقعہ ہے ، ہم وہیں تھے ، لیکن ابو العباس نے ذرا بھی برا نہیں مانا ، اور خالد سے کہا :

''ہمارا یہ گھوڑا اب تمھارا ہو گیا ۔ اور تم ہمارے شمار میں آ گئے !''

یہ بات سن کر رشید کا غم جاتا رہا اور وہ خوش ہو گیا[2] ۔

یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ ہارون رشید اپنے دادا منصور کی چلائی ہوئی ہر ریت رسم کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کیا کرتا تھا ، اس کے اعمال و تصرفات میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے رشید نے نظر انداز کر دیا ہو ۔

چنانچہ منصور کی چلائی ہوئی یہ رسم بھی تھی کہ ہر سال عام فوجی مظاہرے ، پایۂ تخت کے نواحی میں ارض و جبل پر یا قریب ہی کے ایک

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۴۸ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۰۸ ۔

دوسرے مقام قطر بل پر ہوا کرتے تھے ، جب کہ منصور اور مہدی اس جگہ قیام پذیر ہوتے تھے اور اس مسلح فوجی مظاہرے کا معائنہ کرتے تھے ۔ اس موقع پر منصور بہ نفس نفیس فوجی لباس میں ملبوس نظر آتا تھا ، گویا کہ وہ کسی جنگ میں حصہ لینے جا رہا ہے ۔ اس کے سوا کب میں ، رجال دولت ، وزرا حکومت ، اور نوجوانان خاندان شامل ہوا کرتے تھے ۔

یہ رسم جب اتمام کو پہنچتی اور مظاہرہ پورے طور پر انجام پا چکتا ، تو فوراً جیوش کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا ، اور پوری فوج کو عطایا دیے جاتے ، اس کے بعد وہ اپنے قصر میں واپس آ جاتا ۔

تمام خلفا میں رشید پہلا شخص ہے جس نے گھوڑے پر سواری کی حالت میں چوگان کھیلا ، یہ فارس کا ایک کھیل تھا جو آج کل کے پولو کی طرح تھا ۔ رشید کو یہ کھیل بہت پسند تھا ، اور اس سے وہ گہرا شغف رکھتا تھا ۔

چوگان بازی میں اس کے ساتھ وزرا ، امرا اور خواص دولت شریک ہوتے تھے ، ہر کھیل کے لیے اس نے الگ الگ رنگ مقرر کر دیے تھے ، جس سے کھیلنے والی پارٹیوں کی شناخت ہو سکتی تھی ۔

چوگان بازی کے لیے ایک خاص میدان اس نے تیار کرایا تھا ، جس کے اردگرد آرام دہ نشست کا انتظام بھی مخصوص تماشائیوں کے لیے تھا ۔

اس کھیل سے متعلق ایک دل چسپ واقعہ مشہور ہے :

جعفر برمکی ہمیشہ خلیفہ کی پارٹی میں شامل ہو کر چوگان کھیلا کرتا تھا ، کبھی مخالف پارٹی میں شریک ہو کر اس کی طرف سے نہیں کھیلا ۔

ایک روز رشید نے جعفر سے کہا :

''تم مقابل پارٹی کے ساتھ شریک ہو کر کھیلو ، تاکہ مقابلے کا مزا آئے ۔''

جعفر برمکی نے رشید کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا :

''امیرالمومنین کے خلاف نہ کھیل میں ، نہ زندگی کے کسی اور معاملے میں جا سکتا ہوں ۔''

رشید کو جعفر کی یہ بات بہت پسند آئی ۱-

شکار کے لیے خریف اور ربیع میں موسم معین تھے -

رشید کو اگر اس زمانے میں وقت ملتا تو وہ اپنے حاجب کو تیاری کا حکم دیتا -

حاجب تیندوے کو سدھانے والوں کو ، جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے والوں کو ، شکاری کتوں کے رکھنوالوں کو ، باز اور شکرے والوں کو ، اور شکار سے متعلق جملہ کارگزاروں کو حکم دیتا کہ وہ فوراً ارض و جبل کی طرف --- جو شکارگاہ تھی --- روانہ ہو جائیں - یہاں کے چپہ چپہ سے یہ واقف تھے - یہاں تک کہ جب اس ریاضت سے متعلق جملہ وسائل ضروریہ مکمل ہو جاتے ، لوازم راحت کا بندوبست ہو جاتا ، کھانے پینے کا بندوبست کر لیا جاتا - غرض انتظامات میں کسی طرح کی کمی یا کوتاہی باقی نہ رہتی تو شکار کے ان سب کارکنوں کو حکم دیا جاتا کہ بوریہ بستر باندھ کر اس جگہ پہنچ جائیں جہاں امیرالمومنین کو شکار کرنا ہے -

شکارگاہ ، پایۂ تخت سے کافی فاصلے پر تھی - لہٰذا یہ سفر جو شکار کے لیے کیا جاتا تھا ، خاصا طویل ہوتا تھا اور اس میں کئی دن لگ جاتے تھے -

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قریب ہی کوئی مقام شکار کے لیے خاص کر لیا جاتا ، تو پھر سفر طویل نہ ہوتا ، صبح گئے ، شام کو لوٹ آئے -

روایت ہے کہ بغداد کے قریب نہر فرات یا دجلہ کے پاس ایک قطعۂ ارض رشید نے اس کام کے لیے مخصوص کر رکھا تھا - چند فرسخ پر جس کی مساحت مشتمل تھی ، اس کے بعض جہات نیم دائرے کی صورت میں دیواروں سے محیط تھے ، جو اونچے ستونوں پر قائم تھیں اور بہت زیادہ مضبوط و محکم تھیں - شکار میں معمول یہ تھا کہ جن جانوروں کا شکار کرنا مقصود ہوتا تھا ، انہیں ہانکا کرتے ہوئے اس احاطے کی طرف لاتے تھے اور جو حصہ کھلا ہوا تھا ، ادھر سے آگے بڑھ کر ایک حلقہ بنا لیتے تھے

---

۱ - تاریخ الخلفا ، صفحہ ۲۱۱ -

اور گھوڑوں ، سدھائے ہوئے چیتوں اور شکاری کتوں کو ان پر چھوڑ دیتے تھے - یہ جانور گھبرا کر ، سر پر پاؤں رکھ کر ، جھاڑ جھنکاڑ اور جھاڑیوں کی طرف بھاگتے تھے لیکن دائرہ برابر تنگ ہوتا جاتا تھا ، یہاں تک کہ دیواروں سے گھرے ہوئے احاطے میں داخل ہو جاتے تھے، جہاں سے نکلنا پھر ناممکن ہو جاتا تھا - جب اس طرح شکار کے جانور اس احاطے میں محصور ہو جاتے تھے ، تب خلیفہ اپنے خواص کے ساتھ نمودار ہوتا تھا اور شکار شروع کر دیتا تھا - اس کے حاشیہ نشین اور مصاحب بھی جو ساتھ ہوتے تھے ، شکار میں مشغول ہو جاتے تھے - جتنوں کو شکار کرنا ہوتا کر لیتے ، باقی کو زندہ رہنے دیتے -

تیر اندازی میں رشید اپنا جواب نہیں رکھتا تھا -

تیر اندازی کے فن میں اس کی غیر معمولی مہارت اور کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کبوتر کے پاؤں میں سنہرا دھاگا باندھ دیا جاتا تھا ، پھر تیراندازی ہوتی ، دھاگا تیر سے کٹ جاتا اور کبوتر کو کسی طرح کا زخم نہ پہنچتا -

ورزشی مشاغل میں رشید کو کشتی رانی سے بھی بڑی دل چسپی تھی- بغداد کے دوران قیام نہر دجلہ، اور رقہ کی اقامت کے زمانے میں نہر فرات کے پانی پر کشتیاں دوڑتیں ، اس کے لیے بہترین وقت رات کا مقرر کیا گیا تھا تا کہ کشتیاں روشنی سے جگمگانے لگیں - وہ ایک ایسی جگہ کا رخ کرتیں، جہاں قصر کے چراغوں سے منعکس ہونے والی روشنی ان پر پڑتی - پل بھی کھول دیے جاتے تا کہ آسانی سے ان کے نیچے سے کشتیاں گزر سکیں -

ایسے مواقع پر رشید کے ساتھ چنگ اور رباب بجانے والے اور موسیقار بھی ہوتے ، لیکن چنگ و رباب پر چوٹ اس وقت تک نہ پڑتی اور نغمہ و موسیقی کا دور اس وقت تک نہ شروع ہوتا جب تک پایۂ تخت ـــ بغداد ـــ سے کافی دوری نہ ہو جاتی ، تا کہ کنارۂ نہر پر گزرنے والے شائقین اور تماشائی سیر و تفریح میں دخل انداز نہ ہو سکیں -

اور اگر دن کے وقت کشتی رانی ہوتی تو رشید اپنے ساتھ بعض وسائل لہو و لعب بھی لے جاتا خاص طور پر نرد اور شطرنج -

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رشید اور موسیقار ابراہیم موصلی کے درمیان شطرنج کی بازی کشتی میں جمی ہوئی تھی ، شرط یہ تھی کہ جو غالب آ جائے اس کا حکم ہارنے والے کو ماننا پڑے گا ۔

اتفاق کی بات ہے کہ رشید بازی ہار گیا ۔

ابراہیم موصلی نے کہا :

''کیا امیرالمومنین اس بندۂ حقیر کا لباس زیب تن کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے ؟''

یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اُتارنے شروع کر دیے ۔

رشید کو ہنسی آ گئی ؛ اس نے ابراہیم موصلی کو اپنے مخصوص پارچہ جات میں سے ملبوسات عطا فرمائے اور بہت بڑا انعام بھی دیا ، تب جا کر جان چھٹی ، شرط کی تعمیل سے ۔

خلفا میں سے ہارون رشید پہلا خلیفہ ہے جو شطرنج کھیلا کرتا تھا ، یوں ہی وقت گزاری کے لیے نہیں بلکہ بے انتہا ذوق و شوق سے ۔ اس کھیل سے اسے غیر معمولی شغف تھا ۔ اس دل چسپی نے اسے شطرنج کا ماہر بنا دیا تھا ، ایسی ایسی چالیں چلتا تھا کہ مد مقابل ششدر رہ جاتا تھا ۔ اس فن میں اس کے حریف بس دو چار ہی آدمی تھے ۔ مثلاً ابوحفص شطرنجی ، ابراہیم موصلی اور اس کا بیٹا انس تھا ۔

شطرنج سے ہارون رشید کی غیر معمولی رغبت اور شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے شاہ فرنگ ، شارلیمان کو جو تحائف اور ہدایا بھیجے ، ان میں شطرنج بھی تھی جس کی بساط نہایت قیمتی تھی اور مہرے قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے تھے ۔

رشید کا شطرنج کے بارے میں قول تھا :

''شطرنج سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہ ہیں صبر ، سیاست ، مکر اور عمل فکر'' ۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور ندیموں کو وہ اس فن کے سیکھنے پر اکسایا کرتا تھا ۔

بعض اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے :

رشید رات کو بھیس بدل کر باہر نکل کر گھومنے پھرنے کا بہت

شائق تھا ۔ اپنے کسی وزیر یا ندیم کو ساتھ لے لیتا اور ایک نگہبان بھی ساتھ رہتا ۔

اس طرح شب کی تاریکی میں ایک عام شہری کا روپ بھر کر وہ مختلف جلسوں ، مجلسوں اور سوسائٹیوں میں خواہ وہ تفریحی ہوں یا رسمی جا پہنچتا اور ان میں حصہ بھی لیتا ، خوشی کی حالت میں بھی اور غم کی کیفیت میں بھی ۔

رشید کی اس طرح کی مجلس آرائیوں کی لمبی چوڑی داستانیں قلم کے ذریعے اور تخیل کی مدد سے کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں ۔ یہ داستانیں پر لطف حکایات ، نادر لطائف ، طنز و مزاح اور ظرافت سے بھری ہوئی اس بات چیت پر بھی مشتمل ہیں جو بازاری لوگوں ، سوداگروں ، بڑے بڑے تاجروں اور سوسائٹی رسیدہ خواتین کے ساتھ وہ کیا کرتا تھا ۔

اگرچہ یہ داستانیں مبالغے سے اور ابتذال و رکاکت سے خالی نہیں ہیں ، لیکن جب تک الف لیلہ وغیرہ کے اوراق زندہ ہیں ، یہ بھی زندہ رہیں گی ۔

ؔ

رشید کی شخصیت

لباس و طعام و شراب

وضع خاص کا اہتمام

اپنے لباس اور لباس کی تراش خراش اور وضع قطع کے اعتبار سے ہر مختلف مواسم ، ظروف اور مناسبات سے تعلق رکھتے تھے رشید ایک امتیازی وصف رکھتا تھا ۔

عام طور پر جو لباس وہ استعمال کرتا تھا ، اس کا ایک لازمی جزو عمامہ ہوتا تھا ، جس کا نام 'اصافیہ' پڑ گیا تھا ۔

اس عمامے کی تکوین ایک ایسی ٹوپی سے ہوتی تھی جو بانس کی باریک تیلیوں سے مخروطی شکل پر بنائی جاتی تھی اور اس پر سیاہ رنگ کا نہایت قیمتی ریشمی کپڑا سڑھا جاتا تھا ، ان دونوں پر ایک اور چھوٹا سا عمامہ ہوتا تھا ، یہ اُون کا ہوتا تھا ، یا نہایت قیمتی سیاہ رنگ کے ریشم کا ۔ عمامے کا ایک حصہ سامنے کی طرف ، ایک سیاہ چوڑے طرّے کی طرح ہوتا تھا اور دوسرا پیچھے کی طرف لٹکا دیا جاتا تھا جو گردن کو دھوپ سے یا راستے کے گرد و غبار سے محفوظ رکھتا تھا[1] ۔ ان عماموں کی حفاظت اور رکھوالی کے لیے ایک خاص رقم معین تھی اور کارکنوں کا ایک عملہ موجود تھا ، جس کا کام یہ تھا کہ اس کی سجاوٹ اور بناوٹ میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہونے دے ۔

رجال دولت میں سے کوئی کتنا ہی بڑا آدمی ہو ، اس معاملے میں رشید کی تقلید نہیں کرسکتا تھا ، یعنی ایسا عمامہ نہیں استعمال کرسکتا تھا ۔

رشید کے جسم پر جو قمیص ہوتی تھی ، وہ اعلیٰ درجہ کی روئی کے

---

۱ - البیان و التبیین ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٥ -

بہترین اور باریک دھاگے سے تیار کی جاتی تھی - یہ قمیصیں خاص طور پر خراسان سے تیار ہو کر آتی تھیں -

قمیص کے اوپر ایک ریشمی چادر ہوتی تھی جو سینے اور گردن کے گرد لپٹی رہتی تھی -

یہ چادریں یمن سے بن کے آتی تھیں ، کیونکہ یہ کام وہاں کی بہترین دستکاری میں شمار ہوتا تھا اور ساری دنیا میں اس کی شہرت تھی -

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ یمنی چادر کے بجائے مصر کا بنا ہوا کرتہ یا قمیص استعمال کرتا جو نہایت قیمتی کپڑے کا ہوتا تھا اور صرف لباس کے لیے بنایا جاتا تھا ، اس کی آستین اور سینے پر کا حصہ نہایت خوبصورت رنگ کے دھاگے سے بنا ہوتا تھا اور اس پر طرح طرح کے نقش ہوتے تھے[1]-

اور اس قمیص یا کرتے پر ایک سیاہ رنگ کا جبہ ہوتا تھا جو نہایت نادر کپڑے کا بنایا جاتا تھا ، کبھی اس پر ریشم کے نقوش کڑھے ہوتے تھے ، یا آستینوں پر کے اور سینے پر کے حصے پر بسم اللہ کڑھا ہوتا تھا ، یا قرآن شریف کی کوئی چھوٹی سی آیت ، جو سنہرے دھاگے سے کاڑھی جاتی تھی[2] - اس کے نیچے چوڑے پائنچوں والا پاجامہ جو قدموں تک لٹکا رہتا تھا -

رشید جو جوتے استعمال کرتا تھا ، وہ خالص عربی طرز کے چپل نما ہوتے تھے ، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ عجمی طرز کے بنے ہوئے جوتے اس نے استعمال کیے ہوں ، جیسے اس کے وزرا دولت برامکہ استعمال کیا کرتے تھے یا ندیموں اور حاشیہ نشینوں میں جو اہلِ فارس تھے ، وہ استعمال کیا کرتے تھے -

اور رشید عربی طرز کے چپل نما جوتے جو استعمال کرتا تھا ، وہ قصداً اور عمداً کرتا تھا ، تاکہ عجمی لوگ اس کی ریس نہ کر سکیں ، وہ بڑے فخر سے کہا کرتا تھا :

---

۱ - سید امیر علی ، صفحہ ۳۶ -

۲ - تاریخ التمدن الاسلامی -

"یہ وہ جوتیاں ہیں جو میرے آباؤ اجداد استعمال کیا کرتے تھے۔[1]"

وہ جرابیں بھی استعمال کرتا تھا جو یا تو ملائم ریشم کی ہوتی تھیں، یا ہلکے اُون کی ، ان کا طول ٹخنوں سے ذرا اُونچا ہوتا تھا۔ جب وہ تخت خلافت پر بیٹھتا ، تو سوا جوتے کے کوئی اور چیز دکھائی نہ دیتی ، موزے وغیرہ پاجامے سے ڈھکے رہتے ۔

جب وہ محل میں ہوتا ، یا اپنے کسی مخصوص تفریحی مقام پر جاتا تو ہاتھ میں تلوار کے بجائے بید کی چھڑی ہوتی تھی ، البتہ قصر سے باہر جب سواری کا جلوس نکلتا تو چھڑی کے بجائے تلوار اس کے ہاتھ میں ہوتی ـــ یہ امرائے عرب اور ملوک سابقین کی عادت مالوفہ تھی ۔

مذکورہ تفریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشید اپنے لباس کے اعتبار سے حد درجہ خوش مذاق تھا ، اگرچہ لباس فراخ استعمال کرتا تھا ، روم کے قیصر اور ایران کے کسریٰ کی تقلید نہیں کرتا تھا ، جو نہایت قیمتی جواہرات سے مزین تاج زیب سر کیا کرتے تھے ۔

ہاں یہ ضرور تھا کہ خاص خاص اجتماعات کے موقع پر ، یا جب دوسرے ممالک کے سفارتی وفود باریاب ہوتے تھے ، اس وقت وہ گراں بہا اور زرکار و زرنگار لباس ضرور استعمال کرتا تھا تاکہ خلافت کی ہیبت قائم رہے ، اور اسلام کی سر بلندی کا دوسروں پر اثر ہو ۔

دوسرے خلفا کے مقابلے میں رشید کو مختلف قسم کے جواہرات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا ۔ اس کا خزانہ خاص ، بے انتہا قیمتی اور نادر جواہرات سے بھرا ہؤا تھا ، لیکن اس متاع گراں مایہ کی نمائش بھی پسند نہیں کرتا تھا ، البتہ انگشتری میں قیمتی جواہرات استعمال کرنے کا ضرور حد سے زیادہ شائق تھا ، لیکن ایک ہی انگشتری استعمال کرتا تھا ۔

اور ان انگوٹھیوں میں سے کوئی ایسی نہیں تھی ، جو اپنی ایک تاریخ نہ رکھتی ہو اور ان میں سے ہر ایک سے متعلق کوئی دل چسپ اور پرلطف داستان وابستہ نہ ہو ۔

ہارون رشید کی انگوٹھیوں میں سب سے زیادہ مشہور انگشتری کا نام

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۳۵ ۔

'اسماعیلی' تھا ، ہمیں نہیں معلوم یہ نام کیسے پڑا ؟

بغداد کے جوہریوں کی یہ عادت تھی کہ کسی خاص خصوصیت کی بنا پر وہ اپنی بنائی ہوئی انگشتری کو کسی خاص نام سے موسوم کر دیتے تھے ، جو نگینے سے مناسبت رکھتے تھے اور ان کے تناسب شکل اور آب و تاب کے لحاظ سے مطابقت کے حامل ہوتے تھے۔ غالباً یہی انگشتری ہے جو 'بحر' کے نام سے بھی ، اس کے رنگ کی وجہ سے جو سبزی مائل تھا اور جسے رشید بہت زیادہ عزیز اور محبوب رکھتا تھا ، موسوم ہے۔

اس انگشتری سے متعلق مؤرخ البیرونی کا بیان ہے کہ پہلے یہ ابو جعفر منصور کی زیب انگشت تھی ، پھر مہدی کی طرف منتقل ہوئی ۔ اس نے اسے رشید کو عطا کر دیا ، اس میں جو نگینہ تھا وہ سبز رنگ کے زمرد کا تھا اور اس کا وزن دو مثقال تھا اور قیمت چالیس ہزار دینار۔

روایت ہے کہ یہی وہ انگشتری ہے جسے موسیٰ ہادی نے اپنے دور خلافت میں جبراً رشید سے لینا چاہا تھا ، لیکن اس نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا اور اسے نہر دجلہ میں پھینک دیا ، پھر جب خود تخت نشین ہوا تو غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ تہ کی مٹی میں تلاش کر کے اسے برآمد کریں ، اس واقعے کی طرف ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

ہارون رشید کے قبضے جو بیش بہا انگوٹھیاں تھیں ، ان میں سے سب سے زیادہ خطرناک وہ انگوٹھی تھی جس کا نگینہ یاقوت سرخ کا تھا اور جو 'جبل' کے نام سے موسوم تھی اور البیرونی کی روایت کے مطابق اس کی قیمت تین لاکھ دینار تھی۔ رشید نے اسے ایک تھیلی میں بہت سے نگینوں کے ساتھ تہ بہ تہ رکھ دیا ، جس سے ڈھیری سی بن آئی ، اسی سے یہ نام پڑ گیا۔

اس انگشتری کی ایک طویل تاریخ ہے :

یہ تاریخ کی بڑی بڑی شخصیتوں کی انگلیوں میں منتقل ہوتی رہی ہے اکاسرہ کے وقت سے لے کر رشید کے وقت تک اس کی دست بہ دست منتقلی کا سلسلہ جاری رہا ،" رشید کے پاس یہ آئی تو اس نے اس پر لفظ 'احد' نقش کر دیا۔

مؤرخ مسعودی اس کا وصف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ

انگشتری یاقوت سرخ کی تھی ــــ شاید اس کی مراد اس ریزۂ الماس سے ہے جو سرخ مائل ہوتا ہے ــــ کیونکہ اس کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :

"اس انگشتری کا یاقوت سرخ رات کی تاریکی میں اس طرح روشن رہتا تھا جیسے اندھیرے میں چراغ اور تاریکی میں اس پر نظر ڈالنے والا اس میں ایسی تمثالیں دیکھتا تھا جو نمایاں ہوتی تھیں اور غائب ہو جاتی تھیں !"

اس نادر انگشتری کے بارے میں آخری بار جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے کہ یہ خلیفہ عباس "المستعین باللہ" (۲۵۲ھ) کے خزانے میں تھی پھر اس کا کوئی پتا نشان نہیں ملا ۔

ان انگوٹھیوں کے علاوہ رشید کے پاس اور انگوٹھیاں بھی تھیں ان میں اہم ترین انگشتری 'خاتم خلافت' تھی ۔

اس انگشتری کو وہ اجتماعات عامہ میں استعمال کیا کرتا تھا ، اس پر یہ الفاظ نقش تھے :

لا الہ الا اللہ[1] ۔

اس کے مزید اخبار اور اوصاف نہیں معلوم ہو سکے ۔

ایک نہایت دل چسپ روایت ہے کہ رشید نے ایک دن ایک راوی ادب سے کہا :

"اگر تم کوئی ایسا شعر جو بھیڑیے کے لیے کہا گیا ہو اور نہایت پھڑکتا ہؤا سنا دو ، تو یہ انگشتری تمھاری ہے !"

یہ کہہ کر اس نے اس انگشتری کی طرف اشارہ کیا ، جو اس کی انگلی میں تھی اور جس کی قیمت ایک ہزار سات سو دینار تھی ۔

شاعر نے فوراً کہا :

ینام باحدی مقلیتہ و یتقی
باخری الرزایا فھو یقظان ھاجع

یعنی :

وہ ایک آنکھ سے سوتا ہے دوسری کو محفوظ رکھتا ہے تاکہ

---

۱ - کتاب التاج ، صفحہ ۳۶ ۔

ناگہانی آفت سے بچ سکے ، کہنا چاہیے وہ بیدار بھی ہے سویا ہؤا بھی۔

یہ سنتے ہی رشید نے انگشتری اس کی طرف پھینک دی۔

یہ خبر زبیدہ کو پہنچی ، اس نے آدمی بھیج کر وہ انگوٹھی شاعر سے خرید لی ۔ پھر اسے لے کر رشید کے پاس آئی اور کہنے لگی :

''مجھے معلوم ہے یہ انگشتری آپ کو بہت عزیز تھی ، میں نے اسے خرید لیا ہے اور اب آپ کی نذر کرتی ہوں !''

رشید نے زبیدہ سے کہا :

''ہم کسی کو کوئی چیز بخش دیں تو پھر اسے واپس نہیں لیا کرتے!''

پھر حکم دیا یہ انگشتری اسی شاعر کو لوٹا دی جائے ، جسے بخشی گئی تھی[1] -

موسم گرما میں رشید بہت باریک کپڑے کی بنڈی قمیص کے نیچے پہنا کرتا تھا ، جس کی آستینیں کشادہ ہوتی تھیں اور وزن میں بہت ہلکی پھلکی ، اس میں مختلف قسم کے نقش کڑھے ہوتے تھے[2] -

رشید کی یہ عادت تھی کہ ایک مرتبہ کا استعمال کیا ہؤا لباس دوسری بار نہیں پہنتا تھا ، بجز اس صورت کے کہ وہ کوئی خاص خصوصیت اپنی بناوٹ اور نقش و نگار کے اعتبار سے رکھتا ہو۔

مجالس لہو و طرب میں جب وہ کنیزوں کے ساتھ بیٹھتا تو بدن پر زرکار ریشمی قمیص ہوتی ، اور ان عطروں سے معطر جو بعید ترین اقالیم سے تحفے اور ہدیے کے طور پر اس کی خدمت میں روانہ کیے جاتے تھے - کبھی کبھی بلاد چین اور شرق بعید سے بھی اس طرح کے ہدیے آ جایا کرتے تھے -

شکار کے موقع پر جو لباس زیب تن کرتا تھا وہ کشادہ ہوتا تھا اور موٹے کپڑے کا بنا ہوتا تھا ۔ تاکہ ریاضت ، شہ سواری اور شکار کے تعاقب میں دوڑتے وقت مساعدت کر سکے ، یا اگر بادیے میں رہنا ہو تو

---

۱ - البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۹ -

۲ - حضارۃ الاسلام ، صفحہ ۱۹۴ -

وہاں بھی اس سے آرام پہنچے ۔

جہاد و پیکار کے مواقع کے لیے اس کا لباس مخصوص اور ہر جہت سے مکمل تھا ، اور اتنا قیمتی ، جتنا اس زمانے میں ممکن تھا ۔

سر پر خود پہنتا جس پر ''غازی ، حاجی'' کا لفظ لکھا ہوتا ،

جو زرہ استعمال کرتا وہ حد درجہ مضبوط ہوتی ۔

ایسے مواقع پر پاؤں میں جو جوتیاں پہنتا وہ چرمی نہ ہوتیں بلکہ معدنی ہوتیں تاکہ اثنائے جنگ میں تلوار کی ضرب سے بہ آسانی بچاؤ ہو سکے ۔

ہارون رشید کو بہترین اور نادر ترین قسم کی تلواریں جمع کرنے کا بھی شوق تھا ، اس کے پاس نہایت نادر ذخیرہ ہر طرح کی تلواروں کا تھا ۔

ان میں وہ تلواریں بھی تھیں ، جو ان ابطال عرب نے استعمال کی تھیں جو تاریخ میں اپنا نام اور مقام رکھتے ہیں ۔

ہمیں معلوم ہے اس مجموعے میں 'ذوالفقار' بھی تھی جو امام علیؑ بن ابی طالب کی تلوار تھی ، اس کے بارے میں کسی دوسرے مقام پر ہم گفتگو کریں گے ۔

رشید کے اس ذخیرۂ شمشیر میں ایک تلوار ، صمصامہ بھی تھی جو صحابیٔ جلیل حضرت عمرو بن معدی کرب کی تھی ۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تلواریں تھیں ، جو ایک ہال میں رکھی رہتی تھیں ، جیسا کہ آج کل عام نمائش کے اسلحہ خانوں میں ساز و سامان جمع رہتا ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ آتے رہتے ہیں ۔

قصر خلد میں ، رشید نے ایک اچھا خاصا میوزیم خلفا سابقین کے کپڑوں اور لباسوں کا بنا لیا تھا ۔

اس میوزیم میں خلفا بنو امیہ کے ملبوسات بھی تھے ۔

علاوہ ازیں بعض کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پارچے جات اور ملبوسات بھی تھے ۔

اصمعی کا بیان ہے :

''ایک روز اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا ذکر میں نے رشید

کے سامنے چھیڑا اور عرض گزار ہؤا :

''سلیمان کھانے کے معاملے میں بڑا بے صبرا تھا ، جب دسترخوان پر بیٹھتا تو اس کے لیے تازہ بتازہ دنبے کے بھنے ہوئے گرم گرم پارچے لائے جاتے ، وہ اتنا انتظار کرنے پر قادر نہیں تھا کہ ٹھنڈا ہو لے ، کیا کرتا کہ اپنا ہاتھ دامن میں لے جاتا اور اس سے قاب کے اندر رکھے ہوئے ان بھنے ہوئے دنبوں کے پارچے پیٹ میں ڈال دیتا ۔''

رشید نے یہ سن کر کہا :

''تم سے زیادہ ان لوگوں کے حالات میں نہیں جانتا ، لیکن اس بات پر یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ میرے سامنے بنو امیہ کے ملبوسات کے ذخائر لائے گئے ، تو میں نے ایک یمنی جبہ دیکھا جس پر سنہرا کام کیا ہؤا تھا اور اس کی آستینوں پر چکنائی کے دھبے تھے ، کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ کیا ماجرا ہے ؟ آج تم نے کہا تو معلوم ہؤا ، اس کا راز کیا تھا ! ''

پھر اس نے سلیمان کے ملبوسات طلب کیے ان میں وہ آثار و علائم موجود تھے جن کی طرف میں نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا تھا[1] ۔

رشید پیٹو نہیں تھا ، نہ کھانے کا حریص تھا ، البتہ خوش ذوق ضرور تھا ، اس معاملے میں چند لقموں پر قناعت کرتا تھا ۔

تاریخ ادب کے کئی لکھنے والوں نے ہارون رشید کے طعام و شراب اور اس کے دستر خوان کی کیفیت بیان کی ہے ۔

ان بیانات میں ممکن ہے کسی حد تک خیال آرائی اور مبالغے کو بھی دخل ہو ، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانے کی خوش حالی ایسی تھی کہ لوگ بہت کافی رقم طرح طرح کے کھانوں پر صرف کر دیتے تھے ، جو یقیناً حد اسراف تک جا پہنچتی تھی ۔

ظاہر ہے جب عام لوگوں کی یہ حالت تھی تو رشید کے مطبخ کے مصارف کیا کچھ نہ ہوں گے ، اگرچہ طبعاً اس قسم کے معاملات میں وہ فضول خرچی اور اسراف کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن قدرتی امر تھا کہ

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۱۱ ۔

اس مد پر بہت کافی رقم خرچ ہو جایا کرتی تھی ۔

روایت ہے کہ امرا بغداد میں سے ایک امیر کبیر نے ہارون رشید کی دعوت کا اہتمام کیا ، اس کے سامنے ایک قاب رکھی جس میں صرف طیور کی زبانیں پکی ہوئی تھیں ، ––– اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنے زیادہ طیور ذبح کیے گئے ہوں گے ––– رشید کو یہ بات پسند نہ آئی اس نے کہا :

" یہ اسراف غیر ممدوح ہے میں اسے پسند نہیں کرتا "

اور کھانے سے انکار کر دیا ۔

ایک مرتبہ اس کے سامنے ایک قاب رکھی گئی جس میں مچھلی کی ایک مخصوص قسم پکی ہوئی رکھی تھی ، جس کا نام 'خابیار' تھا ، یہ بڑی قیمتی ہوتی تھی ، رشید نے اس کی قیمت دریافت کی ۔

جواب میں عرض کیا گیا :

"ہزار درہم ، !"

رشید نے حکم دیا :

"قصر کے دروازے پر جو پہلا فقیر نظر آئے یہ پوری قاب اسے دے دی جائے" ۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ اپنے دادا منصور کی طرح وہ کھانے پینے کے معاملے میں زاہد خشک تھا ، کوئی چیز مرغوب ہوتی تو اسے دستر خوان پر طلب کرتا ، خواہ اس کے مہیا کرنے میں کتنے ہی پاپڑ کیوں نہ بیلنے پڑیں ، ––– لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا ۔

اس سلسلے میں ایک بڑی دل چسپ روایت ہے ۔

ایک روز اس نے اپنے خاص باورچی کو بلایا ، اور اس سے سوال کیا :

"کیا جزدر کا گوشت بھی ہے تمہارے طعام خانے میں ؟"

اس نے جواب دیا :

" بہت ، ––– کئی قسم کا ! "

رشید نے حکم دیا :

''آج دستر خوان پر اسے پیش کرو ۔''

چنانچہ جب کھانا اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ایک لقمہ اس گوشت کا اٹھایا اور منہ میں رکھ لیا ، جعفر برمکی بھی حاضر تھا ، وہ ہنس پڑا ۔

رشید نے لقمے کا چبانا چھوڑ دیا ، اور پوچھا :

'' تمہیں کس بات پر ہنسی آئی ؟ ''

جعفر نے بات بناتے ہوئے کہا :

''کوئی بات نہیں ، یا امیرالمومنین ، ایک دل چسپ بات جو آج میرے اور میری کنیز بارحہ کے مابین ہوئی تھی ، یاد آ گئی اس وقت !''

رشید اس بات سے مطمئن نہیں ہوا ، اس نے کہا :

''تجھے میں اپنے تعلق کا واسطہ دیتا ہوں ، سچ سچ بتاؤ !''

''جعفر نے عرض کیا بہت اچھا ، ابھی بتاتا ہوں ، پہلے آپ یہ لقمہ نوش کر لیں !''

رشید نے لقمہ تھوک دیا اور کہا :

''تمہیں خدا کی قسم ہے ، اب سچ سچ بتا ہی دو !''

جعفر نے سوال کیا :

''یا امیرالمومنین ، یہ ارشاد فرمائیے ، کہ یہ گوشت جو آپ کے سامنے رکھا ہے ، اس پر کیا مصارف آئے ہوں گے ؟ ''

رشید نے جواب دیا :

''تین درہم کے قریب !''

جعفر کہنے لگا :

''نہیں ، یا امیرالمومنین ، اس کی قیمت چار لاکھ درہم ہے !''

اب تو رشید کے کان کھڑے ہوئے ، اس نے حیرت بھرے لہجہ میں پوچھا :

''جعفر وہ کس طرح''

جعفر نے جواب میں عرض کیا :

''بہت عرصہ گزرا آپ نے اپنے باورچی سے اس گوشت کی فرمائش کی

تھی ، مگر فراہم نہ ہو سکا ، تو آپ نے اس سے فرمایا :

''سطبخ کو اس گوشت سے کبھی خالی نہ رہنا چاہیے !''

''چنانچہ اس روز سے ہم ہر روز ایک جانور سطبخ کے لیے ذبح کرنے لگے ۔ کیونکہ یہ گوشت بازار میں تو بکتا نہیں ، اس دن سے آج کے دن تک اس مد پر چار لاکھ درہم خرچ ہو چکے ہیں ! اتفاق کی بات کہ فرمائش کرنے کے بعد پھر کبھی آپ نے یہ گوشت طلب نہیں فرمایا ۔ آج نہ جانے کیسے خیال آ گیا تو اسے تیار کرنے کا حکم دیا ، مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ اتنی بڑی رقم خرچ ہو گئی اور امیرالمومنین کے حصے میں کیا آیا ؟ ـــــ ایک لقمہ ! اس ایک لقمے کی خاطر چار لاکھ درہم امیرالمومنین کی ذات پر صرف ہو گئے ۔ ''

یہ واقعہ سن کر رشید بہت زیادہ متاثر ہوا ۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ توبہ استغفار کرنے لگا ۔ حکم دیا دستر خوان اٹھا لیا جائے ۔ پھر سارا دن اس نے کچھ نہیں کھایا ، اور ٹھان لیا کہ اس فضول خرچی کی تلافی کر کے رہے گا ۔ چنانچہ اس نے دو لاکھ درہم حرمین شریفین ـــــ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ ـــــ کے حاجت مند باشندوں کو مرحمت فرمائے ، اور اسی قدر رقم بغداد ، کوفہ اور بصرہ کے محتاجوں میں تقسیم کی ؛ پھر بھی اس فضول خرچی اور اسراف کا جو صدمہ تھا وہ قائم رہا ۔

یہاں تک کہ دن کے آخری حصے میں امام ابو یوسفؒ جو ملک کے قاضی‌القضاۃ تھے ، تشریف لائے ۔ انہوں نے رشید کو اس حالت میں دیکھا تو سبب دریافت کیا ، اس نے سارا ماجرا امام صاحب کو سنا دیا ۔ اور کہا ، یہ ہے سبب میرے غم اور الم کا کہ صرف ایک لقمے کی خاطر چار لاکھ درہم بیت‌المال کے خرچ ہو گئے ۔

امام ابو یوسفؒ نے جعفر برمکی سے ـــــ جو موجود تھا ـــــ دریافت فرمایا :

''یہ جو تم ہر روز ایک جانور ذبح کیا کرتے تھے تو خلیفہ کے نہ طلب کرنے کے باعث اسے پھینک دیا کرتے اور ضائع کر دیا کرتے تھے ، یا دوسرے لوگ اس کو کھا لیا کرتے تھے ؟''

جعفر برمکی نے جواب دیا :

"نہیں ایسا تو نہیں تھا ـــ گوشت ضائع نہیں جاتا تھا ، لوگ کھا لیتے تھے ! "

امام صاحب نے رشید سے فرمایا :

"امیرالمومنین مبارک ہو کہ آپ نے فضول خرچی کا ارتکاب نہیں کیا ، بلکہ کار ثواب کیا ، اس لیے کہ یہ گوشت مسلمانوں نے کھایا ، لہٰذا رقم ضائع نہیں گئی ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نے رقم جو صرف کی ، صدقے میں خرچ ہوئی ، اور اس بات کی بھی توفیق دی کہ آپ اس سے ڈریں ، اور خوف کھائیں جیسا کہ آج میں دیکھ رہا ہوں ، اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

"ولمن خاف مقام ربہ جنتان!"

یہ سن کر رشید کا صدمہ و الم کافور ہو گیا اور اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی ـ حکم دیا کھانا لایا جائے ، چنانچہ اب دن بھر کے فاقے کے بعد شام کو اس نے کھایا[1] ـ

رشید کے مطبخ میں اس طرح کا واقعہ گذرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے ، اس لئے کہ وہ سلطان وقت تھا اور اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی حکم عدولی کی جائے ، اسے قدرت کی طرف سے جو نعمتیں اور آسائشیں حاصل تھیں ، ان سے وہ پورے طور پر بہرہ ور ہونا چاہتا تھا اور ہوتا بھی تھا ، البتہ حدود مشروعہ سے متجاوز نہیں ہوتا تھا ـ

اس کا فلسفۂ حیات یہ تھا کہ جب تک امور دنیا پر اسے تصرف حاصل ہے ، وہ اس سے خوب جی بھر کے لطف اندوز ہو اور فائدہ اٹھائے ، لیکن اگر حالات بدل جائیں اور نکبت و افلاس کا دور آ جائے تو اسے بھی ہمت اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار تھا ـ چنانچہ جو لوگ اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے اور اس کے مزاج شناس تھے ، وہ اس کی کوشش کرتے رہتے تھے ، کہ اسے خوش رکھیں اور اس کے غضب سے بچیں ـ

---

۱ ـ البدایہ و النہایہ ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۲۱۶ ـ

ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ تنہا کھانا کھا لے ، اگر دسترخوان پر اہل بیت میں سے کوئی نہ ہوتا تو اپنے خاصان بارگاہ میں سے کسی اچھے شاعر یا ظریف راوی کو شریک دسترخوان کر لیتا ، تاکہ اثنا طعام میں کوئی اچھا شعر یا پر لطف بات کان میں پڑتی رہے ، اگر کوئی عمدہ سا قصیدہ سنانے لگتا تو کھانے سے ہاتھ روک لیتا اور پوری توجہ سے قصیدہ سنتا اور دوران سماع میں پورے طور پر لذت فکر سے بہرہ ور ہوتا ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کھانے کو بیٹھتا لیکن شعری اور ادبی مصروفیت کے باعث دسترخوان سے بھوکا اٹھ جاتا ، وہ کہا کرتا:

''اس سے اچھا کھانا اور کون ہوگا ؟''

اصمعی کی روایت ہے:

ایک مرتبہ میں رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، وہ بڑے شوق سے فالودہ کھا رہا تھا ، اس نے کہا :

''بتاؤ اصمعی عرب شاعر اس — فالودہ — باب میں کیا کہتے ہیں؟''

میں نے عرض کیا:

یہ عرب فالودے کو کیا جانیں ؟ — البتہ وہ اس سے ملتی جلتی ایک چیز ضرور استعمال کرتے ہیں ، چنانچہ اس کے بارے میں شماخ بن ضرار کہتا ہے :

و لما سمعت الی تز در عیا لھا
ھجمت علی العکم الذی کان تجمع
خلطت بصاعی حنطۃ صاع عجوۃ
الی صاع سمن فوقھا یتریع
و ذیلت امثال الا ثافی کا نھا
رؤس رجال قطعت لا تجمع
و قلت لنفسی ابشر الیوم انہ
حمی من لنا تخاف و تفزع
فان کنت مصفوراً فھذ دواہ
فان کنت غرثا نا فذا یوم تشبع

یعنی:

جب میری ماں (اپنے) بچوں کو دیکھنے کے لیے نکلی تو
ٹیلے کی رکاوٹ پھاند کر آگے نکل گئی ،
اس نے دو صاع گیہوں میں ایک صاع کھجور ملائی ،
اور ایک صاع مکھن ملایا جو اس پر تیر رہا تھا ،
اس نے اونچے اونچے پیڑے کاٹے
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کٹے ہوئے انسانوں کے سر ہیں
میں نے اپنے دل میں کہا خوب خوش ہو لے آج کے دن کہ
اب خوف و دہشت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
اگر تو یرقان کا مریض ہے تو یہ اس کی دوا ہے
اور اگر تو بھوکا ہے تو بھی خوب پیٹ بھر لے اور سیر ہو جا۔

یہ اشعار سن کر رشید ہنس پڑا ، اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فالودے کی پلیٹ اصمعی کی طرف کھسکا دی اور کہنے لگا:

''لو اصمعی کھاؤ اور خوب اچھی طرح سے سیر ہو جاؤ[1] !''

مشروبات میں پھلوں کا افشردہ رشید کو بہت مرغوب تھا ، اسے ٹھنڈے پانی میں ملا کر بڑے ذوق و شوق سے پیا کرتا تھا ، خاص طور پر ایام گرما میں ۔ چنانچہ اخبار و روایات سے ثابت ہے کہ جو شہر اپنے پھلوں اور باغوں کے اعتبار سے شہرت رکھتے تھے اور جہاں زراعت خوب ہوتی تھی ، وہ خراج کے ذیل میں یہ چیزیں بھی بھیجا کرتے تھے۔ سیب ، لیموں اور انار کا افشردہ بڑے اہتمام و احتیاط کے ساتھ اس کی خدمت میں بھیجا جایا کرتا تھا ۔ یہ محفوظ برتنوں اور سر بہ مہر مشکیزوں میں بھیجا جاتا تھا ، چونکہ یہ چیزیں بطور خراج کے آتی تھیں ، لہذا انہیں ملک کے دوسرے کاموں میں بھی لایا جاتا تھا ۔ لیکن ان کا بڑا حصہ رشید کے قصر میں پہنچ جایا کرتا تھا تاکہ موسم گرما میں اسے استعمال کیا جائے[2] ۔

رشید کے لیے گرمی کا موسم ناقابل برداشت ہوتا تھا ۔ بغداد کے لوگ

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰ ۔

۲ ۔ العقد الفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۰ ۔

اس زمانے میں تپتی ہوئی دھوپ اور موسم کی ناساعدت سے بیمار ہو جایا کرتے تھے اور سخت بے کلی محسوس کرتے تھے ۔ اس زمانے میں وہ رقہ کی طرف فرار اختیار کرتا تھا ۔ یہاں اس کے لیے جملہ وسائل راحت مہیا رہتے تھے ، دور دراز پہاڑوں سے یہاں اس کے لیے برف کا انتظام رکھا جاتا تھا ۔ ایسے ایسے اہتمام ، احتیاط اور فنی طریقوں سے کام میں لایا جاتا تھا کہ قصر میں وہ ایک طویل مدت تک اپنی اصلی حالت پر رہتا تھا اور پگھلتا نہیں تھا ۔

کھانے کے وقت ممتاز ترین اور ماہر ترین اطبا موجود رہتے تھے ، ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ دسترخوان پر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو ، مثلاً جبریل بن بختیشوع وغیرہ ۔

ان اطبا پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے ۔

قصر کی زندگی

رشید کی مجلس آرائیاں

جن آدمیوں کو رشید نے اپنے گرد جمع کر رکھا تھا ان کے بارے میں جاحظ کا بیان ہے:

"ہارون نے اپنے دربار میں چوٹی کے اصحاب طنز و مزاح اور ارباب فہم و خرد جمع کر رکھے تھے۔ اس کا وزیر یحییٰ بن خالد برمکی تھا، جسے بجا طور پر فن سیاست و تدبیر کا امام کہا جا سکتا ہے۔ یہی حال اس کے دونوں بیٹوں، فضل برمکی اور جعفر برمکی کا تھا، ان دونوں سے بڑھ کر سخی اور دریا دل ملنا مشکل ہے۔ اس کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ تھے، صاحب فتویٰ اور فقیہہ زمانہ اور کتاب الخراج کے مؤلف جو اپنے رنگ اور فن میں بے مثل کتاب مانی جاتی ہے؛ عباس بن طیبب صاحب فہم و فراست شخص تھا کہ اس کے باپ کا چچا بھی تھا۔ اس کے سپہ سالاران فوج میں یزید بن مزید شیبانی اور ہرثمہ بن اعین جیسے یکتائے زمانہ لوگ تھے۔ اس کے مصاحبوں میں اصمعی عبدالملک بن قریب تھا جو طنز و مزاح کا بادشاہ تھا، صاحب نوادر و اخبار اور سایر آثار و لطائف عرب، ساتھ ہی ساتھ بلا کا خوش بیان اور شیریں گفتار۔ اس کا حاجب فضل بن ربیع تھا، جو اپنے کینڈے اور وضع و طرز کے لحاظ سے اپنا جواب آپ تھا۔ اس کے اطبا اور معالجوں میں جبریل بن بختیشوع جیسے لوگ تھے، جو حذاقت اور فن معالجہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس کے شعرا میں ابو العتاہیہ اور مروان بن ابی حفصہ اور ابو نواس وغیرہ تھے، جو اپنے زمانے کے امرا شعر

و ادب شمار ہوتے تھے ۔ اس کے مغنیوں میں ابراہیم موصلی اور اس کا بیٹا اسحاق تھا ، جو اپنے فن کے موجد اور خاتم تھے ۔ اس کا ضارب زلزل جیسا فن کار تھا اور اس کا بانسری بجانے والا برصوم تھا ، جس کا ڈنکا بجتا تھا اور اس کا درباری مسخرہ اور ٹھٹھول باز ابن ابی مریم مدنی جیسا مانا ہؤا ظریف تھا۔ ۱؎"

یہ تھے رؤسا فن ، جو ہارون رشید کے حلقے میں شامل تھے ۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا ۔ ساتھ ہی ساتھ بیت عباسی کے چنیدہ اور منتخب روزگار افراد تھے ، جن کی تعداد بہت کافی تھی ، ان میں قائد تھے ، ادیب تھے اور خطیب تھے ۔

اس طرح کے اور ایسے منتخب روزگار لوگوں کو جمع کر لینا صرف رشید کی نگاہ انتخاب کا کرشمہ نہیں تھا ، بلکہ اس کے اجتماع میں کچھ اور عوامل اور محرکات بھی کام کر رہے تھے ۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو رشید کے سریر آرائے خلافت ہونے سے پہلے قصر خلافت سے وابستہ چلے آ رہے تھے ، کچھ منصور کے زمانے کے لوگ تھے ، جو رشید کا دادا تھا، کچھ مہدی کے زمانے کے تھے ، جو رشید کا باپ تھا ، ان میں ایک گروہ ان لوگوں کے اخلاف کا بھی تھا جو دعوت عباسیہ کے پھیلانے اور فروغ میں اپنے دل و جان سے شریک تھے اور جنھوں نے اس سلسلے میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے اور جو وزیر ، حاجب ، قائد ، عامل اور گورنر چلے آ رہے تھے اور ان میں کافی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنھیں خود رشید کی نگاہ انتخاب نے تاکا تھا اور اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا اور ایسے لوگ بھی کم نہیں تھے جو برمکی وزیر کے توسط سے دربار شاہی تک پہنچے تھے اور وابستگان دامن دولت میں شریک ہوتے تھے ۔ ان سب میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو اپنے وقت کے نابغہ اور عبقری (جینیس) جیسے مختلف علوم و فنون میں مانے اور تسلیم کیے جاتے تھے ۔

ہم ذرا بھی مبالغہ نہیں کریں گے ، اگر یہ کہیں کہ اس مرد فرزانہ و دانا (رشید) نے اپنے گرد جن عظیم فن کاروں کو جمع کر لیا تھا اور جو

---

۱ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۰ ۔

سیاست ، انتظامِ ملکی ، قیادت (سپہ سالاری) فقہ ، لغت اور ادب میں یکتائے زمانہ تھے ۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ ان کی مثال رشید سے پہلے اور بعد کے خلفا کے یہاں نہیں ملتی ۔

یہ بالکل صحیح ہوگا اگر ہم رشید کے دربار کو اور فرانس کے شہنشاہ لوئی چہاردہم کے دربار کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکساں قرار دیں جس کا عہد حکومت رشید کے تقریباً ایک ہزار سال بعد شروع ہوا[1] ۔

لوئی کا وزیر مازران یورپ کا بہت بڑا مدبر اور سیاست دان تھا اور لوئی کے بچپن ہی سے زمام کار اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا ۔ یہ اپنی سیاست اور تدبر کے اعتبار سے بہت سی باتوں میں یحییٰ بن خالد برمکی سے بہت مشابہ تھا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔

اسی طرح لوئی کے شعرا ، اسین ، خونتیں اور بوالو اپنے انتاج ادبی کے لحاظ سے ابوالعتاہیہ ، ابو نواس اور مروان بن ابی حفصہ سے بہت قریب تھے ۔ فن لغت اور ادب میں جو پایہ ، ردشفوکو اور لابردیر اور فلیشہ کا تھا وہی کسائی ، احمر نحوی اور یزیدی کا تھا ۔

اسی طرح مولیسبر جو لوئی چہاردہم کا جلیس و ہمدم تھا ، اپنے اطوار و کردار کے لحاظ سے بالکل ایسا ہی تھا جیسے رشید کا ہمدم و جلیس اصمعی، جو عربوں کے روایات و نوادر کا ماہر خصوصی تھا ۔ ان دونوں میں فرق جو کچھ تھا وہ اسلوب اور اخراج روایت کا تھا ۔

لوئی چہاردہم کا مسخرہ بوتون ، اپنے طنز و مزاح اور بذلہ سنجی میں بڑی حد تک رشید کے مسخرے ابن ابی مریم سدنی سے مشابہ تھا ، یہی کیفیت باقی علوم اور فنون موسیقی کی تھی ۔

جس طرح فرانسیسی لوئی چہاردہم کے زمانے کو عصر شمس یا عہد نور کے نام سے از راہ فخر یاد کرتے ہیں ، اسی طرح مسلمان ، ایام رشید کو 'عروس عہد' کے نام سے اس عہد کی خوبی و دل کشی اور حضارت و تہذیب کے باعث موسوم کرتے اور فخر کرتے ہیں ۔

---

۱ ۔ لوئی چہاردہم کی مدت حکومت صرف ۱٦۴۳ء سے ۱۷۱۵ء تک ہے ۔

مؤرخین میں سے کوئی بھی اس حقیقت سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا کہ اپنے زمانے میں بغداد کا دربار فکری حضارت کے اعتبار سے کہیں زیادہ دربار پیرس کی فکری حضارت سے یگانہ اور ممتاز تھا ، فرق جو کچھ ہے ، وہ ہر دور عہد کے اپنے اپنے زمانے کا ہے ۔

بغداد کے دوران قیام میں رشید جس محل میں رہتا تھا اس کا نام 'قصرخلد' تھا اور رقہ کے عہد اقامت میں جس قصر کو اپنا مسکن بناتا تھا اس کا نام 'دارالسلام' تھا اور یہ دونوں محل اپنے زمانے میں دنیا کے مایۂ ناز تصور تسلیم کیے جاتے تھے ، اپنی وسعت اور جمال کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہ تھا ۔

قصر کا انتظام نہایت سلیقے اور ترتیب و تنظیم کے ساتھ کیا جاتا تھا ۔ جو خدمات مختلف لوگوں کو سونپے گئے تھے وہ ان کی صلاحیتوں کے بالکل مطابق تھے ۔ اجتماعات ملکیہ عامہ اور مجالس خاص کے اہتمام و انصرام سے متعلق بھی ایک مستقل عملہ تھا ، جو اپنے فرائض انجام دیتا رہتا تھا ۔ اسی طرح مواکب سے متعلق بھی جو لوگ انتظامات کے ذمے دار تھے ، وہ اپنے فرائض پوری باقاعدگی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے ۔

اسی طرح باہر سے جو وفود آتے تھے ، ان کی پذیرائی ، استقبال ، اور قیام سے متعلق اصول اور قاعدے مقرر تھے ، دربار میں حسب مراتب ان کی نشستوں کی تعیین بھی کی جاتی تھی اور انہیں دربار کے آداب بھی سکھائے جاتے تھے کہ خلیفے کے سامنے جب حاضر ہوں تو کس ہیئت اور لباس میں ، آداب گفتگو بھی سکھائے جاتے تھے اور یہ بھی بتایا جاتا کہ کسی مسئلے کے متعلق عرض و کلام کریں تو اس کا انداز کیا ہو ؟

قصر خلد میں نہ جزر ہوتے ہی شاہی محافظوں کا گروہ نظر آتا تھا ، ان کا مخصوص لباس تھا ، ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار اور نیزے کا ہونا ضروری تھا ۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا محل کے اندر امن و سکون قائم رکھیں اور خلیفے کی ذات کی حفاظت کریں ، نیز محل میں آنے والوں اور جانے والوں پر کڑی نظر رکھیں ، جو احکام نافذ ہوں ، انہیں بجا لائیں ۔ ان میں سے بعض جو اپنے مرتبے کے اعتبار سے افسر کی شان رکھتے تھے ، اجتماعات کے

ہال کے سامنے تلوار ہاتھ میں لیے کھڑے رہتے تھے اور جو بہ منصب کے لحاظ سے بھی بڑے تھے ، وہ حسب ضرورت خلیفے کی مجلس میں داخل بھی ہو سکتے تھے ، ان کی ڈیوٹی داخلے کے دروازے پر چپ چاپ کھڑا ہو جانا تھا یا خلیفے کے پیچھے مؤدب ہو کر ایستادہ ہو جانا ۔ ان کے جسم پر جو اسلحہ ہوتے تھے ، وہ سونے اورچاندی سے مزین ہوتے تھے ؛ جس سے دربار کی شان اور ہیبت و جلال میں اضافہ ہو جاتا تھا ۔"

ان لوگوں کی بڑی تعداد اہل فارس پر مشتمل تھی ، یہ برمکی وزرا کے آوردہ تھے ، یہ ان لوگوں میں سے منتخب کیے جاتے تھے جو اپنے حسن اخلاق اور امانت و طاعت کے لحاظ سے موزوں تر ہوتے تھے -

رشید کی نگاہ میں ان کی وقعت اور دل میں ان کی جگہ تھی ، وہ ان کے ساتھ بہت زیادہ مہربانی اور لطف و کرم کا برتاؤ کرتا تھا ، ان کے حالات و معاملات میں دل چسپی لیتا تھا اور انھیں حل کرتا تھا ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی نقل و حرکت اور کردار و سیرت کی نگرانی بھی اپنے مخصوص مخبروں اور جاسوسوں کے ساتھ کرتا رہتا تھا ، اس لیے کہ جہاں یہ اتنے کام کے تھے وہاں ان سے اس کی ذات اور شخصیت کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا ۔ لہذا ہوشیار اور چوکنا رہنا اس کے لیے ضروری تھا ۔ ان پر انعامات و اکرامات کی بارش کرنے سے بھی غافل نہیں رہتا تھا ، نہ ان کے کسی معقول اور جائز مطالبے کو کبھی رد کرتا تھا ۔ ان کی حیثیت بھی رفتہ رفتہ حاشیہ نشینوں اور ندیموں کی سی ہوگئی تھی ۔ شعرا ان کی مدح میں قصیدے کہتے تھے، اس طمع میں کہ ان سے صلہ پاسکیں ، اور اس امید میں کہ ان کے ذریعہ شاید خلیفے تک ان کی رسائی ہوسکے -

صاحب اغانی کا بیان ہے :

ایک روز رشید نے اپنی مجلس خاص میں دس ہزار دینار منگوا کر سامنے رکھ لیے اور حاضرین میں تقسیم کرنا شروع کر دیے ، آخر میں اس کے پاس تین ہزار دینار رہ گئے تو کہنے لگا :

"کوئی ایسا شاعر بے ہمتا پیش کرو جسے یہ رقم میں دے دوں!"

باب شاہی پر اس وقت دو شاعر موجود تھے ، ایک منصور نمری اور

دوسرا شاعر یوسف بن صیقل تھا ، ان لوگوں نے یوسف بن صیقل کو رشید کے پاس لے جانا چاہا ، مگر حاجب آڑے آیا ، اس نے منصور نمری کو اس کے تکلم اور جرأت کلام کے باعث ترجیح دی ۔ منصور آیا اور اس نے اپنے اشعار سے ایک سماں باندھ دیا ، رشید نے بقیہ تین ہزار دینار اسے دے دیے[1] ۔

پھر اس نے اپنے نگہبانوں کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور گویا ہوا :

''میں سمجھ گیا ، تم کیا چاہتے ہو ، تمھاری خواہش یہ تھی کہ یہ انعام یوسف بن صیقل کو دیا جائے ـــــ ؟''

انھوں نے عرض کیا :

''جی ہاں ، ہماری خواہش تو یہی تھی !''

ہارون رشید نے یوسف بن صیقل کو بھی اذن باریابی عطا فرمایا ، وہ آیا اور اس نے چند مدحیہ شعر سنائے ، ہارون رشید نے حکم دیا کہ اسے تین ہزار درہم دے دیے جائیں !''

انھوں نے عرض کیا :

''یا امیرالمومنین یوسف بن صیقل کو بھی ـــــ منصور نمری کی طرح ـــــ دینار عطا کیے جائیں !''

رشید نے یہ خواہش بھی پوری کر دی ، اور درہم کے بجائے دینار ، یوسف بن صیقل کو دلوا دیے[1] ۔

قصر شاہی کا سب سے بڑا منصب دار حاجب ہوتا تھا ، اس کی اعانت اور امداد کے لیے ایک پورا عملہ ہوتا تھا ، جو اس کا حکم بجا لاتا تھا ، نیز قصر سے متعلق دوسرے ملازمین کا بھی یہ فرض تھا کہ اس کے امر و نہی کی سختی کے ساتھ پابندی کریں ، شاہی خادموں کا سرگروہ مسرور تھا جسے ''مسرور کبیر'' بھی کہتے تھے ، یہ خواجہ سرا[2] غلاموں میں سے تھا

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۱ ، صفحہ ۹۳ ۔

۲ ۔ خواجہ سرا ، شاہی محلات میں زنان خانے کی حفاظت پر معمور تھے ، یہ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اور بڑی آن بان کا آدمی تھا ۔

رشید کے خدام میں جو مرتبہ مسرور کو حاصل تھا ، وہ کسی اور کو حاصل نہیں تھا ، رشید اس پر سب سے زیادہ اعتبار و اعتماد کرتا تھا ۔ اور یہ بھی دل و جان سے اس کا ہر حکم بجا لاتا تھا ۔ رشید کی تاریخ حیات ـــ خاصہ و عامہ ـــ پر اس کے جتنے دور رس اثرات تھے ، وہ کسی اور کے نہیں تھے ، یہ ہر وقت کا حاضر باش تھا ۔ بچپن سے لیکر زندگی کے آخری دن تک یہ اپنے آقا کا فدائی اور جان نثار بنا رہا ۔ اور اس کی اسی وضع میں ایک لمحے کے لیے بھی کبھی کوئی فرق نہیں آیا ۔

صبح ہو یا شام ، سفر ہو یا اقامت ، یہ ہر وقت اور ہر جگہ ساتھ ، کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ اپنے آقا سے جدا نہیں ہوتا تھا ، ہاں ! مگر اس وقت کہ خود آقا اسے کسی دوسرے کام پر مامور کر کے بھیج دے ۔ رشید کو جتنا اعتماد مسرور پر تھا کسی اور پر نہیں تھا ، وہ اس کے زنان خانے کا نگہبان ، اور دشمنوں کا جلاد تھا ، کسی پر غضب ناک ہو کر خلیفہ جب اس کے قتل کا فیصلہ کرتا تو وہ مسرور ہی تھا جو معتوب کا سر ، تن سے جدا کر دیتا تھا ، خلیفہ کے دوسرے غلاموں میں سے کسی کو بھی وہ مقام حاصل نہ تھا ، جو مسرور کو قسمت نے عطا کر دیا تھا ۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی ۔

خدام قصر میں سعید خفتانی کو بھی ایک خاص مقام رشید کی نظر میں حاصل تھا ، یہ بھی ان لوگوں میں تھا جو بچپن سے اس کے ساتھ رہے تھے ۔ رفتہ رفتہ اس نے آقا کی نظر میں بڑی منزلت حاصل کر لی ۔ یہاں تک کہ رشید نے فرمان صادر کرا دیا تھا کہ سعید خفتانی کی تحریر ، رجال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اگرچہ مرد ہوتے تھے ، لیکن ان کو آختہ کر دیا جاتا تھا اور یہ قوت رجولیت سے محروم ہو جاتے تھے ۔ اب ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رہتا تھا ۔ لہذا زنان خانے میں جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا یہ آتے جاتے اور آمد و رفت رکھتے تھے ، اور وہاں کی نگہبانی پر بھی مامور رہتے تھے ۔

(رئیس احمد جعفری)

دولت بے چون و چرا قبول کر لیا کریں ، اور اس کے رقعہ پر ایک لاکھ درہم تک دے دیا کریں[1] ۔

رشید کے غلام خاص میں ایک اور شخص 'مسناره' تھا ، یہ اس خاندان کا دیرینہ سال خادم تھا ، منصور کے وقت سے خدمت کرتا چلا آ رہا تھا ، مہدی اور ہادی کی خدمت میں بھی رہا ، پھر رشید کے دامن دولت سے وابستہ ہوا ، اس نے اپنی ساری عمر قصر خلافت میں گزار دی ، اور قصر شاہی میں پیش آنے والے اہم ترین واقعات و حوادث کا یہ چشم دید گواہ تھا ، اندرون محل کے تمام اسرار و رموز اس پر فاش تھے ۔

خادم خاص 'صالح'

خدام خاص میں ایک اور شخص 'صالح' تھا ۔ رشید اپنے ندیموں ، ہمدموں یا دوسرے لوگوں کو جو انعامات اور رقوم دینے کا حکم صادر کرتا تھا ، اس کی تعمیل و تکمیل اسی کے ذمے تھی ، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خوش وقتی کے مصارف کا جو خزانہ تھا ، اس کا مہتمم اور نگران یہی تھا[2] ۔

رشید کے جلادوں میں سب سے زیادہ مشہور یا بدنام جو شخص تھا وہ احمد بن جنید ختلی تھا ۔ یہ شخص اپنی سنگ دلی اور قساوت کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا ، اسے رشید کی مجالس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی ، البتہ دور ایک طرف کونے میں کھڑا رہتا تھا کہ جیسے ہی طلب کیا جائے فوراً حاضر ہو جائے ۔ حکومت کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے والوں یا شورش پسندوں یا بے دینوں اور زندیقوں کے خلاف جب رشید فرمان سزا صادر کرتا یا اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر قابو پانے کے بعد ، انہیں کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تو احمد بن جنید اپنا کام انجام دینے فوراً حاضر ہو جاتا ۔

اس کا کام یہ تھا کہ حکم پاتے ہی شخص معتوب کی گردن تلوار سے اڑا دے ، کیونکہ حکم دینے والا وہ تھا ، جو مطلق العنان تھا اور

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۲۰ ، صفحہ ۹۳ ۔

۲ ۔ کتاب الاصمعی ، صفحہ ۱۷۷ ۔

جس کے حکم کے خلاف کسی دوسری جگہ مرافعہ نہیں کیا جا سکتا تھا ۔

قصر کے زندانیوں کی دیکھ بھال اور انتظامات کی ذمے داری سلامہ آبرش کے ہاتھ میں تھی ۔ یہ جیل خانۂ مطبق کا نگراں اور مہتمم تھا جسے ابو جعفر منصور نے مدینۃ السلام --- بغداد --- کی فصیل کے پاس تعمیر کر دیا تھا ۔ یہ بھی پرانا آدمی تھا اور عرصے سے یہی کام کرتا چلا آ رہا تھا ۔

مہدی ہادی اور رشید کے زمانے میں بھی اس کی ڈیوٹی وہی تھی ۔ یہی تھا جس نے خود رشید کو اپنے گھر میں قید رکھا تھا ۔ جب دونوں بھائیوں --- رشید اور موسیٰ ہادی --- کے مابین مسئلہ ولی عہدی پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا ، شروع شروع میں تو رشید اس سے خفا رہا لیکن کچھ ہی عرصے بعد اسے خدمت پر بحال کر دیا ۔

مطبق ایک ایسا جیل خانہ تھا جو خاص طور پر ، مملکت کی ان معروف شخصیتوں کے لیے تعمیر کرایا گیا تھا ، جنھیں خلیفے کی حاشیہ نشینی حاصل تھی ، لیکن بعد میں معتوب و مضروب ہونے کے باعث ، جن کی جگہ جیل خانہ قرار پائی ۔ اس جیل میں علما ، امرا ، شعرا اور قواد (سرداران فوج) سب ہی کو زندگی کے کچھ دن کاٹنا پڑے ۔

یہ ایک وسیع اور کشادہ جیل خانہ تھا ، اس میں کئی کمرے اور کئی تاریک تہ خانے تھے ، ان میں سے بعض رطوبت اور سیلن کے باعث ناقابل رہائش تھے ، لیکن زندانیوں کو رہنا پڑتا تھا ، یہ اس زمانے میں عام تھا ، یعنی شاہی جیل خانے اس طرح کے ہوا کرتے تھے ۔

مطبق کے علاوہ بھی کئی جیل خانے تھے ، جو مجرمین کی رہائش کے لیے تیار کیے گئے تھے ۔

رشید کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ بعض لوگوں کو مستقل جیل خانے میں بھیجنے کی بجائے کسی خاص شخص کے ہاں قید کر دیتا تھا ، جیسے سندی بن شاہک کا گھر ، جو اکثر اس کام میں استعمال ہوا کرتا تھا ۔

قصر کا انتظام و انصرام ، اس وقت قابل دید ہوتا تھا ، جب

اجتماعات عامہ منعقد ہوتے تھے ، اور ان میں خلیفہ بذات خود شرکت کرتا تھا ۔ اس طرح کے اجتماعات کم ہوتے تھے ، لیکن جب ہوتے تھے تو بڑی شان اور سطوت کے ساتھ انجام پاتے تھے ۔ اس لیے کہ ان کا انعقاد کسی خاص مناسبت ہی سے ہوتا تھا ۔ مثلاً ولی عہدی کی بیعت یا جہاد و پیکار کے میدان سے امیرالمومنین کی واپسی ، یا زیارت حرمین کے سفر سے واپسی یا کسی دوسرے سفر سے واپس آنا ، نیز عید اور تہوار ، اور قومی تقریبات کے مواقع پر بھی اس طرح کے اجتماعات منعقد ہوا کرتے تھے ۔

دربار میں رشید ایک بلند چبوترے پر جو بڑے ہال کے وسط میں بہت شان کے ساتھ آراستہ ہوتا ، بیٹھتا تھا ۔

امرا بنو ہاشم کرسیوں پر داہنی جانب رونق افروز ہوتے ۔

ان کے عقب میں امرائے بنوامیہ کی نشست ہوتی ، جو بنو عباس کی کی خلافت اور امارت کے حامی اور مؤید تھے ، ان کے لیے گاؤ تکیے ہوتے جن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ۔

پھر حسب مراتب ، رجال دولت اور امرائے مملکت کی نشست ہوتی اور وزرا کی نشست ان کے عقب میں ہوتی ، ان کے سر پر ٹوپی ہوتی ، اور بدن پر سیاہ جبہ ۔

اس کے بعد فقہا اور علما کی باری آتی ، ان کے سر پر پگڑیاں ہوتیں ، اور عبا قبا سے یہ زیب تن کرتے ۔ امام ابو یوسفؒ نے ان کے لیے خاص پوشش نافذ کی تھی ، یعنی بغیر عمامہ کے سر پر ٹوپی اور سیاہ رنگ کا گاؤن ۔

ان کے بعد افسران فوج کی باری آتی ، یہ لوگ خلیفہ کے بائیں طرف بیٹھتے ، یہ خاص فوجی لباس میں ملبوس ہوتے ، جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا تھا ۔

ان کے پیچھے حکومت کے بڑے بڑے افسر تھے ،

اور ان کے عقب میں ادیب اور شاعر ،

ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص لباس میں ہوتا ، جس کے خلاف کوئی اور پوشش وہ اختیار نہیں کر سکتا تھا ۔

ان سب کے آخر میں ندیموں اور مصاحبوں میں سے خاص خاص لوگ ہوتے ، نیز اصحاب تغمہ و موسیقی بھی اس صف میں بیٹھتے ، علاوہ ازیں کتاب اور مستخدمین ، میں سے اگر خلیفہ چاہتا تو کسی کو اجازت دے دیتا کہ وہ بھی شرکت کرے۔

اس ترتیب خاص سے جب سب لوگ اپنی اپنی نشست اختیار کر لیتے ، جس کی حاجب قصر یا اس کا قائم مقام خاص نگرانی کرتا تھا ، کیونکہ کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں تھی کہ اپنی معین جگہ کے علاوہ کہیں اور بیٹھ سکے اور اس نظام میں خلل انداز ہو جو معین کر دیا گیا تھا ، نہ کسی کو اس کی اجازت تھی کہ وہ اپنے سے آگے والی نشست پر جا بیٹھے ۔ البتہ اگر امیرالمومنین کی مرضی ہوتی تو وہ جسے چاہتے دوسرے پر تقدم عطا کر دیتے یا اگر چاہتے تو اپنے پاس اپنے گوشہ مسند پر بٹھا لیتے ، جیسا کہ اکثر وہ اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ کے ساتھ سلوک مرعی رکھتے تھے ۔ جعفر کو وہ مسند سلطانی پر اپنے قریب بٹھا لیتے اور اس طرح دربار میں اس کا مرتبہ ہاشمیوں تک سے بلند ہو جاتا ۔

اس طرح کے اجتماعات میں کسی کو بات کرنے کی اجازت نہ تھی ، نہ کوئی خطبہ دے سکتا تھا ، نہ شعر سنا سکتا تھا ، نہ قصیدہ پڑھ سکتا تھا ، بجز اس صورت کے کہ منہاج رسوم کے مطابق آغاز دربار سے قبل یا بعد یہ کام انجام دے لیا جائے ، وہ بھی رشید کی اجازت سے یا پہلے سے اذن حاصل کر لے ۔

جب دربار ختم ہو جاتا اور وہ کام انجام پا جاتا جس کے لیے اجتماع منعقد کیا گیا تھا تو خلیفہ اپنی مسند پر جنبش کرتا جس سے لوگ سمجھ جاتے کہ اب دربار برخاست ہو رہا ہے ۔ چنانچہ تمام لوگ خلیفہ کے اجلال کے پیش نظر کھڑے ہو جاتے ، پھر خلیفے کی جوتیاں حاضر کی جاتیں ، وہ انہیں پہن لیتا اور دروازے کی طرف رخ کرتا ۔ اس کے پیچھے پیچھے حسب مراتب دوسرے لوگ بھی باہر نکل آتے ، ارد گرد دونوں طرف شاہی محافظ دستے کی مسلح صفیں ہوتیں ، جو ہال کے اطراف اور مسند سلطانی کے پیچھے ایستادہ رہتیں ۔

اس اجتماع عام کے علاوہ بھی کچھ مجلسیں برپا ہوتی تھیں ، جنہیں رشید مناسبات کے لحاظ سے منعقد کیا کرتا تھا اور وہ بھی بکثرت ۔ وہ جب چاہتا ایسی مجلس طلب کر لیتا ، جس میں رجال دولت اور خاصان دربار شریک ہوتے ۔

مخصوص مجلسیں دو طرح کی ہؤا کرتی تھیں :

ایک مجلس کا نام تھا 'مجلس شؤن عامہ' ! ـــــ اس مجلس میں حکومت اور مملکت کے مختلف اہم امور پر تبادلۂ خیال ہوتا اور بحث و گفتگو کی جاتی ۔ دوسری مجلس کا نام تھا 'مجلس خاص' یا مجلس رشید ـــــ! ـــــ یہ مجلس فرصت کے اوقات میں منعقد ہوتی ۔

ان دونوں میں سے ہر مجلس اپنا ایک خاصا دائرہ رکھتی تھی ۔

مجالس شئون عامہ وغیرہ کے علاوہ ایک اور مجلس بھی رشید منعقد کیا کرتا تھا ، جس کا نام تھا ''مجلس اسرہ'' ۔

اس مجلس میں یا تو سیاسیات عالیہ کے مسائل و مباحث پر گفتگو ہوتی ، یا خاندانی مسائل زیر بحث لائے جاتے ۔ مثلاً ولی عہدی کا منصب کسے عطا کیا جائے ؟ خاندان بنو عباس کے افراد کے مابین اگر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے ہوں تو انہیں کس طرح رفع دفع کیا جائے ؟ نیز یہ کہ خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کس سے کی جائے ؟ یہ مسئلہ انہی لوگوں کے بارے میں زیر بحث آتا تھا جو رشید سے بہت قریبی عزیز داری رکھتے تھے ۔

اس مجلس میں مشائخ بنو ہاشم مقیم بغداد کے علاوہ کوئی اور شریک ہونے کا مجاز نہیں تھا ۔ یعنی جملہ مشائخ بنو ہاشم طلب کیے جاتے اور وہ حاضر ہوتے ۔ اس مجلس میں جو باتیں زیر بحث آتیں ، وہ کسی فیصلہ کن تجویز کی صورت نہیں اختیار کر سکتی تھیں ، نہ خلیفہ پر ان کی پابندی لازم تھی ، اس لیے کہ آخری فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا اور حرف آخر کہنے کا مجاز اس کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا ۔

حسب ضرورت 'مجلس اداری' بھی رشید طلب کیا کرتا تھا ۔

اس مجلس میں حکومت کے انتظام و انصرام ، حالات کی اصلاح و تنظیم

اور حکام و عمال اور گورنروں کا تقرر ، تنزل اور معزولی کے فیصلے کیے جاتے تھے ۔ یا اگر کسی اقلیم سے خراج پورے طور پر وصول نہ ہوتا ، تو اس کی کیفیت زیر بحث آتی ، یا ڈاک کی بے نظمی پر گفتگو ہوتی اور اسے زیادہ باقاعدہ بنانے کے مسائل پر غور کیا جاتا ، یا اقتصادی معاملات و امور کے مختلف پہلوؤں پر مشورہ ہوتا ۔

اس مجلس میں خلیفہ کے علاوہ وزرا اور مخصوص حکام اور مختلف سرکاری محکموں کے سربراہ شریک ہوتے ، ان میں سے ہر ایک مسئلۂ زیر بحث کے مختلف پہلوؤں سے اور اصلاح و احوال کے طریقوں سے واقف ہوتا ، تاکہ بحث و گفتگو بے نتیجہ نہ رہے اور یوں ہی بات چیت کے بعد ختم نہ ہو جائے ۔

ایک اور مجلس تھی جو 'مجلس عسکری' کے نام سے موسوم تھی ۔

اس مجلس میں فوجی امور اور معاملات پر بحث و گفتگو کی جاتی تھی اور حکومت کے کسی علاقے میں شورش اور بغاوت اگر برپا ہو گئی ہوتی تو اس کے مختلف پہلوؤں اور اس کے سدباب کے وسائل اور طریقوں پر غور کیا جاتا ۔

حدود مملکت سے باہر اگر خلیفہ کسی ملک یا علاقے پر حملہ کرنا چاہتا ، جنگ کرنا چاہتا ، اسے فتح کر لینا چاہتا تو اس سلسلے میں بھی تمام متعلقہ مسائل زیر بحث آتے ۔

اس مجلس کا صدر خلیفہ خود ہوتا ، وزرا بھی شریک ہوتے اور افسران فوج بھی صلاح و مشورے کے لیے طلب کیے جاتے جو اقلیم زیر بحث کے حالات سے پورے طور پر واقف ہوتے یا جو جہاد و حرب کا وسیع اور دیرینہ تجربہ رکھتے اور بلاد اعدا پر چڑھائی کر کے ناموری حاصل کر چکے ہوتے ۔

اس موقع پر رئیس دیوان جند (فوج) بھی موجود ہوتا کہ اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں مصارف اور دوسرے معاملات پر ضروری مشورہ دے سکے ۔

'مجلس مقابلات' میں وفود خلیفہ کی خدمت میں باریاب ہونے کا شرف

حاصل کیا کرتے تھے ، یہ وفود رعایا کی طرف سے بھی حاضر ہوتے تھے اور دوسری مملکتوں کی جانب سے بھی بمصائب سفر برداشت کر کے آیا کرتے تھے ۔

اگر پہلی صورت ہوتی تھی یعنی رعایا کا کوئی وفد رشید سے ملنا چاہتا تھا تو اسے پہلے حاجب کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور وہاں خلیفہ سے ملاقات کی غرض و غایت بتانا پڑتی تھی ، معاملے اور مسئلے کو اچھی طرح سمجھ چکنے کے بعد حاجب اگر مناسب سمجھتا تو رشید کو حالات سے اور ان کی نوعیت سے باخبر کر کے فوری طور پر مجلس کا انتظام کرتا تھا ، یا اگر مناسب سمجھتا تو کچھ روز بعد کی تاریخ باریابی کے لیے مقرر کر دیتا اور اگر بات کچھ زیادہ اہم نہ ہوتی تو متعلقہ وزیر سے ملاقات کی ہدایت کرتا اور اگر مسئلہ بالکل ہی معمولی ہوتا تو خوب صورت الفاظ میں ٹال دیتا اور ملاقات کا بندوبست نہ کرتا ۔

اور اگر وفد کسی غیر ملک کا ہوتا تو اس کی اہمیت اور حیثیت کے پیش نظر ملاقات کا انتظام کیا جاتا ۔

ملوک و سلاطین یا اسی پائے کے دوسرے لوگ اگر ملاقات سلطانی کی غرض سے وارد ہوتے تو ان کا استقبال شہر پناہ کے باہر کیا جاتا ، اکثر رشید خود بھی اس استقبال میں شریک ہوتا ۔

اس کے بعد ایک خاص ہال میں ملاقات کا اہتمام ہوتا ، یہ ہال اسی مقصد کے لیے وقف تھا ، اس ہال کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ انتہائی قیمتی چیزوں سے سجایا گیا تھا اور زیب و زینت کے سلسلے میں وہ تمام چیزیں استعمال کی جاتیں جن سے خلافت اسلامیہ کی عظمت اور جلال دولت کا خاطر خواہ انتظام ہوتا ۔

امور عامہ پر غور و فکر اور صلاح و تدبیر سے متعلق اور بھی کئی مجلسیں تھیں جو وقتاً فوقتاً منعقد ہوا کرتی تھیں ، حکومت کے تقریباً تمام شعبوں سے متعلق ایک ایک مجلس قائم تھی جس کے اجلاس حسب ضرورت ہوتے رہتے تھے ۔

انھی مجلسوں میں ایک 'مجلس شرطہ' تھی ، اس مجلس میں پولیس کے امور و معاملات زیر غور لائے جاتے اور مناسب احوال تجویزیں پیش ہوتیں

اور ان کی روشنی میں فیصلے کیے جاتے۔

ایک 'مجلس حرس' تھی :

شاہی محافظوں کے معاملات و مسائل اسی مجلس میں پیش ہوتے تھے اور ان پر غور و فکر کے بعد کوئی فیصلہ کیا جاتا تھا۔

ایک 'مجلس برید' تھی :

اس مجلس میں ڈاک کی ترسیل و تنظیم اور باقاعدگی یا بے قاعدگی سے متعلق شکایات و تجاویز پیش ہوتیں اور منظور کی جاتی تھیں۔

اسی طرح اور بھی کئی مجلسیں تھیں، متعلقہ وزیر کی شرکت ان مجالس میں لازمی تھی، تاکہ پورے اور صحیح معلومات کی روشنی میں، مسائل زیر غور لائے جا سکیں اور صحیح طور پر رائے قائم کر کے کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

البتہ 'مجلس اسرہ' یعنی خاندانی معاملات و مسائل پر غور و خوض کرنے والی مجلس میں کوئی وزیر اس وقت تک شریک نہیں ہو سکتا تھا جب تک خلیفے کی طرف سے خود اسے طلب نہ کیا جائے۔

باقی رہیں رشید کی 'مجالس خاصہ' سو ان کی بات ہی اور تھی، ان کے انعقاد کا کوئی خاص نظام مقرر نہیں تھا، یہ ہر وقت منعقد ہو سکتی تھیں، جب خلیفے کا جی چاہے اور اس کی مرضی ہو، فرصت کا کوئی لمحہ میسر آ گیا اور مجلس ترتیب پا گئی۔

مجالس خاصہ کی کئی قسمیں تھیں۔

ان میں سے ایک مجلس فکریہ تھی، اس کی نوعیت یا تو خالص علمی ہوتی تھی، جس میں صرف اجل علما اور پائے کے فقہا شریک ہوتے تھے، یا ادبی ہوتی تھی، جس میں اشعار و اخبار اور ادب کے راوی شریک ہوا کرتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس کی نوعیت اجتماعی مجلس کی ہو جاتی، یعنی اس میں فقیہہ، متکلم، لغوی، نحوی، راوی، ادیب، ماہر انساب اور ہر علم و فن کے مشاہیر شریک ہوتے تھے۔

یہ مجلس فکریہ 'بزم بے تکلف' اور اسی نوع کی دوسری مجلسوں سے یکسر مختلف تھی —— جن کا ذکر آگے آئے گا۔

رشید کو مجالس فکریہ سے غیر معمولی شغف اور انہماک تھا ، ان میں وقت کے بڑے بڑے نوابغ اور عباقر (جینیس) شریک ہوا کرتے تھے اور اس طبقۂ عالی میں بھی وہ لوگ جو اپنے گروہ میں سب سے اونچے ہوتے تھے ، اس مجلس میں انہیں اسی وقت شریک کیا جاتا تھا جب اچھی طرح چھان بین کے بعد انہیں پرکھ لیا جاتا تھا ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید نے ارادہ کیا کہ اپنی 'مجلس فکریہ' میں بصرہ کے شیوخ ادب و لغت میں سے کسی کو شریک انجمن کرے ، چنانچہ دو نام اس کے سامنے پیش کیے گئے ، ایک اصمعی کا ، دوسرا ابوعبیدہ کا ۔ رشید نے ان دونوں کا انٹرویو لیا اور بڑے ٹیڑھے ٹیڑھے سوالات کرکے ، دونوں کی قابلیت اور استعداد کا اندازہ لگایا ، پھر اصمعی کو منتخب کر لیا اور ابوعبیدہ کو رد کر دیا ۔ یہ رسمی انٹرویو نہیں تھا ، در حقیقت بہت سخت امتحان تھا ۔ خود اصمعی نے اس امتحان کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے ، وہ بیان کرتا ہے :

''اس ملاقات میں (انٹرویو میں) رشید نے شعرا متقدمین کی خاصی بڑی تعداد کے بارے میں سوالات کیے ، ان کے اشعار کے بارے میں پوچھ گچھ کی ، نیز ان شعرا اور ان کے اشعار سے متعلق جو اقوال دوسرے لوگوں کے ہیں وہ دریافت کیے ، علاوہ ازیں ان اشعار میں جو محاورے اور امثال استعمال ہوئے ہیں یا جن شعروں کے ساتھ کوئی خاص پس منظر وابستہ ہے اس کے متعلق تفصیلی سوالات کیے ۔'' وہ جب کسی شخص کو اپنی انجمن کا ممبر بنانا چاہتا تھا تو اس کی علمی و ادبی استعداد کو پہلے بہت اچھی طرح پرکھ لیتا تھا ، اگر مطمئن ہو جاتا تو شریک مجلس کر لیتا ورنہ نہیں[1] ۔

رشید کی مجالس خاصہ پر اگر امعان نظر سے غور کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ وہ دو جدا گانہ شخصیتوں کا مالک تھا ۔

مجالس علم و ادب کا جہاں تک تعلق تھا یہاں وہ اپنے آپ کو بہت نیچے دبائے رہتا تھا ، آداب مجلس پر خود بھی سختی سے عمل کرتا تھا اور دوسروں

---

۱ ۔ کتاب الاصمعی ، ... ۲ ـ ۱ ۔

کو بھی ان سے سر مو منحرف نہیں ہونے دیتا تھا ، یہاں یاوہ گوئی نہیں کی جا سکتی تھی ، لغو اور لایعنی باتوں کی بھی گنجائش نہیں تھی ، وہ ان محفلوں کی ترتیب آرائی میں ذاتی طور پر حصہ لیتا ۔ جب وہ اپنے ایما کا اظہار کرتا تو کسی مسئلے پر بحث چھڑ جاتی ، جب تک خلیفہ خود گفتگو میں پہل نہ کرے کسی کو آغاز کلام کی اجازت نہیں تھی ، نہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی کسی سوال یا بات کا جواب دے سکتا تھا ، نہ غیر شائستہ اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کیا جاسکتا تھا ، نہ طنز و مزاح اور خندۂ و استہزا کا مظاہرہ کیا جا سکتا تھا ، نہ کوئی بے تکی بات منہ سے نکالی جا سکتی تھی ، نہ کوئی ایسا جملہ استعمال کیا جا سکتا تھا جو فکر و معنی کے اعتبار سے کوئی مقام نہ رکھتا ہو ، چنانچہ بہ بات بے اندیشہ تردید کہی جا سکتی ہے کہ یہ مجلس علمی و ادبی ثمرات کے لحاظ سے حد درجہ بار آور ثابت ہوئیں جن کی تفصیل اور ذکر سے کتب قدیمہ بھری پڑی ہیں ۔

مجالست ملوک و سلاطین کے آداب و طرق سے متعلق رشید نے اصمعی سے جو بات بسلسلۂ تذکیر موعظت کہی تھی وہ بڑی اہم ہے ۔

رشید نے اصمعی سے کہا تھا :

''تمھارا حافظہ ہم سے قوی ہے ، لیکن ہم تم سے زیادہ دانش مند ہیں ، ہمارے استاد اور راہ نما بننے کی کوشش نہ کرو ، نہ خلوت کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیں نصیحت کرنے میں جلد بازی سے کام لو ، جب تک ہم خود کوئی سوال کر کے گفتگو کا آغاز نہ کریں ، خاموش بیٹھے رہو اور جب سوال کا جواب دو تو بس اتنا ہی جتنا پوچھا جائے ، اس سے زیادہ نہیں ۔

اور ہاں !

ہماری بات کی تصدیق میں تعجیل سے کام لو اور جو کچھ ہم سے سرزد ہو اس پر پسندیدگی کا اظہار کرو اور ہمیں وہ بات سکھاؤ جس کی ہمیں منبر کی سیڑھیوں پر ضرورت پیش آتی ہو اور خطبہ دیتے وقت جس کے ہم محتاج ہوتے ہیں ۔ بیہودہ اور واہیات باتوں سے ہمارے سامنے کامل احتراز کرو۔

اور ہاں خبردار!
ہمارے سامنے طول کلام کا مظاہرہ نہ کرو، البتہ ہم خود ایسا چاہیں تو دوسری بات ہے۔ اگر دیکھو کہ ہم جادۂ حق پر استوار نہیں ہیں تو ہمیں راہ حق پر لانے کی کوشش اس طرح کرو کہ تقریر بالخطا کا ارتکاب نہ ہو اور نہ جھڑکی اور توبیخ سے کام لو[1]!"

لیکن 'بزم بے تکلف' میں رشید کی یہ شان نہیں تھی، یہاں ہر شخص کو پورے طور پر حریت کلام حاصل تھی۔ کوئی پر لطف بات کہی جاتی، یا بذلہ سنجی کا مظاہرہ ہوتا، یا طنز و مزاح کا کمال دکھایا جاتا تو وہ خوش اور محظوظ ہوتا، ہنستا اور حوصلہ افزائی کرتا، فرمائش کر کرکے اس طرح کی باتیں سنتا اور جو لوگ فن کا کمال دکھاتے انہیں انعام دیتا۔

دوسروں کی طرح وہ بھی ایک انسان تھا، اسے بھی نشاط و مسرت کے لمحے درکار تھے، متاعب اور افکار و ہموم کا بوجھ اعصاب سے اتارنے کا اسے بھی حق تھا، دماغ اور روح کو اس کا حق وہ اس طرح دیتا تھا کہ دوسری تمام باتوں سے بے پروا ہو کر اپنی 'بزم بے تکلف' میں کھو جاتا تھا، خوب ہنستا، لطف لیتا اور خوشی کا اظہار کرتا۔

زندگی کا یہ لطف اسے بس چند ہی لوگوں سے ملتا تھا اور وہ ہی اس 'بزم بے تکلف' کے روح رواں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ظرافت، خوش طبعی، نکتہ سنجی اور حاضر جوابی میں یکتا تھے۔ مثلاً اصمعی، اسحاق موصلی اور ابو نواس نیز عباس بن محمد الہاشمی اور عباس بن احنف شاعر وغیرہ، اور کوئی شبہ نہیں یہ لوگ ادب و شعر کے مہر و ماہ تھے۔

رشید کے وزرا ـــ برامکہ ـــ بھی طنز و مزاح، خندہ و استہزا اور لطائف و ظرائف سے اسی کی طرح دلچسپی لیتے تھے اور فن کاروں کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی میں بھی اس سے پیچھے نہیں تھے۔

اصمعی کا بیان ہے:
"ایک مرتبہ شدید حبس کے بعد دھل کے بارش ہوئی۔ لوگ بہت

۱۔ کتاب الاصمعی، صفحہ ۲۰۔

خوش ہوئے ، ہر جگہ مسرت کی لہر دوڑ گئی ، میں اس وقت رشید کے پاس تھا اور تنہا تھا ، اس نے مجھ سے سوال کیا :

”کیا کسی اعرابی شاعر کا کوئی شعر تمہیں ایسے واقعہ سے متعلق یاد ہے کہ جب حبس کے بعد بارش ہوئی ہو تو اس نے اپنے تاثرات کا اظہار دلچسپ پیرائے میں کیا ہو ؟“

میں نے عرض کیا :

”جی ہاں یاد تو ہے لیکن ڈرتا ہوں کہیں جعفر برمکی کے کان میں بھنک نہ پڑ جائے ، پھر تو میری شامت آ جائے گی ۔“

رشید نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا :

”ڈرنے کی کوئی بات نہیں ، بے خوف ہو کر جو کہنا چاہتے ہو کہو !“

میں نے عرض کیا :

”ایک اعرابی شاعر نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک سال بڑا سخت قحط پڑا ، ہمارے علاقے میں ایک دولت مند شخص رہتا تھا جس کے پاس ایک کتا تھا ۔ بھوک سے نڈھال اور بے حال ہو کر کتا بھونکنے لگا ، اس کے مالک نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا :

تشکی الی الکلب شدۃ جوعہ
و بی مثل ما بالکلب روبی اکثر !
فقلت لعل اللہ یاتی بغیثہ
فیضحی کلانا قاعد ایناسر
ذاک امیر المومنین من الغنی
وانت من النعمی کانک جعفر

یعنی :

بھوک کی شدت سے یہ کتا چلا رہا ہے
اور میں خود اس کی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ بھوکا ہوں ،
شاید اللہ تعالیٰ کی بارش کرم نازل ہو جائے ،
پھر ہم دونوں بیٹھے حکم چلائیں کے

میں تو ثروت کے اعتبار سے امیرالمومنین کا ہم پایہ ہو جاؤں گا،
اور اپنے احسان و نعمت سے اے کتے تجھے جعفر برمکی بنادوں گا۔
یہ اشعار سن کر رشید بڑی دیر تک ہنستا رہا۔ پھر کہنے لگا:
"خدا سمجھے اس اعرابی سے، ظالم کیا بات کہہ گیا ہے!"
طبری کی روایت ہے کہ:
"سعید بن مسلم بن قتیبہ باہلی ایک مرتبہ رشید کی مجلس شعر و سخن میں حاضر ہوا۔ دوسرے شعرا رشید کے سامنے اپنے اپنے قصائد مدحیہ زور شور سے پیش کر رہے تھے کہ سعید نے خلیفہ سے کہا:
"یا امیرالمومنین باہلہ کا ایک اعرابی دروازے پر حاضر ہے اس سے اچھا شاعر آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔"
رشید نے حکم دیا، اعرابی شاعر حاضر کیا جائے۔
وہ حاضر ہوا، ریشمی جبہ در بر، یمنی چادر اوڑھے ہوئے جس کے پلو کندھے پر پڑے تھے، سر پر عمامہ تھا، جو گالوں تک لٹک آیا تھا، اس نے ایک نہایت شاندار قصیدہ خلیفہ کو شعر و ادب کے اساتذہ کے سامنے سنایا، حاضرین میں اس وقت کسائی، ابن مسلم اور فضل بن ربیع وغیرہ موجود تھے۔
جب وہ قصیدہ سنا چکا تو رشید نے کہا:
"میں نے شعر سنے واقعی خوب ہیں، لیکن مجھے شبہ ہے کہ یہ تمہارے ہیں بھی؟ اگر واقعی تم نے یہ شعر کہے ہیں تو ہمارے سامنے فوراً دو شعر ان لڑکوں —— امین و مامون —— کے بارے میں کہو۔ مجلس میں اس وقت خلیفہ کے دونوں لڑکے امین اور مامون بھی موجود تھے۔"
اعرابی نے برجستہ کہا:

ھما طنبا ھا بارک اللہ فیھما
و انت امیرالمومنین عمود ھا
بینت بعبد اللہ بعد محمد
ذری قبۃ الاسلام فاھتز عودھا

یعنی :

یہ دونوں طنابیں ہیں اللہ انھیں برکت دے

اور اے امیرالمومنین آپ ان طنابوں کے ستون ہیں ،

یہ عبداللہ و محمد (امین و مامون) قبۂ اسلام ہیں ،

جس سے خیمۂ (اسلام) کی چوب میں اہتزاز پیدا ہو گیا ہے ۔

یہ اشعار سن کر رشید اتنا خوش ہؤا کہ اسی وقت اعرابی شاعر کو اس نے ایک لاکھ درہم بطور انعام مرحمت کیے ۔

رشید کی مجلس ادب میں ایک روز شاعر ابو العتاہیہ حاضر ہؤا اس وقت رشید کے پاس ایک دوسرا شاعر محمد بن مناذر بھی موجود تھا ۔ ان دونوں میں مفاخرت شروع ہو گئی ، ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے سے افضل ثابت کرنے پر تلا ہؤا تھا ۔

ابوالعتاہیہ نے کہا :

''یا امیرالمومنین یہ بصرہ کا رہنے والا شاعر سال میں صرف ایک قصیدہ کہہ پاتا ہے اور آپ کا یہ غلام (ابوالعتاہیہ) سال میں دو سو قصیدے کہہ ڈالتا ہے ، بھلا ہم دونوں کا مقابلہ کیا ؟

ابن مناذر نے ابوالعتاہیہ کی اس شیخی کے جواب میں کہا :

''یا امیرالمومنین اگر میں اس کی طرح کہنے لگوں ، جیسا کہ اس نے کہا ہے :

الا یا عتبۃ الساعۃ

اموت الساعۃ الساعۃ

یعنی :

اے عتبہ یہ قیامت کی گھڑی ہے

اور میں لمحہ بہ لمحہ موت کے قریب ہو رہا ہوں ،

تو اس سے کہیں زیادہ تعداد میں اشعار اور قصیدے کہہ سکتا ہوں

لیکن میرے کہنے کا رنگ تو یہ ہے :

ابن عبدالحمید ناسی

عد رکنا ما بال ناسھود

کہ سادری نعشہ ولا حاملوہ
ما علی النقش من عناف و جود

یعنی :

ابن عبدالحمید نے جب اس دنیا سے رخت سفر باندھا تو
گویا ایک رکن رکین گر پڑا ، جو گرنے والا نہیں تھا ،
نہ اس نعش کو علم ہے اور نہ اس کو اٹھانے والوں کو
کہ یہ عفاف و سخا کا پیکر ہے ۔

رشید کو ہنسی آ گئی ، اس نے ابوالعتاہیہ کو ایسی نظروں سے دیکھا جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابن مناذر کے قول میں وزن محسوس کر رہا ہے[1] ۔

قصر رشید میں ، مجالس خاصہ میں سے کم تر جس مجلس کا انعقاد ہوتا تھا وہ مجلس طبی تھی :

اس مجلس کے ارکان صرف خاص خاص مواقع پر طلب کیے جاتے تھے ۔ مثلاً جب رشید کا مزاج ناساز ہو یا خاندان شاہی کا کوئی شخص بستر علالت پر دراز ہو ۔

ایسی صورت میں مجلس طبی کے تمام ارکان جمع ہوتے تھے اور باہمی صلاح و مشورے کے بعد اور مرض کی تشخیص و تجویز کے بعد نسخہ لکھتے تھے یا انہیں ایسے موقع پر طلب کیا جاتا تھا کہ اصول حفظان صحت سے متعلق رائے لینا اور ان کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنا مقصود ہو ، یا کوئی مرض وبائی صورت میں خلقت کے مابین پھوٹ پڑا ہو تو اس کی نوعیت و کیفیت پر غور کرنے اور اس کی روک تھام کے وسائل دریافت کرنے اور اسباب مہیا کرنے اور تدبیر و علاج کے سلسلے میں انہیں طلب کیا جاتا تھا ۔

تاریخ طب کی کتابوں میں رشید کے اطبا کے حالات اور واقعات اور ان کی مجالس کی نوعیت و کیفیت تفصیل کے ساتھ موجود ہے ۔

رشید کے طبیبوں کی غالب ترین اکثریت غیر عرب اطبا پر مشتمل

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۹ ۔

تھی ۔ ان میں سریانی ، ہندی ، یونانی اور رومی ہر جگہ کے مانے ہوئے حاذق طبیب شامل تھے[1] ۔

درباری اور سرکاری طبیبوں میں رشید کا سب سے زیادہ مقرب بارگاہ اور معتمد علیہ طبیب جبریل بن بختیشوع بن جرجیس تھا ، جسے طبیب خاص کی حیثیت حاصل تھی ، یہ جندیسا بور کا رہنے والا تھا ۔

ملوک بنو عباس کے علاج معالجے کے سلسلے میں جبریل کا خاندان ایک خاص اور مستقل تاریخ کا حامل ہے ۔

جبریل کا دادا جرجیس خلیفہ ابو جعفر منصور کا طبیب خاص ، اور اس کا خاندانی معالج تھا ۔ ایک عرصہ تک یہ ذمے داریاں وہ انجام دیتا رہا ، پھر جب اس کا بیٹا فن طب میں کامل ہو گیا تو وہ خلیفہ مہدی کا طبیب خاص بن گیا ۔

بعد ازاں جب موسیٰ ہادی ، سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے بھی جبریل کو اس کے منصب پر بحال رکھا ، اسے اپنا مقرب بارگاہ بنا لیا ، وہ اس پر حد درجہ اعتماد کرتا تھا ، ساتھ ہی ساتھ اس نے ایک اور طبیب کا تقرر بھی کیا جس کا نام عیسیٰ صیدلانی تھا ۔

جبریل اور عیسیٰ میں چشمک اور رشک و حسد کا سلسلہ شروع ہوا ، جس نے بہت جلد بغض و عداوت کی صورت اختیار کر لی ۔ خیزران ، عیسیٰ کو جبریل پر ترجیح دیتی تھی اور جبریل سے نفرت کرتی تھی ۔ چنانچہ اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ آخرکار جبریل کو بغداد کی اقامت ترک کر کے اپنے وطن جندیسا بور واپس چلا جانا پڑا ۔

اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ رشید بیمار پڑا ، یہ واقعہ ۱۷۱ھ (مطابق ۷۸۷ع) کا ہے ، درباری طبیبوں نے علاج میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا ، اس موقع پر یحییٰ بن خالد نے عرض کیا ، جب کہ دوسرے اطبا آپ کے علاج میں ناکام ہو چکے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ بختیشوع کو بھی طلب فرما لیا جائے ۔ رشید نے اجازت دے دی ، وہ اپنے بیٹے جبریل سمیت حاضر ہو گیا ۔

---

۱ ۔ العقد الفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۸ ۔

بختیشوع نے بغداد آتے ہی رشید کا علاج شروع کر دیا ، یہ علاج بہت کامیاب رہا اور رشید بہت جلد بالکل صحت یاب ہو گیا ، اس نے بختیشوع کو خلعت فاخرہ سے سر فراز کیا ، اس کی توقیر بڑھائی اور اسے اپنے تمام اطبا کا رئیس مقرر کر دیا[1] ۔

جبریل برامکہ کا خاندانی طبیب بن گیا ، جو ان کا علاج کرتا اور ان کی صحت کی نگہداشت کرتا ۔ کچھ عرصے بعد جعفر برمکی کا طبیب خاص بن گیا ، اسے اپنے باپ کے ساتھ رشید کے دربار میں حاضر ہونے کا اب تک موقع نہیں ملا تھا ، یہاں تک کہ بختیشوع کا انتقال ہو گیا ، اور اس کے انتقال کو بھی ایک مدت گزر گئی ۔

روایت ہے کہ رشید کے پاس ایک بے انتہا حسین و جمیل کنیز تھی ، ایک روز انگڑائی لیتے ہوئے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا جو وہیں رہ گیا ، اور کسی طرح بھی نیچے نہیں گرا ۔ رشید کو اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا ۔ اس نے قصر کے طبیبوں کو جمع کیا جن میں سر فہرست 'سیند' اور 'ابن ماسویہ' تھے ۔ ان اطبا نے اس کا علاج مالش سے کیا ، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔

ایک روز رشید نے جعفر برمکی سے اس جاریہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا :

''یہ بے چاری تو یوں ہی لنجی رہی جا رہی ہے ، کیا کیا جائے؟''

جعفر نے جواب میں عرض کیا :

''اگر میرے طبیب جبریل بن بختیشوع کو طلب فرما لیا جائے تو مجھے قوی امید ہے کہ وہ اس کو اپنے علاج سے ٹھیک کر دے گا !''

رشید نے اجازت دے دی کہ جبریل کو حاضر کیا جائے ۔ وہ حاضر ہو گیا ۔

رشید نے اس سے جاریہ کا واقعہ بیان کیا ۔

جبریل نے سب کچھ سن کر عرض کیا :

---

۱ ۔ عیون الاخبار ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۶ ۔

''اگر امیرالمومنین اپنے عتاب سے مجھے مامون کر دیں ، تو میں جاریہ کو تندرست کر دینے کا گر میرے پاس ہے !''

رشید نے سوال کیا :

''وہ کیا؟''

جبریل نے کہا :

''جاریہ کو یہاں ان تمام حضرات کے سامنے بلائیے اور میں جو کچھ کرنا چاہوں ، مجھے کرنے دیجیے ، برہمی اور عتاب کا اظہار نہ فرمائیے ۔ کم سے کم مجھے مہلت عطا ہو اور عتاب میں تعجیل سے کام نہ لیا جائے !''

جاریہ حاضر کی گئی ۔

جبریل اس کی طرف بڑھا اور اس کا کمر بند کھولنے لگا ، جیسے اسے عریاں کرنے پر تلا ہوا ہے ، جاریہ جبریل کا طرز عمل دیکھ کر تلملا اٹھی ، شرم و حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور لاشعوری طور پر اس کا ہاتھ بدن کے نچلے حصے تک پہنچ گیا تاکہ جبریل کو اپنا کمر بند نہ کھولنے دے ، چنانچہ اس نے مضبوطی سے اپنا کمر بند پکڑ لیا —— بس یہی کارگر علاج تھا ، جس نے اسے ٹھیک کر دیا ۔

جبریل نے کہا :

''اب یہ بالکل تندرست ہے ، امیرالمومنین !''

رشید نے اسے انعام و اکرام سے نوازا اور اسے اس کے باپ بختیشوع کی جگہ قصر شاہی کا رئیس الاطبا بنا دیا[1] ۔

اب جبریل رشید کا ہر وقت کا ، خواہ سفر ہو یا حضر ، ہمدم و دمساز بن گیا ، اس کا علاج بھی کرتا اور اس کی صحت کی نگہداشت بھی کرتا ۔ اسی کے سامنے اس کا انتقال ہوا ۔

کتب تاریخ طب و اخبار میں جبریل سے متعلق بے شمار روائتیں موجود ہیں ۔

ایک روایت ہے کہ :

---

۱ - تاریخ الحکماء ، صفحہ ۱۳۴ -

ایک مرتبہ رشید سفر پر تھا کہ کھانے کا وقت آیا ، دسترخوان بچھایا گیا اور مچھلی اس کے سامنے پیش کی گئی ، جو خراب ہو چکی تھی ، جبریل نے اپنی ایک خاص دوا کے ذریعے اس کھانے کا امتحان لیا تو اسے زہر آلود پایا ، اور رشید کو اس کے کھانے سے روک دیا ، اس کا کچھ حصہ ایک جانور کے سامنے ڈال دیا وہ کھاتے ہی مر گیا۔

اس واقعہ سے رشید بہت متاثر ہؤا ، وہ اس کے اخلاص کا قائل ہو گیا اور اس پر حد سے زیادہ اعتماد کرنے لگا ، وہ اکثر جبریل کے بارے میں کہا کرتا تھا :

''اس شخص سے محبت کرنے پر مجھے کون ملامت کر سکتا ہے ، جس نے میری جان بچانے کے لیے ایسی تدبیریں سوچ رکھی ہیں[1]؟''

پھر اس نے اپنے خواص سے کہا :

''جب کسی کو مجھ سے کوئی حاجت ہو تو اسے چاہیے کہ جبریل کو واسطہ بنائے کیونکہ میں اس کی ہر بات مان لوں گا[2] ''۔

ایک مرتبہ رشید مکہ مکرمہ میں تھا ، وہیں اس نے جبریل کو طلب کیا ، بنو ہاشم میں سے بعض کو یہ بات گراں گزری ، انہوں نے رشید سے کہا :

''امیرالمومنین ، وہ تو ذمی ہے ، اس کو آپ یہاں کیوں طلب فرما رہے ہیں ؟''

رشید نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا :

''ہاں میں جانتا ہوں ، وہ ذمی ہے ، لیکن میرے جسم و جان کی سلامتی اس پر منحصر ہے ، اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح مجھ پر منحصر ہے ، لہذا در حقیقت ان کی صلاح و فلاح بھی اس کی ذات سے وابستہ ہے !''

ان سب نے عرض کیا :

---

۱ - المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۶ -
۲ - تاریخ الحکماء ، صفحہ ۲۲۹ -

"امیرالمومنین نے بجا ارشاد فرمایا۱ !"

جبریل ایک روز ابراہیم بن مہدی سے کہنے لگا :

"میری اور میرے باپ دادا کی زندگی اور اس کے یہ منعفت صرف خلفا کی مہربانیوں اور کرم فرسائیوں کا نتیجہ نہیں ہیں ، بلکہ ان میں خلفا کی طرح ولی عہدوں ، خلفا کے بھائیوں ، چچاؤں ، عزیزوں ، رشتے داروں اور خلفا کے سوالیوں ، افسران و سالاران فوج کا بھی حصہ ہے - میرے باپ اور دادا نے خلفا کی خدمت کی ، رشید نے بالخصوص مجھ پر لطف و کرم فرمایا ، اور صرف طبیب خاص ہی نہیں رکھا ، بلکہ اپنا ہم نشین اور ندیم بھی بنا لیا ، آج امیرالمومنین کا کوئی بھی عزیز ، افسر یا سالار فوج ایسا نہیں ہے ، جو میرا وسیلہ اختیار کیے بغیر اس سے منتفع ہو سکے اور میرے ساتھ اس کا یہ خصوصی برتاؤ صرف ذاتی تعلق کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ میرے کامیاب اور شافی علاج کا حد درجہ شکر گزار ہے اور یا پھر یہ نتیجہ ہے میرے نستعلیق ہونے اور شائستہ مجلس ہونے کا ، اور نسخہ بھی جب لکھتا ہوں تو ایسا کہ نفع ہو کر ہی رہتا ہے۲ "۔

جبریل بن بختیشوع کے کاتب کے دست خاص کا لکھا ہوا ایک ورق دستیاب ہوا ہے جسے صاحب طبقات الاطباء نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سال اس طبیب کو رشید اور اس کے امرا اور اہل خاندان سے کتنی رقمیں ملتی رہتی تھیں ، اور اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ طبیب خاص عیش و نعم کی کیسی قابل رشک زندگی سے بہرہ ور تھا ۔

دراہم	آمدنی کی مختلف صورتیں	
۱۲۰۰۰۰	سالانہ تنخواہ	یہ رقم بیت المال سے دی جاتی تھی
۶۰۰۰۰	مصارف رہائش	

۱ - تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ -

۲ - تاریخ الحکما ، صفحہ ۱۹۸

۵۰،۰۰۰	نقد
۵۰،۰۰۰	قیمت لباس
۵۰،۰۰۰	عیسائیوں کی عید (اسیکر) پر ہدیہ
۱۰،۰۰۰	عید شعانین کے موقع پر لباس کے اخراجات
۵۰،۰۰۰	عیدالفطر کے موقع پر عطیہ
۱۰،۰۰۰	اخراجات لباس ، عیدالفطر کے موقع پر
۱۰۰،۰۰۰	سال میں دو بار رشید کی فصد کھولنے پر انعام
۱۰۰،۰۰۰	برائے ادویہ
۶۰۰،۰۰۰	خلیفہ کی جانب سے مجموعی آمدنی
۵۰،۰۰۰	عیسیٰ بن جعفر کی طرف سے وظیفہ
۸۰،۰۰۰	زبیدہ کی طرف سے وظیفہ
۵۰،۰۰۰	عباس کی طرف سے وظیفہ
۳۰،۰۰۰	ابراہیم بن عثمان کی طرف سے وظیفہ
۵۰،۰۰۰	فضل بن ربیع کی طرف سے وظیفہ
۷۰،۰۰۰	فاطمہ ام محمد کی طرف سے وظیفہ
۱۰۰،۰۰۰	کپڑے خوشبویات اور حیوانات کی صورت میں
۳۰۰،۰۰۰	خواص رشید کی طرف سے مجموعی آمدنی
۱۰۲۰۰،۰۰۰	جعفر برمکی کی طرف سے وظیفہ
۱۰۲۰۰،۰۰۰	فضل بن یحیٰ برمکی کی طرف سے وظیفہ
۸۰۰،۰۰۰	جاگیر کی آمدنی
۷۰۰،۰۰۰	املاک کی آمدنی
۳۹۰۰۰،۰۰۰	برامکہ اور املاک و جائداد کی آمدنی
۳۰۰،۰۰۰	خواص رشید کی طرف سے مجموعی آمدنی
۶۰۰،۰۰۰	رشید کی طرف سے مجموعی آمدنی
۳۰۹۰۰،۰۰۰	کل میزان سالانہ[۱] ، ہدایا ، تحائف اور دوسری آمدنی کے علاوہ

۱ - طبقات الاطبا ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۳۶ -

اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید کی طرف سے ، جبریل کو جو سالانہ رقم ملتی تھی ، اس سے دو گنی رقم ، جعفر اور فضل ، اپنے اپنے طور پر الگ سے دیتے تھے ۔

جبریل کے علاوہ بھی رشید کے درباری طبیب خاصی تعداد میں تھے ، انہیں بھی اسی طرح کے وظائف اور انعامات سے سرفراز کیا جاتا تھا ، ان طبیبوں میں ہندو وید 'منکہ' خاص طور پر قابل ذکر ہے جو اپنے ملک کا چوٹی کا معالج اور بہت بڑا فلسفی تھا ۔ ایک مرتبہ رشید سخت بیمار پڑا ، دوسرے اطبا اس کے علاج معالجے سے عاجز اور قاصر رہے ۔ رشید نے منکہ کی تعریف سن کر اسے بغداد بلایا ، وہ آیا ، اس نے علاج کیا ، اور رشید بہت جلد بالکل تندرست اور توانا ہو گیا ، چنانچہ اس کی بھی سالانہ تنخواہ لاکھوں دراہم کی صورت میں مقرر ہو گئی اور انعام و اکرام الگ[1] ۔

رشید کی مجالس خاصہ میں اس کی 'مجلس طرب' کا ذکر خاص طور پر ضروری ہے ۔

ہارون رشید خلفا بنو عباس میں پہلا خلیفہ ہے ، جس نے مغنیوں اور موسیقاروں کو خاص طبقات ، مراتب اور نظام کے ساتھ ایک سلسلے میں مربوط کیا ، یہ بالکل ایسا ہی نظام تھا جیسا اردشیر بن بابک یکے از کبار سلاطین ایران نے وضع کیا تھا ۔ جاحظ ، اپنی کتاب 'التاج' میں لکھتا ہے :

"اردشیر پہلا شخص ہے جس نے ایران میں اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے لیے ایک نظام وضع کیا اور ان کی سیاست کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی ، اس نے انہیں کئی طبقوں میں تقسیم کیا ۔

طبقۂ اولیٰ ، شہزادوں اور فوجی افسروں پر مشتمل تھا ، بادشاہ پس پردہ جب بیٹھ کر دربار کرتا تھا ، تو اس مجلس کے لوگ پردے سے دس گز کے فاصلے پر بیٹھا کرتے تھے ۔

دوسرا طبقہ ، بادشاہ کے ندیموں ، مصاحبوں ، اہل شرف و علم اور

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، ص ۶۳۹ ۔

ہم نشینوں پر مشتمل تھا ، اس کی جگہ پہلے طبقے سے دس گز کے فاصلے پر تھی -

تیسرا صف ، ایسے ہی لیکن ذرا کم تر درجے کے لوگوں پر مشتمل تھا ۔ یہ لوگ دوسرے طبقے سے دس گز کے فاصلے پر بیٹھا کرتے تھے -

چوتھا صف مسخروں ، بھانڈوں ، ظریفوں اور بذلہ گوؤں پر مشتمل تھا ، یہ تیسرے طبقہ سے دس گز کے فاصلے پر نشست رکھتا تھا ، لیکن اس طبقے میں نیچ ذات کے لوگ شامل نہیں ہو سکتے تھے ، نہ کمین شرکت کر سکتے تھے ، نہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے معذور اور بد وضع شریک ہو سکتے تھے ، نہ ضرورت سے زیادہ طویل قامت یا پستہ قد لوگوں کو شریک کیا جاتا تھا ، نہ دیوانے شرکت کا حق رکھتے تھے -

طبقۂ اولیٰ کے مقابلے میں جو طبقہ بیٹھتا تھا ، وہ ماہر ترین مغنیوں ، موسیقاروں کا ہوتا تھا ۔ طبقۂ ثانیہ کے مقابلے میں جس طبقے کی نشست تھی وہ فن نغمہ سرائی کے ماہروں کا تھا ۔ طبقۂ ثالثہ کے مقابلے میں ان لوگوں کی جگہ تھی جو طنبورہ ، دف اور چنگ و رباب بجانے کے ماہر تھے اور کوئی بھی اپنے فن کا مظاہرہ کسی ایسے مغنی کے سامنے نہیں کرتا تھا جو ماہر فن نہ ہو اور اگر بادشاہ ایسا حکم بھی دیتا تھا ، تو وہ بادشاہ سے الجھ پڑتا تھا اور سخت احتجاج کرتا تھا[1] ۔''

رشید نے اس نظام کو پورے طور پر اپنا لیا تھا اور طبقات کو ترتیب دیا تھا ، لیکن اس بات کا وہ خاص اہتمام رکھتا تھا کہ اپنی مجلس طرب میں رجال علم اور اصحاب دین کو شریک نہ کرتا تھا ، نہ اپنے افراد بیت کو مغنیوں اور رباب بجانے والوں کے ساتھ بیٹھنے دیتا تھا ۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ رشید کو موسیقی اور غنا کے سماع سے غیر معمولی شغف تھا اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مجلس طرب میں جب مغنی اور سازندے حاضر ہوتے تو اپنے اور ان کے مابین ایک موٹا پردہ ڈلوا لیتا کہ وفور طرب سے اگر کوئی بے تکلفانہ حرکت اس سے سر زد

---

۱ - کتاب التاج ، صفحہ ۳۷ -

ہو جائے ، جو خلیفۃ المسلمین کے شایان شان نہ ہو ، تو اسے کوئی اور نہ دیکھ سکے ۔ نیز یہ کہ صرف خاص خاص ندیموں اور مصاحبوں کو اس مجلس میں شریک کرتا تھا - کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنی جاریات (کنیزوں) میں سے کچھ کے ساتھ بیٹھ کر موسیقی اور غنا سے لطف اندوز ہوتا ۔ لیکن اس صورت میں گانے والے اور سازندے اس مجلس سے دور ایک دوسرے ہال میں بیٹھتے اور گاتے بجاتے اور مدھم سروں میں یہ آواز رشید کی مجلس تک آتی ۔

اس فن کے جو طبقات رشید نے ترتیب دیے تھے ، ان میں سے پہلا طبقہ ابراہیم موصلی، اس کے بیٹے اسحاق موصلی ، ابو القاسم اسماعیل بن جامع اور منصور زلزل پر مشتمل تھا ۔

دوسرے طبقے میں سلیم کوفی ، مسکین مدنی ، عمرو بن نابہ الغزال ، یحییٰ مکی ، ابو زکار ، ہاشم بن سلیمان ، دحمان الاشغر ، شارید ، زریق ، ہذلی ، مخارق ، علویہ ، عریب اور محمد الرف شامل تھے ۔

تیسرے طبقے میں ، سازندے، طنبورہ بجانے والے ، چنگ و رباب بجانے والے ، دف بجانے والے اور دوسرے مشہور و معروف فن کار شامل تھے[1] ۔

ان طبقات کے لوگوں کی عام روش یہ تھی کہ طبقۂ اولیٰ کے لوگوں میں سے کسی کو رشید جب انعام دیتا ، تو اپنے طبقے کے دوسرے لوگوں کو بھی وہ اس میں سے حصہ دیتا ، علاوہ ازیں طبقۂ دوم اور سوم کے لوگوں کا حصہ بھی رکھتا ۔

طبقۂ اولیٰ کے لوگ ، کسی ایسے شخص کا انعام قبول نہیں کرتے تھے ، جو مرتبے میں ان سے فرو تر ہو[2] ۔

ایسا بھی ہوتا کہ رشید مغنیوں اور سازندوں میں سے کسی کا رتبہ بڑھا کر اونچے طبقے میں شامل کر دیتا ۔

حکایت ہے کہ برصوم —— جو دوسرے طبقے میں تھا —— نے ایک

---

۱ - کتاب التاج ، صفحہ ۳۸ ، نیز الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۷۷ - وغیرہ ۔

۲ - کتاب التاج ، صفحہ ۳۱ -

مرتبہ کچھ اس انداز سے بانسری بجائی کہ رشید جھوم جھوم گیا اور اس سے کہنے لگا :

''اب ابن جامع کی لے پر بانسری بجا کر دکھاؤ !''

برصوم نے جواب میں عرض کیا :

''اگر میں طبقہ عالیہ کی لے پر بانسری بجاؤں گا ۔ تو اس طبقے تک میری ترقی بھی ہونی چاہیے ، یہ نہیں ہوسکتا کہ رہوں طبقۂ ثانیہ میں اور کام کروں طبقۂ اولیٰ کا !''

رشید نے اسے فوراً طبقۂ اولیٰ کا ممبر بنا دیا اور اسے بیٹھنے کے لیے وہ نسشت مہیا کی گئی ، جو مغنیوں کے لیے خاص تھی اور جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی ۔

اس فن میں رشید کو اس درجہ مہارت تھی کہ وہ بڑے بڑے فن کاروں کی غلطیاں نکالتا اور انہیں ٹوک دیتا اور خود یہ فن کار اگر کسی نکتے پر مختلف الرائے ہوتے تو رشید ان کے اختلاف کا فیصلہ کرتا ، کیونکہ اس فن کے دقائق امور پر اس کی وسیع اور گہری نظر تھی ۔

ایک مرتبہ ابن جامع نے اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا ، خوب گایا ، رشید نے بار بار یہی گانا سنانے کی اس سے فرمائش کی ۔

پھر وہ ابراہیم موصلی کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

''اب اس شعر کو اسی لے اور دھن میں تم گاؤ !''

ابراہیم موصلی نے حکم کی تعمیل کی ، لیکن بات کچھ بنی نہیں ۔ رشید نے پردے کے پاس کھڑے ہوئے اپنے آدمی سے کہا :

''اس سے کہہ دو ، تم نے ٹھیک سے ریاض نہیں کیا ، یہاں یہاں غلطی کر گئے !''

ابراہیم نے یہ سن کر کہا :

''امیرالمومنین کا ارشاد بجا و درست لیکن بخدا میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے ، البتہ ان دونوں مواقع پر مجھ سے چوک ضرور

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۷۰ ۔

ہو گئی! !"

ابراہیم موصلی بھی ایک پرلطف واقعہ بیان کرتا ہے:

"ایک مرتبہ میں نے رشید کو گانا سنایا، زلزل ساز بجا رہا تھا، رشید نے فوراً میری غلطی پکڑ لی، اس کا جو آدمی پردے کے پاس کھڑا رہتا تھا اس سے میں نے کہا:

"غلطی میری نہیں زلزل کی ہے!"

اس آدمی نے کہا:

"امیرالمومنین فرماتے ہیں غلطی تمہاری ہے، زلزل نے کوئی غلطی نہیں کی!"

زلزل کو تاؤ آ گیا، کہنے لگا:

"ابراہیم تو میری غلطی نکالتا ہے؟ خدا کی قسم! کسی گوئیے کے منہ کھلنے اور اس سے کوئی لفظ نکلے بغیر میں یہ اندازہ کر لیتا ہوں کہ یہ کس دھن میں گانے والا ہے۔ پھر بھلا میں کیسے غلطی کر سکتا ہوں؟"

رشید نے زلزل کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو، واقعی تم ایسے ہی با کمال ہو! غلطی ابراہیم کی ہے!"

اس بات نے مجھے رنجیدہ کر دیا، میں نے صاحب الستارہ (پردے کے پاس کھڑا رہنے والا آدمی) سے کہا:

"امیرالمومنین میرے سردار اور مولا سے میری جانب سے عرض کر دو کہ بلاد فارس میں ایک شخص سنید ہے، اللہ نے اب تک اس سے اچھا ساز بجانے والا کوئی پیدا نہیں کیا، اگر امیرالمومنین اسے طلب فرمائیں اور اس کا ہنر ملاحظہ کریں تو اس کے کمال کے قائل ہو جائیں گے اور میں اس کے ساز پر گا کر آپ کو سناؤں گا، زلزل نے نہ جانے مجھ سے کب کا بدلہ لیا ہے؟"

رشید کی طبیعت اس ایرانی کا ذکر سن کر لہرائی، اس نے تیز رو

۱۔ الاغانی، جلد ۹، صفحہ ۳۷۔

ڈاک کے ذریعہ اسے طلب کیا ، وہ مجلس طرب میں حاضر ہؤا ، اس کے سامنے عود لا کر رکھی گئیں اور انہیں درست کر لیا گیا ، اب ایرانی نے اپنا ساز بجانا شروع کیا ، میں نے اس کی لے پر گانا گایا اور خوب گایا۔

پھر رشید نے پردے والے آدمی کے ذریعے کہا :

"اے منصور ــــ زلزل ــــ اب تم بجاؤ !"

زلزل نے جیسے عود تاروں کو ہاتھ لگایا ، ایرانی ضبط نہ کر سکا ، بغیر اذن اٹھا اور زلزل کے سر اور پیشانی کو بوسہ دینا شروع کر دیا اور کہا :

"میری جان آپ پر قربان ، آپ جیسا شخص تو پرستش کے لائق ہے !"

رشید کو اس کی بات پر بہت حیرت ہوئی ۔ اس نے محسوس کر لیا کہ زلزل اپنے فن میں اس ایرانی شخص سے بہت بڑھا ہؤا ہے ، اس نے ایرانی کو انعام دیا اور اس کے وطن میں واپس پہنچنے کا انتظام کر دیا[1] ۔

ہارون رشید کے دور میں اصحاب فن دو قسموں میں منقسم ہو گئے تھے :

۱ - قدامت پرست ۔

۲ - تجدد پسند ۔

قدامت پسند گروہ میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز شخصیت ابراہیم موصلی کی تھی ، اس کے بعد اس کے بیٹے اسحاق کا درجہ تھا ۔

یہ لوگ فن کے قدیم اصول اور ضوابط پر سختی سے قائم تھے اور اس میں کسی طرح کی ترمیم و تغیر اور تبدیلی کے روادار نہیں تھے ۔ فن غنا جو کچھ پہلے سے چلا آ رہا تھا ، یہ ایک مقدس میراث کی طرح اس کے محافظ اور امین تھے ۔

تجدد پسند گروہ کا سربراہ ابراہیم بن مہدی تھا ۔ یہ ہارون کا بھائی تھا اور کوئی شبہہ نہیں ، فن غنا کا استاد کامل تھا ، اس فن کے جملہ اسرار و رموز کا ماہر تھا اور ایک جدید مکتب فکر کا بانی تھا اور اپنی ذہانت و ذکاوت سے کام لے کر ، فن کے اصول اور ضوابط میں اس نے کچھ چیزوں کو متروک قرار دے دیا تھا اور بعض نو ایجاد چیزیں داخل فن کر دی تھیں ۔

---

۱ - کتاب التاج ، صفحہ ۴۰ ۔

روایت ہے کہ اس انقسام کا سبب یہ تھا کہ ابراہیم بن مہدی ۔ ایک مرتبہ لحن قدیم میں گا رہا تھا کہ گاتے گاتے پٹری سے اتر گیا ۔ اعتراض ہوا تو اسے اپنا تصرف اور اجتہاد قرار دیا ، اسحاق موصلی جیسا قدیم فن کار بھلا اس جدت پسندی کو کب ماننے والا تھا ، اس نے ابراہیم بن مہدی کے تصرف اور ایجاد و اجتہاد کو رد کر دیا اور اس کے اغلاط واشگاف کر دیے ۔

اس بات پر ابراہیم بن مہدی کو غصہ آیا ، اس نے کہا :

''تم نہیں جانتے میں کون ہوں ۔ میں سردار ہوں اور بادشاہ کا بیٹا ہوں ، جس طرح جی چاہتا ہے گاتا ہوں اور جس طرح مرضی ہوتی ہے ، لطف اندوز ہوتا ہوں !''

دونوں کی اس کشمکش نے اختلاف کی صورت اختیار کر لی اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے مسلک اور اپنی اپنی بات پر ڈٹا رہا ۔ یہیں سے اصحاب فن دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور اخذ و رد کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا[1] ۔

اس موقع پر ایک روایت کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ فن غنا اور موسیقی کے یہ اصحاب فن جو ہارون کی دل بستگی اور خوشنودی کے لیے اس کے دربار میں موجود رہا کرتے تھے ، کوئی معمولی لوگ نہیں تھے ، معاشرے اور سوسائٹی میں ان کا ایک خاص مقام تھا ، بلکہ مرتبۂ بلند پر فائز تھے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حافظ قرآن بھی تھے ، وہ بھی جو عالم ، ادیب اور شاعر تھے ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ غنا کا فن ان پر غالب آ گیا تھا اور یہ دوسرے علوم سے زیادہ ان کی طرف متوجہ رہتے تھے ۔

مثلاً ابراہیم موصلی ۔ صرف ایک یکتائے دہر مغنی ہی نہیں تھا ۔ بلکہ اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب اور شاعر بھی تھا ، ساتھ ہی ساتھ حد درجہ سخی اور کریم بھی ۔ قومیت کے اعتبار سے یہ اہل فارس میں سے تھا ، خاندان کوفہ میں آ کر بس گیا تھا ۔ یہیں اس کی ولادت ہوئی ۔ بچپن ہی میں موصل منتقل ہو گیا اور وہاں کئی سال تک مقیم رہا ، اسی لیے

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۲۰ ۔

''موصلی'' کہلانے لگا ، بعد ازاں بغداد کا شہری بن گیا اور یہاں آ بسا ۔ ہارون رشید کے زمانے میں اس کا انتقال ہؤا[1] ۔

ابراہیم موصلی کا بیٹا اسحاق موصلی بھی ایک طرف فن غنا کا امام تھا تو دوسری طرف بہت بڑا ادیب ، بہت بڑا شاعر اور بہت بڑا عالم بھی تھا ۔ فن فقہ میں بھی اسے دسترس حاصل تھی ، اس کے بارے میں مامون الرشید کہا کرتا تھا :

''اگر فن غنا نے اس پر غلبہ نہ حاصل کر لیا ہوتا ، تو میں (اس کی فقہی قابلیت کے باعث) اسے منصب قضا سونپ دیتا !''

اسی طرح اسماعیل بن جامع (جو ابن جامع کے نام سے مشہور ہے) فن غنا کا مانا ہؤا استاد تھا اور ساتھ ہی ساتھ حافظ قرآن بھی ، فن فقہ میں بھی اس کی نظر بہت وسیع تھی ، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ فقہا اور محدثین کے اخبار و احوال سے بھی بہت اچھی طرح آشنا تھا ۔ زندگی کے آخری دن اس طرح بسر ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ زہد و ریاضت کی زندگی اختیار کر لی ، ہر جمعہ کو صبح تڑکے گھر سے نکلتا ، نماز فجر ادا کرکے ، گشت کو نکل جاتا اور کلام پاک کی تلاوت شروع کر دیتا ، یہاں تک سورج نکل آتا ، مگر اس کا شغل جاری رہتا اور نماز ظہر کا وقت جب آتا ، تو یہ پورے کلام اللہ کی تلاوت ختم کر چکا ہوتا ۔ تلاوت سے فارغ ہو کر نماز میں شرکت کرتا ، اس کے بعد گھر واپس آ جاتا[2] ۔

منصور زلزل بھی مغنیوں کی جماعت میں بڑے پایہ کا شخص تھا ، اپنے فن میں بے ہمتا اور حد درجہ سخی اور لکھ لٹ ، اس نے بہت سے آثار عمرانی چھوڑے ہیں ، انہی میں ایک خوبصورت اور عمدہ سا تالاب بھی تھا جو اپنی رعنائی اور جمال کے اعتبار سے ''برکۃ زلزل'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا ، منصور زلزل نے اسے عامۂ مسلمین پر وقف کر دیا تھا ۔

یہ فن کار —— منصور زلزل —— موسیقی کی دنیا میں بہت اونچے مقام پر فائز تھا ، خاص طور پر عود بجانے میں تو اپنا جواب اور ثانی نہیں

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۴ ۔
۲ - الاغانی ، جلد ۶ ، صفحہ ۹۶ ۔

رکھتا تھا ۔

حاسدوں اور در اندازوں نے اس کے خلاف رشید کے کان بھرے ، وہ ٹھہرا کان کا کچا ، یقین کر لیا اور اسے جیل بھیج دیا ۔ وہاں کئی سال تک تنہائی کی زندگی غریب کو بسر کرنا پڑی ۔

آخر ابراہیم موصلی جو اس کا بہنوئی بھی تھا اور اس سازش کا بانی مبانی —— بھی ، بیچ میں پڑا ، اس کی سفارش کام آئی ۔ رشید نے پروانہ رہائی پر دستخط کر دیے ۔

لیکن اس واقعہ سے منصور زلزل اتنا دل برداشتہ ہو چکا تھا کہ بغداد سے جی اچاٹ ہو گیا ، چنانچہ وہاں کی اقامت ترک کر دی اور شہروں شہروں مارا مارا پھرتا رہا ، آخر کار اندلس پہنچا ، وہاں اموی بادشاہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ، مرتبہ بڑھایا اور توقیر و منزلت کا برتاؤ کیا اور انجام کار وہیں غریب الوطنی کی حالت میں وفات پا گیا[1] ۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ اصحاب چنگ و رباب اور غنا و موسیقی جو رشید کے دربار سے وابستہ تھے ۔ فقہا ، قضاۃ اور علما کی مجلس میں بارپانے کے مجاز نہیں تھے ۔ اس سے مراد ان کی توہین و تذلیل نہ تھی بلکہ اصل بات یہ تھی کہ علما دین اور فقہا و قضاۃ کے شان تقدس و احترام کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان لوگوں سے دور رہیں ، جو اصحاب لہو و طرب و لذائذ کے اعتبار سے مشہور تھے ، جن میں مغنی مسخرے اور دف بجانے والے شامل تھے ، کیونکہ دونوں کے طور طریقے اور انداز حیات میں کامل بعد اور اختلاف و تضاد تھا ۔

روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ جو مملکت عباسیہ میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب عالیہ پر فائز تھے ، ایک مرتبہ ہارون رشید کی مجلس عام میں ان کی اور مشہور مغنی ابن جامع کی مڈبھیڑ ہو گئی ۔

امام صاحب نے اس سے پہلے نہ ابن جامع سے ملاقات کی تھی ، نہ اسے دیکھا تھا ، اس کی سج دھج سے انہوں نے خیال کیا ، یہ بھی شاید کوئی فقیہ ہے ، انہوں نے پوچھا :

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۲ ۔

''آپ کس شہر کے رہنے والے ہیں ؟''

ابن جامع نے جواب دیا :

''جی ، خاکسار ، حجاز کا باشندہ ہے !''

یہ سن کر امام صاحب بہت خوش ہوئے ، انھوں نے فقہا حجاز کے احوال دریافت کرنا شروع کیے ۔

ابن جامع نے نہ صرف بڑی قابلیت کے ساتھ نہ صرف فقہا حجاز کے اخبار و احوال بتائے ، بلکہ ان حضرات میں مسائل فقہ سے متعلق جو نظری اختلافات تھے ، ان پر بھی بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ۔

بات چلی ، تو چل پڑی ، بڑی دیر تک دونوں میں اسی موضوع پر بات چیت ہوتی رہی ۔

آخر مجلس برخاست ہوئی ، امام ابو یوسفؒ سے کہا گیا :

''یہ مشہور مغنی ابن جامع تھا !''

کچھ مدت بعد ، ایک مرتبہ رشید نے ایک مجلس ترتیب دی ، اتفاق سے اس مرتبہ بھی ابن جامع اور امام ابو یوسفؒ کی نشست پاس پاس تھی ۔

امام صاحب کھسک کر ذرا الگ ہٹ گئے ، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ابن جامع سے گفتگو کریں ۔

ابن جامع تاڑ گیا کہ بات کیا ہے ؟ کھسک کر ذرا آگے بڑھ آیا اور امام صاحب کے پاس بیٹھ گیا اور ان سے گویا ہوا :

''ابو یوسفؒ کیا آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں گے ؟''

امام صاحب نے فرمایا :

''ہاں کیوں ، نہیں ؟ —— پوچھیے !''

ابن جامع نے سوال کیا :

''کیا اسلام میں گانا بجانا حرام ہے ؟''

امام صاحبؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

''نہیں —— حرام تو نہیں ہے !''

ابن جامع نے پھر ایک سوال کیا :

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) شعر سن لیے

کرتے تھے ؟"
امام صاحب نے جواب دیا :
"ہاں ، کیوں نہیں !"
ابن جامع نے پھر پوچھا :
"اگر آپؒ کی خدمت میں کوئی شاعر حاضر ہوتا اور شعر سنا۔ :

یا دار میة بالعلیاء فالسند
أقوت و طال علیها سالف الأمد

معنی :
اے خانہ امیہ ، جو پہلے علیاء میں تھا ، پھر سند میں اور اب ویران ہے ،
اور اس ویرانی کو مدتیں گزر چکی ہیں -
تو آپؒ یہ شعر سننا گوارا فرماتے ، یا نا پسند فرماتے ؟"
امام صاحب نے جواب میں کہا :
"ضرور سنتے !"
"اب اگر میں آپ کو یہ شعر بایں طور سناؤں ، ـــ اور اپنے مخصوص لحن میں وہ شعر سنانے لگا ـــ تو کیا آپ کے کان اسے سننا پسند کریں گے ؟"
امام صاحب نے کہا :
"بھائی مجھے بخشو ، اللہ تم پر رحم کرے !"
پھر وہ ابن جامع سے ہٹ کر بیٹھ گئے [۱] ۔"

نوٹ از مترجم :
مصنف نے بعض دوسرے مصنفوں کی طرح ایک بہت بڑی غلطی یہ کی ہے کہ جہاں وہ مستند ترین کتابوں سے مواد لیتے ہیں ، وہاں بعض کتب محاضرات کو بھی کتب حوالہ کی فہرست میں شامل کر کے بے تکلف ان کے حوالوں سے روائتیں اور حکایتیں نقل کر دیتے ہیں -
مذکورہ واقعہ جو امام ابو یوسفؒ اور ابن جامع کا بیان کیا گیا ہے،
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

رشید وابستۂ دربار مغنیوں میں سے بعض کو ، مثلاً ابراہیم موصلی ، اس کے بیٹے اسحاق موصلی اور برصوم وغیرہ کو اپنی مجالس خاص — علمی و ثقافتی و ادبی — میں طلب کیا کرتا تھا ، ان کی باتیں سنتا تھا ، ان کے اشعار اور نوادر سے بہرہ ور ہوتا تھا ، ان کی مہارت فن کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کسی مستند کتاب سے ماخوذ نہیں ہے ، بلکہ کتب محاضرات سے لیا گیا ہے ۔ اغانی ، المستطرف ، عقد الفرید اور اس طرح کی دوسری کتابیں تاریخی حیثیت سے کوئی مقام نہیں رکھتیں ، یعنی کسی اہم واقعہ کی تصدیق ان کے حوالے سے نہیں ہوسکتی ، یہ کتابیں درحقیقت روایات و حکایات پر مشتمل ہیں ، جن کے ثقہ ہونے اور مستند ہونے کو اہل علم اور ارباب تاریخ نے کبھی تسلیم نہیں کیا ۔ ان کتابوں سے صرف وہ واقعات لیے جا سکتے ہیں جو غیر معمولی طور پر اہم نہ ہوں ، یعنی جن کے صحیح یا غیر صحیح ہونے سے کوئی مسئلہ نہ اٹھ کھڑا ہوتا ، جو صرف 'سخن گسترانہ' حیثیت رکھتے ہوں ، یا جو کسی مستند واقعہ کی تائید و تصدیق بیان کرتے ہوں ۔

کہاں امام یوسف رح کی جلالت قدر اور با وقار شخصیت ، جس کے سامنے ہارون جیسا دبدبے کا فرماں روا بھی ،ایک شاگرد نظر آتا تھا اور کہاں ابن جامع مغنی جو لاکھ ادب اور دوسرے علوم سے دلچسپی رکھتا ہو ، لیکن اس میں یہ تاب کہاں کہ امام ابو یوسف رح کے منہ آئے ؟

درحقیقت یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات ، نہ صرف غیر مستند ہیں ، بلکہ سرے سے ناقابل قبول ہیں ۔

مصنف کی یہ بات تو صحیح ہے کہ عہد ہارون کے مغنی اور مطرب اپنے فن کے علاوہ دوسرے علوم سے بھی بہرہ رکھتے تھے اور مجال تکلم بھی ، لیکن وہ اتنے دریدہ دہن اور گستاخ ہرگز نہ تھے کہ ائمہ فقہ و حدیث سے بے تکلفانہ گفتگو کرسکیں !

(رئیس احمد جعفری)

داد دیتا اور حوصلہ افزائی کرتا تھا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا تھا ، نیز بعض معاملات و مسائل میں ان سے مشورہ بھی کرتا تھا اور ان کا مشورہ اگر صائب نظر آتا تھا تو اسے قبول بھی کرلیتا تھا ۔ ان سے بے تکلفانہ اور دوستانہ و مخلصانہ برتاؤ روا رکھتا تھا اور ایک بادشاہ فن اور فن کاروں کی حوصلہ افزائی اور قدردانی اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہے[1]؟

جس شان سے ہارون رشید کی مجلسیں ترتیب پاتی تھیں اور دربار آراستہ ہوتا تھا ، اس سے زیادہ جاہ و جلال کے ساتھ اس کی سواری نکلتی تھی ، جو ایک عظیم و جلیل شہنشاہ اور فرماں روا کے شایان شان تھی ۔ اس موقع پر ، جو لباس استعمال کیا جاتا تھا ، جو سواری استعمال ہوتی تھی ، جن اسلحہ کی نمائش ہوتی تھی ، نگہبانوں ، محافظوں اور سرفروشوں کے جو دستے ہم رکاب ہوتے تھے ، ان کی شان و شوکت اور سج دھج دیکھنے کے قابل ہوتی تھی ۔ یہ سب چیزیں ہر جلوس اور سواری کے موقع پر یکساں نہیں ہوتی تھیں ، بلکہ موقع اور مناسبت کے لحاظ سے ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا ۔

مثلاً عید کا جلوس دھوم دھام سے نکلتا تھا ، اس کی شان جمال کا کیا کہنا ، قصر شاہی سے لے کر مسجد جامع تک کا منظر دیدنی ہوتا تھا ۔

اسی طرح جب کبھی وہ سیر و تفریح اور صید و شکار کے سلسلے میں شہر کے آس پاس ، یا قریب میں جاتا تھا تو اس کا موکب مشتمل ہوتا تھا وزیر مملکت پر ۔ علاوہ ازیں بہت سے حاشیہ نشین ، مصاحب اور خدام بھی ساتھ ہوتے تھے ، آگے آگے ایک فوجی دستہ چلتا تھا جس کے افراد کے ہاتھوں میں لمبا سا نیزہ ہوتا تھا ۔ جس پر سیاہ رنگ کا پھریرا سا ہوتا تھا، جیسے ہمارے آج کل کے زمانے میں استعمال ہوتے ہیں ۔

ساتھ ہی ساتھ ایک ٹولی ، محافظوں اور نگہبانوں کی ہوتی تھی ، جو انصار کہلاتے تھے ، یہ بڑے زرق برق لباس میں ملبوس ہوتے تھے ، اس کے علاوہ ایک اور گروہ سواروں کا ہوتا تھا جو بندوق اور آتشیں اسلحہ لیے ہوتے تھے ، جو تیر و پیکاں کے بجائے حسب ضرورت استعمال کیے جا سکتے تھے ۔ یہ لوگ 'گروہ نمل' کہلاتے تھے ، ان کا کام یہ تھا کہ راستے

---

۱ - کتاب التاج ، صفحہ ۴۴ ۔

کو صاف اور کشادہ رکھیں اور بھیڑ بھاڑ نہ ہونے دیں ۔ یہ سواری کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اور کسی شخص کو مجال نہ تھی کہ ان کے ہوتے خلیفہ کے سامنے آ سکے اور اس کے سامنے ہو سکے ۔

موکب سلطانی میں سب سے جمیل و رعنا ، مرکب وہ ہوتا تھا جب فوج کی سلامی لی جاتی تھی ۔

اس موقع پر خلیفہ فوجی وردی میں ملبوس ہوتا تھا ، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جہاد پر روانہ ہو رہا ہے۔

خلیفہ کے ساتھ ساتھ حکومت کے اعیان اور امراء دولت اور سرداران قبائل بھی ہوتے تھے اور یہ سب اپنا مخصوص لباس زیب تن کیے ہوئے نظر آتے تھے ، یہ سب بھی فوجی وردی میں ملبوس ہوتے تھے اور جو اسلحہ ان کے پاس ہوتے تھے ، ان پر سونے اور چاندی کا ملمع ہوتا تھا ۔

اس سواری کے علاوہ دوسری سواریاں جو نکلتی تھیں ، وہ صید و شکار اور چوگان بازی وغیرہ کے سلسلے میں نکلا کرتی تھیں ۔

علاوہ ازیں گھوڑ دوڑ بھی ہوتی تھی اور دوسرے سدھائے ہوئے جانور بھی دوڑائے جاتے تھے ۔

ان تمام مواقع کے لباس جدا جدا تھے ، اور ان کا نظام اور منہاج بھی الگ الگ تھا ۔

اور موکب حج کی تو بات ہی اور تھی !

یہ سواری بغداد سے بیت اللہ تک جاتی تھی اور کئی ماہ پہلے سے اس کی تیاری اور انتظامات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ، راستہ معین ہو جاتا تھا اور اسے ہر طرح سے محفوظ اور مامون کرنے کی جملہ تدبیریں عمل میں لے آئی جاتی تھیں ۔

جو لوگ اس قافلے میں شریک ہوتے تھے ان کی راحت و آسائش کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا تھا ۔ ان کے کھانے پینے کے سلسلے میں کوئی کوتاہی باقی نہیں رہنے دی جاتی تھی ، پڑاؤ پر آرام کرنے اور رات گزارنے کے لیے درجے اور مرتبے کے موافق ، خیموں اور چھولداریوں کا اعلیٰ

پیمانے پر بندوبست کر لیا جاتا تھا اور یہ سارے انتظامات موسم کے مطابق ہوتے تھے ، اگر موسم گرما ہے تو ویسے انتظامات ہوتے تھے ، اور اگر سردیوں کا موسم ہے ، تو اسے ملحوظ رکھ کر تیاریاں مکمل کی جاتی تھیں ۔ یہاں تک کہ جب تمام انتظامات مکمل ہو جاتے تھے ، اور سفر کی گھڑی آ جاتی تھی تو رشید اپنے قصر سے باہر آتا تھا اور مسجد جامع میں حاضر ہوتا تھا ، یہاں آ کر فریضۂ نماز ادا کرتا تھا ، پھر شریک قافلہ ہوتا تھا ، اس کے بعد سواری آگے بڑھتی تھی ، اور موکب سلطانی منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہو جاتا تھا ۔

پہلا پڑاؤ ، کسی قریبی مقام پر ہوتا تھا ، اور یہاں چند روز تک قیام کیا جاتا تھا اور ایک مرتبہ اس بات کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جاتی کہ انتظامات میں کوئی نقص تو نہیں رہ گیا ہے ۔ اور کوئی کوتاہی تو نہیں ہے جس کے باعث آگے چل کر دشواری پیش آئے ۔ ان تمام باتوں سے مطمئن ہونے کے بعد باقاعدہ سفر کا آغاز ہوتا تھا ۔

رشید جب اس طرح سفر پر روانہ ہوتا تو موکب میں ، اس کے ہاشمی آل بیت بھی شریک ہوتے ، نیز حکومت کے سربرآوردہ اصحاب و عمائد بھی ساتھ ہوتے ، فقہا کی ایک بڑی جماعت کو بھی اپنے ساتھ لے لیتا کہ فریضۂ حج اس کی معیت میں ادا کریں ۔ ان کے جملہ مصارف جیب خاص سے ادا کرتا ، ان کی ضیافت اور خاطر داری میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا ۔ فوج کا ایک مضبوط دستہ بھی ساتھ ہوتا ، کہ قزاقوں اور رہزنوں سے حاجیوں اور زائروں کو محفوظ رکھے ، اور خلیفہ کی ذات کی خاص نگہبانی اور حفاظت کے فرائض بھی انجام دے ۔

خلیفہ کے قافلۂ خاص کے پیچھے عراق اور فارس کے حاجیوں کے قافلے ہوتے ، نیز ان اقالیم کے مضافاتی علاقوں کے قافلے بھی راستے سے ان میں شامل ہوتے جاتے تھے ۔

اس سفر میں کئی مہینے لگ جاتے ، اس اثنا میں سلطنت کے مختلف جوانب سے ڈاک کا سلسلہ غیر منقطع طور پر جاری رہتا ، اور دم بدم کی خبریں خلیفہ کو ملتی رہتیں ۔ ہر روز خبر نامہ اس کی خدمت میں پیش کیا

جاتا ، راستے میں وہ جہاں بھی پہنچتا ، ڈاک برابر اسے ملتی رہتی ، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نسبتاً طویل مدت تک وہ رعایا کے حالات سے بے خبر رہا ہو ، اور اسے مفصل اور مکمل خبریں برابر نہ ملتی رہی ہوں ۔ ڈاک کو بر وقت پہنچانے کے لیے جملہ تیز تر وسائل اور وسائط اختیار کیے جاتے تھے ، اس سلسلے میں صبا رفتار سانڈنیوں سے ، برق رفتار گھوڑوں سے اور فلک رس کبوتروں سے کام لیا جاتا تھا ، جنہیں خاص اس مقصد کے لیے سدھایا اور تیار کیا جاتا تھا[1] ۔

خلیفہ کے مواکب میں سب سے زیادہ نظر افروز اور ولولہ آفریں موکب وہ ہوتا تھا جو خلافت کے اظہار اجلال و ہیبت اور شوکت کے لیے یعنی ، غیر ممالک کے وفود کے استقبال کے لیے نکلتا تھا ، یہ وفود دوسرے ممالک اور غیر مسلم بادشاہوں کے فرستادہ ہوتے تھے اور سیاسی اعتبار سے ان کی بڑی اہمیت ہوتی تھی ۔

اس سلسلے میں ہندوستان کے راجہ نے جو وفد بھیجا تھا ، اس کا سرسری ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ اس وفد کا سربراہ ، ایک راج کمار تھا ، جو راجہ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ یہ وفد اس لیے آیا تھا کہ خلیفہ بغداد سے ہندوستان کے تعلقات دوستی استوار ہو جائیں ، اور ان کے استحکام میں فرق نہ پڑے ۔

اسی طرح وہ وفد بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا جو شاہ روم نے بھیجا تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ طرفین میں شرائط صلح کی سلسلہ جنبانی کی جائے اور ایسے شرائط طے کیے جائیں جن سے دشمنی ختم ہو جائے ، اور دوستی کا سلسلہ شروع ہو جائے ۔

وہ وفد بھی اس سلسلہ بحث میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو شاہ فرنگ شارلیمان نے رشید کی خدمت میں بھیجا تھا ۔

اس طرح کے وفود بکثرت آیا کرتے تھے اور ان کا شایان شان استقبال کیا جاتا تھا ۔

اس طرح کے وفود کا استقبال رشید بہ نفس نفیس اپنے مشہور قصر خلد

---

۱ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ ۔

کے ایک مخصوص حصے میں کیا کرتا تھا ، جہاں کئی شاندار ہال اس قسم کی تقریبات کے لیے ہر طرح کے بیش قیمت ساز و سامان اور فرنیچر اور زر و جواہر کی اشیا سے آراستہ موجود تھے ۔ ان ہالوں میں جو تخت شاہی تھے وہ خالص سونے کے تھے ۔

ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کہ رشید کسی وفد کے استقبال کے لیے پایۂ تخت کی شہر پناہ سے باہر جانے کی زحمت گوارا کرے ۔ اور اگر ایسا ہوتا تھا تو شان و شوکت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی ۔ نہایت ٹھاٹھ اور دبدبے کے ساتھ سواری نکلتی تھی ، اس کا ساز و سامان اور وضع و ہیئت ایسی ہوتی تھی کہ جسے دیکھ کر ہیبت اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور اس سے انداز ہوتا تھا کہ یہ حکومت کتنی غیر معمولی قوت و طاقت اور فوج و سپاہ کی مالک ہے ۔

ہارون رشید کی مجالس مختلفہ مشاغل شب و روز ، بزم طرب اور محفل سماع وغیرہ سے متعلق جتنی قابل ذکر چیزیں ہو سکتی تھیں وہ سب ہم نے بیان کر دیں ۔ یہ فکری اور اجتماعی ظواہر جن سے قصر شاہی کی رونق اور شان و شوکت اور گہما گہمی قائم تھی ، اپنی جگہ ایک خاص حیثیت رکھتے تھے ، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان رنگا رنگیوں کی عمر سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی ، جس کے بعد سیاسی کش مکش اور نزاع کا وہ لاوا پھوٹ پڑا جو برامکہ کے زوال بلکہ قتل و غارت اور ہلاکت و بربادی پر ختم ہوا ۔

اس خاندان کے ختم ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ رشید کسی کے زیر اثر نہ رہا ، وہ اپنی فرماں روائی اور سلطانی میں اب بالکل آزاد اور خود مختار ہو گیا ، اب وہ تنہا تمام فیصلے کرتا اور احکام نافذ کیا کرتا تھا ۔ اب دوسرے اس کے انکار کا بوجھ نہیں اٹھاتے تھے ، بلکہ وہ خود زمانے کی کٹھنائیوں کا سامنا کرتا تھا اور سرد و گرم کا مقابلہ کرتا تھا اور مصائب وغیرہ سے عہدہ برآ ہوتا تھا ۔ راتوں کو جاگ جاگ کر اور دن میں مشغول اور مصروف و پیکار رہ کر وہ اپنی حکومت کا کام چلاتا تھا، —— یہاں تک کہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

حصہ پنجم

عہد رشید کی حرکت فکریہ

- علوم
- آداب
- زندقہ
- شعوبیت

علوم

نتائج فکری کی زرخیزی اور شادابی کے لحاظ سے عباسی مملکت کے دور اول میں ہارون رشید کا عہد سب سے زیادہ کامگار اور اثر آفرین تھا ۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کی پہلی جلد میں بتا چکے ہیں ۔ رشید کا محل" دنیا کے ملوک و سلاطین کے مقابلے میں سب سے زیادہ ، یگانۂ روزگار ، علما ، فقہا اور ادبا سے بھرپور تھا ۔ دانشوروں اور فن کاروں کے اتنے بڑے اور اتنے عظیم و جلیل اجتماع کی ایک/دنیا کے کسی ملک کے پایۂ تخت یا قصر شاہی میں مثال نہیں مل سکتی ۔ یہ فخر صرف ہارون رشید کو حاصل ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ۔

یہ ایسی بحث ہے جو تفصیل طلب اور خاصی طویل ہے اور ہماری اصل بحث کے لحاظ سے کچھ غیر متعلق بھی ہے ، لیکن ہم اختصار و جامعیت سے کام لیتے ہوئے اسے سمیٹنے کی کوشش کریں گے ۔ اس سلسلے میں رشید سے نصف صدی قبل جو کچھ ہؤا وہ اگرچہ بہت کچھ بھی تھا اور بہت زیادہ بھی تھا ۔ رشید سے قبل جو کام علمی ترقیوں کے سلسلے میں ہوئے وہ نا مکمل تھے ۔ ان کی تکمیل رشید کے عہد میں ہوئی ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو بیج رشید سے پہلے ڈالے گئے تھے ، وہ پھل رشید کے زمانے میں لائے اور کوئی شبہ نہیں یہ پھل اپنی کثرت اور پختگی کے لحاظ سے ہر گونا ممتاز اور نمایاں تھے ۔

فکری حرکت کا آغاز ، علوم قرآنیہ کے ساتھ ساتھ ہؤا ، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں یہ بات یوں کہی جا سکتی ہے کہ حرکت فکریہ کی ابتدا ، علوم قرآنیہ کے زیر سایہ وجود میں آئی ، ان علوم کو اصطلاح میں "علوم نقلیہ یا علوم لسانیہ" کہتے ہیں ۔

پھر نتیجۃً دوسرے علم وجود میں آئے جو ''علوم عقلیہ'' کے نام سے موسوم ہوئے اور اس کے بعد ان کی شاخ در شاخ پیدا ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ یہ شاخیں بہت زیادہ بڑھ گئیں اور بہت دور تک پھیل گئیں۔

شہ قرآن کے سلسلے میں سب سے پہلے جو علم وجود میں آیا وہ ''علم قرات قرآن'' ہے، جو مبنی ہے قرأت سبعہ پر، جو اس زمانے میں مسلمانوں کے مابین اچھی طرح معروف و معلوم تھیں۔

قرأت سبعہ کی نسبت، ان سات قاریوں کی طرف ہے جنھوں نے صحابہ کرام سے یہ قرأت مختلفہ حاصل کی تھیں۔

قرأت کے اختلاف سے قرآن کے مفہوم و معنی اور جوہر وغیرہ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا، یہ فرق صرف بعض ہم معنی الفاظ کا فرق تھا۔

پھر سات قرأتوں سے زیادہ قرأتوں کے حامل بھی، عہد رشید میں نظر آئے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں، ممتاز اور بلند مقام شخص علی بن حمزہ کسائی تھے[1] اور عبدالرحمان المقری بھی اس ذیل میں آتے ہیں[2]۔ علاوہ ازیں خلف بن ہشام بزاز کا نام بھی اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتا ہے[3]۔

قرأت قرآن کو ضبط و نظم کے سلسلے میں عربوں کو فتوح دیار و امصار اور غیر ممالک میں اسلام کے شیوع و انتشار کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت محسوس ہوئی، وہ ''نحو'' کا علم تھا[4]۔

اس علم کے ضبط و تدوین میں اور قواعد و اصول کے معین اور مقرر کرنے میں، انہوں نے زیادہ سے زیادہ جدی سے کام لیا اور لوگوں کے لحن سے جو قرأت قرآن کے سلسلے میں وہ استعمال کرتے تھے پورا فائدہ اٹھایا۔

علم نحو کے قواعد و ضوابط کی تکمیل کا کام دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے پہلے تکمیل تک پہنچ گیا۔

---

۱ - کسائی کی وفات کا سال ۱۸۹ھ ہے۔
۲ - ابو عبدالرحمان المقری کی وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی۔
۳ - سال وفات ۲۲۹ھ۔
۴ - گرامر۔

رشید کے زمانے میں فن نحو کے متعدد بلند پایہ اساتذہ موجود تھے ، جو قصر شاہی سے وابستہ تھے[1] ۔ یہ لوگ صاحب تصانیف و مؤلفات بھی تھے ، ان کی بعض کتابیں آج بھی موجود ہیں اور مدارس کے نصاب میں شامل ہیں ۔

نحو کا فن مکمل ہو چکنے کے باوجود ایک اور سوال سامنے آ کھڑا ہؤا ، وہ تھا قرآن حکیم کی بعض آیات کی تفسیر کی وضاحت اور سخت و دشوار الفاظ کا اثبات ۔ اس سلسلے میں لوگ متقدمین شعرائے عرب کے اشعار اور فقہائے عرب کے اقوال و خطبات سے استشہاد پر مجبور ہوئے اور اس طرح انھوں نے قرآن کے معانی کو اور اس کے الفاظ کو اشعار ، خطبات اور اقوال متقدمین و فقہائے عرب سے استشہاد کرکے محکم اور استوار کر لیا اور یوں ایک نئے علم کی بنیاد پڑ گئی جو ''فقہ لغت'' کے نام سے مشہور ہؤا ۔

اس فن میں بہت سے زبان دانوں اور ماہرین لغت نے نام پایا اور بڑا کام کیا ، انھوں نے اعراب بادیہ اور باشندگان صحرا سے امثال و اشعار روایت کیے اور کتب لغت کی ترتیب و تالیف کے فرائض انجام دیے ۔ یہی وہ کتابیں ہیں جو بعد میں ان معاجم کی تالیف و تدوین کا ماخذ بنیں ، جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں اور جن سے عربی دان برابر استفادہ کرتے آج کے دن تک چلے آ رہے ہیں ۔

علم نحو اور علم فقہ لغت میں بڑا قریبی تعلق ہے ، اس لیے کہ یہ دونوں اپنے ضبط و قواعد و ضوابط و اصول میں، عربوں کے لہجوں اور ان کے اقوال و اشعار و خطبات اور امثال و حکم کی جستجو اور جمع و تالیف کے سلسلے میں محتاج ہیں ۔

---

۱ ۔ رشید کے عہد میں جو چوٹی کے نحوی زندہ تھے وہ یہ ہیں :

۱ ۔ عمرو بن عثمان المعروف بہ ''سیبویہ'' سال وفات ۱۸۳ھ ہے ۔

۲ ۔ معاذ الہراء متوفیٰ ۱۸۷ھ ۔

۳ ۔ الکسائی ۔

۴ ۔ یحییٰ بن زیاد الفراء ۔

۵ ۔ خلیل بن احمد ، الفراہیدی ــــــــــ سال وفات ۱۸۰ھ ہے ۔

اس طرح علمائے لغت اور علمائے نحو کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ۔

ان لوگوں کا کام ہی یہ تھا کہ فقہ لغت کو مکمل کر لیں اور ادب کے غریب الفاظ و معانی کو مرتب کریں ۔ ظاہر ہے یہ دونوں کام ساتھ ساتھ کرنے کے تھے ۔ چنانچہ نحویوں اور لغت دانوں اور ادبا کا طبقہ ، وقت واحد میں پیدا ہؤا ، یہ لوگ اس علوم کے فروغ ہیں سے کسی ایک شاخ میں مہارت خصوصی حاصل کرتے تھے اور اس میں نام پاتے تھے اور اسی اعتبار سے پہچانے جاتے تھے۔

جو لغوی ، رشید کے ہم جلیس یا اس زمانے کے معروف لوگوں میں تھے ان میں کسائی اور عبدالملک اصمعی رشید کے حاشیہ نشین تھے ، یہ اس کے دامن دولت سے کم و بیش پندرہ سال تک وابستہ رہے[1] ۔

علاوہ ازیں ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ ، رشید کے آخری ایام میں اس کا ندیم اور شریک مجلس رہا[2] ، نیز یحییٰ بن خالد الیزیدی ، اس فن کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ رشید کی اولاد کی تعلیم و تدریس اس کے ذمے تھی ۔

راویان ادب و شعر میں خلف الاحمر ، زیاد البکائی ، ابن عیاش وغیرہ بہت سے لوگ تھے ، لیکن یہ لوگ قصر سلطانی سے وابستہ نہیں تھے ۔

علوم شرعیہ سے ، علوم نحویہ کے اتصال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عباسی عہد حکومت کے اوائل میں نحویوں اور لغویوں کی توجہ کا مرکز علم تفسیر بن گیا ، ان میں سے بعض نے تفسیر قرآن سے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں ، علم تفسیر نے مستقل اور علوم لغوی و نحوی سے جدا گانہ حیثیت ٹھیک عباسی عہد کے دوسرے دور میں جا کر اختیار کی ۔

اسلامی مملکت کی غیر معمولی وسعت اور وسائل حیات کی گونا گونی کا اقتصادی اور مالی حالات پر گہرا اثر پڑا ، لین دین اور معاملات کے مسائل بھی نت نئے طور سے سامنے آنے لگے ۔

ان حالات نے فقہا میں یہ تحریک پیدا کر دی کہ مدنی معاملات اور شخصی احوال سے متعلق لوگوں کے مابین جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ،

۱ ۔ کتاب الاصمعی ، صفحہ ۱۶۵ ۔

۲ ۔ کتاب الاصمعی ، صفحہ ۱۶۶ ۔

شرع اسلامی کی روشنی میں ان کے حل کی کوئی صورت نکالی جائے اور جو پہلو بھی اختیار کیا جائے وہ قرآن حدیث اور سنت نبویؐ کے دائرے سے باہر نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے شریعت کے احکام و مسائل مستنبط کیے۔ یہی علم ''علم فقہ'' کے نام سے موسوم ہؤا، جس کی مختلف اور متعدد شاخیں بھی نمودار ہوئیں۔ جیسے علم نظر و مناظرہ اور جدل و فرائض و شروط اور قضا اور فتاویٰ وغیرہ[1]۔

ہارون رشید کے عہد میں جو مشہور ترین فقہا گذرے ہیں اور جو اس سے معاصرت رکھتے ہیں۔ ان میں امام مالکؒ بن انس، امام شافعیؒ، محمد بن ادریسؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ ہیں، جن کا مذہب ابھی زیادہ نہیں پھیلا تھا۔ علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ کے شاگردان رشید امام ابو یوسفؒ[2] اور امام محمدؒ بن حسن شیبانی[3] بھی ہم عصر ہیں، تلامذہ امام مالک بن انس میں بھی کئی اصحاب رشید کے معاصر گذرے ہیں، جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر شخصیت عبداللہ بن قاسم بن خالد بن جنازہ کی ہے[4]۔

ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو رشید کے ہم مجلس تھے، اس سے

---

۱ - عباسی عہد اول ائمہ اربعہ کا عہد ہے، وہ اس طرح کہ:

* امام ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔
* امام مالکؒ بن انس اس دنیا سے ۱۷۹ھ میں رخصت ہوئے۔
* امام شافعیؒ کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہؤا۔
* امام احمدؒ بن حنبل نے ۲۴۱ھ میں عالم فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کیا۔

اور موصوف کا سال ولادت ۱۶۴ھ ہے!

۲ - امام ابو یوسفؒ رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔

موصوف کا سن وفات ۱۸۲ھ ہے۔

۳ - امام محمد بن الحسن شیبانی، امام ابو حنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں تھے، اور ان کا سال وفات ۱۸۹ھ ہے۔

۴ - ابن قاسم کی وفات کا سال ۱۹۱ھ ہے۔

بحث و گفتگو میں حصہ لیتے رہے ، یا اس کے ہم نشین اور ندیم رہے ، یا اس کی مملکت میں برسر کار رہے -

علم کلام

علوم قرآنیہ کے پھیلنے اور وسعت اختیار کرنے اور مسلمانوں کے مابین نئے نئے فکری مسائل کے پیدا ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ معتقدات دینی کے سلسلے میں جدل و اختلاف کی فضا قائم ہوگئی اور اس کی ساہیت اور فلسفے کے سلسلے میں فکر و نظر کے نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے ، جو بہر حال مختلف فیہ تھے - اس طرح علم کلام کا ظہور ہوا ، جو منطقی اور جدلی طور پر فکری و نظری معاملات و مسائل سے بحث کرتا تھا -

شروع شروع میں اصحاب علم کلام زندقہ سے متہم ہوئے اور عباسی خلفا نے انھیں ہدف ستم و جور بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا - رشید نے ان میں سے بعض کو حوالۂ زندان کر دیا ، لیکن رفتہ رفتہ حالات نے پلٹا کھایا اور رشید ان کے فضل و کمال کا معترف اور مداح بن گیا - انھیں جیل سے رہا کیا اور ان کے سربرآوردہ اصحاب کو مقرب بارگاہ بنا لیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں -

تصوف

رشید ہی کے عہد حکومت میں تصوف نے عراق کے اندر اپنا ایک مقام پیدا کیا ، اس کی دعوت یہ تھی کہ نفس کے باطن کی اصلاح و انقلاب کی طرف پوری توجہ کی جائے ، نہ کہ ساری توجہ ظواہر پر مبذول کی جائے - صرف اعمال جوارح (یعنی نماز ، روزہ ، حج وغیرہ) کو مرکز توجہ نہ رکھا جائے ، زہد و عبادت کے ذریعے نفس کی تربیت کی جائے اور وحی و الہام کے طریقے سے معرفت حاصل کی جائے ، حقیقت کا ادراک ذوق اور شعور سے کیا جائے ، نہ کہ نطق و کلام اور بحث و قیاس سے[1] - ان حضرات

---

۱ - اس عہد کے مشہور صوفیا :

۱- ابراہیم بن ادھم (سال وفات ۱۶۰ ھ)

۲- شفیق بلخی ، (سال وفات ۱۹۰ ھ)

۳- معروف کرخی ، (سال وفات ۲۰۰ ھ)

نے تصوف کے موضوع پر متعدد کتابیں بھی لکھیں ، جس طرح حضرات فقہا نے علم فقہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا ۔

تفسیر قرآن سے مفسرین کرام کے شغف اور درس مسائل شرعیہ سے فقہا عظام کے انہاک نے ان حضرات کو احادیث نبویہ کی طرف متوجہ کیا، اس لیے کہ حدیث نبوی کو پیش نظر رکھے بغیر اور استفادہ کیے بغیر تفسیر و فقہ کا علم مکمل نہیں ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ جب علم حدیث کی طرف توجہ مبذول ہوئی تو جمع و ترتیب حدیث کا کام شروع ہوا اور اس طرح ''علم حدیث'' وجود میں آ گیا ۔

یہ فن بھی بہت سی شاخوں میں منقسم ہو گیا ۔

چنانچہ اس سلسلے میں راویان حدیث کی سوانح عمری اور احوال پر خصوصی توجہ کی گئی اور ان راویوں کو متعدد طبقات میں تقسیم کیا گیا[1]۔

راویوں کے طبقات اس لیے قائم ہوئے کہ تمام راوی یکساں نہیں تھے، کوئی بلا کا ذہین تھا ، لیکن حافظہ کمزور تھا ، کوئی سچا تھا ، لیکن تذکیر و موعظت کے لیے سنی سنائی باتوں کو بھی حدیث کے نام سے بیان کر دیتا تھا ، کسی کے عقائد ، عامۂ مسلمین کے عقائد سے الگ اور جدا تھے ، لیکن عقیدے کے اختلاف کے باوجود اس کا ثقہ یعنی سچا ہونا مسلّم تھا ، چنانچہ صحیح بخاری کے راویوں میں شیعہ راوی بھی ملتے ہیں ، بعض ایسے راوی بھی تھے جو ثقہ تھے ، لیکن سنی ہوئی بات کے مغز اور مفہوم پر پورے طور سے حاوی نہیں ہو پاتے تھے ، لہٰذا گو ان کی روایت سچی ہوتی تھی ، لیکن اسے بجنسہ قبول کر لینا بھی ممکن نہ تھا ۔

بعض ایسے بھی تھے جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق تھا ، لیکن وہ فقیہ نہیں تھے اور ان کا فقیہ نہ ہونا ان کی روایت کو صحیح ہونے کے باوجود ، جوں کا توں قبول کر لینے میں مانع تھا ۔ بعض کا حافظہ کمزور تھا ، یہ کمزوری ان کے ثقہ ہونے پر بھاری تھی ۔ بعض

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

اس طرح راویوں کے احوال و سوانح سے متعلق علما و فقہا نے تالیف اور تعیین کا سلسلہ شروع کر دیا، تاکہ ان کے حالات صحت و استناد کے ساتھ نظر کے سامنے رہ سکیں - یہی وہ منزل ہے جہاں سے علم تاریخ کی تکوین ہوتی اور علم انساب کا ظہور ہوتا ہے[1] -

مسلمانوں میں علم تاریخ کی نشو و نما کے مذکورہ سبب کے علاوہ اور اسباب بھی تھے، ان میں ایک سبب علم جغرافیہ یا تقویم البلدون کی معرفت بھی ہے، کیونکہ طلب حدیث کے سلسلے میں راویوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں، ایک مقام سے دوسرے مقام تک، بعض اوقات ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کر کے جانا پڑتا تھا - حج کے زمانے میں مکۂ مکرمہ کا سفر اختیار کرنا پڑتا تھا، قواعد فقیہ کی تطبیق کے سلسلے میں بھی سفر کی ضرورت پیش آتی تھی، مثلاً مسلمانوں کی مفتوحہ سرزمین پر خواہ وہ از روئے صلح زیر نگین آئی ہو، یا دست و بازو کی قوت سے حاصل ہوئی ہو، خراج اور جزیہ کس طرح اور کیونکر وصول کیا جائے؟

ان تمام چیزوں کے لیے معرفت بلاد ضروری تھی اور قضیۂ زمین بر سر زمین کے اصول پر از روئے مشاہدہ و معائنہ ہی کوئی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا -

اس علم کی داغ بیل تو رشید کے زمانے میں پڑ گئی تھی اور اس نے برگ و بار لانا شروع کر دیے تھے، لیکن بہت زیادہ پھیلا نہیں تھا، نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وضاع اور کذاب تھے، دھڑلے سے حدیثیں وضع کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں منسوب کرکے بیان کرتے تھے- لہٰذا راویوں کو طبقات میں تقسیم کرنا، ایک بہت بڑی ضرورت بھی تھی اور ایک بہت بڑا کارنامہ بھی -

(رئیس احمد جعفری)

۱ - رشید کے ہم عصر مؤرخین :

* الواقدی محمد بن عمر،

* ہشام بن محمد الکلبی اور کئی دوسرے حضرات !

اس سلسلے میں تصنیفات و تالیفات کثرت کے ساتھ عالم وجود میں ائی تھیں ــــ یہ سب کچھ ہؤا ، لیکن ہارون رشید کے بعد ۔

علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو علوم عقلیہ بھی پروان چڑھتے اور پھلتے پھولتے رہے ، مثلاً فلسفہ ، حکمت ، حساب ، ہندسہ ، طب اور نجوم وغیرہ ۔

ان علوم کے حصول میں عربوں نے ثقافات مختلفہ سے لین دین کیا ۔ یونان ، روم ، فارس ، ہندوستان اور ان جملہ فکری تہذیبوں اور حضارتوں سے" جن سے عرب قرب رکھتے تھے اور جنھیں ان علوم و فنون میں درک اور ملکہ حاصل تھا ، دوسری قوموں کی زبانوں سے علوم عقلی سے متعلق کتابوں کا ترجمہ مل گیا اور صرف ترجمے پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ تصرف سے بھی کام لیا اور ان علوم کو اتنا زیادہ اور اس کمال کے ساتھ اپنایا کہ بالکل عربی بنا لیا ۔ غیر زبانوں کی بہت سی کتابوں کے بے تحاشا ترجمے عربی زبان میں ہوئے ۔

ترجمے کی طرف اس لیے زیادہ توجہ مبذول کی گئی کہ ہارون رشید کو اس کام سے غیر معمولی دلچسپی تھی ، وہ بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا ۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اپنے جہاد اور فتوحات کے سلسلے میں جو یونانی اور بازنطینی کتابیں وہ ساتھ لایا ہے جو اس سلسلے میں اسے دستیاب ہوئی ہیں ، ان سب کا ترجمہ کر ڈالا جائے ۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس نے بے اندازہ دولت صرف کی اور انعام و اکرام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا ۔ اس کا یہ ذوق شوق اور التفات خاص دیکھ کر مملکت کے وزرا اور امرا کس طرح خاموش بیٹھ سکتے تھے ، انہوں نے بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کی اور غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کے سلسلے میں بے دریغ روپیہ صرف کرنا شروع کر دیا ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عباسی حکومت کا پہلا دور نشر علم و فن کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم اور دور رس نتائج کا تاریخ اسلام میں حامل

تھا - اس زمانے میں بلا مبالغہ صدہا کتابیں علوم قرآن سے متعلق لکھی گئیں ، افسوس اور بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ ان کا بڑا حصہ دست برد زمانہ سے ضائع ہوگیا - بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس عظیم اور جلیل کارنامے کا سہرا عباسی خلفا کے سر جاتا ہے اور ان میں ہارون رشید سب سے پیش پیش نظر آتا ہے - اس نے اس کام کو آگے بڑھانے اور کامیاب بنانے میں قدر افزائی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا -

۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ع) میں اس نے اپنے گورنروں اور فوج کے افسروں کو ایک فرمان میں تحریر کیا تھا :

''اما بعد''!

''اس بات کا سختی سے خیال رکھو کہ جو اذان کا التزام کرے اسے ایک ہزار کا عطیہ دے دیا کرو اور جو شخص قرآن کا کام کرے اور علم فقہ کی طلب و تحصیل میں سر گرم ہو ، اور مجالس میں نشست و برخاست رکھتا ہو اور ادبی محفلوں میں پابندی سے شرکت کرتا ہو ، اسے دو ہزار دینار کا عطیہ دیا کرو اور جو جمع قرآن کی طرف سرگرمی کا اظہار کرتا ہو اور حدیث کی روایت کرتا ہو اور علوم و فنون سے شغف رکھتا ہو اور ان میں درک اور ملکہ بھی رکھتا ہو ، اسے چار ہزار دینار کا عطیہ دیا کرو اور یہ سارا کام اس طرح ہو کہ تمہارے عہد اور زمانے کے جو علما اور فضلا ہوں ، ان کی صواب دید اور توثیق کے ماتحت ہو - علما اور فضلا کی باتوں کو (گوش ہوش سے) سنو اور (صدق دل سے) ان کی باتیں مانو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

''اطیعو اللہ و الرسول و اولی الامر منکم!''

''یعنی اللہ کی اور رسول ؐ کی اور ان اصحاب امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں[۱] !''

عربوں میں سب سے پہلے جو دانش گاہ قائم ہوئی وہ 'بیت الحکمۃ' کے

---

۱ - الامامہ و السیاسیہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰۰ -

نام سے مشہور ہے ، اسے 'خزانۃ الحکمت' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بیت الحکمۃ کو رشید نے اپنے 'قصر خلد' میں قائم کیا تھا۔ رشید کے بعد اس کے بیٹے مامون نے اسے اور زیادہ وسعت دی لیکن یہ امر اب تک پردۂ راز میں ہے کہ آیا یہ مخزن علوم رشید کے عہد میں صرف ایک دانش گاہ اور مرکز کتب تھا ، یا اس نے ایک مستقل ادارے کی صورت اختیار کر لی تھی ؟

اخبار الحکما میں وارد ہوا ہے :

"رشید نے ایک سریانی فاضل یوحنا بن ماسویہ[1] کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ قدیم طبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرے ، جو اسے مختلف شہروں کے سفر (سلسلۂ فتوحات و جنگ) کے دوران میں دستیاب ہوئی تھیں اور جنھیں لا کر اس نے اپنے 'خزانۃ الحکمت' میں جمع کر دیا تھا[2] !"

کچھ عرصے کے بعد ، یوحنا بیت‌الحکمۃ یا خزانۃ الحکمت کے جملہ مترجمین کا سرگروہ اور سر براہ بنا دیا گیا۔ رشید نے اس کے لیے ایک مستقل عملہ فراہم کر دیا تھا ، جو بہترین عالموں اور زبان دانوں پر مشتمل تھا اور جو اس کی نگرانی میں غیر زبانوں سے فصیح و بلیغ عربی میں کتابوں کے ترجمے کیا کرتا تھا۔

فضل بن نوبخت جس کی کنیت ابو سہیل تھی اور جو فارس کا رہنے والا تھا ، فارس کے حکما کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتا تھا[3]۔

اسی طرح ایک دوسرا شخص علان ــــ یہ بھی اہل فارس میں سے تھا ــــ بیت الحکمت میں مستقل طور پر کام کرتا تھا ، یہ رشید اور برامکہ کی ہدایت پر ترجمے کا کام کیا کرتا تھا[4]۔

---

۱ - یہ عیسائی تھا - (مترجم)

۲ - اخبار الحکما ، صفحہ ۳۸۰ -

۳ - الفہرست ، صفحہ ۲۴۷ -

۴ - الفہرست ، صفحہ ۱۰۵ -

ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی ، جو سریانی ، یونانی اور ادبی زبان کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں شستگی اور خوبی و روانی کے ساتھ کیا کرتے تھے ۔

رشید کے زمانے میں دوسری زبانوں کی بہت سی مشہور و معروف کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا تھا ۔

جن کتابوں کو دوسری زبانوں سے عربی میں منتقل کیا گیا تھا ان میں علوم طب ، فلکیات ، فلسفہ ، حکمت ، ادب اور افسانہ و قصص کی کتابیں شامل تھیں ۔

یہ علمی سرمایہ اس علمی سرمایے سے بالکل الگ اور جدا تھا جو عرب مؤرخین اور مصنفین نے مختلف علوم قرآنیہ پر تالیف و تصنیف کی تھیں ، مثلاً لغت ، نحو ، اخبار ، تاریخ اور ان علوم سے متعلق علم کے دوسرے اہم اور ضروری موضوعات !

عہد رشید کی حرکت فکری نے فروغ اور توسیع ثقافت کا جس چیز سے اندازہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں علم و دانش سے معمور قصوں اور کہانیوں کے بھی عربی میں ترجمے ہوئے مثلاً کتاب 'کلیلہ و دمنہ' عربی میں منتقل کی گئی ، جو آج بھی موجود ہے اور جس کا مطالعہ عربی خواں طبقہ اب بھی بہ کثرت کرتا ہے۔ اس کتاب کا موضوع اصلاح اخلاق اور تہذیب نفوس ہے ، اس کا مصنف مشہور اور یگانہ روزگار فیلسوف ـــــ جو ہندوستان کا رہنے والا تھا ـــــ بیدبا تھا ، اس کتاب کی تصنیف کو دو ہزار سال کے قریب گذر چکے ہیں ، مصنف نے یہ کتاب ایک ہندو راجہ وابشیم کے لیے لکھی تھی ۔ اس میں جو کہانی بیان کی گئی ہے ، وہ جانوروں کی زبانی بیان کی گئی ہے ، قصہ نہایت دل چسپ ہے اور حکمت و عبرت اور نصائح سے معمور ہے ۔

یہ کتاب سنسکرت زبان میں لکھی گئی تھی ، سنسکرت سے اس کا ترجمہ زبان تبیت میں ہوا ، اس سے قدیم فارسی یعنی پہلوی زبان میں منتقل ہوئی اور پہلوی زبان سے عربی کے مایہ ناز ادیب اور انشا پرداز

عبداللہ بن مقفع[1] نے پہلی مرتبہ عربی زبان میں ترجمہ کیا ، یہ اموی عہد کے آخری یا عباسی عہد کے اوائل کا واقعہ ہے ۔

عربوں نے جب اس کتاب کی حکمت و موعظت اور نصیحت و عبرت سے بھری ہوئی باتیں دیکھیں ، تو اس کتاب کو حرز جاں بنا لیا ۔ چنانچہ اس کے درس و تدریس اور نقل و بیان کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ بعض اور لوگوں نے بھی اپنے اپنے پیرایۂ زبان کے مطابق اس کا ترجمہ کیا ۔

عربوں کے مابین اس کتاب کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ عہد رشید میں شعرا نے اسے اشعار کی صورت میں نظم کرنا شروع کر دیا ، تا کہ اس کے واقعات و حکایات آسانی سے حفظ ہو جائیں اور نوک زبان بن جائیں ۔

سب سے پہلے جس شخص نے اس کتاب کو نظم کیا ، وہ فضل بن نوبخت تھا ، یہ ابو جعفر منصور کا خادم خاص تھا ۔

---

۱ ۔ ابن مقفع اپنے طرز کا واحد ادیب تھا ، اب تک اس کی تحریر ، معیار اور سند کا کام دیتی ہے ۔ یہ ایرانی تھا ، مذہب کے اعتبار سے پارسی تھا ، اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے دوستوں سے کہا ، کل جامع مسجد میں (جمعہ کے دن) میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دوں گا ۔

اس گفتگو کے اثنا میں پارسی مذہب کے مطابق عبادت کا وقت آ گیا اور اس نے آتش کدے کا رخ کیا ۔

دوستوں نے پوچھا :

''یہ کدھر چلے ؟''

ابن مقفع نے جواب دیا :

''جب تک باقاعدہ مسلمان نہ ہو جاؤں ، موجودہ مذہب پر عمل کروں گا !''

یہ واقعہ غالباً میں نے 'ادب الجاحظ' (مطبوعہ مصر) میں دیکھا تھا ۔ بہت دنوں کی بات ہے ، تفصیل یاد نہیں ، سال وفات ۱۴۲ھ ہے ۔

(رئیس احمد جعفری)

ابان لاحقی نے بھی اسے اپنے انداز میں نظم کیا اور یحییٰ بن خالد برمکی کے حضور میں بطور نذر پیش کیا ۔

زبیدہ بنت جعفر ، یعنی ہارون رشید کی بیوی کے کاتب علی بن داؤد نے بھی اسے منظوم صورت میں پیش کیا ۔

ان منظومات کا بڑا حصہ مرور ایام سے ضائع ہوگیا ، لیکن کچھ اب بھی محفوظ ہے اور جو ابن مقفع کے ترجمے پر مبنی ہے[1] ۔

یہ صرف ایک کتاب کا حال ہے ، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اوائل عہد عباسی میں خلفا کے زیر سایہ علمی تحریک کے عروج و فروغ کا کیا عالم تھا ؟ اور خاص طور پر ہارون رشید کے زمانے میں تو علمی تحریک اپنے شباب کو پہنچ گئی تھی ۔ اس زمانے میں صرف بغداد کے اندر ، کئی سو وراق (نقل نویس) موجود تھے ، جو ان کتابوں کو لکھا کرتے تھے اور اہل ذوق کے ہاتھوں منہ مانگے دام وصول کیا کرتے تھے اور وہ بڑے وسیع پیمانے پر کتابوں کی فروخت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے ، جیسا ہمارے آج کل کے زمانے میں ناشران و تاجران کتب کیا کرتے ہیں ۔

---

۱ ۔ جرجی زیدان ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۱ ۔

فروغ ادب

عہد رشید میں ادب کو جو فروغ حاصل ہؤا ، وہ ایک بہت بڑی اور لمبی کہانی ہے اور اس کی شاخ در شاخ کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے --- مثلاً انشا ، خطابت اور شعر وغیرہ ۔

امر واقعہ یہ ہے کہ صدر اسلام میں عربوں کے مابین انشا کی حیثیت قریب قریب معدوم سی تھی ۔ خلفا اور عمال کے مابین جو خط و کتابت ہوتی تھی اور سیاسی یا انتظامی معاملات و مسائل سے متعلق تحریروں کا جو تبادلہ ہوتا تھا وہ بہت کم اور معدوم تھا ۔

البتہ آخر عہد اموی میں اس سلسلے نے وسعت اختیار کر لی ۔ اس کام کو پھیلانے اور بڑھانے میں ایک چھوٹی سی جماعت نے قائدانہ حصہ لیا ، اس سلسلے میں عبدالحمید الکاتب اور ابن مقفع کا نام سر فہرست ہے ۔

پھر خلافت رشید کا دور جب آیا تو یہ فن اتنا سنجھ چکا تھا اور تراش خراش کے بعد اتنا صیقل ہو گیا تھا ، کہ اس کے اسلوب طرز اور افکار میں تجدد اور تنوع کی کیفیت نمایاں ہونے لگی ، چنانچہ بہت سے لوگوں نے اس فن میں نابغہ کی حیثیت اختیار کر لی ۔ ان میں عمرو بن بحر الجاحظ سر فہرست ہے اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا نام بھی لیا جا سکتا ہے ۔

خطابت کا جہاں تک تعلق ہے ، یہ عربوں میں بہت اچھی طرح معروف تھی ، بلکہ کہنا چاہیے اس فن میں دوسری قوموں سے عرب ممتاز تھے ، اپنی متانت اسلوب کے اعتبار سے بھی اور اپنی بلاغت کے اعتبار سے بھی ۔ چھوٹے چھوٹے اور مختصر سے جملوں میں ایک دنیا کے معانی جلوہ گر نظر آ رہی تھی ۔

عہد اوائل عباسیہ میں عام طور پر اور رشید کے زمانے میں خاص طور پر یہ فن اور زیادہ ترقی کر گیا ۔ اسلوب کی اثر آفرینی اور الفاظ کی مٹھاس پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ۔ ساتھ ہی ساتھ افکار و خیالات جدیدہ کی آمیزش نے اس کے رتبے اور مقام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ۔ یہ افکار و خیالات جدیدہ نتیجہ تھے ، غیر عرب ادیبوں اور مفکروں کے ادب اور ثقافت سے تاثر کا ۔

باقی رہا شعر ، تو اس کا جامہ بھی یکسر بدل گیا ، عہد جاہلیت[1] میں اور اموی عہد میں بھی اس کا جو رنگ تھا ، اب اس کا نام و نشان بھی نہیں تھا ۔ اب خیالات میں پہلے سے کہیں زیادہ وسعت پیدا ہو گئی تھی ، انداز و اسلوب میں بھی غیر معمولی گہرائی پیدا ہو گئی تھی اور یہ نتیجہ تھا اس معاشرت اور طرز زندگی کا جو خالصۃً عہد عباسی کی پیداوار تھی ۔ اب بدویت کی وہ درشتی اور صحرائیت کی وہ سنگلاخی ، تہذیب تنعم اور عشرت میں بدل گئی تھی ؛ اب زندگی کے شب و روز خیموں میں اور میدانوں میں اور چشموں کے کنارے نہیں بسر ہوتے تھے ۔ اب عالی شان محلات تعمیر ہو گئے تھے ، نظر افروز حویلیاں بن گئی تھیں ، وسیع کشادہ اور آرام دہ مکانات عالم وجود میں آ گئے تھے ، سبزہ زاروں کی کثرت تھی ، باغات تھے ، نہریں تھیں ، پھولوں کی خوشبو سے شبستان حیات مہک رہا تھا ، باغوں میں ہر قسم کے پھل بکثرت موجود تھے ، شیریں اور ٹھنڈا پانی با افراط دستیاب ہوتا تھا ۔ کہاں وہ گھٹی ہوئی سی ، تنگ سی اور بے مزہ سماج اور سوسائٹی جس میں دم گھٹتا تھا اور کہاں کھلی ہوئی اور وسیع فضا ، جو خود شعر و سخن کی ایک نئی لہر پیدا کرتی تھی ۔ اب نہ روپے کی کمی تھی ، نہ وسائل حیات کی ۔ اب تو عیش فراواں اور نعیم بے کراں کا دور تھا ، طرح دار باندیاں ، حسین و جمیل غلمان ، بادۂ ناب اور عیش بے حساب ۔

اقوام غیر کے ادب اور خیالات کا اثر بھی ، شعر عربی کے اس تصور اور تنوع اور تجدد پر گہرا پڑا اور اس کے پہلو بہ پہلو عہد رشید کی خوش حالی،

---

١ ۔ یعنی عہد قبل از اسلام (مترجم) ۔

ثروت اور امارت نے بھی اپنا اثر ڈالا ، یہ دونوں اثرات صاف طور پر اس ادب جدید کے لفظ و معنی میں نظر آتے ہیں ۔

ہم نے عہد ہارون رشید کے سماج کی عیاشی اور خوش باشی ، سرمستی اور بوالہوسی نیز بد قماشی کا ذکر بہت کم کیا ہے ۔ اس چیز نے بہت سے دینی قیود کو گویا بالکل معطل کر دیا تھا ۔ سرمستی اور عیاشی و بوالہوسی کا رنگ اس زمانے کی شاعری میں صاف طور پر جھلکتا ہے ۔ شراب اور غلمان کا ذکر گویا موضوع سخن ہو کر رہ گیا تھا ۔ فسق و فجور اور معصیت سے آلودہ راتوں کی جھلکیاں ان اشعار میں بکثرت نظر آتی ہیں ، خاص طور پر اس تصویر کے خد و خال ، ابو نواس ، رابعہ بن حباب ، حسین الضحاک ، مسلم بن ولید اور اس طرح کے دوسرے شعرا کے ہاں بہت صاف اور واضح نظر آتے ہیں ۔

اگر ہم یہ کہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ :

''ہارون رشید کا زمانہ تاریخ عرب اور تاریخ مسلمانان عالم میں سب سے زیادہ فرخندہ خال ، اور ثروت و امارت کا زمانہ تھا ـــــ ہر اعتبار سے ۔ شعر و سخن کے اعتبار سے اگر دیکھیں تو یہ زمانہ یکتا نظر آئے گا ۔''

اگر ہم ان شعرا کی ایک فہرست تیار کرنا چاہیں جو قصر خلافت سے وابستہ تھے ، یا وزرا برامکہ کے متوسلین میں شامل تھے ، یا امرائے دولت کی بزم و انجمن کی رونق تھے تو کثرت تعداد کی بنا پر اس فہرست کا تیار کرنا ایک بڑی مہم سے کم نظر نہیں آئے گا ۔

الفہرست کے مصنف ابن ندیم نے ان شاعروں میں سے کچھ کا تذکرہ کیا ہے اور ان بلیغ قصائد کی تعداد بھی بتائی ہے ، جو انہوں نے نظم کیے تھے ، تو وہی ایک لمبا چوڑا دفتر بن گیا ہے[1] ۔

---

۱ - الفہرست صفحہ ۱۰۲ -

زندقہ

فکری تحریک کا ارتقا اور اس کی بے پناہ وسعت ، ساتھ ہی ساتھ مسائل فقہیہ ، علم تشریع ، فن تفسیر ، بعض اہم مسائل میں مجتہدین کا اختلاف آرا ، مذاہب و فرق کا ظہور ، امم مختلفہ کی فلسفیانہ کتابوں کے نقل و ترجمہ کی کثرت ، غیر عرب اقوام کے مفکرین کا قبول اسلام ۔ ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو دینی عقائد کے لحاظ سے کمزور تھی ، بلکہ کہنا چاہیے ، اس کے دینی عقائد راسخ اور مستحکم نہیں تھے ۔ شرائع اسلامیہ کی لائی ہوئی اور بتائی ہوئی چیزوں کے خلاف ان کے منہ سے الفاظ نکل جاتے تھے جس کا ظاہری مطلب الحاد ہی لیا جا سکتا ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے زندیق کی اصطلاح وجود میں آئی اور یہ زنادقہ کے نام سے موسوم ہو گئے ۔

جیسا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے زندقہ ایک قسم کی فکری کجی اور لغزش کا نام ہے یا اسے ایسا اجتہاد کہہ لیجیے جو راہ صواب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ۔ زنادقہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اصمعی نے لکھا ہے :

''ان لوگوں کے زندقے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ عربی زبان یہ اچھی طرح نہیں جانتے ۔''

گویا اصمعی کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ، جو زندیق کہلاتے ہیں ، صحیح طور پر آیات قرآنی اور احادیث کا مفہوم و مطلب نہیں سمجھ سکتے ۔

یہی وجہ تھی کہ زندقہ صرف بعض مفکرین اور اصحاب رائے کی حد تک محصور تھا ۔ یہ اسی فضا میں برگ و بار لاتا تھا ، جہاں فکری حرکت برسر عروج ہو اور کوفہ و بصرہ ، یہ دونوں شہر اس اعتبار سے خاص

حیثیت رکھتے ہیں ، ان دونوں شہروں کے بعد یہ چیز بغداد میں بھی پہنچی لیکن نہضت علمی کے انتعاش اور پختگی کے بعد ۔

خلیفہ دین اسلام کا محافظ

خلیفہ دین اسلام کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے ، اس کا فرض ہے کہ اپنی اس ذمے داری سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو۔ اس کا کام یہ بھی ہے کہ احکام اسلامی کی تطبیق کرے ، اسلام کا کلمہ بلند کرے ۔ اس پر لازم ہے کہ ان لوگوں کی سرزنش کرے جو جادۂ صواب سے منحرف ہوں اور مسلمان کہلاتے ہوں ۔ اسلام کے خلاف کہتے ہوں اور چلتے ہوں ۔ خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ ان کے فتنے کو پھیلنے نہ دے ، انھیں سزا دے اور کیفر کردار کو پہنچائے ، ان کی فساد انگیزیوں اور گمراہیوں کو عام نہ ہونے دے ۔

بنو عباس کے خلفا اول نے اس کام کو اپنے نقطۂ نظر سے بہ حسن و خوبی انجام دیا ۔ انھوں نے زندیقوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کی ، انھیں سزائیں دیں اور اگر ضرورت محسوس کی ، اور اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہ دیکھا تو سزائے قتل بھی دی ۔ اس معاملے میں کسی کمزوری، مداہنت یا رحم سے کام نہیں لیا ۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ زندیق کا لفظ ایک برا اور خطرناک لفظ بن گیا ۔ دشمن سے انتقام لینا ہوتا تو اسے زندیق مشہور کر دیتے اور اس طرح اسے سزائے قتل کا نشانہ بنا دیتے ۔

عباسی خلفا میں ابو جعفر منصور تو زندیقوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا ۔ کسی زندیق سے در گزرنا اس کے لیے ممکن ہی نہ تھا ۔ اس کے عہد میں حرکت فکریہ نے پھلنا پھولنا اور برگ و بار لانا شروع کر دیا تھا ، لہذا زندیقوں کا وجود بھی شروع ہو گیا تھا اور وہ کسی قیمت پر زندیقوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا

ابو جعفر منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی سریر آرائے خلافت ہوا ۔ مہدی زندیقوں کے معاملے میں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا ۔ بڑی سختی کے ساتھ اس نے زندیقوں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور انھیں

عبرتناک سزائیں دیں ۔ ان کی ایک بڑی تعداد کو اس نے قتل تک کرنے سے گریز نہیں کیا ۔

مہدی کے دونوں بیٹے ــــ ہادی اور رشید ــــ بھی اس معاملے میں باپ کے قدم بہ قدم چلے ، یہ دونوں بھی زندیقوں کے سخت مخالف تھے اور ان کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ساتھ ذرا بھی رحم و مروت کا برتاؤ نہیں کرتے تھے ۔

اور ان سب میں رشید تو زندیقوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

کسی شخص پر زندقے کی تہمت اگر ثابت ہو جائے تو پھر ایک لمحے کے لیے بھی وہ اس کی توقع نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے ساتھ رحم و رعایت کا برتاؤ کیا جائے گا یا اسے معاف کر دیا جائے گا یا اسے ہلکی سزا دے دی جائے گی ، کیونکہ رشید ہر جرم معاف کر سکتا تھا ، مگر زندیق کو بخش دے ، یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا ۔

شعوبیت

اب ہم شعوبیت کو زیر بحث لائیں گے لیکن شعوبیت زندقہ سے مختلف شے ہے۔

اختصار (لیکن جامعیت) کے ساتھ اس موضوع پر ہم گفتگو کریں گے۔

صدر اسلام میں ، اور خاص طور پر عہد اموی میں ، عرب ، غیرعرب لوگوں کو ، جو مسلمان ہو چکے ہوں اور ان کے دائرۂ ولا میں داخل ہو چکے ہوں ، 'مولیٰ' کہا کرتے تھے۔

آخر غیر عرب مسلمان ، بلاد عربیہ میں خاص طور پر عراق و شام اور حجاز وغیرہ میں آ کر اقامت گزیں ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں آنے کے بعد جس کسی کو مناسب سمجھتے اس سے رشتہ ولا قائم کرنے کی کوشش کرتے اور کامیاب بھی ہو جاتے تھے اور اپنے آپ کو اسی شخص کے قبیلے کی طرف منسوب کرنے لگتے، اگرچہ درحقیقت اس قبیلے سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوتا— موالی بن کر یہ بعض حقوق قرابت نسب کے مانند — اگرچہ سب نہیں — حاصل کر لیتے تھے۔ مثلاً حمایت ، تائید اور مساعدت وغیرہ ، یعنی اگر انہیں کسی طرف سے کوئی خطرہ ہوتا تو جس شخص کے یہ موالی ہوتے اور جس قبیلے سے ان کا انتساب ہوتا وہ انہیں بچاتا ، اس طرح اور بھی بعض رعایتیں انہیں مل جاتیں۔

جو عرب اپنی قومیت کے بارے میں زیادہ متعصب تھے ، وہ ان موالی کو — مسلمان ہونے کے باوجود — برابر کا صلہ نہیں دیتے تھے۔ مثلاً کبھی ان کی کنیت سے انہیں نہیں پکارتے تھے ، صرف ان کے نام سے یا لقب سے پکارا کرتے تھے ، اس لیے کہ ان کے نزدیک کنیت بڑے وقار اور اعزاز و احترام کی چیز تھی — جس کا ایک عرب کے سوا کوئی غیرعرب

مستحق نہیں ہو سکتا تھا ——

اسی طرح سفر کے موقع پر ان موالی کو یہ عرب اپنے ساتھ کی صف میں سفر نہیں کرنے دیتے تھے۔ ہمیشہ انھیں اپنی سواری کے پیچھے رکھتے تھے اور جب دستر خوان بچھایا جاتا اور عرب کھانے کے لیے بیٹھتے تو موالیوں کا کام یہ تھا کہ خدمت کریں اور کھڑے رہیں، وہ شریک دستر خوان نہیں ہو سکتے تھے اور اگر کسی غیر عرب کو اس کے علم و فضل کی وجہ سے کھانے میں شریک بھی کرتے تو اس کی جگہ وہاں متعین ہوتی جہاں کھانا تیار ہوتا ہے تاکہ دیکھنے والا جان لے اور محسوس کر لے کہ یہ شخص عرب نہیں ہے۔

کسی عرب کی نماز جنازہ میں اگر ایک عرب بھی نمازیوں میں موجود ہو، خواہ کیسا ہی نکما کیوں نہ ہو، کوئی غیر عرب یعنی موالی نہیں پڑھا سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص کسی موالی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ رسم اس عرب کی اجازت سے انجام دی جائے جس کا موالی لڑکی کا باپ ہے۔ اگر وہ نکاح کرنے والے کو اجازت دیدے تب ہی وہ موالی کی لڑکی سے نکاح کر سکتا تھا۔

عربوں کا ایک گروہ تو اس معاملے میں اس درجہ متعصب تھا کہ ان لوگوں کے جو بیٹے غیر عرب بیویوں کے بطن سے ہوتے تھے، ان کے لیے انھوں نے 'مولدین' کا لفظ ایجاد کیا تھا اور اس عرب کو، جس کی ماں عربی نہ ہو، یہ 'هجین' کہا کرتے تھے۔ هجنہ کے معنی از روئے لغت، عیب نقص اور عدم کمال کے ہیں، اور اس لفظ سے ان کا یہی مطلب ہوتا تھا۔

بنو امیہ کے اوائل عہد میں یہ رسم چل پڑی تھی کہ کسی ایسے اموی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں کرتے تھے جس کی ماں غیر عربی ہو۔ اگرچہ وہ شخص استعداد و استحقاق اور اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے کتنا ہی موزوں کیوں نہ ہو۔

اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض نہایت ہی اہل اور مستحق لوگ

منصب خلافت سے محروم رہ گئے ، حالانکہ دوسروں کا ان سے کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔

مشہور قائد (سالار) مسلمہ بن عبدالملک ـــــ مثال کے طور پر ـــــ امویوں میں بہترین شخص تھا ، فہم و فراست اور تدبر کے عتبار سے یکتا ، شجاعت اور بہادری میں منفرد ۔ محاربات و فتوحات کے سسنے میں اس نے شاندار اور وقیع و مجید کارنامے انجام دیے ہیں اور ناقابل فراموش بھی ، لیکن اپنے باپ ـــــ عبدالملک ـــــ کے بعد مسند نشین خلافت وہ صرف اس لیے نہ ہو سکا کہ اس کی ماں عرب نہ تھی ، رومیہ تھی ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک بیٹے کے لیے اشراف عرب میں سے ایک شخص کو اس کی لڑکی کے لیے پیام نکاح دیا ۔

جواب میں لڑکی کے باپ نے کہا :

''امیرالمومنین ! آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر ، لیکن بندے کو اپنے 'هجین' بیٹے سے تو دور ہی رکھیے ۔''

یعنی مطلب یہ کہ میں آپ کے ایک صاحبزادے کو اپنا داماد بنانے سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کے ان صاحبزادوں کی فہرست میں شامل ہے جن کی مائیں عرب نہیں ہیں ۔

یہ ذہنیت عربوں میں عام تھی ، نہ اس سے بدوی محفوظ تھے نہ شہری ۔ یہ جذبہ رجال دولت کے طبقہ عالی میں بھی رچ بس گیا تھا ، دوسرے طبقات میں بھی ، حتیٰ کہ عوام تک میں اور غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں یہ شعور راسخ ہو گیا تھا کہ وہ غیر عرب عناصر پر فضیلت رکھتے ہیں ، اس لیے کہ وہ عرب ہی ہیں جنھوں نے اپنے زور شمشیر سے بلاد و امصار فتح کیے اور ان عجمی عناصر کو قوت اور طاقت کے بل پر سرنگوں کیا ۔ وہ عرب ہی تھے جنھوں نے اسلام کی تبلیغ کی اور اسے پھیلایا ، اور ان عجمیوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا اور حق کے راستہ پر استوار کیا ، اور کفر کی وادی سے اسلام کے راستے پر لا کھڑا کیا ۔

واقعات و حقائق اس امر کے شاہد ہیں کہ اموی خلفا عربوں میں اس

ذہنیت ـــــ عربی عصبیت ـــــ کو فروغ دینے اور پھلنے پھولنے کی حوصلہ افزائی کرتے رہے -

لیکن انھوں نے ایسا کیوں کیا ؟

''اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ موالیوں سے نفرت کرتے تھے ، یا انہیں بہت زیادہ پست اور اپنے تئیں بہت زیادہ اعلیٰ و ارفع سمجھے تھے ، بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ دیکھ رہے تھے ، موالیوں کی تعداد میں یوماً فیوماً غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور بلاد عرب میں وہ پھیلتے جا رہے ہیں ، لہٰذا بجا طور پر وہ خائف ہوئے کہ اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو یہ عجمی امور و معاملات پر حاوی ہوجائیں گے ، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے سرے سے موالی بنانا ہی تقریباً ختم کر دیا تھا ، خواہ ولا کی تمنا کرنے والا کتنے ہی اچھے اور وقیع کارنامے انجام نہ دے چکا ہو !''

روایت ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے ایک دفعہ زعیم عراق احنف بن قیس کو اپنی بارگاہ میں طلب کیا ، جو برد باری ، اصابت رائے اور فہم و فراست میں یکتا مانے جاتے تھے ، انھوں نے گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا :

''اے احنف ، میں دیکھتا ہوں کہ یہ موالی برابر بڑھتے جا رہے ہیں اور ایک مستقل خطرے کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں - مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار رہے ، تو یہ عربوں پر غالب آ جائیں گے اور حکومت پر قابض و متصرف ہو جائیں گے - میری رائے تو یہ ہو رہی ہے کہ ان کی ایک خاص تعداد کو قتل کر دوں اور باقی ماندہ لوگوں کو دوسرے طریقوں سے زچ کر دوں ، ـــــ بتاؤ تمھاری رائے کیا ہے ؟''

احنف نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور امیر معاویہؓ کو آخرکار اس پر آمادہ کر لیا کہ اپنے فیصلے کو عملی جامہ نہ پہنائیں !''

غالباً امیر معاویہؓ کے دل میں یہ خیال حضرت عمر بن الخطابؓ کے حادثۂ قتل کے بعد پیدا ہوا جنھیں ایک فارس کے رہنے والے نے قتل

کیا تھا۔

علاوہ ازیں امیر معاویہؓ اس امر سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان خلیفہ ثالث کے قتل میں اور فتنہ و فساد کو پھیلانے اور بڑھانے میں یہ لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے ، جنھوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کر دیا تھا ۔

اس جگہ ایک بات اور بھی پیش نظر رکھنی چاہیے ۔

موالیوں کے بارے میں یہ رائے تنہا امیر معاویہؓ کی نہیں تھی ، بلکہ ان کی اس رائے میں مفکرین عرب کی ایک بہت بڑی تعداد شریک اور ہم نوا تھی ، ان لوگوں کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہوگیا تھا کہ یہ فتوحات واسعہ تمام تر ، انھی کے دست و بازو کا نتیجہ ہیں اور ان فتوحات کے باعث متعدد قومیں ان کے پرچم تلے آ گئی ہیں ، جو اپنی ایک مخصوص تاریخ اور مخصوص مذہب و ثقافت اور تمدن و حضارت رکھتی ہیں ۔ اگر کسی دن ان مفتوح قوموں کے اندر قومیت کا جذبہ پیدا ہؤا یا ابھرا ـــ خواہ یہ واقعہ کتنے ہی عرصہ بعد پیش آتا ، لیکن پیش آنا یقینی تھا ، تو سیادت عربیہ خطرے میں پڑجائے گی اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ بعد میں ہؤا بھی ایسا ہی ۔

بہر حال واقعہ کچھ بھی ہو، عربوں کی اس قومی عصبیت کا رد عمل ہونا لازمی تھا اور وہ ہو کر رہا ۔ غیر عرب مؤرخین اس رد فعل سے پورے طور پر متاثر ہوئے ، چنانچہ ان کے دل میں اس عربی عنصر کے خلاف غم و غصہ ، نفرت و غضب اور حسد پیدا ہؤا جو ان پر حکومت کر رہے تھے ، اور ان کے ساتھ اخوت اور مساوات کا برتاؤ کرنے سے انکار کر رہے تھے ، حالانکہ اسلام نے اخوت و مساوات کی تعلیم دی تھی اور اس پر بہت زیادہ زور دیا تھا ۔

سب سے پہلے جن لوگوں میں یہ احساس پیدا ہؤا اور جنھوں نے اس نہج پر سوچا ، یہ ان ایرانی موالیوں کی اولاد میں سے تھے ، جنھیں اپنی تہذیب کا دور یاد تھا اور اس پر یہ نازاں بھی تھے ، جنھیں اپنا عہد استقلال و حریت یاد تھا اور اسے اب تک یہ فراموش نہیں کر سکے تھے ،

اس لیے کہ اس زمانے کو گذرے ہوئے ابھی کچھ بہت زیادہ مدت نہیں گذری تھی ۔

لیکن امویین کے عہد میں ان کے لیے اپنے احساس اور جذبے کو ظاہر کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا ، اس لیے کہ جانتے تھے کہ اگر ایسا کیا تو بری طرح غضب و عقاب اور انتقام کا شکار ہوں گے ۔

روایت ہے کہ شاعر اسماعیل بن یسار جو فارسی الاصل تھا ، ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی مدح میں ایک پر زور قصیدہ سنایا ، اس میں از راہ تعلّی اس نے اپنے پر شوکت ماضی پر اظہار افتخار بھی کیا تھا ، لیکن ہشام یہ بات برداشت نہ کرسکا ۔ برہم ہوگیا ، حکم دیا ، قصیدہ خواں کو فوراً بند کردیا جائے ۔ پھر فرمان صادر کیا کہ شاعر کو درے لگائے جائیں اور فوراً دربار سے نکال دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے جلاوطن بھی کر دیا[1] ۔

جب اموی حکومت ختم ہو گئی اور اہل فارس کی مدد سے عباسی حکومت قائم ہوئی تو وہ ان موالیوں سے بے نیاز نہ رہ سکی ، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں ، عباسیوں نے عجم کے موالیوں کو وزارت کے مناصب پر فائز کیا اور انہیں باقاعدہ طور پر امور حکومت میں شریک و سہیم بنا لیا ۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربی عصبیت کا طوفان سرد پڑ گیا اور جو لوگ اس کے خلاف صف آرا تھے ، وہ بھی اپنی سرگرمیاں معطل یا محدود کرنے پر بہ تقاضائے حالات مجبور ہوگئے ، اس لیے کہ اب اصل وجہ پرخاش قریب قریب معدوم ہو چکی تھی ۔

اس کے بعد وہ دور شروع ہوا جسے حریت فکر کے دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اظہار رائے کی آزادی اب بڑی حد تک حاصل ہو چکی تھی ، اس لیے کہ حضارت علمی و ادبی کے ارتقا کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا ۔ خاص طور پر عراق میں تو یہی صورت تھی ۔ یہاں جو عناصر موجود اور برسرکار تھے ، انہوں نے عربی عنصر سے بغض و نفرت

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۲۰ ۔

رکھنے والے سوالیوں کے جذبے کو اور زیادہ تیز اور چوکھا کردیا ۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت کچھ کہا اور بہت کچھ لکھا اور عرب قومیت کے خلاف دل کا غبار نکالنے اور عربوں کو نیچا دکھانے کے سلسلے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔ اس کیفیت نے ایک مستقل تحریک کی صورت اختیار کر لی ۔ جو ''شعوبیت'' کے نام سے موسوم ہے اور ''شعوبی'' کا لفظ اس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا جو عربی عنصر سے نفرت رکھتا ہو ، یا کم از کم عربی عنصر کو غیر عربی عنصر پر فضیلت اور ترجیح نہ دیتا ہو ۔

اواخر عہد اموی میں جو شعوبی منظر عام پر آئے ، وہ کہا کرتے تھے :

''اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی ہے ، تمام انسان ایک شخص واحد ــــ آدمؑ ــــ کے صلب سے ہیں ، پھر خدا نے لوگوں کو شعوب و قبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو آسانی کے ساتھ پہچان لیں ۔''

نیز یہ کہ دین مسلمانوں کے درمیان مساوات اور مومنوں کے مابین اخوت کا علمبردار ہے اور وہ عجمی پر ہرگز عرب کو ترجیح و فضیلت نہیں دیتا ، البتہ فضیلت کی بنیاد جو اس نے قائم کی ہے وہ تقویٰ ہے پھر عربی عصبیت کے علمبرداروں کو یہ کیا ہوگیا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ نہیں کرتے اور دوسروں کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے ؟

عہد عباسیہ میں شعوبیت نے اور زیادہ وسعت اختیار کی ، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ لوگ کہنے لگے :

''محاسن و مزایا اور فضائل و کمالات کے اعتبار سے دوسروں کے مقابلے میں عرب ہیچ اور کم تر ہیں ۔

بعض شعوبی ذہنیت رکھنے والے شعرا نے عربوں کی ہجو لکھنے میں بھی تامل نہیں کیا ، ایک شاعر کہتا ہے :

فی بلدة لم تصل ''عکل'' بها طنبا

ولا خباء ولا ''عک و ہمدان''

ولا ''الجرم'' ولا ''نهد'' بها وطن
لكنها لبنی الاحرار اوطان
ارض تنبی بها کسری مساكنه
فما بها من بنی اللغناء انسان

یعنی :

ایک ایسے شہر میں جہاں نہ عکل نے خیمے گاڑے تھے
نہ بکر و ہمدان نے قدم رکھے اور خیمے نصب کیے تھے
نہ جرم اور نہد[1] نے جہاں وطن بنایا تھا ،
ہاں آزادی کے متوالوں کا وطن بے شک وہیں ہے ،
یہ وہ سر زمین ہے جہاں کسریٰ نے اپنے محل بنائے تھے
اور عربوں کے قدم سے یہ زمین پاک تھی ۔

ان شعوبیوں میں بڑے بڑے علما اور راویان ادب پیدا ہوئے ۔ انہوں نے مثالب عرب اور محامد عجم میں بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کیں ، انہوں نے ان ہجویہ اشعار کو بھی مرتب کیا اور ان کی جمع و ترتیب کی جو قبائل عرب کے شعرا نے موزوں کیے تھے ۔ انہوں نے خود بھی کتابیں لکھیں اور عربوں کی ہجو کی ۔ کسی قبیلے کو ، حتیٰ کہ قریش تک کو نہیں چھوڑا ۔

شعوبیوں کے قدم برابر آگے ہی کی طرف بڑھتے گئے ۔

انہوں نے اخبار و تاریخ میں تعریف کرنے سے بھی گریز نہیں کیا ۔ ادب عربی میں خود ساختہ طور پر عربوں کے خلاف مواد جمع کیا اور اسے عربوں ہی کی طرف بالکل غلط طور پر منسوب کر دیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ۔ بلکہ حدیثیں تک گھڑ لیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ۔ انہوں نے تاریخ ، ادب اور دین ہر چیز کا بیڑا غرق کر دیا اور یہ سب کچھ عربی عنصر کو زک دینے کے لیے تواتر اور تسلسل کے ساتھ کرتے رہے ۔ کسی میں یہ حوصلہ بھی نہ تھا کہ انہیں ان حرکتوں سے روک سکتا یا باز رکھ سکتا ، اس لیے کہ عباسی حکومت اپنے

---

۱ ۔ قبائل عرب کے نام ہیں ۔ (مترجم)

نظم مملکت کے سلسلے میں عرب اور غیر عرب دونوں سے کام لیتی تھی اور اہل فارس سے خاص طور پر ، جنھوں نے عباسی مملکت کی تکوین و تخلیق میں غیر معمولی حصہ لیا تھا اور انہی کے ہاتھ میں زمام کار تھی ، وزارت کے مناصب بھی انہی کے ہاتھ میں تھے ۔

شعوبیت کے اسرار و رموز ، اغراض و مقاصد اور عوامل و محرکات پر ایک تحقیقی نظر ڈالی جائے تو یہ بات اظہر من الشمس نظر آ جائے گی کہ یہ فارسی قومیت کے احیا اور شعور کی پیداوار تھی ۔ اس کا آغاز تو اس طرح ہوا کہ اموبوں کی حکومت اور سلطنت کے خلاف عباسیوں کی تائید و نصرت کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ، اس کے بعد اس کا دائرہ فکر و نظر عمومی طور پر عربی سیادت کے خلاف محاذ قائم کرنے اور رکھنے کے لیے وقف ہو گیا ۔ یہ دعوت — اور تحریک — شروع میں خاصی کامیاب ہوئی اور اہل فارس کی بعض شخصیتوں نے بہت بلند رتبہ اور مقام حاصل کر لیا اور اس مملکت کے سیاسی مطلع پر اس طرح کے لوگ مہر و ماہ کی طرح چمکنے لگے ۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور اہم شخصیت ابو مسلم خراسانی کی تھی ، اسے اگر موقع ملتا تو بلا شبہ اس نے عباسیوں کو بر سر اقتدار لانے کے تھوڑی ہی مدت کے بعد عرب حکومت کے بجائے فارسی حکومت قائم کر لی ہوتی ۔ بلکہ اگر ابوجعفر منصور کی حکمت عملی اور تدبر نے اپنا کرشمہ نہ دکھایا ہوتا تو ضرور ایسا ہو چکا ہوتا ۔

ابو مسلم خراسانی سے نجات پانے کے بعد میدان صاف ہوا تھا کہ برامکہ آ ٹپکے ، یہ اس طرح آئے کہ بالکل چھا گئے ۔ ان کے عہد میں شعوبیت خوب برگ و بار لائی اور اس کی شاخیں دور دور تک پہنچیں اور ان کی وزارت کے زیر سایہ فارسی قومیت کی جڑ زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی چلی گئی ۔ اس کا اثر ، حکومت ، سیاست اور نظم مملکت پر بہت گہرا پڑا ، جو ایک ثابت حقیقت ہے !

حصۂ ششم

رشید کا نظام مملکت

★ نظم مملکت
★ قضاۃ
★ آمدنی کے وسائل
★ اقتصادی حالت

عباسیوں کا نظریۂ سلطنت

عباسیوں کے اوائل عہد حکومت میں جو نظریہ سلطنت اور حکومت کے بارے میں چلا ہؤا تھا وہی تھا، جو فارس کے ملوک و سلاطین کا اپنے زمانے میں رہا کیا تھا جو ''نظریہ حق الٰہی مقدس'' کے نام سے موسوم تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ کو درحقیقت اللہ تعالےٰ نے امارت و سیادت اور حکومت و سلطنت تفویض کی ہے، جیسا کہ خود رشید نے اپنے ایک فرمان میں جو عمال دولت کے نام لکھا گیا تھا تحریر کیا:

''اللہ تعالیٰ امیرالمومنین کو دوست رکھتا ہے اور اسے بھی دوست رکھتا ہے جسے امیرالمومنین دوست رکھتے ہوں۔ وہ بھی اس کا حافظ و نگہبان ہے، جس کی امیرالمومنین رکھوالی کرتے ہوں، اس نے انہیں اپنا خلیفہ بنایا اور سلطنت عطا کی ہے اور وہ ان تمام امور کا ضامن ہے جنہیں امیرالمومنین مقدم رکھیں، یا مؤخر کر دیں[1]!''

یہ نظام حکومت آمریت (ڈکٹیٹر شپ) کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی رو سے خلیفے کو، لوگوں کی جان و مال پر تصرف کا پورا پورا حق ——— غیر مسئول طور پر ——— حاصل ہو جاتا ہے، بغیر کسی شرط اور پابندی کے۔ بلکہ قیود شریعت اسلامیہ کے بغیر بھی، کیونکہ قیود شریعت کے بڑے حصے کی تفسیر اور تقدیر نتائج صاحب سیادت مقدسہ، یعنی امیرالمومنین کے ہاتھ میں آ جاتی ہے، لہٰذا قوم کی قسمت تمام شخص واحد کے رحم و کرم پر منحصر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر وہ نیک، عادل اور پارسا ہے تو قوم کی حالت ٹھیک رہے گی اور وہ آسائش اور اطمینان کی

---

۱ - الطبری، جلد ۳، صفحہ ٦٦٣ -

زندگی بسر کرے گی ، اور اگر صورت برعکس ہے تو وہ ظلم ، ہلاکت اور مصائب و نوائب کا شکار ہو کر رہ جائے گی ۔

یہ نظریۂ سلطنت و حکومت ، خلافت کے اس مفہوم کی یکسر نفی ہے ، جو خلفا راشدین کے زمانے میں مراد لیا جاتا تھا ، اس لیے کہ اس زمانے میں خلافت انتخابی اصول پر مبنی تھی اور اس کی قوت کا مرجع قوم تھی اور اس کے احکام و فرامین مطلق العنانہ نہیں ہوتے تھے ، بلکہ قرآن کریم اور سنت نبوی ؐ کی روشنی میں بر سرکار آتے تھے ، جیسا کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا تھا :

''اگر میں ٹھیک سے چلوں تو میرا ہاتھ بٹاؤ ، اور اگر ٹیڑھا چلوں تو سیدھا کر دو !''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کا قول تھا :

''میں تم میں سے کسی سے بھی بہتر نہیں ہوں ، البتہ تم سب کے مقابلے میں زیادہ گراں بار ضرور ہوں[1] !''

اس کے برعکس ہارون رشید اپنے اسلاف خلفا عباسیین کی طرح ہر ہر قوت کا محور تھا اور امور مملکت و سلطنت سے متعلق جملہ امور کا مرجع صرف اس کی ذات تھی اور جب اسے یہ وسیع اور غیر مسئول اختیارات حاصل تھے تو یہ بات بھی پورے طور پر اس کے اختیار میں تھی کہ جتنے اور جیسے استبداد کے ساتھ چاہے حکومت کرے ، نہ کوئی اسے روکنے والا تھا ، نہ ٹوکنے والا ۔ رعایا کے احساسات کی پروا کرنے کی اسے ضرورت نہ تھی ، اپنے حاجب اور وزیر وہ بطور خود اپنی صواب دید پر منتخب کرتا تھا ۔ اس کی شخصیت ، جلال ، ہیبت اور تقدس کا پیکر بن گئی تھی ۔ جو شخص اس کے حضور میں حاضر ہوتا ، اسے جھکنا پڑتا ، زمین ادب کو بوسہ دینا پڑتا اور اگر قوم کے اکابر میں سے کسی کو شرف حضوری حاصل ہوتا تو وہ صرف امیرالمومنین کے قدم چومتا ، ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور دامن کو آنکھوں سے لگاتا ۔ یہ بالکل وہی صورت تھی جو فارس کے اکاسرہ کے ہاں رائج تھی ۔

۱۔ تاریخ الاسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۶ ۔

اور یہ ''نظریہ حق الٰہی مقدس'' کا مفہوم صرف خلیفہ یا اس کے حاشیہ نشینوں کی طرف سے محض ایک ادعا یا اعتقاد نہیں تھا ، بلکہ یہ ایک مستقل نظام تھا ، جس پر دولت عباسیہ کی بنیاد و اساس قائم تھی ۔ علما اور رجالِ دین کے طبقے نے بھی اس نظریے کے فروغ اور ترویج میں کافی حصہ لیا تھا ، سوا ان چیدہ علما کے جو اس کے مخالف تھے اور اسے ناپسند فرماتے تھے ۔ یہ علما ہی تھے جنھوں نے خلیفہ کے لیے ''امام'' کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا ، جس کا مقصد اس نظریے کی دینی توکید تھی ، جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے :

ذاک سیف النبی فی سالف الدھر
و ھذا سیف الامام الرشید

یعنی :

گذشتہ عہد میں وہ نبیؐ کی تلوار تھی
اور یہ جو تلوار ہے ، امام رشید کی ہے

یہ بات نظر سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ امام کا لقب عہد خلفا راشدین میں ، نہ معروف تھا ، نہ رائج تھا ۔ اس طرح بنوامیہ کے زمانے میں بھی اس لفظ کا رواج شروع نہیں ہوا تھا ، یہ لفظ اس شخص کے لیے استعمال کرتے تھے جو نماز کی امامت کیا کرتا تھا ۔ ہاں شیعہ امامیہ اس لفظ کو ضرور استعمال کرتے تھے ، جن کا یہ اعتقاد تھا کہ خلافت صرف علیؓ بن ابی طالب کے آل بیت کا حق ہے[1] ۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے نظم مملکت کو قائم اور برقرار رکھنے کے سلسلے میں جس حکومت نے وزرا کا تقرر کیا وہ عباسی حکومت ہے ۔ درحقیقت یہ نظام وزارت بھی دوسرے بہت سے اصولوں اور قاعدوں کی طرح عباسیوں نے اہل فارس سے اخذ کیا تھا ۔ نظام وزارت کو انھوں نے متعدد طبقات میں تقسیم کر دیا تھا ۔

پامر (Palmer) لکھتا ہے :

---

۱ ۔ النظم الاسلامیہ ، صفحہ ۳۶

''چونکہ عباسی اپنی حکومت و سلطنت کے قیام میں فارسی نفوذ کے ممنون اور اس سے متاثر تھے ، لہٰذا یہ بالکل طبیعی بات تھی کہ فارسی افکار کا ان پر غلبہ رہتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دولت عباسیہ کے ممتاز ترین اور اہم ترین وزرا اہل فارس میں تھے یا فارسی الاصل تھے۔ اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خلافت عباسیہ نے جو نظام اختیار کیا تھا ، وہ تمام تر وہی تھا جو فارس کی شہنشاہیت کا کبھی تھا!!''[1]

عباسیوں کے زمانے میں وزارت کی دو قسمیں تھیں :

۱ - وزارت تفویض

۲ - وزارت تنفیذ

وزیر تفویض وہ شخص ہوتا تھا جو تمام امور میں خلیفہ کا مدد گار ہوتا تھا اور اپنے منصب کے اعتبار سے جملہ شئون دولت کے فیصلے کیا کرتا تھا ، شاہی فرامین اور مکاتیب پر یہی خلافت کی مہر لگایا کرتا تھا، کبھی خلیفہ سے مشورہ کرنے کے بعد اور کبھی محض اپنی صواب دید پر بغیر مشورہ کیے ہوئے۔ یہ منصب خلیفہ اسی شخص کو سونپتا تھا ، جو نظم و مملکت کا غیر معمولی تجربہ رکھتا ہو ، نیز علم و رائے کے اعتبار سے مانا ہؤا ہو ، حد سے زیادہ سخی اور دریا دل ہو ، سب سے زیادہ خلیفہ کا معتمد ہو اور ہر وقت خلیفے کی خدمت میں بے دھڑک حاضر ہو سکتا ہو۔

وزیر تفویض کو غیر معمولی اور بڑی حد تک مطلق العنانہ اختیارات حاصل تھے ــــ جیسا کہ یحییٰ بن خالد برمکی کو حاصل تھے ــــ بیت المال اور اس کے حساب کتاب کے معاملات میں اسے پوری آزادی حاصل تھی ، عدل و انصاف کے اجرا کے سلسلے میں بھی وہ پورے اختیارات رکھتا تھا۔ حفظ دین و اخلاق اور ملک میں امن و امان قائم اور برقرار رکھنے کی ذمہ داری بھی اسی کی تھی ۔ فوجی معاملات و مہمات کے سلسلے میں بھی اسے پوری توجہ مبذول رکھنا پڑتی تھی ، صناعت اور زراعت کی ترقی اور

---

۱ - Palmer : 127

پیداوار کے اضافے کی جد و جہد بھی اس کی فرد عمل میں شامل تھی ؛ رفاہ بلاد کے سلسلے میں بھی وہ جو چاہے کر سکتا تھا ، غرض جملہ انتظامی معاملات اسی کے ہاتھ میں تھے اور وہ خود مختارانہ طور پر انہیں انجام دیتا تھا ۔

البتہ تین امور ایسے تھے ، جن میں وہ بے بس تھا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا :

۱ ۔ وہ کسی کو ولی عہدی کا منصب عطا نہیں کر سکتا تھا ۔

۲ ۔ استعفا من الخلافت ۔

۳ ۔ کسی ایسے شخص کو معزول نہیں کر سکتا تھا ، جسے خلیفے نے کسی منصب پر فائز کیا ہو ۔

یہ تینوں امور خلیفے کی ذات سے خاص تھے ، ان کے بارے میں صرف وہی فیصلہ کر سکتا تھا ۔

وزیر تنفیذ کا کام یہ تھا کہ خلیفے کے احکامات و ہدایات کو بغیر کسی کمی بیشی کے جوں کا توں نافذ کرے ۔

علاوہ ازیں وزیر تنفیذ کو یہ اختیار بھی تھا کہ اگر کوئی بات موزوں اور مناسب سمجھے تو خلیفے کو اس کا مشورہ دے ، نیز خلیفے کو رعایا کے حالات اور اخبار بلاد و امصار سے با خبر اور واقف کرتا رہے ، اس کی مجالس خاصہ میں پابندی کے ساتھ شریک ہوا کرے اور راز کی باتوں سے بھی واقف رہے ۔ وہ ایک ایسا اشکالی آلہ تھا ، جو راعی اور رعایا کے مابین ، اتصال کا کام دیتا تھا ۔

رشید نے وزارت تفویض کا منصب یحییٰ بن خالد برمکی کو سونپ رکھا تھا اور اسے مطلق طور پر ہر طرح کے اختیارات دے رکھے تھے ، اس کی موجودگی میں رشید نے وزیر تنفیذ کے تقرر کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی ، یہ فرائض بھی وہی انجام دیتا تھا ، البتہ بعد میں اس نے یحییٰ سے کار وزارت لے کر جب اس کے بیٹے فضل برمکی کو وزیر بنایا تو اس کے ساتھ ساتھ ایک وزیر تنفیذ کا بھی تقرر کیا اور جب اس نے جعفر برمکی — یحییٰ برمکی کے بیٹے ...... کو وزارت کا منصب عطا کیا تو اس کے باپ

اور بھائی کو وزارت تفویض کی ذمہ داری سونپ دی۔ اس طرح تینوں برمکی ـــــ یحییٰ، فضل اور جعفر ـــــ وزارت کے منصب پر بلا شرکت غیرے قابض اور متصرف رہے، یہاں تک کہ ان کا معاملہ ہی ختم ہوگیا۔

خلیفے کا ایک منصب دار "حاجب" کے نام سے بھی ہوتا تھا، یہ باب خلافت پر موجود رہتا تھا۔

حجابت کا منصب کوئی نیا منصب نہ تھا، یہ اموِیوں کے زمانے میں بھی موجود تھا، عباسیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا اور اس منصب کے کاموں میں کچھ مزید اضافے کر دیے۔ مثلاً یہ کہ حاجب خلیفے تک صرف انھی لوگوں کو جانے دیتا تھا، جو کسی بہت ہی اہم اور قابل قبول سبب سے ملاقات اور باریابی کے آرزو مند ہوں۔ ورنہ رخصت کر دیتا تھا اور ملنے نہیں دیتا تھا۔

جن لوگوں کو بہت ہی اہم اور قابل قبول سبب سے خلیفے کے پاس جانے کی اجازت دیتا تھا، ان کے لیے بھی اسے خلیفہ سے اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔

رشید دو طرح کے دربار منعقد کیا کرتا تھا:

۱ - دربار خاص

۲ - دربار عام

ان درباروں میں لوگ اجتماعی طور پر اپنی حیثیت اور شخصیت کے مطابق حاضر ہو سکتے تھے، یہ کام حاجب کا تھا کہ وہ طے کرے، کون شخص دربار خاص میں حاضر ہونے کا سزاوار ہے اور کسے دربار عام میں حاضر ہونے کی اجازت دینی چاہیے۔

یہ کام بھی حاجب ہی کا تھا کہ وہ زائرین ـــــ دربار خاص یا دربار عام میں شریک ہونے والوں ـــــ کے لیے وقت اور مقام کا تعین کرے۔

ان امور میں حاجب کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوتا تھا، اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔

اور اگر کوئی حادثہ ـــــ اجازت حاصل کر کے دربار میں جانے والوں کے سبب ـــــ واقع ہو جاتا تھا تو اس کی تمام تر ذمے داری صرف حاجب

ہی پر ہوتی تھی ۔

حاجب کا منصب صرف اس شخص کو عطا کیا جاتا تھا ، جس کا شمار کبار رجال میں ہو اور جو اپنی فہم و فراست اور عوامی حالات سے غیر معمولی واقفیت کی بنا پر بہت ممتاز اور نمایاں ہو ، اس لیے کہ یہ بڑی ذمے داری کا کام تھا ، خلیفے کے ذاتی اسرار تک سے یہ واقف ہوتا تھا ، اس لیے لازمی تھا کہ جسے مقرر کیا جائے ، وہ وجیہ ہو ، ثقافت و شائستگی سے بہرہ ور ہو اور صفات و اوصاف خصوصی کے لحاظ سے اہم شخصیت کا حامل ہو ۔ یہ قصر خلافت کے تمام امور کا انچارج ہوتا تھا ، لوگوں کے سامنے اس کی حیثیت خلیفے کے ترجمان کی ہوتی تھی ۔

رشید اپنے حاجبوں پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتا تھا ، بعض حاجبوں کو تو ان کے معین شدہ اختیارات و حقوق سے زیادہ اختیار اور حقوق عطا کر رکھے تھے ، مثلاً تولیت ، عزل ، کتابت اور نسخ کے اختیارات ایک خاص اور معین دائرے کے اندر اندر !

حاجبوں کو ان کی استمالت کے لیے خلیفہ انعام و اکرام اور مال و زر سے بھی نوازتا رہتا تھا ، چنانچہ روایت ہے کہ ایک حاجب کی آمدنی بعض صورتوں میں عطیات و ہبات ملا کر وزرا کی آمدنی سے بھی کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی[۲] ۔

رشید کی خلافت کے ابتدائی دور میں پہلے پہل جو شخص حاجب بنایا گیا ، وہ بشر بن میمون تھا ، کچھ عرصے کے بعد خلیفہ نے اسے معزول کر دیا اور محمد بن خالد کو یہ منصب عطا کر دیا ۔

محمد بن خالد کے بعد فضل بن ربیع حاجب بنایا گیا ، بعد ازاں اس کا بیٹا عبدالملک بن فضل اس منصب پر مامور ہوا !

مسلمانوں کے عہد حکومت کے آغاز میں ، جو نظام مملکت رائج تھا ، وہ ''لا مرکزی'' نظام سے مشابہ تھا ، کیونکہ والی (گورنر) اپنی ولایت میں خود مختارانہ اور مستقل اختیارات کا حامل ہوا کرتا تھا ، خلیفہ سے اس کا

---

۱ ۔ تاریخ الاسلام ، جلد ۲ ، صحفہ ۲۰۲ ۔

۲ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۱ ۔

ربط و تعلق بہت اونچے قسم کے سیاسی معاملات سے متعلق امور میں قائم رہتا تھا، ورنہ ویسے وہ بالکل آزاد اور خود مختار تھا۔

لیکن عباسی خلافت کے دور میں ''لا مرکزی'' نظام ختم ہو گیا اور اس کے بجائے ایسا نظام رائج ہؤا، جو مرکز کی بنیاد پر قائم تھا۔ یعنی مرکز کو اصل اختیارات حاصل تھے۔ مرکز، عمال اور ولاۃ کی کڑی نگرانی رکھتا تھا اور ان کے افعال و اعمال کی جانچ کرتا رہتا تھا، اور انہیں اس کا موقع نہیں دیتا تھا کہ اپنی اقلیم میں غیر معمولی اثر و نفوذ حاصل کر لیں۔ ان کے اختیارات پہلے کے مقابلے میں کم اور محدود ہو گئے تھے اور ان کے ماتحت اقلیموں اور ولایتوں کے بعض معاملات و مسائل کا فیصلہ براہ راست مرکز خلافت سے ہوتا تھا۔

وزیر تفویض سے صلاح و مشورے کے بعد، رشید کسی شخص کو، عامل مقرر کرتا تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عامل کا تقرر خود نہیں کرتا تھا، بلکہ یہ کام وزیر تفویض کے حوالے کر دیتا تھا۔

رشید کے عہد خلافت میں جو نظام حکومت رائج تھا، اس میں ولایت (گورنری) متعدد انواع میں منقسم تھی۔

ایک ''ولایت کبیر''[1] تھی، جس پر عام طور پر اس کا کوئی بیٹا فائز کیا جاتا تھا، یا کوئی ایسا شخص مامور ہوتا تھا جو رشید کا حد درجہ معتمد علیہ ہو اور وہ اسے حد درجہ عزیز و محبوب رکھتا ہو اور تمام امور میں اس پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہو۔

مملکت کے اطراف میں متعدد اقالیم و امصار تھے، جو شخص ان میں سے کسی کا والی مقرر ہوتا تھا وہ یا تو بغداد کی اقامت رکھتا تھا یا اپنی اقلیم میں اسے یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ خلیفے سے مشورہ کرنے کے بعد، اپنی جانب سے کسی کو قائم مقام بنا کر بھیج دے اور وہ اس کی طرف سے امور انجام دیتا رہے۔ یہ شخص اصل والی کے نمائندے کی حیثیت سے کام کرتا تھا، ذاتی طور پر اسے کوئی اختیار نہ تھا، لیکن نمائندے کی حیثیت سے وہ تمام اختیارات حاصل تھے جو والی کو تھے۔

---

۱ - یعنی گورنر جنرل سے مشابہ منصب - مترجم

ہر اقلیم کا والی جدا جدا ہوا کرتا تھا ، یہ اس لیے تھا کہ والی اور واجبات کو اچھی طرح سے انجام دے سکے ، پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ احکام و معاملات پر نظر رکھے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے اور خراج کی وصولی اور بہم رسانی میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہونے دے ، امن قائم رکھے اور دین کی حمایت و حفاظت میں سرگرم رہے ، نماز کی امامت کرے ، حج کے موسم میں حجاز مقدس کی طرف وفود روانہ کرے ، دشمنان اسلام و مسلمین سے ، جنگ و پیکار کے سلسلے میں فوج تیار رکھے اور جنگی تیاریوں میں کسی طرح کا خلل نہ آنے دے۔

یہ صورت تو تھی ولایت کاملہ کی ،

لیکن ایک صورت ولایت ناقصہ کی بھی تھی[1]

اس کی صورت یہ تھی کہ خلیفہ والی کے پاس دوسرے عاملوں کو اس غرض سے متعین کرتا تھا کہ وہ مالی انتظام کی دیکھ بھال کریں ، یا خراج وصول کریں ، یا نظام ڈاک کی استواری کا بندوبست کریں ، یا عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کریں ، اسی طرح کے کئی اور کام بھی تھے جو ان عاملوں سے والی کے تقرر اور موجودگی کے باوجود خلیفے کے حکم سے کیے جاتے تھے۔

والی کو کسی صورت میں بھی یہ حق حاصل نہ تھا کہ اس عامل کو معزول یا برخاست کر دے جسے خلیفے نے مقرر کیا ہو۔

رشید کے دور حکومت میں جو ولائتیں قائم تھیں ، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

کوفہ ـــ سواد ـــ بصرہ مع اقلیم دجلہ و بحرین و عمان ـــ حجاز ، یمامہ سمیت ـــ یمن ـــ اہواز ، جس میں خوزستان ، بجستان ، فارس ، خراسان ، موصل ، جزیرہ ، آذر بائیجان ، شام اور فلسطین ، شامل تھے ـــ مصر ، جس کے ساتھ افریقہ بھی ملحق تھا اور سندھ بھی۔

---

۱ - جیسے پہلے زمانے میں لیفٹیننٹ گورنر ہوا کرتا تھا ۔ مترجم

اس درو بست میں کچھ عرصے کے بعد ، خلیفے نے کچھ مزید تغیرات کیے ، مثلاً اس نے سرحدوں کو ، جزیرے سے الگ کر لیا اور ان کا نام عواصم رکھا اور اسے ایک مستقل ولایت کی حیثیت دے دی ، اسی طرح شمالی افریقہ کو مصر سے نکال لیا اور صقلیہ (سسلی) کی ولایت کو افریقہ کے ماتحت کر دیا[1] ۔

رشید کی حکومت جس اعتبار سے خاص امتیاز کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ نظم مملکت کے سلسلے میں دفاتر اور سرکاری کارگذاریوں کا نہج تقریباً اسی طرح تھا جیسا آج کے زمانے میں نظر آتا ہے ۔

دفاتر اور محکموں کی تقسیم و تنظیم اور ترتیب میں بڑی جان کاہی سے کام لیا گیا تھا اور انہیں زیادہ سے زیادہ مؤثر اور فعال و کارگذار بنانے کی پوری کوشش کی گئی تھی ۔

جو دفاتر اور دواوین قائم کیے گئے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم ''دیوان زمام'' کا منصب تھا ، جو آج کل کے لحاظ سے (آڈیٹر جنرل) کے منصب کی طرح کا تھا ۔ جملہ سرکاری محکموں کے حسابات کی یہاں تنقیح اور جانچ پڑتال ہوتی تھی ، اس کی نگرانی اور سربراہی ایسے اشخاص کے ذمے تھی ، جو جملہ محکموں کے مالیات کی نگرانی کرتا تھا اور اسے ہر محکمے پر اقتدار حاصل تھا ، مثلاً دیوان رسائل ، جو خلیفے اور وزیر کی امداد ، تقریبات اور امور خاص کی بجا آوری میں کرے ، نیز سیاسی خطوط کی تسوید (ڈرافٹنگ) و تحریر بھی اس کے ذمے تھی اور مہر خلافت بھی اسی طرح کی تحریروں پر یہیں لگتی تھی ۔ مختلف اقالیم سے خلیفے کی خدمت میں جو عرضداشتیں اور تحریریں آتی تھیں ، یا غیر حکومتوں کی طرف سے جو مراسلت ہوتی تھی ، اس کا تعلق بھی اسی محکمے سے تھا ۔

دیوان (محکمہ) خراج کا کام یہ تھا کہ خراج اور جزیہ وغیرہ کے حسابات مرتب کریں[2] ۔

ایک محکمہ ''دیوان طراز'' کے نام سے موسوم تھا ، یہاں وہ حساب

---

۱ ۔ خان کریمر ، صفحہ ۲۱۸ ۔

۲ ۔ خان کریمر ، صفحہ ۲۱۸ ۔

رکھا جاتا تھا، جو خلیفہ، وزیر، امرا اور سرداران فوج کے واسطے لباس فاخرہ اور خلعت کی صورت میں سونے یا چاندی کے تاروں سے اعلیٰ قسم کے ریشمی دھاگے سے تیار کیے جاتے تھے۔

دیوان جند کا کام یہ تھا کہ فوج کے حسابات کی تنظیم کرے اور سپاہیوں کی تنخواہ اور الاؤنس وغیرہ کو مرتب رکھے۔ نیز جب فوج، کسی شورش کو دبانے یا جہاد کی غرض سے کوچ پر آمادہ ہو، تو اس کے ضروریات و احتیاجات کا سر و سامان بہم پہنچائے۔

دیوان برید کے نام سے ڈاک کا محکمہ قائم تھا، اقالیم اور دیار و امصار میں جو خط و کتابت ہوتی تھی، اسے مکتوب الیہ تک پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔

علاوہ ازیں، حالات اور واقعات کی ٹوہ میں بھی یہ محکمہ لگا رہتا تھا اور ان سے خلیفے کو باخبر رکھتا تھا۔ عمال و حکام کی پوشیدہ نگرانی بھی اس کے ذمے تھی، ان کے کردار و اعمال کا یہ جائزہ لیتا رہتا تھا، اور اس سے بھی خلیفے کو باخبر رکھتا تھا۔

دیوان مظالم یعنی محکمۂ قضا کا یہ کام تھا کہ قاضیوں اور ججوں کے حالات سے باخبر رہے اور اجرا عدل سے متعلق تمام باتوں کو نگہ میں رکھے اور ان کا تدارک کرتا رہے۔

دیوان شرط، یعنی محکمۂ پولیس، عام نظم و ضبط کا ذمے دار تھا۔

ایک محکمہ "دیوان الاکرہ" کے نام سے قائم تھا، جو زراعت اور کاشت سے متعلق امور و شؤن کی بجا آوری کیا کرتا تھا۔

ان محکموں کے علاوہ بھی بہت سے محکمے تھے جو حکومت کے حالات و ضروریات سے متعلق اپنی ذمے داریاں خوش اسلوبی کے ساتھ نظم و ضبط کے ماتحت انجام دیا کرتے تھے۔

رشید کے عہد میں ایک اور بہت ہی اہم محکمہ تھا، جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ غیر مسلموں کے مصالح کو پیش نظر رکھے اور اسی اصول کے ماتحت اپنی سرگرمیاں جاری رکھے، اس محکمے کے سربراہ کو "جہباز" کہا کرتے تھے۔

ان محکموں میں سے ہر محکمے کا ایک افسر ہوتا تھا ، یا کاتب ، جس کے لیے ضروری تھا کہ اپنے محکمے سے متعلق تمام امور پر اچھی طرح سے حاوی ہو۔

مثلاً دیوان جند یعنی محکمہ فوج کا کاتب وہ ہوتا تھا جو حساب کتاب میں ، جانوروں کے رنگ و روپ کی پہچان میں اور ساز و سامان جنگ کے بارے میں مکمل ترین معلومات رکھتا ہو اور اس کے اعتبار سے دوسروں پر امتیاز خاص رکھتا ہو۔

''دیوان مظالم'' یعنی محکمہ عدل کا کاتب ، لازمی تھا کہ شرع اسلامی کے شروط و احکام سے پورے طور پر باخبر ہو ، قرآن کے ناسخ اور منسوخ کا بھی اچھی طرح سے شناسا ہو ، حلال و حرام کے جملہ مسائل سے واقف ہو ، فروع اور وراثت کے سلسلے میں بھی تمام مسائل اس کی نظر میں ہوں ، غرض اپنے محکمے کو اچھی طرح سے چلانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

رشید کے عہد میں محکمہ جات کے کاتبوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ، ان کی تنخواہ عام طور پر تین سو درہم ماہوار ہؤا کرتی تھی[1] ۔ یہ لوگ اونچے طبقے میں شامل ہوتے تھے اور حکومت کے اہم عہدہ داروں میں ان کا شمار ہوتا تھا ، انہیں ہفتے میں دو چھٹیاں —— جمعرات اور جمعہ —— ملا کرتی تھیں ، ان تعطیلات کے علاوہ عیدین اور دوسری مذہبی تعطیلات انہیں حاصل تھیں[2] ۔

یہ سب کاتب ، اپنے اپنے محکمے سے متعلق وزیر کے براہ راست ماتحت ہوتے تھے اور اپنے حسابات ، دیوان زمام کے سامنے پیش کیا کرتے تھے ، جس کا سربراہ اس زمانے میں ''عمر بن مطرف الکاتب'' تھا ۔ اس کا شمار ان معدودے چند لوگوں میں تھا جن کا رشید غیر معمولی احترام

---

۱ - تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ -

۲ - الجہشیاری ، ۱۶۶ -

کرتا اور جن پر بہت زیادہ بھروسہ کرتا تھا ۱ ۔

چونکہ رشید کے عہد میں مرکزی نظام حکومت رائج تھا ، لہٰذا اس کی حکومت نے تنظیم برید کی طرف خاص طور پر زیادہ سے زیادہ توجہ کی ، بغداد میں نہایت وسیع پیمانے پر محکمہ ڈاک قائم کیا گیا ، اس کی مختلف شاخیں تھیں اور مملکت کے دور دراز مقامات تک بغیر کسی استثنا کے پھیلی ہوئی تھیں ۔ محکمہ ڈاک کا میزانیہ بھی بہت بڑا تھا ، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ دور دراز مقامات تک بغیر کسی دشواری کے پابندی کے ساتھ ڈاک پہنچا سکے اور اس سلسلے میں جملہ وسائل بہ آسانی مہیا کر سکے : مثلاً تیز رفتار سانڈنیاں ، ہوا سے باتیں کرنے والے خچر ، چست و طرار گھوڑے اور تارا بن کر اڑ جانے والے کبوتر ، تاکہ غیر معمولی نوعیت کی ڈاک براہ راست منزل مقصود تک پہنچا سکیں ۔

''صاحب برید'' یعنی پوسٹ ماسٹر جس کا انتخاب و تقرر رشید بذات خود کرتا تھا اور جو اس کا حد درجہ معتمد اور امین ہوتا تھا اور جس کی شخصیت اور سیرت بالکل بے داغ ہوتی تھی ۔ یہ شخص صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا تھا کہ خلیفے کے احکام و فرامین گورنروں اور حاکموں تک پہنچا دے اور اقالیم و امصار کے حالات کے کوائف خلیفے کے گوش گذار کر دے ، بلکہ یہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ عمال و حکام کے اقدام و عمل اور ان کے تصرفات کی نگرانی بھی کرتا تھا اور دشمنوں کے حالات اپنی حد سے باہر جا کر بھی کسی نہ کسی طرح معلوم کر لیتا تھا ۔ اپنے ان معلومات کی بنا پر بڑی آسانی سے کسی آنے والے خطرے سے خلیفے کو ہوشیار کر دیتا تھا اور جب حالات پر امن ہوتے تھے اور کوئی اندیشہ اور خطرہ نہیں ہوتا تھا تو اسے مطمئن بھی کر دیتا تھا ۔ یہ شخص ملک کے کونے کونے اور گوشے گوشے کے حالات سے واقفیت بہم پہنچاتا رہتا تھا ۔

---

۱ ۔ دیوان ازمہ (یعنی محکمہ زمام) کی ریاست عمر بن مطرف کے ہاتھ میں بہ عہد رشید اس وقت تک رہی جب تک اس کا انتقال نہ ہو گیا ، سال وفات ۱۸۸ھ ہے ، ملاحظہ ہو معجم الادبا ، جلد ۱۶ ، صفحہ ۷۳ ۔

ہر ملک ، ہر قوم ، ہر گروہ سے متعلق اس کے پاس صحیح اور مستند معلومات کا ذخیرہ موجود رہا کرتا تھا ، حتیٰ کہ بازار کے نرخ اور مال کی کھپت اور زراعت و صنعت و حرفت اور اقتصادیات ملکی کے تمام پہلوؤں سے بھی مکمل طور پر آگاہ رہتا تھا ۔

صاحب برید کو یہ اختیار تھا کہ اقالیم و امصار میں اپنے اعوان و عمال ، خود اپنی صواب دید سے منتخب اور مقرر کرے اور انہیں ضروریات زندگی سے بے نیاز کر دے ۔ راستے کا امن برقرار رکھے اور ان کے لیے مختلف (مختصر) فاصلوں پر قیام گاہ اور راحت و آسائش کے وسائل بہم پہنچائے ، ان کے لیے سواریاں بروقت تیار رہیں اور ساز و یراق سے لیس جانور ایک اشارے پر بھاگنے کو تیار ہوں اور جہاں انہیں سواری بدلنے کی ضرورت ہو ، وہاں بغیر کسی تاخیر کے یہ کام انجام پا سکے ، ضرورت ہو تو امداد و اعانت کے لیے مسلح سپاہی بھی ساتھ رہیں تاکہ بغیر کسی خطرے اور اندیشے کے ملک کے بعید ترین مقام پر نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ وہ پہنچ جایا کریں ۔

رشید کے زمانے میں یہ محکمہ بہت ترقی کر گیا ، یہاں تک کہ مشہور تھا کہ صاحب برید ہر روز ملک کے ہر گوشے سے خبریں حاصل کرتا تھا ، اور خلیفے کے گوش گذار کر دیتا تھا ۔

صاحب برید کے بارے میں لوگ کہا کرتے تھے :

''اس کی آنکھ کبھی آلودۂ خواب نہیں ہوتی اور ملک کے بعید ترین گوشوں کو دیکھتی رہتی ہے[1] ۔''

انتظامیہ کے اہم ترین محکموں میں سب سے زیادہ اہم محکمہ پولیس کا تھا جو متعدد انواع میں منقسم تھا ۔

ایک نوع وہ تھی ، جو شرطۃ عاصمہ کہلاتی تھی ، یعنی پایۂ تخت کی پولیس ۔ اس کا کام یہ تھا کہ امن و امان قائم رکھے ، کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نہ ہونے دے ۔ باشندگان بغداد کی راحت اور آسائش کی نگہداری کرے ، رشید کے اہل خاندان کے جو محلات و قصور تھے ان کی حفاظت

---

۱ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۱

کرے ۔ اس کا سربراہ ہمارے آج کل کے زمانے کے انسپکٹر جنرل کے مانند تھا ، یہ بہت اہم اور بڑا منصب تھا ، یہاں تک صرف وہی لوگ پہنچ سکتے تھے ، جو خلیفے کی نگاہ میں اعتبار رکھتے ہوں ، اس کے معتمد اور مقرب بارگاہ ہوں ۔

رشید کے زمانے میں جو لوگ اس منصب پر فائز ہوئے وہ ترتیب وار یہ ہیں : قاسم بن نصر ، پھر خزیمہ بن خازم ، اس کے بعد سیبب بن زہیرالضبی ، بعد ازاں عبداللہ بن مالک اور علی بن جراح الجزاعی اور سب سے آخر میں عبداللہ بن حازم ۔ اس منصب پر فائز ہونے والوں میں کافی لوگ افسران فوج میں سے تھے جو اپنی فوجی شان بھی قائم رکھتے تھے ۔ ان کی بڑی بڑی تنخواہیں تھیں ، جو سالانہ پانچ لاکھ درہم سے متجاوز تھیں[2] ۔

پولیس کا ایک محکمہ وہ تھا جو عہد جدید کی انتظامیہ کی طرح عدالتی کاروائیوں کا بھی مجاز تھا ، اس سلسلے میں ابن خلدون کا بیان ہے :

''یہ محکمہ اس لیے قائم کیا گیا تھا ــــ اور یہ بنو عباس کے عہد ہی میں قائم ہؤا تھا ــــ کہ جرم کی منصوبہ بندی یا تیاری کے وقت ہی مبینہ مجرموں پر ہاتھ ڈال سکے اور جب جرم ثابت ہو جائے تو انہیں باقاعدہ سزا کا مورد بنا سکے ۔ کیونکہ جرائم کے سلسلے میں تہمت اور الزام کی کوئی اہمیت شرع کی نظر میں نہیں ہے ، وہ تو اسی وقت سزا دے گی جب جرم سرزد ہوچکا ہو اور ثابت ہو چکا ہو ، لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے ، اگرچہ حکم (سزا) نہ صادر ہو سکتا ہو ، لیکن قرائن موجود ہوں اور مصلحت عامہ کا تقاضا ہو تو اقدام کیا جاسکتا ہے ۔ محض جرم کے آغاز کے وقت اور حدود کا نفاذ اس وقت ہوگا جب فیصلہ کر دیا جائے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حدود اور قتل کے مقدمات قاضی کے بجائے اسی عدالت میں پیش ہوتے تھے[3] ۔''

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۲ ۔

۲ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۱

۳ ۔ مقدمۂ ابن خلدون ، صفحہ ۲۱۸

رشید کے زمانے میں پہلی مرتبہ تفتیش جرائم اور اقامت حدود کا کام صاحب الشرطہ (پولیس کا افسر اعلیٰ) کو سونپا گیا، البتہ ملک کے جملہ طبقات اس کی دسترس میں نہیں تھے صرف عوام تھے۔ اونچے طبقے کے خواص کا معاملہ براہ راست خلیفے کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا اور وہی فیصلہ کرتا تھا، یا خلیفہ کا وزیر مقدمے کی نوعیت پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرتا اور فیصلہ کر دیتا تھا[1]۔

اقالیم میں والیوں کے پاس بھی پولیس موجود رہتی تھی اور والی براہ راست اور بذات خود اس کے افسر اعلیٰ کا انتخاب کرتا تھا اور روایت یہ چل نکلی تھی کہ اس منصب پر وہ شخص فائز کیا جاتا تھا جو صاحب قومیت و عصبیت ہو، کیونکہ پولیس کے دوسرے افراد کو وہ خود منتخب کرتا تھا جو اس کے اعوان اور اعزا میں سے ہوتے تھے، تاکہ صدق دل سے جرائم کی روک تھام اور مفسدین کی سرکوبی میں اس کی مدد کریں، امن قائم رکھیں اور نظام حکومت میں خلل واقع نہ ہونے دیں اور یہ صورت صرف اسی طرح ممکن تھی کہ افراد محکمہ اور ان کے رئیس کے مابین پورے طور پر تعاون ہو۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شرطہ اور حرس کے فرق کو سمجھ لیا جائے، اس لیے کہ دونوں کے محکمے اور نظام میں کافی اختلاف تھا۔

اصول یہ بن گیا تھا کہ رشید اپنے حرس (نگہبان) کا افسر اعلیٰ اس شخص کو مامور کرتا تھا جو اس کا خاص معتمد اور مقرب بارگاہ ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ اس پر اعتماد کر سکے۔ اسی طرح شرطہ (پولیس) کے افسر اعلیٰ کا انتخاب بھی وہ خود کرتا تھا اور انہی شرائط کو ملحوظ رکھ کر کرتا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ خلیفہ اپنے مددگار منتخب کرنے کی رئیس حرس کو جب اجازت دیتا تو ان میں سے ایک ایک کے انتخاب میں خود بھی شریک رہتا، اس لیے کہ بہر حال ان سب کا تعلق اس کی ذات خاص سے تھا اور یہ اس کی حفاظت اور نگہداری پر مامور تھے، اس کے برعکس

---

۱ - تاریخ التمدن الاسلامی، جلد ۱، صفحہ ۱۹۱

رئیس شرطہ اپنے اعوان نامزد کرنے میں آزاد تھا ، اس میں خلیفہ عام طور پر دخل نہیں دیتا تھا ۔

جہاں تک مقام اور رتبے کا تعلق تھا ، رئیس حرس اور رئیس شرطہ میں کوئی خاص فرق و امتیاز خلیفہ ملحوظ نہیں رکھتا تھا ، البتہ یہ بات ضروری تھی کہ عام طور پر خلیفے کی بارگاہ میں اول الذکر کو زیادہ تقرب حاصل رہتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی زیادہ ہؤا کرتی تھی ۔

پولیس اور باڈی گارڈ کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر رشید کے نظام حرب اور احوال جیوش پر بھی ایک نظر ڈال لیں ۔

رشید کا زمانہ بحر و بر میں کثرت جہاد اور استمرار رزم و پیکار کے اعتبار سے خاص طور پر ممتاز ہے ۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ، اس لیے کہ رشید (اموی و عباسی) خلفا کے برعکس بہت زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کے میدان میں بہ نفس نفیس موجود رہتا تھا اور یہ شوق اسے کشاں کشاں ، بغداد سے اکثر باہر لے جایا کرتا تھا ۔ اس سے قبل کے زمانے میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کوئی اور خلیفہ اپنی ساری مدت خلافت میں اس کی طرح آمادۂ حرب و ضرب رہا ہو ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس کی افواج باقاعدہ کی تعداد جو خراسان ، عراق اور شمالی افریقہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھی ، لاکھوں نفوس پر مشتمل تھی ، اس کے علاوہ افواج بے قاعدہ کے وہ بے شمار لوگ تھے جو جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر شریک لشکر ہو جایا کرتے تھے ، تاکہ خدا کا تقرب حاصل کر لیں اور ایسے لوگ بھی بہ تعداد کثیر شرکت کیا کرتے تھے ، جن کا مقصد مال غنیمت ہوتا تھا ، ان کی بڑی تعداد صحرا اور بادیہ کے باشندگان پر مشتمل ہوتی تھی ۔

افواج باقاعدہ میں سے ہر دستے کا ایک سالار ہؤا کرتا تھا جو حسن تدبر اور معرفت فنون حرب کے اعتبار سے مانا ہؤا شخص ہوتا تھا اور اپنی فوج کے سامنے خلیفے کے قائم مقام کی حیثیت رکھتا تھا ، یہ سالار اپنے سپاہیوں کو اس سے روکتا تھا کہ دوسروں پر زیادتی اور ظلم کریں ۔ جو لوگ فوج سے

بھاگ کھڑے ہوتے تھے، انھیں سخت سزا دیتا تھا اور جو ارتکاب معصیت کرتے تھے وہ بھی سزا سے نہیں بچ سکتے تھے - دین کے احکام و اوامر کے سلسلے میں وہ سپاہیوں کا احتساب بھی کرتا رہتا تھا، نماز کی امامت بھی اسی کے ذمے تھی -

اس سالار کے علاوہ دوسرے سالار اور افسر بھی تھے، جو چھوٹی چھوٹی ٹکریوں کی سرداری کرتے تھے اور اوپر سے جو احکام آتے تھے ان کی بجا آوری کرتے تھے اور سپہ سالار اعلیٰ کو فوج کے احوال سے باخبر رکھتے تھے، اس کے لوازم ضروریات اور احوال کی اطلاع بھی دیتے رہتے تھے[1] -

رشید کی مملکت سوریا (شام) اور مصر کے ساحلوں پر جنگی بیڑے بھی تیار رکھتی تھی اور ایسی کارگاہیں بھی تھیں، جہاں کشتیاں اور جہاز بنائے جاتے تھے اور وہ سامان بھی تیار کیا جاتا تھا، جس کی بحری جنگ کے لیے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہتی تھی - یہ بیڑہ سلطنت کے ساحلی علاقے کی دیکھ بھال اور حفاظت پر بھی مامور تھا - ہر بیڑے کا ایک سردار ہوا کرتا تھا، جسے امیرالبحر کے نام سے موسوم کرتے تھے، اس کا منصب اور واجبات و حقوق بری فوج کی طرح تھے، اگر کچھ اختلاف تھا تو معمولی اور وہ بھی انتظامی اور معیشی، نیز مخصوص پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے -

بری فوج کا نظام تقریباً وہی تھا جو اہل فارس کے ہاں رائج اور نافذ تھا - یعنی بری فوج کے مختلف حصے ہوا کرتے تھے، جو مختلف ناموں سے موسوم ہوتے تھے مثلاً: میمنہ، میسرہ، قلب، ان سب سے آگے جو حصہ ہوتا تھا، اسے 'مقدمہ' کہتے تھے اور جو سب سے پیچھے ہوتا تھا وہ 'ساقہ' کہلاتا تھا - بری فوج کے اہم ترین عناصر میں سوار، پیادے، اور تیر انداز شامل تھے -

فوج کا ایک حصہ ان لوگوں پر مشتمل تھا، جو دشمن کا محاصرہ کیا کرتے تھے - یہ لوگ منجنیقیں استعمال کرتے تھے، جس سے پتھر اور آگ کی دشمن پر بارش کرتے تھے -

---

١ - مفیدالعلوم، صفحہ ١٨٣ -

اسی طرح ایک اور گروہ تھا جو اصحاب دبابات کہلاتے تھے ، یہ ایک گاڑی ہوتی تھی ، خاصی بلند و بالا اور ہر طرف سے بند ، اس میں کچھ سپاہی چھپ کر بیٹھ جاتے تھے ، پھر شہر پناہ کو سر کرنے کے کام میں فوج کی مدد کرتے تھے[1] ۔

بری فوج کا ایک مستقل صدر دفتر تھا ، جو 'دیوان جند' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ، اس کا فرض یہ تھا کہ فوج کی آسائش کا خیال رکھے ، اسے وقت پر تنخواہ دے ، حسب ضرورت اور حسب طلب اسلحہ بہم پہنچائے ، سواریوں کا بندوبست کرے اور سواری کے لیے جانور مہیا کرے ۔ جنگ اور جہاد کے سلسلے میں جس چیز کی ضرورت ہو اس کا فوراً انتظام کرے ، دوران فتوحات میں جو کچھ حاصل ہو ، اس میں سے بیت المال کا حصہ وصول کرے ۔

بحری بیڑے کے لیے بھی ایک جداگانہ صدر دفتر تھا ۔

اس دفتر کی ذمے داری یہ تھی کہ حسب ضرورت اور حسب طلب کشتیاں اور جہاز فراہم کرے اور اس سلسلے میں جو دوسری ضرورتیں لاحق ہوں ان کا در و بست کرے ، نفقات اور غنائم کا حساب کتاب رکھے ۔

رشید کے زمانے میں بری اور بحری فوج جدید ترین اسلحہ سے آراستہ تھی اور یہ اسلحہ وافر تعداد میں اس کے پاس رہتے تھے ۔ چنانچہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عہد رشید کی بری اور بحری فوجیں زبردست قوت کی مالک تھیں ۔

آج کل کے سپاہی کی حالت اتنی اچھی نہیں ہے جتنی رشید کے زمانے میں تھی ، کیونکہ خزانہ مالا مال تھا اور مملکت کی اقتصادی حالت حد درجہ بہتر تھی ۔ ایک معمولی سپاہی کی تنخواہ بیس درہم تھی ، جو آج کل کی گرانی اور ضروریات زندگی کی کثرت کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی ۔ ساتھ ہی ساتھ ہر سپاہی کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ وہ اپنے خاندان اور اہل خانہ سے چار ماہ سے زیادہ جدا نہیں رہ سکتا تھا ، اس مدت کے بعد لازمی طور پر اسے گھر جانے کی چھٹی مل جایا کرتی تھی ۔

---

١ - تاریخ الاسلام السیاسی ، صفحہ ١٨٢ ۔

محکمۂ قضا

عباسیوں کے اوائل عہد میں عموماً اور ہارون رشید کے زمانے میں خصوصاً نظام قضا و عدالت نمایاں طور پر ترقی پر تھا ، کیونکہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مذاہب عالم وجود میں آ چکے تھے ۔ مالکی مذہب ، حجاز ، شام اور مغرب و افریقہ میں خوب پھیلا اور حنفی مذہب عراق اور بلاد فارس میں یکتائی کا ڈنکا بجانے لگا[1] ۔

قاضی کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ انھی دونوں مذاہب میں سے کسی ایک کے مطابق فیصلہ کرے ، اگر قاضی کے سامنے پیش ہونے والے فریقین ، اس کے مذہب پر عامل نہیں ہوتے تھے ، تو وہ ان کا مقدمہ دوسرے قاضی کے پاس بھیج دیتا تھا جو ان کے مذہب کے ہوتے تھے ۔ خلیفے نے ہر شہر میں —— اس اختلاف سے بچنے کے لیے —— ایسے قاضی کا انتخاب کیا تھا جو وہاں کی اکثریت کے فقہی مذہب کا عالم ہوتا تھا[2] ۔

رشید نے قاضیوں کے رئیس کے تقرر کے سلسلے میں ایک جدید عہدہ قائم کیا تھا ، جو 'قاضی القضاۃ' کہلاتا تھا ، جو آج کل کے وزیر انصاف سے مماثل ہوتا تھا ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اس کا مرتب ہوتا تھا ، اس لیے کہ اس کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ مملکت کے حالات و شئون متعلق بہ قضا کی نگہداری کرے اور قاضیوں کے کام کی نگرانی کرے بلکہ اس کی ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ خلیفے کے خاص معاملات سے متعلق فتویٰ بھی صادر کرتا تھا اور شئون عامہ سے متعلق اس کے تصرفات اور اعمال کے بارے میں فیصلہ کرتا تھا ۔ علاوہ ازیں اس کی مجالس علما میں شریک

---

۱ ۔ مذہب شافعی بعد میں نمودار ہؤا ۔

۲ ۔ النظم الاسلامیہ ، ۳۳۴ ۔

رہتا تھا اور جب وہ سفر پر جاتا تھا یا حج کے ارادے سے نکلتا تھا تو اس کے ساتھ رہتا تھا۔

اس منصب پر رشید نے سب سے پہلے جس شخص کو فائز کیا وہ امام ابو یوسفؒ ، یعقوب بن ابراہیم انصاری تھے۔ اپنے زمانے کے کبار فقہا میں ان کا شمار ہوتا تھا ، اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ ذہین و فطین تھے۔ سچی بات کہنے میں بے باک اور کلمۂ حق منہ سے نکالنے میں نڈر۔ امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں تحصیل علم کی، ایک عرصہ دراز تک استاذ کے دامن سے وابستہ رہے۔ امام صاحب کے شاگردوں میں یہ سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے ، مہدی کے زمانے میں بھی قاضی کی حیثیت سے انہوں نے کام کیا تھا اور مہدی کے بعد موسیٰ ہادی کے زمانے میں بھی یہی کام کرتے رہے تھے۔ پھر جب رشید نے اس نئے منصب —— قاضی القضاۃ —— پر انہیں فائز کیا تو انہوں نے بڑی بے خوفی ، جرأت اور حق پسندی کے ساتھ سیاسی اضطرابات ، تنعم اور لذائذ حیات اور ہوا و حرص سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض شان اور وقار کے ساتھ انجام دیے۔ قصر رشید کے احوال و معاملات سے متعلق انہوں نے جو فتوے دیے ان میں بعض بڑے دل چسپ ہیں ، جو کتب ادب و تاریخ میں موجود ہیں[1]۔

شروع شروع میں امام ابو یوسفؒ کا کام صرف یہ تھا کہ قاضیوں کی قابلیت اور علمی حالت کے بارے میں رشید کو مشورہ دیں اور وہ اپنی صواب دید پر جسے چاہے مقرر کر دے ، لیکن کچھ عرصے بعد ، رشید نے امام ابو یوسفؒ کو یہ حق دے دیا کہ رصافہ کے قاضی کا وہ انتخاب اپنی مرضی اور پسند سے کر سکتے ہیں ، کیونکہ وہ در حقیقت بغداد کے محکمہ قضا ہی سے متعلق تھا ، لیکن بعد ازاں رشید نے امام صاحب کو کلّی اختیار دے دیا ، کہ دیار و امصار کے جملہ قاضیوں کا تقرر وہ خود کیا کریں اور جسے جہاں مناسب سمجھیں ، مقرر کر دیں۔ البتہ اگر رشید نے خود سے کسی کا تقرر کر دیا ہو ، یا اس سلسلے میں کوئی فرمان صادر کر دیا ہو تو وہ بحال رہے گا۔

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۲ صفحہ ۴۳۲ -

امام ابو یوسفؒ ، رشید کی مملکت میں اپنے فرائض ۱۸۲ھ (مطابق ۷۹۷ع) تک انجام دیتے رہے ، پھر ان کا انتقال ہو گیا ۔ وفات کے بعد ان کی جگہ وہب بن وہب قرشی کا تقرر ہوا ، وہب کی کنیت ابوالبختری تھی ۔ وہب فقیہ تھے ، انساب کے ماہر تھے ، روایات اخبار میں بھی مشہور تھے ، لیکن حدیث میں ان کا کوئی خاص پایہ نہ تھا ، بلکہ متہم تھے ۔ امام ابو یوسفؒ کی مسند پر بیٹھ تو گئے لیکن ان کا وقار و جلال قائم نہ رہ سکا ۔ انہوں نے قصر رشید کے احوال و معاملات کے سلسلے میں جو فتوے دیے ، وہ کچھ عجیب و غریب قسم کے ہیں ، جنہیں کبار فقہا نے نا پسندیدگی کی نظر سے دیکھا[1] ۔

ہر شہر کا قاضی لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا ، فریادی کی فریاد سنتا تھا اور اپنا حکم تحقیق کے بعد نافذ کر دیتا تھا ۔ اوقاف بھی اسی کی نگرانی میں تھے ، نابالغوں اور یتیموں کے ولی بھی وہی مقرر کرتا تھا ۔ رشید کے زمانے میں ایک قاضی کو جو تنخواہ عام طور پر ملتی تھی وہ تیس دینار تھے ، جو ہمارے آج کل کے زمانے کے اعتبار سے بہت زیادہ تھی ۔

قاضیوں کی زیادہ تنخواہ غالباً رشید نے اس لیے رکھی تھی کہ وہ آسائش سے گزارہ کر سکیں اور اپنے ضروریات پورے کرنے کے لیے ان کی نیت ڈانواں ڈول نہ ہو اور وہ ایسے طریقے اختیار کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں جو عدل و انصاف کے راستے میں خلل انداز اور مزاحم ہوں ، کہ مملکت اور سلطنت کی بقا اور استحکام میں ان چیزوں کا بڑا دخل ہوتا ہے ۔

لیکن اس گراں قدر مشاہرے کے باوجود ، ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے فقہا ایسے تھے جو منصب قضا قبول کرنے سے اصرار و التجا کے باوجود قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے گناہ سمجھتے تھے اور اس سے خائف رہتے تھے کہ عمال اقالیم انہیں ایسے فتوے دینے پر آمادہ نہ کر دیں جو ان کے ضمیر اور رائے کے خلاف ہوں اور ان عمال کے سیاسی اغراض پورے کرنے کے لیے احکام شریعت

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۴۵۸ ۔

اسلامیہ کی ایسی تفسیر کرنا پڑے جو خود ان کے ضمیر کے خلاف ہو[1] ۔

ان قضاۃ کے حدود سماعت متعین اور مقرر تھے ، مطلق طور ہر شکایات و مقدمات کی سماعت کے اختیارات انہیں حاصل نہیں تھے ۔ مثلاً یہ ہر قسم کے لڑائی جھگڑے کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے ، نہ ان مقدمات کا تصفیہ کرنے کے مجاز تھے جو ایک دوسرے پر اعتدا اور زیادتی کے باعث پیدا ہوئے ہوں یہ ان مقدمات و شکایات میں بھی دخل نہیں دے سکتے تھے جو افراد اور جماعت کی طرف سے حکام اور والیوں کے خلاف اس الزام میں دائر کی گئی ہوں کہ انہوں نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور راہ عدل سے منحرف ہو گئے ، یہ دفاتر اور محکموں کے کاتبوں کے خلاف بھی اقدام و عمل کا حق نہیں رکھتے تھے ، اگر ان سے تعیین اموال مسلمین کی کمی یا زیادتی کی صورت میں کوئی غلطی ہوئی ہو ، نہ یہ ان مخالفات کا فیصلہ کر سکتے تھے جو حاکموں اور والیوں سے صادر ہوئے ہوں ، مثلاً عید ، حج اور جہاد کے مواقع پر اقامت ، عبادت کی عدم مراعات ، اسی طرح جن لوگوں کا روزینہ اور وظیفہ مقرر تھا ، وہ اگر نہ ملے یا تاخیر سے ملے ، تو اس کی شنوائی بھی ان قضاۃ کے دائرہ اختیارات سے باہر تھی ، اس لیے کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے تمام مقدمات و شکایات کی سماعت 'مجلس مظالم' میں ہوتی تھی ، جس کی صدارت یا تو خلیفہ خود کرتا تھا یا اس کا وزیر یہ فریضہ انجام دیتا تھا[2] ۔

'مجلس مظالم' کی حیثیت حکومت کی مجلس شوریٰ کی تھی ، یہ سب سے بڑا ادارہ تھا اور اس کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوا کرتا تھا ۔ خلیفہ بہ نفس نفیس اس کی صدارت کرتا تھا اور جملہ مقدمات و شکایات کا بہ نظر غور اپنے وزیر یا سیکرٹری کی موجودگی میں ، اس سے صلاح و مشورہ جاری رکھتے ہوئے کیا کرتا تھا ۔ جب ہر جہت سے سماعت مکمل ہو جاتی تھی ، تمام پہلو نظر کے سامنے آ جاتے تھے ، متعلقہ فریقین کا دعویٰ اور جواب دعویٰ ، ان کے دلائل و براہین کے ساتھ نظر سے گزر جاتا تھا

---

۱ ۔ ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۲۰ ۔

۲ ۔ کتاب التنبیہ ، جلد ۸ ، صفحہ ۳۳٦ ۔

تو خلیفہ فیصلہ خود لکھتا تھا ، فیصلہ چند سطروں میں ہوتا تھا ، لیکن نہایت جامع و مانع ، اور بلیغ جسے بجا طور پر فیصلہ کن بات قرار دیا جا سکتا ہے ۔

خلیفے کے فیصلے پر مہر خلافت لگانا وزیر یا کاتب کا فرض تھا ، اس کے بعد تنفیذ کے لیے اسے متعلقہ محکمے میں روانہ کر دیا جاتا تھا ، جہاں فوراً تعمیل ہوتی تھی ۔

یہ بات بھی خلیفے کے دائرہ اختیار میں تھی اور کبھی کبھی وہ ایسا کرتا بھی تھا کہ مجلس مظالم کی سربراہی اپنے وزیر کو سونپ دیتا تھا ، اور وہ اس کے قائم مقام کی حیثیت سے سارے کام انجام دیتا تھا ، البتہ اگر شکایات کی نوعیت معمولی ہوتی تھی تو پھر وہ اقلیم متعلقہ کے والی کو بھیج دی جاتی تھی کہ وہ خود اسے دیکھے اور فیصلہ کر دے ۔

رشید جب مجلس مظالم میں رونق افروز ہوتا تھا تو پولیس اور باڈی گارڈ کے مسلح لوگ ہر طرف سے اسے گھیرے میں لیے رہتے تھے تاکہ امن و امان اور سکون و سکوت قائم رہے اور وہ ہر طرح کی زد سے محفوظ رہے ۔

ایسے مواقع پر رشید بعض فقہا کو بھی طلب کر لیتا تھا اور ان سے مسئلہ زیر غور میں رائے لیتا تھا ، ساتھ ہی ساتھ اس موقع پر وزیر اور کاتب خاص بھی موجود رہتے تھے ، علاوہ ازیں اور بھی کئی کاتب طلب کر لیے جاتے تھے جن کا کام یہ تھا کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کے بیانات لکھتے جائیں اور ایک دوسرے کی تائید یا مخالفت میں جو گواہان گزریں انہیں بھی قلمبند کر لیں ۔ سماعت کے موقع پر فریقین کا مجلس میں حاضر ہونا ضروری تھا ، خاص طور پر مدعیٰ علیہ کی حاضری اور لازمی تھا کہ اپنے گواہ پیش کرے اور دلائل بیان کرے ، جن سے مدعی کا دعویٰ اس کے نزدیک رد ہو سکتا ہو ۔ یہ ساری چیزیں قریب قریب لفظ بہ لفظ لکھ لی جاتی تھیں[1] ۔

مجلس مظالم کا انعقاد ہفتے میں ایک دفعہ ہوا کرتا تھا ، یا تو شہر

---

۱ ۔ الاحکام السلطانیہ ، صفحہ ۸۱ ۔

کی مسجد میں ، یا قصر شاہی کے کسی ہال میں ۔ یہ مجلس کہاں منعقد ہو مسجد میں یا ہال میں ؟ اس کا فیصلہ صاحب مظالم کے ہاتھ میں تھا ، یعنی خلیفہ یا اس کا قائم مقام وزیر ہی اس فیصلے کا مجاز تھا[1] ۔

کچھ اور متفرق امور بھی ایسے تھے جو نہ پولیس کی ذمے داری میں آتے تھے ، نہ قضاۃ سے ان کا براہ راست کوئی تعلق تھا ، مثلاً بازار کے حالات ، خرید و فروخت کرنے والے (بائع اور مشتری) کے مابین رونما ہونے والے اختلافات ، جو ناپ تول اور وزن طول سے تعلق رکھتے ہوں یا بیع میں دھوکہ دہی ، یا سکہ سازی ، یا راستوں کا نظم و انتظام یا ہجوم و ازدہام کی روک تھام ، یہ اور اس طرح کے دوسرے مسئلے ، ایک دوسرے ادارے سے تعلق رکھتے تھے ۔ جو محکمہ احتساب کہلاتا تھا اور اس کا افسر اعلیٰ محتسب کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔

ہر شہر میں محکمہ احتساب قائم کیا گیا تھا اور محتسب کو مطلق طور پر اس کا حق اور اختیار تھا کہ جب چاہے اور جب ضرورت محسوس کرے ، سوداگروں اور دکانداروں کو اپنے دفتر میں ، ان کے پیمانوں ، ترازؤوں ، باٹوں اور وزن کرنے والی دوسری استعمال میں آنے والی چیزوں کے ساتھ طلب کرے اور انہیں جانچ پرکھ کر دیکھے ۔ یہ کام وہ ایک فرد کو بلا کر بھی کر سکتا تھا اور مجموعی طور سے دوکان داروں کو طلب کر کے بھی کر سکتا تھا ، یہ محض اس کی سہولت اور مرضی پر منحصر تھا کہ کیا کرے ؟ اگر وہ کسی قسم کا نقص پاتا تھا تو فوراً اس کا تدارک کرتا تھا اور مجرم کو قرار واقعی سزا دیتا تھا ۔

محتسب کے پاس ایک پورا عملہ موجود رہتا تھا ، جس میں حسب ضرورت آدمی بھرتی کیے جاتے تھے ۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ بازاروں میں گشت کرتے رہیں اور حالات کا بہ چشم خود مشاہدہ اور معاینہ کرتے رہیں اور اپنی کارگزاری کا سلسلہ جاری رکھیں !

---

۱ ۔ تاریخ الاسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۴ ۔

حکومت کے ذرائع آمدنی

رشید کی حکومت کا مالیہ بھی بحث و گفتگو کا محتاج ہے اور ہم اس پر بھی گفتگو کریں گے ۔

اس سلسلے میں تین مدات کو پیش نظر رکھنا ہے :

۱ ۔ خزانے (بیت المال) کی آمدنی ۔

۲ ۔ مصارف کے مدات ۔

۳ ۔ رائج الوقت سکے ۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی کثیر تھے ۔ ان میں سب سے اہم خراج کی آمدنی تھی اور یہ ایک معین رقم تھی جو آمدنی پر اور محاصلات پر وصول کی جاتی تھی ۔

زمین پر مالیانے کی صورت یہ تھی کہ فتح اسلامی سے قبل جس زمین کے مشرک مالک تھے ، اگر وہ جنگ و پیکار کے بعد ہاتھ آئی ہے تو اسے مصالح مسلمین کے لیے وقف کر دیا جائے گا اور جنگجو فاتحوں پر اس کا ایک حصہ تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر اس زمین پر قبضہ بغیر جنگ کے ہوا ہے تو خلیفے کو اختیار تھا کہ اسے سابق مالکوں کی تحویل اور تصرف میں بایں شرط رہنے دے کہ وہ ایک معینہ رقم پابندی کے ساتھ بیت المال میں داخل کرتے رہیں[1] ۔

رشید کے زمانے میں جو خراج (مالیانہ) معین کیا جاتا اور وصول کیا جاتا تھا ، وہ یا تو حساب فہمی کے بعد ایک معین نقد رقم کی صورت میں ہوتا تھا یا پیداوار کی صورت میں یا دونوں صورتوں میں یعنی نقد بھی اور پیداوار بھی ۔

---

۱ ۔ النظم الاسلامیہ ، صفحہ ۲٦۵ ۔

حساب فہمی کے بعد خراج معین کرنے کے علاوہ ایک اور طریقہ مقاسمہ یعنی قیاس اور تخمینے کا بھی تھا ، اس صورت میں زمین والا ایک مخصوص ٹیکس قبول کر لیتا تھا اور وہی نافذ کر دیا جاتا تھا ۔

ایک اور طریقہ مقاطعہ کا بھی تھا ، اس کی صورت یہ تھی کہ حکومت اور زمین پر تصرف رکھنے والے کے مابین کسی خاص نوع ، شکل یا قیمت پر اتفاق ہو جاتا تھا ، جو پابندی کے ساتھ بیت المال میں داخل کر دی جایا کرتی تھی[1] ۔ اس نظام میں اراضی کا بڑا حصہ شامل تھا ، خراج کی وصولی ، عید ، نو روز کے موقع پر ہوتی تھی جو ہمیشہ فصل ربیع میں واقع ہوتی تھی ۔

بیت المال کی آمدنی کی ایک مد وہ تھی جو جزیہ کے اصطلاحی نام سے معروف ہے ۔

یہ رقم اس ذمی سے لی جاتی تھی ، جو غیرمسلم ہوتے ہوئے مسلمانوں کی پناہ میں رہتا تھا اور مسلمان اس کی جان و مال کے امین اور محافظ ہوتے تھے ۔

ذمی سے یہ رقم اس لیے وصول کی جاتی تھی کہ اسے فوجی خدمت معاف تھی ، غیرمسلم ذمیوں کو فوج میں داخل نہیں کیا جاتا تھا ، لیکن جنگ اور بدامنی کی صورت میں چونکہ حکومت ان کی جان و مال کی نگران اور محافظ تھی ، لہذا اس کا معاوضہ جزیے کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا ۔

ذمیوں سے رشید کے عہد میں جو جزیہ لیا جاتا تھا اس کی مقدار حسب حیثیت ہوا کرتی تھی ، عام طور پر اس کی شرح چودہ درہم سے لے کر اٹھارہ درہم سالانہ تک ہوتی تھی ۔

غیر مسلم ذمیوں میں جو اندھا ہوتا تھا ، یا طفل صغیر ہوتا تھا یا عورت ہوتی تھی ، اس سے کوئی جزیہ نہیں لیا جاتا تھا ، معاف تھا[2] ۔

بیت المال کا ایک اور ذریعۂ آمدنی زکوٰۃ کی مد تھی ۔

---

۱ ۔ الاحکام السلطانیہ ، صفحہ ۱۸۱ ۔

۲ ۔ الاحکام السلطانیہ ، ۱۷۵ ۔

زکٰوۃ مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی ، جو اس کی ملکیت کی آمدنی پر ان شروط معروفہ کے مطابق جو شارع نے معین کر دیے ہیں !

زکٰوۃ نقد بھی وصول کی جاتی تھی ، جانوروں کی صورت میں بھی ، فصل اور پیداوار کی صورت میں بھی ، پھلوں ، معدنوں کی صورت میں بھی اور مال تجارت کی صورت میں بھی -

زکٰوۃ کے مصارف بھی شرع نے مقرر کر دیے ہیں :

''انما الصدقات للفقراء و المساکین ، و العاملین علیھا و المؤلفۃ قلوبھم ، و فی الرقاب و الغارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل ، فریضۃ من اللہ و اللہ علیم حکیم[1] -

یعنی :

''زکٰوۃ کی رقم فقرا و مساکین اور عملۂ زکٰوۃ اور نو مسلموں اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کا قرض چکانے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے اور مسافر کی دستگیری کرنے کے لیے ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور وہ علیم و حکیم ہے !''

زکٰوۃ کی وصول یابی کے لیے بغداد میں ایک صدر دفتر تھا اور دوسرے شہروں میں اس کی شاخیں تھیں ، اس دفتر کا کام یہ تھا کہ زکٰوۃ کی رقم جمع کرے اور اللہ تعالیٰ کے معین کیے ہوئے مصارف کے مطابق مستحقین پر اسے صرف کرے ، جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں بیان کیا گیا ہے -

بیت المال کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ عشر بھی تھا ! ——یعنی دسواں حصہ !

یہ رقم ان تاجروں سے وصول کی جاتی تھی جو غیر مسلم ہوتے تھے ، اور دارالحرب سے دارالاسلام اپنا مال تجارت بیچنے کے لیے لایا کرتے تھے ، بشرطیکہ پہلے سے انھیں بتا دیا گیا ہو -

---

۱ - سورۂ توبہ ، آیت ۶۰ -

خلیفے کو اختیار تھا کہ وہ ان غیر مسلم تاجروں سے عشر وصول کرے یا اس سے کم یا زیادہ۔

لیکن کسی غیر مسلم تاجر سے سال بھر میں ایک مرتبہ سے زیادہ یہ ٹیکس وصول نہیں کیا جا سکتا تھا، اس کی مثال آج کل کے محکمہ اکسائز (چنگی) کی سی تھی۔

غیر مسلم تاجروں کے مال پر سے یہ محصول بالکل اٹھا لیا جاتا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو یا کوئی اہم ضرورت پوری ہوتی ہو[1]۔

بیت المال کا ایک اور ذریعۂ آمدنی مال غنیمت تھا:

غنائم میں وہ چیزیں شامل ہیں جو مسلمانوں نے بلاد مشرکین کو فتح کر کے اور جنگ و پیکار کے ذریعے قبضہ کر کے حاصل کی ہوں، خواہ وہ اراضی ہوں یا نقدی یا ساز و سامان یا کوئی اور چیز۔

مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کا حق ہے، تاکہ اسے ان مصارف پر کام میں لایا جائے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

و اعلموا انما غنمتم من شیئی فان للہ خمسہ و للرسول لذی القربیٰ و الیتمیٰ و المساکین، و ابن السبیل:

یعنی:

جان لو کہ مال غنیمت کے طور پر جب تم کوئی چیز حاصل کرو، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے (جس کے مصارف میں) ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، اور مسافر ہیں[2]!

اسی طرح وہ مال:

* جس کے بارے میں یہ نہ معلوم ہو کہ کس کا ہے؟ مثلاً گری پڑی چیزیں۔
* وہ مال جو کسی لاوارث شخص کا ہو۔

---

۱ - صبح الاعشیٰ، جلد ۳، صفحہ ۶۶۳ -

۲ - سورۃ انفال، آیت ۴۱ -

* وہ مال جس پر مسلمانوں نے اعدا سے مصالحت کر لی ہو۱ ـــــــ وغیرہ۔

حاصل کلام یہ کہ رشید کے زمانے میں خوش حالی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ بیت المال ہر وقت معمور رہتا تھا۔ محاصل سے جو سالانہ آمدنی ہوتی تھی وہ ۴۲ ملین دینار۲ تھی۔

اس کے علاوہ محاصل جدا تھے جو پھل، اناج اور پیداوار کی صورت میں حاصل ہوتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید لیٹا ہوا تھا اور آسمان پر بادل کے تیرتے ہوئے ٹکڑے کو دیکھ رہا تھا کہ اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"جہاں چاہے برس، میرے پاس تیرا خراج بہر حال پہنچ کر رہے گا۳۔"

ذیل میں ہم آمدنی کا وہ گوشوارہ پیش کرتے ہیں جو دولت رشید کے دیوان لازمہ عمر بن مطرف نے وزیر یحییٰ بن خالد کے ملاحظے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس میں بیت المال کی ایک سال کی آمدنی نقد اور مال کی صورت میں دکھائی گئی ہے:

اقالیم	آمدنی درہم۴ میں	اموال
السواد	۸٫۰۷۸٫۰۰۰	نجرانی حلے ۲۰۰ وہ مٹی جس سے مہر کا کام لیا جاتا ہے ۲۴۰ پونڈ
کسکر	۱۱٫۶۰۰٫۰۰۰	
کور دجلہ	۲۰٫۸۰۰٫۰۰۰	
حلوان	۴٫۸۰۰٫۰۰۰	

---

۱ - النظم الاسلامیہ، صفحہ ۲۸۵ -
۲ - سونے کا سکہ۔
۳ - صبح الاعشی، جلد ۳، صفحہ ۲۷۰ -
۴ - چاندی کا سکہ۔

اہواز	۲,۵۰۰,۰۰۰	شکر ۳۰,۰۰۰ پونڈ
فارس	۲۷,۰۰۰,۰۰۰	عرق گلاب ۳,۰۰۰ پیپے
		آب زیت سیہ ۲۰,۰۰۰ پونڈ
		انار اور بہی ۲۵۰,۰۰۰
		الانجھ ۱۵۰۰ پونڈ
		روغن زیتون ۵۰,۰۰۰ ناند
		خاک سیرنی ۵۰,۰۰۰ پونڈ
کرمان	۴,۲۰۰,۰۰۰	عینی و خبیص ۵۰۰ تھان
		تمر ۲۰,۰۰۰ پونڈ
		زیرہ ۱۰۰ پونڈ
مکران	۴۰۰,۰۰۰	
سندھ اور متعلقہ علاقے	۱۱,۵۰۰,۰۰۰	سامان غذا ۱,۰۰۰,۰۰۰ بوریاں
		ہاتھی ۳
		۲,۰۰۰ سیاہ کپڑے کے تھان
		۴۰۰ ازار
		۳۰۰ عود ہندی و غیر ہندی
		۲۰۰ جوڑ خنجر
خراسان	۲۸,۰۰۰,۰۰۰	چاندی کی ۲۰۰۰ سلیں
		ٹٹو ۴۰۰۰
		غلام ۱۰۰۰
		کپڑے کے تھان ۲۷,۰۰۰
		اہلیلج ۳۰۰ پونڈ
		ثوب ۳۰۰
		حلوا فایند ۲۰,۰۰۰ پونڈ

جرجان	۱۲,۰۰۰,۰۰۰	آبریشم ۱۰,۰۰۰
توس	۱,۵۰۰,۰۰۰	چاندی ۱۰۰۰ سلیں
		چادر ۴۰
طبرستان		
ریان	۶,۲۰۰,۰۰۰	فرش طبری ۶۰۰ قطعہ
دنباوند		چادر ۲۰۰ "
		کپڑے کے تھان ۵۰۰
		رومال ۳۰۰
		جام ۹۰۰
رے	۱۲,۰۰۰,۰۰۰	انار ۱۰۰,۰۰۰,۰۰۰
		شفتالو ۱۰۰۰ پونڈ
ہمدان	۱۱,۸۰۰,۰۰۰	شیرہ ۱۰۰۰ پونڈ
		شہد ۲۰,۰۰۰ پونڈ
اصفہان	۱,۱۰۰,۰۰۰	شہد ۲۰,۰۰۰ پونڈ
بصرہ و کوفہ	۲۰,۴۰۰,۰۰۰	
شہر زد رو ملحقات	۲۳,۰۰۰,۰۰۰	
موصل و ملحقات	۲۳,۰۰۰,۰۰۰	شہد سفید ۲۰,۰۰۰ پونڈ
جزیرہ دیا رات		
فرات	۳۳,۰۰۰,۰۰۰	
آذربائیجان	۳,۰۰۰,۰۰۰	
موقان		غلام ۱۰۰
کرخ	۳۰۰,۰۰۰	شہد ۱۲ مشک
جیلان		چادر ۲۰
		بزاۃ ۱۰
		زرد رنگ کی ترکی دریاں ۲۰
		دھاری دار چادریں ۴۰

نمک لیموں ۱۰,۰۰۰ پونڈ

چھوٹی مچھلی ۱۰,۰۰۰ پونڈ

بازنی ۳۰

خچر ۲۰۰

قنسرین و عواصم	۴۹۰,۰۰۰ دینار
حمص	۳۲۰,۰۰۰ دینار
دمشق	۴۲۰,۰۰۰ دینار
اردن	۹۶,۰۰۰ دینار
مصر	۹۲۰,۰۰۰ دینار
برقہ	۱,۰۰۰,۰۰۰ درہم
افریقہ	۲۳,۰۰۰,۰۰۰ درہم
یمن	۸۷۰,۰۰۰ دینار
مکہ و مدینہ	۳۰۰,۰۰۰ دینار

جہشیاری نے اس گوشوارے کو نقل کرتے ہوئے اشیا اور پیداوار کی قیمت کا تخمینہ کرنے اور دینار کو درہم میں تبدیل کرنے کے بعد جملہ آمدنی یہ قرار دی ہے :

قیمت اشیا پیداوار	۱۲۵,۵۳۲,۰۰۰
نقد	۴۰۴,۷۰۸,۰۰۰
جملہ میزان	۵۳۰,۲۴۰,۰۰۰ درہم[1]

یعنی تقریباً پانچ سو ملین درہم اور ۴۰ ہزار ۲۰۰ درہم !

اس زمانے میں ایک مینڈھے کی قیمت ، جیسا کہ طبری کا بیان ہے صرف ایک درہم تھی اور آج کے حساب سے ایک درہم کی قیمت چار دینار کے مساوی بیٹھتی ہے - ہارون رشید کی حکومت کو جو سالانہ آمدنی ہوتی تھی ، وہ موجودہ عراقی سکے کے مقابلے میں اربوں دینار تک پہنچ جاتی تھی

۱ - الجہشاری ، صفحہ ۲۸۸ -

اور یہ اتنی بڑی دولت تھی جو پہلے سے پہلے کسی خلیفہ یا بادشاہ کے بیت المال (خزانے) میں جمع نہیں ہوئی تھی — خواہ وہ کوئی بھی ہو ۔

یہ عظیم اور بے کراں دولت متعدد اور مختلف مدات پر صرف ہوتی تھی ۔ سب سے پہلے تو اسے ان خاص محکموں کے خزانے میں منتقل کر دیا جاتا تھا جو مستقل اور قائم بالذات حیثیت رکھتے تھے ، مثلاً محکمۂ فوج ، محکمۂ پولیس ، محکمۂ حرب ، محکمۂ مظالم ، محکمۂ ڈاک اور دوسرے بہت سے محکمے ، جو حکومت کے مختلف امور و ضروریات کے تحت قائم کیے گئے تھے ۔

اس کے بعد دوسرے نفقات (مصارف) کی باری آتی تھی ، جن میں سب سے اہم 'صرف خاص' تھا ، یعنی جو رقم خلیفہ پر صرف کی جاتی تھی ۔ اس کے لیے علاحدہ خزانہ تھا ، جسے 'بیت المال خاص' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔ اس رقم سے خلیفے کے اہل و عیال ، عزیزوں ، رشتے داروں ، محلے کے لوگوں ، ملازموں ، محلات و قصور اور ان لوگوں کے مصارف ادا کیے جاتے تھے جو خلیفے کے حاشیہ نشین ہوتے تھے ۔ خلیفے کے خدام اور جواری (باندیاں) پر بھی یہیں سے لے کر رقم صرف کی جاتی تھی ، خلیفے کی طرف سے جو عطایا اور تحفے دیے جاتے تھے ، ان کے مصارف بھی یہیں سے ادا ہوتے تھے ۔ اس بیت المال خاص کی کئی چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں ، جو حسب حاجات خلیفہ رقم صرف کرنے کی مجاز تھیں ، بیت المال خاص اور اس کی ہر شاخ کا ایک سربراہ اور محاسب (اکاؤنٹنٹ) ہوا کرتا تھا ۔ حسابات بڑی باقاعدگی اور نظم و ترتیب کے ساتھ رکھے جاتے تھے ۔

ایک خزانہ وہ تھا جسے 'خزانہ نشاط و سرور' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔

اس خزانے کی رقم سے ان لوگوں کو عطایا اور تحائف دیے جاتے تھے ، جو فنی یا ادبی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت رکھتے تھے ، مثلاً شعرا ، ادبا اور راوی ، نیز گویے اور ماہرین فنون موسیقی ۔ مسخرے ، ہم جلیس اور وہ لوگ جو خلیفہ کی مجالس خاص میں حاضر باش رہتے تھے[1] ۔

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۴ ، صفحہ ۹ -

نفقات (مصارف) کی ایک مد وہ تھی ، جس سے وزیروں اور مملکت کے دوسرے عہدیداروں اور منصب داروں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اس رقم کی مجموعی میزان بہت زیادہ ہوتی تھی ، اس لیے کہ حکومت کے ملازموں ، عہدے داروں اور منصب داروں کی تعداد بے انتہا تھی اور ان کے مشاہرے بھی خاصے تھے اور بعض کے تو بہت زیادہ تھے۔

مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ ایک بہت بڑی رقم سڑکوں کی اور شاہراہوں کی تعمیر ، پلوں کے بنانے ، حسب ضرورت مختلف مقامات پر بند تعمیر کرنے ، نہروں کے کھودنے اور رفاہ عامہ کے دوسرے کاموں پر صرف کی جاتی تھی۔

بایں ہمہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ یہ نظام مالی بالکل صحیح اصولوں پر نہیں تھا ، نہ اس کے مصارف بالکل بجا اور درست تھے ، اس لیے کہ خلیفہ مطلق العنان تھا ، وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھا ، اسے مکمل اختیارات حاصل تھے ، وہ کسی قاعدے ، قانون اور ضابطے کا پابند نہیں تھا ، جو چاہتا وہ کر سکتا تھا اور کرتا بھی تھا ، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا ، جتنا چاہے خرچ کر دے یا مصارف کی نئی مدات قائم کر دے ، کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔

یہی حالت برامکہ کی بھی تھی ، یہ وزیر تھے اور مصالح عامہ کے نام پر حکومت کے خزانے سے بڑی بڑی رقمیں ، اپنے غیر معمولی اختیارات کے باعث جو خلیفے نے انہیں دے رکھے تھے ، صرف کرتے تھے۔

اگر بیت المال خاص کی رقم خرچ ہو جاتی تو ایسا کیا جاتا تھا کہ بیت المال عام سے ، وزیر کے صلاح و مشورے کے مطابق حسب ضرورت رقم قرض لے لی جاتی تھی اور یہ قرض بھی واپس نہیں کیا جاتا تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ خلیفے سے تقاضا کر سکتا ، یا اسے یاد دہانی کرا سکتا کہ فلاں رقم جو بیت المال عام سے قرض لی گئی تھی واپس کر دی جائے۔

برمکی وزرا بھی اموال خراج اور مختلف آمدنیوں کی رقمیں بے دھڑک خرچ کرتے اور دوسروں کو بخشتے رہتے تھے ، خلیفہ ان کا کبھی بھی

محاسبہ نہیں کرتا تھا ۔ یہ واقعات اس حقیقت کے شاہد ہیں اور اسے ماننا ہی چاہیے کہ یحییٰ بن خالد برمکی اپنے بیٹوں ، فضل اور جعفر کے مقابلے میں حکومت کی رقم خرچ کرتے ہوئے زیادہ احتیاط اور اقتصاد اور اعتدال کی پالیسی پر عامل رہتا تھا ، یہ دونوں تو اتنا اندھا دھند خرچ کرتے تھے کہ اسراف و تبذیر کی حد سے بھی آگے نکل جاتے تھے ۔

ان غلط بخشیوں کا اور فضول خرچیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی دولت ، خلیفہ ، اس کے وزرا اور حاشیہ نشینوں پر بڑی بے پروائی کے ساتھ اندھا دھند خرچ ہوتی رہتی تھی ، لیکن اس بے پروایانہ فضول خرچی کے باوجود حالت یہ تھی کہ جو رقم بچ رہتی تھی وہ بھی اتنی زیادہ تھی کہ رشید کی حکومت ترقی اور عروج کی انتہا تک پہنچ گئی تھی ، اگرچہ قوم کے سارے روگ دور نہیں ہو سکے تھے[1] ۔

عملۂ متداولہ (سکے) جو رشید کی حکومت میں رائج تھے اور بازار میں چلتے تھے ، متعدد اقسام کے تھے :

* جو سکے امویوں کے عہد میں ڈھالے گئے تھے ، وہ بھی چل رہے تھے ۔ مثلاً 'خالدیہ' اس دینار کی نسبت خالد بن عبداللہ القسری کی طرف تھی ، جو امویوں کے عہد میں عراق کا گورنر تھا ۔
* 'یوسفیہ'—یہ بھی دینار تھا اور یوسف بن عمر ثقفی کے نام سے منسوب تھا ، جو امویوں کے زمانے میں گورنر کوفہ تھا ۔
* 'ہبیریہ'—یہ سکہ یزید بن ہبیرہ نے ڈھلوایا تھا ، جو عراق میں امویوں کے عہد کا آخری گورنر تھا ۔

وہ سکے بھی بازاروں میں رائج تھے جو عباسیوں کے زمانے میں ڈھالے گئے تھے ۔

مثلاً :

* سکۂ عباسیہ سکہ پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ بن سفاح کے زمانے میں ڈھالا گیا تھا ، اس کے اوپر جو حروف کندہ تھے وہ

---

۱ - تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ٥ ، صفحہ ٩٦ ۔

یہ تھے :

''السکۃ العباسیۃ''

اور وہ نقش بھی ثبت تھا ، جو دینار کے لیے مخصوص تھا اور اس زمانے میں اسی کا چلن تھا۔

سفاح نے یہ دینار اپنے ابتدائی پایۂ تخت 'انبار' میں ڈھلوایا تھا ، اس کا وزن بالکل وہی تھا ، جو اموی دیناروں کا ہوا کرتا تھا ۔ بعد میں اس کا وزن کم کر دیا گیا تھا ۔ اس کے کچھ مدت کے بعد دو رتی کی کمی کر دی گئی۔

ابو جعفر منصور نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد دینار کا سابق وزن بحال کر دیا ، لیکن کچھ عرصے بعد اس نے تین رتی کی کمی کر دی۔

* ۱۵۸ھ (مطابق ۷۷۴ء) میں خلیفہ مہدی نے ایک سکہ ڈھلوایا، جو گول تھا اور اس کے بیچ میں ایک نقطہ تھا اور اس کا وزن وہی تھا جو ابو جعفر منصور کے سکے کا تھا۔

بعد ازاں اس نے چار رتی کی کمی کر دی۔

یہ درہم اور دینار عہد ہارون رشید سے قبل رائج تھے۔

لیکن جب ہارون رشید مسند آرائے خلافت ہوا ۔ تو اس نے پہلے پہل تو سابق سکے باقی رکھے مگر بعد میں اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی کو اس امر کا مجاز کر دیا کہ وہ نیا سکہ ٹکسال سے ڈھلوائے۔

چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی ، جعفر نے نئے سکے بغداد (دارالاسلام) اور محمدیہ (رے کے مضافات) کی ٹکسال میں ڈھلوائے۔

ان نئے درہموں اور دیناروں پر جعفر نے رشید کے ساتھ اپنا نام بھی ثبت کرایا اور ایک قیراط کے درہم میں ایک رتی کی کمی کر دی[1]۔

اس زمانے میں سکے کی ڈھلوائی کی شرح ہر سو درہم پر ایک درہم تھی[2]۔

---

۱ - تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۱ -

۲ - رسائل المقریزی ، صفحہ ۹ -

رشید کے زمانے میں جو درہم و دینار ڈھالے گئے ، وہ گول تھے اور گولائی میں دو متوازی دائروں میں عبارت لکھی ہوئی تھی ، سکے کے ایک رخ پر اللہ کی حمد اور نبیؐ پر درود اور دوسرے رخ پر ڈھالنے کی تاریخ اور سال ، پھر خلیفہ رشید کا نام ، اس کے بعد جعفر برمکی کا نام[1] ۔

رشید کے زمانے میں جو سکے رائج تھے ، وہ پانچ درجات پر منقسم تھے :

۱ - دینار

۲ - درہم

۳ - قیراط

۴ - حبہ

۵ - دانق[2]

ان سکوں کی شرح تبادلہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی جو اختلاف وزن اور دھات ، (سونے چاندی وغیرہ) کے خالص یا خالص تر ہونے پر مبنی ہوا کرتی تھی ۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک دینار دس درہم کے برابر مانا جاتا اور کبھی پندرہ ، بیس اور بائیس درہم کے برابر پہنچ جاتا[3] ۔

درہم چھ دانق کے برابر تسلیم کیا جاتا تھا اور قیراط چار حبہ کے برابر ۔

اپنے آخری ایام حیات میں رشید کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ یہ غیر یقینی اور تبدیل پذیر صورت قائم نہ رہنی چاہیے اور استعمال نقود میں ایک ہی اصول مروج رہنا چاہیے تاکہ کسی طرح کی جعل سازی کا امکان باقی نہ رہے ، لیکن مشاغل اور افکار کی کثرت نے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا اسے موقع نہ دیا[4] ۔

---

۱ - مقدمۃ ابن خلدون ، صفحہ ۵۰ ۔

۲ - معجم البلدان ، جلد ۱ ، صفحہ ۶۸۳ ۔

۳ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۸۸ ۔

۴ - حضارۃ الاسلام ، صفحہ ۱۵۲ ۔

ایک روایت یہ ہے کہ سرکاری خزانے میں بہ عہد ہارون رشید کوئی اور سکہ خراج وغیرہ کی ادائیگی کے سلسلے میں سوا عباسی دیناروں کے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

البتہ وہ دینار جو 'خالدیہ' کے نام سے موسوم تھے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قبول کر لیا جاتا تھا[۱]۔

---

۱ - رسائل المقریزی، صفحہ ۹ -

اقتصادی حالات

یہ بے اندازہ اور وافر دولت جس کے باعث رشید کے خزانوں میں سیم و زر کا انبار لگا رہتا تھا ، نتیجہ تھی اس بات کا کہ حکومت کی اقتصادی حالت کامیابی کے لحاظ سے نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور یہ کہتے ہوئے ہم یقیناً حقیقت سے انحراف کے مرتکب نہیں ہوں گے ، کہ رشید کا زمانہ در اصل ، فصل کاٹنے اور پھل چننے کا زمانہ تھا ، —— وہ فصل جس کے بیج اس کے اسلاف نے بوئے ، اور وہ پھل جن کے پودے اس کے آبا نے لگائے تھے ، خاص طور پر ابو جعفر منصور نے زراعت ، صناعت ، اور تجارت وغیرہ کو جن استوار بنیادوں پر قائم کیا تھا اس کا فائدہ اب رشید اٹھا رہا تھا ۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی میں زراعت کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی اور یہی وجہ تھی کہ مملکت میں اس طرف خاص توجہ کی جاتی تھی ، اور کسانوں و کاشت کاروں کی حوصلہ افزائی اور زراعت کے سلسلے میں تنظیم اور مناسب امداد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا تھا ۔

ابو جعفر منصور کے زمانے میں کھیتوں کو سیراب کرنے کا عراق میں خصوصی بندوبست کیا گیا تھا ، کنوئیں کھودے گئے ، نہریں بنائی گئیں ، آب رسانی کے دوسرے ممکن انتظامات بروئے کار لائے گئے ، علاوہ ازیں پل بنائے گئے اور وہ ساری اراضی نئے انتظامات کے ماتحت سر سبز و شاداب بنا دی گئی جو صحرائے عربیہ اور جبال کردستان کے مابین دور تک پھیلی ہوئی تھی ۔

بغداد کے اطراف میں ایسی نالیاں کھودی گئی تھیں جن میں دریائے دجلہ سے پانی لایا جاتا تھا ۔ یہ نالیاں ، کرخایا کی ان نالیوں سے جا ملتی

تھیں ، جن میں دریائے فرات سے پانی آتا تھا اور یہ دونوں نالیاں ، سارے شہر میں اور اس کے اطراف و جوانب میں جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں ، ان کے علاوہ اور بھی ، حسب ضرورت نالیاں بنائی گئی تھیں ، جن سے سیرابی کا کام لیا جاتا تھا [1] ۔

عباسی اقالیم میں عراق سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب علاقہ تھا ، پانی کافی تھا اور زمین زراعت کے لیے حد درجہ صالح اور موزوں ۔ خلفائے بنو عباس نے شروع ہی سے اس امر کی طرف پوری توجہ مبذول کر رکھی تھی ، وہ اسے زیادہ سے زیادہ سر سبز اور شاداب بنانے کی ہر طرح سے کوشش کرتے رہتے تھے - ان کی ذاتی توجہ اور اہتمام کا نتیجہ یہ برآمد ہؤا کہ یہ اراضی کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور اس کی زرخیزی اور ثروت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ۔ ان لوگوں نے اس اراضی کو 'ارض سواد' کے نام سے ملقب کر رکھا تھا ، اس لیے کہ یہ ساری زمین ، کھیتوں کی فراوانی ، باغوں کی شادابی اور سبزہ گاہوں کی کثرت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی ۔

یہ ارض سواد ، طول میں جنوب موصل سے لے کر خلیج فارس تک اور مشرق میں قادسیہ سے لے کر ، مغرب میں حلوان تک پھیلی ہوئی تھی ۔

ارض سواد کی مساحت (پیمائش) ۳۶ ملین جریب تھی اور ایک جریب دس ہزار گز کا ہوتا ہے [2] ۔ اس سارے علاقے میں ، نہریں ، نالیاں اور حوض جال کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد بڑے بڑے کھیت اور باغ تھے ۔

رشید کی حکومت نے اس طرف اور زیادہ توجہ کی ۔ کسانوں اور کاشت کاروں کے احوال و مطالبات پر پہلے سے کہیں زیادہ توجہ کی ، اور جو ٹیکس ان سے وصول کیا جاتا تھا اس میں بھی حسب دل خواہ تخفیف کر دی تاکہ زیادہ جی لگا کر اور اندیشوں سے مبرا ہو کر کام کر

---

۱ - کتاب البلدان ، صفحہ ۲۵۰ -

۲ - تاریخ بغداد ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۱ -

سکیں ۔ جب کبھی بھی ان کاشت کاروں اور کسانوں کو اقتصادی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ، ان کے ٹیکس میں مناسب تخفیف کر دی جاتی [1] ۔

کسانوں سے جو ٹیکس لیا جاتا تھا ، وہ نظام مقاسمت (تقسیم پیداوار) پر مبنی تھا ، یعنی جو کچھ کھیتوں میں از قبیل غلہ و جنس پیدا ہوتا تھا اس کا ایک حصہ ٹیکس کی صورت میں لے لیا جاتا تھا ، بشرطیکہ وہ ذخیرہ رکھنے کے قابل ہو ، اس کے خراب اور ضائع ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو ۔ اگر یہ اندیشہ ہوتا ، تو پھر ٹیکس دیناروں کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ، خواہ وہ عباسیہ ہوں یا خالدیہ ، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں ۔

دوسرے اقالیم میں بھی زراعت اور کاشت کاری پر پوری توجہ کی جاتی تھی اور اصلاح احوال کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا تھا ۔

ہر اقلیم میں وہاں کے مناسب حال نظام قائم تھے ، یعنی زمین کی صلاحیت کے لحاظ سے جہاں جس چیز کی زیادہ اور اچھی کاشت ہو سکتی تھی اس پر زیادہ زور دیا جاتا تھا ، اناج اور پھل کی پیداوار کے لیے اس اصول پر مختلف اقالیم میں کام کے پروگرام بنائے گئے تھے ۔

مثلاً گیہوں اور جو کی کاشت پر زیادہ توجہ کی جاتی تھی ، اس لیے کہ عوام کی اصل غذا یہی تھی ، ان دونوں کی کاشت کا مملکت کی اراضی کے بڑے حصے پر انتظام تھا ۔

جزیرۂ عربیہ کی جنوبی اراضی مکئی کی کاشت کے لیے بہت موزوں تھی ، یہاں بہترین قسم کی مکئی پیدا ہوتی تھی ، لہٰذا اس علاقے میں اسی چیز پر زیادہ توجہ کی جاتی تھی ۔

بلاد یمن اور فلسطین میں انگور کی بیل خوب پروان چڑھتی تھی اور انگور کی فصل بہت اچھی ہوتی تھی ، لہٰذا یہاں زیادہ توجہ اس طرف کی جاتی تھی ۔

پھل اور میوے ہر جگہ پیدا ہوتے تھے ، خاص طور پر اراضی معتدلہ

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۷ ۔

میں جیسے عراق و عجم ، اور شام و مصر ۔

اخروٹ اور بادام کی کاشت کوہستانی علاقوں میں اچھی اور عمدہ ہوتی ہے ۔ چنانچہ آذر بائیجان اور جبال کرد اس کام کے لیے زیادہ بہتر قرار دیے گئے اور ان مقامات پر ان کی کاشت زیادہ ہونے لگی ۔

ہند ، بصرہ اور عمان میں نارنج کی کاشت کا بہتر موقع تھا ، یہاں اس طرف زیادہ توجہ مبذول کی گئی ۔

جنوبی عراق کی سرزمین تمر (کھجور) کے لیے زیادہ موزوں پائی گئی ، وہاں اس کام پر زیادہ زور لگایا گیا ۔

اسی طرح دوسری چیزوں کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور معلوم کیا جا سکتا ہے ، کہ کاشت کاری پر ، اس حکومت نے کتنی زیادہ توجہ کی ۔

رشید کی وسیع و عریض مملکت پر ، اس کے بلند و بالا پہاڑوں پر ، اس کے اونچے اونچے ٹیلوں پر ، اس کے پھیلے ہوئے پہاڑوں کے دامنوں پر ، کھلے ہوئے میدانوں پر اور بل کھاتی ہوئی وادیوں پر ، اختلاف موسم پر (یعنی بارد ، معتدل ، حار وغیرہ) اور مختلف سمتوں سے چلنے والی ہواؤں پر ، جو شرقی و غربی ، جنوبی و کوہستانی و بحری ، ہر طرح کی ہوتی تھیں ۔ ایک مرتبہ غور سے دیکھیں تو یہ محسوس کیے بغیر نہ رہیں گے کہ یہ حکومت ایک مستقل بالذات حکومت تھی ، یہاں ضروریات زندگی سے متعلق ہر چیز پیدا ہوتی تھی ، ایسی کوئی چیز بھی اس سلسلے میں غیر ملک سے درآمد کرنے کی ضرورت نہیں تھی ۔

اور جو کیفیت زراعت میں تھی ، بالکل وہی کیفیت اس عظیم و جلیل مملکت کو حیوانی اعتبار سے حاصل تھی ، کوئی جانور اور پرندہ ایسا نہ تھا جو کرۂ ارض پر پایا جاتا ہو ، اور اس مملکت میں نہ پایا جاتا ہو ، خواہ وحشی جانور ہو یا انسانوں سے مانوس ، سب طرح کے انواع موجود تھے ۔ مثلاً ہاتھی ، شیر ، چیتے ، بھیڑئیے ، بندر ، گوہ ، لومڑی اور اس طرح کے جانور بافراط موجود تھے ۔

اس طرح بیل ، گائے ، بھیڑ ، بکری ، مینڈھے ، بھینسیں ، گھوڑے ، خچر ، گدھے اور اس طرح کے دوسرے جانور جو انسانوں سے مانوس ہیں ،

وافر تعداد میں موجود تھے۔

اسی طرح ہر قسم کے پرندے بھی پائے جاتے تھے، شہد کی مکھیاں نیز دریا اور سمندر میں رہنے والی مچھلیاں——ان کی کوئی کمی نہ تھی۔

روایت ہے کہ عہد رشید میں بغداد کے بعض دولت مندوں اور سرمایہ داروں کے ذاتی باغات، ان وسیع حدائق حیوانات سے کم نہ تھے جو آج کل مہذب اور متمدن شہروں میں کافی مصارف کے بعد، اِدھر اُدھر سے مختلف جانور تلاش کر کے اور خرید کے، نمائش عام اور تفریح عوام کے لیے لائے اور رکھے جاتے ہیں۔

رشید کی مملکت، صناعت، اور اس کے انواع و فنون کے اعتبار سے بھی ایک خالص تہذیبی سرمایے کی آئینہ دار تھی اور بیت المال کے وسائل آمدنی میں اسے بہت نمایاں اور اہم حیثیت حاصل تھی۔

صناعت کی کئی قسمیں ہیں:

۱ - معدنی

۲ - حیوانی

۳ - نباتی

جہاں تک معادن کا تعلق ہے، اس علاقے کی وسیع زمین کے نیچے اور سطح پر بہت سی کانیں، مدفون تھیں۔

لوہا، تانبا، سیسہ، بہت بڑی مقدار میں خراسان کے اندر پایا جاتا تھا، چنانچہ یہاں کے باشندے، برتن، ساز و سامان، آلات، اور اسلحہ، جو مختلف قسم اور نوع کے ہوتے تھے، بنانے میں ماہر تھے۔ اور دساور ہو کر باہر بھی بھیجے جاتے تھے اور خوب بکتے تھے۔

شام اور بصرہ کی طرح، بلاد فارس کو بھی شیشہ سازی کی صنعت میں کمال حاصل تھا، میناکاری کا کام بھی یہاں بہت اچھا اور خوب صورت ہوتا تھا، سونے کے زیورات پر نقش بنانے اور جواہرات کو مرصع کرنے میں تو یہاں کے لوگوں کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ سونے اور جواہرات کے ان زیورات میں بڑی خوب صورت تصویریں بھی بناتے تھے اور نقش آرائی کے ہنر میں یکتا تھے۔

سونے کی کانیں نقفور میں تھیں ، چاندی کی طبرستان میں ، خزف اور سنگ مرمر کی تبریز میں ، نمک اور گندھک کی شمالی فارس میں ۔ نفط (آتش ریز مادہ) اور تارکول کی آرمینیہ میں اور گرجستان میں اور شمالی عراق میں پائی جاتی تھیں[1] ۔

معدنی صناعت میں مملکت رشید کی ہر اقلیم میں ماہرین فن پائے جاتے تھے ۔ یہ صناع تھے ، ملمع سازی کا کام بڑا عمدہ کرتے تھے ، نقاشی اور رنگ و آرائش کے فنون سے بخوبی واقف تھے ۔ ان میں جو چوٹی کے لوگ تھے وہ بغداد میں آ کر جمع ہو گئے تھے ، اس لیے کہ ثروت اور دولت کا یہی سب سے بڑا مرکز تھا ، خوش حالی اور آسودگی کی یہاں بہتات تھی ، قصر خلافت کے ارد گرد امرا ، وزرا اور اعیان کی حویلیاں زر و جواہر سے بھر گئی تھیں ۔ یہاں خواتین کے لیے بہترین قسم کے زیورات کی مانگ تھی ، اور بہت زیادہ تھی ۔ چنانچہ انھوں نے زیور سازی کو بھی ایک مستقل اور عجوبہ فن بنا دیا تھا ، سونے ، چاندی اور شیشے کی ظروف سازی میں انھوں نے عجیب عجیب کمال دکھائے تھے[2] ۔

کاغذ سازی کی صنعت بھی یہاں بعض ایسے لوگوں کے ذریعہ پہنچ گئی تھی ، جو چین اور مصر سے آئے تھے ۔

کپڑے پر طلائی بیل بوٹے بنانے کا فن فارس سے آیا تھا اور خوب پھلا پھولا تھا ۔

پن چکی بھی یہاں رائج ہو چکی تھی ۔

گھڑی کی ایجاد بھی ہو چکی تھی ۔

غرض یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے وسائل حضارت سے بغداد ، بلکہ رشید کی پوری مملکت روشناس ہو چکی تھی ۔

مصر اس اعتبار سے بہت مشہور تھا کہ یہاں تجارتی جنگی جہاز اور کشتیاں بنانے کا فن عروج پر تھا ۔

---

۱ ۔ سید امیر علی ، ۲۹۲ ۔

۲ ۔ حضارۃ الاسلام ، ۲۵ ۔

سونے اور چاندی کی صنعت بھی یہاں فروغ پذیر تھی -

نسخے اور جڑی بوٹی سے دوائیں تیار کرنے میں بھی لوگ ماہر تھے -

یہاں ایسا کپڑا بنایا جاتا تھا ، باریک سونے کے تاروں کا دھاگہ جس میں استعمال کیا جاتا تھا ، یہ بہت گراں قیمت ہوتا تھا ، اسے صرف خلیفہ ، امرا اور دولت مند لوگ ہی استعمال کر سکتے تھے ۔ اس کی قیمت سو دینار کے لگ بھگ پہنچ جاتی تھی -

خراسان اور آرمینیہ کو پردے اور فرش سازی میں غیر معمولی شہرت حاصل تھی -

شام میں نہایت اعلیٰ اور عمدہ قسم کا حریر (ریشم) تیار کیا جاتا تھا - اور نقش و نگار سے مرصع کپڑے بھی یہاں بہت اچھے بنائے جاتے تھے-

کوفہ اس امر میں بڑھا ہوا تھا کہ یہاں باریک اون بنایا جاتا تھا ، جس کا نام ہی کوفیہ پڑ گیا تھا ، نہایت اعلیٰ درجے کا ریشم بھی یہاں تیار ہوتا تھا -

موصل کی شہرت دور دور تک ریشم کا نہایت باریک کپڑا بننے کے باعث پہنچ گئی تھی جسے مغربی لوگ 'موسلین' کہتے تھے -

یمن لباس فاخرہ کے اعتبار سے مانا ہوا ، اور مشہور تھا - یہاں کے کپڑے بڑے شوق سے عورتیں استعمال کرتی تھیں ، اور مرد بھی بڑے فخر سے انھیں پہنتے تھے- یمنی کپڑا ، ساری مملکت کے ہر علاقے اور اقلیم میں یکساں مقبول تھا ، اس لیے کہ یمنی کپڑا ، خوب صورت بہت ہوتا تھا ، اور اس میں جو بیل بوٹے اور نقش و نگار ہوتے تھے ، وہ آنکھوں میں کھب جاتے تھے-

دباغت اور چرم سازی کی صنعت بھی اس عہد میں شباب پر پہنچی ہوئی تھی ، اس سے گھوڑے کی زین بنتی تھی ، اور لوگوں کے استعمال کرنے کے جوتے بنائے جاتے تھے اور دوسری بہت سی چیزیں بنائی جاتی تھیں جو عام ضروریات انسانی میں استعمال ہوا کرتی تھیں -

ان شہروں میں جہاں فر والے جانور پائے جاتے تھے ، فر کی صنعت بڑے زوروں پر تھی ، اس سے طرح طرح کی خوب صورت پہننے والی چیزیں بنائی جاتی تھیں - اور منہ مانگے داموں ، دولت مند طبقہ انھیں خرید لیا کرتا تھا -

اسی طرح نباتی صنعت بھی عہد رشید میں عروج پر تھی۔ صابون، شکر، پھلوں کے افشرے (جوس) حلوا، عطر، روغنیات یہ ساری چیزیں ملک ہی میں بڑی خوبی اور نفاست کے ساتھ تیار ہوتی تھیں۔

بعض مؤرخین نے بغداد کی صنعتی ترقیوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ عہد رشید کے صناعوں اور ہنروروں نے کیسے کیسے کمالات کر دکھائے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد کی پیدا کی ہوئی مدنیت اور حضارت ایک عرصے دراز تک اپنی ضوفشانی سے دنیا کو جگمگاتی رہی، اور طویل عرصے تک دنیا اس سے بہرہ ور ہوتی رہی۔

رشید کے زمانے میں کاروباری اور تجارتی اعتبار سے بھی بہت زیادہ کامیابی ہوئی اس لیے کہ راستے محفوظ تھے، اور قافلوں کی آمد و رفت کے سلسلے میں جملہ سہولتیں بھی مہیا کر دی گئی تھیں۔ امن و امان کی ہر طرف کارفرمائی تھی، مسافروں کو تنگ کرنے، لوٹنے اور ہلاک کرنے والے رہزنوں، قزاقوں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا۔ اشرار کی اس طرح سرکوبی کی گئی تھی کہ انہیں سر اٹھانے کا یارا نہ تھا۔ مملکت کا مغربی حصہ، مشرقی حصے سے اور شمالی، جنوب سے بغیر کسی انقطاع کے ملحق اور متصل تھا۔ یہ ساری خوبیاں اور کارگزاریاں رہین منت تھیں ڈاک کے محکموں کی، جن پر رشید خاص توجہ مبذول رکھتا تھا۔ پولیس کی تعداد بھی کافی تھی، اور ہر وقت چوکس رہتی تھی۔ فوجی دستے بھی برابر گشت میں رہتے تھے اور اقالیم کے ایک ایک گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ صوبوں کے گورنر اور حکام بالا، قانون شکن اور امن سوز لوگوں کی سرکوبی کے لیے ہمہ وقت آمادۂ کار رہتے تھے، حکومت کے خلاف شورش کرنے والوں کے خلاف بھی فوری کاروائی کی جاتی تھی۔ ان سب باتوں کا لازمی اور قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ چار سو امن و امان کی کارفرمائی تھی، راستے محفوظ و مامون تھے۔ قافلے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ رواں دواں رہتے تھے، مسافروں کو نہ جان کا کھٹکا تھا نہ مال کا خطرہ۔

یہ سب راستے ادھر ادھر نکلتے تھے، اور پایۂ تخت خلافت بغداد سے گزرتے تھے۔ دور دراز مقامات کے سوداگر اور تاجر، مال تجارت لے کر

جس طرح دوسرے بڑے بڑے شہروں میں قسمت آزمائی کے لیے جایا کرتے تھے ، بغداد بھی آتے رہتے تھے - یہ سوداگر اور تاجر اپنے ساتھ سندھ کے برتن ، خراسان کے مصنوعات ، چین کے مسالے ، یمن کے کپڑے ، فارس کے زیور ، ہندوستان کے مسالے ، اور نرگل ، سراندیپ کے موتی ، یاقوت اور خوشبویات ، آرمینیہ کا فرشی سامان اور فر ، شام کے شیشہ آلات ، موصل کا شہد اور ریشم ، مصر کے کپڑے اور دوائیں وغیرہ لے کر آیا کرتے تھے، دنیا جہاں کا مال ان کے ساتھ ہوتا تھا -

رشید کی حکومت اور پڑوس کی مشرقی حکومتوں مثلاً چین ، ہند ، ترکستان اور روم وغیرہ سے کاروباری اور تجارتی تعلقات——اگر جنگ کی حالت نہ ہو——قائم اور مستحکم رہتے تھے - اگرچہ مختلف وقفوں میں ان کی نوعیت اور کیفیت بدلتی رہتی تھی ، دوسرے ملکوں سے یہ کاروباری اور تجارتی تعلقات بھی اسی لیے قائم و دائم تھے کہ راستہ محفوظ و مامون تھا ، خواہ خشکی کا ہو یا دریائی -

البتہ یورپ سے یہ تعلقات کچھ یوں ہی سے تھے - اس لیے کہ بعد مسافت کے باعث ان کو توسیع نہیں دی جا سکتی تھی ، کیونکہ مال کو خشکی سے دریا میں لے جانے یا دریا سے خشکی میں لے آنے کے وسائل ناکافی تھے ، البتہ جو اقالیم ساحل بحر ابیض پر واقع تھیں ، مثلاً شام ، فلسطین اور مصر ان کے تجارتی تعلقات بحری راستے سے جنوبی یورپ سے قائم تھے، کیونکہ ان ساحلوں سے مال بردار جہاز برابر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتے جاتے رہتے تھے اور مال تجارت ڈھوتے رہتے تھے - یہ جہاز عربی ہوتے تھے یا اطالوی ، انطاکیہ یا دوسری اسلامی بندرگاہوں سے جبل طارق ، بلاد اندلس اور دوسرے مقامات پر آیا جایا کرتے تھے[1] -

بصرہ سے عرب مال بردار کشتیاں بحر ہند کی طرف مال تجارت لے کر جایا کرتی تھیں ، عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں عرب تاجر جزیرہ سیلون (لنکا) تک پہنچ گئے تھے اور سواحل ہند پر واقع کئی مقامات تک ان کی

---

۱ - تاریخ تجارۃ الشرق فی القرون الوسطیٰ ، صفحہ ۱۰۳ -

آمد و رفت تھی - وہ بڑے لمبے لمبے سفر کرتے تھے اور چین تک پہنچ جایا کرتے تھے - خلیج فارس کی بندرگاہیں ان کشتیوں اور جہازوں کا اڈا تھیں، جن پر مال تجارت لاد کر بصرہ ، عمان اور بلاد فارس سے لایا جاتا تھا اور بلاد چین و ہند چینی کی طرف روانہ کر دیا جاتا تھا - اسی طرح اس کے برعکس صورت بھی عمل میں آیا کرتی تھی[1] -

اطالیہ (اٹلی) کے دو شہروں جنوا اور بندقیہ سے عربوں نے مشرق بعید اور یورپ کے مابین تجارتی راہ و رسم جاری کر رکھی تھی - چنانچہ مسالے اور جواہرات نادرہ چین و ہند سے لے کر بحر احمر کی طرف منتقل کر دیتے تھے ، یہاں سے یہ چیزیں خلیج عقبہ یا خلیج سویس پہنچ جاتی تھیں ، پھر مال خشکی پر آتار لیا جاتا تھا اور اونٹوں پر لاد کر ساحل بحرابیض تک لایا جاتا تھا - یہاں سے اسے پھر اطالوی یا عرب مال بردار کشتیوں پر لادا جاتا تھا اور منزل مقصود تک پہنچایا جاتا تھا - اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہارون رشیدؒ نے ایک مرتبہ تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بحر احمر اور بحر ابیض کا درمیانی علاقہ فتح کر لے ، تاکہ مال تجارت کو یہاں سے وہاں منتقل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے -

سیوطی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے :

"رشید نے ارادہ کر لیا تھا کہ بحر احمر اور بحر ابیض کا درمیانی علاقہ فتح کر لے ، جو شہر فرما یعنی مصری سر زمین سے قریب تھا، تاکہ مشرق اور مغرب میں بغیر کسی روک ٹوک کے آسانی کے ساتھ تجارت اور کاروبار جاری رکھا جا سکے ، اسی طرح شمالی افریقہ ، اندلس ، (اسپین) صقلیہ (سسلی) اور فرنگ (یورپ) کے سواحل ، جزیرۂ عرب ، فارس اور عراق سے متصل ہو جاتے ، لیکن اس کے بعض خواص نے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے اسے باز رکھا ، جن میں یحیی بن خالد برمکی خاص طور پر پیش پیش تھا - اس کی دلیل یہ تھی کہ اس طرح روم کے لوگ اراضی مقدسہ سے اتصال پیدا کریں

---

۱ - تاریخ تجارۃ الشرق فی القرون الوسطی ، صفحہ ۴۲ -

گے ، ان کی کشتیاں سواحل حجاز تک آنے لگیں گی اور رومی جب چاہیں گے اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیں گے - بعض دوسرے لوگوں نے یہ بات رشید کے سامنے پیش کی کہ اس طرح مصر اور صقلیہ کے سواحل ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور بحر ابیض ، بحر احمر میں آ ملے گا ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یمن اور حجاز کے سواحل غرق ہو جائیں گے کیونکہ بحر ابیض کا سطح بحر احمر سے اونچا ہو جائے گا ، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رشید اس ارادے سے باز آ گیا[1] -

بڑے بڑے شہر : تجارتی مرکز

بہر حال بغداد سلطنت عباسیہ کا پایۂ تخت تھا ، یہاں آ کر دنیا کی تمام اقلیموں کے راستے مل جایا کرتے تھے ، اس سلطنت میں اور بھی کئی بڑے بڑے شہر تھے ، جو غیر معمولی تجارتی حیثیت رکھتے تھے ، بصرہ ان میں سب سے زیادہ اہم تھا ، وہ عراق کا دروازہ اور دریائے دجلہ کا مدخل تھا ، جس کی لہروں پر دنیا جہاں کی چیزیں دور دراز مقامات سے فروخت ہونے اور بازار میں بکنے کے لیے آیا کرتی تھیں ، یہ مشرق و مغرب کے قافلوں کا پڑاؤ تھا ، جو چین کے گھنے جنگلوں سے صحرائے اعظم تک چلا گیا تھا[2] -

اسی طرح شہر قدس (بیت المقدس) یورپ کے زائروں کا کعبہ تھا ، جو اپنے حج و زیارت کے زمانے میں مغرب سے آ کر مشرق کے تاجروں سے ربط و تعلق پیدا کرتے تھے -

یہی حالت شام ، اسکندریہ اور عدن کی تھی -

اور ان کے علاوہ بھی کئی بڑے بڑے شہر تجارتی مرکز اس زمانے میں بنے ہوئے تھے -

اس جگہ اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد رشید کی

---

۱ - تاریخ الخلفاء ، صفحہ ۱۸۹ -

۲ - الجاحظ ، کتاب التبصر بالتجارۃ ، صفحہ ۳ -

اقتصادی حالت جو صنعت ، تجارت اور زراعت پر مشتمل تھی ، رشید کے سارے زمانہ خلافت میں کامیاب اور نفع بخش نہیں رہی ، اسے استقراء اور حریت نامہ نہ حاصل ہو سکی ، اس لیے کہ بعض اوقات ایسے سیاسی مشکلات کا ہدف بننا پڑتا تھا جو خارجی بھی تھیں اور داخلی بھی !

حصہ ہفتم

عہد رشید کی سیاست

خارجی اور داخلی

احوال و کوائف پر ایک نظر

سیاست خارجیہ و داخلیہ

رشید کی حکومت اپنی پہنائی اور وسعت کے اعتبار سے بے کراں اور بے نہایت تھی، ایک طرف یہ مغرب اقصیٰ سے سر زمین سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور مشرق میں ارض چین تک پہنچ گئی تھی، دوسری طرف شمال میں بلاد آرمینیہ سے جنوب کے سواحل یمن تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

اس وسعت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پڑوسی وہ ملے جو مختلف شعوب، اقوام اور اجناس سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا نہ اس سے کوئی اثر قبول کیا تھا، چنانچہ وہی ہؤا جو ہونا چاہیے تھا، یعنی ان شعوب و اقوام اور اقالیم اسلامیہ کے عمال کے مابین سرحدی غارت گری اور جنگ و پیکار کا سلسلہ ایک عرصۂ دراز تک جاری رہا۔ کبھی حالات کے لحاظ سے ایسا بھی ہؤا کہ صلح کے میثاق مرتب ہوئے اور عہد نامے عمل میں آئے۔

چونکہ حکومت کی مشرقی سرحدیں پایۂ تخت خلافت بغداد سے دور تھیں۔ لہٰذا یہ جھڑپیں جو ہؤا کرتی تھیں، کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔

لیکن رشید کے عہد میں حدود مملکت نے اور زیادہ وسعت اختیار کی۔ فتوحات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، بلاد افغانستان۔ ترکستان اور بلاد خزر تک بلکہ اور دوسرے مقامات تک بھی کشور کشائی اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا——تفصیل آگے آئے گی۔

رشید کی حکومت کے مغربی حدود دو دشمن ملکوں سے ملے ہوئے تھے، اور یہ دشمن ملک عرب بھی تھے اور مسلمان بھی۔

ان میں ایک دولت امویہ تھی جو اندلس پر حکمرانی کر رہی تھی،

اور دوسری دولت ادریسیہ علویہ تھی، جو مغرب اقصیٰ میں فرماں روائی کا پرچم لہرا رہی تھی۔

اندلس کی اموی حکومت عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام نے قائم کی تھی، جو بنو عباس کی تلواروں کی زد سے ہٹ کر، جب کہ عباسی امویوں کو چن چن کر قتل کر رہے تھے اور تخت حکومت پر قابض ہو گئے تھے اور امویوں کو تہس نہس اور غارت کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے، افتاں و خیزاں بچتا، بچاتا، سر زمین اندلس میں وارد ہؤا تھا۔ یہ عبدالرحمان جسے 'قریش کا شکرا' کہا جاتا تھا، اندلس آیا اور اس جزیرے میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک بادشاہ کی حیثیت سے اس علاقے پر حکمرانی کرنے لگا۔

عبدالرحمان نے بڑے ٹھاٹھ سے طویل مدت تک حکومت کی، اس کا عہد ایک جدید حضارت کی تاسیس و تعمیر کا عہد تھا، یہ حضارت اس کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کافی مدت تک قائم رہی۔ تاریخ کے صفحات اس حضارت کی رعنائی اور شادابی کے گواہ ہیں، اس نے ۴۴ سال تک (۱۲۸ــــ۱۷۲ھ) تک حکومت کی۔ رشید کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک یہ اس کا معاصر رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا ہشام تخت حکومت پر جلوہ گر ہؤا، یہ آٹھ سال تک برسراقتدار رہا، پھر اس کا بیٹا الحکم مسند آرائے حکومت ہؤا۔

رشید بڑی تشویش، اضطراب اور اندیشے کی نظر سے اس حکومت کو دیکھ رہا تھا، لیکن خاموش رہا۔

خاموشی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ دونوں کے مابین بعدالمشرقین تھا۔ ایک اس سرے پر، دوسرا اُس پر۔ اس مسافت کو طرح طرح کی کٹھنائیاں برداشت کر کے پار کرنا اور حملے کا سر و سامان بہم پہنچانا آسان نہ تھا، حد درجہ صبر آزما تھا۔

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ اموی حکومت عملی طور اس سے برسر پرخاش نہیں تھی، بلکہ بلاد فرنگ میں مصروف جہاد تھی اور فرانس کو

تو اس نے زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا ، اس نے جنوب اور مغرب کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی بالا دستی قائم کر لی اور اس کے شہنشاہوں ، شارلمارٹل کے بیٹے اور شارلیان سے تو باقاعدہ جنگیں ہوئیں ، ان حالات میں رشید نے اندلس کی اموی حکومت سے الجھنا پسند نہیں کیا ۔

لیکن مغرب اقصیٰ کی ادریسی حکومت کا معاملہ دوسرا تھا ، اس حکومت کی سرحد شمالی افریقہ میں دولت رشید سے ملی ہوئی تھی ۔

افریقہ کے گورنر کی خواہش تھی کہ اس حکومت سے ایک مرتبہ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دے اور رشید کے لیے بہ آسانی ممکن تھا کہ اجازت دے دیتا اور مال و ساز و سامان جنگ سے حسب ضرورت اس کی مدد کرتا ، لیکن ادریس ثانی نے صلح جویانہ رویہ اختیار کیا ، جس کے باعث رشید نے جنگ کا آغاز کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔

اور ادریسی حکومت سے رشید کے برسر پیکار نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی جیسا کہ آثار قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ادریسی حکومت کو وہ اپنی مملکت میں فتح کر کے شامل کر لیتا ، تو پھر براہ راست اسے اندلس کی حکومت کے رو در رو ہو کر رہنا پڑتا ، جو کوئی معمولی حکومت نہیں تھی ، ہر اعتبار سے مضبوط اور مستحکم حکومت تھی اور غیر معمولی قوت و طاقت کی مالک تھی - پھر ایک بات اور بھی تھی جس سے رشید خائف تھا ۔

وہ سوچتا تھا کہ اگر اس نے ادریسی حکومت سے چھیڑ چھاڑ کی ، یا اس کے خلاف فوجی طاقت استعمال کی تو ہوسکتا ہے کہ سارے علوی بگڑ کھڑے ہوں اور وہ متحد و متفق ہو کر امویوں کے ساتھ مل جائیں اور دونوں پورا زور ابن اغلب کی حکومت کو (شمالی افریقہ میں) ختم کرنے پر لگا دیں ، اس کا نتیجہ یقیناً سارے شمالی افریقہ کے لیے خطرناک صورت میں نکل سکتا تھا ۔

اور اس کا انجام آخرکار کیا ہوتا ؟ یہ کسے معلوم ؟

اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ رشید ایسی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کرتے یک گونہ اضطراب و تشویش محسوس کرتا تھا ، جس کی رعایا

مسلمان تھے ، اس طرح اسے لوگوں کا خون بہانا پڑتا ، جسے اسلام نے حرام قرار دیا تھا ۔ نیز اس طرح یہ بھی ہوتا کہ مسلمانوں کے مابین ایک ایسے مقام پر فتنہ رونما ہوتا جس پر ایک عرصے سے مشرق اور مغربی روم کی حکومتیں حملہ کرنے کی تاک میں تھیں ۔

دشمن ممالک میں جو ملک بغداد سے بہت زیادہ قریب تھا اور جو مسلمانوں کا دشمن جان اور مسلم حکومت کا بد ترین دشمن تھا ، وہ مشرق کی بازنطینی رومی حکومت تھی ، جو قدیم روما کی شہنشاہیت سے اپنا رشتہ منقطع کر کے ایک مستقل وجود اختیار کر چکی تھی اور بلقان اور مشرقی یورپ میں اپنی فرماں روائی کا پرچم لہرا رہی تھی ۔

اموبوں کے عہد میں اور عباسیوں کے اوائل عہد میں عربوں نے اس حکومت پر کئی حملے کیے ۔ خود رشید بھی اپنے والد خلیفہ مہدی کے دور حکومت میں دو مرتبہ اس ملک پر حملہ کر چکا تھا اور اس کے یہ حملے کامیاب بھی رہے تھے ، وہ اس کے پایۂ تخت کو بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ گیا تھا اور جزیہ نافذ کر کے واپس آ گیا تھا ۔

پھر اپنے عہد خلافت میں بھی رشید نے بہ نفس نفیس کئی مرتبہ اس ملک پر حملہ کیا !

پہلا حملہ ۱۷۰ھ میں کیا ، جب کہ مسند آرائے خلافت ہوئے اسے ابھی صرف چند ماہ کی مدت گذری تھی ـــــ لیکن یہ حملہ کچھ زیادہ کارگر ثابت نہیں ہؤا تھا ۔

۱۸۱ھ میں رشید نے دوسرا حملہ کیا اور صفصان کا قلعہ فتح کرایا ۔

آخری حملہ اس نے ۱۹۰ھ میں کیا ، یہ سب سے زور دار اور کارگر حملہ تھا ، جو اس نے اپنی زندگی میں قسطنطنیہ پر کیا تھا ، اس لیے کہ وہ تابڑ توڑ دو مرتبہ حملہ کرنے پر مجبور ہوگیا تھا ۔

پہلے حملے میں مصالحت ہوگئی ، لیکن قسطنطنیہ کے سپہ سالار افواج نکفور نے بد عہدی کی ۔ یہ خبر اسے بغداد واپس جاتے ہوئے راستے میں ملی ۔ وہیں سے پلٹ پڑا اور سرکوبی کر کے دم لیا ـــــ اس واقعہ کی پوری تفصیل آگے آئے گی ۔

اِس جگہ جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی ساری مدت خلافت میں رشید فریضہ جہاد کی بجا آوری سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہؤا ، اگر کسی وجہ سے بہ نفس نفیس لشکر لے کر نہ جا سکا ، تو اس نے اپنے قائدین فوج کی سربراہی میں لشکر گراں روانہ کیا ، جب بھی قسطنطنیہ کی حکومت جزیہ ادا کرنے میں تاخیر ، یا لیت و لعل یا انکار سے کام لیتی تھی ، فوراً اسلامی لشکر سرکوبی کو پہنچ جاتا تھا ۔

قسطنطنیہ کی حکومت پر رشید کے یہ بسلسل اور مستقل حملے صرف سیاسی اغراض کے ماتحت نہیں ہؤا کرتے تھے ، بلکہ ان میں دینی جذبہ اور مذہبی روح بھی کار فرما رہتی تھی ، جس کا مقصد صرف اللہ کے راستے میں جہاد کی سعادت حاصل کرنا تھا ۔

اس جہاد مستمر میں رشید کے جن قائدین فوج نے حصہ لیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

سال	قائد عسکر
۱۷۰ ھ	ہارون رشید
۱۷۱ ھ	یزید بن عنبسہ المحرشی
۱۷۲ ھ	محمد بن ابراہیم العباسی
۱۷۳ ھ	ابراہیم بن عثمان بن نہیک
۱۷۴ ھ	سلیمان بن ابی جعفر المنصور
۱۷۵ ھ	عبدالملک بن صالح
۱۷۶ ھ	ہاشم بن الصلتت
۱۷۷ ھ	داؤد بن نعمان
۱۷۸ ھ	یزید بن غزوان
۱۸۰ ھ	اسماعیل بن قاسم
۱۸۱ ھ	ہارون رشید
۱۸۲ ھ	ابراہیم بن قاسم
۱۸۳ ھ	فضل بن عباس ہاشمی (عباسی)
۱۸۴ ھ	ابراہیم بن محمد العباسی

۱۸۵ ھ	ابراہیم بن عثمان بن نہیک
۱۸۶ ھ	ابراہیم بن عثمان بن نہیک
۱۸۷ ھ	القاسم بن ہارون رشید بہ تعیت عبدالملک بن صالح
۱۸۹ ھ	فضل بن عباس عباسی
۱۹۰ ھ	ہارون رشید ــــ اس جنگ میں ہرقلہ فتح ہؤا ۔ حمید بن معیوف نے بحر روم میں جنگ لڑی اور جزیرہ قبرص پر قبضہ کر لیا ۔
۱۹۱ ھ	ہرثمہ بن اعین ،ــــ بہ سرکردگی ہارون رشید

رشید اور باز نطینی حکومت (قسطنطنیہ) کے درمیان ان مسلسل لڑائیوں کی گونج مغربی یورپ کے در و دیوار سے ٹکراتی رہتی تھی اور مقدس رومی شہنشاہیت (حکومت روم) اور فرانس کے فرماں روا شارلیمان کے کانوں تک برابر پہنچتی رہتی تھی ، یہ خبریں سن کر شارلیمان کو ایک طرح کی راحت محسوس ہوتی تھی ۔

اس لیے کہ بازنطینی حکومت کی رشید کی حکومت سے یہ مسلسل معرکہ آرائیاں ، اسے مقدس رومی حکومت پر حملہ کرنے اور اپنے حدود مملکت میں توسیع کر کے مشرقی یورپ تک چھا جانے سے روکے ہوئے تھیں، بالکل اسی طرح جیسے اندلس کی مسلمان حکومت کی سر زمین فرانس پر یلغار اور یورش کے باعث ہارون رشید ایک طرح کی ذہنی راحت محسوس کرتا تھا ، کیونکہ ان معرکہ آرائیوں کے باعث حکومت اندلس کی ترکتازیوں سے شمالی افریقہ محفوظ تھا ۔ فرانس سے جنگ کے باعث شمالی افریقہ کی طرف ملتفت ہونے کی حکومت اندلس کو فرصت ہی نہیں تھی ۔

چنانچہ ان واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ، بعض فرنگی مؤرخین کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے ان عظیم شہنشاہوں ــــ رشید اور شارلیمان ــــ کے مابین ڈپلومیٹک روابط کا سراغ ملتا ہے ۔

بعض لاتینی مصادر (ماخذ) سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی یورپ کے

فرماں رواؤں اور عباسی حکومت کے خلفا اولین کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم تھا اور ایک دوسرے کے وفود بھی آیا جایا کرتے تھے۔

ان مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شارلمائل نے جو حکومت کے تخت پر جلوہ گستر تھا ، (مطابق ١٣٩ھ) ٧٦٥ع میں ایک سرکاری وفد ابو جعفر منصور خلیفہ بغداد کی خدمت میں بھیجا تھا ، جو تین سال تک مشرق میں قیام پذیر رہا ، اس کے بعد بحری راستے سے مرسیلیا آیا اور اپنے ساتھ ایک عربی وفد بھی لایا ، جو ابو جعفر منصور نے بھیجا تھا ، اس وفد کے ساتھ خلیفے نے شہنشاہ یورپ کو دوستانہ طور پر بہت سے تحائف بھی بھیجے تھے ۔ عربی وفد ایک نہایت معزز اور مؤثر مہمان کی حیثیت سے پایۂ تخت متیز میں کچھ عرصے تک مقیم رہا ، یہ واقعہ ١٥٢ھ (مطابق ٧٦٨ع) کا ہے ، پھر بغداد واپس آ گیا ۔

شارلیان : شہنشاہ فرانس

انھی مصادر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد ، جب شارلیان تخت نشین ہؤا اور مقدس روم کا شہنشاہ بنا ، تو تاج پوشی کی رسم باقاعدہ ادا ہو چکنے کے بعد ـــــ جو فادر لیون ثالث نے انجام دی تھی ـــــ اپنے ہم عصر خلیفہ ہارون رشید سے نامہ و پیام شروع کیا اور تعلقات و روابط کی طرح ڈالی ۔ ان دونوں کے مابین دوستی قائم ہوئی ، اور پہلے سے کہیں زیادہ وسیع انداز میں ۔ اس دوستی کا مقصد یہ تھا کہ دونوں ممالک کے مابین سیاسی تعلقات زیادہ مضبوط ہوں اور دونوں شہنشاہوں کے درمیان خصوصی روابط قائم ہو جائیں ، گو کوئی باقاعدہ معاہدہ تو دونوں حکومتوں کے مابین نہیں ہو سکا ، لیکن اصل مقصد بڑی حد تک حاصل ہو گیا ۔

ان لاتینی مصادر سے بعض مزید دل چسپ واقعات و احوال پر روشنی پڑتی ہے ، ان میں سے بعض یہ ہیں :

قدس کے اسقف نے شارلیان کو ایک مکتوب بھیجا اور اس سے استدعا کی کہ اپنی مسیحی رعایا کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں فلسطین کا حج کرنے پر راغب کرے ، نیز اس سے یہ استدعا بھی کی کہ وہ

اس بلد مقدس (بیت المقدس) کے مسیحیوں پر خاص نظر کرم رکھے ، کہ اس وقت خدا کی اس وسیع سر زمین پر وہی ، سب سے بڑا مسیحی شہنشاہ ہے ۔

شارلیمان نے اپنی طرف سے ایک وفد اسقف مذکور کی خدمت میں روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ فلسطین کے حج اور اسقف کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد بغداد جائے اور مسلمانوں کے خلیفے کی خدمت میں اس کی طرف سے دوستی اور خلوص کا پیام پیش کرے ۔

یہ وفد مشتمل تھا کاؤنٹ لانٹفریڈ اور کاؤنٹ سیکمونڈ پر ۔ ان دونوں کے ساتھ ایک یہودی تاجر اسحٰق بھی راہنما اور ترجمان کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا ۔ یہ عربی اور فرانسیسی زبان یکساں روانی اور سلاست سے بول سکتا تھا ۔

یہ وفد ۱۸۱ھ (مطابق ۷۹۷ع) میں روانہ ہوا اور دو سال کی لگا تار مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد قدس پہنچا اور اسقف کی خدمت میں حاضر ہوا ۔

اسقف کی زیارت اور ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد وفد نے بغداد کا رخ کیا ، جو شرق اسلامی کا پایہ تخت حکومت تھا ۔

رشید نے وفد کے استقبال کا خاص طور پر انتظام نہایت شاندار کیا ، وہ تمام انتظامات بروئے کار لایا ، جو بادشاہوں یا سفیروں کے استقبال کے لیے خاص ہوتے ہیں ، کیونکہ اس طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے وقار ، حکومت کے جلال اور خلافت کے دبدبے کا نقش ان لوگوں پر قائم کر دے ۔

وفد بغداد آیا اور مقیم ہو گیا !

ایک ماہ تک اسے اذن باریابی کا انتظار کرنا پڑا ۔

جب وفد خلیفہ کے دربار میں پہنچا تو خلیفہ پالتی مارے ، سونے کے تخت پر ، جو جواہرات سے مرصع تھا ، جلوہ گر نظر آیا ، یہ تخت ایک اونچے مقام پر ہال کے بیچوں بیچ دو ستونوں کے درمیان رکھا ہوا تھا ۔ جن پر ریشم کے زرکار اور نقش و نگار والا کپڑا منڈھا ہوا تھا ، جس کے

دھاگے سونے کے تھے اور جس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ خلیفہ پر ایک چتر سایہ فگن تھا، جس میں آبنوس اور ہاتھی دانت کا چتر استعمال کیا گیا تھا۔ چتر کی چھت سیاہ ریشم کی تھی۔ یہ بھی سونے کے تاروں سے بنی گئی تھی، اور اپنی چمک دمک دکھا رہی تھی۔ چتر کے سامنے اور دائیں بائیں سونے کے چاند تھے، ہر ہلال کے ساتھ سونے کی لڑیاں لٹک رہی تھیں، اور ہر لڑی میں بڑے بڑے موتی پروئے ہوئے تھے اور موتیوں کے وسط میں سرخ، زرد اور ازرق رنگ کے یاقوت کچھ ایسی شان سے لگائے گئے تھے کہ آدمی مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔

دربار اور اس کی شان و شوکت کا ایسی دلآویز تفصیل کے ساتھ یورپین مؤرخوں نے ذکر کیا ہے کہ اسے پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے جیسے الف لیلہ کی کوئی کہانی نظر کے سامنے محسوس اور مرئی صورت میں آ گئی ہو۔

رشید نے اس طرح اپنے شایان شان طور پر، وفد کا استقبال کیا، اور بڑی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔

لیکن گفتگو کا موضوع کیا تھا؟ اور کیا باتیں ہوئیں؟ ان مصادر سے ان امور پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے بعد خلیفہ نے مہمانوں کی پرتکلف اور شاندار دعوت کی اور ان کے اکرام و اعزاز کو پورے طور پر ملحوظ رکھا۔

وفد جب رخصت ہؤا تو اسے رخصت بھی اسی شاندار طریقے سے کیا گیا، اور اس کے ساتھ خود ہارون رشید نے بھی اپنا ایک عربی وفد شارلیان کی خدمت میں روانہ کیا۔ عربی وفد کے ساتھ اس نے شارلیان کے لیے بہت سے تحفے بھی روانہ کیے۔ ان میں ایک پانی کی گھڑی بھی تھی، جس کی سوئیاں بالکل صحیح وقت بتاتی تھیں، اور جسے دیکھ کر وفد شارلیان کے لوگ دنگ رہ گئے۔ انھوں نے خیال کیا، اس گھڑی کے اندر شیطان بیٹھا ہے جو اسے حرکت دیتا رہتا ہے۔

اس گھڑی کے علاوہ رشید نے دوسری چیز جو تحفے کے طور پر

شارلیمان کے لیے بھیجی وہ شطرنج کی ایک بساط تھی ، جس کے مہرے بڑے قیمتی ہیروں کے تھے ۔ یہ بساط مہروں سمیت ہاتھی دانت کے ایک صندوقچے میں رکھی ہوئی تھی ، جو سونے سے مرصع تھا ، اور اس پر ایک غلاف بھی تھا ، جس کے دھاگے سونے اور چاندی کے تھے ۔

علاوہ ازیں ہارون نے شارلیمان کو ایک ہاتھی بھی بھیجا ، جو ہندوستان سے منگوایا گیا تھا تاکہ بغداد کے کسی زو میں رکھا جائے ۔

یہ وفد شمالی افریقہ کے راستے بلاد فرنگ کی طرف روانہ ہوا ۔

قدس کے اسقف نے بھی شارلیمان کی حکومت کے پاس ایک خاص وفد بھیجا ، جو قسیسوں اور راہبوں پر مشتمل تھا ۔ وفد کے ساتھ کنیسۂ قیامت کی کنجی بھی تھی ، اور دینی پرچم بھی ، جو تقرب اور ولا کے مرکز کی طرف اشارہ کر رہا تھا ۔

اسقف کا وفد اطالیہ (اٹلی) کی طرف روانہ ہوا ، کیونکہ شہنشاہ رسمی زیارت کے لیے فادر لیون ثالث کے پاس آیا ہوا تھا ، چنانچہ یہ روم میں شہنشاہ سے ملا ، اور اسقف کا پیغام اسے پہنچایا ، یہ واقعہ ۱۸۳ھ (مطابق ۸۰۰ع) کا ہے ۔

پھر جب شارلیمان اپنے پایۂ تخت کی طرف روانہ ہوا تو اسقف کا وفد بھی قدس کی طرف چل کھڑا ہوا ۔

عربی وفد تنہا ، شہنشاہ کے پایۂ تخت میں روانہ ہوا کیونکہ فرانسیسی وفد کے دونوں ممبر راستے میں وفات پا چکے تھے ، اور یہودی چونکہ ہاتھی کے ساتھ آ رہا تھا ، اس لیے وہ بھی بچھڑ گیا تھا ۔

شارلیمان نے بھی عربی وفد کا بڑا شاندار اور پرتپاک استقبال کیا ۔

رشید نے جو تحفے اسے بھیجے تھے ، انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور انہیں بے حد پسند کیا ۔

چند ماہ کے بعد ہاتھی بھی آ گیا ۔

ہاتھی کو دیکھنے کے لیے خلقت ٹوٹ پڑی ، کیونکہ اس سے پہلے یہاں کے لوگوں نے ایسا عجیب و غریب جانور نہیں دیکھا تھا ۔

عربی وفد کافی عرصے تک مقیم رہا ، حکومت کی طرف سے اور ارباب

حکومت کی طرف سے اس کی پذیرائی اور مہمانداری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا۔

عربی وفد کے ارکان جب شہر میں نکلتے تو انہیں دیکھنے کے لیے اور خوش آمدید کہنے کے لیے لوگ ٹوٹ پڑتے، اور ان کے حسن اور گندم گوں رنگ کو دیکھ کر جسے صحرا کی تپش نے چمکدار بنا دیا تھا، جوش جذبات سے اتنے بے قابو ہوتے کہ نغمہ سرائی پر اتر آتے۔ ان کی تعریف و توصیف میں نہ جانے کتنے گیت اور اشعار لکھ ڈالے گئے، یہ گیت اور اشعار جہاں جہاں بھی جاتے انہیں جذبے اور جوش کے ساتھ سنائے جاتے۔ شارلیمان یہ نہیں چاہتا تھا کہ عربی وفد اکیلا اور تنہا بغداد واپس جائے، چنانچہ اس نے ایک اور وفد، اس عربی وفد کے ساتھ نہایت قیمتی ہدایا اور تحائف دے کر ہارون رشید کی خدمت میں بغداد روانہ کیا۔

ان دونوں شہنشاہوں میں دوستی اور خلوص کا یہ رشتہ اس وقت تک قائم رہا، جب تک موت نے ان میں تفرقہ نہیں ڈال دیا۔

یہ ہیں وہ واقعات جو لاتینی مصادر سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔

یہ واقعات سب سے پہلے جس نے قلمبند کیے وہ مؤرخ اینہارڈ ہے، جو شارلیمان کا ہم عصر اور خاندان شاہی کا تاریخ نگار تھا۔

انیسویں صدی کے مؤرخ کاؤنٹ دی ریان نے بھی ان واقعات کی تائید کی ہے، پھر دو اور بڑے مؤرخ بکلر اور لوئیس بریہ بھی ہمیں ان واقعات کی تائید کرتے نظر آتے ہیں، یہ وہ مؤرخ ہیں جن کا شمار یورپ کے مشاہیر مؤرخین میں ہوتا ہے۔

عرب مؤرخین کا سکوت

لیکن عرب مؤرخین جنھوں نے خلفا اور ملوک و سلاطین اجانب کے مابین تعلقات سیاسی پر اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے، ان واقعات بالا کے سلسلے میں بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔ ان میں سے کسی مؤرخ نے ایک حرف بھی ان واقعات کی تائید میں نہیں لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ واقعات سرے سے رونما ہی نہیں ہوئے۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب 'عقدالفرید' نے ان سیاسی وفود کا تو ذکر کیا ہے۔ جو شام میں اموی سلاطین کے پاس بازنطینی شہنشاہ کی طرف سے آئے۔ اس وفد کا بھی ذکر کیا ہے جو ہندوستان کے راجہ نے ہارون رشید کی حکومت میں بھیجا تھا، اور بہت سے تحفے بھی ارسال کیے تھے، یہ بھی لکھا ہے کہ اس وفد کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا تھا۔

صاحب عقدالفرید کے علاوہ بھی کئی مؤرخین نے خلفا اور سلاطین اجانب کے مابین تعلقات و روابط کا ذکر کیا ہے۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی شارلیان اور ہارون رشید کے مابین تعلقات و روابط کا ذکر نہیں کیا ہے۔

عرب مؤرخین کا یہ سکوت آخری زمانے کے مؤرخین کے لیے بحث و جدل کا ایک وسیع میدان پیدا کر دیتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مؤرخین دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ایک وہ ہے جو ان واقعات کا سرے سے انکار کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو ان کی صحت کو مانتا ہے۔

جو لوگ ان واقعات کے وجود اور ان کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب مؤرخین کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ شارلیان اور ہارون رشید کے مابین تعلقات و روابط نہیں تھے۔ یہ واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں۔ یورپ کے قدیم مؤرخین کی افسانہ طرازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ شارلیان اور ہارون رشید کے درمیان اتنی بڑی مسافت حائل تھی کہ اس طرح کے تعلقات کا پیدا ہونا ممکن ہی نہ تھا۔

ان واقعات کا انکار کرنے والے مؤرخین میں سب سے پیش پیش 'بوکیفیل' ہیں۔ جنھوں نے اپنا ایک رسالہ ۱۸۳۳ء میں شائع کیا، اور ان کی تردید کی۔ روسی مؤرخ مارنولا بھی بوکیفیل کا ہم خیال ہے۔ علمی انداز میں اس مسئلے کے وجود سے انکار کرنے والوں میں جرمن مؤرخ شمبد خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنھوں نے ''مجلۃ الاسلام'' میں بڑی تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔[1]

---

۱ - ملاحظہ ہو مجلۃ الاسلام جلد ۳، صفحہ ۳۰۵ -

لیکن جو مؤرخین ان واقعات کی تائید و تصدیق کرتے ہیں ، وہ بہت زیادہ ہیں ۔ اور ان کے دلائل بھی بہت زیادہ مضبوط اور وزنی ہیں ، ـــ مثلاً :

بحری راستے سے شرق و غرب کے مابین تجارتی آمد و رفت جاری تھی، چنانچہ جنوبی یورپ کے ساحلی علاقوں کے رہنے والے لوگوں کے شام ، مصر اور شمالی افریقہ کے ساتھ تجارتی تعلقات روز افزوں ترقی پر تھے ۔"

اسی طرح یورپ کے مسیحی زائروں اور حاجیوں کے بڑے بڑے قافلے ہر سال یورپ سے فلسطین پابندی کے ساتھ آتے رہتے تھے ۔ اُن کے واسطے سے رشید کی حکومت کے واقعات و حالات فرانس اور دوسرے شہروں میں پہنچتے رہتے تھے ۔

اسی زمانے میں کچھ آثار مسیحی[٣] بھی ، فلسطین سے بلاد یورپ میں منتقل ہوئے ۔ مثلاً اس صلیب کا ٹکڑا جس پر حضرت عیسیٰ[٤] کو بقول عیسائیوں کے پھانسی دی گئی تھی ، اور وہ کیلیں جو صلیب دیتے وقت اُن کے سر پر لگائی گئی تھیں ۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ عرب بلاد فرنگ سے متعلق معلومات رکھتے تھے ، کیونکہ شام میں امویوں کے زمانۂ حکومت میں عرب فوجیں اور عربوں کے اثنا حکومت میں اندلس سے عرب فوجیں فتح کرتی ہوئی ، شہر بورقیہ تک پہنچ گئی تھیں جو مغربی یورپ کے وسط میں واقع ہے ۔

اسی طرح وسطی یورپ کے باشندے رشید کی حکومت کے بارے میں لاعلم اور ناواقف نہیں تھے ۔ بازنطینی حکومت سے رشید کی جو معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں ۔ وہ ان کے کانوں تک پہنچتی رہتی تھیں ۔ انہیں اس کی خبر بھی تھی کہ رشید کا لشکر ایوان قسطنطنیہ تک پہنچ گیا اور وہاں کی حکومت پر جزیہ عائد کرکے واپس آ گیا ۔

اور پھر سب سے بڑھ کر اُن کا یہ قول بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ دونوں بادشاہوں کی مصلحت اسی میں تھی کہ اپنے دشمن پر دباؤ

بڑھانے کے لیے ایک دوسرے سے زیادہ قربت حاصل کریں ، اور اس کا طریقہ سوا اس کے کوئی نہیں تھا کہ سیاسی روابط بسیط پیمانے پر دونوں کے مابین قائم ہوں ۔

فرنچ مؤرخ اورڈیزیو نے اس سلسلے میں عرب مؤرخین کے سکوت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے :

''عرب مؤرخین اس باب میں اس لیے ساکت ہیں کہ وہ اس بات کو قابل ذکر اور اہم نہیں سمجھتے، ورنہ ان کے نزدیک دو شہنشاہوں کے مابین ہدایا اور تحائف کا تبادلہ بجائے خود کوئی مستبعد بات نہیں تھی ، باقی رہا شارلیان کا معاملہ تو جس زمانے میں عرب مؤرخین نے اپنی کتابیں لکھی ہیں وہ اس کے عہد کی تہذیب و حضارت کو عرب مدنیّت اور حضارت کے مقابلے میں ہیچ اور بے وقعت سمجھتے ہیں'' ۔

بعض یورپین مؤرخین نے ان واقعات کے سلسلے میں ثبوت بھی پیش کر دیا ہے ۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہارون رشید کے ارسال کردہ ہدایا و تحائف کے بعض حصے اب تک موجود ہیں ، ان میں سب سے اہم شطرنج کا وہ باقی حصہ ہے جو پیرس کے میوزیم میں دیکھا جا سکتا ہے ، جو ہاتھی دانت کے صندوقچے میں رکھا ہوا ہے ۔

بعض مؤرخ اس بات میں شک کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ہدایا ہارون رشید کی طرف سے شارلیان کو بھیجے بھی گئے تھے ؟ لیکن علما تاریخ ثبوت میں وہ نقوش و خطوط پیش کرتے ہیں جو مہروں پر موجود ہیں۔ ان کا انداز صنعت اس بات کا شاہد ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں بہ مقام ہندوستان بنایا گیا ہے ، اور اس کا بنانے والا ایک مسلمان ہے ، جس کا نام شطرنج کے مہروں پر بایں طور لکھا ہوا ہے :

''عمل — یوسف!''

اور رشید کا انتقال ۸۰۹ع میں ہوا تھا ، لہذا یہ بات ہرگز مستبعد نہیں ہے کہ یہ شطرنج ہارون رشید ہی نے شارلیان کو بھیجی ہو !

داخلی سیاسی حوادث

ہارون رشید کی داخلی سیاست کا اہم مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے وجود کو بہر حال قائم رکھا جائے اور ہر طرح کہ اضطراب کا قلع قمع کیا جائے۔ لوگوں کو اطمینان دلایا جائے اور امن و عافیت کی فضا پیدا کی جائے۔

اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان واقعات و حوادث کا جائزہ لیں جو سلطنت کے دور دراز علاقوں میں رونما ہوئے تو ضروری ہے کہ ہم اس دور کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں۔

شمالی افریقہ

خارجی فرقے کی شورشیں اور بغاوتیں !

ہارون رشید کے مسند آرائے خلافت ہونے کے پہلے ہی سال شمالی افریقہ کا گورنر یزید بن حاتم المہلبی وفات پا گیا ، اس کا بیٹا داؤد بن یزید اس کا جانشین ہؤا ۔

داؤد سے خارجیوں کے فرقۂ اباضیہ نے جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ بغاوت ، شورش اور سرکشی اُن کا مزاج بن گیا تھا ۔ آخر ان معرکہ آرائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ خارجی غالب آئے اور داؤد کا لشکر شکست کھا کر رو بہ فرار لایا ۔

لیکن داؤد آسانی سے ہار ماننے والا نہ تھا ۔ اس شکست نے اسے اور زیادہ استقامت عطا کر دی ، اس نے اپنے بکھرے ہوئے لشکر کو پھر سے جمع کیا اور افواج پر ایک بھرپوُر حملہ کیا ، اور اِن کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا ۔

داؤد نے نو سال تک شمالی افریقہ پر حکومت کی ۔

پھر ہارون رشید نے داؤد کے چچا ، روح بن حاتم کو شمالی افریقہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا اور کچھ عرصے کے بعد ، فضل بن روح کو یہ منصب سونپ دیا ۔ فضل اس کے مقربین بارگاہ میں سے تھا ۔

۱۷۷ھ (بمطابق ۷۹۳ء) میں فضل بن روح اپنی ولایت میں وارد ہؤا اور تیونس کا عامل اپنی طرف سے اپنے بھتیجے مغیرہ بن بشر بن روح کو بنا کو بھیج دیا ۔

یہ مغیرہ ایک سر پھرا اور سراپا نخوت نوجوان تھا ۔ بدانتظام اور بدکردار ، اس نے فوج کے سامنے ہیکڑی لگانی شروع کر دی ، یہ بات

فوج والوں کو گراں گزری اور وہ مغیرہ سے بگڑ گئے ۔ اُنھوں نے اس کے چچا فضل سے کہا کہ خدا کے لیے اپنے بھتیجے مغیرہ کو واپس بلا لیجیے ، لیکن فضل نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ آخر جب صبر کا پیمانہ چھلکا ، تو فوجیوں نے عبداللہ بن جارود کی سرکردگی میں مغیرہ کا تختہ الٹ دیا اور اسے نکال باہر کر دیا اور فضل کو لکھا :

"آپ کا حلقۂ اطاعت اب بھی ہمارے گلے میں ہے ، لیکن مغیرہ بدکردار تھا ، ہم نے اسے نکال دیا ہے ۔ اب اس شخص کو ہم پر حاکم بنا کر بھیجیے جسے ہم پسند کرتے ہوں!"

فضل کو مانتے ہی بن پڑی ، اس نے عبداللہ بن یزید المہلبی کو اپنی طرف سے عامل بنا کر تیونس بھیج دیا ۔

ابن یزید ابھی تیونس سے ایک منزل دور تھا کہ ابن جارود نے ایک جماعت اس لیے روانہ کی کہ وہ دیکھ آئے کہ فضل نے جسے عامل بنا کر بھیجا ہے ، کون ہے ؟

یہ لوگ گئے اور انھوں نے ابن یزید کو جا لیا اور آپس میں کہنے لگے :

"فضل مہلبی نے اپنے ابن عم عبداللہ بن یزید کو، تیونس کا عامل بنا کر فریب کاری سے کام لیا ہے ، یہ ضرور اپنے بھائی مغیرہ کے نکالے جانے کا بدلہ لے گا !"

چنانچہ صبح صبح انھوں نے عبداللہ بن یزید پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے لوگوں کو قیدی بنا لیا ۔

ابن جارود کو اپنے آدمیوں کی اس کارگذاری کا علم ہؤا تو بہت گھبرایا ، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ؟ اب تو جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ہو چکا تھا اسے نباہنا تھا اور اس پر قائم رہنا تھا ۔ چنانچہ اب ابن جارود اپنے ساتھیوں سمیت اس بات پر مجبور ہو گیا کہ سرکشی اور بغاوت کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور شمالی افریقہ کی گورنری سے فضل کو معزول کر دیا جائے ۔

ابن جارود کا ایک معتمد شخص محمد بن فارسی تھا ، یہی اس کی طرف سے

خط و کتابت کیا کرتا تھا، چنانچہ اس نے شمالی افریقہ کے تمام عرب سربراہان فوج کو الگ الگ ایک نامہ لکھا:

"بلاد امیرالمومنین میں فضل المہلبی نے جو دھاندلی مچا رکھی ہے اور جس بد کرداری کے مظاہرے کر رہا ہے، ہم اس سے خوب واقف ہیں، ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ تاکہ اسے اپنے درمیان سے ہٹا دیں، ہم نے خوب غور کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ آپ سے بڑھ کر امیرالمومنین کی نظر میں کوئی اور پسندیدہ شخص نہیں ہے، للہذا ہم نے طے کیا ہے کہ اپنے آپ کو بس آپ کے دامن سے وابستہ کر لیں۔ اگر ہم کامیاب ہوئے تو آپ ہی کو اپنا سردار بنائیں گے اور امیرالمومنین کو لکھ دیں گے کہ ولایت آپ کا اور صرف آپ کا حق ہے اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم ہو سکے گی کہ آپ کو ہم نے اپنا امیر بنانا چاہا تھا!——والسلام——!"

اس نامے نے حسب دل خواہ اثر کیا، ساری فوج فضل مہلبی کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور تمام عرب سردار، اس کی سرکوبی پر آمادہ ہو گئے۔ فضل نے ایک بڑا لشکر ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا، لیکن یہ لشکر شکست کھا گیا اور سر پر پاؤں رکھ کر قیروان کی طرف بھاگا، جہاں فضل مقیم تھا، لیکن ابن جارود کا لشکر بھی پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا، چنانچہ تعاقب جاری رکھا گیا اور قیروان کا محاصرہ کر لیا گیا اور ابن جارود کی فوج شہر میں داخل ہو گئی، فضل گرفتار کر لیا گیا۔

ابن جارود نے فضل کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا، لوگوں نے اس فعل سے اسے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن اس نے کسی کی نہ سنی اور اس کی گردن اڑا دی۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا لشکر دو گروہوں میں بٹ گیا۔ جو لوگ اس کے طرز عمل سے اختلاف رکھتے اور اس قتل سے برہم تھے وہ خود اس کے قتل کے درپے ہو گئے، تیونس کی ایک پلٹن کے ساتھ ابن جارود نے مقابلہ کیا اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کئی سربرآوردہ لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا، لیکن یہ لوگ اس شکست کے

باوجود ، ابن جارود کے آگے سر جھکانے کو تیار نہیں ہوئے اور اپنے قائد کے گرد جمع ہو گئے جس کا نام علاء بن سعید تھا ۔

ہارون رشید کو ابن جارود کی تمام حرکتوں کی اطلاع پہنچ چکی تھی، اس نے اپنے ایک بہترین سالار ہرثمہ بن اعین کو ، ابن جارود کی سرکوبی کے لیے بھیجا ، ہرثمہ کے ساتھ ایک اور بڑی شخصیت یحییٰ بن موسیٰ الکندی کی بھی تھی ۔

ہرثمہ کی خواہش یہ تھی کہ ابن جارود کو جادۂ طاعت پر پھر سے گام زن کر دے ، چنانچہ اس نے یحییٰ کو اس کے پاس بھیجا ۔

یحییٰ قیروان آیا اور ابن جارود کو رشید کی اطاعت اور وفا کیشی کی دعوت دی ۔

ابن جارود نے جواب میں کہا :

''میں سمع و طاعت کے راستے پر گامزن ہوں اور یہ علاء بن سعید جو ہے اس نے اپنے گرد بربر کو جمع کر لیا ہے اور چڑھائی کرتا ہوا آ رہا ہے ، پس اگر میں نے قیروان چھوڑ دیا تو بربر اس پر قابض ہو جائیں گے ، اس طرح میں اپنے ایک غیر دانشمندانہ اقدام سے بلاد امیرالمومنین کو ضائع کر دینے کا مرتکب ہوں گا ، لٰہذا میں علاء بن سعید کے مقابلے میں نکلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں ، اگر وہ مجھ پر غالب آیا ، تو جو چاہنا سو کرنا ۔ تم جانو اور سرحدوں کی حفاظت جس طرح چاہو کرو اور اگر میں اس پر غالب آ گیا تو ہرثمہ کی تشریف آوری کا انتظار کروں گا ، یہ ملک اسے سونپ دوں گا اور خود امیرالمومنین کی خدمت میں روانہ ہو جاؤں گا !''

لیکن ابن جارود کی یہ باتیں فریب پر مبنی تھیں ، یحییٰ بن موسیٰ نے اس کی حیلہ گری کو سمجھ لیا ۔ اسے یقین ہو گیا یہ محض باتیں بنا رہا ہے، ورنہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ علاء بن سعید کو شکست دے اور ہرثمہ سے کہہ دے ، آپ تشریف لے جائیے ۔

چنانچہ یحییٰ بن موسیٰ محمد بن فارسی کے پاس آ گیا ، محمد بن فارسی نے ظاہر یہ کیا ، کہ وہ اطاعت سے سر مو منحرف نہیں ہوا ہے اور ابن جارود

سے قتال کے لیے اپنے حامیوں کو جمع بھی کرنے لگا ، لیکن ابن جارود نے اسے قتل کر دیا ، یحییٰ ہرثمہ کے پاس بھاگ آیا ، جو طرابلس میں مقیم تھا اور اسے تمام حالات سے باخبر کیا ، آخر ہرثمہ اپنا لشکر لے کر ابن جارود کے مقابلے کے لیے بڑھا ، یہ رنگ دیکھ کر ابن جارود کے اوسان خطا ہو گئے ۔ اس نے ہرثمہ کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے ، قیروان حاضر ہے ، لیکن علاء بن سعید ہرثمہ سے پہلے جا پہنچا ، اس نے ابن جارود کے بہت سے آدمی قتل کر دیے اور فاتحانہ شان سے قیروان میں داخل ہو گیا ۔ ابن جارود شکست یاب ہو کر ایک پناہ گزین کی حیثیت سے ہرثمہ کی خدمت میں حاضر ہؤا ، کیونکہ اسے اندیشہ تھا علاء بن سعید اسے جیتا نہیں چھوڑے گا ۔ ہرثمہ نے ابن جارود کو بغداد روانہ کر دیا اور خود قیروان کی طرف پیش قدمی جاری رکھی ۔ آخر ۱۷۹ھ میں فاتحانہ شان سے وہ قیروان میں داخل ہؤا ۔

رشید کو علاء بن سعید کی سرگرمیوں کی اطلاع مل چکی تھی ، اس نے ابن جارود کی قدر افزائی کی ، رتبہ بڑھایا اور پھر اسے اس کے وطن واپس کر دیا ۔

ہرثمہ نے قیروان ہی میں اقامت جاری رکھی اور یہیں سے وہ شمالی افریقہ کا در و بست کرتا رہا ، اس کے انتظام نے حالات کو بہتر بنایا اور چاروں کھونٹ امن قائم ہو گیا ، اس کے بعد اس نے ایک شاندار محل مانستیر میں تعمیر کیا اور شہر طرابلس کی فصیل برلب ساحل بنائی ۔

اس زمانے میں ایک شخص جو ولایت زاب کا باشندہ تھا اور جو ابراہیم بن اغلب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ، حاضر ہؤا اور بہت جلد ہرثمہ کا تقرب حاصل کر لیا ، ہرثمہ کا برتاؤ اس کے ساتھ برابری کا تھا ، کچھ عرصے بعد ہرثمہ نے اسے زاب کی ولایت (گورنری) عطا کر دی ۔ ابراہیم نے بہت اچھی طرح کام سنبھالا اور بگڑے ہوئے حالات سنوار لیے ۔

ہرثمہ کو جب شمالی افریقہ میں ڈھائی سال کی مدت گزر گئی تو اس نے رشید کی خدمت میں لکھا کہ بغداد واپس آنا چاہتا ہے ، رشید نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی اور بغداد واپس آنے کی اجازت دے دی ۔ چنانچہ

وہ ۱۸۱ھ (مطابق ۷۹۷ء) میں بغداد واپس آ گیا۔

ہرثمہ کی جگہ رشید نے محمد بن مقاتل عکی کو نامزد کیا، یہ خلیفہ کا رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھا، محمد بن مقاتل قیروان آیا اور اس نے ہرثمہ سے چارج لے لیا، لیکن یہ شخص سیرت کا اچھا نہیں رتھا، اعمال و افعال کے اعتبار سے اس میں کوئی خوبی نہیں تھی، چنانچہ فوج اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور اس سے مقاتلہ کر دیا اور مجبور کر دیا کہ افریقہ سے نکل بھاگے۔ یہ طرابلس آیا، ابراہیم بن اغلب نے اس کی پشت پناہی کی اور باغیوں کا مقابلے اپنے لشکر کے ساتھ کیا، انھیں شکست دی اور قیروان پر قبضہ کر لیا اور محمد بن مقاتل سے استدعا کی کہ اپنی ولایت (گورنری) پر واپس چلا جائے، وہ فوراً قیروان روانہ ہو گیا۔

لیکن اہل بلاد اس کی گورنری برداشت کرنے کو کسی طرح تیار نہ تھے، انھوں نے ابراہیم بن اغلب سے اصرار کیا کہ وہ رشید کو صورت احوال سے مطلع کر دے اور شمالی افریقہ کی ولایت حاصل کرنے کی درخواست کرے۔

ابراہیم بن اغلب نے رشید کو تمام حالات سے مطلع کر دیا اور آخر میں لکھا:

''مصر پر ایک لاکھ دینار کی جو رقم عائد کی گئی ہے، وہ والیٔ افریقہ کو ملتی ہے، تاکہ یہاں کے ابتر اقتصادی حالات اس مالی امداد سے رو براہ ہوسکیں، اگر امیرالمومنین کا یہ ارادہ ہو کہ شمالی افریقہ کی ولایت مجھے عطا کریں، تو میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس مصری امداد کی ضرورت نہ ہوگی، میں اس سے بے نیاز ہوں، بلکہ اپنی طرف سے چالیس ہزار دینار، بغداد کے بیت المال میں جمع کر دیا کروں گا!''

ابراہیم بن اغلب کا نامہ جب ہارون رشید کی خدمت میں پہنچا اور اس کے مندرجات سے وہ باخبر ہؤا تو اس نے اپنے ثقات و معتمدین کو طلب کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ اب افریقہ کی ولایت کسے سونپی جائے! کیونکہ وہاں کے لوگ محمد بن مقاتل کو سخت نا پسند کرتے ہیں

اور کسی قیمت پر اس کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے ، وہ اس کے خلاف بغاوت بھی کر چکے ہیں !

اس موقع پر ہرثمہ بن اعین نے ابراہیم بن اغلب کا نام گورنری کے لیے پیش کیا اور اس کی فراست ، مذہبیت اور شرافت و معقولیت کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ محمد بن مقاتل نے تو افریقہ کو کھو دیا تھا ، وہ ابراہیم بن اغلب ہی ہے جس نے اسے پھر سے حاصل کیا اور ابن مقاتل کو پھر سے مسندِ نشین کر دیا !

رشید نے یہ صلاح مان لی اور ١٨٤ھ (مطابق ٨٠٠ع) میں اسے شمالی افریقہ کی گورنری عطا کر دی ۔

ابراہیم بن اغلب نے جیسا لکھا تھا ، ویسا ہی کر دکھایا ، وہاں کے ابتر حالات کو سدھارا ، امن و امان قائم کیا ، باغیوں ، سرکشوں ، شورش پسندوں اور مفسدوں کا قلع قمع کر دیا اور قیروان کے قریب ایک نیا شہر تعمیر کرایا ، جس کا نام 'عباسیہ' رکھا اور یہیں اقامت اختیار کر لی ۔

کچھ عرصے بعد ابن اغلب کو اطلاع ملی کہ ادریس بن ادریس علوی نے مغرب اقصیٰ میں لشکر جمع کر لیا ہے ۔

ابراہیم بن اغلب نے ادریس بن ادریس علوی سے قتال کرنے کا فیصلہ کر لیا اور بہلول بن عبدالواحد بربری کو جو ادریس کا حامی تھا ، بہت سے تحائف اور ہدایا بھیجے اور لکھا کہ وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہو ۔

بہلول پر یہ جادو کام کر گیا اور وہ ابراہیم بن اغلب کے ساتھ ہو گیا اور ادریس کی رفاقت ترک کر دی ۔ قریب تھا کہ ادریس یکہ و تنہا رہنے کے باعث ختم کر دیا جائے کہ اس نے ابراہیم بن اغلب کو ایک نامہ بھیجا اور استدعا کی کہ اس سے آسادۂ پرخاش نہ ہو ، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت کا ذکر بھی کیا ، ابراہیم نے پھر ادریس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا[1] ۔

لیکن عمران بن مخلد کی قیادت میں ابراہیم بن اغلب کے خلاف جو

---

١ - ابن الاثیر جلد ٦ ، صفحہ ١٠٧ ۔

شورش ہوئی ، وہ کافی مضبوط تھی اور اس نے کافی قوت و شوکت حاصل کر لی تھی ۔ اس باغیانہ تحریک میں نہ صرف قیروان شامل ہوگیا تھا بلکہ افریقہ کے کئی اور شہر بھی شریک تھے ۔

یہ رنگ دیکھ کر ابراہیم بن اغلب سہم گیا ، وہ مجبور ہو کر عباسیہ میں بیٹھ گیا ۔ ارد گرد خندق کھدوائی ، کامل ایک سال تک یہ کیفیت رہی ، یہاں تک کہ ان احوال کی اطلاع رشید کو ملی ، اس نے فوراً ابراہیم بن اغلب کو بہت بڑی رقم امداد کے طور پر روانہ کی ۔

یہ رقم جب ابراہیم بن اغلب کو ملی ، تو اس کی طرف سے منادی نے اعلان کیا :

''جو امیرالمومنین کا لشکری ہو ، وہ حاضر ہو اور انعام سے مالا مال ہو !''

یہ اعلان کام کر گیا ، سپاہی انعام سے مالا مال ہونے کے لیے ٹوٹ پڑے اور عمران کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ۔ جو لوگ عمران کے ساتھ باقی رہ گئے ، ان پر ابراہیم کے لشکری ٹوٹ پڑے ۔ آخر شکست کھا کر بھاگے ۔

اس کے بعد ابراہیم نے امان کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ لوگ حاضر ہوں اور بے اندیشہ و خوف ، عطایا وصول کر لیں ۔ اس اعلان کو لوگوں نے قبول کیا اور عطایا لینے کے لیے حاضر ہوگئے ، ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ ہوکر قیروان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ، فصیل منہدم کر دی ۔ دروازے اکھاڑ ڈالے ۔

اس واقعہ کے بعد حالات رو براہ ہو گئے ، امن و امان پھر سے قائم ہوگیا اور دور و نزدیک کہیں سے بھی مخالفت میں کوئی آواز نہیں اٹھی ، نہ کہیں سے ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کی کوئی اطلاع ملی ۔

ابراہیم بن اغلب نے یہ سارے واقعات ہارون رشید کو بغداد لکھ کر روانہ کر دیے ۔

یہ خبر پڑھ کر ہارون بہت خوش ہوا اور صلہ یہ دیا کہ اسے ساری زندگی کے لیے شمالی افریقہ کا والی بنا دیا ، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا

بلکہ نسلاً بعد نسل یہ عہدہ اسے بخش دیا ، یوں اب شمالی افریقہ کی ولایت موروثی طور پر ابراہیم بن اغلب اور اس کی اولاد کے لیے مخصوص ہو گئی ، بس شرط صرف اتنی تھی کہ یہ مستقل ولایت عباسی پرچم اقتدار کے زیر سایہ ہوگی -

ابراہیم بن اغلب اپنے منصب پر قائم رہا ، یہاں تک کہ ۱۹۶ھ (مطابق ۸۱۱ع) میں اس کا انتقال ہو گیا ـــــ یعنی رشید کی وفات کے تین سال بعد ـــــ !

مصر

نئے گورنروں کا تقرر اور عام حالات

جہاں تک اقلیم مصر کا تعلق ہے ، مجموعی طور پر یہاں کے حالات رشید کی ساری مدت خلافت میں سازگار ہی رہے ، کوئی بڑی بدامنی نہیں ہوئی ، سوا چند معمولی سی شورشوں اور فساد انگیزیوں کے !

موسیٰ بن عیسیٰ عباسی رشید کی طرف سے مصر کا پہلا عامل بن کر آیا ، اس کا زمانہ امن و امان سے بسر ہوا ، کچھ عرصے بعد رشید نے اسے معزول کر دیا اور مسلمہ بن یحییٰ بن قرہ کو یہ منصب سونپا ، (۱۷۲ھ مطابق ۷۸۸ع) -

مسلمہ کے زمانے میں فتنوں نے سر اٹھایا -

رشید کو اندیشہ پیدا ہوا ، کہیں معاملات زیادہ ابتر نہ ہو جائیں ، چنانچہ مسلمہ کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن زہیرالاذدی کو مامور کر دیا -

لیکن محمد بن زہیرالاذدی کا وکیل خراج نہایت بد نفس آدمی تھا ، اس نے خواہ مخواہ لوگوں پر تشدد کرنا شروع کیا ، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دلوں میں اس کی عداوت گھر کر گئی ، فوج اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ، جنگ ہوئی اور وہ محصور ہو جانے پر مجبور ہو گیا -

مصر کے والی محمد بن زہیر نے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی ، اس بات پر رشید بھڑک اٹھا اور اسے معزول کر کے اس کی جگہ یزید بن حاتم المھلبی کا تقرر کر دیا -

داؤد کے زمانے میں حالات پر سکون رہے اور کامل ایک سال تک

سی طرح امن و امان رہا[1]۔

لیکن داؤد بھی اپنی جگہ زیادہ مدت تک نہیں ٹک سکا۔ ۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ء) میں ہارون رشید نے داؤد کو معزول کر دیا اور موسیٰ بن عیسیٰ کو دوسری مرتبہ گورنر بنا کر بھیجا۔

لیکن جلد ہی رشید کے یہ خبر گوش گذار ہوئی کہ خود موسیٰ خلافت حاصل کرنے کی دھن میں ہے اور خود سر اتنا ہے کہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، نہ کسی سے مشورے کی ضرورت نہ صلاح کرنے کی حاجت!

رشید کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو بہت برہم ہوا اور قسم کھائی کہ اس کی جگہ اب ایک ایسے حقیر اور کم مایہ شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی چوکھٹ کی گرد لیتا رہتا ہے۔

جعفر برمکی نے مشورہ دیا کہ عمر بن مہران ان شرائط پر پورا اترتا ہے، اسے یہ منصب دے دیا جائے۔ کسی زمانے میں یہ خیزران کا کاتب رہ چکا تھا، اس کے علاوہ اس نے کسی اور جگہ کتابت کا کام نہیں کیا تھا۔

یہ شخص انتہائی مکروہ اور بد وضع تھا، لباس حد درجہ گندا، لباس کے سامنے کا حصہ لمبا اور پیچھے کا چھوٹا اور یہ حرکت وہ عمداً کرتا تھا تاکہ بے فکروں کی دلبستگی کا سامان بہم پہنچے اور وہ اس کے ارد گرد جمع رہیں۔

رشید نے اسے فوراً اپنے حضور میں طلب کیا اور اس سے کہا:

"میں نے تجھے مصر کا والی بنایا، وہاں کا خراج اور مال و متاع سب کچھ تجھے سونپا، تو جانے اور تیرا کام!"

عمر یہ فرمان سن کر کہنے لگا:

"میں مصر کا گورنر بننا منظور کرتا ہوں — لیکن میری ایک شرط ہے!"

ہارون رشید نے پوچھا:

"تیری وہ شرط کیا ہے؟"

---

۱ - النجوم الزاہرہ، جلد ۲، صفحہ ۸۱۔

عمر نے جواب میں کہا :

"وہاں کے حالات جب درست کر لوں ، تو واپس آ جاؤں گا !"

رشید نے کہا :

"تیری شرط منظور ——بس فوراً روانہ ہو جا !"

ابن سہران مصر کی طرف روانہ ہوا ، موسیٰ بن عیسیٰ کو خبر پہنچ چکی تھی کہ نیا والی بغداد سے آ رہا ہے ، وہ نئے گورنر کا انتظار کرنے لگا ، اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ نیا والی کون ہے ؟

۱۸۶ھ (مطابق ۷۹۲ء) میں عمر مصر پہنچا ، اس شان سے کہ خچر پر سوار تھا ، ساتھ اس کا غلام ابو درہ تھا ، وہ ایک بار بردار سواری پر تھا ۔

عمر ، موسیٰ بن عیسیٰ کے دربار میں والی جدید کی حیثیت سے پہنچا ، دارالامارہ (گورنر ہاؤس) میں جب پہنچا تو سب سے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور چپ چاپ بیٹھا رہا ، یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے ۔

موسیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا :

"بڑے میاں ، کوئی حاجت ہو تو کہو !"

عمر نے جواب دیا :

"جی ہاں ایک کام تو ہے !"

یہ کہہ کر رشید کا فرمان اس کی طرف بڑھا دیا ۔

موسیٰ بن عیسیٰ نے وہ فرمان پڑھا اور کہا :

"ہاں ہاں ، بسر و چشم —— میں تو خود نئے والی کے انتظار میں چشم براہ ہوں !"

عمر نے کہا :

"وہ نیا والی یہ خاکسار ہے !"

موسیٰ نے اس کی مضحکہ خیز صورت اور عجیب ہیئت پر ایک نظر ڈالی اور کہا :

"آپ ہی عمر بن سہران ہیں ؟"

عمر نے جواب دیا :

''جی ہاں۔۔۔میرا یہی نام ہے !''

موسیٰ نے یہ سن کر کہا :

''خدا کی فرعون پر لعنت ہو، جب اس نے کہا تھا !''

''کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے ؟ اور یہ نہریں میری نہیں ہیں جو رواں ہیں ؟''

یہ کہہ کر موسیٰ بن عیسیٰ نے عمر بن مہران کو چارج دیا اور خود مزید ایک لفظ کہے بغیر روانہ ہو گیا۔

عمر بن مہران نے امارت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی ایک فرمان جاری کیا کہ لوگ بیت المال کا حق ادا کرنے میں غفلت نہ کریں !

مصر میں ایسے بہت سے لوگ تھے جو محاصل، ٹیکس اور خراج ادا کرنے میں لیت و لعل، تاخیر اور اصل سے کم ادائیگی کے خوگر تھے۔

عمر بن مہران نے ایسے تمام لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان میں سے ایک آدمی سے سامنے آنے کو کہا اور سب کے سامنے اس سے مطالبہ کیا کہ فوراً ادائیگی کر دے۔

اس نے عذر کیا اور لگا باتیں بنانے، لیکن عمر نے ایک نہ سنی، اپنے مطالبے پر قائم رہا، آخر اس شخص نے رقم ادا تو کی، لیکن کم !

عمر بن مہران نے اس سے کہا :

''خدا کی قسم تمہیں ایک ایک پائی ادا کرنی پڑے گی اور وہ بھی یہاں نہیں، سیدھے دارالسلام (بغداد) جاؤ اور وہاں بیت المال میں جمع کر کے واپس آؤ !۔۔۔اگر اپنی خیریت چاہتے ہو، تو بس فوراً روانہ ہو جاؤ !''

اب وہ آدمی پورا بقایا دینے کو تیار ہو گیا لیکن مصر میں، بغداد جا کر نہیں !

عمر بن مہران نے یہ ماننے سے صاف انکار کر دیا اور اسی وقت دو سپاہیوں کے ساتھ اسے بغداد روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ خلیفے کی خدمت میں ایک عرضداشت بھی بھیج دی جس میں یہ سارا ماجرا لکھ دیا۔

نادہند لوگوں نے جب اپنے ایک ساتھی کی یہ درگت دیکھی تو

دھڑا دھڑ اپنے ذمے کی رقم لا کر جمع کرنا شروع کر دی۔

اس طرح عمر بن مہران نے خراج اور محاصل کی ایک ایک پائی وصول کر لی۔

پھر ایک سال تک اپنے منصب پر فائز رہنے کے بعد، شرط کے مطابق بغداد واپس چلا گیا، لوگ اس کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''عمر بن مہران کے سوا مصر کا کوئی والی بھی آج تک خراج و محاصل کی ایک ایک پائی نہیں وصول کر سکا تھا[1]!''

والیان مصر کی فہرست میں عمر بن مہران کا نام کسی اور تاریخ میں نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رشید نے اپنی مملکت کے نصف غربی حصے کی ولایت جعفر برمکی کو عطا کر رکھی تھی اور یہ علاقہ متعدد اقالیم پر مشتمل تھا، جن میں مصر بھی تھا۔ جعفر اپنے نمائندوں کو اپنی طرف سے انتخاب کر کے ان اقالیم میں بھیجا کرتا تھا۔ مؤرخین نے عمر بن مہران کو بھی جعفر کا نمائندہ سمجھا، اس لیے ایک باقاعدہ والی کی حیثیت سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

جعفر کے ہاتھ میں یہ ولایت ایک سال سے زیادہ نہیں رہی، پھر رشید نے اسے معزول کر دیا، اس کے بعد مصر میں بہت سے والی آئے، جن کے زمانے میں حوادث کثیرہ رونما ہوئے، جو مصر کے داخلی احوال سے تعلق رکھتے تھے اور بعض دوسروں کا تعلق، افریقہ اور وہاں کی بغاوتوں سے تھا۔ جیسا کہ ہم تذکرہ کر چکے ہیں[2]۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۲۸۔

۲۔ جعفر برمکی کے بعد مصر کے والی یہ حضرات مقرر ہوئے

۱۔ ابراہیم بن صالح عباسی

۲۔ ہرثمہ بن اعین

۳۔ عبدالملک بن صالح

۴۔ عبید اللہ بن مہدی

۵۔ موسیٰ بن عیسیٰ (تین مرتبہ)

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بعض مؤرخین نے حوادث مصر میں سب سے اہم حادثہ جسے قرار دیا ہے ، وہ یہ ہے :

''حکم بن ہشام نے اندلس میں اپنے قائد عسکر عبدالکریم بن مغیث کو بلاد افرنگ میں جہاد کا حکم دیا ، یہ واقعہ شہنشاہ شارلیمان کے زمانے کا ہے ۔''

عبدالکریم سر زمین فرانس میں داخل ہوا اور اپنے سپاہیوں کو ادھر ادھر منتشر کر دیا اور امرائے اقطاع سے نہایت سخت اور شدید معرکہ آرائیاں کیں ، بہت سے آدمیوں کو جنگی قیدی اور غلام بنا لیا ۔

بلاد فرنگ میں ایک انتقامی تحریک جوابی طور پر شروع ہوئی اور انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ شمالی افریقہ میں جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع کریں گے اور آغاز کار کے لیے اسکندریہ کو موزوں قرار دیا ، جہاں سے آگے بڑھتے ہوئے وہ مغرب اقصیٰ تک جا سکتے تھے ۔

ان کے مقابلے میں والی عبیداللہ بن مہدی ـــــ ہارون رشید کا بھائی ـــــ اپنا لشکر گراں لے کر آگے بڑھا اور فرنگی سر پٹک کر رہ گئے ، مگر ساحل پر اترنے کی حسرت پوری نہ کر سکے ، آخر ناکام و نامراد واپس گیے[1] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۶ ۔ عبید اللہ بن مہدی (دو مرتبہ)
۷ ۔ اسماعیل بن صالح عباسی
۸ ۔ اسماعیل بن عیسیٰ عباسی
۹ ۔ لیث بن فضل ابوردی
۱۰ ۔ احمد بن اسماعیل عباسی
۱۱ ۔ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم عباسی
۱۲ ۔ الحسین جمیل مولی المنصور
۱۳ ۔ مالک بن دلھم الکلبی
۱۴ ۔ الحسن بن لجباح

(ملاحظہ ہو ، النجوم الزاہرہ ، جلد ۲ صفحہ ۶۳)

۱ ۔ النجوم الزاہرہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۴ ۔

یمن

بلاد یمن میں ہارون رشید کا سب سے پہلا گورنر عباس بن سعد تھا ، لیکن یہ کام اچھی طرح چلا نہیں پایا ، ویسے بھی مرد معقول نہیں تھا ۔ آخرکار ہارون رشید نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ ابراہیم بن محمد عباسی کو مقرر کیا ، لیکن ابراہیم بھی ان بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار نہیں سکا ، جنھیں اس کا پیش رو خراب کر چکا تھا ۔ اہل یمن بھی اس سے خوش نہیں تھے ، آخر اسے واپس بلانا پڑا اورعبداللہ بن مصعب زبیری کو ابراہیم کی جگہ نامزد کر کے یمن بھیجا گیا ، عبداللہ کے بعد احمد بن اسماعیل کو یہ ذمے داری سونپی گئی ، اس کے بعد اور بھی کئی لوگ آئے اور گئے ، لیکن کوئی بھی اہل یمن کی شورش کو دبانے پر قادر نہ ہو سکا ، نہ وہاں زیادہ عرصے تک ٹک سکا ۔

جب اس سرکش اور شرپسند اقلیم کے حالات اچھی طرح ہارون رشید پر روشن ہو گئے تو اپنے مولا ، حماد بربری[1] کو گورنر یمن بنا کر بھیجا ۔

حماد بڑا ہی سنگ دل اور سخت مزاج واقع ہوا تھا ، اس نے آتے ہی ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا ، ہیصم بن عبدالحمید ہمدانی اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا ، یہ واقعہ ۱۷۲ھ (مطابق ۷۹۰ع) کا ہے ۔

ہیصم نے بغاوت کا اعلان کیا اور پہاڑی علاقے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا ۔

عمر بن ابی خالد حمیری نے بھی ہیصم کی پیروی کی اور اس کا ساتھ دیا ، یہ ایک مقام عشتان میں قلعہ بند ہو گیا ۔

الصباح نے ان دونوں کی حمایت کا اعلان کیا اور حرار کے اطراف

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۴۳ -

میں قلعہ بند ہو گیا ۔

کافی تیاریوں کے بعد یہ تینوں باغی ایک بڑا لشکر لے کر حماد بربری کے مقابلے میں آئے ، حماد نے بھی اپنے عساکر کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا ، طرفین میں بڑی سخت اور خونریز لڑائی ہوئی ، اس لڑائی کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیس ہزار سے زیادہ آدمی کام آئے ۔

عمر بن ابی خالد پکڑا گیا ، حماد نے اسے رشید کے پاس پابجولاں بغداد بھیج دیا ۔

ہیصم اور حماد کے مابین کامل ۹ سال تک لڑائی جاری رہی ، آخر یہ بھی گرفتار ہؤا اور بغداد ، ہارون رشید کے پاس بھیج دیا گیا ، جب ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑا ہؤا اس کے سامنے لایا گیا ، تو اس نے کوئی معذرت پیش نہیں کی بلکہ اپنی تائید میں کچھ —— اشعار پڑھے جن کے آخر میں یہ شعر تھا :

و شفاء مالا تشتھیہ ۔ النفس تعجیل الفراق

قلب کے عارضۂ محبت کا علاج جسے وہ پسند نہیں کرتا
یہ ہے کہ فراق کی گھڑیوں کو جلدی سے آزما لیا جائے

ہارون رشید نے فوراً حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے ۔

ان دونوں سے فارغ ہونے کے بعد حماد نے پورا زور الصباح کے خلاف لگا دیا اور گھیرا اتنا تنگ کیا کہ عاجز آ کر وہ امان کا طالب ہؤا ، لیکن حماد نے اسے امان نامہ دینے سے انکار کر دیا ، برابر جنگ کرتا رہا ، یہاں تک کہ اسے گرفتار کر لیا اور ہیصم کے باقی ماندہ آدمیوں کے ساتھ اسے بھی رشید کے پاس بھیج دیا ۔ ہارون رشید نے ان سب کو قتل کرا دیا ، اور صباح کی لاش برسر عام عبرت اور سبق آموزی کے لیے لٹکا دی ۔

حماد بربری ، تیرہ سال تک یمن میں مقیم رہا اور یہاں کے لوگوں کو شدید ترین عذاب و اذیت میں مبتلا کیا ، یہاں تک کہ لوگ اس کے ظلم و ستم کے خلاف چیخ پڑے اور فریاد کناں رشید کی خدمت میں حاضر ہوئے ، جو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھا ، انھوں نے اپنی فریاد گوش گزار کرتے ہوئے کہا :

"ہم اللہ سے اور آپ سے پناہ مانگتے ہیں ، اے امیرالمومنین ، حماد بربری کو ہمارے سر سے ہٹائیے ، اگر آپ اس پر قدرت رکھتے ہوں !"

رشید ان لوگوں کی شورش پسندی اور ہنگامہ آرائی سے جس کا سلسلہ برس ہا برس سے جاری تھا ، بھرا بیٹھا تھا ، اس نے جواب دیا :

"نہیں ، —— ایسا نہیں ہو گا !"

لیکن کچھ عرصے کے بعد آخر اہل یمن کی فریاد رنگ لائی اور رشید نے حماد بربری کو معزول کر دیا ، اور اس کی جگہ عبدالملک بن مالک کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج دیا ۔

یہ مرد معقول تھا ، اس نے یمن کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ، ان کا دل موہ لیا اور بہت جلد عام قبولیت حاصل کر لی ۔

رشید کے عہد خلافت میں حجاز مقدس کے اندر کوئی خاص اور قابل ذکر حادثہ رونما نہیں ہوا ، اس کے عہد میں مدینہ منورہ میں جو عامل (گورنر) بھیجے گئے ، ان کی تعداد دس تھی ، اور مکہ مکرمہ میں جو گورنر مامور کیے گئے ، ان کی تعداد سولہ تھی ۔ اور اس تعداد کا بڑا حصہ عباسیوں پر مشتمل تھا[۱] !

---

۱ - مکہ مکرمہ میں جو عامل رشید نے وقتاً فوقتاً بھیجے وہ یہ تھے :

۱ - عباس بن محمد عباس
۲ - سلیمان بن جعفر عباسی
۳ - موسیٰ بن عیسیٰ عباسی
۴ - عبداللہ بن محمد عباسی
۵ - عبداللہ بن قثم عباسی
۶ - محمد بن ابراہیم عباسی
۷ - عبیداللہ بن قثم عباسی
۸ - عبداللہ بن محمد بن عمران
۹ - عبداللہ بن محمد عباسی (دو مرتبہ)

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱۰ - عباس بن موسیٰ عباسی
۱۱ - علی بن موسیٰ عباسی
۱۲ - محمد بن عبداللہ شبی
۱۳ - حماد بربری
۱۴ - سلیمان بن جعفر عباسی
۱۵ - احمد بن اسماعیل عباسی
۱۶ - فضل بن عباس عباسی

مدینہ منورہ کے والی حسب ذیل حضرات وقتاً فوقتاً نامزد ہوئے :

۱ - اسحاق بن عیسیٰ عباسی
۲ - عبدالملک بن صالح عباسی
۳ - محمد بن عبداللہ عباسی
۴ - موسیٰ بن عیسیٰ عباسی
۵ - ابراہیم بن محمد عباسی
۶ - علی بن عیسیٰ عباسی
۷ - محمد بن ابراہیم عباسی
۸ - عبداللہ بن مصعب زبیری
۹ - بکار بن عبداللطیف بن مصعب
۱۰ - ابوالبختری وھب بن وھب ـ

شام

شام میں سب سے زیادہ تہلکہ خیز جو حادثہ ۱۷۶ھ (مطابق ۷۹۰ع) میں رونما ہوا ، وہ قبائل یمانی و نزاری کی خون ریز جنگ تھی ، جس نے شام کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا ۔ یہ لڑائی کئی سال تک جاری رہی ، اُس جہنم کا ایندھن بہت سے نا کردہ گناہ بنے اور رفتہ رفتہ اس جنگ نے ، رشید کے عمال و جیوش کے خلاف ایک مستقل بغاوت کی صورت اختیار کر لی ۔

اس جنگ کے اسباب و محرکات کی تفصیل تو بہت لمبی ہے ، خلاصۃً یوں سمجھنا چاہیے کہ :

نزاری قبائل قین کا ایک آدمی اپنا اناج لے کر باہر نکلا کہ بلقا جائے اور وہاں آٹا پسوا لے ، راستے میں اس کا گزر ایک باغ کی طرف ہؤا ، جو ایسے شخص کی ملکیت تھا ، جو یمانی قبیلے لخم کا ایک فرد تھا ۔ اس باغ میں تربوزوں کا ایک کھیت نظر آیا ، اس نزاری نے ایک تربوز توڑ لیا ، کھیت کے مالک نے اسے گالی دی ، دونوں میں جنگ شروع ہو گئی ، قینی مار کھا کر چلا گیا ، لیکن دھمکی دیتا گیا کہ انتقام لینے کے لیے جلد ہی واپس آئے گا ۔

لخمی شخص (کھیت کے مالک) نے بہت سے یمانیوں کو اکٹھا کر لیا کہ وہ قینی اگر اپنے حامیوں کو لے کر آئے تو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے ۔

اور واقعی ہؤا بھی ایسا ہی ، قینی اپنے اعوان کے ساتھ آ پہنچا ، فریقین میں جنگ شروع ہو گئی ۔ اس جنگ میں ایک لخمی مارا گیا ۔

یمانیوں نے اپنے مقتول کے قصاص کا مطالبہ کیا اور بدلہ لینے کے لیے

کھٹے ہو گئے ، طرف ثانی نے بھی مدافعت کی تیاری کر رکھی تھی اور ہنگامی حالات کا انتظام موجود تھا ۔

جب لوگوں کو خدشہ ہؤا کہ جنگ بھیانک صورت اختیار کر لے گی ، تو رؤسا اور اصحاب رائے جمع ہوئے کہ کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ طرفین میں صلح ہو جائے ۔

یہ لوگ بنی قین کے پاس آئے ، انھیں سمجھایا بجھایا اور راضی کر لیا ، پھر یمانیہ کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کی ، انھوں نے جواب دیا :

''اس وقت تو آپ تشریف لے جائیے ، ہم ذرا سوچ لیں ، پھر جواب دیں گے !''

پھر جب رات نے ڈیرا ڈالا ، تو یمانیوں نے بنی قین پر شب خون مارا ، اور ان کے چھ سو آدمی قتل کر دیے ۔

اب دونوں قبیلوں میں خوں ریز جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ، اور ہر قبیلہ اپنے ہم نسب قبیلے کا ساتھ دینے اور اس کی مدد کرنے کو آ موجود ہؤا ، یعنی نزاری اور یمانی قبائل میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو میدان جنگ میں نہ اتر آیا ہو ۔

شام میں رشید کی طرف سے عبدالصمد عباسی گورنری کے منصب پر فائز تھا ، یہ ایک بوڑھا آدمی تھا ، اس کے بس میں نہ تھا کہ اس قیامت کی لڑائی کو دبا دے اور بھڑکتی ہوئی چنگاری کو بجھا دے ۔

رشید نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی اور عبدالصمد کو معزول کر کے اس کی جگہ ابراہیم بن صالح عباسی کو گورنر بنا کر بھیج دیا ۔

لیکن قتال کا سلسلہ کامل دو سال تک پوری سفاکی ، ہولناکی اور خون آشامی کے ساتھ جاری رہا ۔

اس جنگ میں طرفین کے ہزاروں آدمی قتل ہو گئے ، آخر ایک طویل مدت کی لڑائی کے بعد ، دونوں میں صلح ہو گئی ۔

اس فتنے کے رونما ہونے سے بغداد والوں کو بڑا صدمہ پہنچا ۔ صلح ہو چکنے کے بعد ، ابراہیم بن صالح ہارون رشید کی خدمت میں حاضر

ہؤا ، اس نے ساری رام کہانی اس کے گوش گزار کی اور قبیلۂ قیس کو اس جنگ کا ذمہ دار ٹھہرایا ۔ حاضرین میں سے بعض قبیلۂ قیس کی طرف داری کرنے لگے ۔

رشید نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ سب کو معاف کر دے ۔ کسی کو سزا نہ دے اور جو کچھ گذر چکا ہے ۔ اس پر کوئی اقدام نہ کرے ۔

لوگ مطمئن ہو گئے تھے کہ فتنہ ختم ہو گیا ۔

لیکن ابراہیم بن صالح جب بغداد آیا تھا ، تو اپنے بیٹے اسحاقؒ کو اپنا جانشین بنا کر آیا تھا ۔

اسحاق نے قبیلۂ قیس کی ایک جماعت کو کسی طرح پکڑ لیا اور قید کر دیا اور سخت توہین آمیز رویہ اختیار کیا ، یہ خبر جیسے ہی پھیلی ، قیس کے اعوان اور حلیف مدد کو دوڑ پڑے ، ایک مرتبہ پھر فتنے نے سر اٹھایا اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک طور پر ۔

اس مسلسل جنگ اور باہم خون ریزی سے متاثر ہو کو نزاریوں کا سردار ، عامر بن عمارہ جس کی کنیت ابوالھیذام تھی ، اور جس نے اب تک لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا ، بلکہ الگ تھلگ رہا تھا ، امیر اسحاق بن ابراہیم کی خدمت میں آیا تاکہ اس کے سامنے یمانیوں کی شکایت پیش کرے ، اور بتائے کہ انہوں نے کیا کیا ہے ؟ کیونکہ یہ اسحاق —— باپ کی عدم موجودگی میں قبائل یمن کا طرف دار تھا ۔ للہذا یہی ان کے خلاف شکایت سننے اور تدارک کرنے کا حق رکھتا تھا ۔

لیکن امیر اسحاق نے عامر بن عمارہ کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی ۔

نتیجہ یہ ہؤا کہ جنگ تسلسل کے ساتھ جاری رہی ۔

ابوالھیذام عامر بن عمارہ دوسری مرتبہ پھر امیر دمشق ، اسحاق کی خدمت میں حاضر ہؤا ، لیکن اس نے یمانیوں کے خلاف کوئی بات سننے سے انکار کر دیا ، بلکہ اپنے لوگوں کو بھڑکایا کہ اسے قتل کر دیں ۔

ابوالھیذام جلا بھنا واپس ہؤا اور دمشق پر قابض ہو گیا ، جتنے زندانی تھے ۔ اس کے اور یمانیوں کے مابین نہ ختم ہونے والی جنگ شروع

ہو گئی ، بار بار جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے ، لیکن فتح ابوالھیزام کے ساتھ تھی ۔

اب امیر اسحاق کو ہوش آیا ، اس نے اس پریشان کن اور خطرناک صورت حال سے نجات پانے کے لیے ابوالھیزام کے پاس ایلچی بھیجا اور استدعا کی کہ وہ جنگ بند کرنے کا حکم صادر کر دے ۔

ابوالھیزام نے بات مان لی ، جنگ روک دی اور ہتھیار ڈال دیے ، لیکن اسحاق نے ایک جماعت یمانیوں کی اس بات کے لیے تیار کی کہ ابوالھیزام کو اس کے گھر میں دھوکے سے قتل کر دیں ۔ ابوالھیزام بڑا چوکس اور ہوشیار شخص تھا ، اس نے جو آہٹ پائی ، تو اپنی جماعت کے کچھ لوگوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلے کے لیے نکل آیا ۔ مقابلہ شروع ہؤا ، ابوالھیزام نے ان لوگوں کو شکست فاش دی ، پھر اپنے گھر واپس آ گیا اور ہتھیار اتار دیے ، لیکن امیر اسحاق اس کی جان لینے پر تلا ہؤا تھا ، اس نے ایک مرتبہ پھر اسے قتل کرانے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی کامیاب نہ ہو سکا ۔

یمانیوں نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح ابوالھیزام پر غالب نہیں آ سکتے ، اور اب تک وہی غالب آتا رہا ہے ، تو اس سے امان کے طالب ہوئے ، اس نے فوراً یہ استدعا منظور کر لی ، امان کا اعلان کر دیا اور اس طرح اس کے اور یمانیوں کے مابین معرکہ آرائی کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔

امیر اسحاق ، اس کے باوجود ابوالھیزام جیسے جری اور صف شکن کی تاک میں لگا رہا ، وہ اس سے بالکل خلاصی حاصل کر لینا چاہتا تھا ، چنانچہ اس نے اپنی فوج میں سے ایک دستہ تیار کیا ، اس کا سردار الفداخرالسکسکی کو بنایا اور اس پر حملہ کر دیا ۔

دن بھر لڑائی ہوتی رہی ، آخر ابوالھیزام پھر غالب آیا ، فداخر کی جماعت شکست کھا گئی ۔

دوسرے دن خود امیر اسحاق اپنا لشکر لے کر ابوالھیزام پر حملہ آور ہؤا ۔ ابوالھیزام کے ساتھیوں اور رفیقوں نے اس کا ساتھ دیا اور بڑی بہادری کے ساتھ اس لشکر سے جو بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا مقابلہ کیا

اور کامیاب ہؤا ، اسحاق کی فوج شکست کھا گئی اور وہ دمشق میں قلعہ بند ہو گیا ۔

رشید کو جب اس خون خرابے کی اطلاع ملی تو اس نے ایک لشکر دے کر السندی بن شاہک کو بھیجا ، وہ دمشق آیا ، یمانی اس کے گرد جمع ہو گئے اور ابوالھیزام کے خلاف اس کے کان بھرنے لگے ۔

ابوالھیزام نے السندی سے کہلایا کہ وہ جادۂ اطاعت سے منحرف نہیں ہؤا ہے ، وہ مجبور ہو کر میدان میں آیا تھا ، لیکن سندی نے جواب میں تین ہزار کا لشکر اس سے مقابلے کو بھیج دیا ۔

ابوالھیزام اپنے ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ مقابلے کو نکلا ، سارا دن گذر گیا لیکن کوئی فریق غالب نہیں آیا ، آخر دونوں نے صلح کر لی ، تب جا کر اہل دمشق نے اطمینان کا سانس لیا ، ابوالھیزام اس کے بعد حوران چلا گیا اور سندی دمشق میں مقیم رہا ، پھر بغداد واپس آیا ، اور رشید کو ضروری تفصیلات سے با خبر کیا ۔

اب رشید نے موسیٰ بن عیسیٰ کو ، اسحاق کی جگہ امیر بنا کر بھیجا ، لیکن یہ بھی ابوالھیزام کا بال تک بیکا نہ کر سکا ۔ اس نے ابوالھیزام کو گرفتار کرنے کی کوشش کی ، لیکن جب وہ مقابلے میں آیا تو اس کے آدمی ٹھیر نہ سکے ، بھاگ کھڑے ہوئے ، پھر اس نے ایک بہت بڑا لشکر اس کے مقابلے کو بھیجا ، ابوالھیزام نے اسے بھی مقام بصرہ کے قریب شکست دی ، اور موسیٰ بن عیسیٰ کو ذلت بخش ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ۔

اب تو رشید بہت گھبرایا ، اس نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا :

"دو ہی صورتیں ہیں یا تو میں شام کا رخ کروں ، یا پھر تم جاؤ!"

جعفر نے جواب دیا :

"غلام جائے گا!"

چنانچہ جعفر ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہؤا ، اس کے ساتھ بڑے بڑے جنگ آزمودہ ، تجربے کار اور مانے ہوئے ماہرین جنگ تھے ، علاوہ ازیں ساز و سامان جنگ بھی بہ افراط موجود تھا ۔

جعفر ۱۸۰ھ (مطابق ۷۹۶ء) میں شام پہنچا ، طرفین نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے[1] ۔

ایک روایت یہ ہے کہ ابوالہیذام نے جیش جعفر کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ قتل ہو گیا ۔ پھر اس کے لشکر نے اطاعت قبول کر لی ۔

جعفر نے نزاریوں اور یمانیوں میں صلح کرا دی ، ان کے شر پسندوں ، اور فتنہ گروں کو قتل کر دیا اور ان کے ہتھیار چھین لیے ، یہاں تک کہ خنجر اور نیزہ بھی کسی کے پاس نہیں رہنے دیا[2] ۔

پھر بلقاء اور اس سے متصل علاقے پر ، صالح بن سلیمان کو والی بنا دیا اور شام کی ولایت عیسیٰ عکی کو عطا کی ، اور اس وقت تک مقیم رہا ، جب تک جنگ کی آگ بالکل بجھ نہیں گئی اور لوگ پورے طور پر مطمئن نہیں ہو گئے ۔ جب وہ بغداد روانہ ہؤا ، تو ان قبائل متحاربہ کے رؤسا کو بھی ساتھ لیتا گیا ۔

رشید نے اپنے رجال دولت کے ساتھ جعفر کا شاندار استقبال کیا ، سارے بغداد میں خوشی کی نہر دوڑ گئی ۔

یحییٰ بن خالد برمکی کی سفارش پر رشید نے سب رؤسا قبائل کو معاف کر دیا اور ان کا دل حسد اور کینے سے صاف کر دیا ۔ ان لوگوں کو کافی عرصے تک اپنے پاس رکھا ، پھر انہیں ان کے وطن واپس کر دیا !

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۹۱ ـــــ ایک روایت کے مطابق جو ابن اثیر ہی کی ہے ، ابوالہیذام ہتھیار ڈالنے کے بعد ، ۱۸۲ھ تک زندہ رہا ۔

۲ - الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۹۳ ۔

شمالی عراق

شہر موصل اور 'الجزیرہ[1]' کا علاقہ اور اس سے ملحق مقامات دوسری اقالیم کے مقابلے میں کہیں زیادہ اضطرابات و فتن کے مرکز بنے رہے -

امویوں کے زمانے سے یہ مقامات بغاوت کے گڑھ تھے ، عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں بھی یہی کیفیت رہی اور اس کے بعد بھی حالات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا -

اس فتنہ و شورش اور فساد و بغاوت کے اسباب یوں تو بہت ہیں ، لیکن خاص طور پر دو قابل ذکر ہیں :

۱ - بعض طاقت ور اور قوی عرب قبائل کا وجود ، مثلاً بکر و تغلب وغیرہ -

۲ - اس مقام کا جغرافی محل وقوع —— یہاں مختلف قوموں اور ملتوں کے لوگ اور مختلف افکار و نظریات کے داعی بود و باش اختیار کیے ہوئے تھے ، بشلاً عرب ، کرد ، ارمنی ، رومی اور باشندگان فارس -

یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ جہاں اس طرح کے مختلف فکر و نظر رکھنے والے لوگ رہتے ہوں ، وہاں عقائد و آراء کے سلسلے میں اختلافات ہونے ہی چاہیے تھے ، ان میں سے ہر کسی کا اس نظام حکومت کے خلاف ہونا اور سرکشی ، تمرد اور ، بغاوت اختیار کرنا کچھ لازمی سا ہوگیا تھا -

اور سب سے بڑھ کر جو چیز اس علاقے کو مبتلاء فتنہ و فساد کیے ہوئے تھی وہ مذہب خارجی کا یہاں اثر و رسوخ تھا - خارجیوں کا وجود ہی

---

۱ - الجزیرہ —— نہر موصل اور دریائے فرات کے مابین واقع تھا -

ایک بغاوت تھا ، وہ ہر اس نظام اور حکومت کے خلاف بغاوت پر مجبور تھے ، جو ان کے مذہب پر عامل نہ ہو ۔

۱۷۱ھ (مطابق ۷۸۷ء) میں صحصح نے الجزیرہ میں بغاوت کی ، اس کے اور رشید کے مابین جو کچھ گزری وہ گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں ۔

اس سال رشید نے اپنے ایک قائد فوج روح بن صالح ہمدانی کو ، بنو تغلب سے خراج و زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا ، روح اور بنوتغلب کے مابین جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنو تغلب نے روح کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ۔

اب روح کا بیٹا حاتم ایک بہت بڑا لشکر لے کر تغلب کی سرکوبی کو آیا ، حاتم نے بہت سے تغلبیوں کو قتل کر دیا اور کچھ کو گرفتار کر لیا ۔

رشید کو ان واقعات سے تکلیف پہنچی ، اس نے والی موصل عبدالملک بن صالح العباسی کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اسحاق بن محمد الہاشمی کو والی بنا کر بھیجا ۔

اسحاق نے بنو تغلب کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا ، یہاں تک کہ یہ سر جھکانے اور اطاعت کرنے پر مجبور ہو گئے ، رشید نے بھی رحم و کرم سے کام لیا اور معاف کر دیا [1] ۔

۱۸۳ھ (مطابق ۷۹۳ء) میں عطاف بن سفیان ازدی نے بغاوت کا علم بلند کیا اور اپنے گرد چار ہزار جنگجو جمع کر لیے ، اس نے شہر موصل پر قبضہ کر لیا اور دو سال تک خراج وصول کرتا رہا ، حالانکہ رشید کا عامل محمد بن عباس الہاشمی موجود تھا ، مگر کچھ نہ کر سکتا تھا ۔

آخر رشید بہ نفس نفیس اس کے مقابلے کو آیا ، لیکن یہ آرمینیا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا ، رشید نے موصل کی شہر پناہ منہدم کرا دی اور عطاف کے اہل و عیال کو قتل کرنا چاہا ، لیکن امام ابو یوسفؒ نے

---

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۸۷ ۔

تائیدی فتویٰ نہیں دیا ، اس لیے باز آ گیا ۔

اب رشید نے یحییٰ بن سعید حرشی کو یہاں کا حاکم بنایا ، یہاں کے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے ۔ اس نے کئی لوگوں کو جلا وطن کر دیا [1] ۔

شمالی عراق میں خارجیوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی ۔ رشید اپنی پوری مدت خلافت میں ان کی شرارتوں اور ترکتازیوں پر کڑھتا رہا ، ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور فتنہ طراز شخص ولید بن طریف انشاری تھا ۔

ولید بنو تغلب کا ایک فرد تھا اور اس نے خارجی مذہب اختیار کر لیا تھا ۔ ۱۷۸ھ (مطابق ۷۹۴ء) میں الجزیرہ کو اس نے ہدف بنایا اور نصیبین میں رشید کے عامل ابراہیم بن خازم بن خزیمہ کو قتل کر دیا ۔

بہت جلد اس نے لوگوں کی بڑی تعداد کو اپنے گرد جمع کر لیا ، رفتہ رفتہ اس کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوتا چلا گیا ، پھر یہ آرمینیہ میں داخل ہوا اور شہر خلاط کا اس نے محاصرہ کر لیا ، لوگوں نے بہت سا مال دے کر اپنی جان بچائی ۔

پھر ولید نے آذربائیجان کا رخ کیا اور وہاں کے لوگوں پر اپنا رعب قائم کر لیا ، پھر یہ حلوان پہنچا اور اراضی سواد میں داخل ہوا ، یہاں لوگوں سے یہ زبردستی محاصل وصول کرتا اور اپنی طرف سے نئے ٹیکس عائد کرتا ، کوئی مزاحم ہوتا تو اس کے خلاف صف آرا ہو جاتا ، جو اس کا راستہ روکتا اسے قتل کر دیتا ۔ بڑی بے باکی سے اپنے مذہب اور اپنے دعوے کو پھیلاتا ، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اپنے تئیں امیرالمومنین کہلانے لگا ۔

اس کے بعد اس نے دجلہ عبور کیا اور بغداد کے قریب شہر ''بلد'' تک پہنچ گیا ۔ یہاں کے لوگ اس کی آمد سے — اس کے ظلم و جور کے باعث — کانپ گئے ۔ رقم خطیر دے کر اپنی جان بچائی ، اسی طرح یہ ایک سے دوسری جگہ شان و شوکت کے ساتھ پہنچتا رہا ، جو جیش لڑنے کے لیے سامنے آیا ، اسے شکست دی ، جس نے مقابلے کی جرأت کی اسے

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۹۶ ۔

موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

رشید نے ولید کی سرکوبی کے لیے کئی مرتبہ جیوش بھیجے ، لیکن اس کے مقابلے میں کوئی نہ ٹھہر سکا ، نہ اس کے قائدین فوج میں سے کوئی زیادہ دیر تک اس سے جنگ جاری رکھ سکا ۔

ولید کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی کہ اس نے رقہ پر جو رشید کا گرمائی صدر مقام تھا ، حملہ کر دیا ۔ یہاں مشہور سالار فوج عبدالملک بن صالح موجود تھا ، لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی کہ ولید کے مقابلے میں آتا ، اندرون شہر پناہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا ۔

اس واقعہ سے ولید کا رعب اور زیادہ بیٹھ گیا اور اس کی دہشت لوگوں کے دلوں پر قائم ہو گئی ، اب تو بغداد بھی خطرے میں تھا ۔

آخر خلیفہ نے اپنے وزرا سے مشورہ کیا کہ ولید کے مقابلے کے لیے کس کو بھیجا جائے ؟ سب کی رائے یہ ہوئی کہ موسیٰ بن خازم تمیمی کو یہ ذمے داری سونپی جائے ، چنانچہ رشید نے ایک لشکر گراں دے کر اسے ولید کی سرکوبی پر مامور کیا ۔

لیکن ولید نے موسیٰ بن خازم کو قتل کر دیا اور اس کے لشکر کو پراگندہ کر دیا ، اس کے بعد رشید نے معمر بن عیسیٰ عبدی کو روانہ کیا ، وہ کئی مرتبہ اس سے نبرد آزما ہوا ، لیکن غالب نہ آ سکا ۔

آخر رشید کی نگاہ انتخاب اپنے سب سے بڑے قائد عسکر یزید بن مزید شیبانی پر جا کر رک گئی [1] ۔

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۸۳ ۔

روایت ہے کہ یحییٰ برمکی نے رشید کو ترغیب دی تھی کہ یزید بن مزید کو ولید کی سرکوبی کے لیے بھیجے ، کیونکہ وہ ولید کی قوت سے بھی واقف تھا اور برامکہ یزید سے خار بھی کھاتے تھے ، للہذا ان کی خواہش یہ تھی کہ یزید بھیجا جائے تاکہ ولید کے ہاتھوں جام مرگ پینے پر مجبور ہو جائے اور شکست کی صورت میں لازمی تھا کہ رشید خود اسے قتل کر دیتا ۔

یزید بن مزید شیبانی بغداد سے باہر تھا ، رشید نے فوراً اسے طلب کیا ۔ وہ حاضر ہوا - رشید نے اس سے کہا :

''یزید میں نے تمھارے لیے ایک بہت بڑی ذمے داری کا کام نکالا ہے۔''

یزید نے عرض کیا :

''اے امیرالمومنین اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں وہ دل رکھا ہے جو آپ کے ارشاد کی تعمیل سے کبھی قاصر نہیں رہ سکتا ، مجھے وہ ہاتھ بخشا ہے جو آپ کی طاعت کے لیے دراز ہے ، مجھے وہ تلوار عطا کی ہے ، جو آپ کے دشمن کے لیے پیام مرگ ہے — فرمائیے !''

رشید نے جواب میں کہا :

''میں نے تیرا انتخاب ولید بن طریف انشاری کے قتل کے لیے کیا ہے ، پس تیار ہو جا اور جلد از جلد رخت سفر باندھ ، جتنا بڑا لشکر لے جانا چاہتا ہے ، ساتھ لیتا جا ، کسی معاملے میں اندیشہ نہ کر!''

پھر ایک تلوار جو پاس رکھی تھی ، اسے عطا کی ، یہ وہی مشہور تلوار تھی جو 'ذوالفقار' کے نام سے معروف ہے اور[1] جو کبھی حضرت علیؓ بن ابی طالب کی تھی[2] ۔

---

١ - ابن خلکان ، جلد ٢ ، صفحہ ٢٨٧ -

٢ - ابن خلکان ، جلد ٢ ، صفحہ ٢٨٣ -

ذوالفقار ایک قریشی کی تلوار تھی ، جو معرکۂ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہؤا تھا ، آپ نے یہ تلوار لے لی ، پھر یہ وراثت کے طور پر آپ کے صاحبزادگان کے پاس آئی اور آخرکار محمد بن عبداللہ علوی (نفس ذکیہ) کے پاس پہنچی ، نفس ذکیہ عہد منصور میں جب قتل ہوئے ، تو ایک تاجر نے جس کا کچھ روپیہ نفس ذکیہ پر باقی تھا ، اس تلوار پر قبضہ کر لیا ، اس تاجر سے جعفر بن سلیمان عباسی نے منہ مانگے دام دے کر خرید لیا ، پھر یہ مہدی کو منتقل ہوئی ، پھر ہادی کو ، پھر رشید کو !

یہ خبر جب لوگوں میں پھیلی تو وہ بہت خوش ہوئے کہ اس قائد عظیم کے کارناموں سے کون واقف نہ تھا ؟ ایک شاعر نے برجستہ کہا :

لا ترسلن الی ربیعۃ غیر ھا
ان الحدید بغیرہ لا یفلح

یعنی :

ربیعہ والوں کے مقابلے پر کسی اہل ربیعہ ہی کو بھیجو،
اس لیے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے -۔

یہ اس لیے کہ ولید بن طریف اور یزید بن مزید کے مابین نسب مشترک تھا ، جن میں دونوں کے قبیلے شیبان اور تغلب ربیعہ بن وائل کے سبب سے شامل تھے -

ولید بن طریف کو جب یہ خبر ملی کہ اب مقابلہ یزید بن مزید سے ہے تو گھبرا گیا ، اس نے ویسا ہی انتظام زبردست مقابلے کا کیا ، جیسا اہتمام خود یزید بن مزید نے ولید کے مقابلے کے لیے کر رکھا تھا ، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی قوت و طاقت اور جنگی مہارت کا ادا شناس تھا -

دونوں ایک دوسرے کے مقابلے کو آگے بڑھے ، دونوں میں سے ہر ایک جانتا تھا کہ آج غضب کا رن پڑے گا ، ولید بن طریف نے اپنے ساتھیوں کو ہر جگہ سے طلب کیا وہ فوراً آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے -

ولید نے یزید کو چند اشعار لکھ کر بھیجے ، جن میں سے ایک یہ تھا :

ستعلم یا یزید اذا التقینا
بشط الزاب ای فتی اکون

یعنی :

”جب ہم میدان جنگ میں ملیں گے تو اے یزید بہت جلد تجھے معلوم ہو جائے گا کہ
میں کیسا تیغ زن جوان ہوں !“

بہر حال یزید اپنا لشکر لے کر ارض جزیرہ سے روانہ ہوا ، تاکہ جلد از جلد الحدیثہ پہنچ جائے ، جہاں جنگ ہونی تھی -

دونوں ایک دوسرے کی تاک میں تھے ، پل پل کی خبر رکھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات معلوم کرنے کے درپے رہتے تھے اور ایک دوسرے کی قوت سے پورے طور پر واقف تھے -

ولید ایک جگہ لشکر لے کر کھڑا ہو گیا کہ صفیں مرتب کرے اور جنگی مورچہ قائم کرے - یزید اس کا تعاقب کر رہا تھا ، لیکن جلد بازی کے ساتھ نہیں ، ہارون رشید پیچھے تھا اور کمک پر کمک پہنچا رہا تھا -

یہاں تک کہ کافی وقت اس طرح گزر گیا اور انتظار کی گھڑیاں ختم نہیں ہوئیں ، رشید اس انتظار سے اکتا رہا تھا ، وہ نہیں چاہتا تھا کہ جنگی مکر و حیلہ اور انتظار میں وقت ضائع ہو -

برامکہ کو موقع ہاتھ آ گیا ، اس لیے کہ وہ تو یزید بن مزید کے دشمن تھے ہی ، انھوں نے رشید سے کہا :

''یزید بن مزید اس خارجی سے جنگ کرتے ہوئے کترا رہا ہے ، کیونکہ دونوں کے مابین قرابت اور رشتہ ہے ، حالانکہ وہ (یزید) یہ نہیں سوچتا کہ دشمن کتنا بڑا فتنہ بن کر نمودار ہوا ہے -''

رشید نے یزید بن مزید کو ایک خط لکھا :

''اگر میں اپنے کسی چاکر کو اس کام پر مامور کرتا ، تو وہ اس سے زیادہ کر چکا ہوتا ، جو تو نے اب تک کیا ہے ، لیکن تو مداہنت اور عصبیت سے کام لے رہا ہے اور ٹال مٹول کر رہا ہے - میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر اب بھی تو نے تاخیر سے کام لیا اور جنگ فوراً نہ شروع کر دی ، تو میں تیرے پاس اس شخص کو بھیجوں گا جو تیرا سر اتار لائے گا !''

۱۷۹ھ (مطابق ۷۹۵ع) کے ماہ رمضان کی پہلی جمعرات کو دونوں حریف شہر نصیبین کے قریب ایک میدان میں آمنے سامنے ہوئے اور اس اثنا میں کہ یزید بن مزید نماز فجر ادا کر رہا تھا ، ولید بن طریف اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا اور حملہ آور ہوا - گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور جنگ شروع ہو گئی ، ظہر کے وقت تک مقابلہ مقاتلہ جاری رہا ، آخر یزید نے

پکار کر کہا :

''اے ولید لوگوں کی آڑ میں کیوں چھپتا پھرتا ہے ، مرد ہے تو سامنے آ !''

ولید نے جواب دیا :

''ہاں ، خدا کی قسم تو نے سچ کہا !''

فوراً ہی دونوں لشکر پیچھے ہٹ گئے ۔

اور یہ دونوں سورما ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے پر تولنے لگے ۔

گرمی بڑی شدید تھی ، روزے کے باعث دونوں کی حالت ابتر تھی ، پیاس کی شدت سے بے حال ہو کر یزید نے اپنی انگشتری منہ میں رکھی ، اور کہا :

''بار الٰہا ، اس سختی کو تو آسان کر !''

پھر یزید میدان میں اتر آیا ، ولید رجز پڑھتا ہوا سامنے آیا ۔

''میں ولید بن طریف شاری ہوں ،

تمھارے ظلم نے مجھے گھر سے نکالا ہے !''

دونوں لشکر تصویر حیرت بنے ان حریفان پنجہ فگن کو دیکھ رہے تھے ـــــ ان دو سورماؤں کی جنگ جن کا جواب رشید کی مملکت میں نہیں تھا ۔

دونوں ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے ۔ لیکن اب تک کوئی کسی پر غالب نہیں آ سکا تھا ، اسی حالت میں کئی گھنٹے گذر گئے ، یکایک یزید کو موقع مل گیا ۔ اس نے حریف کے پاؤں پر تلوار ماری اور وہ کٹ کر گر پڑا ، ولید زین پر ٹک نہ سکا ۔ فوراً زمین پر آ رہا ، یزید فوراً اپنے گھوڑے سے کودا اور اس کی گردن کاٹ لی اور اپنے ساتھیوں سے کہا :

''تم پر میرے ماں باپ قربان ، دیکھتے کیا ہو ، یہ رہے خوارج ۔ ختم کر دو ان کو !''

دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھ گئے اور زبردست جنگ شروع ہو گئی آخر خوارج کو پیچھے ہٹنا پڑا ۔

مشہور شاعرہ لیلیٰ بنت طریف جو 'فارعہ' کے نام سے مشہور تھی ،

اپنے بھائی ولید کے لشکر میں موجود تھی ، اسے جب بھائی کے انجام کی خبر ملی ، تو اس نے اپنی اوڑھنی اتار کر پھینک دی اور یزید کے لشکر پر شیرنی کی طرح حملہ آور ہوئی ، وہ تلوار چلاتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی :

''اے بنی وائل ، تمھیں ولید کا صدمہ یزید کی تلوار کے باعث برداشت کرنا پڑا ۔

اگر یہ تلوار یزید کے علاوہ کسی اور کی ہوتی ،
تو اسے ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی تھی ،
وائل میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا ،
لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے !''

پھر یزید نے اپنے لشکر کے زخمیوں کو جمع کیا ، ان میں اس کا بیٹا اسد بن یزید بھی تھا اور ان سب کو ساتھ لے کر ، ولید کا سر لیے ہوئے بغداد کی طرف روانہ ہؤا ، پہلے اس کے سپاہی داخل ہوئے ، پھر وہ ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہؤا ، اس کے بعد وہ قصر خلد کی طرف بڑھا ، تا کہ رشید کی خدمت میں باریاب ہو ۔

لیکن حاجب نے اسے روک دیا اور کہا :

''امیرالمومنین آپ پر برہم ہیں ، وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتے !''

یزید نے حاجب سے کہا :

''امیرالمومنین سے عرض کر دو کہ میں ان کی خدمت میں باریاب ہونا چاہتا ہوں اور قسم ہے امیرالمومنین کی کہ میں اسی طرح گھوڑے پر سوار رہوں گا ، یہاں تک کہ مجھے اذن باریابی مل جائے !''

فضل بن ربیع نے رشید کو یہ ماجرا سنایا ، اس نے حکم دیا ، یزید کو آنے دیا جائے ۔

یزید کو دیکھ کر ہارون رشید ہنس پڑا ، اس نے کہا :

''مرحبا ، اے اعرابی مرحبا[1] !''

---

۱ - رشید نے پیار سے یزید کو ''اعرابی'' کہا تھا ، اعرابی اجڈ گنوار
(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یزید عرض گذار ہوا :

”یا امیرالمومنین خدا کا شکر ہے کہ اس نے عزت کا راستہ میرے لیے آسان کر دیا اور آپ کے دیدار کی نعمت کا مجھے سزاوار بنا دیا اور مصیبت کو آپ کے اقبال کے باعث دور کر دیا ! اس حالت میں کہ آپ برہم ہوں ، خدا مجھے وہ جزا دے جو سرتسلیم خم نہ کرنے والوں کو دیتا ہے اور اس حالت میں کہ آپ خوش ہوں ، اللہ مجھے وہ جزا عطا فرمائے جو مومنین کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوتی ہے !“

پھر وہ رشید کے پاس بیٹھ گیا اور میدان جنگ کے تمام واقعات و احوال سے آگاہ کیا !

رشید نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا :

”کیا مسلمانوں کے اکثر سرداران فوج ربیعہ میں سے نہیں ہیں !“

یزید نے جواب دیا :

”جی ہاں——لیکن وہ کھجوریوں کے منبر پر چڑھ کر یہاں تک پہنچے ہیں !“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کو کہتے ہیں - یزید چونکہ اڑ گیا تھا کہ بغیر شرف باریابی حاصل کیے واپس نہیں جائے گا ، اس پر رشید نے از راہ تفنن اسے اعرابی کہا تھا !“

مترجم

ملاحظہ ہو :

ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۹۷ -

الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۳۹ -

العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۷ -

ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۸۳ -

خوارج کی جو عام دہشت دلوں میں بیٹھ گئی تھی ، اس کے بعد یزید کی اس فتح عظیم نے مسلمانوں کو جوش مسرت سے دیوانہ کر دیا ، یزید کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے گئے ، شاعر سلم الخاسر

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

رشید بھی اس فتح عظیم سے بہت خوش ہوا ، شکر الٰہی بجا لانے کے لیے اس نے فریضۂ حج ادا کرنے کا عزم کیا ۔ ماہ رمضان میں اس نے عمرہ کیا ، پھر مدینہ منورہ گیا اور وہاں موسم حج تک ٹھہرا ۔ اس نے مکہ مکرمہ سے منیٰ تک کی مسافت پا پیادہ طے کی ۔ پھر عرفات بھی پیدل ہی گیا اور جملہ مشاہد و مشاعر و مقابر کی زیارت پاؤں پاؤں کی[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کہتا ہے :

ان للہ فی البریّۃ سیفین
یزید و خالد بن الولید
ذاک سیف النبی فی سالفۃ
الدھر ، وھذا سیف الامام الرشید

یعنی :

زمین پر اللہ کی دو تلواریں ہیں ،
یزید اور خالد بن ولید
وہ عہد ماضی میں نبیؐ کی تلوار تھے ،
اور یہ امام رشید کی شمشیر ہیں ۔

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۳۸ -

آرمینیہ

رشید کے عہد خلافت میں آرمینیہ کی تاریخ بھی حوادث اور مشاکل سے خالی نظر نہیں آتی ۔ یہ علاقہ چونکہ پایہ تخت خلافت سے بہت دور واقع ہؤا تھا اور زمین بھی دشوار گزار تھی ، للهذا یہ مرکز قلق و اضطراب تھوڑے تھوڑے وقفوں سے بنتا رہا [1] ۔

مہدی کے آخری زمانہ خلافت میں اور ہادی کی پوری مدت خلافت میں یہ علاقہ کٹا پھٹا رہا ، پھر جب رشید مسند آرائے خلافت ہؤا ، تو اس نے اپنے خاص آدمیوں میں سے ایک شخص ، خزیمہ بن خازم تمیمی کو وہاں کا گورنر مقرر کیا ، جس کو اپنے حسن انتظام اور جنگی مہارت کے باعث غیر معمولی شہرت اور وقار حاصل تھا ۔

خزیمہ نے گورنری کا چارج لیتے ہی اصلاح احوال کی طرف توجہ دی ۔ اس نے نظم و انتظام کو درست کیا اور باشندگان آرمینیہ کو امان نامہ عطا کیا ، وہ لوگ بھی اس کا دم بھرنے لگے اور صرف ایک سال دو مہینے کی قلیل مدت میں وہاں کے حالات بالکل سدھر گئے ۔

خزیمہ کے بعد ، ہارون رشید نے یوسف بن راشد سلمی کو یہ منصب عطا کیا ۔ وہ اپنے ساتھ نزاریوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی لیتا گیا ۔ اور ان لوگوں کو یمانیوں کے بالکل مقابل بود و باش کی سہولتیں دیں ، یہاں یمانیوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو :

الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۱۵ ۔

الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۴۷ ۔

ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۱۱ ۔

پھر یوسف بن راشد کے بعد جب یزید بن مزید شیبانی کو یہ مسند عطا ہوئی ، تو وہ اپنے ساتھ قبیلہ ربیعہ کے بہت سے لوگ لیتا گیا ، اور اس علاقے کو نظم و ضبط کی جکڑ بندیوں میں ایسا جکڑا کہ کسی کے لیے بھی حرکت کرنا مشکل ہو گیا ، پھر خلیفہ کے حکم سے اس نے یہ عہدہ چھوڑ دیا اور اس کی جگہ عبدالکبیر بن عبدالحمید خطابی دربار خلافت سے نامزد ہو کر آیا ، یہ اپنے ساتھ قبیلہ مضر کی ایک بہت بڑی تعداد لیتا آیا ، لیکن یہ چار ماہ سے زیادہ یہاں نہ ٹھہر سکا ، اس کا جانشین فضل بن یحیٰی برمکی بنا ، لیکن انتظام اچھی طرح سنبھال نہیں پایا ، اس کے زمانے میں حروب و فتن کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا ، اس کے زمانے میں ابو مسلم انشاری خارجی کا اس علاقے میں ظہور ہوا ، اور اس نے فضل بن یحیٰی برمکی کے بھیجے ہوئے جیوش پر فتح و غلبہ حاصل کر کے غیر معمولی قوت حاصل کر لی ۔

ابو مسلم انشاری خارجی کی کامیابیوں سے آشفتہ خاطر ہو کر ، رشید نے دو جیوش روانہ کیے ، ایک کا سالار یزید بن مزید شیبانی تھا اور دوسرے کی سالاری یحیٰی حرشی کو عطا کی گئی ۔ ان دونوں نے اضطرابات اور شورشوں پر غلبہ پایا ، سرکشوں کو ٹھکانے لگایا اور کچلا ، یہاں تک کہ امن و استقرا کی حالت بحال ہو گئی ، اپنا کام کر کے دونوں ـــــ یزید اور یحیٰی ـــــ بغداد واپس آ گئے ۔

اب رشید نے آرمینیہ کی گورنری موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی کو تفویض کی ، لیکن یہ کامیاب نہ ہو سکا ، آخر اسے معزول کیا اور اس کی جگہ دوبارہ یحیٰی حرشی کو بھیجا ، اس نے آتے ہی تلوار سنبھال لی اور بہت جلد سرکشوں اور شورش پسندوں کو بل میں گھس جانے پر مجبور کر دیا ۔

یحیٰی کے بعد گورنری کا منصب سعید بن مسلم الباہلی کے ہاتھ آیا ، یہ ایک عرصہ دراز تک سکون سے مقیم رہا ، یہاں تک کہ ایک نئے فتنے نے سر اٹھایا اور بہت جلد حد درجہ خطرناک صورت اختیار کر لی ۔

وہ نیا فتنہ کیا تھا ؟

فضل بن یحیٰی برمکی اور خاقان شاہ خزر کے مابین گہرے دوستانہ

مراسم تھے اور یہ تعلقات اس وقت اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گئے جب فضل نے خاقان کی بیٹی سے شادی کر لی۔

خاقان کی بیٹی، فضل کی بیوی بن کر ١٨٢ھ (مطابق ٧٩٨ء) میں فضل کے پاس روانہ ہوئی۔ اس زمانے میں آرمینیہ کا والی سعید بن مسلم تھا۔ راستے میں وہ مر گئی، لیکن یہ موت مشکوک قسم کی تھی۔ جو لوگ دلہن کے ساتھ ساتھ گئے تھے، اور جو خاقان کے حاشیہ نشینوں اور سرداران فوج میں سے تھے، خاقان کے پاس واپس آئے اور اسے خبر دی کہ تمہاری لڑکی فریب کاری سے قتل کر دی گئی۔

خاقان کو بیٹی کے مرنے کا بڑا صدمہ ہوا، اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی، چنانچہ دوسرے سال خزر بہت بڑا لشکر لے کر اس مقام سے روانہ ہوا، جو 'باب الابواب' کے نام سے مشہور تھا، راستے میں جو مسلمان یا ذمی نظر پڑا اسے قتل کر دیا، اس طرح اس نے بہت بڑی تعداد قتل کر دی، اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کو پکڑ کر قید کر لیا اور ان لوگوں کے ساتھ ایسا ذلت بخش برتاؤ کیا جس کی اس سے پہلے نظیر نہیں ملتی۔

اب خاقان نے آرمینیہ کی طرف قدم بڑھایا اور ثلمہ کی جانب سے شہر میں داخل ہو گیا۔ سعید بن مسلم مقابلے پر آیا، لیکن ہار گیا، اب رشید نے یزید بن مزید شیبانی کی قیادت میں لشکر بھیجا، اور اسے بیک وقت آرمینیہ اور آذربائیجان کا والی بنا دیا، یزید نے بڑا سخت مقابلہ کیا اور خاقان کو شکست فاش دی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ جس علاقے پر اس نے قبضہ کر لیا تھا، وہ یزید نے واپس لے لیا، اور ثلمہ کا راستہ بند کر دیا، جدھر سے خاقان داخل شہر ہوا تھا، آخر پورے طور پر امن و امان بحال کرنے کے بعد وہ بغداد واپس آ گیا[1]۔

---

١ - الطبری، جلد ٣، صفحہ ٦٤٨ -

ایک دوسری روایت میں ان جنگوں کا اور خزر کے خروج کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ سعید بن مسلم باہلی نے المنجم اسلمی کو قتل کر

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یزید کے بعد رشید نے خزیمہ بن خازم کو دوبارہ والی بنا کر بھیجا ، اس نے عوام پر سختی کی ، جس سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور بغاوت کے ارادے سے مقابلے کو اٹھ کھڑے ہوئے ۔

رشید نے ایک فوج اس کی مدد کو بھیجی ۔ جس نے بغاوت کے شعلے سرد کیے ۔

پھر سلیمان بن یزید بن اصم والی بنا کر بھیجا گیا ، یہ کمزور شخص تھا ، کاروبار ملک نہ سنبھال سکا ، آخر رشید نے اسے معزول کیا اور اس کی جگہ محمد بن زھیر ضبّی کو بھیجا ۔ اس نے بڑی خوبی سے انتظام ملک سنبھال لیا ، — یہ آرمینیہ میں رشید کا آخری گورنر تھا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دیا تھا ، اس کا بیٹا خزر آیا اور باپ کے قاتلوں کے خلاف مدد کا طالب ہؤا ، مدد کی گئی ، جس نے جنگ کی مذکورہ صورت اختیار کر لی ۔

خراسان

جہاں تک اقلیم خراسان کا تعلق ہے ، یہ اقالیم دولت میں سب سے زیادہ اہم اقلیم تھی ۔

اس لیے نہیں کہ یہ وہ اقلیم تھی جہاں عباسی بغاوت کی مکیم کامیاب ہوئی تھی اور عباسیوں کو برسر اقتدار لانے میں اس سر زمین کا بہت بڑا حصہ تھا ، بلکہ اس لیے بھی کہ مملکت رشیہ کی اقالیم میں سب سے زیادہ با ثروت اور مال دار اقلیم تھی ، بلکہ ثقافت و حضارت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بھی بہت اونچا مقام رکھتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پر شکوہ عہد ماضی کو واپس لانے کے لیے یہاں زبردست جوش اور جذبہ پایا جاتا تھا ۔

ہارون رشید کی تاریخ حیات میں خراسان کا بہت بڑا اور شان دار حصہ ہے ، اسی طرح اس کی آخری آرام گاہ اور مدفن بننا بھی اسی کی قسمت میں لکھا تھا ۔

خلیفہ سابق موسیٰ ہادی کے زمانے میں اس اقلیم کا گورنر فضل بن سلیمان طوسی تھا ، یہ بڑا دور اندیش اور سلجھے ہوئے دل و دماغ کا مالک تھا ، حسن تدبیر اور حسن انتظام میں یکتا ، اس جھگڑے میں اس نے کوئی حصہ نہیں لیا ، جو ولی عہدی کے سلسلے میں ہادی اور اس کے بھائی رشید کے درمیان ہوا تھا ، البتہ یہ یحییٰ بن خالد برمکی کی طرف ضرور مائل تھا اور اس بات کا بھی حامی تھا کہ مسند ولی عہدی رشید کے حصے میں آئے اور اس کا حق مارا نہ جائے ۔

رشید جب تخت خلافت پر متمکن ہوا ، تو اس نے ایک سال تک اس عہدے پر فضل بن سلیمان کو برقرار رکھا ، پھر بغداد واپس بلا لیا اور

اور اسے مہر خلافت عطا کی ، جو اب تک جعفر بن محمد بن اشعث کے قبضے میں تھی اور جعفر بن محمد کو خراسان کی گورنری کا پروانہ عطا کر کے حکم دیا کہ فوراً روانہ ہو جائے۔

جعفر بن محمد جب خراسان پہنچا اور وہاں کے حالات پر اچھی طرح سے قابو پا لیا ، تو اپنے بیٹے عباس بن جعفر بن اشعث کو ایک بڑا بھت لشکر دے کر فتح افغانستان پر مامور کیا۔

عباس سر زمین افغانستان میں فاتحانہ داخل ہوا ، شہر اور دیہات اس کے قبضے میں آتے چلے گئے ، بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا اور بے اندازہ دوسرا بیش بہا اور گراں مایہ سامان ہاتھ آیا ، یہ سب اس نے بیت المال (بغداد) میں بھیج دیا۔

رشید کو عباس بن جعفر کی یہ بات پسند آئی ، اس نے اس کی عزت افزائی کا ارادہ کر لیا ، چنانچہ باپ کی جگہ اسے خراسان کا والی مقرر کر دیا ، اور جعفر بن محمد کو ایک دوسری ذمہ داری انجام دینے کے لیے بغداد واپس بلا لیا۔

عباس بن جعفر اپنے منصب پر ۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ع) تک نہایت شان اور کر و فر سے قائم رہا ، یہ شخص کردار کا بھی اچھا تھا اور حسن انتظام بھی اس کی سرشت میں داخل تھا۔

لیکن غطریف بن عطاء جو رشید کا ماموں تھا ، خراسان کی گورنری حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا ، آخر رشید نے اسے یہ منصب عطا کر دیا اور عباس بن جعفر کو معزول کر دیا۔

غطریف کام نہ چلا سکا ، اس لیے کہ کمزور شخص تھا اور نظم و انتظام میں بھی کورا تھا۔ حالات بگڑنے لگے اور بگڑتے گئے ، خراسانیوں کی طرف سے فریادیں اور شکایتیں دربار رشید میں مسلسل پہنچنے لگیں ، لیکن رشید نے اسے معزول نہیں کیا۔

رشید کی اس سرد مہری اور غطریف کے طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اضطرابات اور فتن میں اضافہ ہوتا چلا گیا ، ایک خارجی شخص حصین نے اس کے خلاف شورش برپا کر دی ، یہ حصین قبیلۂ قیس کے موالیوں میں

سے تھا ۔

حصین نے سجستان پر قبضہ کر لیا ، پھر براہ راست غطریف سے مقابلہ کرنے کے لیے کوچ کیا ۔

رشید نے اپنے ماموں غطریف کو لکھا کہ حصین کا سختی سے مقابلہ کیا جائے ، غطریف نے حصین کا مقابلہ کرنے کے لیے داؤد بن یزید کو بھیجا اور بارہ ہزار جنگ آزما اس کے ساتھ کر دیے ، حصین کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے ، لیکن اس نے داؤد کے لشکر کو شکست دی اور فتنہ و فساد پھیلاتا کوچ کرتا رہا ۔

رشید کو جب غطریف کی ہزیمت کی خبر ملی ، بہت بگڑا اور اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ حمزہ بن مالک الخزاعی کو روانہ کیا۔ یہ واقعہ ۱۷۶ھ (مطابق ۷۹۲ع) کا ہے ۔

حمزہ بن مالک خزاعی نے خوارج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ، لیکن ان پر غالب نہ آ سکا ۔

رشید نے حمزہ کو بھی برطرف کر دیا اور اس کی جگہ فضل بن یحییٰ برمکی کو مامور کیا اور رے و سجستان کا علاقہ بھی اس کی عمل داری میں دے دیا ۔

فضل بہ نفس نفیس خراسان نہیں گیا ، بلکہ اپنی طرف سے عمر بن شرجیل کو روانہ کر دیا ، جس نے بڑی خوبی سے فتنہ فرو کر دیا ۔

۱۷۸ھ (مطابق ۷۹۴ع) میں فضل بن یحییٰ برمکی نے خراسان کی طرف کوچ کیا اور کامل ایک سال تک وہاں قیام کیا اور خراسان کے سربر آوردہ اصحاب سے ذاتی تعلقات پیدا کر لیے اور انہیں تحائف و ہدایا سے مالا مال کر دیا ۔ کئی شاندار مسجدیں بنوائیں ، پھر ماوراءالنہر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ۔

اشروسنہ (جو سمرقند کے قریب واقع تھا) کا بادشاہ مقابلے کو نکلا ، قتال طویل عرصہ تک جاری رہا ، آخر طرفین میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ کوئی کسی کے علاقے پر للچائی ہوئی نظر نہیں ڈالے گا ۔

اس کے بعد فضل بن یحییٰ رے آیا اور اپنے رئیس شرطہ ابراہیم بن

جبریل کو ، جو بہترین سالار بھی تھا ، جنگ کا حکم دے کر بلاد افغانستان کی طرف روانہ کیا ۔

ابراہیم بن جبریل بھی اس سر زمین پر اسی طرح فاتحانہ قبضہ کرتا چلا گیا ، جیسا عباس بن جعفر نے کیا تھا ۔

ابراہیم نے کابل فتح کر لیا اور یہاں ایک مضبوط شہر پناہ تعمیر کیا، تاکہ دشمن کی طرف سے کابل واپس لے لینے کی کوشش کامیاب نہ ہوسکے ۔

لیکن فضل کے بعض عمال کی طرف سے رشید کو جو خطوط پہنچے ، ان سے وہ کچھ بدگمان ہو گیا اور یحییٰ سے کہا کہ اپنے بیٹے کو واپس آنے کے لیے لکھے[1] ۔ یحییٰ نے فوراً ہی تعمیل حکم کی ۔

فضل سے جو بہت بڑی غلطی سر زد ہوئی ، وہ یہ تھی کہ اس نے ایک جیش عظیم تیار کیا ، جو صرف عجمیوں پر مشتمل تھا ، اس لشکر کی تعداد پانچ لاکھ تھی ، یہ سب بڑے جنگ جو اور جنگ آزما تھے ۔ فضل نے ان سب کو درج رجسٹر کر لیا اور ان کا درماہہ مقرر کر دیا اور انھیں مطیع و فرماں بردار بنا لیا ۔ اس لشکر کا نام اس نے 'عباسیہ' رکھا ، ان لوگوں کی جو تنخواہیں مقرر ہوئیں وہ بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں[2] ۔

اس کام سے فارغ ہو کر فضل عراق واپس آیا اور اپنے ساتھ اس جیش جدید کی ایک جماعت بھی لایا ، جن کی تعداد بیس ہزار تھی ۔

رشید اور اس کے رجال حاشیہ نے فضل کا شاندار استقبال کیا ۔ فضل نے رشید کے رجال حاشیہ میں سے استقبال کو آنے والے لوگوں میں پانچ لاکھ درہم بطور ہدیہ پیش کیے ، شعرا نے فضل کی تعریف میں حمد و ثنا پر مشتمل قصیدے لکھے اور ایسے شاندار الفاظ میں اس کی مدح کی کہ اب تک خلیفے کی بھی نہیں کی تھی[3] ۔

---

١ ۔ ابن خلکان ، جلد ١ ، صفحہ ١٠٥ ۔

٢ ۔ اس جیش کے بارے میں ذرا تفصیلی گفتگو آگے آئے گی ۔

٣ ۔ الطبری ، جلد ٣ ، صفحہ ٦٣٣ ۔

۱۸۰ھ (مطابق ۷۹٦ع) تک خراسان بہر حال فضل بن یحییٰ برمکی کی تولیت (گورنری) میں رہا ۔ پھر رشید نے اس کی جگہ محمد بن یحییٰ الحارث کو گورنر بنا کر بھیج دیا اور طبرستان و ردیان کی گورنری عبداللہ بن خازم کو عطا کر دی ۔

کچھ عرصے بعد خراسان ، سجستان اور ملحقات کی گورنری کا پروانہ جعفر بن یحییٰ برمکی کو مل گیا ۔

جعفر نے جب وہاں جانے کا ارادہ کیا ، تو ہارون رشید نے اسے روک دیا اور معزول کر دیا ، اس طرح اس کی مدت گورنری کی میعاد چند دن سے زیادہ نہیں تھی ، اس کی جگہ علی بن عیسیٰ بن ماہان بھیجا گیا ، جو برامکہ کا سخت دشمن تھا ۔

علی بن عیسیٰ کی گورنری یحییٰ بن خالد کی گورنری ، یحییٰ بن خالد برمکی کو پسند نہیں آئی ، لیکن اس کی اور اس کی اولاد کی مخالفت کے باوجود رشید نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا ۔

ایسا کیوں ہوا ؟ اس کے اسباب کی طرف مؤرخین نے غور نہیں کیا ہے[1] ، اس موضوع پر کسی اور باب میں ہم گفتگو کریں گے ۔

بہر حال اس مخالفت کے باوجود ابن ماہان خراسان روانہ ہو گیا اور ایک خاص مدت تک وہاں مقیم رہا ، برامکہ کے حامیوں اور طرف داروں کی وہاں خاصی تعداد تھی ، ان لوگوں نے ابن ماہان کے خلاف تحریک شروع کی اور رشید کو شکایت نامے بھیجے ، برامکہ کو موقع مل گیا ، وہ رشید کے کان بھرنے لگے اور اسے باور کرانے کی کوشش کرنے لگے کہ ابن ماہان ایک نکما اور ناکام شخص ہے ، خراسان کی ولایت اس کے سنبھالے نہیں سنبھل سکتی ، لیکن رشید نے تو جیسے کان بند کر لیے تھے ، ایک نہ سنی۔ آخر شورشیں اور بغاوتیں شروع ہو گئیں ۔

سب سے پہلے ابن ماہان کے خلاف جو شخص میدان میں اترا وہ حمزہ بن اترک خارجی تھا ۔ یہ شہر ہرات کے قریب نمودار ہوا ، عامل ہرات نے اس سے مقابلہ کیا ، لیکن حمزہ غالب آ گیا ۔

---

۱ ۔ الطبری ۔ جلد ۳ ۔ صفحہ ٦٤٣ ۔

پھر ابن ماہان نے اپنے بیٹے حسین کو حمزہ بن اترک کا مقابلہ کرنے بھیجا اور دس ہزار جنگ جُو اس کے ساتھ کر دیے ، لیکن یہ حمزہ پر غالب نہ آ سکا اور اس کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا ۔ باپ نے دوسری مرتبہ پھر ایک بڑا لشکر بیٹے کو دے کر حمزہ کے مقابلے کو بھیجا ۔ اس مرتبہ حمزہ کو شکست ہوئی اور اس کے بہت سے ساتھی قتل ہوئے ، حسین نے ان تمام بستیوں میں آگ لگا دی ، جنھوں نے اس خارجی کا ساتھ دیا تھا ، اور دس ہزار سے زیادہ کی تعداد میں وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا ۔

لیکن حمزہ بھی ہار ماننے والا نہ تھا ۔ اس نے پھر ایک لشکر جمع کر لیا اور علی بن عیسیٰ کے عمال پر بھرپور حملہ کیا ، طرفین میں کافی مدت تک جنگ جاری رہی ، آخر فتح ابن ماہان کو حاصل ہوئی اور لوگوں نے چین کا سانس لیا ۔

کچھ عرصے بعد ایک دوسرا خارجی ، وھیب بن عبداللہ النسائی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے شہر نساء میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ، ابن ماہان خود اس کے مقابلے کو نکلا ۔ اسے قتل کر دیا اور اس کے لشکر کو پراگندہ کر دیا ، پھر شہر مرو میں آیا اور اسی کو اپنا مستقر بنا لیا [1] ۔ ابن ماہان یہاں اس وقت تک مقیم رہا ، جب تک ایک اور بغاوت رونما نہ ہو گئی ، جس کا سردار رافع بن لیث تھا — اس کی تفصیل آگے آئے گی ۔

رشید کی خلافت میں متواتر سیاسی حوادث رونما ہوتے رہے ، کوئی سال ایسا نہیں گذرتا تھا کہ کہیں نہ کہیں بغاوت کی چنگاریاں نہ بھڑکتی ہوں اور شعلہ و شرر کی صورت نہ اختیار کر لیتی ہوں ۔

اور متعدد اسباب کے باعث ایسا ہونا کچھ قدرتی بھی تھا :

* مملکت کا رقبہ بہت زیادہ وسیع تھا ۔
* متعدد اقالیم پایہ تخت خلافت سے دور دراز مسافت پر واقع تھیں ۔
* نقل و حمل کے وسائل اس زمانے میں بہت محدود تھے ۔
* حکومت کے پرچم تلے مختلف قسم کے افکار و عقائد رکھنے والے ، بہت سے گروہ اور بہت سی قومیں اکٹھی ہو گئی تھیں ۔

---

١ ۔ ابن الاثیر ، جلد ٢ ، صفحہ ١١٨ ۔

* خارجی مذہب کا وجود بجائے خود ایک بہت بڑا فتنہ تھا اور یہ فتنہ ہر جگہ موجود تھا۔
* بنو عباس کے خلاف دعوت علویہ بھی اپنا کام کر رہی تھی۔
* اہل فارس اپنا گذشتہ دور زریں واپس لانے کے لیے بے قرار تھے اور آزادی و خود مختاری حاصل کرنے کی تاک میں تھے۔

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے ، جو بد امنی ، شورش اور بغاوت کے موجب رہتے تھے۔

اور یہ حالت کچھ عہد رشید ہی میں خاص طور پر نہیں تھی ، بلکہ عہد ماسبق میں بھی یہی کیفیت تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ عباسی دور میں سیاسی شورشیں اور ہنگمہ آرائیاں اسویوں کے دور سے بہت زیادہ برپا ہوئیں۔

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ رشید کے اور اس کے اسلاف کے زمانے میں جو نظم مملکت رائج تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ خلیفہ بار بار عمال اقلیم کا تبادلہ کرنے پر مجبور تھا کہ وہ اپنی ولایت میں خود مختاری کا خواب نہ دیکھنے لگیں اور خلیفہ کے اقتدار اعلیٰ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اس نظام میں خوبی کم اور خرابی زیادہ تھی۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ان اقطار و اقطاع میں عدم استقراء احوال کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی ، یعنی اطمینان و عافیت سے لوگ محروم ہوگئے تھے ، جس کی وجہ سے سیاست اور نظم مملکت میں نئے نئے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے تھے۔ والی (گورنر) بجائے اس کے کہ تعمیر و اصلاح کی طرف مائل ہوں ، اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرلیں اور دولت مند بن جائیں ، کیونکہ ہر آن یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ اب معزول ہوئے اور اب یہ عہدہ ہاتھ سے گیا۔

تقریباً یہی کیفیت بڑے بڑے شہروں کی تھی۔

ہارون رشید کے عہد خلافت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صرف کوفہ میں وقتاً فوقتاً جو گورنر مقرر کیے گئے ، ان کی تعداد نو تھی، بصرہ کے گورنروں

کی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی ، ایک گیا دوسرا آیا ۔ مدینہ منورہ میں گیارہ گورنر مختلف اوقات میں بھیجے گئے اور مکہ مکرمہ میں سولہ ۔ اس سے شام اور موصل کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

امصار و اقالیم کے والیوں کی بڑی تعداد عباسیوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی ، اس کے بھی کئی سبب تھے ۔ مثلاً :

* یہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ وفادار ہو سکتے تھے ۔
* دوسروں کے مقابلے میں یہ کم خطرناک تھے ۔
* دوسروں سے کہیں زیادہ سربلندی ، عزت ، شرف ، اقتدار میں شرکت اور مال و دولت میں حصہ انہیں قرب خلافت کے باعث حاصل تھا ، للہذا خود ان کی بھلائی اس میں تھی کہ اپنی حکومت کے خلاف آمادۂ عمل نہ ہوں ۔
* ان کے لیے وہ بہت زیادہ سہولتیں حاصل تھیں —— خاندان خلافت سے ہونے کے باعث —— جن سے دوسرے محروم تھے ۔
* اس طرح خلیفہ کو زیادہ اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ شؤن خلافت کی تدبیر کا موقع ملتا تھا اور اپنی اولاد میں اس منصب کو متوارث طور پر باقی رکھنے کا امکان تھا ۔

رشید کے زمانے میں جو حوادث رونما ہوئے ، ان کی تہ میں کچھ دوسرے مشاکل بھی کارفرما تھے جو کبھی دوسرے مقامات میں اور کبھی خود پایۂ تخت خلافت میں رونما ہو جایا کرتے تھے —— بلکہ قصر خلافت کے اندر بھی ان کا وقوع ہوتا رہتا تھا ۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ ولی عہدی کا تھا ، ایک طرف امین تھا ، دوسری طرف مامون ۔ اس مسئلے نے قصر خلافت میں اضطراب و تشویش کی کیفیت پیدا کر رکھی تھی ۔

ولی عہدی کا مسئلہ

جیسا کہ صفحات ماسبق میں ہم بیان کر چکے ہیں، رشید نے اپنے بیٹے محمد (امین) کے لیے جو اس کی چہیتی بیوی زبیدہ کے بطن سے تھا ولی عہدی کی بیعت لوگوں سے لی تھی اور اس کا لقب 'امین' رکھا تھا۔ یہ واقعہ ۱۷۵ھ (مطابق ۷۹۱ع) کا ہے۔

رشید نے امین کو اس کے بڑے بھائی، عبداللہ (مامون) پر مقدم رکھا تھا، جو ایک کنیز مراجل کے بطن سے تھا۔ اسے امید یہ تھی کہ یہ دونوں نو عمر لڑکے جب سن شعور کو پہنچیں گے تو خود بہ خود معلوم ہو جائے گا، ان دونوں میں سے ولی عہدی کا درحقیقت سزاوار کون ہے، پس جو بہتر ہوگا، اسے اختیار کر لیا جائے گا۔ رشید نے ان دونوں —امین و مامون— کے لیے بہترین استادوں اور اتالیقوں کا انتظام کیا تھا۔ محمد (امین) کو فضل بن یحیی برمکی کی سپردگی میں دیا تھا اور عبداللہ (مامون) کو جعفر بن یحیی برمکی کے حوالے کیا تھا۔

ان دونوں کی تادیب اور تعلیم و تربیت کا رشید کو بڑا خیال رہتا تھا۔ اس نے ان کے معلمین میں سے ہر ایک کو ایک ایک کر کے اپنے حضور میں طلب کیا اور انہیں تاکید کی کہ اس وضع و طریق کو فراموش نہ کریں جو ان کی اقلیم کے سلسلے میں اس کے پیش نظر تھا، اس نے ان سے کہا:

"یاد رکھو امیرالمومنین نے تمہیں اپنے اپنے دل کا قرار اور نفس کا سکون سونپا ہے، پس تم اپنا ہاتھ اس پر کھلا رکھو، تمہاری طاعت واجب ہے اور اس کے ساتھ وہی بن جاؤ جو امیرالمومنین کی مرضی ہے۔ اسے قرآن پڑھاؤ، آثار کی تعلیم دو، اشعار کی روایت کراؤ، یہ بتاؤ کہ بات کب کرنی چاہیے اور آغاز سخن کس موقع پر کرنا

چاہیے ، ہنسنے سے روکو ، ہاں مگر خاص موقع پر ، یہ تعلیم دو کہ مشائخ بنی ہاشم کی تعظیم و تکریم کبھی فراموش نہ ہو ، جہاں وہ اس کے پاس آئیں اور قائدین فوج جب حاضر ہوں ، تو ان کے ساتھ شایان شان برتاؤ کیا جائے ، اس کے ساتھ تمھاری کوئی گھڑی ایسی نہ گذرے کہ تم کچھ سکھا نہ دو ، لیکن سختی کے ساتھ نہیں کہ اس سے ذہن مر جاتا ہے ، مسامحت کرو ، لیکن بس حسب ضرورت ، جہاں تک ہو سکے ، شفقت اور نرمی کا برتاؤ کرو ، لیکن اگر اس کا اثر اُلٹا ہو تو پھر شدت اور غلظت سے کام لو[۱] !"

رشید اپنے دونوں بچوں کو ہر اس جگہ بھیجتا تھا ، جہاں سمع و نظر کو فائدہ پہنچ سکے ، وہ ان دونوں کو مساجد میں بھیجتا تھا ، جہاں وقت کے اساتذہ حلقہ بنائے بیٹھے ہوتے تھے اور مختلف موضوعات و عنوانات پر لیکچر دیتے تھے ، اسباق پڑھاتے تھے اور حاضرین کو وعظ و ارشاد سے مستفید کرتے تھے ۔ وہ ان دونوں کے پاس اہل کلام و نظر کو بھیجتا تھا تاکہ باتوں باتوں میں انھیں گر کی باتیں سکھا دیں[۲] ۔ وہ انھیں دنگلوں اور ورزش گاہوں میں بھی بھیجتا تھا کہ اپنی آنکھوں سے شجاعت اور قوت و طاقت کے پیکروں کو دیکھ لیں ، ایسے موقع پر بھی ان دونوں کی حاضری لازمی تھی ، جب جیوش و عساکر اپنے اسلحہ اور خیول (گھوڑوں) کے ساتھ امیرالمومنین کے سامنے سے گذرتے تھے ۔

اور ٹھیک اس وقت جب یہ دور اندیش باپ اپنے دونوں بیٹوں کو بہترین آدمی بنانے کی جد و جہد میں مصروف تھا اور ان کے لیے عمدہ سے عمدہ طریقے وضع کرتا تھا کہ مستقبل میں یہ اپنی گراں بار ذمے داری کو بہ طریق احسن انجام دے سکیں ۔ زبیدہ کی مامتا اس کو لاڈ پیار میں بگاڑ رہی تھی ، اس نے اپنے بیٹے کے لیے جملہ وسائل انس مہیا کر دیے تھے ، وہ استادوں اور اتالیقوں کو تاکید کرتی تھی کہ ہر وقت اسے درس اور مطالعے میں نہ الجھائے رکھا کریں اور تہذیب و تادیب اور تربیت کی

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ٣٢١ ۔

۲ ۔ الیعقوبی ، جلد ٢ ، صفحہ ٥٠١ ۔

افراط سے اسے دل تنگ نہ کر دیا کریں ۔ وہ ڈرتی تھی کہ اس طرح بچہ کہیں پریشان نہ ہو جائے ، وہ معلموں سے کہلایا کرتی تھی کہ اسے ڈانٹا نہ کریں ۔ ''میری تم سے التجا ہے کہ اس (محمد) کے ساتھ بے انتہا شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا کرو ، وہ میرے دل کا ثمر اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور میں اسے بہت چاہتی ہوں[1] ۔''

ماں کے اس لاڈ اور پیار کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیٹا ناز پروردہ بن گیا ، کھیل کود اور قصے کہانی سے زیادہ دل چسپی لینے لگا اور ایسی تمام باتوں سے دور بھاگنے لگا ، جن سے فکر میں جلا اور ذہن میں صیقل پیدا ہو ۔

اس کے برعکس اس کا بھائی——مامون——اس طرح پروان چڑھا کہ حبّ علم اس میں رچا دیا گیا تھا ، صبر اور تحمل اس میں سمو دیا گیا تھا ، فراست ، قوت یاد داشت ، ذہانت اور ساتھ ہی ساتھ متانت اور سنجیدگی کا پیکر بن گیا تھا[2] ۔

دن اسی طرح گذرتے رہے ۔

رفتہ رفتہ رشید محسوس کرنے لگا کہ دونوں بھائیوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ، جیسے جیسے ان دونوں کی عمر بڑھتی گئی اور یہ سوسائٹی میں نمودار ہونے لگے ، یہ احساس شدید ہوتا گیا ، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی جلد بازی پر ندامت بھی محسوس کرنے لگا ، کیونکہ اب اسے یقین ہوتا جارہا تھا کہ عبداللہ——مامون——اپنے بھائی امین سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے ، جسے ماں کے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا تھا ، وہ یہ بھی سوچنے لگا تھا کہ اس نے ولی عہد بنا کر خلافت کے مستقبل کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے[3] ۔

ایک طرف تو رشید کا یہ حال تھا ، دوسری طرف اس کا وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی فرصت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں جانے دیتا تھا کہ رشید کے

١ - الاخبار الطوال ، صفحہ ٣٨٣ ۔
٢ - الاخبار الطوال ، صفحہ ٣٨٠ ۔
٣ - الیعقوبی ، جلد ٢ ، صفحہ ٥٠١ ۔

کان تک مامون کی ذہانت اور حسن سیرت کی داستانیں نہ پہنچا دیتا ہو، وہ اس بات کے درپے تھا کہ رشید کو تلافی مافات پر آمادہ کرے اور امین کو ولی عہد بنا کر اس نے جو غلطی کی تھی، اس کی اصلاح اور تدارک کر ڈالے۔

لیکن کیا یہ ممکن تھا؟

کیا رشید ایسا کر سکتا تھا؟ جب کہ زبیدہ ہر وقت اس کی نگرانی کرتی رہتی تھی اور بنو عباس کی بہت بڑی تعداد اس کے بیٹے کی تائید میں تھی اور پھر شعرا جنھوں نے لوگوں کے کانوں میں اپنے قصیدے انڈیل دیے تھے، جو امین کی مدح و ثنا پر مشتمل تھے اور جن میں اس کے فضائل اور مکارم کے اوصاف بیان کیے جاتے تھے اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ زبیدہ مہربان رہے۔ ان باتوں کا اثر یہ ہؤا کہ عوام کو یقین ہو گیا کہ باپ کے بعد صرف امین ہی ہے جو مسند خلافت پر بیٹھے گا، کوئی دوسرا اس کے مقابلے میں نہیں آ سکتا اور رشید نے بھی اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اب اگر اس نے ولی عہدی میں رد و بدل کیا اور امین کے بجائے مامون کو نامزد کیا تو ایسی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی جو دور رس نتائج کی حامل ہوں گی ـــــ جن کا اس وقت تصور بھی نہیں جا سکتا۔

زبیدہ کی برہمی!

روایت ہے کہ بعض خاص لوگوں سے رشید نے اپنے تاثرات کا اظہار کر دیا، یہ خبر اڑ کر زبیدہ تک پہنچ گئی اور اس نے اسے خوب ملامت کی اور روٹھ گئی، آخر وہ بے بس ہو گیا۔

زبیدہ سے اس نے کہا:

''تمھیں اپنا بیٹا بہت دلارا ہے اور ہر ماں کا سلوک اپنے بچے کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن خدا سے ڈرو، خدا کی قسم تمھارا بیٹا مجھے بہت زیادہ محبوب ہے، لیکن خلافت صرف اسی کو سزا وار ہے جو اس کا اہل اور مستحق ہو۔ ہم خلق خدا کے بارے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہیں، ہمیں خدا کے سامنے ان کا بوجھ لے کر نہ جانا چاہیے، نہ اس طرح اس کے حضور میں حاضر ہونا چاہیے کہ ان کا بوجھ ہم پر

لدا ہو ! ۱؎"

زبیدہ اس بات سے اور زیادہ چڑ گئی ، وہ اس کے پاس سے برہمی کے عالم میں اُٹھ گئی اور کافی مدت تک اس کے سامنے نہ گئی ، بہانہ یہ کرتی رہی کہ اس کی صحت خراب ہے ۔

اور جعفر برمکی بھی زبیدہ کے مقابلے میں ہار ماننے والا نہیں تھا ، اس نے مراجل کے بیٹے عبداللہ ــــ مامون ــــ کو آگے بڑھانے کا عزم کر رکھا تھا ، یہ مراجل فارس کی رہنے والی تھی ، اس لیے جعفر کو اس سے بہت ہمدردی تھی ، وہ مامون کی تربیت اور تہذیب میں دل و جان سے مصروف تھا ، مامون کو اس نے بالکل اپنے اثر کا تابع بنا لیا تھا ، جیسے ہارون رشید اس کے باپ یحییٰ کا تابع ہو کر رہ گیا تھا ۔ وہ رشید کو موقع موقع سے اکساتا رہتا تھا کہ حق والے (مامون) کا حق نہ مارے کہ وہی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے ، وہ اپنے ان تمام لوگوں کے ساتھ جو بجا طور پر صنائع آل برمک کہے جا سکتے تھے ، خفیہ طور پر اس تحریک کو چلا رہا تھا کہ مصلحت عامہ کے نام سے ولی عہدی سے امین کو معزول کر دیا جائے اور مامون کو یہ منصب مل جائے ۔ طرفین میں خاموش جنگ جاری تھی ، لیکن نہایت سخت ، جس نے خلیفہ کی قوت فیصلہ کو مجروح کر رکھا تھا ۔

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک رات میں رشید کی خدمت میں حاضر تھا ، دیکھتا کیا ہوں کہ اضطراب اور پریشانی کے باعث اسے کسی پہلو قرار نہیں ، پھر وہ رونے لگا اور یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گیا :

قلد امری عباداللہ ذا ثقۃ
موحد الرای لا نکسا و لا برما

یعنی :

اللہ کے بندوں کے امور ایسے شخص کو سونپ جو قابل اعتماد ہو ، پختہ رائے کا ہو ، کمزور اور زچ ہو جانے والا نہ ہو ۔

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ۳۲۳ ۔

میں نے جب سنا تو سمجھ گیا کوئی بڑی بات اس سے صادر ہونے والی ہے۔

پھر ہارون رشید نے خادم سے کہا:

''یحییٰ بن خالد برمکی کو فوراً ہمارے سامنے پیش کرو!''

پلک جھپکتے میں یحییٰ آ موجود ہوا۔ رشید نے اس سے کہا:

''تم جانتے ہو ابوبکرؓ کی خلافت میں عرب کس طرح راہ صواب پر گامزن رہے اور عمر بن الخطابؓ کی خلافت سے امت کس طرح راضی رہی، لیکن جب شوریٰ کے بغیر وہ چلائی جائے تو فتنے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور نا اہل لوگوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ولی عہدی کے باب میں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، اس کی تصحیح کر دوں اور اسے اس کے حوالے کر دوں، جو سیرت و طبیعت کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے، لیکن بنو ہاشم محمد (امین) کی طرف اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کے باعث مائل ہیں، ان کے اس رجحان میں صرف اغراض کام کر رہے ہیں، امین کے مقابلے میں مامون زیادہ اہل ہے، لیکن اگر امین کو محروم کر دوں تو بنو ہاشم بگڑ کھڑے ہوں گے اور اگر امین کو باقی رکھوں تو رعایا کی خیر نہیں، بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے کہ تم مرد دوربیں ہو!''

اس کے بعد، دونوں میں بڑی دیر تک اکیلے میں باتیں ہوتی رہیں، پھر جب دونوں جدا ہوئے تو طے ہو چکا تھا کہ ولی عہد ثانی مامون ہو۔[1]

کھلی ہوئی بات ہے کہ مامون کی طرف یحییٰ بن خالد برمکی مائل تھا، لیکن معاملہ نہایت نازک اور پیچیدہ تھا، اور اس معاملے میں کھلم کھلا اظہار خیال کرنا آسان نہ تھا، کہ اس طرح زبیدہ خفا ہو جاتی اور اگر سب نہیں تو ہاشمیوں کی بڑی جماعت بگڑ جاتی، لہٰذا رشید اور یحییٰ میں تبادلہ خیال اکیلے میں اور دیر تک جاری رہا۔ صورت مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر خوب اچھی طرح غور کیا گیا، لیکن کوئی قابل اطمینان صورت جب نظر نہ آئی، تو ایک ایسا فیصلہ کیا گیا جو حکمت اور تدبر کے

1۔ المسعودی، جلد ٦، صفحہ ٣٢٣۔

بالکل منافی تھا ، —— یعنی یہ کہ دونوں بیٹوں کو ولی عہد بنا دیا جائے ، اس طرح کا فیصلہ مہدی نے بھی کیا تھا ، لیکن اس کے جو نتائج سیہ ظہور پذیر ہوئے ، ان پر ہم گفتگو کر چکے ہیں -

اس سلسلے میں سب سے زیادہ عجیب روایت جو ہے ، وہ یہ ہے کہ رشید نے اس معاملے میں فضل بن ربیع سے بھی مشورہ کیا ، اس نے مشورہ دیا کہ امین کے بعد ، مامون کو ولی عہد قرار دیا جائے اور دونوں بھائیوں میں اموال و جنود کی تقسیم کر دی جائے ، امین کے حصے میں دارالخلافت آئے اور مامون کو خراسان کا علاقہ دے دیا جائے[1] -

لیکن ہم اسے ہرگز باور نہیں کر سکتے کہ فضل بن ربیع جیسا مرد دور اندیش یہ رائے دے سکتا تھا ، اس لیے کہ یہ نہات غلط رائے تھی ، اس پر عمل پیرا ہونے سے حکومت کی سلامتی اور وحدت کا خطرے میں پڑ جانا لازمی تھا اور ملک کو پارہ پارہ کر دینے کی اس سے بڑھ کر کیا تدبیر ہو سکتی ہے کہ دو حریف ، اور معاند ولی عہدوں میں فوج اور اقتدار کو تقسیم کر دیا جائے[2]-

بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ فضل کی رائے اس کے بالکل بر عکس تھی -

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید ولی عہدی کے معاملے میں بہت بے چین اور فکر مند تھا ، اس نے بہت سے لوگوں سے صلاح لی اور مشورہ کیا ، ہر ایک نے اپنی اپنی فہم کے مطابق مشورہ دیا، لیکن ان سب آرا کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ دو طرح کی تھیں ، ایک گروہ غایات شخصیہ کے ماتحت زبیدہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا ، کہ وہ شوہر کی چہیتی تھی ، اور مشائخ بنی ہاشم پر غیر معمولی اثر و نفوذ رکھتی تھی - دوسرا گروہ ، وزیر جعفر برمکی کی خوشنودی چاہتا تھا کہ وہ خلیفہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مقرب تھا ، ایسا تقرب آج تک کسی وزیر کو حاصل نہیں ہوا تھا -

---

۱ - الاخبار الطوال ، صفحہ ۳۸۳ -

۲ - الاخبار الطوال ، جلد ۳۸۳ -

دونوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے اور فیصلہ نہ کر سکنے میں بعض وجوہ سے رشید مجبور بھی تھا۔

وہ دو پریشانیوں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف جعفر برمکی، مامون کے لیے سرگرم کار تھا، دوسری طرف آل بیت خلافت امین کا دم بھر رہے تھے۔ اور وہ جانتا تھا کہ دونوں ابھی نوعمر ہیں، تیرہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اور چھوٹائی بڑائی بھی صرف نصف سال کی تھی جو کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

بہر حال امر واقعہ کچھ بھی ہو، رشید پر یہ واجب تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرتا اور دوسرے کو ولی عہدی سے بالکل محروم کر دیتا، کہ اس کے دل میں کسی طرح کی امید ہی پیدا نہ ہوتی، وحدت ملی اور مصلحت عمومی کا تقاضا یہی تھا۔ یہ کر چکنے کے بعد دونوں میں سے جسے ولی عہد بناتا، اس کی تربیت اور اصلاح پر پورا زور صرف کر دیتا، لیکن مؤرخین کو جو چیز سب سے زیادہ حیران کر دینے والی ہے، وہ ہے یہ، کہ رشید نے یہ رائے، کہ دو ولی عہد ہوں، کیسے قبول کر لی۔ کیا وہ بھول گیا تھا کہ اس کے باپ مہدی اور عیسیٰ بن موسیٰ کے مابین ماضی قریب میں کیا کچھ ہو چکا تھا؟ اور خود اپنے برادر بزرگ موسیٰ ہادی اور اپنی ولی عہدی کے سلسلے میں جو کچھ گزرا تھا وہ تو گویا ابھی کل ہی کا واقعہ تھا۔ شاید وہ محسوس نہیں کر سکا کہ اپنے اس فعل سے تقدیر کے صحیفے میں وہ ایک ایسا ورق رکھ رہا ہے جو خون سے رنگین تھا، جس نے آخرکار اس کی موت کے بعد ملک میں زبردست افراتفری پھیلا دی۔

۱۸۲ھ (مطابق ۷۹۸ء) ماہ رجب میں ہارون رشید نے اپنے گرمائی صدر مقام رقہ میں مشائخ بنو ہاشم اور کبار دولت اور قائدین فوج کو طلب کیا، اور یہاں سب سے اپنے لیے تجدید خلافت کی، اور امین کے لیے پہلے نمبر پر اور مامون کے لیے دوسرے نمبر پر ولی عہدی کی بیعت لی، اسی موقع پر عبداللہ کو مامون کا لقب دیا گیا، اور خراسان کا علاقہ مع ملحقات عطا کیا گیا اور جعفر برمکی اس کام پر مامور ہوا کہ مامون کے علاقے

د دو بست کرے ۔

ظاہر ہے اس اجتماع کی فضا میں اس مرتبہ نشاط و مسرت کی وہ کیفیت نظر نہیں آ رہی تھی ، جو صرف امین کی بیعت لیتے وقت نظر آتی تھی ، غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ حاضرین محسوس کر رہے تھے کہ آئندہ کیا گل کھلنے والا ہے ۔ یہ لوگ ان واقعات سے بے خبر نہ تھے ، جو ایک وقت کئی ولی عہدوں کی نامزدگی سے جنگ و پیکار اور کشمکش کی صورت میں رونما ہو چکے تھے[2] ۔

ایک شاعر نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے :

"میرا دل مغموم و محزون ہے اور
اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور میں اس سے کہہ رہا تھا
ہوں اور غم کا زمانہ سلامت روی سے بسر کر ،
وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب نیند اڑ جائے گی ،
گر زندگی رہی تو دیکھ لینا وہ امر بھی ،
جو غم اور صدمے میں اضافہ ہی کرتا چلا جائے گا ،
ہمارے بادشاہ نے کتنا غلط فیصلہ کیا ہے کہ ،
ملک اور خلافت کو تقسیم کر دیا ،
یہ ایسا فیصلہ ہے کہ اگر وہ ذرا غور کرتا تو اسی طرح جان لیتا ،
جس طرح سفیدی اور سیاہی کا فرق واضح ہے ،
اس فیصلے سے اس نے سوچا ہے کہ اس کے بیٹے ،
اختلاف سے دور رہیں گے ، اور محبت کی زندگی بسر کریں گے ،
حالانکہ یہ فیصلہ کر کے اس نے عداوت کے بیج بوئے ہیں ،
اور وراثت میں جو چیز عطا کی ہے وہ دشمنی ،
افسوس بد قسمت رعایا ، ——— بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ
اس کے لیے جو چیز چھوڑی گئی ہے ، وہ کرب و اذیت ہے
بہت جلد خون کے دریا بہنے لگیں گے ،

---

۱ - الجہشیاری ، ۲۱۳ ۔

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٦٥ ۔

جن کا کوئی اور چھور نہیں ہو گا ۔
مصیبت کا یہ دور دائمی اور ابدی بن جائے گا ،
اور اس کی لپیٹ میں ہر شخص ، خواہ وہ دانا ہو یا نادان ، آ جائے گا ! ! ''

اس معاملے کا ایک اور عجیب پہلو یہ ہے کہ ہارون رشید کے اس فیصلے سے دونوں میں سے کوئی ولی عہد بھی خوش نہیں تھا ، بلکہ ہر ایک بھڑک اٹھا تھا ، دونوں بھائیوں میں نفرت اور دشمنی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے ، زبیدہ اور جعفر برمکی کے درمیان تو انتہائی خصومت پیدا ہو گئی تھی ، اور اس نے بہت جلد سارے قصر خلافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ، اب وہاں دو عنصر نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے ، ـــــ عربی اور عجمی ! [1]

رشید حد درجہ فکر مند اور پریشان تھا ، سوچتا تھا کہ میرے بعد ، ملک کا اور حکومت کا کیا بنے گا ؟ اور یہ تشویش اس وقت اور بڑھ گئی ، جب اسے معلوم ہوا کہ امین اور مامون کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی ہے ، دونوں تہدید اور بد کلامی سے کام لینے لگے ہیں ، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے متنفر اور ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں ، یہ بات اسے سخت ناگوار ہوئی اور اسے یقین ہو گیا کہ دونوں میں لڑائی ہو کر رہے گی ، وہ بہت دل گیر اور آشفتہ حال نظر آ رہا تھا ۔

اصمعی کی روایت ہے :

میں ہارون رشید کی خدمت میں حاضر تھا ، اس نے اشارے سے اپنے پاس بیٹھنے کی مجھے ہدایت کی جب مجلس برخاست ہوئی تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس نے کہا :

'' کیا تم محمد و عبداللہ (امین اور مامون) سے ملنا پسند نہیں کرتے ؟ ''

میں نے عرض کیا :

'' ضرور ، یا امیرالمومنین ، کیوں نہ ملوں گا ! ''

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٥٦٦ ۔

رشید نے دونوں کو بلوایا ، وہ حاضر ہوئے ، اور سلام کیا ، اور مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے ۔ رشید نے دونوں کو اشارے سے پاس بلایا ، امین کو داہنی طرف ، اور مامون کو بائیں طرف بٹھایا ۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں ذرا ان کا امتحان لوں ۔ فنون ادب سے متعلق میرا کوئی سوال ایسا نہیں تھا جس کا دونوں نے نہایت معقول اور برمحل جواب فوراً نہ دیا ہو ۔ رشید نے دونوں کو سینے سے لگا لیا ، آنکھیں آب گوں ہو گئیں ، اس نے دونوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی ، بعد ازاں میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

''اس وقت کیا کرو گے جب ان دونوں بھائیوں میں دشمنی بڑھ جائے گی ، اور ان کا بغض ظاہر ہو جائے گا اور دونوں کے مابین دشمنی جڑ پکڑ لے گی ، یہاں تک کہ نوبت خوں ریزی کی آ جائے گی اور بہت سے زندہ آرزو کرنے لگیں گے ، کاش یہ منظر دیکھنے سے پہلے وہ مر گئے ہوتے ؟''

میں نے عرض کیا :

''یا امیرالمومنین ، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں : کیا ان کی پیدائش کے وقت منجموں نے یہ پیشین گوئی کی تھی ، یا کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے علما یہ اندیشہ دونوں کے متعلق کرنے لگے ہیں ؟''

رشید نے جواب دیا :

''مجھے ایسا ہی نظر آتا ہے[1] !''

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہارون رشید کو امین یا مامون کے اختلاف و عناد کی اطلاع عیسیٰ بن جعفر عباسی کی زبان سے ملی تھی[2] ۔

امین و مامون کے مابین عہد و میثاق کا فیصلہ

رشید اس اضطراب و تشویش میں مبتلا تھا ، وہ حالات کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کر رہا تھا ۔ گویا اب اصلاح احوال کی کوئی صورت ہی نہیں تھی جو اس کے امکان میں ہو ۔ ہر جماعت اپنے سربراہ کے

---

۱ ۔ الاخبار الطوال ، صفحہ ۳۸۴ ۔

۲ ۔ کتاب الاصمعی ، صفحہ ۱۸۷ ۔

ساتھ سرگرم عمل تھی ۔ ایک جماعت زبیدہ اور اس کے مشیروں کی تھی ، دوسری جعفر برمکی اور اس کے حاشیہ نشینوں کی ۔

کافی عرصے تک رشید ان حالات پر غور کرتا رہا ، آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ دونوں بھائیوں سے ایک تحریری اقرار لے کر ، جس میں تفصیل کے ساتھ دونوں کے حدود مقرر کر دیے گئے ہوں لوگوں میں اسے پھیلا دے تاکہ کل اگر دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو تو لوگ سمجھ لیں ، کس نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے ۔ پھر اس نے یہ سوچا کہ اس عہد و میثاق کی کتابت اور اس پر دستخط ایسی جگہ ہوں جس کے باعث اس عہد نامے کا احترام بڑھ جائے ۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ یہ کام مکہ مکرمہ میں موسم حج کے موقع پر ، خانۂ کعبہ کے اندر انجام دیا جائے ، جہاں دنیا کے ہر گوشے سے مسلمان آتے ہیں ۔

احتیاطی تدبیریں !

اس سال (١٨٦ ھ مطابق ٨٠٢ ع) رشید نے اپنے دوران قیام رقہ میں اپنے عمال و حکام اور والیوں کو ، جملہ امصار و مدن اور اقالیم میں ایک فرمان بھیجا کہ وہ حج کا قصد رکھتا ہے ، ساتھ ہی ساتھ اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کے لیے جو شرائط ولی عہدی طے کیے تھے ان کی تفصیل کتہ کر حکم دیا کہ تمام لوگوں کو ان سے آگاہ کر دیا جائے ۔ نیز تاکید کی کہ موسم حج کے موقع پر مکۂ مکرمہ آ کر وہ ہم رکاب ہوجائیں ۔

رقہ سے رخت سفر باندھنے سے پہلے ہارون رشید نے ایک لشکر ترتیب دیا اور اس کا سالار اپنے چھوٹے بیٹے قاسم کو بنایا ، عبدالملک بن صالح عباسی کو اس کے ساتھ کر دیا اور اس لشکر کو شہر منبج کی طرف روانہ کر دیا ، کیونکہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر سرحد کی حفاظت نہ کی گئی تو داخلی مسائل میں خلیفے کو الجھا ہوا دیکھ کر روم کی حکومت ، حدود اسلامیہ پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دے گی[1] ۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر ہارون رشید نے ابراہیم بن عثمان بن نہیک کو شہر رقہ کی سربراہی سونپی اور رمضان کے مہینے میں حجاز مقدس کی

---

1 ۔ الطبری ، جلد ٣ ، صفحہ ٦٥١ ۔

طرف روانہ ہو گیا ۔ موکب خلافت کے ساتھ امین ، مامون ، وزرا دولت ، (آل برمک) قواد جیوش اور دوسرے سربرآوردہ لوگ تھے ۔ بغداد کی طرف سے جب گذر ہؤا تو خود خلیفہ تو شہر میں داخل نہیں ہؤا ، لیکن وہاں کے اعیان و اکابر آ کر موکب خلافت کے ساتھ شامل ہو گئے ۔ کاروان خلافت رواں دواں منزل مقصود کی طرف بڑھتا رہا ، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا اور یہاں کافی مدت تک قیام کیا ۔

قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں ہارون نے تین عطیات لوگوں میں تقسیم کیے ، ایک اپنی طرف سے ، دوسرا مامون کی طرف سے اور تیسرا امین کی جانب سے ، اس موقع پر خلیفے نے زیادہ سے زیادہ داد و دہش کا مظاہرہ کیا ۔ چنانچہ لوگوں کو جو نقد رقم دی گئی وہ ایک لاکھ دینار (اشرفی) سے زیادہ تھی ۔

اس کام سے فارغ ہو کر اور حج کے مراسم اور شعائر ادا کر چکنے کے بعد ہارون اپنے تمام لوگوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہؤا ، سب لوگ اپنی اپنی جگہ مؤدب ہو کر بیٹھ گئے ، پھر اس نے محمد الامین کو حاضرین کے سامنے طلب کیا جس کی عمر سولہ سال کی تھی ۔ گورا رنگ ، کشیدہ قامت ، خوش شکل ، آنکھیں ذرا چھوٹی ، ہڈیاں چوڑی ، شانہ بلند[1] ۔

ہارون نے امین کو ولی عہدی کے جو شرائط قلم بند کرائے ، ان کے خاص خاص حصے یہ ہیں :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،

''یہ تحریر ہے خدا کے بندے ہارون رشید امیرالمومنین کی ، جو انہوں نے صحت عقل و بدن اور اثبات ہوش و حواس امر کا مجاز ہونے کی حیثیت سے لکھائی ،

امیرالمومنین نے اپنے بعد مجھے ولی عہد بنایا ہے اور میرے لیے تمام مسلمانوں سے سمع و طاعت کی بیعت لی ہے ، نیز میرے بعد امیرالمومنین نے میرے بھائی عبداللہ (مامون) سے ولی عہدی خلافت کے جملہ امور اور جمیع معاملات میں بیعت لی ہے جسے اس نے بغیر کسی

1- الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۰۲ ۔

جبر و اکراہ کے ہنسی خوشی قبول کر لیا ہے۔

امیرالمومنین نے مامون کو خراسان کی ولایت عطا کی ہے اور اسے وہاں کی تمام آمدنی جو عشور، خراج و صدقات و زکٰوۃ اور برید جو وہاں کی جملہ بستیوں اور آبادیوں پر مشتمل ہے، بخش دی ہے اور اس کی زندگی اور زندگی کے بعد بھی اس بخشش کو قائم و دائم رکھا ہے۔

میں نے امیرالمومنین ہارون رشید کی عائد کی ہوئی یہ شرط قبول کر لی ہے کہ اپنے بھائی عبداللہ المامون کے ساتھ شرط وفا نباہوں گا۔ اس کی ولایت اور خلافت اور امور مسلمین سے متعلق اس کا استحقاق میرے بعد جاری اور نافذ رہے گا۔

اگر ہم دونوں میں کسی بات پر اختلاف ہو، تو میرے بھائی عبداللہ (مامون) کا قول بالا رہے گا۔ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، نہ چھوٹی بڑی، کسی طرح کی اس سے کوئی چیز چھینوں گا، نہ اس کے مال اور ولایت میں کسی طرح کی دخل اندازی کروں گا۔ نہ ایسا کروں گا کہ اس کی کوئی چیز لے کر، کوئی دوسری چیز اس کے بدلے میں دے دوں۔ نہ اسے کسی اعتبار سے بھی نقصان پہنچاؤں گا، نہ ولایت عہد و خلافت کے بارے میں کسی شخص کو بھی ـــــ خواہ وہ کوئی ہو ـــــ اس پر کسی طرح کی ترجیح دوں گا۔

اگر کسی نے میرے بھائی عبداللہ المامون کی تذلیل کی، یا اسے پریشان کیا، یا اسے کسی طرح کی تکلیف پہنچائی یا اسے معزول کرنے کی کوشش کی، یا اس سے جنگ کی تو میں اس کی مدد کروں گا، اس کا دفاع کروں گا، اس کی طرف سے اس طرح برسر پیکار رہوں گا جیسے اس طرح کے اقدامات اس کے خلاف نہیں بلکہ میرے خلاف ہوئے ہیں۔

امیرالمومنین ہارون رشید نے جو شرائط طے کر دیے ہیں اگر ان میں سے کسی کو میں نے توڑا یا اپنے بھائی عبداللہ کے لیے جو عہد و میثاق کر چکا ہوں اس سے منحرف ہوا تو پھر میں اللہ سے

اس کی ولایت سے ، اور اس کے دین سے بری ہوں "۔

یہ عہد نامہ لکھ کر امین نے اس دن کی یعنی ۷ محرم الحرام ۱۸۶ھ (مطابق جنوری ۸۰۲ء) کی تاریخ ڈالی ، اور اس پر ہاشمی اکابر ، وزرائے سلطنت ، قواد اور حجاب نے گواہیاں ثبت کیں ۔ ان لوگوں کی تعداد اکتیس تھی[1] ۔

اس کے بعد ہارون نے اپنے دوسرے بیٹے مامون کو طلب کیا ۔ وہ حاضر ہوا ۔ اس کی عمر تقریباً ۱۶ سال اور چند ماہ کی تھی ، گورا رنگ اس میں کسی حد تک زردی کی آمیزش ، بلند قامت ، خوش صورت ، کوتاہ پیشانی ، گال پر ایک مسہ[2] ۔

ہارون نے اسے بھی ایک عہد نامہ لکھایا ، جسے اس نے فوراً لکھا ، اس کے بھی خاص خاص حصے یہ ہیں :

"یہ تحریر ہے جو امیرالمومنین ہارون رشید نے صحت عقل و بدن اور ثبات ہوش و حواس کے عالم میں صدق نیت کے ساتھ اپنے عیال ، خاندان ، اور اہل بیت کی صلاح و فلاح کو پیش نظر رکھ کر لکھائی ۔

یہ کہ امیرالمومنین نے مجھے ولایت عہد ، خلافت ، اور امور مسلمین کی سربراہی پر میرے بھائی امین کے بعد نامزد فرمایا ہے اور مجھے امین کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد ، خراسان ، اس کے سرحدات ، اس کی بستیوں اور آباد کاریوں ، اس کے صدقات ، عشر عشور برید ، طروز وغیرہ کا بلا شرکت غیرے مالک بنایا ہے اور مجھ پر یہ شرط عائد کی ہے کہ میں اپنے بھائی امین بن ہارون رشید سے پیمان وفا نباہوں ، اور اس کے بعد عباد و بلاد کی ولایت سنبھالوں اور ولایت خراسان کا انتظام و انصرام اپنی صواب دید پر جاری رکھوں ، نیز جو کچھ امیرالمومنین نے فرما دیا ہے ، میرا بھائی اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کرے گا ، نہ میری جاگیر اور وسائل و ذرائع

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۲ ۔

۲ ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۸۳ ۔

میں کسی طرح کی مداخلت کرے گا ، نہ میری ذات کو ان عطا کردہ چیزوں میں سے کسی سے محروم کرے گا ۔ امیرالمومنین نے مجھے از قبیل اموال و جواہر و پارچہ جات و متاع اور سواری جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ میرا اور صرف میرا ہے ۔

مجھ پر یہ فرض ہے کہ میں اپنے بھائی محمد (امین) بن امیرالمومنین ہارون رشید کی اطاعت کروں ، اور کسی بات میں اس کی نافرمانی نہ کروں ، اسے نیک صلاح دوں ، اور کسی طرح بھی اس کے لیے موجب شکایت نہ بنوں ، صدق دل سے اس کی بیعت کو مانوں اور اس کی ولی عہدی کو تسلیم کروں ، اور کبھی اس سے بے وفائی ، بد عہدی اور پیمان شکنی نہ کروں ۔

اگر کبھی کسی موقع پر میرا بھائی محمد (امین) کسی لشکر کی ضرورت محسوس کرے اور مجھے حکم دے کہ اس کی بتائی ہوئی سمت میں اسے روانہ کروں ، یا اس کے دشمنوں کے خلاف اسے استعمال کروں ، تو میرا فرض ہوگا کہ بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کروں ، ہرگز اس کی مخالفت نہ کروں ، نہ اس کے احکام کی تعمیل میں کسی طرح کی کوتاہی کا صدور ہونے دوں ۔

اگر میں اس عہد و میثاق کی خلاف ورزی کروں ، یا اس کی کسی شق کے خلاف حرکت کروں یا طے شدہ شرائط سے منحرف ہوں جو اس معاہدہ میں درج ہیں یا ان میں کسی طرح کا تغیر و تبدل کروں ، تو پھر میں اللہ سے ، اس کی ولایت سے ، اس کے دین سے بری ہوں[1]"۔

اس کے بعد مامون نے بھی امین کی طرح عہد نامے پر دستخط کیے ، تاریخ لکھی ، اور ان تمام گواہوں نے اپنی شہادت ثبت کی ، جنھوں نے امین کے عہد نامے پر اپنی گواہیاں لکھی تھیں ۔

عہد و میثاق کی نشر و اشاعت

معاہدوں کی تکمیل و تحریر کے بعد جب دونوں بھائی اس کام سے

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۷ ۔

فارغ ہوئے ، اور گواہ اپنی شہادت لکھ چکے تو حاضرین کے سامنے دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے از روئے حلف پھر ان شروط کو دہرایا ۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں معاہدے کی تحریر ، شہادت اور دوسرے مراسم کے انجام پا جانے کے بعد ، ہارون رشید نے حاضر الوقت قضاۃ کو حکم دیا کہ اس حج کے موقع پر جو لوگ فرداً فرداً یا وفد کی صورت میں مختلف دیار و امصار سے آئے ہیں ، ان تک یہ واقعہ عہد و میثاق پہنچا دیں ۔

چنانچہ قضاۃ نے اس معاہدے کے ایک ایک حرف کو تمام لوگوں کے سامنے پڑھا ، اور انہیں ہدایت کی کہ اس کی خبر دوسرے لوگوں اور ہموطنوں تک بھی جلد از جلد پہنچا دیں[1] ۔

ان مراحل کے تکمیل پزیر ہو جانے کے بعد ہارون رشید نے حکم دیا کہ صدر حرم میں یہ دونوں معاہدے ، اصل صورت میں لٹکا دیے جائیں ، اس حکم کی بھی فوراً تکمیل ہوئی ۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ دونوں معاہدے جب لٹکائے جانے کے لیے اٹھائے گئے تو ان میں سے ایک فرش پر گر پڑا ، جس سے لوگوں نے بری فال لی[2] ۔

دوسرے روز ہارون رشید نے اپنے کاتب اسماعیل بن صبیح کو طلب کیا ، اور اسے یہ معاہدہ سنایا ، اور وہ ساری تفصیل بتائی ، جو اس سلسلے میں برتی گئی تھی ، نیز وہ شروط بھی بتائے جو دونوں بھائیوں پر عائد کیے گئے تھے ۔

اس کے بعد یہ معاہدہ جملہ عمال دولت کو روانہ کر دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ لوگوں کو اس سے اچھی طرح با خبر کر دیں اور سرکاری ریکارڈ میں اسے محفوظ کر لیں[3] ۔

زبیدہ اور ہارون رشید میں رنجش

اس بات کے ماننے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہیے کہ ولی عہدی

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٥٠٢ ۔

۲ - المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ٣٢٦ ۔

۳ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٦٠ ۔

کا عقدۂ دشوار اس طرح صحیح طور پر حل نہیں ہو سکا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ اس طرح مسابقت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اور وقوع اختلاف سے پہلے انقسام کی صورت عمل میں آ گئی۔ کیونکہ طرفین کے حامی، پشت پناہ، اور لیڈر اس معاہدے سے نہ خوش تھے، نہ اسے پسند کرتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جعفر بن یحییٰ برمکی خانہ کعبہ میں امین کے پاس گیا، اور اس پر اپنی چادر کا پلو ڈال دیا جو ایک طرح کی قسم تھی، پھر اس سے کہا۔ کہیے:

''خدا مجھے ذلیل و رسوا کرے اگر میں مامون کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کروں''!

امین نے یہ الفاظ دہرا دیے۔

لیکن جعفر نے ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا تا کہ رشید ان کی کی معنویت سے پر انگیختہ ہو[1]۔

مسعودی کی روایت ہے کہ:

ہارون رشید جب اس عہد و میثاق کی تکمیل کے بعد واپس آیا تو زبیدہ ایک روز اس کے پاس آئی اور کہنے لگی:

''آپ نے اپنے بیٹے محمد (امین) کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اسے صرف عراق کا علاقہ دیا ہے اور اسے منجھے ہوئے قواد سے محروم کر دیا ہے، اس طرح آپ نے اسے عبداللہ سے فروتر کر دیا ہے!''

یہ سن کر ہارون کو غصہ آ گیا، اس نے برہمی کے عالم میں کہا:

''تم امور سلطنت اور احوال سلطنت کو کیا جانو، تمھیں کیا معلوم کون شخص کس کام کے لیے موزوں ہے اور اسے کیا ذمہ داری سونپی جانی چاہیے ــــ میں نے تمھارے بیٹے کو امن و امان عطا کیا ہے اور عبداللہ (مامون) کے حصے میں حرب و پیکار آئی ہے۔ اور جس شخص کو رزم آرائی سے سروکار ہو وہ لوگوں کا اور قواد کا زیادہ

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ٦٤٥۔
الجہشیاری صفحہ ۲۲۳۔

ضرورت مند ہوتا ہے ، لیکن اس کے باوجود تمہارے بیٹے محمد (امین) سے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ عبداللہ (مامون) کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا ، حالانکہ مجھے عبداللہ (مامون) سے محمد (امین) کے بارے میں اس طرح کا کوئی اندیشہ نہیں ہے[1] !''

ایک مستقل درد سر

لیکن جہاں تک رائے عامہ کا تعلق تھا وہ اس صورت حال سے مطمئن نہیں تھی ، نہ اس کے متوقع نتائج سے کسی طرح کی خوش فہمی میں مبتلا تھی ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اندیشہ ہائے دور و دراز نے اسے پریشان کر دیا تھا ۔ چنانچہ بے اطمینانی اور متوقع اندیشوں کی باتیں لوگوں کی زبان پر جاری تھیں ، بزم و انجمن کا موضوع بنی ہوئی تھیں ۔ اور شعراء اپنے اشعار میں اس طرح کے تاثرات ظاہر کیا کرتے تھے اور مفکروں کی طرف سے اندیشہ ہائے گوناگوں کا اظہار ہوتا رہتا تھا ۔

آثار و قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ بعد میں خود رشید بھی اپنے اس اقدام کو ایک بہت بڑی غلطی تصور کرنے لگا تھا اور تدارک اس کے بس سے باہر تھا اس لیے وہ دل برداشتہ اور مایوس ہو گیا تھا ، چنانچہ اس نے تیسری ولی عہدی اپنے چھوٹے بیٹے قاسم کو دے دی تھی، جس کا نمبر مامون کے بعد تھا[2] ، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ۔

بہر حال بات کچھ بھی ہو ، ولایت عہد کا مسئلہ ہی در حقیقت مستقل بالذات حیثیت نہیں رکھتا تھا ، نہ یہ بجائے خود کسی بسیط حیثیت کا حامل تھا ، بلکہ اسے اگر ایک سخت ترین سانحے ، حادثے اور مصیبت سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ درست ہوگا ۔

یہ ایک ایسی مصیبت تھی جو تنہا نہیں تھی ، بلکہ اس کے ساتھ مصائب اور حوادث کا تواتر اور تسلسل کام کر رہا تھا ۔

ایک ایسا زبردست سانحہ تھا ، جو رشید کے لیے اور اس کے وزرا کے لیے ، آخری دور میں ایک مستقل درد سر بن گیا تھا ۔

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ۳۱۰ ۔

۲ ۔ المسعودی ، جلد ٦ ، صفحہ ۳۳۸ ۔

حصه هشتم

برامکه

●

طغیان و زوال

●

یحییٰ برمکی

رشید کی جانب سے آل برمک کو جان و مال کا خطرہ

حلف مؤکد کے ساتھ رشید کا عہد نامہ

بیعت کے بعد رشید کے ہاتھ سے نگین خلافت حاصل کیے ابھی یحییٰ بن خالد برمکی کو زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ وہ اپنے اور اپنے خاندان کے استقلال و تحفظ کی تدبیریں سوچنے لگا ۔ کیونکہ بنو عباس کے بعض وزرا پر اور ان کے خاندانوں پر جو کچھ گزر چکی تھی اس سے وہ واقف تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہی انجام اس کا بھی ہو۔ ابو سلمہ الخلال ، ابو ایوب الموریانی ، یعقوب ، ابن داؤد وغیرہ سرفرازی کی منزل پر پہنچنے کے بعد ، جس طرح بربادی اور ہلاکت سے دو چار ہوئے تھے ، یہ سب اس کے علم میں تھا ۔

آخرکار یحییٰ کے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ رشید سے اپنی اور اپنے خاندان کی سلامتی اور تحفظ کا ناقابل شکست میثاق لے ، جسے وہ خود اپنے ہاتھ سے لکھے اور قسم کھا کر عہد کرے۔ رشید سے اس نے پیمان میں جو کچھ لکھانا چاہا یہ تھا :

''میں کبھی بھی یحییٰ کی ذات کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤں گا ۔ نہ اس کے اقتدار اور جان و مال سے تعرض کروں گا !''

رشید نے بے چون و چرا یہ میثاق حلف مؤکد کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دیا اور اس پر دستخط کرنے کے بعد مشائخ بنی ہاشم کی گواہیاں ثبت کر دیں[1] ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۰ ۔

فضل برمکی اور جعفر برمکی سے رشید کے گہرے روابط

شروع کے چند سال یحییٰ کی مراد اور آرزو کے مطابق گزرے ، اس نے وہ سب کچھ پایا جو چاہا اور وہ سب کچھ کیا جو مرضی ہوئی ۔ جملہ امور سلطنت کی کنجی اسی کے ہاتھ میں تھی ، اقتدار مطلق کا وہ مالک تھا ، کسی میں یارا نہ تھا کہ اسے روک ٹوک سکتا یا اس کی مرضی کے خلاف کچھ کہہ سکتا یا کر سکتا ۔ اپنے دونوں بیٹوں فضل اور جعفر کو اس نے رشید پر مسلط کر رکھا تھا ، جو سائے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے ۔ خلوت و جلوت کے رفیق بنے ہوئے تھے اور مستقل تیام بھی ان کا قصر خلافت میں تھا ۔ سفر و حضر میں بھی یہ اس کے ساتھ رہتے تھے ، خوشی اور غم ، ہر موقع پر یہ اس کے جلیس ، ہمدرد اور دم ساز ہوتے ، فرصت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب یہ دونوں اسے تنہا چھوڑتے ہوں ۱ ۔

یہاں تک کہ مرور ایام کے ساتھ یہ تینوں ایک جان ہو گئے ۔ ان میں زبردست قلبی اور روحانی رشتہ قائم ہو گیا ۔ اس اتحاد و اختلاط کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تینوں تقریباً ہم سن تھے اور ذوق و مزاج کے اعتبار سے تینوں میں بڑی حد تک یکسانیت تھی ۔ رضاعت کے باعث ان میں اخوت کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا ، اس لیے کہ دودھ شریک بھائیوں میں حقیقی قسم کے برادرانہ تعلقات قائم ہو جایا کرتے ہیں ۔ کوئی سرگرمی ہو ، کسی طرح کی مہم ہو ، کیسا ہی مرحلہ در پیش ہو ، یہ ممکن نہ تھا کہ یہ الگ ہو سکیں ، ہر معاملے میں ان کا انداز فکر اور منہاج بالکل ایک تھا ، ان تینوں کی زندگی سکھ ، عافیت ، سرور ، بے فکری اور نشاط و طرب کے عالم میں گزر رہی تھی ۔

فضل برمکی کے کردار کا جائزہ

فضل بن یحییٰ عقل و فراست ، فہم و ذکا اور تدبیر و دانش کے اعتبار سے اپنے باپ یحییٰ سے بہت مشابہ تھا ، باپ کی طرح سخی ، دریا دل اور لکھ لٹ بھی تھا ۔ ادب سے اور ادیبوں سے غیر معمولی انہماک و شغف

---

۱ ۔ المعارف (ابن قتیبہ) صفحہ ۱۳۰ ۔

بھی اپنے باپ سے ورثے میں اُسے ملا تھا ۔ حمد کرنے والوں اور ثنا خوانوں کا منہ حقیقی معنوں میں موتیوں سے بھر دیتا تھا ۔ اس کی عطا و سخا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ گراں قیمت پر اور اُمید و توقع سے زیادہ دام دے کر مدح و تحسین خریدا کرتا تھا ۔ ایک شستہ اور شائستہ شخص میں جو عفت ، پاکیزگی اور وقار ہونا چاہیے وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھا ۔ صفائی فکر ، کرامت نفس اور طہارت اخلاق سے مالا مال تھا ، برائیوں اور بدگوئیوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا ۔

لیکن وہ بڑائی کا جویا اور بھوکا تھا ۔ اس لیے اس میں نخوت اور کبر کے عناصر بھی حد سے سوا پیدا ہوگئے تھے اور یہی چیز تھی جس سے ذرا گرم طبیعت کے مالک لوگ اس سے متوحش اور بیزار ، بلکہ متنفر نظر آتے تھے جب کہ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس خامی کے باوجود وہ داد عیش دے رہا ہے اور کوئی اس کا راستہ روکنے والا یا ہاتھ پکڑنے والا موجود نہیں ہے ۔

جعفر برمکی : سیرت اور کردار

جعفر برمکی اپنے بھائی فضل سے بالکل مختلف تھا ، اس کی فہم و ذکا کی حدت و سرعت ، قوت نطق کلام ، پختگی فکر و اصابت رائے ، ساتھ ہی بے باکی ، جرأت اور ان سب صفات و اوصاف پر مستزاد ، خطابت اور کتابت کے فن میں مہارت ، فصاحت و بلاغت میں یکتائی ، مسودہ نویسی اور فکر رسا ان تمام اعتبارات سے جعفر فضل پر فوقیت رکھتا تھا ۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

"[1] اگر کرۂ ارض پر کوئی بولنے والا ایسا ہوتا ، جو صرف اپنے اشارے سے نطق کی ضرورت پوری کر دیتا تو بے شک ایسا شخص جعفر برمکی ہی ہو سکتا تھا ، جس طرح وہ فکر اور اعادے سے مستغنی تھا !"

رشید ان دونوں بھائیوں سے محبت کرتا تھا اور دونوں کو اس نے مقرب بارگاہ بنا رکھا تھا ۔ ایک عرصۂ دراز تک دونوں کے لطف و محبت

---

١ - الجہشیاری ، صفحہ ٢٠٣ -

سے وہ لطف اندوز اور بہرہ ور ہوتا رہا ، آخر کار اس نے فضل کو وزارت کا منصب سونپ دیا اور سے وہ انگشتری مرحمت کر دی جو اس کے باپ کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی وز اسور و شئون دولت میں اسے بالکل خود مختار اور مطلق العنان بنا دیا ۔ یحییٰ سے ہر معاملے میں مشورہ لیا جاتا تھا اور اس کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا ۔ بیٹے کے تصرفات پر صرف وہی بالا دستی رکھتا تھا ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وزیر نہ ہو کر بھی وزیر سے بڑا تھا ، اگر چھوٹا تھا تو صرف خلیفہ سے ، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ شہریار بے تاج تھا ۔

فضل کے عہد وزارت میں جعفر کا کام یہ تھا کہ وہ برید (ڈاک) سے متعلق امور کی نگہداشت کرتا تھا ، جہاں کہیں سے بھی ڈاک آتی تھی وہ اس کی نظر سے گزرنے کے بعد آگے بڑھتی تھی ۔ اس طرح وہ ہر مقام کے حالات سے واقف تھا ۔

وزارت سے فضل کی علیحدگی اور جعفر کا تقرر

کچھ عرصے کے بعد ہارون رشید کے دل میں یہ سمائی کہ بجائے فضل کے جعفر کو وزیر بنا لیا جائے ، چنانچہ اس نے اس بات میں یحییٰ سے مشورہ کیا ، اسی موقع پر یحییٰ کے سامنے اس کے منہ سے فضل کے لیے وہ مشہور کلمہ نکلا تھا جو آج تک زبان زد ہے ، اس نے کہا تھا :

"میں چاہتا ہوں کہ انگشتری داہنے ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ میں پہن لوں !"

یحییٰ نے ہارون کی اس خواہش میں مزاحمت نہیں کی بلکہ اظہار مسرت کیا اور فضل کو ہدایت کی ، خاتم وزارت جعفر کے حوالے کر دے ، اس نے بے تامل تعمیل کی ، اس کے بعد وزارت تنفیذ کے امور اس کے سپرد کر دیے گئے اور رشید نے شہزادہ امین کی تربیت کی ذمہ داری بھی اسے سونپ دی ، جس طرح مامون کی تربیت کا فریضہ اس نے جعفر کو سونپ دیا تھا ۔

اس کے بعد کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ رشید نے خاتم وزارت

---

۱ ۔ الجہشیاری : صفحہ ۲۰۰ ۔

یحییٰ برمکی کے حوالے کر دی اور جعفر کو اپنی مملکت کے نصف غربی علاقے کا والی بنا دیا ۔ جو انبار سے شروع ہوتا تھا اور شمالی افریقہ تک پھیلا ہؤا تھا ۔ یہ واقعہ ۱۷۶ھ (مطابق ۹۳ء) کا ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ رشید نے جعفر کو ہدایت کی کہ قیام بغداد ہی میں رکھے اور اپنی ولایت کا انتظام اپنے عمال کے ذریعے کرتا رہے ۔

۱۷۸ھ/مطابق ۹۵ء میں رشید نے مشرقی حصے کی امارت فضل برمکی کو عطا کر دی ، اس نے اس ذمے داری کو قبول کر لیا اور اپنا مستقر خراسان کو بنا لیا ، یہاں اس نے بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے اور بہت جلد حالات سدھار دیے ۔ بلکہ انھیں کہیں زیادہ بہتر بنا دیا اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں ، نہایت اعلیٰ پیمانے پر اس نے اپنے متعلقہ علاقے کے حالات استوار کر لیے ۔

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رشید جعفر برمکی کے اجلال و اکرام اور عزت و توقیر میں بہت زیادہ مبالغہ کرنے لگا ، اب وہ اسے ''بھائی جعفر'' کہا کرتا تھا ؛ اس نے فرمان صادر کیا تھا کہ سکوں پر اس کے نام کے ساتھ جعفر اور فضل کا نام بھی ڈھالا جائے ، اس نے جعفر کے لیے جو نشست مقرر کی تھی ، وہ اپنے بالکل قریب مسند خلافت سے ملی ہوئی تھی ، اس طرح امرا بنو عباس بھی اس سے فرو تر ہو گئے تھے ، چنانچہ یہ رنگ دیکھ کر لوگ ''سلطان جعفر'' کے نام سے اسے یاد کرنے لگے تھے ۔

روایت ہے کہ ہارون نے ایک مرتبہ ایک کپڑے میں گوٹ لگوائی ، یہ اتنا چوڑا تھا کہ دونوں کو ڈھانک لیتا تھا ، چنانچہ نجی مجلسوں میں اس کا استعمال ہوتا رہتا تھا ، مقصد یہ تھا کہ دونوں میں فرق نہ رہے ، اس واقعہ سے متاثر ہو کر ایک شاعر نے کہا تھا :

قد تقطع الرحم القریب و تکفر ال
نعمی ولا کتقادب القابین

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۹ ۔

یدنی الہوی ھن او یدنی ذا الہوی
فاذا ھما نفس تری نفسین[1]

یعنی :

کبھی قریبی رشتہ کٹ جاتا ہے اور نعمت کی ناشکری ہوتی ہے
دو دلوں کے تقارب (نزدیکی) کی طرح نہیں ،
ایک خواہش اسے قریب کرتی ہے ، دوسری دوسرے کو ،
مگر وہ ایک ہی نفس ہوتا ہے ، جو بظاہر دوگانہ نظر آتا ہے ۔

ہمیں اس آخری روایت کو صحیح تسلیم کرنے میں تامل ہے ، اس طرح کی طفلانہ حرکتوں سے ہمارے نزدیک رشید بہت بلند تھا ، البتہ اس کے بارے میں ہمارا ایمان یہ ضرور ہے کہ اس نے جس برمکی شخص کی عزت و توقیر اور اجلال و اکرام میں بہت زیادہ اسراف سے کام لیا تھا اور اسے بہت زیادہ سر چڑھا لیا اور منہ لگا لیا تھا اور اپنے اتنا بے لگام کر دیا تھا کہ وہ جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا ۔ جعفر برمکی تھا ، خواہ ملکی مسائل ہوں یا ذاتی معاملات جعفر کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی ، اس کی مطلق العنانی پر کوئی قدغن نہیں تھی ، اس اقتدار و اختیار سے فائدہ اٹھا کر وہ رعایا کے احوال و معاملات اور مسائل میں بھی تصرف کر گزرا کرتا تھا اور اسے بھی خیال نہیں آتا تھا کہ اس طرح وہ حد سے تجاوز کر رہا ہے ۔

ہارون رشید پر جعفر کے غیر معمولی اقتدار کی مثال

روایت ہے کہ :

''ایک روز مجلس شراب میں جعفر بھی اسی وضع میں بیٹھا ہوا تھا ۔ سامنے مغنی اور ندیم حاضر تھے کہ یکایک عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) آ نکلا ، اس طرح کی مجالس میں ایسے لوگ شریک نہیں ہوا کرتے تھے ، جعفر نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اور اس سے باتیں کرنے لگا ۔ پھر اس نا وقت آنے کا سبب دریافت کیا ۔

عبدالملک بن صالح عباسی ہاشمی نے جواب میں کہا :

''امیرالمومنین مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۲۶ ۔

انہیں مجھ سے راضی کر دیں !''
جعفر نے جواب دیا :
''مطمئن رہیے ، راضی ہو گئے !''
عبدالملک بن صالح ہاشمی عباسی نے کہا :
''اور میرا بند بند قرضے میں جکڑا ہوا ہے !''
جعفر نے کہا :
''بہت خوب ــــ یہ لیجیے چار ہزار درہم ! ــــ اور کلؒ آپ کو امیرالمومنین کی دولت سرا سے بھی ایک بہت بڑی رقم مل جائے گی۔ کیونکہ میں نے جو کچھ پیش کیا ہے ، وہ آپ کی گراں مایہ شخصیت کے پیش نظر کچھ بھی نہیں ہے !''
عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) نے پھر کہا :
''میرا ایک لڑکا ہے ، میری خواہش ہے کہ امیرالمومنین اسے اپنا لیں!''
جعفر نے جواب دیا :
''یہ بھی ہو گیا ــ امیرالمومنین نے اسے بلاد مصر کا والی بنا دیا اور اپنی دختر عالیہ کی اس سے شادی کر دی اور اس کا مہر اپنے پاس سے ادا کر دیا !''
جب صبح ہوئی تو جعفر سیدھا ہارون رشید کے پاس پہنچا اور اسے رات کا سارا ماجرا کہہ سنایا ۔ رشید نے فوراً امام ابو یوسف قاضی القضاۃ کو اور ہاشمیوں اور فقیہوں کے ایک گروہ کو طلب کیا اور اس سے فرمایا :
''میں تجھ سے ناخوش تھا ، لیکن اب خوش ہوں ، میں نے فرمان نافذ کر دیا ہے کہ تجھے فوراً چار لاکھ درہم دے دیے جائیں''
پھر حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا :
''تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنی بیٹی عالیہ کا نکاح اس ابراہیم بن عبدالملک سے ــــ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ــــ کر دیا اور اس کا دو لاکھ مہر بھی دے دیا اور میں نے ابراہیم بن عبدالملک کو مصر کا والی بنا دیا !''

الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۱۸ ، الجہشیاری ، صفحہ ۲۱۳ ۔

جہشیاری کی ایک اہم روایت

اس سلسلے میں جہشیاری نے جو طویل روایت کی ہے، وہ بھی اپنی قرابت اور طرفگی کے باعث دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے:

"جعفر بن یحییٰ برمکی رقہ میں قیام پذیر تھا، جس بات کا چاہتا تھا حکم دیتا تھا۔ جس بات سے چاہتا روک دیتا۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا بول حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اتنے میں پولیس کے چند سپاہی ایک ذمی کو گھسیٹتے ہوئے لائے اور اس سے کہنے لگے:

"جس آدمی کو حاضر کرنے کا آپ نے حکم دیا تھا، وہ یہ ہے!"

جعفر اس ذمی (غیر مسلم) کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے سوال کیا:

"کیا تو حربی ہے؟"

آدمی نے جواب دیا:

"جی ہاں——"

جعفر نے پوچھا:

"کیا یہ رقعہ تیرا ہی ہے؟"

ذمی نے اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ہاں میرا ہے!"

کچھ دیر تک جعفر سر جھکائے رہا، پھر اس نے سپاہی سے کہا:

"اسے لے جاؤ، کیونکہ امیرالمومنین کے حکم سے تمہیں اسے فوراً قتل کرنا ہے!"

حاضرین مجلس اس فیصلے سے لرز کر رہ گئے، یہ لوگ نہ اس ذمی کو جانتے تھے، نہ انہیں یہ معلوم تھا، اس آدمی نے رقعہ میں کیا لکھا تھا، بہر حال حکم کی تعمیل ہوئی اور سپاہی نے اسے قتل کر دیا اور رقہ کے ایک چوراہے پر اس کی بے جان لاش لٹکا دی۔

اس روایت کے مطابق رشید نے نہ اس قتل کا حکم دیا تھا، نہ اسے اس واقعے کا اس وقت تک علم ہوا جب تک یہ واقع نہیں ہوا، لیکن

[illegible] ہاتھ میں پہنچ گئی ۔

فضل بن ربیع کے تصرفات بے جا

یحییٰ کے [illegible] فضل بن ربیع کے تصرفات [illegible] [illegible] [illegible] حکومت کا خزانہ [illegible] [illegible] خزانے کو [illegible] [illegible] وہ [illegible] [illegible] کا خزانہ [illegible] [illegible] کتاب ، [illegible] خرچ کر دیتا ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ [illegible] کے زمانے میں فضل [illegible] تک [illegible] میں قصیدے لکھیں اور شعر کہیں ۔ جو لوگ [illegible] انہیں کئی [illegible] کی رقم سے کیا ۔[1]

اس کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ [illegible] ابراہیم بن جبریل کو سیستان میں خراج وصول کرنے پر مامور کیا اور [illegible] لاکھ درہم اس کا معاوضہ مقرر کیا ۔ لیکن جب اتنی بڑی رقم کے لینے میں وہ ہچکچایا تو فضل نے کہا:

"کیا تمہارے گھر میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ یہ روپیہ رکھ سکو![2]"

اس کے تصرفات کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ واقعہ بہت معمولی نظر آئے گا ۔ اس پر آگے چل کر ہم مزید گفتگو کریں گے ۔

آل برمک کی داستان عروج و اقتدار

بہر حال صورت احوال یہ تھی کہ خاتم وزارت ان تینوں ارکان

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۸ -

۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۹۲ -

میں منتقل ہوتی رہتی تھی - کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس - حکومت کے جملہ امور و شؤن پر یہ حاوی تھے اور نگرانی کرتے رہتے تھے - وسائل دولت پر انہی کا قبضہ تھا ، جنہیں یہ حصہ رسدی یہ آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے -

رہے دوسرے آل برمک ، جن کی تعداد اس زمانے میں ۲۵ تھی - انہیں بڑے بڑے مناصب عطا کر دیے گئے تھے - ان میں کوئی حاجب تھا ، کوئی عامل تھا ، کوئی قائد فوج ، اور یہ سب لوگ اپنے اپنے محکموں میں اپنے آوردوں اور گویندوں کی بھرتی کرتے رہتے تھے اور لوگوں کے دل خریدنے کی کوشش کیا کرتے تھے ، جس کی آسان صورت یہ تھی کہ ان کا منہ مال و زر سے بھر دیا جائے اور انہیں اچھے اچھے اور اونچے اونچے سرکاری مناصب بخش دیے جائیں - ان اسلحہ کے ساتھ ساتھ دوسرے اسلحہ جو ان کے پاس تھے اور جن کا وہ بے محابا استعمال کیا کرتے تھے ، وہ تھی ان کی فراست ، دانش ، ذکاوت ، حکمت عملی ، سیاست اور چالاکی و ہوشیاری -

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اعوان و انصار کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ، ان کے بنائے ہوئے آدمیوں کا شمار بھی مشکل تھا ، اور جو لوگ ان کے دامن دولت سے وابستہ تھے وہ بہت زیادہ تھے - ان کا نفوذ مملکت کی رگ و پے میں جاری و ساری تھا ، ان کا چرچا ہر جگہ اور ہر محفل میں تھا - چنانچہ مشہور تھا :

"رشید کی حکومت کے اندر ایک اور حکومت بھی ہے ، جس کے سلطان برامکہ ہیں[1] !"

اور یہ بات جو لوگوں کی زبان پر چل نکلی تھی اسے طنز و اتہام پر محمول نہیں کیا جا سکتا ، بلکہ یہ ایک تلخ اور سنگین حقیقت تھی جس کا انکار ممکن ہی نہیں - ثبوت میں ان لوگوں کے وہ تصرفات پیش کیے جا سکتے ہیں جو خبر متواتر کی حیثیت رکھتے ہیں ، اور جن سے تاریخ کے صفحے بھرے پڑے ہیں اور ان تصرفات میں سب سے زیادہ خطرناک اور

---

۱ - الاغانی : جلد ۵ ، صفحہ ۳۹ -

ناقابل معافی تصرف بیت المال کی رقم کا تھا جو ذاتی رقم کی طرح بے دریغ خرچ کیا جاتا ۔ اس کے علاوہ فوائد خاصہ کے لیے اپنے نفوذ و رسوخ کا بے تحاشا اور بے محابا استعمال اور اپنے آوردوں اور گویندوں کے لیے بڑے بڑے اور اہم مناصب کی تخصیص ، اپنی ذات اور شخصیت کے لیے شدت کے ساتھ پروپیگنڈا مستزاد ۔

برمکی خاندان وزارت سے پہلے

یحییٰ بن خالد برمکی کا خاندان جب تک بہ عہد رشید مناصب وزارت پر فائز نہیں ہوا تھا ، ایک متوسط الحال خاندان مال و دولت اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے تھا ۔ گذشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں جب خالد بن برمک نے طبرستان ، رے ، دنباوند وغیرہ کی گورنری کے زمانے میں بیت المال کی رقم میں تصرف کیا تو خلیفے نے کس سختی کا محاسبہ کیا تھا ، اور تین کروڑ درہم کا جرمانہ اس پر کر دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تین دن کے اندر اندر یہ رقم بیت المال میں داخل نہ کر دی گئی تو وہ قتل کر دیا جائے گا ۔ خالد اتنی بڑی رقم اپنے ذاتی مال سے ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا چنانچہ اس نے اپنے دولت مند دوستوں سے مالی امداد طلب کی ۔ بعض نے مدد بھی کی ، سب سے بڑی رقم رشید کی ماں خیزران نے اس سلسلے میں عطا کی ، پھر مہدی نے باپ سے اس گنہگار کی سفارش کی ، سب جا کر باقی رقم معاف ہوئی اور جان چھوٹی[1] ۔

لیکن جب یحییٰ بن خالد اور اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر برمکی ، منصب وزارت پر فائز ہوئے ، مملکت کے امور و شؤن کے مطلق طور پر مالک و مختار بن گئے ، بیت المال مسلمین پر ان کا مکمل قبضہ ہو گیا اور مداخل و مخارج تمام تر ان کے ہاتھ میں آ گئے تو پھر بہت قلیل اور مختصر مدت میں وہ مملکت کے سب سے بڑے دولت مند اور سرمایہ دار بن گئے ۔ اتنے بڑے کہ خود خلیفے کا نمبر بھی دولت و ثروت میں ان کے بعد تھا ۔ ان کے قبضے میں دیہات کے دیہات تھے ، بے شمار باغات تھے ، اتنی

---

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ٨ ۔

بڑی بڑی جاگیریں تھیں اور جائیدادیں تھیں جن کی مالیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے ، نہ ان کا شمار آسان ہے ۔ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں ان کا کوئی نہ کوئی آباد اور سرسبز و شاداب علاقہ نہ ہو ، ہر جگہ ان کے ثمردار باغات موجود تھے ، ہر شہر اور قصبے میں ۔ ان کی سالانہ آمدنی یک کروڑ اشرفی (دینار) تک پہنچ گئی تھی[1] ۔

پھر اس جائداد غیر منقولہ کے علاوہ ، جائداد منقولہ کی کیا کمی تھی ؟ تحائف نادرہ سے ان کے ایوان و قصور پٹے پڑے تھے ، زر و جواہر کے رکھنے کی جگہ نہ تھی ۔

حویلیاں اور باغات جو انہوں نے بنائے تھے ، وہ بھی غضب کے پرشکوہ اور فلک رس ۔ مثلاً جعفر برمکی نے جو محل بنایا تھا ، اس پر بیس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے ۔ یہ رقم اس رقم کے علاوہ تھی جو محل کے ساز و سامان ، آرائش ، فرنیچر ، چمن اور ایوان و سرود پر صرف ہوئی تھی[2] ۔

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے ۔ یہ بے اندازہ دولت اس متوسط الحال خاندان کے پاس یک بیک آ کیسے گئی ؟ اور بہت ہی مختصر سی مدت میں یہ گراں بہا سر و سامان کہاں سے بہم پہنچ گیا ؟ اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس زمانے میں خالد بن برمک سرکاری مطالبہ ادا کرنے سے معذور رہا تھا اور اس زمانے میں جب یہ خاندان کروڑوں روپے کا اور کروڑہا روپے کی جائداد و املاک کا مالک بن گیا ، صرف چند سال کا فاصلہ ہے ! ـــــ زیادہ سے زیادہ بیس سال کی مدت !

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بے اندازہ مال و دولت ، تجارت اور کاروبار کا مرہون منت تھا ، نہ یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ ان لوگوں کو سرکاری خزانے سے جو تنخواہ ملتی تھی یا وقتاً فوقتاً مختلف تقریبات وغیرہ پر خلفا کی طرف سے جو انعامات و ہدایا ملتے تھے ، ان سے یہ بے اندازہ مال و دولت جمع ہو سکتا تھا ۔

---

۱ ۔ الامامت و السیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۱ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۲۳ ۔

ماننا پڑے گا اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ یہ سب کچھ نتیجہ تھا سیاسی نفوذ و رسوخ کا ، اور اس سرکاری دولت میں تصرف بے جا کا ، جسے یہ مصلحت عامہ کی آڑ لے کر بے دھڑک خرچ کیا کرتے تھے ، ہر بات کی ایک حد اور انتہا ہوتی ہے ۔ آخرکار رشید ان لوگوں کے تصرفات بے جا سے تنگ آ گیا ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ برامکہ کے عہد و اقتدار میں باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم تھا ، دفاتر کام کر رہے تھے ، سرکاری خزانوں کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر تھا ، سرکاری ملازموں کی کھیپ کی کھیپ تھی ، جو اپنے اپنے کاموں میں لگی ہوئی تھی ، حسابات باقاعدگی سے رکھے جاتے تھے ، جو رقم آتی تھی اس کا باقاعدہ اندراج ہوتا تھا ، جو رقم صرف ہوتی تھی وہ باقاعدہ رجسٹر پر چڑھائی جاتی تھی! --- تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ حسابات جو رکھے جاتے تھے ان کی تنظیم بالکل ابتدائی نوعیت کی تھی ۔ ان کا نظام بہت زیادہ مکمل نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان حسابات کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا برامکہ کے سوا کون تھا ؟ تمام مصارف انہی کے ہاتھ سے ہوتے تھے ۔ ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ رشید نے کبھی محاسبہ کیا ہو یا کسی دوسرے شخص سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ہی سہی ، ان کے تصرفات کے بارے میں کبھی کوئی سوال کیا ہو تاکہ وہ جان سکتا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں ؟

پھر ایک بات اور بھی تھی :

عہد جدید میں بھی جن ممالک میں سرکاری دولت کے حساب کی باقاعدہ دیکھ بھال نہیں ہوتی وہاں ایک موٹا سا اصول یہ کارفرما ہے کہ ذمے دار منصب داران مملکت کی دولت و ثروت اور جائداد و املاک سے ان کی دیانت ، اور مالی تصرفات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اس اصول کے تحت برامکہ کی بے اندازہ دولت کے بارے میں بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانے میں جب حساب رکھنے کا نظام ابتدائی دور سے گزر رہا تھا اور اس کے ذمے دار اور نگران خود برامکہ ہی تھے ، یک دم یہ بے

انداز دولت ان کے پاس کہاں سے ٹھیک پڑی ؟

یہ تو ایک الزامی سوال کا الزامی جواب تھا ، ورنہ اصل بات تو یہ ہے کہ مخصوص تاریخ سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے ، کہ امور دولت کے ساتھ ان کا رویہ بڑا مستبدانہ رہا ہے ۔

سرکاری مناصب کو جس طرح انہوں نے اپنے مخصوص آدمیوں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا ، یہ بھی ایک برافگندہ نقاب حقیقت ہے ۔

برامکہ کی خویش پروری اور دوست نوازی

برامکہ نے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ جو لوگ ان کے اعوان و انصار اور حاضر باشوں ، وفاداروں اور خوشامدیوں میں سے تھے ، کسی سرکاری منصب کو پر کرتے وقت ایسے لوگوں کو ترجیح دیتے تھے ، اور جو لوگ ان کے مخالف تھے ، یا معاملات و مسائل میں ان کے ہم رائے نہیں تھے ، یا ان کے نفوذ اور اقتدار کے رستے میں رکاوٹ ثابت ہوتے تھے انہیں ایسے مناصب سے دور رکھتے تھے ۔

اس اصول کار کا آغاز منصب وزارت پر فائز ہونے کے بعد یحییٰ نے کیا تھا ۔ اس کے بعد فضل اور جعفر بھی باپ کے نقش قدم پر چلے اور کوئی شبہ نہیں کامیاب بھی ہوئے ، اس اصول کو انہوں نے دستور بنا لیا ۔ اگر کبھی رشید کسی ایسے شخص کو کسی منصب پر فائز کر دیتا جو ان کے گروہ کا نہ ہوتا ، تو یہ سخت پریشان ہوتے ، اور اس حکم کو معطل یا منسوخ کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ۔ نتیجہ ان تمام باتوں کا یہ ہوا کہ سرکاری دفاتر انہی کے حامیوں ، دوستوں ، وفاداروں اور گروہ کے آدمیوں سے پٹ گئے ۔

رشید کا معمول یہ تھا کہ وہ برامکہ پر پورا بھروسہ کرتا تھا ، چھوٹی چھوٹی سرکاری ملازمتوں پر تو وہ توجہ بھی نہیں دیتا تھا ، جسے برامکہ چاہتے رکھ لیتے ، جسے چاہتے نکال باہر کرتے۔ البتہ اقالیم کے گورنروں اور عمال کا تقرر خود اپنی صواب دید پر کیا کرتا تھا ، کیونکہ ان مناصب کا تعلق مملکت کی اونچی سیاست سے تھا جس سے براہ راست اس کا تعلق تھا۔

لیکن اس کے باوجود ایسے تقررات میں بھی وہ برامکہ سے مشورہ لیا

کرتا تھا اور ان کی رغبت اور صلاح کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا ، اور اگر کبھی ایسا کر بھی گزرتا تھا تو مختلف طریقوں سے کام لے کر اپنے خلاف مرضی تقرر کو بدلنے پر اسے آمادہ کر ہی لیتے تھے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کہ کسی تقرر کے سلسلے میں وہ اپنی رائے پر اڑ جائے اور ان کے مشورے کو رد کر دے۔ کیونکہ ہر قیمت پر وہ اپنے اور ان کے تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتا تھا ۔

البتہ ایک امر ایسا تھا جس میں برامکہ کی کچھ نہیں چلتی تھی۔ رشید جب کسی ہاشمی (عباسی) کو ، کسی منصب پر نامزد کرتا تھا ، تو ایسے صلاح و مشورے سے بے نیاز ہو کر کرتا تھا : اور برامکہ نے بھی اس کڑوے گھونٹ کو پی لینے کا اپنے آپ کو عادی بنا لیا تھا ۔ وہ کسی قسم کی مداخلت ایسے امور میں نہیں کرتے تھے ، بلکہ خاموشی اختیار کرتے تھے ۔ یا تائید، بلکہ یہ ظاہر کرنے اور اسے باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ اپنے آل بیت کی جب وہ قدر افزائی اور سرفرازی کرتا ہے تو اس سے انہیں بہت خوشی ہوتی ہے اور اس کے ایسے اقدام کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور یہ کہ اتنے بلند معاملے میں رائے دینا یا مداخلت کرنا ان جیسے چھوٹے آدمیوں کو زیب نہیں دیتا ۔ کہاں آل عباس ، کہاں آل برمکپ ، (ایک آفتاب ، دوسرا ذرۂ بے مقدار) ۔

لیکن اگر ہارون رشید کا نامزد کردہ ہاشمی (عباسی) کوئی ایسا شخص ہوتا جو برامکہ کا مخالف ہوتا یا ان کے گروہ کا نہ ہوتا تو بڑے شائستہ طریقے سے اس تقرر کے متوقع اور موہوم خطرات امر پر واضح کرتے تھے ، اور اگر صورت احوال برعکس ہوتی یعنی ہارون کا نامزد ہاشمی (عباسی) برامکہ کے مطلب کا آدمی ہوتا تو خلیفے کے حسن انتخاب کی تائید و تحسین میں پیش پیش نظر آتے اور یہ خبر خود لے کر اس ہاشمی کے ہاں جاتے اور اپنا احسان رکھتے ہوئے اسے جتاتے کہ خود انہوں نے ہارون کو اس تقرر پر رضامند کیا ہے ۔ اور اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں ۔ اس طرح وہ اس کی دوستی اور وفاداری حاصل کر لیتے اور وہ ہاشمی (عباسی) خاندان کی امداد و حمایت میں ان کا سب سے بڑا دوست ۔

حامی اور مددگار ہوتا ۔

ان چالاکیوں کے ساتھ ساتھ ایک دستور برامکہ کا یہ بھی تھا کہ وہ عباسیوں کی بڑی تعداد کو کسی نہ کسی طرح بہو زر رکھتے اور اپنا مؤید بنائے رکھتے تھے ۔ رجال دولت میں تو ان کی عظمت اور وقعت کی کوئی انتہا نہ تھی ، کیونکہ فوز و حرمان کی کنجی انھی کے ہاتھ میں تھی ۔ جسے چاہتے شاد کام کر دیتے ، جسے چاہتے نامراد رکھتے ۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سرفرازوں کی گردنیں ان کے سامنے جھکی رہتیں اور ان کی ڈیوڑھی پر ایک ہجوم جمع رہتا ۔ ان کے ایوان و قصور ، ضرورت مندوں ، اور آشفتہ روزگاروں اور جاہ و منصب کے طلب گاروں کے لیے کعبۂ مقصود کی حیثیت رکھتے تھے اور اس کے مقابلے میں سوا خاص تقریبات و مناسبات کے جو مختلف وقتوں سے انجام پاتی تھیں ، قصر خلد سنسان نظر آتا تھا[1] ۔

برامکہ کی سخاوت اور دریا دلی

ایک چیز جس سے ہم کسی طرح انکار نہیں کر سکتے یہ ہے ، کہ برامکہ ـــــ اپنی تمام دراز دستیوں اور فتنہ سامانیوں کے باوجود ـــــ حد درجہ سخی، دریا دل اور لکھ لٹ تھے، اس سلسلے میں بہ کثرت روایات و اخبار مروی ہیں ۔ ان کے عطایا بڑے بھاری بھر کم ہوتے تھے ، ان جیسی سخاوت اور دریا دلی کی مثالیں ملنا مشکل ہیں ، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی سخاوت اور دریا دلی سے خواص و عوام سب بہرہ مند ہوا کرتے تھے ، عوام و خواص میں ان کی منزلت اور وقعت کا سب سے بڑا راز اور ان کی شہرت عام کا سب سے بڑا سبب یہی ان کا جذبۂ جود و عطا تھا ۔ اس معاملے میں تو وہ ہارون رشید جیسے سراپا بزل و عطا شخص سے بھی بڑھ گئے تھے[2] ۔

روایت ہے کہ شاعر مروان بن ابی حفصہ جب رشید کا معتوب ہوا تو ایک روز اپنے اشعار میں اس نے اس پر چوٹیں کیں اور جو خدمات اس نے خلیفہ کے انجام دے تھے ، انھیں خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ۔

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۲ ۔

۲ ۔ الفخری ، صفحہ ۱۸۵ ۔

لوگوں نے کہا :

''تم رشید کا شکوہ کر رہے ہو۔ حالانکہ اس نے تمہیں اتنا کچھ دے کر فکر معاش سے بے نیاز کر دیا ہے''۔

مروان نے جواب دیا :

''کیا تمہیں تعجب ہے اس پر ؟ــــ دیکھو یہ شاعر ابان لاحقی ہے، جو برامکہ کا شاعر ہے ، اس نے صرف ایک قصیدہ لکھ کر ان سے اتنی رقم ہتھیا لی ہے ، جو رشید سے ساری زندگی میں بھی میں نہیں حاصل کر پایا ہوں اور اس قصیدے کے بعد بھی اس نے اپنے ممدوحوں سے خوب خوب رقمیں وصول کیں''۔

بذل و عطا میں برامکہ کے آثار نقوش کی جستجو کرنے والا یہ دیکھے گا ، اور محسوس کرے گا کہ مواقع اکرام و احسان پر ان سے بڑھ کر عالی ظرف کوئی نہیں تھا۔ وہ دیکھے گا اور محسوس کرے گا کہ لوگ جن لوگوں کے جود و کرم کی تعریفیں کیا کرتے ہیں اور لوگوں کی زبان پر جن لوگوں کی سخاوت اور دریا دلی کے چرچے رہتے ہیں اور جن کے جود و کرم کے لوگ گن گایا کرتے ہیں ، جن کے لکھ لٹ ہونے کی داستانیں عام ہیں اور اشعار ہیں جن کی سخاوت کا ذکر ہوتا ہے ، وہ برامکہ کے مقابلے میں بالکل فرومایہ اور ہیچ ہیں ، یا جن امور و مسائل میں لوگ مدح و ثنا کے مستحق اور سزا وار قرار دیے جاتے ہیں : ان کا موازنہ اگر برامکہ سے کیا جائے تو بالکل ہیچ نظر آئیں گے ۔ ان لوگوں کا تو یہ حال تھا کہ جسے آشفتہ حال پایا ، اس کا دامن مال و زر سے بھر دیا ۔ لوگوں نے یہ دیکھا اور ممنونیت کے ساتھ اس کا چرچا شروع کر دیا، کوئی ہاشمی (عباسی) تنگ دستی اور قرض کے بار سے پریشان اور درماندہ نظر آیا ۔ اس کی ساری پریشانی آن کی آن میں دور کر دی اور لوگوں نے مدح و منقبت کا سلسلہ شروع کر دیا ، یا حرمین شریفین کے باشندےــــ ان کے لیے برامکہ کی ہتھیلیاں ہر وقت کھلی رہتی تھیں ، زبوں حال حاجی ، ان کی امداد و اعانت میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے ۔ یہ لوگ (حاجی) جب اپنے بلاد واپس جاتے تھے تو ان کی زبان پر ایک ہی ذکر ہوتا تھاــــ برامکہ کی رحم دلی ۔

سخاوت اور انسانیت نوازی کا ذکر۔

جعفر برمکی: عالی ظرف اور بلند حوصلہ

روایت ہے کہ امرائے بنی عباس میں سے ایک شخص ایک بہت بڑے قریے پر جس کا نام اغاب تھا قابض ہو گیا۔ وہاں کے لوگ آڑے آئے، مگر کسی کی اس کے سامنے نہ چلی، اب اس نے دھمکی دینا شروع کی کہ باشندگان قریہ کو وہ نکال باہر کر دے گا، جہاں وہ اتنی مدت سے رہتے چلے آئے تھے۔ ان لوگوں نے حکومت سے فریاد کی، مگر ایک نہ سنی گئی۔ یہاں تک کہ یہ خبر پھیل گئی کہ باشندگان قریہ نکالے جانے والے ہیں اور عباسی امیر ان کے ساتھ برا برتاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں کی زبان پر یہی چرچا تھا اور عوام و خواص میں سے ہر شخص کا دل، اغاب کے رہنے والوں کے حال زار پر کراہ رہا تھا، رائے عامہ انھی کے ساتھ تھی۔

شدہ شدہ یہ خبر جعفر برمکی کے کانوں تک پہنچی، اس نے عباسی امیر سے یہ قریہ بیس لاکھ درہم میں خرید لیا اور وہاں کے رہنے والوں کو بغیر کسی اجر اور معاوضے کے مفت حق ملکیت عطا کر دیا۔ یہ ایسا کارنامہ تھا جس کا خوب شہرہ ہوا اور شعرا نے بھی اس کی تعریف و تحسین میں زور طبع صرف کیا، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

رد "البرغاب" ندی یدیه و اهلها
منها بمنزلة السماک الا عزل
قد ایقنوا بذهابها و هلا کهم
والدهر یوعدهم بیوم أعضل
فانتکها لهم وهم من دهر هم
بین العبدان و بین حد الکلکل
ما کان یرجی غیره لفکا کها
یرجی الکریم لکل امر معضل

یعنی:

اس کے دست سخاوت نے واپس کر دیا۔

اور وہاں کے بسنے والے سماک و عزل (ایک روشن ستارہ) کی طرح ہو گئے۔

وہ پہلے یقین کیے ہوئے تھے کہ یہ قریہ ہمارے ہاتھ سے گیا اور ہم ہلاک ہوئے ،

بے شک زمانہ انھیں تباہی کے دن سے ڈرا رہا تھا ،

لیکن جعفر نے اس بستی کو چھڑا لیا ، اور ان کی حالت یہ تھی کہ جیسے گردن کے بالائی اور درمیانی حصے میں پھنس گئے ہوں ۔

اغاب کی واگزاری کی توقع اس کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی تھی ،

وہی ہے جو ہر مشکل وقت میں کام آتا ہے ۔

برامکہ کی یہ حاتمانہ سخاوت ایسی تھی جس نے ہر شخص کا دل جیت لیا[1] ۔

آشفتہ روزگاروں پر احسان

روایت ہے کہ امیر محمد بن ابراہیم الامام ہاشمی (عباسی) ایک روز فضل بن یحییٰ برمکی کے پاس آیا ۔ اس کے پاس جواہرات کا ایک صندوقچہ تھا ، اس نے فضل سے کہا :

''اس دفعہ ضرورت کے مطابق آمدنی نہیں ہوئی اور مجھے قرض ادا کرنا ہے ، جو ایک لاکھ درہم کا ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ کوئی شخص میری اس مجبوری اور کمزوری سے واقف ہو ، اگر کسی تاجر سے قرض لینا چاہوں تو ان جواہرات کو ضمانت میں دے کر لے سکتا ہوں ، کیونکہ ان کی قیمت کچھ زیادہ ہی ہے ، کم نہیں ہے ، لیکن اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کے پاس رہن رکھ دوں'' ؟

فضل نے اس عباسی سے صندوقچہ لے لیا اور اسے ایک لاکھ درہم دے دیے اور قبل اس کے کہ وہ واپس اپنے گھر پہنچے ، یہ صندوقچہ واپس پہنچ چکا تھا ۔ وہ عباسی امیر پھر دوسرے دن فضل کے پاس آیا تاکہ اس کی اس کرم گستری کا شکریہ ادا کرے ، مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ فضل نے اس کے لیے خلیفہ ہارون رشید سے مزید ایک لاکھ درہم حاصل کر لیے ہیں ۔

فضل کے اس طرز عمل سے وہ عباسی امیر اس درجہ متاثر ہوا کہ

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۳۲ ۔

اس نے کہا :

"آپ کے اس احسان کا بدلہ کس طرح دے سکتا ہوں ؟ البتہ حلف مؤکد اور طلاق و عتاق[1] کے ساتھ یہ بات اپنے اوپر لازم کرتا ہوں کہ آپ کی ڈیوڑھی کے سوا کہیں اور نہیں جاؤں گا ، نہ خدا کے بعد آپ کے سوا کسی سے دست سوال دراز کروں گا !"

یہ تھا برامکہ کا برتاؤ ایک ہاشمی (عباسی) کے ساتھ جو اپنے خاندان کا جلیل القدر شخص تھا ، یہ امیر زادہ عباسی دعوت کے نقیب و مبلغ ابراہیم الامام کا بیٹا تھا[2] ۔

برامکہ کے شعرا

برامکہ کے اپنے خاص شعرا بھی تھے ، یہ رشید کے درباری شعرا سے کسی طرح کم نہ تھے اور صرف برامکہ کی مدح و توصیف کیا کرتے تھے ۔ کسی اور کی مدح کرنا ان کا شعار ہی نہ تھا ، البتہ خلیفہ اس اصول سے مستثنیٰ تھا ، وہ بھی اس صورت میں کہ انہیں اپنے حضور میں طلب کرے اور شعر خوانی کی فرمائش کرے ، برامکہ کے دامن دولت سے وابستہ شعرا کو سال بہ سال بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں اور ان رقموں کے علاوہ مواسم اور مناسبات و تقریبات کے مواقع پر صلہ و انعام جدا ۔

آل برمک کے شعرا کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ مملکت عباسیہ میں کوئی شاعر ایسا نہیں تھا جو اس کی آرزو نہ رکھتا ہو کہ ان کی مدح کرے اور سالانہ رقومات کا سزاوار قرار پائے اور ان سے تقرب حاصل کرے ۔

لیکن شعرا کے انتخاب میں برامکہ کا معیار بہت اونچا تھا ، وہ ہر موزوں طبع شخص کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لینے پر تیار نہیں ہوتے تھے ، یہ فخر انہی شعرا کو حاصل ہوتا تھا ، جودت شعر کے لحاظ

---

۱ ۔ یعنی اگر اس قسم کی خلاف ورزی کروں تو میری بیویوں کو طلاق اور میرے تمام غلام اور باندیاں آزاد ۔ (مترجم)

۲ ۔ الفخری ، صفحہ ۱۸۵ ۔

تھے جو یکتا اور منفرد تسلیم کیے جاتے تھے ، جن کا زور کلام تسلیم شدہ تھا اور مدح ہو یا ہجو ، پتھر کی لکیر بن جاتا تھا ۔ ان لوگوں سے ضرورت کے وقت کام لیا جاتا تھا ، یہ اسلحہ کی حیثیت رکھتے تھے جو دشمن کو بر وقت حاجت زیر و زبر کر کے رکھ دیتا تھا ۔ ان جلیل القدر شعرا کے اشعار لوگوں کے نوک زبان تھے ، جو عوامی مجلسوں میں اور خاص محفلوں میں دہرائے جاتے تھے ۔

مدح برامکہ کے اشعار کا نمونہ

ان شعرا نے برامکہ کی مدح میں ایسے ایسے شعر کہے ہیں ، کہ ان سے پہلے کسی نے بھی خلیفہ یا ولی عہد کے سوا کسی اور کی شان میں اپنے اشعار نہیں کہے تھے ۔

مثلاً جعفر برمکی کی مدح میں شاعر اشجع سلمی کہتا ہے :

ذھبت مکارم جعفر و فعالہ
فی الناس مثل مذاھب الشمس
ملک تسوس لہ المعالی نفسہ
و العقل خیر سیاسۃ النفس
واذا تراءتہ الملوک تراجعوا
جھر الکلام بمنطق ھمس

یعنی :

جعفر کے مکارم اور کارنامے
لوگوں میں سورج کی روشنی کی طرح تاباں ہیں
وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے معالی اس کی ذات پر چھائے ہوئے ہیں
اور نفس کی بہترین سیاست عقل ہے ،
جب اسے بادشاہ دیکھتے ہیں تو
تو اپنے فخریہ کارناموں کا ذکر دھیمی آواز میں کرنے لگتے ہیں ۔

اسی طرح مسلم بن ولید نے جعفر برمکی کی مدح و توصیف کرتے ہوئے کہا ہے :

تراعت خطوب الدھر عن جار جعفر
و اسسک انفاس الر غائب سائلہ
ھر البحر یغشی سرۃ الارض سیبہ
و تدرک اطراف البلاد سوا حلہ
و لو لم یکن فی کفہ غیر دوجہ
لجاد بھا فالیتق اللہ سائلہ
و للہ سیف ما علی الارض مثلہ
مضاربہ یحییٰ و انت مقاتلہ

یعنی :

زمانے کی تمام گردشیں اور مصیبتیں جعفر کے پڑوسی سے ہٹ گئیں۔
اور سائل نے انفاس وغائب کو روک لیا ،
وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا فیض ناف زمین پر چھا جاتا ہے
اور اس کے ساحل اطراف بلاد کو چھو لیتے ہیں
اس کے قبضے میں اگر اس کی روح (جان) ہوتی
تو وہ اسے بھی دے دیتا ، پس سائل کو خدا سے ڈرنا چاہیے ،
زمین پر اس جیسی خدا کی کوئی تلوار نہیں
جس کا چلانے والا یحییٰ ہو اور تم اس سے مقاتلہ کرنے والے ہو۔

یحییٰ برمکی کی شان میں ابن مناذر نے شاعری کی ہے ، وہ کہتا ہے :

اتانا بنوا لا ملاک من آل برمک
فیا طیب اخبار و یا حسن منظر
اذا نزلوا بطحاء مکۃ اشرقت
بیحیٰ و بالفضل بن یحییٰ و جعفر
فتظلم بغداد و تجلو لنا الدجیٰ
بمکۃ ما تمحوا ثلاثۃ اقمر

یعنی :

یہ آل برمک کے شہزادے ہمارے پاس آئے
یہ کتنی اچھی خبر اور کتنا اچھا منظر ہے ،

یہ جب مکہ کی وادی میں اترتے ہیں تو وہ
یحییٰ ، فضل اور جعفر کے نور سے چمک اٹھتی ہے ۔
بغداد اندھیار ہو جاتا ہے اور مکے کا اندھیرا روشنی سے
بدل جاتا ہے ۔ جب تک یہ تینوں چاند وہاں چمکتے رہتے ہیں ۔

نضل برمکی کی تعریف و توصیف میں مروان بن ابی حفصہ کہتا ہے :

اذا أم طفل راعها جوع طفلها
تغنته باسم الفضل یعتصم الطفل
لیحییٰ بک الاالسلام انک عزہ
و انک من قوم صغیرهم کهل

یعنی :

جب کسی بچے کی ماں کو بچے کی بھوک پریشان کرتی ہے
تو وہ فضل کا نام لے کر لوری دینے لگتی ہے اور بچہ (بہل کر) اس سے چمٹ جاتا ہے
اے یحییٰ اسلام تیری وجہ سے زندہ ہے اور تو اس کی آبرو ہے ،
اور تو اس قوم کا فرد ہے جس کا چھوٹا مرد بھی دانا ہوتا ہے ۔

کتب ادب میں اگر تلاش و جستجو سے کام لیا جائے تو اس طرح کے بہت سے اشعار مل سکتے ہیں ، جو برامکہ کی مدح و ثنا میں لکھے گئے اور جو ادب میں ایک خاص منزلت رکھتے ہیں ۔

اپنے پروپیگنڈے پر برامکہ کا بے دریغ خرچ

برامکہ درحقیقت سیاست دان اور موقع پرست لوگ تھے اور ان کی یہ صفت ایسی نہیں تھی کہ شعرا بے تاب اور بے قرار ہو کر ، بے ساختہ اور فی البدیہہ ان کی مدح و ثنا میں اس طرح اشعار کہنے لگے ، جس طرح مجاہدوں ، غازیوں اور قائدوں کی شان میں جوش طبع اور جذبہ قومی سے مجبور ہو کر کہا کرتے تھے یا مذہبی بزرگوں کی شان میں گویا ہوا کرتے تھے ۔

شعرا میں مدح و توصیف کا جوش اور جذبہ پیدا کرنے کے لیے برامکہ نے دیوانہ وار ان پر مال و زر نچھاور کرنا شروع کر دیا ؛ ان کے بذل و عطا

نے ان کو فقر و فاقہ کے اندیشے سے بے نیاز کر دیا تھا ۔

اور اس امر واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے عوام و خواص سب کو نوازا اور بے تحاشہ نوازا ۔ جب تک ان کا بس چل سکا ، بے دریغ بیت المال کا روپیہ ، وہ داد و دہش میں صرف کرتے رہے ، اس کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ شعرا بھی ان کی مدح و توصیف میں جوش و خروش کا اظہار کرتے ۔ چنانچہ انھوں نے کہا ، خوب کہا اور بہت کہا، اور انھیں ہر اکرام کا سزاوار قرار دیا گیا ۔ جوش مدح میں انھیں شب تار کا ماہ روشن ، فخر اسلام ، زمین پر خدا کی تلوار ، اسلامی سرحدوں کا محافظ اور پاسبان اور ایسے سلاطین قرار دیا جن کے سامنے دوسرے ملوک ہیبت و جلال کے باعث لرزاں نظر آتے تھے ۔

غرض شعرا نے ان کی مدح و توصیف میں سب کچھ کہا ، وہ بھی جس کے وہ مستحق تھے اور وہ بھی جس کے وہ اہل نہیں تھے ۔ ان کی مدح میں اتنا کچھ کہہ ڈالا کہ پھر رشید کے لیے باقی کچھ نہیں رہ گیا تھا ، حالانکہ وہ اپنی مسند حکومت کے تحفظ اور قیام و دوام اور اقتدار و اختیار کے لیے اس طرح کے پروپیگنڈے کا زیادہ حاجت مند تھا ۔ کیونکہ سیاسی آویزشوں کا بحر مواج اس کے سامنے تھا اور اسے اس سے عہدہ برآ ہونا تھا ۔

یحییٰ بن خالد برمکی کی سواری کا جاہ و جلال

روایت ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی جب سوار ہو کر نکلتا تو درہم اور دینار کی تھیلیاں اس کے پاس ہوتیں کہ اگر راستے میں کوئی حاجت مند مل جائے یا کسی ایسے شخص سے لگا پڑ جائے جو سخن دلآویز کا حامل ہو ، یا کوئی ایسا سائل مل جائے جس کے سوال میں ذکاوت اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہو ، تو ایسے لوگوں میں یہ مال و زر تقسیم کر دے ۔

یحییٰ کے بیٹے فضل کو اس بات کی دھن تھی کہ جو مقروض شخص بھی آ جائے خواہ اس کا قرض کتنا ہی کیوں نہ ہو ، اسے اتار دے ۔ اس سلسلے میں جو رقم وہ صرف کرتا تھا ، وہ قرض کے طور پر نہیں ، عطیے کے طور پر صرف کرتا تھا ۔

جعفر کا مذاق باپ اور بھائی سے بالکل جدا تھا ، وہ شعرا اور ادبا کا انتظار کیا کرتا تھا کہ اس کی مجلس میں حاضر ہوں اور وہ اپنے کرم سے انھیں مالا مال کر دے ۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ خود شعرا اور ادبا کے گھر چلا جاتا ۔ اشرفی کی تھیلیاں ساتھ ہوتیں ، تاکہ نذر عقیدت کے طور پر پیش کرے ۔

جعفر نے ایک کام جو کیا تھا ، یہ تھا کہ اس نے خاص طور پر اپنے لیے ، ایسی اشرفیاں ڈھلوائی تھیں ، جو خاصی بڑی تھیں تاکہ انھیں لوگوں میں تقسیم کر دے ، ان میں سے ہر اشرفی کا وزن ایک صد ایک دینار کے برابر تھا ، ان اشرفیوں پر اس نے یہ اشعار لکھوائے تھے :

و اصفر من ضرب دارالملوک
یلوح علی و جهه جعفر
یزید علی مائة واحداً
اذا ناله معسر ییسر[1]

یعنی :

شاہی ٹکسال کا وہ سکہ زیادہ روشن ہے
جس پر جعفر برمکی کی شبیہ ہے ،
وہ سو پر ایک زیادہ کر دیتا ہے ،
جب کوئی تنگ دست اس کے پاس آتا ہے خوش حال ہو جاتا ہے ۔

ایک اہم سوال ــــ!

غرض یہ تھے ، برامکہ کے تصرفات اور حالات ، در حقیقت یہ ایسے امور تھے کہ کمزور طبع بادشاہ بھی اپنے وزیروں سے نہ ان کی توقع کر سکتے تھے ، نہ انھیں برداشت کر سکتے تھے ۔ پھر رشید نے یہ سب کیسے کر لیا ، حالانکہ وہ عام بادشاہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دور اندیش، معاملہ فہم ، دانش مند اور بیدار مغز تھا ۔ وہ امور مملکت سے متعلق معاملات میں بڑا چوکس رہتا تھا اور کسی بات میں شک پڑ جاتا تو اس کا استیصال کر کے دم لیتا ۔ پھر برامکہ کی یہ مجال کیسے ہوئی اور ہمت

۱ ۔ الجهشیاری ، صفحہ ۲۴۱ ۔

کیسے پڑی کہ وہ اس کے اقتدار و اختیار کے لیے مستقل چیلنج بنے رہے ؟ اس کے جو صفات و کمالات ہمارے علم میں ہیں ۔ ان کی روشنی میں یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ اس نے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے برداشت کر لیا؟ اور ان اہل فارس کو اتنی کھلی چھٹی دے دی کہ جو جی چاہیں کریں اور وہ خاموشی کے ساتھ ایک گوشے میں بیٹھا تماشہ دیکھتا رہے ، اور وہ بھی کہیں اور نہیں ۔ عین اس کے سامنے اور پایہ تخت حکومت بغداد میں!

مؤرخین کے اس سلسلے میں مسلک مختلف اور متعدد ہیں ۔ ہر کسی نے اپنے رجحان اور افتاد طبع کے موافق رائے قائم کی ہے اور اس کو دلائل کے زور سے صحیح ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے ۔

لیکن ہم نے اس سلسلہ بحث میں جو مسلک اختیار کیا ہے ، وہ عام مؤرخین کے طرز سے جدا ہے ۔

ہم نے نہ خواہ مخواہ کی عذر تراشیاں کی ہیں ۔ نہ غلطیوں کو درست قرار دیا ہے ۔ ہم نے اصل احوال اور واقعات کو پیش نظر رکھا ہے اور انھی کی بنیاد پر رائے قائم کی ہے ، تاکہ زیر غور بحث کا ہر پہلو نظر کے سامنے آ جائے اور صحیح صورت احوال کا اندازہ ہو جائے !

رشید کی مجبوریاں اور غلطیاں

آل برمک اور ہارون رشید کے تعلقات و روابط کی نوعیت

یحییٰ بن خالد برمکی اور اس کی شخصیت !

گذشتہ صفحات میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوچکی ہے کہ رشید اور آل برمک کے درمیان تعلقات و روابط کی کیا کیفیت تھی اور وہ کس درجہ گہرے اور مستحکم تھے اور ان کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی ، جب ابھی وہ پیدا ہؤا تھا اور برمکی خواتین کی گود میں پروان چڑھ رہا اور ان کا دودھ پی رہا تھا ۔

یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ یحییٰ بن خالد کی شخصیت کا رشید نے کس درجہ گہرا اثر قبول کیا تھا کہ اسی پر اس کی تعلیم ، تربیت ، تہذیب ، توجیہ اور تدبیر شؤن کی ذمے داری تھی ۔ یہ اثرات اس پر اسی وقت پڑنا شروع ہو گئے تھے جب ابھی اس کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں ۔ اس نے اس عقل کم سواد کو اپنے اغراض و مقاصد کا شکار بنا لیا اور اسے اپنے عروج و ترقی کا زینہ بنا کر ، تیزی سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا اور اس میں کوئی شبہ نہیں ، یحییٰ نے رشید کی تربیت کو بہتر اور برتر بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ، اس کے جوہر کو چمکایا اور اس کی فطرت میں جو صلاحیتیں چھپی ہوئی تھیں ، ان کو ابھارا ، اجاگر کیا اور انھیں منظر عام پر لے آیا ۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ منصب خلافت سے رشید کو قریب تر کرنے میں یحییٰ کا بہت بڑا حصہ تھا ، اس راستے میں جو رکاوٹیں آئیں انھیں دور کیا ، ہر ممکن تدبیر سے کام لے کر اس کے لیے فضا ہموار کی اور راستہ صاف کیا ، مایوسی کے عالم

میں اس کی حوصلہ افزائی کرتا ، اندھیرے میں روشنی کی کرن بن جاتا ، پریشانی کے عالم میں اس کی ڈھارس بندھاتا ، یہاں تک کہ اس کی خفیہ اور اعلانیہ کوششوں کے باعث آخر وہ دن آ گیا کہ رشید خلیفہ بن گیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی ۔ اس موقع پر اسے نگین وزارت عطا ہوئی اور ''امیر'' کا لقب عطا ہؤا ، نیز غیر مسئول اور مطلق اختیارات ، اسلامی مملکت کے جملہ امور اور شؤن سے متعلق ، اسے حاصل ہو گئے اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے زیادہ کا وہ تمنائی اور آرزو مند رہ سکا ہو ۔

اقتدار کی طمع اور جاہ کی ہوس

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان مساعی میں جو چیز پوشیدہ تھی وہ اقتدار کی طمع اور جاہ کی حرص تھی ، جو ظاہری طور پر خدمات کی صورت میں نمودار ہوئی اور بلا شبہ رشید کی ذات کو اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا ، اگرچہ یہ حالات جو پیدا ہوئے ، درحقیقت خلافت عباسیہ کے ضعف کے اور مہدی اور ہادی کے قتل کا سبب بنے اور خاندان عباسی کے لیے حزن و الم کے پیامبر ثابت ہوئے اور نتیجہ یہ ہؤا کہ اہل فارس کی شوکت و حشمت عربی قومیت پر مسلط ہو گئی اور اسی قیمت پر رشید کو تخت خلافت نصیب ہؤا ، ورنہ شاید وہ اس سے محروم ہی رہ جاتا ۔

اس مرحلۂ شاقہ کے تفصیلی مطالعے اور اس کے ظواہر کے ہمہ پہلو موثرات پر غور کرنے سے جو معلومات روشنی میں آتے ہیں وہ تو خیر اپنی جگہ جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں ، لیکن ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے اور اسے بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ شدید نفسی تاثیرات نے بھی ایک مستقل اثر چھوڑا ہے ۔ پس پردہ انھی کے موثرات و حرکات کام کر رہے تھے ، جن سے حسب مقصد اور حسب ضرورت یحییٰ کام لیتا رہتا تھا اور جنھیں ایک جال کی طرح اس نے رشید کے اردگرد پھیلا دیا تھا ۔ وہ مستقبل کو اسی عینک سے دیکھتا تھا ، جس سے یحییٰ اسے دکھانا چاہتا تھا اور بات ہوتی بھی کچھ اسی طرح چاہیے تھی ، مسند خلافت پر متمکن ہوتے وقت رشید کی عمر ہی کیا تھی ؟ــــــصرف ۲۲ سال ! اس کی مثال

اس معمول کی سی تھی جس کی آنکھ پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور عامل جس طرح چاہتا ہے اپنے عمل تنویم کو ایک ماہر عامل کی طرح بروئے کار لاتا ہے۔

ہماری اس رائے کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی رشید مسند آرائے خلافت ہوا ، اس نے جملہ اختیارات یحییٰ کو سونپ دیے اور یہ اختیارات سونپتے وقت ایسی بات کہی جو آج بھی صفحات تاریخ میں محفوظ ہے ، اس نے کہا تھا :

''اے پدر ! وہ آپ ہی ہیں ، جس کے حسن تدبیر اور حسن رائے کی بدولت یہ جگہ مجھے حاصل ہوئی ہے ، پس رعایا کے جملہ امور میں آپ کو سونپتا ہوں ، جو حکم چاہیے جاری کیجیے ، آپ کے کسی معاملے میں ، کسی طرح کی مداخلت مجھ سے سرزد نہ ہوگی[1] !''

اس کے بعد رشید نے بڑی سنگین قسم کا حلف لے کر عہد کیا کہ وہ کبھی اس سے بدسلوکی نہیں کرے گا ۔ نہ اس کے جان و مال سے تعرض کرے گا ۔

لیکن یحییٰ کے لیے یہ سب کچھ کافی نہیں تھا !

وہ ہمیشہ اس کوشش میں سرگرم رہتا تھا کہ رشید کو اپنے دام سحر سے باہر نہ نکلنے دے اور عملی طور پر بادشاہت وہی کرے ۔

یحییٰ نے رشید کے گلے میں ایک بوجھل طوق ڈال دیا تھا ، اس کی ماں خیزران کا وجود !

اندرون قصر ، جملہ امور و مہات خیزران کی رائے اور مشورے سے طے پاتے تھے اور عام امور و معاملات میں اس کے بیٹے فضل اور جعفر جو اس کے محب صادق اور شب و روز کے ہمدم و ہم نشین اور سفر و حضر کے ساتھی بنے ہوئے تھے ، دخیل تھے ۔

تقریباً چار سال تک یہی کیفیت قائم رہی ، یہاں تک کہ مشیت خداوندی نے اس طلسم کو توڑا ، خیزران مر گئی اور رشید کے جسم پر

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۳ ۔

یحییٰ کے جادو کی جو زنجیریں لپٹی ہوئی تھیں وہ ایک ایک کر کے گرنے لگیں ۔ یہاں تک کہ اس کی ہوش کی آنکھیں کھل گئیں ۔

نیند کا دیوتا جاگ تو گیا تھا مگر ابھی تک مخمور تھا ، تعب نے اس کے اعصاب کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا ۔ اس کے طبعی قویٰ اس وقت تک بحال نہیں ہو سکتے تھے جب تک اس بیداری کو کچھ مدت نہ گذر جاتی ۔

برامکہ کے ساتھ اس شخص کے جو تصرفات ہیں ، ہم اسے سراسر معذور اور بے قصور خیال کرتے ہیں ، یہ بات عدل کے منافی ہوگی اگر ہم اس کا احتساب کر کے اسے قصور واز گردانیں ، مجد و عظمت کے زینے پر وہ خود چڑھا تھا ، کسی نے اسے سہارا نہیں دیا ، اگر دیا تو خود اس کی بلند و بالا شخصیت نے ۔ اس نے اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ، جو تمام گذشتہ پابندیوں سے آزاد تھا اور نفوذ سیاسی سے غیر متاثر تھا ، اب یہ تاریخ کا فرض ہے کہ وہ واقعات و حقائق کو اس کے اصل آب و رنگ کے ساتھ پیش کرے ۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یحییٰ بن خالد نے زمام وزارت ہاتھ میں لینے کے پہلے ہی دن سے احوال مملکت کو خوب سے خوب تر بنانے کی جد و جہد شروع کر دی تھی ، ایک عبقری (جینیس) کی طرح اس نے بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ، اس کے مواہب نادرہ اور جہد و پیہم نے حکومت کو ترقی اور اصلاح کے واستے پر لا ڈالا ، سیاسی ابلہ فریبیوں اور سازشوں کو اس نے پس پشت ڈال دیا تھا ۔ کیونکہ اب اسے ہر چیز حاصل تھی ، حکومت کے اہتمام و انصرام کو وہ حزم و تدبیر کے ساتھ انجام دے رہا تھا ، ایک چھوڑ دو بیٹے ، صحیح معنی میں قوت دست و بازو ثابت ہو رہے تھے ، جن کی تربیت اس نے اس طرح کی تھی کہ معاملات حکومت کو خوبی کے ساتھ انجام دے سکیں ۔ رشید کی ذات کے ساتھ وہ ملحق تھے اور تخت حکومت کے ساتھ بھی ان کا خلوص غیر مشتبہ تھا ، بشرطیکہ رشید آنکھ بند کر کے ان پر اعتماد کرتا رہے اور امور مملکت بلا شرکت غیرے اس کے تصرف میں رہیں ۔

تقریباً دس سال کی مدت تک ان لوگوں کی سیرت و کردار کو عمومی طور پر طیب اور بے داغ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اس عرصے میں انھوں نے فرائض وزارت بڑے خلوص اور جوش وفا کے ساتھ انجام دیے ۔ انھوں نے حکومت کے محکموں کی تنظیم کی اور اقتصادی حالات سنور گئے ۔ علمی ، ادبی اور فنی ترقیاں ان کے دور میں اوج اور عروج پر پہنچ گئیں ، یہاں تک کہ یہ عصر شاداب تاریخ کا ایک شاندار اور وقیع حصہ بن گیا ۔ عصر رشید کی ساری خوبیاں اور ترقیاں اور کامرانیاں اور رعنائیاں ، در حقیقت آل برمک ہی کی تخلیق اور ان کی جد و جہد کے ثمرات شیریں تھے ۔

آل برمک نے رشید کو امور سلطنت سے بے فکر کر دیا تھا

اس زمانے کے اوائل میں رشید نے محسوس کیا کہ قوم امن و امان سے زندگی کے دن گذار رہی ہے ، اس نے یہ بھی دیکھا کہ آل برمک کے حسن انتظام نے ملک کے نظم و نسق کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنا دیا ہے ۔ انھوں نے اسے اس بات سے بے نیاز کر دیا ہے کہ وہ راتوں کو جاگے اور امور مملکت کو سر انجام دینے کے سلسلے میں سر کھپائے اور عیش و آرام کے بجائے تعب اور تکلیف کی زندگی بسر کرے ۔

آل برمک نے رشید کو تمام امور و مسائل سے بے پروا کر کے آزاد چھوڑ دیا تھا کہ خوب اطمینان سے سیر و سفر میں وقت صرف کرے ۔ زیادہ سے زیادہ حج کرے اور جب ضرورت ہو تو لشکر تیار کرے اور دشمن سے جہاد کرنے کے لیے نکل کھڑا ہو ۔

اور ان چیزوں سے جو وقت بچے ایسے عالموں ، ادیبوں ، شاعروں اور ندیموں کے ساتھ مجلس آرائیوں میں صرف کرے ۔

اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بےفکری اور بےپروائی کے اس دور میں بھی رشید آل برمک کی بعض قابل اعتراض سرگرمیوں اور حرکتوں سے غافل نہیں تھا ، اگرچہ وقتی طور پر انھیں بہت زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتا تھا ، اس لیے کہ بہر حال وہ انھی کا پروردہ تھا اور معمولی اور ذرا ذرا سی باتوں پر ان سے الجھنا یا تلخی پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا اور ان کے خدمات جمیلہ کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں

کو خواہ وہ کیسی ہی ناروا کیوں نہ ہو، نظر انداز کر دیا جائے۔ اس نے اپنا یہ اصول بنا لیا تھا کہ ان پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کرے، ان کی صلاح اور مشورے کو بے چون و چرا قبول کر لے۔ اس نے ان کا کبھی محاسبہ نہیں کیا، ان کے خلاف جو کچھ کہا جاتا تھا، وہ کان بند کر کے سنتا تھا، ان کے اقدامات پر نہ نکتہ چینی کرتا تھا نہ ان پر اعتراض کیا کرتا تھا——اور سچ پوچھیے تو اس کی یہ سب سے پہلی اور بہت بڑی غلطی تھی۔

کہاوت ہے:

''جسے عقوبت کا ڈر نہیں، وہ غلطیاں کرتا رہتا ہے!''

اور آل برمک کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ سابق خلفا کے سابق وزیروں کا سا انجام ان کے مقدر میں نہیں ہے۔ وہ ہر طرح سے مامون و محفوظ ہیں، اس کے لیے کہ یہ دولت جان کی بازی لگا کر انہوں نے پائی ہے اور یہ جو رشید آنکھ بند کر کے ان پر اعتماد کر رہا تھا اور اقتدار و اختیار جو ان کے ہاتھ میں تھا اور جسے رشید نے انہیں سونپ رکھا تھا، یہ کچھ اس کی مہربانی اور کرم گستری نہیں تھی، بلکہ یہ ان کا حق تھا اور یہ حق اسے پوری وفاداری کے ساتھ دینا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ مسند آرائے خلافت ہونے سے پہلے انہوں نے اس کے لیے جو کام کیے اور جو خدمات انجام دیے تھے، ان کا تقاضا یہی تھا۔

زمام کار ہاتھ میں لینے کے بعد ہی سے یہ تصورات تھے جو آل برمک کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، لیکن یحییٰ بن خالد برمکی کا چونکہ اپنے بیٹوں اور خاندان پر غیر معمولی رعب و داب تھا، اس لیے کسی کی مجال نہ تھی کہ ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا سکے۔ بس یہ خیالات دل ہی دل میں کھول کر رہ جاتے تھے۔ اس لیے کہ یحییٰ——جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے——بہت بڑا سیاست دان اور دور اندیش تھا اور وہ اس طرح کی باتوں کو زبان پر لانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا شمار ان دانش مندوں میں تھا جنہوں نے زمانے کی کڑیاں جھیل کر اور مصائب دہر کا مقابلہ کر کے یہ درجہ اور یہ مقام حاصل کیا تھا۔

جعفر، یحییٰ کے صفات و اوصاف سے محروم تھا

رشید اور جعفر کے تعلقات جب بہت زیادہ بڑھ گئے تو زمام کار یحییٰ کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گئی اور اس مرد دانا کو خاندان برامکہ کی قیادت حاصل ہو گئی۔

لیکن ایک بات تھی!

جعفر سب کچھ تھا، لیکن باپ کی سی حکمت عملی، فراست، دور اندیشی اور حسن تدبیر، مشاکل اور عقبات کے مواقع پر ہوش و حواس سلامت رکھ کر ان کا حل پیدا کر لینا اور ان کا توڑ دریافت کر لینا اس کے بس سے باہر تھا۔ لہذا ایسے مواقع پر اس کے قدم اکھڑ جاتے تھے اور وہ عزم و ثبات کا مظاہرہ نہیں کر پاتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان چیزوں کو سیکھتا اور جانتا، اس نے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو رشید کے عادات و خصوصیات کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا اور اس کے قدم بہ قدم چلنے لگا، یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگا کہ وہ رشید کا وزیر نہیں بلکہ شریک حکومت ہے اور بہ ظاہر بات بھی کچھ ایسی ہی تھی، ساری مملکت میں کوئی قوت و طاقت ایسی نہیں تھی جو اس کے سامنے ٹھہر سکے۔ صرف اسی کو یہ اقتدار حاصل تھا کہ جسے چاہے، معزول کر دے اور جسے چاہے، سربلندی کے اونچے مینار سے دھکیل کر فرش زمین پر پھینک دے اور یہ جذبہ اس وجہ سے اور زیادہ بڑھتا گیا کہ رشید اس سے محبت کرتا تھا اور ہر روز اس میں کچھ اضافہ ہی ہوتا تھا اور اس محبت کے باعث اس کی تمام باتوں کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ نہ صرف اس کی بلکہ سارے اہل خاندان کی غلطیاں اور لغزشیں بھی صرف اس لیے تھیں کہ نظر انداز کر دی جائیں۔

ہمارے خیال میں ہارون رشید کی یہ دوسری غلطی تھی اور پہلی سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ اس نوجوان خلیفہ کی یہ غلطی، بہت سے مہالک کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کڑوے پھل کی تلخی اس نے بعد میں چکھی، صرف اس نے نہیں بلکہ خود برامکہ نے بھی، بلکہ انہیں تو گویا زہر کا پیالہ پینا پڑا۔

رشید کی ایک غلطی

اگر رشید شروع سے آل برمک کے ساتھ حزم و احتیاط کا برتاؤ مرعی رکھتا ، جس طرح دوسروں کے ساتھ اس نے مرعی رکھا تھا اور برامکہ کی غلطیوں اور لغزشوں کو نظر انداز نہ کرتا ، بلکہ سختی اور زجر و توبیخ سے کام لیتا تو بلا شبہ اپنے تصرفات میں وہ حد سے تجاوز نہ کرتے اور احتیاط کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ۔

لیکن وہ تو ان کی محبت میں سرشار تھا اور ان کی غلطی کو غلطی سمجھنے پر بھی تیار نہیں تھا اور کبھی محسوس بھی کرلیتا تھا تو فوراً معاف کر دیتا تھا ۔ اس کا تو یہ عالم تھا کہ ان کے ہر مرد بزرگ و مسن کا احترام کرتا تھا ، جو ان میں سے مرتبہ وزارت پر فائز تھے ، ان پر شفقت و عنایات کی بوچھاڑ کرتا رہتا تھا ، جو ان میں کم سن تھے ، ان سے لاڈ پیار کرتا تھا اور ان کی جن خواتین نے اسے دودھ پلایا تھا ، ان کے اجلال و اکرام کی تو کوئی انتہا نہ تھی ۔

اس طرز عمل نے آل برمک کے لیے ایک غیر محدود میدان مہیا کر دیا ، جو ان کے رغبات و خواہشات کی جولانگاہ بنا ہوا تھا ، اپنے رغبات و مکامع کے لیے انھیں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی تھی ، حد نظر تک وہ بڑھتے اور جو چاہتے کرتے چلے جاتے تھے ، اس آزادی اور بے راہ روی کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا ۔

ان کے اعمال و تصرفات کا رد عمل ہونا ہی چاہیے تھا اور ہوا بھی ۔ ان سے ایسی غلطیاں ہوئیں ، جنھوں نے کافی تعداد ان کے دشمنوں کی پیدا کر دی ، جو اس تاک میں رہتے تھے کہ ان کی کوئی غلطی یا لغزش پکڑ لیں اور اسے اچھالیں اور عوام میں اس کی نشر و اشاعت شروع کر دیں ۔

اور جب آدمی کی غلطیاں اور لغزشیں لوگوں میں پھیل جائیں وہ ان کا یقین کر لیں ، اس کے عیوب اور کمزوریوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا ، وہ ہٹ جائے تو پھر کوئی تدبیر کام نہیں آتی ، بلکہ ہر بات الٹی پڑتی ہے ۔ آل برمک کے ساتھ یہی ہوا ،

ان کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا !

ان سے ب پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ غلطیاں سرزد ہونے لگیں اور اب رشید بھی نظر رکھنے لگا تھا اور چوکنا ہو گیا تھا۔ یہیں سے ان کا اقبال اور عروج کا سورج گہنایا، بہت پرانی مثل ہے :

''کبھی نہ کبھی ہر تلوار کند ہو جاتی ہے اور ہر سخی بے مایہ بن جاتا ہے !''

دشمنی اور کشمکش کا آغاز

یحیی بن خالد برمکی کی تباہ کن لغزشیں اور غلطیاں

یحیی کی پالیسی اور طرز عمل !

آغاز کار میں یحیی سے بہت بڑی غلطیاں جو سرزد ہوئیں ۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ زمام اقتدار و اختیار ہاتھ میں لیتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اس کے جو بڑے بڑے دشمن اور مخالف تھے ، انہیں سرکاری مناصب سے دور رکھا اور ظاہر یہ کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خلیفہ سابق موسیٰ ہادی کے حامی تھے اور رشید کے ساتھ اس کا جو خصوصت آمیز برتاؤ رہا تھا ، اس میں ان کا مشورہ شریک تھا ، لہٰذا اس کا فرض تھا کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دے اور حکومت کے معاملات میں انہیں شریک و دخیل ہونے کا موقع نہ دے اور چونکہ اس زمانے میں وسائل اقتدار اس کے ہاتھ میں تھے لہٰذا وہ ایسا کر سکتا تھا اور اس نے کیا بھی ۔

یحیی کے معتوب و مغضوب لوگوں میں سر فہرست وہ لوگ تھے ، جن کی بزرگی اور قدر و قیمت سے سب لوگ واقف تھے اور اپنے زمانے میں حکومت کے زبردست خدمات انجام دے چکے تھے اور خلفا سابقین کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ انہوں نے فروگذاشت نہ کیا تھا ۔ گذشتہ ابواب میں ان میں سے بعض کا ہم ذکر کر چکے ہیں ۔ مثلاً فضل بن ربیع اور علی بن عیسیٰ بن ماہان وغیرہ ۔ جو رجال سیاست میں چوٹی کے شخص سمجھے جاتے تھے اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ رشید پر خیزران کے اثر و نفوذ سے فائدہ اٹھا کر کس طرح یحیی نے انہیں امور مملکت سے دور رکھا تھا ۔ کیونکہ ان میں سے بعض وہ تھے جنہیں رشید دل سے پسند کرتا اور انہیں مقرب بارگاہ بنانا چاہتا تھا ۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ فضل بن ربیع ، خیزران کی تدفین کے وقت اس کی لاش کو قبرستان لے جاتے وقت مشایعت کے لیے کس طرح قصر رشید میں حاضر ہؤا تھا۔

لیکن یحییٰ اس کی مخالفت پر ، یہ دیکھنے کے باوجود کہ رشید کا دل اس سے صاف ہے ، ڈٹا رہا۔ رشید جب کبھی اسے کسی منصب پر فائز کرنا چاہتا ، تو یحییٰ کسی نہ کسی طرح شدید مخالفت کا اظہار کرتا ، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ فضل بن ربیع کے حالات حد درجہ ناسازگار ہوگئے اور ہاتھ بہت تنگ ہوگیا اور نوبت تقریباً فقر و فاقہ تک پہنچ گئی۔ اس کا رد عمل یہ ہؤا کہ فضل بن ربیع کے دل میں نہ صرف یحییٰ کی دشمنی راسخ ہوگئی ، نہ صرف خاندان یحییٰ کا وہ مخالف ہو گیا ، بلکہ ہر برمکی کا کٹڑ اور شدید دشمن بن گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز وہ یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہؤا ، وہاں بیٹھ کر وہ لوگوں کے احوال و شؤن دیکھنے لگا۔ جعفر برمکی اس کے سامنے بیٹھا تھا اور مختلف کاغذات پر فرامین پر دستخط کر رہا تھا اور مہر لگا رہا تھا ، فضل بن ربیع نے دس درخواستیں اس کے سامنے اپنے بعض دوستوں کی پیش کیں اور اس سے کہنے لگا کہ انھیں ملاحظہ کر لیجیے اور ان پر دستخط کر کے مہر لگا دیجیے۔ مگر یحییٰ نے ہر درخواست میں کوئی نہ کوئی علت نکالی ، نتیجہ یہ ہؤا کہ فضل بن ربیع کا مقصد پورا نہیں ہؤا اور درخواست رد ہو گئی ، اس کا فضل کو بہت صدمہ ہؤا ، آدمی تھا خود دار ، اس نے وہ ساری درخواستیں بڑی برہمی اور غصہ کے عالم میں مٹھی میں لے کر پھینک دیں اور گویا ہؤا :

”جاؤ خدا تم سے سمجھے !“

اس کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہؤا اور اس نے بڑ بڑاتے ہوئے یہ شعر پڑھے :

عسى و عسى يثني الزمان عنانه
بتصريف حال و الزمان عثور
فتقضى لبانات و تشفى حسائف
و تحدث من بعد الأمور امور

یعنی :

کیا پتہ کب زمانہ اپنی زمام موڑ دے

حالات میں تغیر کے باعث زمانہ ہمیشہ ٹھوکر لگاتا ہے ،

پس اس وقت حاجت پوری ہوگی اور دل کے دکھ کا مداوا ہوگا

اور پھر بہت سی باتیں بہت سی باتوں کے بعد پیدا ہوں گی ۔

یحیٰی نے سن لیا ، اس نے فضل کو جو واپس جا رہا تھا ، روکا اور کہا :

''تمھیں خدا کی قسم ہے ، واپس نہ جاؤ !''

فضل واپس آ گیا ۔

اور اس طرح تمام گوٹیں اسی کی جیت میں رہیں[1] !

یحیٰی کی مخالفت فضل بن ربیع کے ساتھ چلتی رہی ، یہاں تک کہ ایک روز اطلاع ملی کہ رشید نواحی مملکت میں سے کہیں کے محکمۂ برید کا انتظام و انصرام اسے سونپنے والا ہے ۔

رشید نے جعفر سے کہا :

''فضل کے تقرر کا فرمان صادر کر دو !''

جعفر نے فضل سے دریافت کیا :

''جو علاقہ تمھیں پسند ہو ، بتا دو ، وہیں کے لیے فرمان جاری کر دوں !''

فضل نے جواب دیا :

''موصل اور دیار ربیعہ زیادہ مناسب رہیں گے !''

جعفر نے کاتب کو فرمان لکھنے کا حکم دے دیا ، پھر اپنے باپ کے پاس جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا اور صلاح پوچھی کہ اب کیا کیا جائے ؟

یحیٰی یہ باتیں سن کر برہم ہوگیا اور کہنے لگا :

''نا ممکن ، یہ نہیں ہو سکتا ، یہ علاقہ تمھارے بھائی کا ہے ۔ ہم اس سے آرمینیہ کا محکمہ برید واپس لے چکے ہیں ، کیا اب یہ بھی

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۸۷ ۔

واپس لے لیں ؟ ــــ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا ۔ ہرگز میں یہ بات نہیں ہونے دوں گا !''

نتیجہ یہ ہوا کہ جعفر نے ٹال مٹول شروع کر دی اور ٹال مٹول اور وعدوں پر اسے ٹرخانے لگا ۔

رشید کو حسب ضرورت روپیہ بھی نہیں ملتا تھا

اس واقعہ کے کچھ روز بعد ، ایک اور بات ہوئی ۔

رشید نے فصد لینے کا ارادہ کیا ، اس سلسلے میں اس نے جعفر سے اس کے بڑے دینار مصارف فصد کے لیے طلب کیے ۔

جعفر نے جواب دیا :

''لیکن یہ دس ہزار دینار آئیں گے کہاں سے ؟''

رشید نے کہا :

''اچھا تو پھر کتنے ہیں !''

جعفر نے جواب دیا :

''صرف پانچ !''

یہ سن کر رشید خاموش ہو گیا[1] ۔

اس موقع پر فضل بن ربیع حاضر تھا ۔

جب رشید نے فصد کھلوا لی ، تو اس کے خواص میں سے ہر شخص کوئی نہ کوئی ہدیہ اور تحفہ لے کر مبارک باد دینے آیا ۔

ابن ربیع کے پاس ہدیہ دینے کو کچھ بھی نہ تھا ، کیونکہ جیب خالی تھی اور وہ کوئی چیز حسب موقع خرید نہیں سکتا تھا ، آخر اس نے

---

۱ - یہ بات کسی اعتبار سے بھی قابل قبول نہیں ہے ، نہ جعفر اتنا بے وقوف تھا کہ ایسا مہمل اور خلاف واقعہ جواب دیتا ، نہ رشید اتنا سادہ لوح تھا کہ اس پر یقین کر لیتا ، یا خاموشی سے برداشت کر لیتا ، جب کہ معاملہ زندگی اور موت کا تھا ، علاوہ ازیں رشید کی زندگی اور خوشنودی خود جعفر کے لیے بھی بڑی قیمتی تھی ۔

(رئیس احمد جعفری)

موروثی جائداد کا ایک حصہ فروخت کیا اور اس پوری رقم سے دو صندوق جواہر سے بھرے ہوئے خریدے۔

ان صندوقوں کو خوش شکل غلام سر پر اٹھائے ہوئے ، رشید کے سامنے آئے ، رشید ابن ربیع کی اس حرکت سے متحیر بھی ہوا اور خوش بھی ، اس نے ابن ربیع سے دریافت کیا :

''یہ دولت (ہدیہ خریدنے کے لیے) کہاں سے آئی ؟''

ابن ربیع نے جواب میں عرض کیا :

''موروثی جائداد کا ایک حصہ اس مقصد کے لیے میں نے فروخت کر دیا ، میری خواہش تھی اس موقع پر کہ فصد لینے کے بعد آپ کچھ نڈھال سے تھے ، کوئی اچھا سا ہدیہ پیش کر کے آپ کی طبیعت میں سرور اور مزاج میں بشاشت پیدا کردوں !''

ان الفاظ میں درحقیقت ابن ربیع نے جعفر برمکی پر زبردست تعریض کی تھی اور وہ اس وقت موجود بھی تھا۔

رشید ابن ربیع کی یہ گفتگو سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے جاتے جاتے کہا :

''اے ابن ربیع ، خدا کی قسم ! میں بھی تجھے خوش کر کے رہوں گا !''

اس گفتگو کے بعد جعفر اٹھا اور اپنے باپ (یحییٰ) کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ اسے سنایا ، آخر یحییٰ نے فضل بن ربیع کے تقرر کا پروانہ صادر کر دیا اور وہ موصل و دیار بکر کے محکمۂ برید کا سربراہ بنا دیا گیا۔

اس پروانے پر فوراً اس نے مہر لگائی اور ابن ربیع کے پاس اسے بھیج دیا۔

لیکن فضل نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا :

''مجھے اس نوازش کی ضرورت نہیں ہے[1] !''

اس واقع کے بہت تھوڑے عرصے بعد رشید نے اپنے حاجب محمد بن

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۹ -

خالد برمکی کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ فضل بن ربیع کا تقرر کر دیا[1] ۔

اس دن سے ابن ربیع کا یہ معمول اور اصول ہو گیا تھا کہ وہ آل برمک کی غلطیوں اور لغزشوں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اور ان کی اس طرح کی ہر بات کو فوراً عوام میں پھیلا دیتا تھا اور اس نے برامکہ کے دشمن پیدا کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور جب بھی موقع ملتا وہ کچھ لوگوں کو برامکہ کا مخالف اور دشمن بنا کر رہتا ۔

برامکہ کے دشمنوں میں اضافہ

زمانہ اسی طرح گذرتا رہا !

اور برامکہ کے دشمن تعداد میں بڑھتے رہے !

برامکہ کی ہر غلطی ایک نیا دشمن پیدا کرتی رہی !

جعفر بن یحییٰ جب سے خاندان برامکہ کا سر براہ بنا تھا ، حالات اور زیادہ ابتر ہو گئے تھے اور دشمنوں کی تعداد میں یوماً فیوماً اضافہ ہو رہا تھا اور یہ مخالف کوئی معمولی لوگ نہیں تھے، یہ وہ لوگ تھے جو خلیفہ کے حاشیہ نشین تھے ، اصحاب فکر اور اہل زبان تھے ۔ چنانچہ برامکہ کی ہجو میں شاعر کلثوم بن عمرو عتابی نے بڑے اثر انگیز اشعار لکھے[2] ۔

ابوالعتاہیہ نے بھی نظم و نثر میں ان کے خلاف بہت کچھ لکھا ۔

حد یہ ہے کہ ابونواس تک نے ، جو ایک شعوبی اور فارسی شخص تھا اور جو ایک عرصہ دراز تک برامکہ کی مدح و توصیف کرتا رہا تھا ، جعفر کی ہجو لکھ ڈالی[3] ۔ اس نے کہا :

عجبت لهارون الأمام وما الذی
یرود و یرجو فیک یا خلقة السلق
تقفا خلف وجه قد أطیل کأنه
تقفا مالک یقضی الهموم علی ثبق

---

۱ ۔ الجهشیاری ، صفحہ ۲۳۳ ۔

۲ ۔ زہرالآداب ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۷ ۔

۳ ۔ جو عربوں سے عجمیوں کو افضل سمجھے ۔

یعنی :

مجھے اپنے امام ہارون پر تعجب ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے
اور تجھ جیسے بد شخص کے بارے میں اس کی توقعات کیا ہیں ؟
اے ذلیل شخص کہ جس کی گردن چہرے کے پیچھے ہے اور اتنی لمبی ہے -
جتنی مالک (بگلے کی طرح کا ایک پرندہ) جو پانی کی لہر پر اپنے دن گذارتا ہے۔"

اس کے علاوہ اس نے اور بھی ہجویہ شعر لکھے ہیں ، مثلاً کہتا ہے :

قالوا امتدحت فماذا اعتظت قلت لھم
خرق النعال و اخلاق السراویل ،
ذاک الأمیر الذی طالت علاوتہ'
کانہ' ناظر فی السیف بالطول

یعنی :

لوگوں نے کہا تو نے مدح تو کی ہے مگر کیا صلہ پایا ہے ان سے ؟
تو میں نے جواب دیا ، کپڑوں کی بوسیدگی اور جوتوں کا گھسنا ،
یہ وہ امیر ہے جو غیر ضروری چیزوں سے لدا ہؤا ہے ۔
گویا یہ تلوار کی برش کا اس کی لمبائی سے اندازہ کرتا ہے[1]

جعفر کا چہرہ لمبوترا تھا -

دوست بھی دشمن بن گئے

نوادر اور روایت میں اصمعی اپنے وقت کا نابغہ (جینیس) تھا ، یہ شروع ہی سے برامکہ کے مداحوں اور ثنا خوانوں میں چلا آ رہا تھا ، لیکن جب اس پر ان کی شعوبیت منکشف ہو گئی اور جس رشید کی حکومت کا وہ دل و ایمان سے وفادار تھا ۔ اس کے خلاف ان کی در اندازیاں واضح ہوگئیں ، تو وہ بھی ان کے خلاف ہوگیا اور مخالفت میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا[2] -

۱ - کتاب المعارف ، صفحہ ۱۳۰ -
۲ - الجھشیاری ، صفحہ ۲۰۶ -

اس طرح اسماعیل بن صبیح بھی برامکہ کا خاص آدمی اور ان کے مخصوص کاتبوں میں سے تھا ، ان کا دشمن جان بن گیا تھا ۔

یحییٰ بن خالد کے تین بے انتہا مخلص دوست تھے ، ان کے بارے میں وہ کہا کرتا تھا :

''لطف دنیا انھی تینوں کے دم سے ہے !''

اور یہ تینوں حسب ذیل حضرات تھے :

۱- جعفر بن محمد بن الاشعث

۲- علی بن عیسیٰ بن یزدار نیروز

۳- منصور ابن زیاد ۔

لیکن بعد میں یہ تینوں یحییٰ اور آل برمک کے سخت مخالف ہو گئے اور اس مخالفت میں سرگرم ہو گئے ، ان لوگوں سے بھی یحییٰ اور اس کے دوستوں کو خاصی ذہنی کوفت پہنچی اور رسوائی حاصل ہوئی[1] ۔

ابنائے قحطبہ سے آل برمک کے مراسم و روابط اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ نوبت رشتہ و پیوند تک پہنچ گئی ، لیکن آخر میں حالات ایسے رونما ہوئے کہ یہ لوگ بھی برامکہ کے خلاف مصروف عمل ہو گئے اور شدید باہمی نفرت و عداوت پیدا ہو گئی[2] ۔

آل برمک سے دشمنی کے مختلف اسباب

ان لوگوں کے علاوہ بھی ایک بڑا گروہ برامکہ کے خلاف ہو گیا تھا ، اسباب مخالفت ہر ایک کے جدا تھے ، لیکن جہاں تک مخالفت کا تعلق تھا ، سب متفق تھے ۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے ، جو برامکہ کا جاہ و جلال دیکھ کر جلتے اور حسد کرتے تھے ، کچھ مخالف وہ تھے جو شخصی اور ذاتی اسباب کی بنا پر سرگرم عداوت تھے ، کچھ مادی اسباب بھی کارفرما تھے ، مثلاً برامکہ شاعروں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح اور تفضیل دیا کرتے تھے ، جس سے انہیں ایک شکایت پیدا ہوتی تھی ۔

لیکن آل برمک کے خلاف کینے اور عداوت کا جو تنور گرم ہو رہا

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۹۳ ۔

۲ - مقدمہ ابن خلدون ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰ ۔

تھا ۔ اس کے اسباب خالص سیاسی تھے ۔ یا عوامی شکایات اور محرومیوں پر مبنی تھے ۔ لوگ جب انہیں سرکاری خزانے کا غلط استعمال بے محابا کرتے دیکھتے تھے ، یا جب وہ ان کی شعوبیت کو عرب قومیت کے خلاف نبرد آزما دیکھتے تھے تو برہمی اور اضطراب سے دیوانے ہو جاتے تھے ۔ ساتھ ہی ساتھ جب وہ دینی امور و معاملات میں ان کے تساہل اور بے پرواہی کو دیکھتے تھے تو بھڑک اٹھتے تھے ۔

آل برمک عرب قومیت سے متنفر تھے

تحلیل و تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آل برمک کے خلاف بغض و عناد اور اختلاف و عداوت کا سب سے بڑا سبب ان کا جذبہ شعوبیت تھا ، یہی چیز تھی جس نے عربوں کی بہت بڑی تعداد کو ان کے خلاف صف آرا کر دیا ، کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کی عرب قومیت کا دبدبہ اور طنطنہ فارسی عناصر کے طغیان میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا ، کیونکہ یہی عناصر تھے ، جو ملک اور نظام مملکت کے مالک بنے ہوئے تھے ۔

اور برامکہ کا جہاں تک تعلق تھا ، یہ اپنی شعوبیت کو چھپاتے بھی نہیں تھے ۔ یہ بات ثابت ہے کہ برابر کی اہلیت و صلاحیت اور استعداد و قابلیت رکھنے والے دو امیدواروں میں ، یہ ہمیشہ عرب پر غیر عرب کو ترجیح دیا کرتے تھے اور اپنے خاندان و کنبے کے لوگوں کو بہترین قابلیت رکھنے والے پر فضیلت دیتے اور سرفراز کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے سرکاری ملازمتوں میں — جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں — اس طرح کے لوگوں کی تعداد کثیر کو بھر دیا اور رشید کے قصر میں بھی انہی لوگوں کا عمل دخل تھا ، ہر طرف فارسیت چھائی ہوئی تھی اور عربیت مجروح نظر آتی تھی ۔

اپنی عنصریت اور جذبہ قومیت سے محبت اور تمسک ایک طبعی امر تھا ۔ لیکن ان لوگوں کی حمایت ، سرپرستی اور حوصلہ افزائی جو شعوبیت کے بد ترین علمبردار تھے اور عربی عنصر سے حد درجہ بیزار اور متنفر تھے اور ایسے عالموں اور ادیبوں کی پشت پناہی اور قدردانی جو عربوں کی برائیاں

اچھالنے اور اہل فارس کی خوبیاں اجاگر کرنے کے سلسلے میں کتابیں لکھا کرتے تھے اور اپنے اشعار میں عرب قومیت کی تیغ انداز میں ہجو کرتے رہتے تھے، عربوں کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوئی، اسے وہ کسی قیمت پر برداشت نہ کر سکے اور عرب اکثریت ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ۔ یہ لوگ اپنے جذبہ شعوبیت میں اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ رشید تک کی پروا نہ کی، جو خود عرب تھا اور جسے اپنی عرب قومیت عزیز اور محبوب بھی تھی ۔

رشید کے انداز فکر میں تبدیلی

رشید ان تمام باتوں سے بے خبر نہیں تھا، وہ ان کی سرگرمیوں اور ذہنیت کو اچھی طرح سمجھنے لگا تھا ۔ فارسی عنصر سے اب وہ نہ صرف یہ کہ حسب سابق مانوس نہیں رہا تھا بلکہ بھڑکنے بھی لگا تھا ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید نے ارادہ کیا کہ ایوان کسریٰ کو ڈھا دیا جائے، اس باب میں اس نے یحییٰ سے مشورہ کیا، اس نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور کہا :

''اس حکومت کا نشان عظمت منہدم نہ کیجیے، جس کے کھنڈر پر سب نے اپنا قصر اجلال تعمیر کیا ہے اور جس کے ملک اور حکومت کو فتح کر لیا ہے !''

رشید نے یہ سن کر جواب دیا :

''تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک مجوسیت کی محبت تمھارے دل میں موجود ہے ــــ لیکن ایوان کسریٰ کا انہدام تو ایک طے شدہ فیصلہ ہے، جو عمل میں آ کر رہے گا !''

پھر یحییٰ نے اس ایوان کے انہدام پر خرچ ہونے والی رقم کا تخمینہ پیش کیا، جو اتنا زیادہ تھا کہ رشید اس ارادے سے باز آ گیا اور یحییٰ نے رشید سے کہا :

''اب اس عمارت کا ڈھا دینا ہی مناسب ہے، جب آپ حکم صادر فرما چکے تو محض خرچ کے خیال سے اپنے دشمن کی بنائی ہوئی عمارت کو باقی رکھنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔''

لیکن رشید نے اس کی بات پر توجہ نہیں کی اور ایوان کسریٰ کو منہدم نہیں کیا[1] -

فضل اور جعفر عجمیت کے علم بردار تھے

یحییٰ بڑا عقلمند اور دانا شخص تھا ۔ اس لیے رشید کے سامنے اپنی عنصریت کی تائید اور میلان سے متعلق خاموش ہی رہتا تھا ، یا کم از کم اپنا خاص میلان ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا ، لیکن اس کے برعکس فضل بن یحییٰ برمکی اور جعفر بن یحییٰ برمکی ، اتنے زیادہ پر جوش تھے کہ وہ کوئی پروا نہیں کرتے تھے ۔ رشید کی مخصوص مجالس میں اپنے تاثرات اور جذبات کا بے دھڑک اعلان کر دیا کرتے تھے اور عرب قومیت کے خلاف بھی اپنے جذبات کو چھپانے پر قادر نہیں تھے -

مثلاً کسی شاعر نے قصیدہ مدحیہ پڑھا اور اس میں سانڈنی کا وصف بیان کیا ، تو یہ دونوں بھائی کہہ اٹھتے :

''ناقۂ خارش زدہ کی تعریف میں یہ کچھ کہہ کر تم نے خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کیا !''

رشید بات کی تہ کو پہنچ جاتا اور کہتا :

''یہی وہ اونٹ ہے جنہوں نے تمہارے ملک کو روند ڈالا اور تمہاری سر زمین کو پامال کر دیا اور انہی اونٹوں کی کھال سے عربوں نے

---

۱ - ایوان کسریٰ کا انہدام کوئی اسلامی فعل نہیں تھا ، کہ اس سے اختلاف کرنے پر رشید یحییٰ کی مجوسیت سے محبت کا طعنہ دیتا ۔ ایوان کسریٰ کا انہدام اخلاق اور انسانی اعتبار سے بھی کچھ مستحسن نہ ہوتا ۔

مصنف نے اس روایت کا حوالہ نہیں دیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے ماخذ سے مطمئن نہیں ہے -

اس طرح کے روایات سے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کے خلاف زہر چکانی کا موقع ملتا ہے -

(رئیس احمد جعفری)

وہ کوڑے بنائے تھے، جو تمہارے اسلاف کی پیٹھ پر لگائے جاتے تھے!''

یا جب کبھی رشید اپنے نعلین کے سلسلے میں شکایت کرتا کہ انہوں نے پاؤں میں گھٹے ڈال دیے، تو جعفر جواب میں کہتا:

''آپ اہل فارس کے بنائے ہوئے جوتے کیوں نہیں پہنتے؟''

یہ باتیں سن کر رشید کہتا:

''تم لوگ ہمیشہ اسی طرح کی باتیں کرتے ہو، پھر میں بھی ایسا جواب دینے پر مجبور ہو جاؤں گا، جو تمھیں پسند نہیں آئے گا[2]!''

جعفر برمکی کے قصر میں پرائیویٹ مجلسیں

جعفر برمکی ہر ہفتے اپنے قصر میں ایک خاص مجلس منعقد کیا کرتا تھا، اس میں بغداد کے وہ تمام سر برآوردہ لوگ شریک ہوا کرتے تھے، جو اہل فارس میں سے تھے، بلکہ خراسان کے دہقان تک حاضر ہوا کرتے تھے، لیکن کسی عرب کو اس میں شرکت کی اجازت نہیں مل سکتی تھی، اس لیے کہ اس مجلس میں جو گفتگو ہوتی تھی، عربی بالکل نہیں استعمال کی جاتی تھی۔

اس مجلس کے دو پہلو تھے!

ظاہری پہلو تو یہ تھا کہ باہمی انس و رفق کی باتیں ہوں، دور جام چلے اور ادب فارسی کے نشر و فروغ کی سکیمیں زیر غور آئیں۔ شاہان ساسان اور ملوک فارس کے کارنامے بیان کیے جائیں، ان کی فتوحات کی داستانیں سنائی جائیں، ان کے مذہب، دین، کلچر اور تہذیب و ثقافت کے قصے

---

۱ - نوٹ از مترجم:

اس گستاخی اور غضب ناک جواب کے بعد، تو فضل اور جعفر کو پھر کبھی رشید کی مجلس میں بار نہیں پانا چاہیے تھا، بلکہ ان کی گردن قلم کر دینی چاہیے تھی، یہ روایت عقدالفرید کی ہے جو تاریخ کا ماخذ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

(رئیس احمد جعفری)

۲ - العقد الفرید، جلد ۳، صفحہ ۱۳۸ -

بیان کیے جائیں۔

اور باطنی پہلو اس مجلس کا یہ تھا کہ اہل فارس کی تنظیم کی جائے، بلاد فارس کے حالات و کوائف پر غور کیا جائے اور جو دشواریاں درپیش ہوں ان کا حل تلاش کیا جائے اور آل برمک سے ربط و تعلق پیدا کیا جائے جو اس وقت بلا اختلاف و نزوع اہل فارس کے ہیرو اور زعیم بنے ہوئے تھے[1]۔

برامکہ کے عنصری (قومی) تعصب کے ثمرات

برامکہ کا عنصری (قومی) تعصب، شعوبیت سے متعلق غیر معمولی جوش و خروش، ان شعوبیوں کی حمایت جو عرب قومیت کی مخالفت میں حواس باختہ اور دیوانے ہو رہے تھے، اپنی مجالس خاصہ میں ایران کی تاریخ قدیم کا چرچا اور اپنے مجوسی اسلاف و اجداد کا اور ان کے دین و مذہب کا ذکر اور اس طرح کی دوسری باتیں، ظاہر ہے ان کے دشمنوں کو موقع دیتی تھیں کہ ان کے ضعف عقائد کا پروپیگنڈا کریں اور ان پر زندقے کی تہمت لگائیں۔ اس زمانے میں زندقے کی تہمت ایک چلا ہوا حربہ تھا، جو مخالف کے خلاف بے دھڑک استعمال کیا جاتا تھا اور بہت زیادہ کارگر ہوتا تھا، کیونکہ یہ الزام جس کے خلاف ثابت ہو جاتا اسے پھر حکومت بھی نہیں بچا سکتی تھی۔ اس کے خلاف جذبات اتنے شدید ہو جاتے تھے کہ اس کے لیے سزائے قتل کا حکم صادر ہوتا تھا، یہ لفظ بڑے وسیع اور کثیر معنوں پر مشتمل تھا[2]۔

---

۱ - زینۃ المجالس۔
یہ کتاب فارسی میں ہے، لیکن اس کا یہ حصہ (جرجی زیدان نے) اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی کے صفحے ۱۴۴ پر درج کیا ہے۔

۲ - زندیق کے لیے قتل کا حکم، نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے، نہ کتب فقہ ائمہ اربعہ سے، نہ اس پر اسلامی حکومت میں کبھی عمل ہوا۔ زندیق کی کوئی معین اور مسلمہ تعریف بھی نہیں ہے۔
(رئیس احمد جعفری)

کلثوم بن عمر عتابی کہتا ہے :

ان البرامک لا منجیک انجیۃ
بمنجیۃ الدین من نجواھم تدب
تحیرت جمیع منھم و منصلھم
مضرج بدم الاسلام مختضب[1]

یعنی :

براسکہ کسی مشکل سے بھی تجھے نجات نہیں دے سکتے ۔
یہی تو ہیں جو اپنی لڑائی میں سرگوشیاں (منافقت) کرتے ہیں
ان کی تمام دلیلیں ختم ہو چکی ہیں اور نیزے کی انی ٹوٹ چکی ہے ،
اس کا دامن خون اسلام سے رنگین ہے -

ایک اور شاعر غالباً اصمعی لکھتا ہے :

اذا ذکر الشرک فی مجلس
اضاءت وجوہ بنی برمک
و ان تلیت آیۃ عندھم
اتوا بالاحادیث عن "مزدک"

یعنی :

ان کی مجلس میں جب مشرک کا ذکر ہوتا ہے
تو ان برمکیوں کے چہرے کھل جاتے ہیں
اور جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے ، تو
مزدک کے روایات چھیڑ دیتے ہیں[2] ،

رشید اور جعفر مکہ مکرمہ میں

ایک دفعہ رشید نے حج کا ارادہ کیا ، جعفر برمکی ساتھ تھا ۔ جب دونوں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ، تو رشید نے اہل حاجت کو خوب خوب مال تقسیم کیا ، جیسا کہ وہ ہر حج کے موقع پر کیا کرتا تھا اور عمارات قدیمہ جو قریب انہدام اور خستہ تھیں ، ان کی از سر نو مرمت اور

---

۱ - زہرالآداب ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۷ -
۲ - ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۱۷ -

تعمیر کرائی ، نیز نیا غلاف کعبہ بڑے اہتمام سے چڑھایا اور بھی بہت سے مفید اور اچھے کام کیے ۔ جعفر بن یحیٰی برمکی نے اسے صلاح دی کہ خانہ کعبہ کے وسط میں انگیٹھیاں رکھوا دے ، جن میں عود اور خوشبو شب و روز جلایا جاتا رہے ۔ تاکہ مسجد حرام ہمیشہ معطر اور خوشبو سے بسی ہوئی رہا کرے ۔ لیکن رشید نے یہ رائے قبول نہیں کی ، اس نے کہا :

''یہ اسلام میں بدعت ہے ، میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا !''

برامکہ کے دشمنوں نے اس خبر کو بھی خوب نمک مرچ لگا کر مشہور کیا اور پروپیگنڈا شروع کیا کہ یہ لوگ خانۂ کعبہ کے اندر مسلمانوں کو آتش پرستی پر آمادہ کرتے ہیں اور اس سلسلے میں سعی و کوشش سے کام لیتے ہیں ، جس طرح ان کے جد اعلیٰ ، برمک ، بلخ کے نوبہار مندر میں آگ جلاتا اور اس کی پوجا کیا کرتے تھے ۔

مخالفین برامکہ کے ساتھ رشید کی بد سلوکی

حال یہ ہوگیا تھا کہ برامکہ کے دشمنوں نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا تھا کہ ان کی معمولی سی غلطی اور چوک کو بھی معاف نہیں کرتے تھے ۔ کوئی بات ہاتھ آئی اور اسے لے اڑے اور لوگوں میں ان کے لعائب اور مثالب کی تشہیر شروع کر دی ۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود رشید کے سامنے بے بس تھے ۔ اپنے یہ معلومات و تاثرات اس تک پہنچانے کے وسیلے سے محروم تھے ۔ اس لیے کہ شروع شروع میں اس کی حالت یہ تھی اور وہ ان کی محبت میں اس درجہ سرشار تھا کہ ایک حرف بھی شکایت کا یا سازش کا سننا نہیں چاہتا تھا ، نہ ان کے بارے میں ، یا ان سے متعلق مخالفانہ رائے سننے کو تیار تھا ، اگر کوئی اس طرح کی جرأت ناروا کر بھی گذرتا تو خفا ہو جاتا اور ایسے شخص کو مورد عتاب قرار دیتا ۔

فقیہہ زاہد محمد بن لیث نے ایک مرتبہ اس سے کہا :

''اے امیرالمومنین !

یاد رکھیے ، یحییٰ برمکی آپ کو خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا ۔
آپ نے اسے اپنے اور خدا کے مابین آڑ بنا لیا ہے ۔ ذرا غور فرمائیے
آپ کا حال کیا ہوگا ، جب اس خدائے عز و جل کے سامنے کھڑے

ہوں گے ، وہ آپ سے سوال کرے گا ۔ ”میرے بلاد و عباد کے ساتھ تو نے کیا کیا ؟“

تو آپ کہیں گے :

”اے میرے رب ! میں نے تیرے بندوں کے معاملات یحییٰ کو سونپ دیے تھے !“

رشید کو یہ باتیں سخت گراں گذریں ۔ اس نے یحییٰ بن خالد کو بلایا ، اسے واقعے کی اطلاع دی اور محمد بن لیث کے بارے میں استفسار کیا کہ :

”یہ کون شخص ہے ؟“

یحییٰ نے جواب دیا :

”یہ شخص دین میں متہم اور بد نام ہے !“

چنانچہ رشید نے محمد بن لیث کو جیل بھیج دیا ، جہاں ایک عرصہ دراز تک وہ تکلیف و اذیت کی زندگی بسر کرتے رہے[1] ۔

برامکہ نے اپنے ان دشمنوں اور معاندوں کو ذرا اہمیت نہیں دی اور رفتہ رفتہ ان کا وہ وقار اور نفوذ و اثر جس سے وہ خلیفہ کی جناب میں متمتع ہوتے چلے آ رہے تھے ، ضعیف اور کمزور ہوتا گیا ، یہاں تک کہ رشید کی محبوب بیوی زبیدہ تک سے ان کی ٹھن گئی اور وہ علی الاعلان ان کی مخالف اور معاند بن گئی ۔

زبیدہ اور آل برمک کے درمیان دشمنی

زبیدہ اور برامکہ کے مابین دشمنی اور عداوت کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ ولی عہدی کے مسئلے میں دونوں مختلف الرائے تھے ۔ زبیدہ اپنے بیٹے امین کو ولی عہد بنانے پر بضد تھی ، جعفر اپنے تربیت کردہ مامون کو اس عزت کا سزاوار سمجھتا تھا —— یہ بحث گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے —— یہ واقعہ ۱۷۵ھ کا ہے ۔ اب جعفر نے اپنے آپ کو مامون کی تائید و حمایت کے لیے وقف کر دیا تھا ، جو اس کی نگرانی میں تھا ۔ محمد (امین) کو اس منصب سے دور رکھنے کی کوشش میں جعفر نے کوئی دقیقہ

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۵۷ ۔

فروگزاشت نہیں کیا تھا اور اس کی ماں (زبیدہ) کی اس باب میں جو رائے تھی، اسے توڑ موڑ کر ہارون کے سامنے پیش کیا کرتا تھا ۔ امین کی تائید میں تنہا بس زبیدہ تھی ، یا پھر فضل برمکی اس باب خاص میں وہ بھی زبیدہ کا ساتھ دے رہا تھا اور امین کی ولی عہدی کے لیے سرگرم عمل تھا اور یحییٰ کا جہاں تک تعلق تھا ، وہ خاموشی سے یہ کش مکش دیکھ رہا تھا ؛ آخر وہ وقت آ گیا کہ رشید نے زبیدہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور امین کو ولی عہد مملکت بنا دیا ۔"

جعفر کی طرف سے مامون کو ولی عہد اول بنانے کی سرگرمی

امین کے ولی عہد بن جانے کے بعد بھی زبیدہ اور جعفر کے مابین تلخی اور نزاع قائم رہا ۔ اس لیے کہ جعفر اب تک مایوس نہیں ہوا تھا اور اسے قوی امید تھی کہ ولی عہدی کے مسئلے پر رشید نظر ثانی کرے گا اور مامون کو یہ منصب بخش دے گا ، جب کہ وہ ان دونوں بھائیوں کے سن شعور تک پہنچنے کے بعد محسوس کرے گا کہ ان دونوں میں سے اس منصب کا کون زیادہ حق دار ہے؟ اور ظاہر ہے وہ مامون ہی ہوگا ، چنانچہ وہ مامون کو برابر اکساتا رہتا اور اس درجۂ عالی تک پہنچانے کے لیے تربیت کرتا رہتا ۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ بہتر ہر اعتبار سے بنا دینا چاہتا تھا کہ جب موازنے کا موقعہ آئے تو وہ بھائی (امین) سے بازی لے جائے اور ولی عہدی اپنے نام کرائے ۔ ان دونوں بھائیوں میں صغر سنی ہی سے تناقض اور لاگ ڈانٹ کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا ، جو رفتہ رفتہ بغض اور عداوت میں تبدیل ہوگیا تھا ، یہاں تک کہ بعض اوقات دونوں میں سخت کلامی بھی ہو جاتی اور دونوں غیبت میں ، ایک دوسرے کے خلاف سخت سست الفاظ استعمال کیا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ تو عیسیٰ بن جعفر کے سامنے جو زبیدہ کا بھائی تھا ، ولی عہدی کے بارے میں دونوں بھائی جھگڑ پڑے ۔ اب جھگڑا ختم ہوا تو دونوں ایک دوسرے کو دھمکی دیتے ہوئے جدا ہوئے ۔ عیسیٰ نے یہ خبر رشید تک پہنچا دی ، وہ گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ آخر ان باتوں کا انجام کیا ہوگا ؟ اور زبیدہ نے تو صاف طور پر محسوس کر لیا کہ ان مناقشات کی جڑ صرف جعفر برمکی ہی ہو سکتا

ہے ، کوئی دوسرا شخص نہیں[1] ۔

زبیدہ اور یحییٰ برمکی

زبیدہ اور یحییٰ کے تعلقات کا بھی یہی عالم تھا ! ان دونوں میں بھی باقاعدہ عناد اور بیزاری کے جذبات کار فرما تھے ۔

ایک مرتبہ قصر کے بعض ضروریات پورے کرنے کے سلسلہ میں زبیدہ کو روپے کی ضرورت ہوئی ، اتفاق کی بات رشید بغداد سے کہیں باہر گیا ہؤا تھا ، اس نے امین کے ذریعہ جو خاندان خلافت کے قصور و محلات کا منتظم اور سر براہ تھا ، یحییٰ سے روپیہ طلب کیا ، لیکن یحییٰ نے یہ مطالبہ پورا نہیں کیا اور اس طرح اسے ایسی پریشانی میں مبتلا کر دیا کہ اس سے پہلے وہ ایسی پریشانی سے کبھی دو چار نہیں ہوئی تھی ۔ جب رشید بغداد واپس آیا تو زبیدہ نے اس سے یحییٰ کی شکایت کی ، بات اسے کافی ناگوار ہوئی اور اس نے کافی تاثر قبول کیا ، لیکن خاموش رہا اور کوئی اقدام نہیں کیا[2] ۔

اس واقعہ کے بعد بھی یحییٰ نے اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی ، بلکہ اپنی روش پر قائم رہا ، وہ اس کی فرمائشیں رد کرتا رہا ، اس کے مطالبات مسترد کرتا رہا ، اس کے رغبات و اوامر کی خلاف ورزی کرتا رہا ، آخر ایک مرتبہ پھر اس نے رشید سے یحییٰ کے اس سلوک کی شکایت کی ۔

اس مرتبہ رشید خاموش نہیں رہا ، اس نے اس سے کہا :

"زبیدہ کو تم سے بہت شکایت ہے ! ــــ آخر یہ کیا بات ہے ؟"

یحییٰ نے جواب دیا :

"امیرالمومنین ، کیا میں آپ کے حرم کے معاملے میں بھی متہم ہو سکتا ہوں ؟"

رشید نے کہا :

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے !"

---

۱ ۔ کتاب الاصمعی ، صفحہ ۱۳۲ ۔

۲ ۔ الجهشیاری ، صفحہ ۱۳۶ ۔

یحییٰ نے کہا :

"پھر آپ زبیدہ کی باتیں نہ سنیے !"

رشید نے سکوت اختیار کر لیا[1] ۔

جعفر کی شر انگیزیاں

زمانہ گزرتا رہا ، یہاں تک کہ ۱۸۲ھ کا سال آ گیا ۔

اس سال مسئلہ ولی عہدی نے ایک مرتبہ پھر ، خطرناک صورت اختیار کر لی ۔ جعفر ایک چٹان بن کر زبیدہ کے سامنے کھڑا ہو گیا ، وہ ہر قیمت پر مامون کو ولی عہد بنانے پر تلا ہؤا تھا اور رشید کو بار بار اکساتا تھا کہ اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر دے اور مامون کی ولی عہدی کا اعلان کر دے ، اس لیے کہ ہر اعتبار سے وہی اس منصب کا اہل اور سزاوار ہے اور امین اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ زبیدہ کے سوء تصرفات کی طرف بھی وہ اشارہ کرتا اور رشید کی رائے بدلنے کی کوشش کرتا ۔

لیکن زبیدہ بھی آخر زبیدہ تھی !

وہ کیسے ہتھیار ڈال دیتی ؟

اس نے جعفر کا اور اس کی سازش اور کوشش کا نہایت ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور بالآخر اس پر غالب آ گئی اور کامیاب ہوئی اور اپنے بیٹے کو اس نے منصب ولی عہدی سے ہٹنے نہیں دیا ۔

لیکن ان باتوں کا رد عمل زبیدہ پر یہ ہؤا کہ وہ کھل کر میدان میں آ گئی ، وہ بغیر کسی استثناء کے برامکہ کے خلاف مخالفت اور عناد کا پرچم لے کر میدان میں اتر آئی ۔ اس باب میں وہ ہاشمیوں (عباسیوں) سے تائید و تعاون کی طالب ہوئی ، اس خاندان کے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی جماعت علانیہ طور پر اس کے ساتھ ہو گئی ، ان ہاشمیوں میں پیش پیش ابو جعفر منصور کے پوتے تھے اور اس گروہ میں دو آدمی تو ایسے تھے جنھیں رشید بے حد عزیز رکھتا تھا اور ان کی عزت و توقیر کرتا تھا ۔ ان میں ایک عیسیٰ بن جعفر بن منصور تھا اور دوسرا جعفر بن موسیٰ ہادی ـــــ خلیفہ مقتول !

اور یہ آخری شخص ـــــ جعفر بن موسیٰ ہادی ـــــ تو برامکہ کے

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۷ ۔

خلاف بھرپور جنگ لڑ رہا تھا ، خاص طور پر یحییٰ بن خالد برمکی کے خلاف کہ یحییٰ ہی وہ مجرم تھا جس نے ــــ میں دھوکے اور چالاکی سے اس کے باپ کی جان لی، جب کہ وہ ــــ جعفر بن موسیٰ بن ہادی ــــ ابھی طفل نوخیز تھا اور سازش ، فریب اور سیاسی ابلہ فریبیوں کے نام سے بھی واقف نہیں تھا اور اب وہ کڑیل جوان تھا اور سب کچھ سمجھ رہا تھا ، جو اپنے چچا رشید کے دامن عاطفت میں تہذیب و تربیت سے بہرہ ور ہوا تھا اور جس سے رشید نے اپنی چہیتی بیٹی حمدانہ کی شادی کر دی تھی ۔ باپ پر بیتی چھائی ہوئی تھی ، قصر خلافت میں جو لڑائی لڑی جا رہی تھی ، وہ شعوبیت اور عربیت کی جنگ تھی اور اب یہ جنگ نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی ۔ عرب سارے کے سارے زبیدہ کی پارٹی میں آ کر شامل ہوگئے تھے ، ان میں وہ لوگ بھی شریک ہو گئے تھے جو عرب تو نہیں تھے ، لیکن برامکہ کی عداوت اور دشمنی میں کسی عرب سے بھی کم نہیں تھے ۔ اس لیے کہ انہیں برامکہ سے سخت شکایتیں تھیں اور بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں اور یہ ان سے انتقام لینے کی ٹھان چکے تھے۔

رشید کے حاشیہ نشین بھی دو گروہوں میں تقسیم ہوچکے تھے ، ایک عربیت کا فدائی اور دوسرا شعوبیت کا دلدادہ ۔ دونوں میں خوب چلتی رہتی تھی ۔ جو اسلحہ یہ استعمال کرتے تھے وہ تھے : غیبت ، سازش ، شکایت ، فریب ، مخفی امور کی اشاعت اور کشف و مثالب و معائب ، چوری چھپے اور سرگوشی کرتے ہوئے ، رشید کے کانوں تک یہ اپنی بات پہنچایا کرتے تھے ، علانیہ اور کھلے بندوں نہیں ۔

البتہ زبیدہ کا معاملہ دوسرا تھا !

وہ کھلم کھلا برامکہ کے خلاف میدان میں اتر آئی تھی ، ان کی غلط کاریوں ، غلطیوں ، لغزشوں اور چالاکیوں کو صاف الفاظ میں رشید کے سامنے بیان کیا کرتی تھی ، صرف یہی نہیں بلکہ اسے ان کے خطرات سے ڈرایا اور ہوشیار بھی کیا کرتی تھی ۔

اور جب زبیدہ رشید کو برامکہ کے دست فریب سے نکالنے اور بچانے کی علانیہ اور کھلم کھلا تدبیریں اور تقریریں کر رہی تھی ، اگرچہ

رشید نے کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا تھا ، لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ وہ غافل ہو، وہ ان کے تصرفات اور دراز دستیوں نیز چالاکیوں اور فریب کاریوں کے ایک ایک پہلو پر نظر رکھتا تھا ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ در پردہ وہ اب برامکہ سے نجات پانے اور ان سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا تھا ۔ وہ ان پر ایک بھرپور اور کاری وار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ، لیکن ابھی جنبش میں نہیں آیا تھا ، صبر اور سکوت سے کام لے رہا تھا !

بعض مؤرخین کی غلطیاں

رشید کا برامکہ کے خلاف اقدام اور اس کا سبب

قیاس آرائیوں کا سلسلہ!

خلفا، سلوک اور سلاطین کی صف میں ہارون رشید پہلا شخص نہیں تھا، جس نے اپنے وزرا کو قتل کرا دیا ہو، یا انہیں حوالۂ زندان کیا ہو، یا ان کے اور ان کے خاندان کے خلاف کوئی لرزہ خیز اقدام کیا ہو۔

لیکن برامکہ کا معاملہ کچھ دوسری طرح کا تھا۔

برامکہ نے اپنے مخصوص عادات اور طور طریقوں سے عوام میں ایک خاص منزلت حاصل کر لی تھی، جس کی بنیاد وہ خفیہ اور علانیہ پروپیگنڈا تھا، جو وہ اپنے طرز عمل—سخاوت اور داد و دہش—سے کیا کرتے تھے۔ نیز انہیں قصر خلافت میں اتنا اقتدار حاصل تھا اور خود ہارون کی نظر میں بھی اتنے محبوب اور عزیز تھے کہ جب اس نے ان پر دفعتاً اس سرعت سے وار کیا کہ وہ خود بھی کچھ نہ سمجھ سکے اور اپنے اس طرز عمل کی اس نے کوئی توجیح بھی نہیں کی، بلکہ اسے راز کی طرح محفوظ رکھا اور اپنے ساتھ قبر میں لے گیا، تو قدرتاً لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے:

"یہ کیا ہوا؟"

"کیوں ہوا؟"

"اس کے اسباب و حرکات کیا ہیں؟"

"آخر اتنے مہلک او خطرناک اقدام کی ضرورت کیا آ پڑی تھی؟"

یہ سوالات ہر شخص کی زبان پر تھے!

اور ان کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا— ایسا جواب جو لوگوں

کی تشفی کر سکتا اور انھیں مطمئن کر سکتا !

شروع سے یہ کچھ عادت سی چل پڑی ہے کہ جب اس طرح کا کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے ، جو بہ ظاہر پراسرار ہو تو لوگ از خود اس کے اسباب و محرکات اور تفسیر و تاویل کا اپنے ذہن سے کام لے کر نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور اعتراض و مخالفت ، طنز و تعریض اور طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور جو لوگ عتاب سلطان کا شکار ہو کر ہلاک یا برباد ہوئے ہوتے ہیں ، ان کی مظلومیت اور صفائی میں نئی نئی اور عجیب سی باتیں کہنا شروع کر دی جاتی ہیں ۔

برامکہ کو جب دفعتاً ہارون نے تباہ و برباد کیا اور ان کے اکابر کو نیست و نابود کیا ، تو بالکل یہی صورت پیش آئی ، یعنی برامکہ کی ہلاکت اور بربادی کے سلسلے میں طرح طرح کی باتیں کہی جانے لگیں اور نت نئی تاویلیں شروع ہوگئیں اور مختلف قسم کے اسباب و محرکات کی تشہیر و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ۔ حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں مؤرخین کی بھی ایک جماعت نظر آتی ہے ، ان لوگوں نے برامکہ کو مظلوم اور رشید کو ظالم قرار دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ، انھوں نے رشید کو متہم اور غلط کار ثابت کرنے میں عملاً یا حسن نیت کے ساتھ بہت بڑا اور نمایاں حصہ لیا ۔

لیکن ان کے منہ سے یا قلم سے جتنی باتیں بھی نکلیں ، وہ صرف ان کے تاثرات و جذبات اور وہم و تصور کی پیداوار تھیں ، امر واقعہ اور حقیقت سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں تھا ۔ یہ صرف ذہن و دماغ کی اختراع تھیں ۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ برامکہ واقعی خطا کار تھے ، ان سے بہت بڑی بڑی غلطیاں سر زد ہوئیں اور یہی چیزیں آخر کار ان کے زوال و نکبت اور ہلاکت و بربادی کا سبب بنیں ۔

کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس مسئلے پر اظہار خیال میں برجستہ گوئی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے اور فیصلہ صادر کرنے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے ، لیکن

عام طور پر ان کے تصرفات و اقدامات ہی کو ان کے زوال و ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے ۔ مجموعی اعتبار سے یہ نقطۂ نظر درست ہے ۔ لیکن اس کی تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں ، جو کچھ کہا گیا ہے ، وہ صرف اجمالی طور پر — !

بہر حال اس سلسلے میں جو بھی کچھ کہا گیا ہے اور مؤرخین نے جو غلط نتیجے مستنبط کیے اور غلط تر فیصلے صادر کیے ہیں ، ہم ان کا محاکمہ کرنا پسند نہ کرتے ، اگر ان میں سے بعض نے عوام میں جگہ نہ حاصل کر لی ہوتی ، بلکہ ایک حد تک انہیں قبولیت عامہ حاصل نہ ہو گئی ہوتی ، کیونکہ ظاہر ہے یہ باتیں حقیقت سے دور اور واقعیت سے خالی ہیں ۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے قیاس آرائیوں سے کام لے کر اس معاملہ کو ایک مخصوص رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے ۔

بعض مؤرخین جو اس سلسلے میں ہارون رشید کو متہم اور خطا وار گردانتے ہیں ، یہ کہنے سے نہیں چوکتے کہ :

''اس الم انگیز حادثے کو برپا کرنے کے لیے رشید کے پاس کوئی معقول اور قابل قبول سبب نہیں تھا ، اصل بات صرف یہ تھی کہ وہ ان سے تنگ آ گیا تھا اور بھڑک گیا تھا ، اس لیے جنون اشتعال سے متاثر ہو کر ایک دن وہ ایسی حرکت کر گذرا جسے بجا طور پر تاریخ کا بہت بڑا المیہ کہا جا سکتا ہے ۔ اس نے برامکہ کی ہلاکت اور بربادی میں فریب و ظلم سے کام لیا ، بے وفائی اس کی سرشت میں تھی ۔ اس موقع پر وہ کام آئی !''

ان مؤرخین کے خیال میں برامکہ سے کوئی ایسی غلطی یا لغزش نہیں ہوئی تھی جس کی اتنی بڑی سزا دی جاتی ۔ حقیقتاً نہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہؤا تھا نہ انہوں نے کسی ایسے تصرف بے جا سے کام لیا ، جس کا نتیجہ اس طرح برآمد ہوتا ۔

یہ لوگ برامکہ کی مظلومیت اور رشید کے ظلم و جور کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ آخر وقت تک رشید کے تعلقات ان سے بے حد شگفتہ اور مخلصانہ رہے تھے ۔

لیکن اگر نظر انصاف سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ قول بڑا بودا اور کمزور نظر آئے گا ، اس میں واقعیت اور حقیقت کا شائبہ تک نہیں ہے -

صرف جہشیاری نے ایسے چودہ واقعات کا تذکرہ کیا ہے جنھیں شکایت اور برہمی کے ساتھ رشید نے یحییٰ برمکی کے سامنے مختلف مواقع پر پیش کیا -

اور ان چودہ واقعات میں سے ہر ایک ایسا ہے جو بجائے خود ، اس انجام کے لیے وجہ جواز ثابت ہو سکتا تھا ، جسے آخر کار برامکہ کو بھگتنا پڑا ، ان سے برامکہ کے قابل اعتراض اور نا قابل برداشت طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے[1] -

اسی طرح دوسرے تاریخی مصادر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حادثہ کے واقع ہونے سے کئی برس پہلے سے رشید برامکہ کو انجام تک پہنچانے کی ذہنی تیاریاں کر رہا تھا ۔

---

۱ - الجهشیاری ، صفحہ ۲۴۳ -

ہارون رشید کی بہن عباسہ

ابن جریر طبری کی ایک غلط اور غیر مستند روایت

جعفر اور عباسہ کی شادی کا افسانہ !

برامکہ کی ہلاکت اور بربادی کے سلسلے میں وہ اسباب جو منطق اور فکر سلیم سے ذرا بھی مطابقت نہیں رکھتے ، کئی ہیں ۔ ان میں ایک خلیفہ مہدی کی بیٹی اور ہارون رشید کی بہن عباسہ کا ہے ۔ جسے ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے ۔

طبری کے بیان کا خلاصہ یہ ہے :

''رشید جب اپنی مجلسِ خاص ، جو اکل و شرب پر مشتمل ہوتی تھی ، منعقد کرتا تھا ، تو اس کے لیے ناممکن تھا کہ جعفر برمکی اور عباسہ کو اس میں شریک نہ کرے ، لیکن شرعی طور پر یہ مناسب نہ تھا ، اس لیے کہ عباسہ اور جعفر غیر محرم تھے اور ایک مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ۔ کچھ عرصے تک تو دونوں میں سے ایک کی جدائی برداشت کرتا رہا ، لیکن آخر پیمانۂ صبر چھلکا اور اس نے دونوں کو شریک مجلس کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس سلسلے میں اس نے ایک حیلۂ شرعی پیدا کیا ۔ وہ یہ کہ عباسہ کی شادی جعفر سے کر دی جائے ، تاکہ جعفر کے لیے اس کا دیکھنا اور شریک مجلس ہونا جائز ہو جائے ''۔ چنانچہ اس نے جعفر سے کہا :

''میں تمھاری شادی تو عباسہ سے کیے دیتا ہوں ، لیکن خبردار تم دونوں میں وہ تعلقات نہ پیدا ہوں جو میاں بیوی میں ہوا کرتے ہیں ''۔

جعفر نے یہ شرط منظور کر لی۔

دونوں کی شادی ہو گئی۔

لیکن اس شرط کا نباہنا آسان نہ تھا، کچھ عرصے بعد دونوں میں زن و شوہر کے تعلقات (خفیہ طور پر) قائم ہو گئے اور ان تعلقات کا نتیجہ بھی برآمد ہؤا، یعنی وہ حاملہ ہو گئی۔ اب بھائی کی دہشت نے اس پر خواب و خور حرام کر دیا۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہؤا تو اُسے مکہ معظمہ بھیج دیا۔ لیکن رشید سے یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکی، اس نے بچے کو قتل کرا دیا، اور برامکہ کو اسی برہمی اور اشتعال کے عالم میں نیست و نابود کرکے رکھ دیا[1]۔

بعض دوسرے مؤرخین نے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

کچھ اور مؤرخوں نے اس داستان کو اور زیادہ وسعت دی ہے، اور اسے ایسا افسانہ بنا دیا ہے جو ان کے اغراض و مقاصد اور خیالات و تصورات سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعض مشرقین نے اور یورپ کے بعض اہل قلم نے بھی اس افسانے کو اور زیادہ مزے لے لے کر اور اپنے ذہن و دماغ سے اس کی تفصیلات بیان کر کر کے پیش کیا ہے۔ بعد کے یورپین مؤرخوں نے اس کہانی کو اور زیادہ آب و رنگ دینے کی کوشش کی ہے اور اس میں اپنی خیال آرائی سے کام لے کر ایسے روایات تالیف کیے ہیں جو ان کے روایات اور مزاج و عادات سے مطابقت رکھتے ہیں اور اسے ایک ایسی شعری داستان محبت بنا دیا ہے جیسے قرون وسطیٰ کے محلات کی کوئی کہانی بیان کر رہے ہوں۔

سب سے زیادہ تعجب خیز چیز یہ ہے کہ بعض عرب اہل قلم اور عرب مؤرخین نے یہ افسانہ طرازیاں، مغربی اہل قلم اور نام نہاد مؤرخوں کی خوشہ چینی کرکے پیش کی ہیں اور اس قصے کو دوسری مرتبہ مغربی زبانوں سے عربی زبان میں ہمارے عہد اور زمانے میں منتقل کیا ہے اور اس سلسلے میں اچھا خاصا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ جیسے ان کے روایات و حکایات بالکل صحیح و مستند اور متفق

۱۔ الطبری : جلد ۳، صفحہ ۶۷۵۔

علیہ ہوں ، اور ان کا اعلان تاریخ اور حقیقت کی ، اور اس عصمت مآب اور سراپا حرمت خاتون کی جو رشید کی بہن تھی ، بہت بڑی خدمت ہو[1] ۔

ہمیں اس قول ماثور کی صحت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کہ :

''جب ایک مرد ، اور ایک عورت خلوت میں جمع ہوں ، تو ان میں تیسرا وجود شیطان ہوتا ہے !''

نہ ہم عباسہ کا دفاع صرف اس لیے کرنا چاہتے ہیں کہ وہ رشید کی بہن تھی اور ایک بہت بڑے مسلمان عرب خاندان کی قابل نازش خاتون تھی اور صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتی تھی ، جیسا کہ مؤرخ کبیر ابن خلدون نے اس بنیاد پر اس کی مخالفت کی ہے ، وہ لکھتا ہے :

''عباسہ بنت محمد المہدی اور ایک خلیفہ کی بیٹی اور ایک خلیفہ کی بہن ، ایک سربرآوردہ ترین خاندان کی فرد اور خلافت سے تعلق رکھنے والے معاشرے کی ایک رکن ، جس کے افراد رسولؐ کی صحبت اور عمومت سے بہرہ ور تھے جو ملت کی بنیاد اور ہر جہات سے نور وحی اور مہبط ملائکہ تھا ، جس کا زمانہ بداوت سے زیادہ قریب تھا ، اور دین کی سادگی پوری شان کے ساتھ ابھی موجود تھی ، پس اگر وہ بھی گمراہ ہوگئی تو پھر عفت و عصمت کی تلاش اور کہاں سے کی جا سکتی ہے[2] ؟''

ہم اس ذکر سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ، یعنی ہمارا مقصد حق کی تلاش اور حقیقت کی جستجو ہے ۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں رشید کی تاریخ حیات سے اس واقعہ کا کہاں تک ربط ہے ؟ اور اس کے اخلاق و معاشرے میں اس کی گنجائش کہاں تک نکل سکتی ہے ؟

ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر جب ہم اس قصے کی چھان بین کرتے ہیں ۔ تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ قرائن اور مصادر تاریخ کی روشنی

---

۱ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی (جرجی زیدان) جلد ۶ ، صفحہ ۱۲۷ ۔

۲ ۔ مقدمہ ابن خلدون ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۵ ۔

میں یہ بات بہت اچھی طرح ثابت اور واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قصہ تمام تر من گھڑت ہے ، اسے حقیقت اور واقعیت سے دور کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔

جہشیاری کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ طبری کا ہم عصر ہے ، جس نے اپنی تاریخ میں یہ داستان درج کی ہے اور زمانی اعتبار سے دونوں رشید سے قریب ہیں ، اس موضوع پر اظہار خیال کرتا ہؤا وہ کہتا ہے :

عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کا بیان ہے کہ میں نے خلیفہ متوکل کے زمانے میں مسرور کبیر سے پوچھا :

''آخر رشید نے جعفر کو کیوں قتل کرا دیا تھا ؟ اور برامکہ کی ہلاکت کا سبب کیا تھا'' ۔

مسرور نے جواب دیا :

''شاید تمہارے ذہن میں بھی وہی مسئلہ زن گردش کر رہا ہے جو عوام کے دلوں میں جگہ بنا چکا ہے ؟ ''

میں نے اس کا یہ جواب سن کر کہا :

''جی ہاں میری مراد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے'' ۔

مسرور نے کہا :

''خدا کی قسم یہ افسانہ بالکل بے بنیاد ہے ، اس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ، اس داستان طرازی میں جو چیز کام کر رہی ہے وہ صرف بغض و حسد ہے ، اور بس ! '' ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مسرور کبیر وہی شخص ہے جس نے اپنے ہاتھ سے جعفر برمکی کو رشید کے حسب حکم قتل کیا تھا ، اور یہ ابن خاقان جس نے مسرور سے سوال کیا تھا ، اپنا سوال اور اس کا جواب بغیر کسی واسطے کے براہ راست جہشیاری سے بیان کر رہا ہے ۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ شہادت بڑی وزنی اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بغداد کے عوام نے عباسہ کا قصہ از خود گھڑ لیا تھا ،

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۵۴ ۔

اس لیے کہ برامکہ کی ہلاکت اور بربادی کے اصل اسباب و محرکات تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی تھی۔

محض پروپیگنڈہ

یہ بات بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ اس حادثے کے واقع ہونے سے پہلے بغداد میں برامکہ کے داعی اور نقیب موجود تھے، جو برابر ان کا گن گایا کرتے اور ان کی مدح و تحسین کیا کرتے تھے اور ان کے مخالفوں اور دشمنوں پر طعن کیا کرتے تھے اور جب یہ حادثہ خاصہ —— برامکہ کی ہلاکت اور بربادی —— واقع ہو گیا، تو ان کی بڑی تعداد نوحہ گری میں مشغول ہو گئی۔ ان کی نکبت اور ہلاکت نے انہیں دل برداشتہ اور مغموم کر دیا اور رشید کو اس جرم میں کہ اس نے ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی، ہر طرح سے متہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان حالات میں یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی دل جلے نے یہ مہمل حکایت وضع کر لی ہو اور عوام میں اس کی تشہیر شروع کر دی ہو اور رائے عامہ نے مزید حکایات طاعنہ وضع کر لی ہوں کہ عام طور پر لوگ جاہ و سلطان کے خلاف اظہار جذبات پر تلے رہتے ہیں۔

طبری نے کوئی سند نہیں بیان کی ہے

طبری نے یہ روایت تو اپنی تاریخ میں درج کر دی ہے لیکن کوئی سند بیان نہیں کی ہے اور یہ بات اس کی سرشت اور مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس کا یہ اصول ہے کہ وہ اپنی تاریخ میں جو واقعہ بیان کرتا ہے اس کی سند کا ذکر ضرور کر دیتا ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت کی بنیاد، صرف افواہ ہے، جو اس کے زمانے میں عام ہو گئی۔

اور ہم جہشیاری کی روایت کی تصدیق و تاکید صرف اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ اس نے سند بیان کر دی ہے اور مسرور کی گواہی جو اس حادثے کا سب سے بڑا ایکٹر ہے، غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے، بلکہ جہشیاری کی روایت قبول کرنے کے دوسرے اسباب ہیں اور ان کی تائید منطق اور عقل سلیم بھی کرتی ہے:

* رشید کے جو اخلاق و صفات ہمارے سامنے ہیں ، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مجلس میں ابتذال کا عادی نہیں تھا ،
* ایسی حرکات کا صدور اس سے نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی بہن کو ایک ایسے شخص کے سامنے لانے کے لیے بے چین ہو جاتا ، جو اس کا محرم نہیں تھا ،
* ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اپنی عرب قومیت کے بارے میں بہت زیادہ شدید تھا ، پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ اپنی بہن کی شادی جو اپنی قوم میں غیر معمولی مجد و شرف کی بھی حامل تھی ، ایک اہل فارس سے کر دیتا ،
* جب کہ خود عرب بھی اس فعل کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس کے خلاف اپنا غم و غصہ وہ کسی طرح نہیں چھپا سکتے تھے ،
* بہ فرض محال تمام باتوں کو نظر انداز کر کے وہ یہ فیصلہ کر لیتا کہ عباسہ کی شادی بہر حال جعفر سے کرنی ہے تو یہ مہمل شرط کیوں کر عائد کر سکتا تھا کہ دونوں میں زن و شوہر کے تعلقات قائم نہ ہوں ،
* اور یہ بات چوری چھپے ہو بھی کیسے سکتی تھی ، اگر شادی ہونا تھی تو اسے شایان شان طور پر ہونا چاہیے تھا ، جو دونوں — عباسہ اور جعفر — کی شان کے مطابق ہوتی ،
* اور یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ شادی ہوتی ، ایجاب و قبول ہوتا اور کسی ایک فرد کو بھی اس واقعہ کی بھنک نہ ملتی۔

اور سب سے آخر بات یہ کہ جب رشید نے عباسہ کی شادی جعفر سے کر دی تھی اور وہ اس کی باقاعدہ بیوی شرعی طور پر بن گئی تھی ، تو اس کا ضمیر ، اس کا دین ، اس کا تقویٰ ، کس طرح اسے گوارا کر سکتا تھا کہ ایک طفل معصوم کو قتل کر دے ؟ جو شرعی طور پر منعقد شدہ شادی کا شجر شروعہ تھا اور یہ شادی طرفین نے نہیں کی تھی بلکہ خود

رشد نے کی تھی ؟ ــــ اور یہ بھی کیوں کر ممکن تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے باپ کو جو اس کی بہن کا شوہر تھا اور اس کا محبوب وزیر بھی تھا قتل کر دیتا ؟

عباسہ کی شخصیت اور کیفیت

یہ تو تھا رشید کے بارے میں بیان صفائی ۔

اب عباسہ کو لیجیے ۔

رشید کی بہن علیہ بنت مہدی کے حسن و جمال ، ذوق شعر و ادب اور نغمہ و موسیقی کے بارے میں تو ہمیں بہت کچھ معلوم ہے ، لیکن عباسہ کے بارے میں ہمارے معلومات کا صفحہ بالکل سادہ ہے ۔

ہمیں ایک روایت بھی اس طرح کی نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ عباسہ رشید کی مجلس میں شریک ہوا کرتی تھی ۔

نہ تو کوئی ایسی روایت ہمارے سامنے ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ ان صفات و اوصاف سے بہرہ ور تھی جن کی بنیاد پر رشید کی مجالس میں شرکت کا اسے استحقاق حاصل ہوتا ، یعنی وہ ادب و شعر اور نغمہ و موسیقی کے اعتبار سے کوئی خاص مرتبہ نہیں رکھتی تھی ۔ کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ رشید اپنی مجالس طرب سے ان ہر فن مولا اور حسین و جمیل جواری اور باندیوں کو تو دور رکھتا ــــ اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی ــــ جو گانے میں ، دف بجانے میں اور ادب و شعر میں یکتا تھیں اور اپنی اس بہن کو وہاں لا بٹھاتا جو ان خصوصات سے معرا تھی ۔

خواتین حرم کے بارے میں رشید کی شدت احساس

رشید اپنے خاندان کی خواتین کے بارے میں بہت زیادہ غیرت مند اور حساس تھا ۔

گذشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی بہن علیہ کی ایک جاریہ کو بلند آواز سے ایک آدمی کے سامنے گانا سن کر وہ کس درجہ برہم ہو گیا تھا ؟

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اصمعی جیسا شخص رشید کی چھوٹی بچی سوفاسہ کے سر پر اپنی آستین رکھ کر اسے چومتا تھا ، اس لیے کہ اس

کے باپ کے سامنے اس کی دہشت سے یہ جرأت نہ تھی کہ بچی کو پیار کر سکتا۔

پھر یہ بات کس طرح درست مانی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی مجالس طرب میں اپنی بہن عباسہ کو ایک ایسے شخص کے سامنے لے جاتا جو بالکل غیر تھا اور اس سے شادی بھی کر دی؟

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ:

* عباسہ کی شادی ہو چکی تھی اور اس کی زندگی غم و الم کا مرقع بنی ہوئی تھی، وہ زندگی کی ہر لذت سے محروم تھی۔
* باپ کے زمانے میں اس کی شادی محمد بن سلیمان ہاشمی (عباسی) سے ہوئی، جو بصرہ کا گورنر تھا، لیکن بہت جلد اس کا انتقال ہو گیا۔
* پھر مصر کے گورنر ابراہیم بن صالح ہاشمی (عباسی) سے اس کی شادی ہوئی، لیکن یہ بھی زندہ نہ رہا[2]۔

بعد ازاں وہ ایک تیسرے پھر چوتھے امیر سے بیاہی گئی، لیکن یہ دونوں بھی موت سے ہم آغوش ہوئے۔

* شوہروں کی اس مسلسل وفات نے عباسہ کو منحوس مشہور کر دیا تھا، لوگ کہا کرتے تھے:

"جسے مرنا ہو، وہ عباسہ سے شادی کر لے!"

اس سلسلے میں یعنی اس کے منحوس اور شوم ہونے سے متعلق بعض شعرا نے طبع آزمائی بھی کی اور خوب خوب شعر کہے۔

* پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ یہ بد قسمت عورت جو درد و الم کی ایک وادی سے نکل کر دوسری میں داخل ہو جاتی تھی، رشید اور جعفر کی مجالس طرب کی زینت بنتی اور وہاں خوش دلی اور خوش باشی کے مظاہرے کرتی؟

۱۔ کتاب المعارف، صفحہ ۱۳۰۔
الطبری، جلد ۲، صفحہ ۸۴۔

۲۔ النجوم الزاہرہ، جلد ۲، صفحہ ۸۴۔

ایک بات اور!

جعفر برمکی جوان تھا، مال و دولت کی اسے کمی نہیں تھی، جب اور جس وقت بھی چاہتا حسن و جمال کے اعتبار سے یکتا اور فرد فرید عورتوں سے شادی کر سکتا تھا، جو اس کی ہم کفو ہوتیں اور عرب خاندان سے بھی متعلق نہ ہوتیں، اس کے پاس اتنی بے انداز دولت تھی کہ وہ منہ مانگی اور زیادہ سے زیادہ قیمت دے کر باندیاں خرید سکتا تھا اور ان کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔

یہ ساری باتیں تو ہم نے اس اعتبار سے کہیں کہ وہ ایسا کر سکتا تھا، لیکن امر واقعہ یہ تھا کہ وہ شادی شدہ تھا، وہ کئی حسین و جمیل اور خوب صورت بیویوں کا شوہر تھا اور ان بیویوں کے بطن سے اولاد بھی ہوئی تھی، جس کا ذکر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

اور ان بیویوں کے علاوہ اس کی حرم سرا میں بہ تعداد کثیر خوب صورت، طرح دار اور نازنین باندیاں بھی موجود تھیں جو اپنی تہذیب ثقافت اور فن کے اعتبار سے یکتا تھیں۔

جس شخص کو یہ سب چیزیں حاصل ہوں، اس کے بارے میں یہ تصور کرنا بہت مشکل ہے کہ وہ مشروع یا غیر مشروع طور پر کوئی ایسی شادی بھی کر سکتا تھا، جس سے اس کی جان ہر وقت خطرے میں رہتی اور سر پر گویا تلوار لٹکتی رہتی اور رشید کے خشم و عتاب کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا اور رشید کے علاوہ ان بہت سے عباسی امرا کے دشمن جان بنے رہنے کا اندیشہ بھی ہوتا جو اپنی خواتین کے بارے میں بہت زیادہ حساس اور با غیرت تھے۔

اس واقعہ کی جتنی بھی چھان بین کی جائے گی یہ بات واضح اور روشن تر ہوتی چلی جائے گی کہ عباسہ کا قصہ صرف غوغا آرائی کا نتیجہ اور وہم و قیاس کی پیداوار ہے۔

اور یہ بات بھی کچھ بہت زیادہ بعید از فہم نہیں کہ اس داستان کا ماخذ شعوبیت کے علمبردار، برمکی نقیب ہوں، تاکہ اس طرح رشید کی کرامت اور حرمت مجروح ہو۔

اس سلسلے میں ایک بات اور بھی قرین قیاس ہے ۔
بہت ممکن ہے کہ قتل جعفر کی خبر سن کر اور اس کے اصل اسباب سے نا واقف ہونے کے باعث کوئی دل جلا پکار اٹھا ہو کہ :

''دیکھا نا جعفر نے عباسہ سے شادی کی اور (اس کے دوسرے شوہروں کی طرح وہ بھی) موت کے گھاٹ اتر گیا ۔

یحییٰ بن عبداللہ علوی کا واقعہ

مؤرخین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ برامکہ کی نکبت اور ہلاکت و بربادی کا سبب یہ ہے کہ جعفر برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو رہا کر دیا تھا ۔

اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں :

''رشید نے فرمان صادر کیا کہ یحییٰ بن عبداللہ علوی جعفر کے پاس اس کے گھر میں قید رہے ۔ اس نے جعفر کو ہدایت کی کہ اس کی کڑی نگرانی رکھے اس کی قسمت کا فیصلہ وہ بعد میں کرے گا ۔''

جعفر برمکی کو اندیشہ پیدا ہؤا کہ یحییٰ علوی کو رشید جیتا نہیں چھوڑے گا اور اسے قتل کر کے دم لے گا ۔ بہر حال اس نے اپنے پاس قید رکھا ۔ ایک روز یحییٰ علوی نے اس سے کہا :

''میرے معاملے میں خدا سے ڈر ، ایسا نہ ہو کہ کل (قیامت کے دن) محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدعی بنیں !''

یہ باتیں سن کر جعفر کا دل پگھل گیا ، اس نے کہا :

''اللہ کی اس وسیع سر زمین پر جہاں جی چاہے چلے جائیے ، میں آپ کو رہا کرتا ہوں !''

یحییٰ علوی نے کہا :

''چلا کیسے جاؤں ؟ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہاں سے نکلتے ہی پھر گرفتار نہیں کر لیا جاؤں گا ؟ اس کے بعد میں تیرے پاس یا تیرے علاوہ کسی اور کے پاس (پناہ حاصل کرنے) کس طرح پہنچوں گا ؟''

جعفر نے اس کا بھی انتظام کر لیا ، اپنا ایک آدمی ساتھ کر دیا ،

جو یحییٰ علوی کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا آیا ۔

قصہ بہت طویل ہے ، لیکن مختصر یہ کہ فضل بن ربیع کو اس بات کا پتہ چل گیا ، اس نے رشید کو یہ ماجرا کہہ سنایا ، رشید نے کسی طرح کی برہمی اور خشم و عتاب کا اظہار نہیں کیا ، اتنے میں حسب معمول جعفر برمکی حاضر خدمت ہؤا ۔

رشید نے بڑی گرم جوشی اور تپاک و اخلاص کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مرحبا کہا اور اس کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرنے لگا ۔ اتنے میں کھانے کا وقت آ گیا ، اس نے حکم دیا دسترخوان بچھایا جائے ۔ دونوں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا ، وہ اپنے ہاتھ سے لقمے بنا بنا کر اسے دیتا تھا اور باتیں کرتا جاتا تھا ، سلسلۂ گفتگو میں اس نے یک بہ یک جعفر سے پوچھا :

''یحییٰ بن عبداللہ علوی کا کیا حال ہے ؟''

جعفر نے جواب دیا :

''ٹھیک ہے یا امیرالمومنین ! — قید ہے اور قید میں جو تنگی اور کلفت پیش آتی ہے ، اس سے دو چار ہو رہا ہے !''

''تمھیں میری جان کی قسم سچ سچ کہو !''

جعفر چونک پڑا اور سمجھ گیا کچھ دال میں کالا ہے ۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا ، شاید خلیفہ کو یحییٰ کی رہائی کا علم ہو گیا ہے ۔ آخر اس نے جواب دیا :

''امیرالمومنین کی جان گرامی کی قسم کھا کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری پہلی بات غلط تھی ، درحقیقت میں نے اسے آزاد کر دیا ہے ، کیونکہ میں جانتا ہوں ، اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا !''

رشید نے یہ جواب سن کر کہا :

''تم نے جو کچھ کیا ، اچھا کیا ! بلکہ وہی کیا جو میں خود سوچ رہا تھا ۔''

پھر جب جعفر واپس آ گیا ، تو رشید ٹکٹکی لگا کر اس کی پیٹھ کی

طرف دیکھتا رہا اور جب وہ نظر سے اوجھل ہو گیا تو گویا ہوا:
''گمراہی کے عمل پر ہدایت کی تلوار سے خدا مجھے قتل کرے اگر میں تجھے قتل نہ کر دوں!''

یحییٰ علوی کے مسئلے پر گذشتہ صفحات میں ہم بحث کر چکے ہیں اور اب اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے اور واقعہ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد یحییٰ نے پوشیدہ طور پر اپنے لیے، رشید کے مسند آرائے خلافت ہونے سے پہلے دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ بہت سے مقامات پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے بیعت کر لی، پھر جب رشید تخت نشین ہؤا تو اس نے یحییٰ کا کھوج لگانا شروع کر دیا اور ہر جگہ اس کی گرفتاری کا فرمان بھیج دیا۔ یحییٰ نے شاہ ترک خاقان کے پاس پناہ لی، پھر وہ طبرستان چلا گیا، وہاں سے ویلم کا رخ کیا، اور وہاں پھر اپنا کام شروع کر دیا۔

رشید نے فضل بن یحییٰ برمکی کو یحییٰ کے پاس بھیجا، اس نے افہام و تفہیم کے بعد یحییٰ کو آمادۂ صلح کر لیا، اور امان کے جو شروط طے پائے وہ رشید نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجے۔

لیکن یحییٰ کے وارد بغداد کے بعد رشید نے اس کے معاملے میں بد عہدی شروع کی، اور شروط صلح میں ایچ پیچ نکالنا شروع کیے۔ آخر اسے قید کر دیا، اور وہیں جیل خانے میں ایک روز موت نے آ لیا۔

برامکہ شیعہ نہیں تھے!

ان واقعات تاریخی کی روشنی میں جعفر برمکی کا یحییٰ علوی کو رہا کر دینا کس طرح عمل پذیر ہو سکتا تھا؟

ہمارے سامنے اس خبر کا کوئی معقول و مستند ماخذ نہیں ہے، ہمیں نہیں معلوم ہے یہ کس کی اختراع ہے؟ بہت ممکن ہے یہ بھی اہل فارس کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک ہو، تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ جعفر کا قتل اس لیے وقوع پذیر ہؤا کہ وہ آل بیت رسولﷺ سے محبت کرتا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ برامکہ علویوں کے دشمن نہیں تھے لیکن ان کا شمار شیعان علیؓ میں بھی نہیں تھا، بلکہ تاریخ سے تو یہ

بھی ثابت ہے کہ کئی علوی برامکہ کے ہاتھوں رشید کے عہد خلافت میں قتل ہوئے [1]۔

باغیوں کی حوصلہ افزائی یحییٰ کی طرف سے

جہشیاری کی روایت ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو ان کے عہد عصیان میں چالیس ہزار دینار پیش کیے ۔ خود یحییٰ نے رشید کے سامنے اعتراف کیا کہ اس نے یہ رقم دی تھی کہ یحییٰ کے بارے میں تصور ہو کہ وہ بہت زیادہ طاقتور ہے ۔ پھر ضرور اس کی اولاد میں سے کوئی شخص اس فتنے کی آگ بجھانے کے لیے بھیجا جائے گا اور اس طرح خلیفہ کی نگاہ میں وہ غیر معمولی عزت اور وقعت حاصل کر لے گا ۔ چنانچہ اس موقع پر یحییٰ برمکی سے رشید نے کہا :

''اگر یحییٰ اس طرح طاقت حاصل کرتا گیا تو اس کی شوکت و طاقت سے تمھیں کون بچائے گا ؟ جب وہ تمھارے بیٹے فضل کو اور مجھے قتل کر چکے گا [2] '' ؟

اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ جعفر نے یحییٰ علوی کو رہا کر دیا تھا ۔ تو بھی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یحییٰ کی وفات ۱۷۶ھ میں ہوئی تھی ، لہٰذا اس واقعہ کو برامکہ کی نکبت و ہلاکت کا سبب کس طرح مانا جا سکتا ہے ؟ جب کہ ان دونوں ——— یحییٰ کی موت اور برامکہ کی ہلاکت ——— میں دس سال سے زیادہ کی مدت حائل ہے ۔

ابن خلدون کا تجزیہ

ہمارے خیال میں تو ابن خلدون نے برامکہ کے تصرفات کا تجزیہ کرتے ۔ انھیں جو سبب نکبت و ہلاکت قرار دیا ہے وہ زیادہ صحیح ہے ۔ اپنے مشہور مقدمے میں ابن خلدون کہتا ہے :

''برامکہ کی نکبت اور بربادی کا اصل سبب ان کا وہ استبداد ہے ، جو انھوں نے حکومت کے ساتھ روا رکھا تھا ، انھوں نے بے دردی کے ساتھ حکومت کے محاصل اور ٹیکس کو اپنے تصرفات کا ہدف بنا

---

۱ ۔ مقاتل الطالبیین ، صفحہ ۳۸ ۔

۲ ۔ الجھشیاری ، صفحہ ۲۴۳ ۔

لیا تھا ، نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ رشید کو معمولی سی رقم کی بھی ضرورت پیش آتی تو وہ پوری نہ ہوتی ، برامکہ پورے طور پر اس کے امور و معاملات پر غالب آگئے تھے اور عملی طور پر شریک حکومت و سلطنت ہو گئے تھے اور حال یہ ہو گیا تھا کہ وہ (رشید) خود بھی کچھ نہیں رہ گیا تھا ۔ ملکی معاملات میں نہ اس کا عمل دخل تھا نہ اقتدار و اختیار ،——اس کے علاوہ بھی ان کی بہت سی غلطیاں اور غلط کاریاں تھیں جن کا (مختلف مواقع پر) ہم ذکر کر چکے ہیں ا۔"

اپنی اس رائے میں ابن خلدون تنہا نہیں ہے ، دوسرے بھی کئی بلند پایہ مؤرخ اس کے موید نظر آتے ہیں اور وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رشید کے عتاب بے حد کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اموال دولت پر اسے تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں رہ گیا تھا ۔ یہ حق برامکہ نے چھین لیا تھا اور سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے ۔

اس سلسلے میں بہت سے واقعات و امثال مشہور اور زبان زد ہیں ، مثلاً:

"ایک مرتبہ رشید بصرہ میں مقیم تھا ، یحییٰ برمکی بھی ساتھ تھا ، اسی اثنا میں اموال فارس (خراج و محاصل) سات کروڑ کے قریب پہنچے ، رشید نے چاہا کہ اس رقم میں سے ایک لاکھ لے کر ، بغداد اپنے اہل و عیال کے پاس بھیج دے جنھیں رقم کی ضرورت شدید تھی - یحییٰ نے اس سے کہا:

"اگر آپ نے اس رقم میں سے ایک درہم بھی لیا تو آپ کا سارا جاہ و جلال کافور ہو جائے گا !"

یہ سن کر رشید اپنے ارادے سے باز آ گیا اور اپنے مخصوص حاشیہ نشینوں میں سے ایک سے یہ رقم قرض لے لی ، بعد میں پتہ چلا کہ اس رقم میں سے یحییٰ نے ایک کروڑ پچاس لاکھ کی رقم خود لے لی ، اور اسے اپنے عمال و اتباع میں تقسیم کر دیا ۔

ا - مقدمہ ابن خلدون ، جلد ا ، صفحہ ١٥ -

رشید نے جب خشونت آمیز لہجہ میں ، اس حرکت سے متعلق سوال کیا تو یحییٰ کوئی ایسا جواب نہ دے سکا ، جو رشید کے لیے اطمینان بخش ہوتا ۔

رشید نے یہ بات اپنے دل میں رکھ لی ۔

اس واقعہ سے وہ دوسرے تصرفات بھی یاد آنے لگے جو برامکہ نے اموال حکومت میں کر رکھے تھے اور محض اپنی مرضی سے جس طرح چاہتے ان کو خرچ کر دیا کرتے تھے ۔

لیکن یحییٰ کا یہ اقدام اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد نہیں تھا ، وہ اور اس کی طرح اس کا بیٹا بھی اسی اصول پر عامل تھا ، کہ رشید کی اور اس کے خاندان کی ضروریات روک کر پوری کی جائیں ۔ لیکن وہ ان باتوں کا کچھ عادی سا ہو گیا تھا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں کبھی کسی سنگین قسم کی خنگی یا برہمی سے برامکہ کو سابقہ نہیں پڑا ، بلکہ ان کے ساتھ اس کے رشتہ خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا ۔

لہٰذا ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ برامکہ کے مالی تصرفات ہی ان کی نکبت اور بربادی کا اصل سبب بنے تھے ، ان کو ایک سبب قرار دیا جا سکتا ہے ، لیکن تنہا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

زوال برامکہ کا اہم ترین سبب

آل برمک کے تصرفات بے جا کی عام شکایت

رشید کو اپنا طرز عمل بدلنا پڑا !

ہم بتا چکے ہیں کہ برامکہ کے اعمال و افعال سے ایک عرصۂ دراز تک رشید نے چشم پوشی اختیار کیے رکھی ، اور ان کا کسی طرح سے بھی محاسبہ نہیں کیا ۔ اس کا یہ طرز عمل دراصل ان کی خدمات کا ـــــ جو وہ انجام دیتے رہےـــــ صلہ تھا ۔ ہر حالت میں اس وقت تک وہ ان پر اعتماد کرتا رہا جب تک بظاہر وہ نہج مستقیم پر گامزن رہے ، اس کی سعی و کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ طرفین کے روابط زیادہ سے زیادہ خوش گوار بنیادوں پر قائم رہیں ۔

لیکن اخبار و حوادث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رشید خواہ کتنا ہی خطا بخش اور چشم پوش رہا ہو ، لیکن برامکہ کے اعمال و افعال سے نہ غافل تھا ، نہ ایسا تھا کہ ناواقف ہو ، ان کے حرکات خواہ صغیر ہوں یا کبیر ، جو مشاہدے میں آ سکتے تھے ، ان کا علم اسے ہو جایا کرتا تھا ۔

اس کے اعوان و ارصاد (مخبر) ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ، اور ذرا ذرا سی خبر اسے ہر وقت پہنچا دیا کرتے تھے ۔

لیکن جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ، اور ان کے تصرفات حد سے تجاوز کر گئے تو رشید کو زیادہ سنجیدگی سے صورت احوال پر غور کرنا پڑا ۔ وہ خطرہ جو اس کے سر پر منڈلا رہا تھا ، اب بالکل نظر کے سامنے تھا ۔ خود اسے ، اس کی حکومت کو اور رعایا کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا اب وہ اسے پورے طور پر محسوس کر رہا تھا ۔

رشید کی بروقت ہوشیاری !

برامکہ کی حرکتوں اور کارروائیوں کو ایک عرصۂ دراز تک نظر انداز کرنے کے سلسلے میں رشید کے عذرات خواہ کچھ بھی ہوں ، لیکن پھر بھی وہ نہایت مناسب موقعے پر ہوشیار ہو گیا۔ جب کہ ان کا نفوذ قلب دولت میں سرایت کر گیا تھا اور ان کی شوکت خود اس کی شوکت پر ، خود اس کے پایۂ تخت ــــ بغداد ــــ میں غالب آ گئی تھی اور نعرۂ شعوبیت و عجمیت اس کی عرب قومیت کے برخلاف نہایت شدت کے ساتھ گونجنے لگا تھا اور اب تک وہ جو کچھ کرتے آتے تھے ، جس طرح اپنے ہاتھ رنگتے رہتے تھے ، حکومت پر اور اس کے محکموں اور شعبوں پر جس طرح قابض اور متصرف ہوگئے تھے ، لوگوں کو مختلف ترکیبوں سے اپنے گرد جس طرح جمع کر لیا تھا اور امرا دولت کو جس طرح اپنے اشارۂ چشم کا تابع فرمان بنا لیا تھا ، ان سب چیزوں سے زیادہ جو چیز رشید کو کھل رہی تھی ، وہ یحییٰ بن خالد برمکی کا استبداد تھا جو ہر چیز پر چھایا ہوا تھا ، کوئی بات بھی اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی ، جب تک وہ حکم نہ دے ، کوئی حکم نافذ نہیں ہو سکتا تھا ۔

امین و مامون کے مابین دشمنی جعفر نے پیدا کی

اور اس سے بھی زیادہ اہم اور سنگین جعفر برمکی کا معاملہ تھا ۔

یہ جعفر جو اس کا وزیر تھا ، جسے اس کی بے پایاں محبت حاصل تھی اور جو اس کے بے پناہ اعتماد سے بہرہ ور تھا ، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عملاً شریک حکومت بن گیا تھا ہر معاملے میں دخیل تھا اور مخصوص امور و شمون میں بھی اس کی چلتی تھی ۔ حد یہ ہے کہ دونوں ولی عہدوں ــــ امین و مامون ــــ کے معاملے میں بھی وہ ایک حریف اور فریق کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور اس نے باقاعدہ ان دونوں میں رنجش اور بغض و عناد کے جراثیم پیدا کر دیے تھے اور ان دونوں کے گرد ایسی مسموم فضا پیدا کر دی تھی جو عبارت تھی حسد اور عداوت سے ۔ اور اس حسد اور عداوت میں اس درجہ اضافہ ہو گیا تھا کہ اگر ان دونوں بھائیوں میں ٹھن جاتی تھی تو خلافت کا مستقل

خطرے میں پڑ جاتا ۔ یہی وہ شخص تھا جس نے زبیدہ کی تحقیر کی جو سیدۂ قصر خلافت اور زعیمۂ خواتین بنی ہاشم تھی ۔ اس کے خلاف یہ علانیہ اور خفیہ طور پر بر سر جنگ رہا ۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ زبیدہ ایک خلیفہ کی بیٹی اور اس کے محسن اعظم ، رشید کی بیوی ہے ۔ اس شخص کی جرأت اور بے باکی کا یہ عالم تھا کہ رشید کو جب روپے کی ضرورت ہوتی تو یہ دینے سے انکار کر دیتا ، اور آڑ یہ لیتا کہ اموال مسلمین کو صحیح طور پر خرچ ہوتے دینا اس کا فرض ہے ، حالانکہ یہ خود اور اس کے ساتھی اموال مسلمین کو بے دریغ اور بغیر حساب کتاب کے صرف کرتے رہتے تھے اور کوئی ان کا محاسبہ کرنے والا نہیں تھا ۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ مکر و فریب سے یہ خود رشید کا محاسب بن بیٹھا تھا اور اس کے اعتراض و احتجاج کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا تھا ۔ اس کا حال بالکل ہی ایسا ہو گیا تھا جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے :

اسرک مردود الی امرہ
وامرہ لیس لہ رد !

یعنی :

تیرے (رشید) کے حکم کی کوئی وقعت اس (جعفر) کے حکم کے سامنے نہیں ہے ۔
اور اس کا (جعفر کا) حکم ایسا ہے جسے کوئی بھی رد نہیں کر سکتا ۔

برامکہ نے پنجہ کس لیا تھا !

ان حالات میں کہ برامکہ نے تنظیمی مہارت سے کام لے کر حکومت پر مکمل قبضہ کر لیا تھا ، اور اس پر تمام دروازے بند کر دیے تھے ۔ اس کا چوکنا ہونا اور حالات سے نکلنے کی کوشش کرنا ایک بالکل قدرتی فعل تھا ، اس دس سال کی مدت میں برامکہ نے کیا کچھ نہیں کر لیا تھا ؟

زبیدہ کا یہ حق تھا اور اس حق کو اس نے بالکل بجا طور پر استعمال کیا کہ اس خطرے کو جو دن بدن اس کے لیے اور مملکت کے لیے

سنگین تر ہوتا جا رہا تھا ۔ اور نامساعد حالات کی شدت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی ، کچھ کرتا ۔

لیکن کچھ کرنا اس کے لیے آسان نہیں تھا !

معاملہ کہیں زیادہ پیچیدہ اور دشوار تھا ۔

برامکہ کسی شخص واحد کا نام نہیں تھا ، جسے کسی نہ کسی طرح سے ٹھکانے لگایا اور راستے سے ہٹایا جا سکتا تھا ۔

یہ ایک پوری ٹولی تھی جو بہت سے افراد اور ارکان پر مشتمل تھی۔ اس ٹولی کا سر براہ اپنے وقت کا ایک کائیاں اور چالاک شخص تھا ، یعنی یحییٰ بن خالد برمکی ۔ جو کچھ ہوتا تھا اسی کے اشارۂ چشم پر ہوتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا ایسے انداز سے کہ اس کا توڑ کسی طرح بھی آسان نہیں تھا ۔

اور یہ یحییٰ بن خالد برمکی بھی اکیلا اور تنہا نہیں تھا!

اس کے چار بیٹے تھے :

(۱) فضل بن یحییٰ بن خالد برمکی

(۲) جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی

(۳) محمد بن یحییٰ بن خالد برمکی

(۴) موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی۔

ان چاروں میں سے ہر ایک بغداد میں مرتبہ قیادت و ریاست پر فائز تھا ۔ اور مملکت کا جانب شرق تو گویا تمام تر اسی کے قبضے اور تصرف میں تھا ۔

شک اور یقین کا درمیانی وقفہ

ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب رشید نے اپنے ان وزرا کے خلاف مہم سر کرنے کی تدبیر سوچنا شروع کیں ؟ اور کب پردۂ غفلت اس کی آنکھوں پر سے ہٹا ؟

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان امور خطیرہ میں سے وہ کون سا امر تھا جو رشید کے لیے مہمیز ثابت ہوا اور اس کامل اعتماد ، اور محبت کے بعد جو اس کے دل میں ان لوگوں کی تھی ، شک و شبہہ اور حذر و

خطر کا موجب بنا ۔

لیکن حوادث اور روایات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ رشید ایک عرصہ دراز تک برامکہ سے متعلق شک اور یقین کے درمیان سرگراں رہا ۔ کبھی خوش ہو جاتا ، کبھی برہم نظر آتا ، اس نے کامل راز داری اور خاموشی سے اس باب میں کام لیا اور ان کے بارے میں جو اطلاعیں اور خبریں سنی تھیں ذہنی طور پر ان کی چھان پھٹک کرتا رہا ۔ اس کے خاص خاص لوگوں کے کانوں تک جو پہنچا کرتی تھیں وہ انہیں سنتا تھا ، لیکن کوئی اقدام کرنے میں متامل تھا ۔ اگرچہ اس کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس نے ایک خاص سمت اختیار کر لی تھی ۔ مثلاً ، اگر کسی ایسی آباد اور بارونق بستی میں اس کا گذر ہوتا جو برامکہ کی ملکیت ہوتی اور جہاں ان کا سکہ رواں ہوتا تو بے ساختہ کہہ اٹھتا :

''ہم نے ان لوگوں (برامکہ) کا دامن سیم و زر سے بھر دیا لیکن اپنی اولاد اور متعلقین کو فقیر کر دیا !''

اگر ان میں سے کسی کی سواری پر اس کی نظر پڑتی تھی تو اس کے منہ سے نکلتا :

''ذرا ان کی سواری کا جاہ و جلال اور شان و شوکت تو دیکھو ، اور یہ بھی دیکھو کہ کس ٹھاٹھ سے ان کا کوکبۂ جلال گذر رہا ہے اور ہماری گویا کوئی حیثیت ہی ان کے سامنے نہیں ۔''

دریائے دجلہ کے کنارے اپنے قصر خلد میں جب بیٹھتا تو لگا تار اس کی آنکھوں کے سامنے سے وہ وفود گذرتے رہتے جو برامکہ کی ڈیوڑھی پر ہجوم اور قطار لگائے رہتے ، ایسے موقع پر اس کی زبان سے جو الفاظ نکلتے وہ یہ ہوا کرتے تھے :

''میں تو بالکل ہیچ ہو کر رہ گیا ہوں ، سب کچھ یحییٰ کے ہاتھ میں ہی ہے ۔ خلافت دراصل وہ کر رہا ہے ، میرے قبضے میں تو دراصل جو کچھ ہے وہ خلافت کا نام ہے[1]''!

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۱۲۵ -

جب کبھی کوئی اچھا شعر برامکہ کی مدح میں سنتا تو یہ کہنے سے باز نہ رہتا:

"اصل مدح تو یہ ہے، شعرا کے پاس اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہمارے لیے کہیں؟"

رشید کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں

ہارون رشید کے منہ سے نکلی ہوئی یہ باتیں، جو وہ اپنے مخصوص لوگوں کے سامنے کہتا تھا، برامکہ کے کانوں تک بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ جایا کرتی تھیں، وہ یہ باتیں سن کر اور زیادہ اپنے تحفظ اور زر اندوزی کی فکر میں مبتلا ہو جاتے۔ وہ اس کے بارے میں شک و شبہہ میں مبتلا ہو جاتے اگرچہ اب تک اس نے کوئی سخت قدم اٹھانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔

یہ (برامکہ) لوگ مخالفت اور سازش کے اس دور میں مخبروں، آوردوں، عزیزوں اور خاندان والوں کو رشید کے پاس بھیجا کرتے تھے کہ یہ جا کر ان کے متعلق باتیں کریں اور دیکھیں کہ اس کی فکر کا رخ کیا ہے؟ اور وہ جو کچھ اس سے سنیں اس کا ایک ایک لفظ آ کر سنا دیں، تاکہ اس کی رائے اور فکر کا اندازہ ہو سکے۔ چنانچہ انھیں جب خبر ملتی کہ کوئی شخص در پردہ ان کا مخالف اور دشمن ہو گیا ہے اور پہلے کی طرح وفا دار اور نیاز مند نہیں رہا۔ چنانچہ جب انھیں یقین ہو جاتا کہ خبر واقعی سچ ہے تو یہ اس کے خلاف اپنا جال پھیلانا شروع کر دیتے اور کسی نہ کسی طرح سے اسے اپنے جال میں جکڑ لیتے اور پھر اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔ ہمارا خیال ہے برامکہ کی نکبت و ہلاکت اور بربادی کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی کارفرما ہے۔

خراسان سے برامکہ کی امیدیں

اقلیم خراسان کو اور اس سے ملحقہ علاقوں کو برامکہ اپنا گروہ سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہاں ان کو غیر معمولی طور پر اثر و نفوذ حاصل ہے۔ عنصری اور قومی تعلق کی بنیاد پر وہاں کے لوگوں نے ان کی قیادت اور سربراہی دل و جان سے قبول کر لی تھی اس لیے کہ فارسی تربیت

ایسے بیگ و بار کبھی نہیں لاتی تھی ، جیسے آج کے زمانے میں ۔ یہاں ان کے جو اتباع و انصار تھے ، وہ بھی معروف لوگ نہیں تھے ، صاحب قوت و حشمت اصحاب تھے ، جو ان کے اشارۂ چشم پر سب کچھ کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے ۔

رشید اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھا ، بلکہ اچھی طرح باخبر تھا ۔ خراسان کے حالات سے وہ دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ واقف تھا ؛ کیونکہ یہیں وہ پیدا ہوا تھا ، اور یہاں کا سفر متعدد مرتبہ وہ کر چکا تھا اور یہاں سے ربط و تعلق برابر رکھتا تھا ۔

۱۷۸ھ میں جب رشید نے فضل بن یحییٰ برمکی کو مملکت کے شرقی حصے کا گورنر بنایا —— جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں —— تو اس نے فضل کو اس کی ولایت میں روانہ کر دیا ، اور خراسان کو اس کا صدر مقام قرار دے دیا ۔

ایک سال سے کچھ زیادہ مدت تک وہیں فضل کا قیام رہا ، اس نے ایک امیر مطلق کی زندگی یہاں بسر کی ، وہ بالکل خود مختار تھا ، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا یا روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا ، یہاں کے دوران قیام میں اس نے مختلف اور متعدد قسم کے کارنامے انجام دئیے جن میں سے بعض اچھے تھے بعض برے ۔

فضل بن یحییٰ برمکی نے دوران قیام خراسان میں سب سے زیادہ خطرناک کام جو کیا وہ یہ تھا کہ ایک جیش عظیم کی تنظیم کی ۔ اس جیش عظیم کا بہانہ اس نے یہ بنایا کہ حدود بلاد کے دفاع کے لیے اس جیش کی ضرورت ہے ، اس جیش کا نام اس نے ''عباسیہ'' رکھا تھا ، اس جیش کے لوگوں کے نام ایک خاص رجسٹر میں درج تھے اور انہیں مستقل مشاہرہ مسلمانوں کے بیت المال سے ملا کرتا تھا ۔ یہ پورا جیش واضح اور غیر مشروط طور پر آل برمک کے سوا کسی اور کا فرمانبردار نہیں تھا [1] ۔

جیش عباسیہ : ایک خطرہ

اس جیش کی خبریں برابر رشید کو پہنچا کرتی تھیں ؛ یہ تفصیلات

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۹۳ ۔

اسے صاحبِ برید (ڈاک) کے ذریعہ حاصل ہوتی تھیں ، رشید نے جب اس لشکر کو مرتب کرنے کی خبر سنی کہ آج تک اتنا بڑا لشکر اس مملکت میں کسی ایک مقام پر قائم نہیں کیا گیا تھا تو وہ اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہو گیا ۔ یہ بات اسے خاص طور پر بہت ناگوار گذری کہ اتنا بڑا اقدام اس کی اجازت اور مشورے کے بغیر کر لیا گیا ۔

لیکن وہ تادیبی یا منفی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا ۔

وہ بغداد میں مقیم تھا ، اور وہاں رہ کر خراسان کے اتنے بڑے لشکر کو ختم کر دینا اس کے لیے آسان نہ تھا ۔

جو برامکہ اس کی خدمت میں باریاب رہا کرتے تھے ان کے سامنے اس لشکر عظیم کی ترتیب و تنظیم سے متعلق، اس نے کسی اضطراب یا خوف و دہشت کا اظہار نہیں کیا ، اور کامل صبر اور خاموشی سے کام لیا ۔

اسی اثنا میں صاحب برید کا ایک دوسرا نامہ آیا ، جس میں فضل برمکی کے بعض تصرفات پر جرح و تنقید کی گئی تھی ۔

رشید نے یہ نامہ یحییٰ برمکی کے حوالے کر دیا ، اور اس سے کہا :

''اسے ملاحظہ فرمائیے ، اور اپنے صاحبزادے کو ایک خط لکھ کر نصیحت کیجئے کہ ایسی حرکتوں سے باز رہے!''

یحییٰ نے فوراً ہی فضل کو ایک خط لکھا اور اسے بہت سے امور میں ضروری اور مفید نصیحتیں کیں ، اس لشکر عظیم کی ترتیب و تنظیم کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں لکھا ۔

رشید نے حکمت و مصلحت سے کام لیتے ہوئے فضل برمکی کو اس کے منصب سے معزول یا برطرف تو نہیں کیا ، لیکن بعض اہم کاموں کی آڑ لے کر فوراً اسے بغداد میں حاضر ہونے کی ہدایت کی ۔

فضل بغداد واپس آتا ہے : شاندار استقبال

فضل برمکی کی سواری خراسان سے شان و شکوہ کے ساتھ روانہ ہوئی ، اس کے ساتھ جیش عباسیہ کا ایک دستہ بھی تھا ، جس میں دس ہزار عجمی

سپاہی تھے ۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان میں ایک بھی عرب نہیں تھا ۔

بہر حال فضل برمکی ، اس مسلح عجمی دستے کو ، راستے کا محافظ بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہؤا اور اپنی جگہ اپنے بھائی موسیٰ بن یحییٰ برمکی کو نامزد کر دیا ، یہ شخص (موسیٰ) بڑا دلیر اور جری تھا ، بہت سی جنگیں جھیل چکا تھا اور لوگوں میں اس کی شجاعت و شہامت مشہور تھی ۔

فضل کے استقبال کے لیے رشید بہ نفس نفیس اپنے کبار حاشیہ اور امرأ عاصمہ (پایۂ تخت) کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور بستان ابو جعفر میں پڑاؤ ڈالا ، یہاں تک کہ فضل کی سواری نمودار ہوئی ، رشید نے بے اندازہ مسرت کا اظہار کیا ، اسے گلے سے لگایا اور بوسہ دیا ۔ پھر شعرا اور خطبا کو ہدایت کی کہ وہ فضل کی شان میں نطق و کلام کے جوہر دکھائیں ۔ وہ تیار ہی بیٹھے تھے ، انہوں نے بے تامل تعمیل ارشاد شروع کر دی ، اس اجتماع نے ایک بہت بڑے ملکی تہوار کی صورت اختیار کر لی ، اس سے قبل کسی وزیر کا اس شان اور جاہ و جلال کے ساتھ استقبال نہیں ہؤا تھا ۔

اسی موقع پر مروان بن ابی حفصہ نے ایک شاندار قصیدہ پڑھا ، جس میں برامکہ کے مجد و شرف کو سراہا اور جیش عباسیہ کے کارنامے کو بھی خوب داد دی ،

مروان بن ابی حفصہ نے کہا :

ما الفضل الاشهاب لا أفول له
عن الحروب اذا ماتاًفل الشهب
حام على الملک قوم غرّ سهمهم
من الوراثة فی أید بهم سبب
أمست ید لبنی خامی الجحیج بها
کتائب مالها فی غیر هم أرب

کتائب لبنی العباس قد عرفت
ما ألف الفضل منها العجم العرب
أثبت خمس سئین فی عداد هم
من الا لرف التی احصت لک الکتب

یعنی :

فضل ایسا شہاب ہے جس کے لیے غروب ہونا نہیں مقدر ہے
برعکس دوسرے شہابوں کے کہ وہ ڈوب جاتے اور گر جاتے ہیں
وہ حمایت کرنے والا ہے بادشاہ کی ، یہ ایسے لوگ ہیں جو
وراثت کے مستحق تھے لیکن اس سے محروم رہے
وہ لوگ جو حاجیوں کے ہمدرد تھے ، اس کے ممنون ہیں کہ
جس نے ان کے لیے لشکر جمع کیے جس سے اس کی کوئی ذاتی غرض
نہیں تھی ۔
یہ لشکر بنو عباس کے تھے جنھیں تو خوب پہچانتا ہے
جن کی فضیلت و بزرگی سے عرب و عجم واقف ہیں ،
تو نے پانچ لاکھ کا جائزہ ان لوگوں کے لیے مقرر کر دیا
جو کتابوں (رجسٹروں) میں مندرج ہے ۔

فضل برمکی نے شاعر کو ایک لاکھ درہم انعام کے طور پر مرحمت کیے[1] ۔

جیش عباسیہ کا ایک حصہ بغداد میں

یہ استقبالیہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ختم ہوا ، رشید نے بڑی مہارت کے ساتھ اپنے جذبات کو برامکہ اور عوام پر فاش نہیں ہونے دیا ، بلکہ اس فکر میں رہا کہ یہ عجمی لشکر جو راستے کی حفاظت کے بہانے فضل اپنے ساتھ لایا ہے ، کسی طرح جلد از جلد بغداد سے خراسان واپس چلا جائے ۔

لیکن برامکہ اس لشکر گراں کو واپس لے جانے کے لیے نہیں لائے تھے ، بلکہ وہ اسے اپنا تابع اور فرمانبردار بنا کر قلب بغداد میں رکھنے

---

۱ ۔ الطبری : جلد ۳ ، صفحہ ۳۶۳ ۔

کا منصوبہ بنا چکے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے رصافہ کی چھاؤنی کے قریب ایک بہت بڑا قطعۂ زمین اس لشکر کے لیے حاصل کیا اور اسے وہیں ٹھہرایا ۔ بغداد کے لوگ 'جیش عباسیہ' کے اس حصے کو بعد میں 'کرسینیہ' کے نام سے یاد کرنے لگے تھے[1] ۔

اس فوج کو بغداد میں قیام کیے ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ اس کا ایک بڑا حصہ ، قصر خلد میں — جو ہارون رشید کی اقامت گاہ تھا — متعین کر دیا گیا اور اس کا مقصد یہ بتایا گیا کہ رشید کی اور اس کے جان و مال کی حفاظت کے لیے اسے متعین کیا گیا ہے[2] ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہم بیان کر چکے ہیں ۔

تنظیم جیش عباسیہ کے خطرات

حد درجہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض مؤرخین اس عظیم اور اہم ترین واقعے سے جس کی تائید ادبی اور تاریخی مخطوط سے ہوتی ہے ، بحث و گفتگو کیے بغیر خاموشی سے گذر گئے ہیں ، حالانکہ اس کی صحت اور واقعیت ہر طرح کے شک و شبہہ سے بالا ہے ۔

اسی طرح بعض دوسرے مؤرخین ایسے ہیں جنھوں نے برامکہ کے اس خطرناک اقدام — تنظیم جیش عباسیہ — کو ذرا اہمیت نہیں دی ہے اور اسے یکسر نظر انداز کر دیا ہے ۔ جیسے یہ ایک بالکل معمولی بات تھی ، جس پر بحث و گفتگو کرنا غیر ضروری تھا ، نہ ان کی نظر میں ، رشید اور اس کے وزرا کے مابین تعلقات کی تلخی ، باہمی بدگمانی اور بغض و عناد کی کار فرمائی میں اسے کچھ دخل تھا ، یعنی اس تنظیم جیش عباسیہ کو وہ برامکہ کی ہلاکت اور بربادی کا سبب قرار دینے کو تیار نہیں ہیں ۔ حالانکہ ہماری رائے میں ان کی ہلاکت اور بربادی و نکبت کا سب سے اہم اور

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۶۳ ۔
طبری نے اس فوج کا نام کربنیہ لکھا ہے ، لیکن دوسرے ماخذوں میں اسے کرسینیہ لکھا ہے ۔ اور یہی صحیح ہے ۔

۲ ۔ زینۃ المجالس (فارسی) ، صفحہ ۱۷۳ ۔
الاغانی ، جلد ۱۳ ، صفحہ ۸۰ ۔

بڑا سبب یہی اور صرف یہی تھا۔

جو شخص گہری نظر سے اس خطے کے حالات و کوائف پر نظر ڈالے گا، وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہے گا کہ درحقیقت یہ ایک بہت بڑا مسلم انقلابی اقدام رشید اور اس کی حکومت کے خلاف تھا، جس نے رشید اور خلافت عباسیہ کو پورے طور پر برامکہ کے دست تصرف میں دے دیا تھا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کہا جا سکتا ہے:

''یہ ایک حقیقی اور دور رس نتائج کا حامل انقلابی اقدام تھا، جس نے اہل فارس اور عربوں کے درمیان سخت ترین کشمکش پیدا کر دی، اتنی شدید کہ فتح اسلامی سے لے کر اب تک اس کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی تھی، کیونکہ فی‌الواقع عنصر عربی کی سیادت اور فارسی عناصر کے سامنے ہارون رشید کے گھٹنے ٹیک دینے کے مابین کوئی چیز بھی باقی نہیں رہ گئی تھی، سوا برامکہ کے غضب و اشتعال کے، چند لمحے کے اندر رشید پر اس کے نگہبان قابو پا سکتے تھے اور 'کرسینیہ فوج' چند ساعات کے اندر شہر بغداد میں داخل ہو سکتی تھی، اس کے بعد امرا جیش عباسیہ خراسان سے اقدام کرتا ہوا، دوسرے اقالیم دولت کو گھیرے میں لے سکتا تھا — اس صورت میں عربوں کا حشر کیا ہوتا؟ وہ کیا کرتے؟ کہاں جاتے؟ کیا ان میں اتنی سکت تھی کہ وہ اس لشکر قاہرہ کے سامنے ٹھہر سکتے، جس سے بڑھ کر اب تک کوئی جیش ساری مملکت میں ترتیب نہیں پا سکا تھا؟''

برامکہ بغاوت کا فیصلہ کر چکے تھے

اگر آل برمک فارسی نفوذ کے تسلط کا ساری مملکت پر فیصلہ کر لیتے اور اہل فارس کا حکم چلنے لگتا تو یحییٰ برمکی کے انداز و اسلوب کے پیش نظر یہ بات کچھ بعید بھی نہ تھی[1]۔

لیکن وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے، نہ ان کا یہ مقصد تھا، ان کے لیے زیادہ سہل اور آسان طریقہ یہ تھا کہ علوی یا طالبی حکومت

۱۔ الاغانی، جلد ۱۱، صفحہ ۹۳۔

کا کھڑاگ کھڑا کر دیتے ۔

اور اس سے بھی زیادہ آسان اور سہل صورت یہ تھی کہ رشید کو معزول کر دینے پر اکتفا کرتے ۔ اور امرا بنی عباس میں سے اپنی مرضی اور پسند کے کسی آدمی کو مسند آرائے خلافت کر دیتے ۔ جعفر برمکی نے رشید کے ایک خاص آدمی سے بڑی سچی اور بڑے پتے کی بات کہی تھی اور اس وقت ونور غضب سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا ، اس نے کہا تھا :

"خدا کی قسم اگر رشید نے ہمیں ایسی باتوں پر مجبور کیا جو ہماری مرضی اور پسند کے خلاف ہیں تو ہم اس کے لیے وبال سریع بن کر اس کے چھکے چھڑا سکتے ہیں[۱]" !

بہر حال ان اقدامات و حرکات سے برامکہ کا مقصد کچھ بھی رہا ہو ، کیونکہ بہت سے احتمالات پیدا ہو سکتے اور پیدا کیے جا سکتے ہیں ، لیکن رشید کا موقف ، اس کی تاریخ حیات کا سب سے خطرناک اور مہلک موقف تھا ، اس عظیم ترین خطرے اور انقلابی تیاریوں کے مقابلے میں ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ رشید اس وقت جس طرح ہجوم مصائب میں گھرا ہؤا تھا ، اسے ان ہجوم مصائب سے کوئی نسبت نہیں تھی ، جن سے اس کے دادا ابو جعفر منصور کو اپنے دشمن ابو مسلم خراسانی کے مقابلے میں عہدہ برآ ہونا پڑا تھا ، وہ اپنے پایہ تخت میں ہر طرح سے محفوظ و مامون تھا ، اس کے اردگرد عرب سپاہ اور عرب سپہ سالاروں کا ایک جم غفیر تھا ۔ جب بھی وہ اس خراسانی (ابو مسلم) دشمن کی سرکوبی کرنا چاہتا ، چند لمحوں کے اندر اپنی سپاہ اور اپنے سپہ سالاروں کو آمادۂ حرب و ضرب کر سکتا تھا ۔

لیکن رشید کی حالت بالکل برعکس تھی!

رشید کا حال تو یہ تھا جیسے وہ ایک شیر ببر کے سامنے یکہ و تنہا اور غیر مسلح کھڑا ہے اور اس کے سامنے سے بھاگ جانے کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں ۔ اور ہر آن یہ دھڑکا لگا ہؤا ہے کہ نہ جانے

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۱۱ -

کب یہ وحشی درندہ جنپٹ پڑے اور کام تمام کر دے۔

اگر مؤرخین کے نزدیک ابو جعفر منصور، مسلم خراسانی کو قتل کر دینے اور اس کی جان لینے میں حق بجانب تھا اور خود اس کی سلامتی اور تحفظ کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ملک و ملت کی سلامتی کا راز بھی اسی میں مضمر تھا کہ پہل کرے اور فوراً اس کا خاتمہ کر دے، تو رشید کو برامکہ کی ہلاکت کی اور بربادی کے سلسلے میں اور زیادہ چھوٹ ملنی چاہیے، اس لیے کہ اس نے جو کچھ کیا، وہ محض دفاع تھا — حالانکہ منصور کے اقدام کو دفاع نہیں قرار دیا جا سکتا۔ وہ ایک خالص احتیاطی اور انتقامی اقدام تھا — رشید نے برامکہ کے خلاف جو کچھ کیا، وہ صرف اپنے بچاؤ کے لیے ہی کیا، بلکہ اپنی حکومت، خلافت اور مملکت کو بچانے کے لیے بھی کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا یہ دفاع عرب قومیت کی سیادت اور سر بلندی کا بھی دفاع تھا، جو کچھ عرصے سے مائل بہ زوال و انحطاط ہوتی چلی جا رہی تھی!

رشید کا فیصلہ

رشید کی جرأت و ہمت : ''تخت یا تختہ''

رشید برائے نام خلیفہ رہ گیا تھا

فضل بن یحییٰ برمکی کے استقبالی رسومات سے فارغ ہو کر رشید بستان ابو جعفر سے بغداد واپس آیا ، اس کے دل میں ہزاروں اندیشے نشیمن بنائے ہوئے تھے اور اس کے دماغ میں اضطراب اور افکار سے ہلچل مچی ہوئی تھی - وہ دو پریشانیوں میں گرفتار تھا -

ایک تو یہ کہ برامکہ نہ جانے کب اس پر حملہ کر بیٹھیں ، اس خیال نے خوف اور دہشت کی صورت اختیار کر لی تھی ، اگر برامکہ ایسا کر گزرے تو اس کے نتائج و عواقب کیا ہوں گے ؟

دوسرا جذبہ جو اسے اکسا رہا تھا وہ تھا حوصلے اور ولولے کا جذبہ - وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتا ، بزدل کی موت نہیں مرنا چاہتا ، وہ اپنے دست و بازو سے کام لینا چاہتا تھا ، وہ ابو جعفر منصور کی طرح کچھ کر گزرنا چاہتا تھا ، لیکن احتیاط اور دور اندیشی کے ساتھ !

وہ ساری رات جاگتا رہا ، جس پہلو کروٹ بدلتا ، ایک نیا خطرہ ، ایک نئی فکر سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ، بار بار ایک ہی چیز اس کے سامنے بھیانک اور اذیت دہ صورت میں نمودار ہوتی تھی ، بس ایک ہی بات تھی ، جس نے گویا دوام و استقلال کی صورت اختیار کر لی تھی -

یہ کہ :

''وہ خلیفہ ضرور ہے لیکن برائے نام !''

دشمن جو معاملات و امور پر اچھی طرح قابض اور متصرف ہیں وہی سب کچھ ہیں ، اس کے پاس ایک ہی چیز ہے ، ــــــ نام !

یہ خراسان ہے ، جو اپنی قومیت کی تجدید و احیاء کے لیے بیدار ہو چکا ہے، اور مسلح ہو کر میدان میں اتر رہا ہے ۔

اور یہ عرب ؟

یہ خواب خرگوش میں مبتلا ہیں !

اہل فارس کی کارفرمائیوں اور حکمت عملیوں نے انھیں ضعیف و ناچار کر دیا ہے ۔

دوست بنی عباس نے بھی انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے ۔

کبھی کبھی ذرا کے ذرا چونکتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں ۔

اور یہ بغداد ؟

یہ تو خالص برمکی شہر ہو گیا ہے ۔ یہاں کا ہر معاملہ ، ہر مسئلہ ، ہر چیز انھی کے دست تصرف میں ہے ، جو چاہیں کریں ۔

یہاں ان کی سوج در سوج سپاہ ہے ۔

یہاں ان کے حامی اور مددگار ہیں ۔

یہاں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو انھی کے بنائے ہوئے ہیں !

یہاں ان کے جو آوردے ، اعوان اور ایمان فروش ہیں ، سب ان کے لیے سرگرم کار ہیں ۔

حد یہ ہے کہ قصر خلافت تک ان کے مخبر اور جاسوس گوشے گوشے میں موجود ہیں ۔

انتہا یہ ہے کہ بنو عباس کی نمایاں اور سربرآوردہ شخصیتیں ان کی ثنا خواں ، مداح اور سوئد ہیں —— اور محب بھی !

اور جو لوگ برامکہ سے خصوصت رکھتے تھے ، ان کی قوت کا حال کیا تھا ؟ اور وہ کون تھے ؟

بس ایک عورت (زبیدہ) اور چند بنو ہاشم کے منچلے نوجوان !

یا کچھ شاعر اور ادیب !

یہ عرب قائدین فوج اور یہ رجال سیاست ، ان کی بھی بڑی تعداد برامکہ ہی سے ملی ہوئی تھی اور ان کے حامی اور ناصر تھے ۔ اگرچہ اس کے اسباب زیادہ تر شخصی تھے ۔

اس تمام گروہ میں بس تین آدمی ایسے تھے ، جن پر رشید اعتماد کر سکتا تھا ، جن کے سامنے دل کی بات زبان پر لا سکتا تھا ، جن سے وہ سب کچھ کہہ سکتا تھا جس کی کھٹک دل میں ہو رہی تھی ۔

اور یہ تین افراد کون تھے ؟

(۱) فضل بن ربیع ــــ حاجب ،

(۲) یزید بن مزید شیبانی ــــ قائد سپاہ ،

(۳) علی بن عیسیٰ بن ساہان ــــ فارسی[1] ۔

یزید بن مزید شیبانی سے رشید کی سرگوشیاں

رات ختم ہوئی ! ــــ صبح کی روشنی نمودار ہوئی !

رشید نے پہلا کام یہ کیا کہ یزید بن مزید شیبانی کو اپنے حضور میں طلب کیا ، بڑی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا ، پھر گویا ہوا :

"کیوں اے یزید ، کوئی ایسا عرب نہیں ہے جو آنکھ بند کر کے تمھارے اشارۂ چشم پر چل سکے ؟"

یزید نے سوال کیا :

"امیرالمومنین ، آخر بات کیا ہے ؟"

رشید نے جواب دیا :

"مجھے ایسا شخص چاہیے جو یحییٰ بن خالد کی گردن قلم کر دے !"

یزید بن مزید شیبانی نے بڑی آمادگی اور مستعدی کے ساتھ عرض کیا :

"میں اسے قتل کر دوں گا اور اس کا سر لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا !"

رشید گویا ہوا :

"نہیں میں اس طرح نہیں چاہتا ، میں تو ایک ایسا آدمی چاہتا ہوں ، جو یحییٰ برمکی کو قتل کر دے اور پھر یحییٰ کے قتل کے جرم میں میں اسے قتل کر دوں[2] ۔

---

۱ ۔ فارسی بھی ؟ (مترجم)

۲ ۔ نثر المنصور بن الحسین الابی (قلمی نسخہ) جلد ۳ ، صفحہ ۸۲ ــــ نیز ملاحظہ ہو ، "برامکہ فی ظلال الخفاء" ۔

یحییٰ کو کسی نہ کسی طرح قتل کرنے کا جو بے قرار جذبہ ہارون کے دل میں طوفان بپا کیے ہوئے تھا ، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ باور کر چکا تھا کہ تمام دراندازیوں کا اصل موجب اور محرک اور قوت فاعلہ و مدبرہ صرف یحییٰ برمکی تھا ۔

ایک مرتبہ پھر ہارون رشید نے فضل بن ربیع کو اپنے حضور میں طلب کیا ، بڑی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا ، پھر گویا ہوا :

''سچ کہنا ، کل اپنے بھائی فضل بن یحییٰ برمکی کا جو استقبالیہ میلہ ہوا تھا ، وہ کیسا رہا ؟

فضل بن ربیع حاجب نے جواب دیا :

''یہ سب امیرالمومنین کی کرم گستری اور بندہ نوازی کا کرشمہ تھا !''

ہارون نے سوال کیا :

''وہ اسلحہ بھی تم نے دیکھے جو وہ اپنے ساتھ خراسان سے لایا ہے ۔''

فضل بن ربیع حاجب نے عرض کیا :

''جی ہاں خراسان سے آئے ہیں اور میں نے دیکھے ہیں !''

رشید نے پھر سوال کیا :

''جیش عباسیہ کی جو سپاہ وہ اپنے ساتھ لایا ہے ، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟''

فضل بن ربیع حاجب نے جواب میں کہا :

''امیرالمومنین کا وجود ہمارے لیے امن و سلامتی کی ضمانت ہے !''[1]

رشید کچھ بھڑک سا گیا ، کہنے لگا :

''خدا تجھے غارت کرے ، تو بھی کہاں کی بات کہاں لے گیا !''[1]

رشید کی وضع احتیاط

رشید کو اب صرف ایک ہی فکر تھی کہ جس طرح ممکن ہو جیش

---

۱ - المقریزی ، صفحہ ۶۳ ۔

عباسیہ کو جلد از جلد ، منتشر کر کے ختم کر دے ، جو خراسان میں ایک خطرناک قوت بن گیا تھا اور برامکہ نے وہاں جو حشمت و شوکت اور قوت و طاقت حاصل کر لی تھی ، اسے زیادہ سے زیادہ کمزور کر دے اور ان کے جو اعوان و انصار تھے ، انہیں بے بس کر دے ، قبل اس کے کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں ، دشمن کامیابی کی منزل تک پہنچ جائے اور مشکلات میں مزید اضافہ ہو جائے ، کہ پھر ان کا کوئی تدارک نہ ہو سکے ۔

رشید نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ جو کچھ کرے گا ، در پردہ کرے گا ، اپنے ارادے کو فاش نہیں ہونے دے گا !

اور پیش آمدہ نتائج سے اندازہ ہوتا ہے کہ دل کی بات چھپائے رکھنے میں اور اپنے راز کو فاش نہ ہونے دینے میں وہ غیر معمولی کمال رکھتا تھا ، اسی طرح ظاہر داری اور تصنع کو بھی اس خوبی سے نبھاتا تھا کہ اس پر اصل کا دھوکا ہوتا تھا اور بڑے سے بڑا زیرک بھی مبتلا فریب ہو جاتا تھا ، اپنے سخت ترین عتاب پر خوشنودی مزاج کا نقاب اس خوبی سے ڈالتا تھا کہ کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے دل پر کیا گذر رہی ہے اور آئندہ اقدام و عمل سے متعلق وہ کیا سوچ رہا ہے ؟ حالات اور مصالح کے تقاضے کے مطابق وہ کام کرنا خوب جانتا تھا ۔

رشید کا ایک مدبرانہ فیصلہ

رشید نے اس سلسلے میں پہلا جو قدم اٹھایا ، وہ یہ تھا کہ فضل بن یحییٰ برمکی کو خراسان کی ولایت سے معزول کر دیا ، البتہ اسے طبرستان اور ردیان کی ولایت (گورنری) پر باقی رکھا ۔ کچھ عرصے بعد طبرستان اور ردیان کی گورنری سے بھی الگ کر دیا ، اسے کوئی ذمے داری نہیں سونپی اور عملاً معطل کر دیا[1] اور اس کے بھائی جعفر برمکی کو اس کی جگہ ۱۸۰ھ (مطابق ۷۹۶ع) یہ گورنری عطا کر دی ۔

اس منصب پر فائز ہونے کے بعد جعفر برمکی نے خراسان جانے کا ارادہ کیا ، لیکن رشید نے کچھ ایسے اسباب و علل سفر کے سلسلے میں

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۲۷ ۔

پیش کیے کہ وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا ، یعنی خراسان نہ جا سکا ۔

جعفر کی گورنری کو ابھی صرف بیس دن کی مدت گزری تھی کہ اسے بھی معزول کر دیا اور وزیر بنا کر اسے اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی جگہ عیسیٰ بن جعفر عباسی کو گورنری کا منصب سونپ دیا ۔ یہ شخص زبیدہ کا بھائی تھا ، اس تقرر کے خلاف لب کشائی کرنے کی جرأت جعفر برمکی کہاں سے لاتا ؟ جب کہ وہ جانتا تھا کہ عیسیٰ بن جعفر کا مقام اور رتبہ کیا ہے ؟ اور وہ اپنی قوم میں کس درجہ بلند مقام رکھتا ہے اور اس تقرر میں بہ ظاہر برامکہ کے لیے کوئی اندیشے کی بات بھی نہیں تھی ، اس لیے کہ اس سے انہیں کوئی خطرہ نہ تھا ۔

رشید کی یہ تدبیر حکمت اور مصلحت کے عین مطابق تھی ۔

اس نئے تقرر کے خلاف برامکہ نے کسی طرح کے غیظ و غضب کا اظہار نہیں کیا ، اگرچہ ایک بڑی اقلیم کی گورنری ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی ، جہاں انھوں نے حد سے بڑھ کر اپنا اقتدار و اختیار بڑھا لیا تھا ۔

اگر رشید نے فوری طور پر عیسیٰ بن جعفر عباسی کے علاوہ کسی اور شخص کو اس منصب پر مامور کیا ہوتا تو یہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا جو ہوا ، کہ مبادا کوئی دوسرا شخص ایسا ہوتا جو ان کے ارادے سے واقف ہو جاتا اور خلیفہ تک ایک ایک بات پہنچا دیتا اور اس کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل پیرا ہو کر ان کے نقصان و زیان کا باعث بن جاتا ۔

علی بن عیسیٰ بن ماہان : برامکہ کا دشمن جان

چند ماہ اسی طرح گذر گئے اور عیسیٰ بن جعفر عباسی گورنری کے منصب پر فائز رہا ۔

اس عرصے میں رشید نے برامکہ پر لطف و کرم اور عنایت و نوازش کی بارش شروع کر دی اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا ۔

اس طرح موقع سے رشید نے جب پوری طرح فائدہ اٹھا لیا ، تو

عیسیٰ بن جعفر عباسی کو ولایت سے معزول کر دیا اور اس کے بجائے علی بن عیسیٰ بن ماہان کو یہ منصب سونپ دیا ۔

یہ علی بن عیسیٰ بن ماہان آل برمک کا بد ترین دشمن اور عدوے جان تھا ، اس لیے کہ ان لوگوں نے اسے سرکاری مناصب سے ہمیشہ اپنے مصالح کے تحت دور رکھا تھا ۔ جس دن سے رشید مسند آرائے خلافت ہؤا ، اس دن سے آج کے تقرر تک اسے کوئی منصب صرف اپنا برمک کی در اندازیوں اور دسیسہ کاریوں کے باعث نہیں مل سکا تھا —— جن کی ضروری تفصیل آگے آئے گی !

یہ بالکل فطری اور قدرتی بات تھی کہ اس تقرر کو برامکہ اپنے لیے ایک چیلنج اور خطرہ سمجھنے اور اس کے خلاف برہمی اور خاموشی کا اظہار کرتے ۔ چنانچہ ایسا ہؤا بھی ، وہ لوگ رشید کے پاس حاضر ہوئے اور اس تقرر کو غلط اور غیر مناسب اور مملکت کے لیے ضرر رساں ثابت کرنے لگے اور رشید کو ڈرانے لگے کہ یہ شخص —— ابن ماہان —— نہایت کوتاہ اندیش اور غلط کار شخص ہے ، اتنی بڑی ذمے داری نہیں سنبھال پائے گا ۔

پھر انھوں نے بہت سے نام رشید کے سامنے پیش کیے کہ ان میں سے کسی کو یہ منصب سونپ دیا جائے اور یہ نام معمولی لوگوں کے نہیں تھے ، ان میں زیادہ تر عباسی خاندان کے لوگ تھے اور جو رشید کی نظر میں وقعت اور عزت رکھتے تھے اور اس کے خاص لوگوں میں شمار ہوتے تھے ۔ حد یہ ہے کہ ابن ماہان کو راستے سے ہٹانے کے لیے انھوں نے ایسے نام پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ، جو آل برمک کے مخالف اور معاند تسلیم کیے جاتے تھے ۔

رشید نے یہ ساری باتیں بڑی توجہ اور غور سے سنیں اور دوران سماعت میں اپنا طرز عمل ایسا رکھا جیسے ان کی باتوں کو بہت وزن دے رہا ہے ۔ پھر بڑی بے بسی کے ساتھ کہنے لگا :

"یہ تو ٹھیک ہے ، لیکن بات یہ ہے کہ ابن ماہان اہل فارس میں سے ہے ، جس اقلیم کا ہم نے اسے گورنر بنایا ہے ، وہاں کے حالات

و کوائف کو جس خوبی سے یہ سمجھ سکتا ہے ، کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اور پھر ایک بات اور بھی ہے ، ہم اب تک اس غریب کے ساتھ کچھ نا انصافی سی کرتے چلے آ رہے ہیں ، کسی منصب پر بھی اسے فائز نہیں کیا آج سے پہلے ، اب ہم تلافی بھی کرنا چاہتے ہیں ، اور اس شخص کا تجربہ بھی کر لینا چاہتے ہیں ، اگر اس کے بارے میں آپ کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تو فوراً معزول کر دیں گے ، یہ ایک بالکل معمولی سا اقدام ہوگا !

ابن ماہان خراسان میں

علی بن ماہان بڑی سرعت کے ساتھ اپنے مرکز عمل ـــ خراسان ـــ پہنچا ، خراسان جانے کے بعد اس نے پہلا کام جو کیا ، وہ یہ تھا کہ جیش عباسیہ کے ذرائع آمدنی بند کر دیے اور اس طرح بغیر کسی شورش اور ہنگامہ آرائی کے حیرت انگیز طور پر یہ جیش ختم ہو گیا اور برامکہ کے اعوان و انصار اور گرگوں پر ایک طرح سے اوس پڑ گئی ۔ علی بن ماہان نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ برامکہ کے اتباع و انصار کے سربرآوردہ لوگوں میں سے بعض کو قتل کر دیا اور جو باقی بچے ، انہیں سمرقند ، رے اور مرو وغیرہ میں منتقل کر دیا ۔ اب خراسان میں برامکہ کا دم بھرنے والوں میں سے ایک بھی باقی نہ رہ گیا ، سب ہی کا اس نے قلع قمع کر کے رکھ دیا ، پھر اس نے بہت سا مال جمع کیا اور رشید کی خدمت میں روانہ کر دیا ۔

یحییٰ برمکی کو علی بن ماہان کی یہ کارگزاری پسند نہیں آئی ، اس نے رشید سے یہ خبر سننے کے بعد کہا :

"یا امیرالمومنین ، میرا خیال ہے کہ یہ ہدایا (اموال) جو ابن ماہان نے خدمت عالی میں ارسال کیے ہیں ، یہ خراسان کے اشراف و اعیان پر ظلم و جور کے ذریعے حاصل کیے گئے ہیں ، اتنی بڑی رقم صرف ستم اور تعدی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ اگر امیرالمومنین اجازت

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٤٤ ۔

دیں تو اس سے کئی گنی زیادہ رقم صرف کرخ[1] کے بعض تاجروں سے میں چٹکی بجاتے میں پیش کردوں ؟ لیکن یہ ظاہر ہے ، یہ چیز ان پر گراں گزرے گی——!"

رشید خاموش رہا ، اس نے کوئی جواب نہ دیا اور یحییٰ شرمندہ ہو کر رہ گیا[2] ۔

ابن ماہان کی شکایت

کچھ عرصے کے بعد ایک ایسا واقعہ رونما ہؤا ، جو برامکہ کے حسب منشا تھا ، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس میں ان کا ہاتھ بھی تھا ۔ ہؤا یہ کہ خراسان کے اکابر و اشراف کی طرف سے رشید کے پاس ابن ماہان کے خلاف شکایت نامہ پہنچا ، جس میں ان لوگوں نے بتایا تھا کہ اس شخص نے خراسان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ، وہاں کے اعیان و اشراف کو ذلیل کرنا اس کا شیوہ بن گیا ہے ۔ وہاں کے باشندوں سے از راہ ظلم و ستم خوب خوب مال وصول کرتا ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں نے یہ شکایت بھی اس سے اور دوسروں سے کی کہ ابن ماہان نہ صرف یہ کہ خراسان کے لوگوں کے ساتھ بد ترین سلوک کر رہا ہے بلکہ وہ بد ترین سیرت کا شخص بھی ہے ۔ خبث باطن اس کی سرشت ہے ۔ مذہب کے اعتبار سے بھی ناقص اور نکما ۔

ان لوگوں نے یہ شکایت کرنے کے بعد امیرالمومنین سے استدعا کی تھی کہ ابن ماہان کے بجائے ان پر کسی ایسے شخص کو حاکم بنایا جائے جو امیرالمومنین کے مقربان بارگاہ میں سے ہو یا ان کے مخصوص انصار میں سے ، یا حکومت کا کوئی نہایت ممتاز اور باوقار شخص ہو ، اور اگر کوئی قائد سپاہ ہو تو کیا کہنا ۔

رشید نے اس شکایت نامے کے بعد ابن ماہان کو بغداد طلب کیا

---

۱ - کرخ بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے ۔ جو تقریباً نصف شہر پر مشتمل تھا اور حد درجہ آباد و بارونق ۔

(مترجم)

۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۲۸ ۔

تاکہ اس کا محاسبہ کرے — اور ہمارا یہ خیال ہے کہ اس کا یہ اقدام برامکہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے محض لیس پوت کے طور پر تھا — !

ابن ماہان خراسان سے چل چکا تھا اور ابھی بغداد نہ پہنچا تھا کہ رشید نے ایک دن یحییٰ برمکی سے سوال کیا :

''اگر ابن ماہان کے خلاف عائد کردہ الزامات درست ثابت ہوئے تو تمہارے خیال میں اس منصب کے لیے موزوں ترین شخص کون ہو سکتا ہے ؟''

یحییٰ برمکی نے بھانپ لیا کہ رشید کا اصل مدعا کیا ہے ؟ اس نے کہا : یزید بن مزید شیبانی سے زیادہ موزوں اور بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا[۱] ۔

ابن ماہان کا تقرر بحال رہا

ابن ماہان ۱۸۳ھ (مطابق ۷۹۹ع) وارد بغداد ہوا اور اپنے ساتھ چھکڑوں اموال و ہدایا بھی رشید کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لایا ، اس نے محسوس کر لیا تھا کہ گو (برامکہ کی دشمنی کی) آگ بجھ چکی ہے لیکن خاکستر میں اس کی چنگاریاں باقی ہیں اور ضرورت ہے کہ انھیں بھی سرد کر دیا جائے ، تاکہ اطمینان و یکسوئی نصیب ہو ، کیوں کہ برامکہ کا ہاتھ پردے کے پیچھے گردش کر رہا ہے اور اس تمام صورت احوال کی ذمے داری انہی پر ہے - وہ موسیٰ بن یحییٰ برمکی ہی ہے جس نے فارس کے دہقانوں کو نامہ و پیام کر کے اتنا ہموار کر لیا ہے کہ کسی وقت بھی انھیں ساتھ لے کر حکومت کے خلاف برسر جنگ ہو سکتا ہے اور اہل خراسان موسیٰ کی نہ صرف حد سے زیادہ عزت کرتے ہیں بلکہ اسے بے حد عزیز اور محبوب بھی رکھتے ہیں ۔ وہاں اس کے حامیوں ، دوستوں اور جاں نثاروں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے[۲] ۔ چنانچہ اس نے پہلی ہی ملاقات میں یہ بات رشید کے دل میں راسخ کر دی[۳] ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۳۱ -
۲ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۱۰ -
۳ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۱۸ -

رشید اور یحیٰی سے سوال جواب

ابن ماہان سے یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد رشید نے یحیٰی برمکی کو اپنے حضور میں طلب کیا ، وہ آیا تو پوچھا :

''موسیٰ تمھارا بیٹا کہاں ہے ؟''

یحیٰی نے جواب دیا :

''موسیٰ بے انتہا مقروض ہو گیا ہے اور اپنے قرض خواہوں سے جان بچاتا پھر رہا ہے ، کبھی یہاں ، کبھی وہاں ، میں بالکل نہیں جانتا، فی الوقت وہ کہاں ہے[1] ؟''

رشید کو یحیٰی کے جواب پر یقین نہیں آیا اور یہ بات اس قابل تھی بھی نہیں کہ اس پر یقین کر لیا جاتا ، عقل اسے باور کرنے پر تیار ہی نہیں ہو سکتی تھی ۔

بھلا یہ بات مانی جا سکتی تھی کہ یحیٰی جیسے شخص کا فرزند اور جعفر جیسی ہستی کا بھائی—جو زر و جواہر سے کھیلتے رہتے تھے—اس درجہ مقروض ہو جائے کہ ادھر ادھر بھاگتا پھرے ، جیسے تنگ دست اور بے مایہ لوگ قرض خواہوں سے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں ؟

اس جواب سے رشید کے دل میں یحیٰی اور اس کی اولاد سے متعلق مزید شکوک اور شبہات پیدا ہوگئے اور ابن ماہان کی فراہم کردہ اطلاعات پر اس نے بالکل یقین کر لیا ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رشید نے نہ صرف ابن ماہان کا محاسبہ نہیں کیا ، بلکہ اسے اس کے منصب پر برقرار رکھا اور اسے چند مخصوص ہدایات و نصائح کا توشہ دے کر خراسان روانہ کر دیا ، جہاں وہ کئی سال تک ٹھاٹھ اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرتا رہا ، یہاں تک کہ ایک اور واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ، جس کا آگے چل کر ہم ذکر کریں گے ۔

ایک غلط رائے

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خراسان کی ولایت پر ، آل برمک کے شدید اختلاف کے باوجود ابن ماہان کو فائز کر دینا بہت بڑی غلطی تھی،

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۴۸ ۔

جس کے باعث اسے بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور اسی وجہ سے خراسان کے اعیان و اکابر اس درجہ بد دل اور برہم ہوئے کہ اس شخص کا ساتھ دینے پر تیار رہنے لگے - جو حکومت کے خلاف انقلاب اور بغاوت کا پرچم لے کر برآمد ہوتا تھا -

لیکن یہ رائے ہمارے خیال میں درست نہیں ہے -

اس رائے کی بنیاد برامکہ کی حرکتوں اور چالاکیوں سے ناواقفیت اور لا علمی پر ہے ، جو برامکہ کے جو ارادے اور عزائم تھے ، ان کا صحیح اندازہ نہ کر سکنے کے سبب ہی اس قسم کی رائے قائم کی جا سکتی ہے -

ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ابن ماہان کردار اور شخصیت کے اعتبار سے بھلا آدمی نہیں تھا ، بلکہ سچ تو یہ ہے ، مجموعۂ مصائب تھا ، نظم و انصرام کا فن بھی نہیں جانتا تھا - اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ، وہ بالکل صحیح اور درست ہے ، لیکن رشید نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے ایک بڑے فتنہ اور اہم غایت کے لیے اس کا تقرر کیا تھا ، عام اس سے کہ لوگ اس تقرر سے خوش ہوتے ہیں یا نا خوش ! اور وہ مملکت کے فن سے واقف ہے ، یا نا واقف !

ابن ماہان جس مہم کو سر کرنے کے لیے اور جس کام کو سرانجام دینے کے لیے بھیجا گیا تھا ، اسے بہت خیر و خوبی کے ساتھ اس نے انجام دیا ، اگرچہ دوسرے امور و مہمات اور معاملات و مسائل کو نمٹانے میں بڑی حد تک قاصر رہا -

ابن ماہان نے جس شقاوت اور قساوت اور شدت و غلظت کے ساتھ خراسان میں کام کیا ، وہ بہترین ضمانت تھی اس امر کی کہ برامکہ خفیہ طور پر جو مسلح بغاوت کی تیاریاں کر رہے تھے ، ان کا بہت خوبی اور تکمیل کے ساتھ قلع قمع ہو گیا ، جس کا فیصلہ جیش عباسیہ قائم کر کے وہ کرچکے تھے - بڑی تعداد میں وہاں انہوں نے اپنے گرگے بھی پیدا کر لیے تھے جو ممتاز اور سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل تھے - ابن ماہان نے ان سب کو کہیں کا نہ رکھا اور پوری قوت سے تشدد پسند اور مسلح عناصر کا خاتمہ اگر نہیں کیا ، تو انہیں بہت زیادہ کمزور کر دیا اور کرمینیہ فوج کی جو

دھاک بغداد میں بیٹھ گئی تھی ، وہ ختم ہو کر رہ گئی ۔ اس لیے کہ خراسان سے جو اس کا مرکز تھا ؛ اب اس کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور وہاں اس کے جو خفیہ اسلحہ تھے ، وہ زنگ آلود ہونے لگے تھے ۔

رشید کا مقصد ابن ماہان کو خراسان کا والی بنانے سے تنہا یہی صرف یہی ، صرف اس مقصد کے حصول کے لیے انتظامی حیثیت سے ایک نکمے شخص کو اتنی بڑی ذمے داری اس نے سونپی تھی اور اسی لیے اس کی غلطیوں اور غلط کاریوں اور سالہا سال تک کے تصرفات بیجا سے چشم پوشی کرتا رہا تھا ؛ حالانکہ یہ بات اس کے اصول کے خلاف تھی ، اپنے عاملوں اور والیوں کی غلطی برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا ، لکن یہ تقاضائے مصلحت ابن ماہان اس اصول سے مستثنیٰ رہا ۔

رشید اور برامکہ آمنے

احتیاطی پیش بندیاں اور کارگردا

ایک دوست کی طرف سے جعفر کو نصیحت

ہمارا خیال ہے کہ وہ عرصہ جو فضل بن یحییٰ برمکی کے خراسان سے واپس آنے اور علی ابن ماہان کے والی خراسان مقرر ہو کر وہاں جانے ، اور اپنے فرائض مفوضہ انجام دینے کے درمیان میں گزرا ، (۱۷۹ھ — ۱۸۳ھ) رشید پر بڑا سخت تھا ، اس زمانے میں اس پر خواب و خور حرام رہا ، اس کے اضطراب و افطرار کی کوئی انتہا نہیں تھی ۔ اس مدت میں اس نے صرف یہ کہ برامکہ کے خلاف کوئی بات نہیں کی ، بلکہ ان کے رغبات و خواہشات کی بھی آنکھ بند کرکے تعمیل کرتا رہا ، کیونکہ ہر آن اسے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا ، کہیں یہ خفا نہ ہو جائیں ، آمادۂ بغاوت نہ ہو جائیں ، ان کے طغیان سے دور رہنے اور ان کے اقتدار و قوت سے محفوظ رہنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی ، اس تمام مدت میں جعفر بن یحییٰ برمکی ، تخت خلافت پر رشید کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھتا رہا ، تاکہ باہمی اتحاد اور خلوص ظاہر میں زیادہ سے زیادہ پختہ نظر آئے ۔

حالانکہ اصل واقع یہ تھا کہ دونوں کے اخلاص و محبت کے تعلقات ختم ہو چکے تھے ۔ یہ صرف ظاہری رکھ رکھاؤ تھا ۔

یہ عرصہ رشید نے بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ گذارا ، اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو کسی درجے میں بھی ، برامکہ کی چین پیشانی کا سبب بن سکتا ہو ۔ جیسے جیسے وہ آل برمک کے اصل ارادوں سے واقف ہوتا اور ان کے بارے میں مشکوک و مشتبہ ہو رہا تھا ، ویسے ویسے اس کا ظاہری برتاؤ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بہتر ہوتا جا رہا تھا ۔

رشید کی بے بسی پر اطمینان

روایت ہے کہ جعفر برمکی کے ایک مقرب بارگاہ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے ایک مرتبہ کہا:

''خلیفہ کی حاکمیت اور اقتدار میں زیادہ دخل انداز ہونے سے احتراز کرنا چاہیے ، کیا جانے کب اس کا مزاج پلٹ جائے ، اور وہ برہم ہو کر تعزیر و انتقام پر اتر آئے''!

جعفر نے اس نصیحت کا جواب یوں دیا:

''رشید کی مجال نہیں ہے کہ کوئی ایسا کام کرنے کی جرأت کر سکے جو ہماری مرضی اور رائے کے خلاف ہو۔ خدا کی قسم اسے جو خبر بھی ملتی ہے ، وہ ہم ہی دیتے ہیں ، اور اس کی یہ حکومت ہمارے ہی کندھوں پر ٹکی ہوئی ہے[1]''!

ایک دفعہ اور اپنی بزم بے تکلف میں جعفر نے کہا:

''خدا کی قسم اگر ہمیں ایسے امور پر مجبور کیا گیا جو ہماری خواہش اور مرضی کے خلاف ہوں تو ہم اس کے لیے وبال سریع بن جائیں گے[2] ۔ اور اس کا سارا دم دمامہ ختم ہو کر رہ جائے گا''۔

ایک مرتبہ خراسان کے اعیان و اکابر کے سامنے ایک شخص ابو مسلم خراسانی کی حکمت و دانائی اور جرأت و شجاعت کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اس نے کس خوبی اور کمال کے ساتھ خلافت بنو امیہ سے چھین لی ، اور بنو عباس کے حوالے کر دی ، یہ بات سن کر جعفر نے کہا:

''یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے ، نہ یہ اس کا کوئی خاص کمال ہے ، اس نے بہت زیادہ خون ریزی سے کام لے کر مقصد حاصل کیا ، حالانکہ روادار تحسین تو صرف وہ شخص ہے جو حکومت کو ایک قوم سے دوسری قوم میں خون کا ایک قطرہ بہائے

---

۱ ۔ المسعودی: جلد ۹ ، صفحہ ۳۰۷ ۔

۲ ۔ الجہشیاری: صفحہ ۲۱۱ ۔

بغیر منتقل کر دے[1] "۔

یہ ساری باتیں رشید کے کانوں تک پہنچتی رہتی تھیں ، لیکن وہ انجان بنا رہتا تھا اور برامکہ کے ساتھ اور زیادہ محبت اور اعتماد کا برتاؤ کرنے لگتا تھا اور ایسا اس وقت تک کرتا رہا ، جب تک پلہ برامکہ کا بھاری تھا اور علی بن ماہان نے خراسان کی انقلابی سرگرمیوں کا قلع قمع نہیں کر دیا تھا ۔

لیکن جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو رشید نے اطمینان کا سانس لیا ، اور پوری یکسوئی کے ساتھ ان کی سرکوبی اور بربادی کا منصوبہ عمل میں لانے کے وسائل پر غور کرنے لگا ۔

دولت عباسیہ یا دولت فارسیہ ؟

یہ بات ظاہر ہے کہ خراسان کے نظم و انصرام پر ابن ماہان کا تسلط اور اس اقلیم سے متعلق و ملحق علاقوں پر اس کا تصرف ، شدت اور سختی کے ساتھ بلکہ بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ تعزیری اقدامات ، جیش عباسیہ کا خاتمہ ، برامکہ کے نفوذ اور رسوخ کا بڑی حد تک قلع قمع ، اس سارے زمانے میں رشید کو صرف ایک ہی فکر تھی ، اور وہ فکر تھی اس خطرے کے انسداد سے متعلق جس کے احتمالات سیہ کا ہم ذکر کر چکے ہیں ، جن کا حاصل یہ تھا کہ دولت عباسیہ خالص دولت فارسیہ بن جائے اور اس کے ساز و سامان سے آل برمک پورے طور پر لیس تھے ، کسی وقت بھی وہ اٹھ کھڑے ہو سکتے تھے ، اور اپنے خیال کو عمل کی صورت دے سکتے تھے ۔

قلب بغداد میں کرمینیہ فوج کی موجودگی ، اور قصر رشید کے نگہبانوں کے طور پر سپاہ کا تقرر ، ایک اور بہت بڑا خطرہ تھا ، جس نے رشید کو حواس باختہ کر رکھا تھا ، ہر وقت اور بڑی آسانی سے ممکن تھا کہ برامکہ اس قوت سے کام لیں ، اور رشید کو یا قید کر لیں یا کسی عباسی یا علوی امیر سے ساز باز کر لیں اور اسے تخت حکومت پر متمکن

۱ - زینۃ المجالس (فارسی) : صفحہ ۱۷۳ - نیز ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۱ -

کر دیں اور رشید کو منظر سے ہٹا دیں ، اس صورت میں کہ یہ واقعہ حقیقت بن جاتا ۔ عربوں سے کسی مزاحمت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی ، یا اگر وہ ایسا کرتے بھی تو ان کی مزاحمت بہت ضعیف اور بے نتیجہ ہوتی ۔

لیکن یہ احتمال اخیر ، پہلے کے مقابلے میں زیادہ کمزور تھا ، اس لیے کہ رشید نے علویوں کی قوت پہلے ہی پارہ پارہ کر دی تھی اور انھیں تتر بتر کر دیا تھا ۔ رہے عباسی امرا تو بے شک ان کی ایک جماعت برامکہ کی مداح اور قدر شناس تھی اور اس جماعت کے ایک ایک فرد کو وہ جانتا تھا اور اس پر اس کی نگاہ تھی ۔ لیکن یہ جماعت بہت چھوٹی تھی اور جو لوگ اس میں شامل تھے ، ان کی تعداد بے حد مختصر تھی ،——اتنی مختصر کہ ان سے کسی خطرے کا اندیشہ نہیں کیا جا سکتا تھا ۔

یحیٰی برمکی کی حکمت عملی

اس موقع پر اس امر کی جانب اشارہ ضروری ہے کہ رشید کے مقابلے میں شروع ہی سے یحیٰی بن خالد برمکی کی سیاست ایک نقطے پر مرکوز تھی ، اور وہ یہ تھا کہ وہ رشید کے لیے نئے نئے حریف ، رقیب اور خطرات پیدا کرتا رہتا تھا ، جو اس کی خلافت کے قیام و بقا کے لیے پیام تباہی تھے ، تاکہ وہ اپنی اور اپنی خلافت کی بقا کے لیے ان کی مدد اور تعاون اور رفاقت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت محسوس کرے اور ہر قیمت پر ان کے سایۂ عاطفت کو اپنی زندگی اور سلامتی کے لیے ضروری سمجھے ۔ اس طریقے سے ان کا رسوخ و نفوذ دائمی صورت اختیار کر سکتا تھا ، اور ان کے اقتدار و اختیار کو کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یحیٰی برمکی نے ”یحیٰی بن عبداللہ علوی“ کو دو لاکھ درہم دے کر بلاد ویلم میں باغیانہ سرگرمیوں پر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی اور پھر نہایت چالاکی سے اپنے بیٹے فضل برمکی کو واسطہ بنا کر ، اس تحریک کو اسی وقت ختم کرا دیا تھا ، جب یہ دیکھ لیا کہ رشید حد درجہ سراسیمہ اور خوف زدہ ہو گیا ہے[1] ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری : صفحہ ۲۴۳ ۔

اسی طرح یحییٰ برمکی نے احمد بن عیسیٰ بن زید علوی کو ۷۰ لاکھ دینار بصرے میں بھیجے ، تاکہ وہ بھی وہی کھیل کھیلیں ، جو یحییٰ علوی کھیل چکا تھا[1] -

غرض یحییٰ برمکی اسی سیاست پر عمل کرتا رہا ، اور کوئی شبہہ نہیں ، اس کی یہ تدبیر بھی پٹ نہیں پڑی ، وہ ہمیشہ نہایت شاندار طور سے کامیاب ہؤا -

لیکن اب پہلی مرتبہ جعفر بن یحییٰ برمکی نے باپ کی سیاست سے انحراف کیا تھا اور رشید کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اصل خطرہ اس کے لیے کوئی اور نہیں ، خود برامکہ ہیں - چنانچہ ہم جس دور کی گفتگو کر رہے ہیں اس میں رشید اگر کسی فکر سے سرگرداں نظر آتا ہے تو وہ خود برامکہ کی ہے -

فضل برمکی پر رشید کا عتاب

رشید کا سب سے پہلا اقدام جو برامکہ سے متعلق نظر آتا ہے ، وہ یہ ہے کہ خراسان کی گتھی اس نے یوں حل کی کہ فضل بن یحییٰ برمکی کو وہاں کی ولایت سے برطرف کر دیا ، جب وہ خراسان سے بغداد واپس آ گیا تو رشید نے کافی مدت تک نہ شرف باریابی عطا کیا ، نہ اس کو سامنے آنے دیا ، نہ اس سے کسی طرح کی بات چیت کی ، آخر جب وہ بہت تنگ ہؤا تو موسم گرما میں (۱۸۳ھ) بغداد سے رقہ کی طرف روانہ ہؤا ، ساتھ میں اپنی زینب بنت منیر کو بھی لے لیا ، تاکہ وہ رشید سے اس کی شفاعت کر سکے - زینب نے اسے بچپن میں اپنا دودھ پلایا تھا ، اس طرح وہ اس رضاعی ماں تھی - رشید نے زینب کی شفاعت قبول کر لی ۔ فضل بن یحییٰ سے راضی ہو گیا ۔ لیکن اسے کوئی سرکاری منصب نہیں سونپا ، اور آخر وقت تک اسے معطل ہی رکھا - یہ دور فضل کے لیے بڑا سخت اور اذیت رساں تھا ، وہ رشید کی مجلسوں میں شریک نہیں ہو سکتا تھا ، نہ اس سے قرب پیدا کر سکتا تھا ، سوا اس کے کہ کوئی خاص ضرورت پیش آ جائے ۔ یا کوئی اہم معاملہ در پیش ہو اور اس پر گفتگو ضروری

۱ - الجهشیاری: صفحہ ۲۴۳ -

ہو، یا کسی کام نے رشید خود اسے طلب کرے[1]۔

واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ رشید نے اسی سال سے یا اس سے کچھ مدت پہلے، مستقل طور پر یہ رائے قائم کر لی تھی، کہ اب برامکہ کا قصہ ختم کر دینا چاہیے اور ان پر مہلک وار کر کے انھیں نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ منصوبہ یہ تھا کہ جعفر برمکی کو قتل کر دیا جائے اور آل برمک کے دوسرے افراد کو حوالہ زندان کر دیا جائے، یا پھر سب ہی کو ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

رشید کے خادم خاص جاحظ نے روایت کی ہے:

''ایک حج کے دوران میں رشید کے ساتھ میں بھی تھا، میں نے دیکھا، اس نے پردۂ کعبہ کو بوسہ دیا، وہ ادھر ادھر دیکھتا جاتا تھا اور کہہ رہا تھا:

''بار الٰہا! جعفر برمکی کو قتل کرنے کے سلسلے میں، تجھ سے استخارہ کر رہا ہوں!''

میں نے جب یہ الفاظ سنے تو دبے پاؤں پردے کے پیچھے سے کھسک گیا، کہ مبادا، رشید مجھے دیکھ لے اور قتل کر دے۔ اس واقعہ اور جعفر برمکی کے واقعۂ قتل کے درمیان پانچ سال کی مدت ہے[2]۔ یعنی یہ واقعہ ۱۸۲ھ کا ہے۔

اگرچہ رشید اپنے عزائم کو بڑے ہنر اور کمال کے ساتھ پوشیدہ رکھتا تھا لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ راز کا محفوظ رکھنا مشکل ہو جاتا تھا اور دل کی بات زبان پر آ جاتی تھی ——— لیکن انھی لوگوں کے سامنے جو اس کے حد سے زیادہ معتمد اور برامکہ کے بے انتہا دشمن تھے۔ بس یہ لوگ تھے، جن کے سامنے کبھی کبھی اس کے عزائم واشگاف ہو جایا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک روایت ہے، جو اسماعیل بن صبیح سے مروی ہے۔ وہ کہتا ہے:

۱۔ الجہشیاری، صفحہ ۲۲۷۔

۲۔ کتاب التاج، صفحہ ۶۶۔

''ایک مرتبہ رشید کے پاس میں تنہا بیٹھا ہوا تھا ، کہ رشید نے کہا :

''اسماعیل ذرا اٹھو ، اور اس کے ارد گرد گھوم کر دیکھو کوئی شخص ہماری باتیں سننے کے لیے چھپا ہوا تو نہیں ہے ؟ ''

میں اٹھا ، اور ادھر ادھر نظر ڈالی ۔ کوئی نظر نہ آیا ۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا :

''امیرالمومنین ۔ یہاں کوئی بھی ہماری باتیں سننے کے لیے موجود نہیں ہے! ''

رشید نے یہ سن کہا :

''بیٹھ ، میرے پاس بیٹھ جا! ''

میں امیرالمومنین کے قریب بیٹھ گیا ۔

رشید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا :

''میں چاہتا ہوں ، تجھ پر اپنا ایک راز فاش کر دوں! ـــ خدا کی قسم یہ بات جو تجھ سے کہنے والا ہوں ۔ اگر کسی سے میں نے سن لی تو تیری گردن قلم کر دوں گا'' ۔

یہ سن کر میں حواس باختہ ہوگیا ، میں نے کہا :

''یا امیر المومنین ، اس راز کا فشا آپ اگر کسی سے کر چکے ہیں ۔ یا کسی کے سامنے کرنا چاہتے ہیں ، تو بہتر یہ ہے کہ پھر مجھ سے نہ ارشاد فرمائیں!''

یہ سن کر رشید نے جواب دیا :

''نہ یہ بات کسی سے میں نے کہی ہے ، نہ آئندہ کسی سے کہنے کا ارادہ ہے !''

اس یقین دہانی کے بعد ، رشید نے کہا :

''میں چاہتا ہوں : برامکہ پر ایک ایسا بھرپور وار کروں کہ آج تک ایسا کسی پر نہ کیا ہوگا اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملیا میٹ اور تہس نہس کرکے رکھ دوں ! ''

میں تو یہ الفاظ سن کر کانپ گیا ۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"اللہ تعالیٰ امیرالمومنین کا حامی و ناصر ہو، اور انہیں اس مقصد میں کامیابی و عطا فرمائے ــــ!"

رشید نے میری یہ بات سن کر کہا:

"ٹھیک ہے، بس اب تم جاؤ!"

یہ واقعہ برامکہ کی ہلاکت اور تباہی و بربادی سے دو سال پہلے کا ہے، یعنی ۱۸۵ھ کا۔

ایک دوسری روایت ہے جو سندی بن شاہک سے مروی ہے کہ:

ایک مرتبہ رشید نے مجھے طلب کیا، اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"سال بھر کے بعد آج کا دن جب آئے گا تو برامکہ ملیا میٹ ہو چکے ہوں گے اور ان کی تباہی و بربادی کے اسباب سے کوئی بھی واقف نہ ہوگا، اور نہ تباہی و بربادی کے وقت کسی کو یہ احساس ہوگا کہ ان پر کیا گذرنے والی ہے!"

میں بڑی بے قراری اور اضطراب کے ساتھ اس دن کا انتظار کرنے کرنے لگا، میری حالت یہ تھی، جیسے میں جلتی ہوئی انگیٹھی پر بیٹھا ہوں، یہاں تک کہ وہ ساعت موعود آ گئی اور میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی کہ برامکہ مٹ گئے، نیست و نابود ہو گئے [1]!"

یہ سارے روایات اور واقعات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ برامکہ کو غارت کرنے کے لیے رشید ایک طے شدہ راستے پر گامزن تھا۔ صورت حال وہ نہیں تھی جیسی بعض مخالف بیان کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ دفعۃً بغیر کسی منصوبے کے، کسی وقتی برہمی یا اشتعال کے باعث ہو گیا، یا کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا تھا، جس نے رشید کو حد درجہ برہم کر دیا، اور وفور غضب کے باعث وہ اتنا بڑا اقدام کر گذرا۔

رشید کے حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا، جو معمولی درجے میں بھی جعفر برمکی کے لیے وجہ شکایت بن

۱ - الجہشیاری، صفحہ ۲۳۶ -

سکتا ، آخر وقت تک ــــ اس وقت تک ، جب تلوار اس کی گردن پر نہیں چل گئی ، ــــ وہ جعفر برمکی کو اپنے پہلو میں انتہائی لطف و مدارات کے ساتھ بٹھاتا رہا ، حالانکہ آل برمک میں یہی (جعفر برمکی) وہ شخص تھا ، جسے سب سے پہلے وہ ہدف ستم بنانے پر تلا ہؤا تھا اور اس کا سبب شاید یہ تھا کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آل برمک کی قیادت صرف جعفر برمکی ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ایک ایسا شخص ہے کہ بھڑک اٹھے تو قیامت برپا کر سکتا اور انقلاب لا سکتا ہے ۔ اگر اسے کسی خطرے کا احساس رشید کی طرف سے ہو جائے تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا ۔

رشید اور یحییٰ برمکی

لیکن یحییٰ برمکی کے ساتھ رشید کا یہ برتاؤ نہیں تھا ۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ کے ساتھ اس کا رویہ جو تھا ، وہ یہ تھا کہ کبھی بہت زیادہ خفا ہوگیا اور کبھی رضامند ہوگیا ۔

ایک دن حسب مرتبہ ، حسب معمول یحییٰ برمکی رشید کی خدمت میں بغیر اذن باریابی حاصل کیے ہوئے حاضر ہؤا اور اسے سلام کیا ، رشید نے نہایت معمولی طور پر سلام کا جواب دیا ۔ یحییٰ نے محسوس کیا ، رشید کے دل میں کوئی بات ہے جو کھٹک رہی ہے اور چھپا بھی نہیں سکا ۔ وہ حاضرین میں سے ایک شخص کی طرف متوجہ ہؤا اور اس سے گویا ہؤا ۔

"اگر تم اپنی مجلس میں بیٹھے ہو تو کیا کوئی شخص بغیر اجازت لیے اندر آ سکتا ہے ؟"

اس شخص نے جواب دیا :

"نہیں امیر المومنین ، ایسا تو نہیں ہو سکتا !"

رشید نے کہا :

"تو ہم اتنے گئے گذرے ہیں کہ لوگ بلا اذن جب چاہیں ، ہماری مجلس میں آ موجود ہوں ؟"

یحییٰ سمجھ گیا ، اشارہ اسی کی طرف ہے ۔ اس نے کہا :

''یا امیرالمومنین ، اگر یہ غلطی ہے تو کچھ پہلی مرتبہ تو مجھ سے سرزد نہیں ہوئی ہے۔ امیرالمومنین نے مجھے ہمیشہ دوسروں سے سر بلند اور ممتاز رکھا ہے ، حتیٰ کہ ایسے وقت کہ امیرالمومنین بستر استراحت پر آرام فرما ہوں ، میں حاضر ہوتا رہا ہوں ، جب کہ امیرالمومنین صرف گھریلو لباس میں جلوہ افروز ہؤا کرتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب تک امیرالمومنین جس بات کو پسند کرتے اور خوشی سے گوارا کرتے چلے آئے تھے ، اب اسے ناپسند فرمانے لگے ہیں ! مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ میں اس طبقۂ ثالث میں شامل ہو جاؤں ، جو اہل اذن شمار کیا جاتا ہے ! ''

رشید کچھ شرمندہ سا ہوگیا ، اس نے کہا :

''میرا ارادہ تمھیں دکھ دینا نہیں تھا ، لیکن لوگ اسی طرح کہتے ہیں [1] ''!

ایک مرتبہ یحییٰ برمکی رشید کی خدمت میں حاضر ہؤا ، دور سے دیکھا ، کسی سوچ میں تنہا بیٹھا ہے ، یہ مناسب نہ معلوم ہؤا کہ اس کے غور و فکر میں دخل انداز ہو ، الٹے پاؤں واپس ہؤا ، لیکن رشید کی نگاہ اس پر پڑ گئی تھی ، یا کسی نے بتا دیا تھا کہ یحییٰ آیا ہے۔ اس نے خادم کو طلب کیا اور حکم دیا :

''جاؤ یحییٰ کے پاس جاؤ ـــــ اور اسے کہنا ، کیا تو مجھے متہم گردانتا ہے جو یوں دبے پاؤں آیا اور واپس چلا گیا ؟ ''

یحییٰ نے قاصد سے کہا :

امیر المومنین سے کہنا کہ :

''جب وقت آ جاتا ہے تو موت بہانے پیدا کر لیتی ہے ، ورنہ خدا جانتا ہے کہ میں تو صرف اس لیے واپس آ گیا تھا کہ حکومت میں مخل ہونا نہیں چاہتا تھا [2] ! ''

اس واقعہ کے بعد یحییٰ اپنے ہاشمی (عباسی) دوستوں کے پاس گیا اور

---

۱ - العقد الفرید ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۷ -

۲ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۲۷ -

ان سے رشید کے تغیر مزاج کا سبب دریافت کیا ۔

ایک ہاشمی (عباسی) دوست نے جواب دیا :

''میرا خیال ہے ، امیرالمومنین کو دولت جمع کرنے کا سودا ہو گیا ہے ، اولاد بھی زیادہ ہے ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اولاد امیرالمومنین کے لیے مال و دولت کا بندوبست کرو ، تمہارے عزیزوں اور دوستوں کے پاس روپے کی بھلا کیا کمی ہے ؟ ایک سے ایک مال دار بھرے پڑے ہیں ، انھی سے وصول کرو اور امیرالمومنین کی اولاد کو دے ڈالو ، اس طرح تم ان کا تقرب حاصل کر لوگے اور یہ صورت تمہاری اور تمہارے لوگوں کے لیے زیادہ سلامتی اور عافیت کی ہوگی !''

یحییٰ یہ باتیں سنتا رہا ، پھر اس نے کہا :

''میرے بھائی میں تم پر قربان ، اپنے لیے زوال نعمت ، مجھے ان لوگوں کے زوال نعمت سے کہیں زیادہ گورا ہے ، جن کو میں نے اس درجے تک پہنچایا ہے !''

رشید کی سیماب وشی

یحییٰ رشید کی سیماب وشی کے جلوے اکثر دیکھتا رہتا تھا ، کبھی بہت خوش ہے ، کھلا جاتا ہے ، بات کرتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور کبھی بالکل رنگ بدلا ہوا ہے ، تیوری چڑھی ہوئی اور بات بات پر نعل اور آتش [1] !

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خدام بارگاہ کو حکم دے دیتا ، اگر یحییٰ آئے تو اس کی پذیرائی نہ کی جائے اور اگر کسی کام کو کہے تو سنی کی ان سنی کر دی جائے ، حتیٰ کہ اگر پانی بھی پینے کو مانگے تو نہ دیا جائے [2] !

اس طرز عمل کی توجیہہ یحییٰ یہ کرتا تھا کہ چونکہ جعفر اس سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گیا اور کھل مل گیا ہے اور ہر وقت اس کے پاس

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۷۳ -

۲ - الطبری جلد ۳ ، صفحہ ۶۶۹ -

موجود رہتا ہے ، لہذا وہ اس سے کھچنے لگا ہے ۔ چنانچہ اپنے بیٹے جعفر کی طرف ملتفت ہوتا اور اس ذائم پر اسے ملامت کرتا اور اس سے کہتا :

"ہر وقت کے ملنے جلنے سے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں ، اگر تمھارا جی شراب پینے کو یا گانا سننے کو چاہے تو اپنے محل میں اس دل چسپی سے محظوظ ہو لیا کرو اور دشمنوں و حاسدوں کو لگائی بجھائی کا موقعہ نہ دو ، کیونکہ شراب پینے کے بعد آدمی سے ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں ، جو اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں اور وہ اپنے اسرار و رموز کو چھپانے پر بھی قادر نہیں رہتا اور اس کے عزائم اور اسہال و عواطف برافگندہ نقاب ہو جاتے ہیں[1] !"

لیکن جب ان باتوں پر جعفر کان نہ دھرتا تو یحییٰ اور زیادہ پیچ و تاب کھا کر اس سے کہتا :

"خدا کی قسم ، یہ خاندان (برامکہ) اگر برباد ہوگا ، تو صرف تیری غلط کاریوں اور برائیوں کے باعث ۔ پھر وہ اس سے بات چیت بند کر دیتا اور اس کی طرف کچھ مدت تک رخ بھی نہ کرتا ۔"

ایک مرتبہ یحییٰ نے جعفر کو لکھا :

"میں نے تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیا ہے ، تاکہ زمانہ خود تجھ سے بھگت لے اور تو اس کے ذریعہ اپنی حقیقت معلوم کر لے ، اگرچہ مجھے اندیشہ ہے کہ تو اپنے خاندان کے لیے پیام موت ثابت ہوگا[2] !"

ایک مرتبہ جب جعفر کے طرز عمل سے یحییٰ بہت تنگ آ گیا ، تو ایک مرتبہ ایسے وقت کہ رشید خوش تھا ، حاضر ہوا اور کہنے لگا :

"یا امیرالمؤمنین ، خدا کی قسم جعفر کا ہر وقت آپ کے پاس رہنا اور اٹھنا بیٹھنا ، سخت ناپسندیدہ ہے ۔ انجام کار یہ باتیں خراب نتائج ہی پیدا کریں گی ، اگر امیرالمومنین ، مجھے معاف فرمائیں تو میں عرض کروں کہ بس اس سے صرف وہی کام لیجیے جو امور مملکت سے متعلق

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۶۷ -
۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۶۵ -

آپ نے اسے سونپ رکھا ہے ، بس اتنا بہت ہے اور میں اس پر قانع ہوں اور آپ کی طرف سے مجھے پھر کوئی دھڑکا نہیں ہے !''

رشید نے یحییٰ کو ان باتوں کے جواب میں کہا :

''نہیں یہ کوئی بات نہیں ہے !''

لیکن یحییٰ رشید کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا ، اس کے کانوں تک جو خبریں پہنچتی تھیں اور خود اپنی آنکھوں سے جو واضح آثار وہ دیکھ رہا تھا ، وہ انقلاب و تغیر کی طرف اشارہ کرتے تھے اور اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی تھی کہ رشید نے محمد بن لیث زاہد کو جیل سے رہا کر دیا ، حالانکہ انہیں جیل میں برامکہ ہی کے اکسانے اور بھڑکانے سے اس نے ڈالا تھا ۔

رشید نے محمد بن لیث سے پوچھا :

''اے ابن لیث کیا تو مجھے پسند کرتا ہے ؟''

ابن لیث نے جواب دیا :

''نہیں ، خدا کی قسم نہیں ، یاامیرالمومنین! آپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوائیں ، میرے اور میرے اہل و عیال کے مابین سد سکندری بن کر حائل ہوگئے حالانکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا ، مجھ سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی تھی ، نہ کسی حادثے کے رونما ہونے کا میں سبب بنا تھا ۔ آپ نے یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے کہنے سے کیا جو اسلام کو اور مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہے !''

رشید نے ابن لیث سے کہا :

''تم سچ کہتے ہو ، جس نے تم پر ظلم کیا ہے ۔ خدا اس سے ضرور انتقام لے گا ، جس نے مجھے تمھارے خلاف برانگیختہ کیا تھا'' !

——اور ظاہر ہے یہ اشارہ یحییٰ کی طرف تھا[۱] ۔

یحییٰ برمکی : 'اترا شحنہ'

اور یہ یحییٰ ، اب بہت کچھ بدل چکا تھا ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٦٩ ۔

اب کوئی چیز اس کے بس میں نہیں تھی ،
وہ بہت زیادہ بوڑھا ہو چکا تھا ۔
تھک چکا تھا ! ــــحوادث نے اسے نڈھال کر دیا تھا ۔
اب اس کے ہاتھ سے ہر چیز نکل کر ، جعفر کے ہاتھ میں جا چکی تھی ۔
وہ اسی بھر کا رہ گیا تھا کہ پریشان کن خبریں سنتا رہے اور ذلت بخش حوادث سے دو چار ہوتا رہے ۔
تغیر احوال کے حالات سے وہ یکسر ناواقف تھا ۔
حد یہ ہے کہ خود اپنی اولاد کی سازشوں اور کاروائیوں سے بھی وہ پورے طور پر واقف نہیں تھا ۔
نہ اس بات سے واقف تھا کہ رشید ان کی سازشوں اور کاروائیوں سے واقف ہو کر کس درجہ چوکنا ہو چکا ہے ؟
روایت ہے اور راوی خود اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ :
میں نے یحیٰی بن خالد کو[1] خانہ کعبہ میں غلاف کعبہ سے چمٹا ہؤا دیکھا ، وہ کہہ رہا تھا :
''بار الٰہا اگر تیری مرضی اس میں ہے کہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کر لے ، تو سلب کر لے !''
بار الٰہاــ اگر تیری رضا اس میں ہے کہ میرے اہل اور اولاد کو مجھ سے چھین لے ، تو ایسا کر ڈال ، لیکن فضل کو چھوڑ دے !''ــــپھر وہ غلاف کعبہ سے دور ہٹ گیا ، لیکن پھر واپس آیا اور کہنے لگا :
''بار الٰہا ، میں بھی کتنا سادہ لوح ہوں کہ ایک طرف تیری رضا کی پابندی کا عہد کرتا ہوں دوسری طرف اس میں استثنا بھی چاہتا ہوں ! !''
''بار الہا ، فضل پر رحم کرنا ! !''

---

۱ ـ ان الفاظ سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یحیٰی کا اسلام ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا تھا اور آبائی مذہب سے اسے کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا (مترجم)

یہ واقعہ نکبت برامکہ سے کچھ پہلے کا ہے[۱] ۔

رشید کا ھدف صرف جعفر برمکی تھا

زمانہ اسی طرح گزرتا رہا اور رشید اس بات کا منتظر رہا کہ ذرا موقعہ ملے اور وار کر گزرے ۔

رشید کے پیش نظر جو ہدف تھا ، وہ صرف جعفر تھا !

موسیٰ بن یحییٰ روپوش تھا !

فضل اور یحییٰ کی سرگرمیاں اگر رشید کے خلاف تھیں تو بہت معمولی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور صرف اپنی مجالس تک محدود و محصور ہو کر رہ گئے تھے ، کوئی ایسی ہی شدید ضرورت پیش آتی تو باہر نکلتے ، یہ زمانے سے امن و عافیت کے جویا تھے ۔

رشید جعفر کے سوا ، ایک اور شخص سے بھی خائف تھا اور اس کی تاک میں بھی تھا ۔ یہ ایک عباسی امیر تھا اور اس کے بارے میں رشید کو یقین تھا کہ یہ آل برمک سے ملا ہؤا ہے اور ان سے اس کے بڑے تعلقات ہیں ، اس عباسی امیر کا نام تھا ، عبدالملک بن صالح ۔

عبدالملک بن صالح

اس بات پر گذشتہ صفحات میں گفتگو ہو چکی ہے کہ عبدالملک بن صالح برامکہ کا بد ترین اور شدید ترین دشمن تھا ، بعد ازاں یہ ان کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا ، انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوب عزت کی اور توقیر بڑھائی اور اسے مقرب بارگاہ بنا لیا ، یہاں تک کہ یہ ان کے وفاداروں میں شامل ہوگیا ۔

خود رشید کا جہاں تک تعلق تھا ، تخت خلافت پر بیٹھنے کے وقت سے لے کر اس وقت تک وہ اس تعلق کو حد درجہ پسند کرتا تھا اور عزیز رکھتا چلا آیا تھا ، وہ اس کی شخصیت کو سر بلند کرنے میں اور اپنے سے قریب تر کرنے میں جوش کے ساتھ ساعی رہتا تھا ، اس نے متعدد ذمے داریاں اسے سونپیں اور کئی اقالیم کی سند ولایت عطا کی ، اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دفاع پر بھی اسے مامور کیا ، کئی بار

---

۱ - الجہشیاری صفحہ ۱۸۰ ۔

اسے جہاد کے لیے لشکر دے کر بھیجا ، اپنے بیٹے قاسم کو اس کی آغوش تربیت میں دیا ، تاکہ وہ اسے ہر اعتبار سے کامل بنا دے ، پھر جب اس نے اس پر اصرار کیا کہ قاسم کو ولی عہد نمبر ۳ بنا دیا جائے ، تو اس بات کو بھی اس نے مان لیا اور ولایت عہد ثالثہ کے لیے قاسم کو نامزد کر دیا ـــ ضروری تفصیل آگے آئے گی ۔

لیکن جب رشید نے برامکہ کا خاتمہ کرنے اور انہیں نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر لیا ، تو وہ عبدالملک بن صالح سے بھی مشکوک ہو گیا اور وہ سوچنے لگا کہ یہ برامکہ کا بھی دوست ہے اور اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے ، وہ اس کی نیت پر بھی شک کرنے لگا تھا ، اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وقت آنے پر یہ اس کی امداد نہیں کرے گا ، بلکہ آل برمک کا ساتھ دے گا ۔

طبری کی روایت ہے :

''ایک مرتبہ عبدالرحمان بنؑ عبدالملک بن صالح اپنے والد کے کاتب قمامہ کے ساتھ رشید کی خدمت میں حاضر ہؤا اور عرض گذار ہؤا کہ :

''میرا باپ امیرالمومنین سے مخالفت رکھتا ہے اور منصب خلافت کا طمع رکھتا ہے !''

رشید نے عبدالملک کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اس سے کہا :

''تمھارے کفران نعمت اور احسان فراموشی کا یہ حال ہے ؟''

عبدالملک نے عرض کیا :

''امیرالمومنین ! یہ کسی فاسد کی یاوہ گوئی ہے ، جو شاید اس بات پر جلا ہؤا ہے کہ آپ سے مجھے شرف قرابت حاصل ہے اور آپ مجھے نوازتے رہتے ہیں !''

رشید نے یہ سن کر کہا :

''تمھارے جھوٹ کا پول ابھی کھولتا ہوں ، یہ تمھارا کاتب قمامہ ہے جس نے مجھے تمھارے فساد نیت اور بدطینی کی اطلاع دی ہے ! سنو وہ کیا کہتا ہے ؟''

قمامہ اٹھا اور کہنے لگا :

''امیرالمومنین مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ بے شک عبدالملک آپ کا مخالف ہے اور آپ کے بر سر خلاف ہے!''

اس کے بعد رشید گویا ہوا :

''یہ تمہارا بیٹا عبدالرحمان جو قاسم کی تائید کر رہا ہے ، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں کوئی ثبوت اپنے دعوے کا پیش کروں تو یاد رکھو ، تمہارے بارے میں ان دونوں گواہوں سے بہتر کوئی اور گواہ نہیں ہو سکتا ، کیا تم ان کی تردید کر سکتے ہو؟''

عبدالملک نے جواب دیا :

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :

''ان من اولادکم و ازواجکم عدولکم فاحذر و ھم !''

یعنی :

''بے شک تمہاری اولاد و ازواج تمہارے دشمن ہیں ، پس ان سے بچو!''

رشید اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا :

''تمہارا معاملہ بالکل صاف ہے ، لیکن کوئی اقدام کرنے میں تعجیل سے کام نہیں لوں گا ، جب تک خدا کی مرضی مجھے معلوم نہ ہو جائے ، بلاشبہ وہی میرے تمہارے مابین بہترین حکم ہے !''

عبدالملک نے رشید کے یہ الفاظ سن کر کہا :

''میں اللہ کو حکم اور امیرالمومنین کو حاکم تسلیم کرتا ہوں ! کیونکہ مجھے یقین ہے کہ امیرالمومنین اپنے جذبات و خواہشات پر کتاب اللہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کا امر ہی اس کی رضا ہے!''

پھر عبدالملک بن صالح باہر نکلا ، لیکن اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے :

''خدا کی قسم ! میں خلافت کا طالب نہیں ہوں ، اگر میں اس کا طالب ہوتا تو نہایت آسانی سے میرے قبضے میں آ جاتی[1] !''

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۷۰ -

اس واقعہ کے بعد رشید نے عبدالملک پر نگرانی اور کڑی کر دی ، وہ کہیں بھی جائے اور کہیں بھی ٹھہرے ۔ اس کی نقل و حرکت کی اطلاع خلیفہ کو ملتی رہتی تھی ، اور خود عبدالملک اس بات سے ناواقف تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے !

اس کے بارے میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ رشید کو جو خبریں ملیں یہ تھیں ، کہ برامکہ کے ساتھ اس کے تعلقات میں ذرا بھی رخنہ نہیں پڑا ہے ، وہ بدستور ہیں ، وہ برابر ان کے ہاں جاتا آتا رہتا ہے ، اور وہ بھی اس کے ہاں جاتے آتے رہتے ہیں ۔ جب اس طرح کی خبریں زیادہ ملتیں تو وہ عبدالملک کو اپنے حضور میں طلب کرتا ، اسے ڈراتا دھمکاتا ، لیکن کسی طرح کی اذیت دینے سے گریز کرتا ، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے عبدالملک کو کسی طرح کی اذیت دی ، تو اس کا اثر عام عباسیوں پر بہت برا پڑے گا ، اور وہ بھڑک اٹھیں گے ، کیونکہ اپنے خاندان میں اسے غیر معمولی عظمت اور وقعت حاصل ہے ۔ اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر اس نے عبدالملک بن صالح کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو خود برامکہ کو بھی ایک بہانہ مل جائے گا اور وہ اس کی حمایت کی آڑ میں مسلح بغاوت کا آغاز کرنے سے گریز نہیں کریں گے ۔

عبدالملک کے ساتھ آخری ماجرا جو گزرا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ اسے رشید نے طلب کیا ، اس موقع پر بنو ہاشم کے اکابر بھی طلب کر لیے گئے تھے ۔ عبدالملک آیا اور اس نے رشید کو سلام کیا ، رشید نے ترش روئی کے ساتھ سلام کا جواب دیا ، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

''میں اس کی حیات کا جویا ہوں ، اور یہ میرے قتل کا خواہاں ہے!''

پھر دونوں میں گفتگو شروع ہو گئی ، جو بڑی دیر تک جاری رہی ، آخر میں نوبت سخت کلامی تک پہنچ گئی ، رشید نے بگڑے ہوئے تیور کے ساتھ کہا :

''تمھیں راستے سے ہٹا دینا میرے لیے بڑا آسان ہے ، اور تمھارے اندر جو میل پیدا ہو گیا ہے اسے صاف کر دینا بھی میرے لیے دشوار

نہیں ، لیکن میں ڈھیل دے رہا ہوں ۔ بہتر یہ ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ اور آنے والے وقت سے ڈرو ، قبل اس کے کہ ہاتھ اور پاؤں در ماندہ ہو جائیں !''

عبدالملک نے بھی اکڑ کر جواب دیا :

''امیرالمومنین خدا نے جو آپ کو اختیار دیا ہے اس کے استعمال میں اللہ سے ڈریے اور اپنی رعیت کے معاملے میں حزم و احتیاط سے کام لیجیے ، اور شکر کی بجائے کفر اور (کفران نعمت) سے کام نہ لیجیے ، میں نے آپ سے بالکل درست بات کہی ہے ، اور آپ کی اطاعت سے روگرداں نہیں ہؤا ہوں ، اگر آپ ذی رحم (عزیز قریب) کا حق سلب کریں گے تو خدا دیکھ رہا ہے ، بے شک خدا کی قسم! آپ کے ہاتھ میں امور کی جو باگ ہے ، میں اس کا مخالف نہیں ہوں ، میں نے آپ کی طاعت پر بہت سے دلوں کو آمادہ کیا ہے - کتنی راتیں ہیں جو آپ کے لیے دعائے خیر میں میں نے صرف کر دی ہیں ، اور کتنے نازک مواقع تھے جب میں آپ کے لیے سینہ سپر ہؤا ہوں !''

یہ کہہ کر عبدالملک کھڑا ہؤا ، اور باہر نکل گیا ، رشید ٹکٹکی لگائے اسے دیکھتا رہا ، پھر زیر لب کہنے لگا :

''خدا کی قسم! اگر بنو ہاشم کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو اس کی گردن قلم کرا دیتا[1]'' !

اسحاق موصلی اور رشید

یہ اندرونی کشمکش جو رشید اور آل برمک کے مابین جاری تھی اور جو لمحہ بہ لمحہ خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی ، اس کا چرچا اب عوام میں بھی پھیلنے لگا تھا ، اور طرح طرح کی باتیں اور افواہیں زبان خلق پر جاری ہو گئی تھیں - ایسا معلوم ہوتا تھا ، حق و باطل کی جنگ ہے جو نہایت شدت کے ساتھ لڑی جا رہی ہے ، حالانکہ رشید کا جہاں تک تعلق تھا ، وہ اس طرح کی باتوں کی تردید بھی کرتا رہتا تھا اور جعفر برمکی، اس کے والد ، اور آل برمک کے دوسرے افراد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ

---

۱ - الیعقوبی ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۱۲ -

بہتر تعلقات ظاہری طور پر قائم کیے ہوئے تھا۔
روایت ہے کہ ایک مرتبہ مشہور گویا اسحاق موصلی رشید کی خدمت میں حاضر ہوا۔
رشید نے اس سے سوال کیا :
"کہو اسحاق ! لوگوں میں آج کل کن باتوں کا چرچا ہو رہا ہے؟"
اسحاق موصلی نے جواب دیا :
"لوگ کہتے ہیں ، آپ بہت جلد برامکہ پر بھرپور وار کرنے والے ہیں ، اور فضل بن ربیع کو منصب وزارت پر فائز کریں گے !"
یہ سن کر رشید چیخ پڑا ، اس نے کہا :
"کمبخت ، تجھے ان باتوں کی خبر کیسے ملی ؟"
اسحاق خاموش رہا ، اس نے کوئی جواب نہیں دیا[1] ۔

جعفر کو آنے والے حالات کا اندازہ تھا

لوگوں میں جو چرچا تھا ، اس سے نہ صرف جعفر برمکی واقف تھا ، بلکہ رشید کو بھی جتاتا رہتا تھا ، اور رشید ہنسی ، دل لگی میں ٹال جاتا تھا ، گویا یہ باد ہوائی باتیں ہیں ، جنھیں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔
روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید اپنی مجلس سے اٹھا کہ اپنے محل کے ایک کمرے میں جائے ، جعفر اسے جاتا ہوا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ہاتھ سے پردہ ہٹا دیا ، رشید خوش ہو گیا اور اس کی گردن کی طرف تکنے لگا ، ـــ جو خاصی طویل تھی ـــ جعفر نے جو یہ منظر دیکھا تو تبسم کرتے ہوئے کہنے لگا :
"امیرالمومنین ، کیا دیکھ رہے ہیں"
رشید نے جواب دیا :
"تمھاری گردن ـــ کتنی خوب صورت ہے اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ گریبان اسے کس خوبی کے ساتھ لگا ہوا ہے !"
جعفر نے کہا :
"نہیں خدا کی قسم نہیں ، آپ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کی

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۵ صفحہ ۱۱۴ ۔

تلوار میرے حلقوم پر کس جگہ چلے گی ؟"

رشید نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا ، بوسہ دیا ، اور کہا :

"اس بات سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں جعفر[1] !"

ایک روایت میں ہے کہ رشید نے فضل بن ربیع سے قتل جعفر کے بعد کہا :

"تمھیں یاد ہے جب میں اس کی گردن کی طرف تک رہا تھا ، تو جعفر نے کیا کہا تھا ؟"

"بے شک وہ صادق تھا ، واقعی میں یہی دیکھ رہا تھا ، کہ اس کے حلقوم پر کس جگہ تلوار بہتر طور پر چل سکے گی !"

ایک سوال اور اس کا جواب

ان ظواہر اور مکاشفات کے باوجود رشید کے ساتھ جعفر کے تعلقات بدستور کیوں کر قائم رہے ؟ اس کی کوئی صحیح توجیہہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ، سوا دو باتوں کے :

(۱) یا تو جعفر کو اعتماد کلی تھا کہ رشید اسے قتل کرنے یا اذیت دینے کی جرأت نہیں کر سکتا ۔

(۲) یا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تاک میں تھا کہ موقعہ ملے اور موت کے گڑھے میں دھکیل دے ۔ انتظار جس بات کا تھا ، وہ صرف یہ تھی کہ سازش کو کامیاب طور پر عمل میں لانے کے لیے موزوں ترین وقت میسر آ جائے ۔

بات کچھ بھی ہو ، رشید اپنے منصوبے کو تیزی اور سرگرمی کے ساتھ کامیاب بنانے میں مصروف و منہمک تھا ، اور یہ انہماک اس لیے اور زیادہ سریع ہو گیا تھا کہ آل برمک کے دشمنوں کی طرف سے بھی اسے زیادہ سے زیادہ اکسانے کی کوششیں بغیر کسی انقطاع کے جاری تھیں ۔ یہ کیفیت دیکھ کر اپنے عزم میں وہ اور زیادہ پختہ ہو جاتا تھا ، اس لیے کہ ایک تو دشمنوں نے اس کے لیے ہر دروازہ بند کر رکھا تھا ، اگر وہ کسی مغنیہ سے گانا سننا چاہتا تو یہ لوگ اسے آمادہ کرتے کہ عمر بن ابی ربیعہ کے

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۱۶ ۔

یہ اشعار گائے :

لیت هنداً أنجز تنا ما تعد
و شفت أنفسنا مما نجد
و استبدت مرة واحدة
انما العاجز من لایستبد

یعنی :

کاش ہند (محبوبہ) اپنا وعدہ پورا کر کے
ہمارے ان جذبات کی تسکین کر دے جو سینے میں مچل رہے ہیں
یعنی ایک مرتبہ براگندہ نقاب ہمارے سامنے آ جائے
یقیناً وہ درماندہ شخص ہے جو کھل کر سامنے نہیں آ سکتا ۔

ان اشعار کی روح اس کے ذہن میں اتر جاتی ، اور وہ خود بھی آخری مصرعہ گنگنانے لگتا[1] ۔

یا جب وہ بستر استراحت پر سونے کے لیے لیٹتا تو اسے بہت سے رقعے پڑے ہوئے ملتے جن میں اسے برامکہ سے ہوشیار اور متنبہ کیا گیا ہوتا تھا ، مثلاً ایک اسی طرح کے رقعے میں کچھ شعر بھی درج تھے ، جو یہ تھے :

قل لأمین الله فی ارضه
و من الیه الحل و العقد
هذا ابن یحییٰ قدغدا مالکاً
مثلک ، مابینکما حد
أمرک مردود الیٰ أمره
و أمره لیس له رد
وقد بنی الدار التی ما بنی
الفرس لها مثلاً ولا الهند
الدر و الیاقوت حصباؤها
و تربها العنبر و الند

---

۱ ۔ ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۸ ۔

و نحن نخشى أنه وارث
ملكك ان غيبك اللحد
ولا يباهى العبد أدجاجه
الا اذا ما بطر العبد

یعنی :

خلیفہ سے اور اس کے اصحاب "
حل و عقد سے کہہ دو ،
یہ یحیی کا بیٹا (جعفر) تیری طرح مالک (حکومت) ہو گیا ہے ،
تیرا حکم تو اس کی توثیق کے بغیر
نافذ نہیں ہو سکتا ،
اور وہ جو چاہے کر گزرے ،
اس نے ایک ایسا قصر بنایا ہے جس کا مثل
نہ اہل فارس بنا سکے نہ اہل ہند ،
موتی اور یاقوت اس کے فرش کے سنگ ریزے ہیں
اور اس کی مٹی عنبر و عبیر ہے
ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ وارث ہو جائے گا ،
تیری بادشاہت کا جب قبر تجھے آغوش میں لے لے گی ،
کوئی بندہ اپنے آقا کے مقابلے میں فخر نہیں کرتا
ہاں مگر جب وہ مغرور و متکبر ہو جائے [1]۔

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۸ -

برامکہ کا خاتمہ

تاریخ کا ایک المناک اور جگر خراش واقعہ

محرکات و اسباب اور عوامل

۱۸۰ھ (مطابق ۸۰۱ع) خاص طور پر اور اس سے پہلے کے چند سال عام طور پر، حوادث اور سانحات سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب سیاسی قسم کی شورشیں مسلح طور پر ابھریں اور بعض اقالیم میں کافی انتشار اور داروگیر کا سلسلہ اس وجہ سے جاری رہا، شمالی افریقہ، یمن، آرمینیہ، آذر بائیجان، خراسان وغیرہ میں سے ہر اقلیم میں مخصوص و منفرد حوادثات اور سانحات، جو دوسری اقالیم سے مختلف اور جداگانہ تھے، رونما ہوئے [1]۔

رشید رقہ میں قیام کرنے کے بعد اب بغداد واپس آ گیا تھا، یہ واپسی کئی ماہ بعد ہوئی تھی، حسب معمول وہ قصر خلد میں اترا۔

لیکن اس مرتبہ جو بات عجیب نظر آئی، اور جس کا مشاہدہ اس نے پہلے کبھی نہیں کیا، یہ تھی کہ بشاشت کے بجائے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے آثار زیادہ نمایاں تھے، نہ وہ بزم بے تکلف تھی، نہ یار باشیوں کا سلسلہ دراز۔ ہر وقت کسی گہری سوچ میں مستغرق رہتا۔ جب دیکھیے، کھویا کھویا سا، نہ دن کو مطمئن، نہ رات کو آسودہ، بس ایک دھڑکن تھی، جو ہر وقت بے قرار رکھتی، نہ دربار میں پرسکون نظر آتا، نہ شبستان عیش میں مصروف نشاط دکھائی دیتا، اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا اس لیے کہ مختلف

---

۱ - الطبری:

ملاحظہ ہوں ۱۸۴ھ و ۱۸۵ھ کے واقعات۔

اقلیموں میں ؛ جو حوادث پیش آ رہے تھے ، جو شورشیں ابھر رہی تھیں ، اور جو ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں ، وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنی منفرد اور عجیب سی تھیں ، کہ بنو عباس کے دور حکومت کی ساری تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی ، اور اس ہجوم افکار میں وہ سب سے زیادہ خطرناک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا ، جو عباسی حکومت کی تاریخ میں اپنی نوعیت اور نتائج کے اعتبار سے یکتا تھا ،—یعنی برامکہ کی ہلاکت اور بربادی -

آذر بائیجان کی بغاوت ' یزید بن مزید کی وفات

انھی تفکرات میں وہ گھرا ہوا تھا کہ شہر 'برذعہ' سے جو آذر بائیجان کا ایک دور دراز علاقہ تھا - اس کے سب سے زیادہ قابل اور عزیز و محبوب سالار فوج یزید بن مزید شیبانی کی خبر وفات آئی -

یہ ایک خبر بھی تھی ، اور ایک حادثہ بھی !—اور آنے والی سرکشی اور طغیان و بغاوت کا انتباہ بھی -

یہ الم انگیز حادثہ ایسا ہی تھا جیسے شب تار میں چاند آنکھوں سے اوجھل ہو جائے ، اور سفر کا جاری رکھنا بھی ضروری ہو ، اسے ملتوی بھی نہ کیا جا سکتا ہو -

یزید بن مزید شیبانی کے حادثہ[۱] وفات کا ہارون کو بہت صدمہ پہنچا ، اور وہ اسی طرح رو پڑا ، جس طرح کوئی بھائی اپنے بھائی کی خبر مرگ سن کر ضبط گریہ پر قدرت نہیں رکھتا - یزید بن مزید شیبانی سے اس کے قلبی ربط و تعلق کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے ، کہ جب بھی اس کا ذکر چھڑتا ، آنسو کا روکنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ، یا جب کوئی مرثیہ اس کا سنتا ، تو بے ساختہ آنسو بہانے لگتا -

---

۱ - یزید بن مزید شیبانی کی وفات ۱۸۵ھ میں بہ مقام آذر بائیجان ہوئی لیکن وہ کامیاب مرا ، وہاں جو بغاوت بھڑک اٹھی تھی ، اسے کچل دینے کے بعد اس کا انتقال ہوا ، شعرا نے درد انگیز مرثیے اور قصائد اس کے لیے لکھے ، ان قصائد میں مسلم بن ولید کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

رشید کے تیور میں فرق نہیں آیا

لیکن رشید کے مضبوط اعصاب کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ان مصائب اور دشواریوں نے بھی اس کا حوصلہ پست نہیں کیا ، اس پورے سال میں بغداد کا قیام اس نے ترک نہیں کیا ۔ اضطرابات اور بغاوتوں و شورشوں کی خبروں کا ایک ایک کرکے جائزہ لیتا تھا اور ان کا تدارک کرتا تھا ، اور اپنے آزمودہ کار قائدوں ، ماہرین جنگ اور والیوں کو امن و امان قائم رکھنے کے لیے روانہ کرتا رہتا تھا ۔ یہاں تک کہ حالات درست ہوگئے ، امن قائم ہوگیا ۔

حالات کی درستگی اور قیام امن کے بعد اس نے انتظامی تبدیلیاں بھی کیں ۔ مختلف امصار کے بعض عمال کو معزول کیا ، جن والیوں کی سیاست اور انتظام سے مطمئن نہیں تھا ، انہیں بے تامل بر طرف کر دیا ۔ جن لوگوں کا طرز عمل اس کے نزدیک مشکوک تھا ، یا جن کے اخلاص پر اسے اعتماد نہیں تھا ، ان کے خلاف بھی مختلف انتقامی اقدامات اس نے کیے ، لیکن برامکہ کے جو آدمی دور و دراز مقامات پر متعین تھے اور مختلف مناصب پر فائز تھے ، ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا ، بلکہ ان کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کیا ۔

شمالی افریقہ کا علاقہ اس نے ——جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں—— موروثی طور پر ابراہیم بن اغلب اور اس کی اولاد کو بخش دیا ، بشرطیکہ وہ اپنے نفوذ و اقتدار اعلیٰ کے تابع رہیں ، اس طرح شمالی افریقہ کی جانب سے وہ پورے طور پر مطمئن ہوگیا ، صرف یہی نہیں بلکہ ابراہیم بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قصیدہ سب سے زیادہ معرکہ آرا ہے ، جس کا مطلع یہ ہے :

أحقاً انہ أودی یزید ؟ ؟
تنبہ ایھا الناعی المشید

روایت ہے کہ رشید ، اوقات متفرقہ میں جب بھی اسے یاد کرتا ، یا اس کا ذکر کیا جاتا ، تو رو پڑتا ۔

(ابن خلکان ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۸۰) ۔

اغلب کو یہ علاقہ سونپ کر ، اس نے اپنی دو مخالف اور دشمن حکومتوں ـــــ ادریسی حکومت اور حکومت اندلس ،ـــــ کے اور اپنے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی ، جس کا گرانا کسی کے لیے آسان نہ تھا ۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ یمن اور حجاز کی طرف متوجہ ہوا ۔

یہ دونوں علاقے علوی تحریک کے مرکز تھے ، اور یہاں کے لوگ علویوں کی طرف میل رکھتے تھے ۔

چنانچہ ان دونوں مقامات کی گورنری اس نے اپنے ایک سخت گیر لیکن حد درجہ مخلص اور معتمد شخص حماد بربری کو عطا کر دی اور اسے تاکید کی کہ جو لوگ امن شکن اور فتنہ پسند ہوں ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے ، بلکہ زیادہ سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا جائے ۔

اپنے ایک اور معتمد اور کارگذار شخص داؤد مہلبی کو سندھ کی گورنری عنایت کی اور اسے ہدایت کی کہ وہاں اس طرح جائے جیسے شب خون مارنے والی فوج جاتی ہے ۔

اپنے ایک اور قائد فوج یحییٰ حرشی کو جبل کی گورنری عطا کی تاکہ وہ ابن ماہان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہے جو اب تک خراسان کا گورنر تھا ، اور وہیں مقیم تھا ، اس نے عبداللہ بن یحییٰ حرشی کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر بھی کر دیا اور اس کے ذمے یہ کام بھی کیا کہ طبرستان کو بھی نظر میں رکھے ، تاکہ وہاں کے شورش پسندوں کا قلع قمع آسانی کے ساتھ کر سکے [۱] ۔

عیسیٰ بن علی بن ماھان کے کارنامے

علی بن ماہان اہل خراسان کا زور توڑنے اور وہاں کے سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا تھا اور خود یہ لوگ بھی اس کی سرگرمیوں سے بیزار تھے ، اس لیے اس کے خلاف سرگرم عمل تھے ۔ ان کی خفگی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے برامکہ کا زور توڑ دیا تھا اور ان کی قوت میں تزلزل پیدا کر دیا تھا ۔

---

۱ ـ الطبری ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۱۸ ـ

معاملہ صرف یہیں تک محدود نہیں تھا !

کچھ اور احوال و حوادث بھی وقوع پذیر ہو رہے تھے ۔

آغاز کار ، آل برمک کے حامیوں اور جاں نثاروں کی آویزش اور کشمکش سے ہوا ۔ اور کوئی شبہہ نہیں علی بن ماہان نے ان کے دبدبے اور طنطنے کا خاتمہ کر دینے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی ، اس کے بعد خوارج کی شورش اور بغاوت کا دور شروع ہوا ۔ خوارج کی قیادت دو شخصوں کے ہاتھ میں تھی ، ایک حمزہ الشاری اور دوسرا ابوالخضیب ۔ ان دونوں نے غیر معمولی قوت حاصل کر لی تھی ۔ رشید نے ان دونوں کی سرکوبی کے لیے اپنے گورنر کی ہر طرح سے مدد کی ۔ مال سے بھی ، سپاہ سے بھی ، اور تائید کی کہ اس فتنے کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلد سے جلد کچل دیا جائے ۔

علی بن ماہان اپنے بیٹے عیسیٰ بن علی ماہان کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور پوری قوت سے اس نے اس باغی جماعت کا مقابلہ کیا ، ان دونوں کے خلاف بڑی ہولناک لڑائی لڑی اور سخت سے سخت اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کیا ، نتیجہ یہ نکلا کہ ابوالخضیب تو مارا گیا اور حمزہ شاری بلاد افغان کی طرف بھاگ گیا ۔ عیسیٰ بن علی بن ماہان پیچھا کرتا ہوا برابر آگے بڑھتا رہا ، جو شہر سامنے آیا اسے فتح کیا ، اپنا پرچم لہرایا اور پھر کابل قندھارا اور ازبکستان کو اس نے فتح کر لیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا ، پھر اپنے باپ کے پاس رے واپس آ گیا ، کہ اب حالات سازگار ہو چکے تھے اور شورش دب چکی تھی [1] ۔

باغی برمکی : موسیٰ بن یحییٰ

رشید کے لیے اب سب سے اہم مسئلہ موسیٰ بن یحییٰ برمکی کا تھا ،

اس مسئلے کو جلد سے جلد وہ ہر قیمت پر نمٹا دینا چاہتا تھا !

یہ ایک ایسا خطرہ تھا ، جو سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کی حیثیت رکھتا تھا ۔

جاسوس اور مخبر اسے تلاش کرنے میں اب تک ناکام رہے تھے ۔

---

۱ ۔ الطبری ، ملاحظہ ہوں واقعات ۱۸۵ھ ۔

ایک روز اس نے موسیٰ کے باپ یحییٰ برمکی کو اپنے حضور میں طلب کیا اور نہایت شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ جلد از جلد موسیٰ کو برآمد کر کے وہ اس کے سامنے پیش کرے۔

یحییٰ نے ادب کے ساتھ لیکن صاف الفاظ میں ، موسیٰ سے متعلق اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا ، اور کہہ دیا :

''نہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے ؟ نہ اس کے بارے میں کبھی طرح کی مجھے خبر ہے !''

پھر اس نے رشید کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا :

''امیرالمومنین وہ ایک سیلانی نوجوان ہے ، بھلا اس سے آپ کو کیا گزند پہنچ سکتا ہے ؟''

رشید کے چہرے پر برہمی کے آثار ہویدا ہو گئے ، اس نے کہا :

''اگر وہ میرے لیے خطرناک نہیں ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ چھپتا پھرتا ہے ؟''

''ــــخدا کی قسم میں اسے برآمد کر کے اور سبق چکھا کے رہوں گا!''

اس گفتگو کے بعد رشید نے بغداد سے باہر جانے کا فیصلہ کیا ، اور طے کر لیا کہ اب اس وقت تک بغداد واپس نہیں آئے گا جب تک برامکہ کو نیست و نابود اور ہلاک و برباد نہیں کر دے گا۔ اور اس سنگ گراں کو اپنے راستے سے پورے طور پر ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو جائے گا۔

چنانچہ رقہ کا عزم کر کے وہ بغداد سے روانہ ہؤا ، اب اسے سپاہ ''کرسینیہ'' سے کوئی خطرہ نہیں تھا ، کیونکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی ، اور سپاہ کرسینیہ کے اس دستے سے بھی کسی طرح کا خطرہ باقی نہیں رہ گیا تھا ، جو قصر خلافت پر چھایا ہؤا تھا۔

بغداد سے رخصت ہوتے وقت رشید نے ولی عہد اول شہزادہ امین کو اپنے خاص آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ذمے داری سونپی اور چل کھڑا ہؤا۔

یحییٰ برمکی کی دور بینی

رشید ماہ رمضان ۱۸۵ھ (مطابق ۸۰۱ع) میں رخصت ہؤا ، عین

وقت پر یحییٰ بن خالد برمکی حاضر ہؤا اور اس نے موکب خلافت کے ساتھ رقہ جانے سے معذرت کی، اور اجازت چاہی کہ اسے عمرہ اور حج سے فارغ ہونے کا موقع دیا جائے۔ رشید نے اجازت دے دی۔

واقعات و احوال کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کے خاندان پر تباہی اور ہلاکت منڈلا رہی ہے [1]۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام بیٹوں کو ہدایت کی کہ کوئی بھی اس مرتبہ رشید کے ساتھ رقہ نہ جائے، نہ کسی اور موقع پر اس کے جانے کے بعد ادھر کا رخ کرے۔

چنانچہ رشید اس طرح روانہ ہؤا کہ آل برمک میں سے ایک فرد بھی اس کا شریک سفر نہیں تھا اور یحییٰ عمرہ کے ارادے سے حجاز مقدس روانہ ہو گیا۔ کچھ عرصے تک وہ جدہ میں ٹھہرا، پھر جب تک ادائے فریضہ کا وقت آیا تو اس سے فارغ ہو کر واپس بغداد آ گیا—!

طوفان سے پہلے کا سکون

اس سال اور اس کے بعد والے سال میں رشید کا قیام رقہ ہی میں رہا، اور برامکہ حسب معمول بغداد میں اقامت گزیں رہے۔ اور ان کے مابین ایک طرح کا تعلق سا قائم رہا۔ ایک سکوت—شاید وہ سکوت جو طوفان سے پہلے سمندر میں نظر آتا ہے۔

اسی اثنا میں موسیٰ اپنے باپ یحییٰ برمکی کے پاس اپنی خفیہ قیام گاہ سے نمودار ہؤا۔

یحییٰ نے موسیٰ کو ہدایت کی کہ وہ فوراً رشید کے پاس جائے، اس سے معذرت کرکے اس کی غلط فہمی دور کر دے اور وسا وس و خطرات جو اس کے دل میں اس کے برخلاف پیدا ہوگئے ہیں ان کا تدارک کرے اور جو تلخی، بدمزگی اور کشیدگی رونما ہو گئی ہے، اس کا خاتمہ کر دے۔

باپ کی ہدایت کے مطابق موسیٰ رشید کی خدمت میں رقہ حاضر ہؤا اور اس سے اپنی معلوم و نامعلوم خطاؤں کی معذرت کی، لیکن رشید نے

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ٦٧٣۔

اس کی معذرت قبول نہیں کی اور حکم دیا کہ عباس بن موسیٰ ہاشمی کے پاس اس کو قید کر دیا جائے۔

موسیٰ کے ساتھ اس کی ماں زینب بنت منیر بھی گئی تھی جو رشید کی رضاعی ماں تھی۔ اسے جب موسیٰ کی گرفتاری اور حوالۂ زنداں ہونے کی خبر ملی تو ضبط نہ کر سکی، فوراً بھاگی بھاگی رشید کے پاس پہنچی اور اس سے التجا کی کہ اس کے بیٹے کو معاف کر دے اور اس کی غلطیاں بخش دے۔

رشید نے زینب سے کہا:

''میری ماں، اس نے (موسیٰ) ایسی حرکتیں کی ہیں، جن سے میں بہت برہم ہوں، اور ہرگز معاف نہیں کر سکتا!''

زینب نے رشید سے، جو اس کا رضاعی بیٹا تھا بہت الحاح و زاری کے ساتھ موسیٰ کی رہائی کی درخواست کی۔

رشید نے زینب سے سوال کیا:

''کیا یہ اپنے باپ (یحییٰ برمکی) کی ضمانت دلا سکتا ہے؟''

زینب نے جواب دیا:

''ہاں بے شک، کیوں نہیں دلا سکتا!''

آخر یحییٰ نے موسیٰ کی ضمانت کر دی، تب جا کر اسے رہائی ملی۔ رشید نے موسیٰ کو اس طرح رہا کیا کہ بظاہر اس سے خوش بھی ہو گیا اور کم از کم ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل میں جو اندیشہ ہائے دور و دراز پیدا ہو گئے تھے، وہ رفع ہو گئے ہیں اور جو شکوک و شبہات اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے، وہ محو ہو گئے ہیں۔

عذر معذرت اور معافی کے بعد، رشید نے موسیٰ کو بغداد واپس جانے کی اجازت دے دی [۱]۔

عربیت اور عجمیت کا تصادم

۱۸۶ھ (مطابق ۸۰۲ع) کے کئی مہینے اس طرح گذر گئے، پھر

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۶۷۵۔

رشید نے اپنے عمال کو اطلاع دی کہ اس سال وہ حج کا قصد رکھتا ہے اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ دونوں ولی عہدوں ——امین و مامون ——کے مابین جو عہد و میثاق ہوئے ہیں انھیں اندرون کعبہ لکھوا کر آویزاں کروا دے ، نیز اپنے عمال کو ——جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ، ——اس نے ہدایت کی کہ وہ اپنی اپنی اقلیم کے سر برآوردہ نمایاں اور با اثر افراد کو اس موقع پر مکہ مکرمہ آنے کی ترغیب دے ۔ "

اس کام سے فارغ ہو کر رشید نے رقہ کے امور و معاملات ابراہیم بن عثمان بن نہیک کے سپرد کیے اور اس کے بیٹے قاسم کو حدود روم کی حفاظت اور نگہداشت پر مامور کیا ۔ پھر اپنے قافلے کے ساتھ شاہانہ جاہ و تجمل کا مظاہرہ کرتا ہوا ، ارض حجاز کی طرف روانہ ہو گیا ۔

دوران سفر میں جب وہ بغداد کے قریب پہنچا تو ایک طرف پڑاؤ ڈالا اور مقیم ہو گیا ۔ لیکن شہر میں داخل نہیں ہوا ، رجال دولت یہیں آ کر اس کے ساتھ ہوگئے جن میں دونوں ولی عہد اور جملہ آل برمک بغیر کسی استثنا کے شریک تھے ۔

اس موقع پر اس واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا بھی بسا ضروری اور اہم معلوم ہوتا ہے ، کہ دونوں ولی عہدوں کے مابین جو نفرت ، عداوت اور کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اس نے رشید کو حد درجہ ملول اور دل برداشتہ کر رکھا تھا ۔ جب بھی اس کی نظر ان دونوں پر یا کسی ایک پر پڑتی تھی تو اس کی آنکھوں پرنم ہو جاتی تھیں اور ایسا کئی مرتبہ ہو چکا تھا ۔ بار بار جو اندیشہ پیدا ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ خاندان خلافت کا حشر کیا ہوگا ؟ اور خلافت کا مستقبل کیا ہوگا ؟ ان دونوں کے مابین اگر نزاع و کشمکش کا عالم یہی رہا تو آنے والا کل اپنے ساتھ کیا کچھ نہ لائے گا ؟ اور وہ کتنا کچھ ہونا کب نہ ہوگا ؟

اس فکر کے علاوہ دوسری فکر جو اسے ہو رہی تھی ، یہ تھی کہ ان دونوں ولی عہدوں کے حاشیہ نشین ، مصاحب اور ندیم و دمساز اس آگ کو اور زیادہ بھڑکا رہے تھے ۔ ان دونوں کی مثال تیل اور پانی کی تھی جو ایک دوسرے سے کسی طرح بھی گھل مل نہیں سکتے ۔ ایک

طرف (امین کی طرف) عربیت صریحہ تھی ، اور دوسری طرف (مامون کی طرف) خالص فارسیت تھی ۔ جس کی قیادت و سیاست جعفر برمکی کے ہاتھ میں تھی ۔ اور فضل بن سہل اسے اور زیادہ محکم اور مستحکم کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا ۔ وہ عربوں سے سخت متنفر تھا اور بہت زیادہ جلتا تھا ، اسے اپنی عنصریت پر ناز تھا ، اور اس کے انتظام و فروغ کے لیے وہ سراپا عمل بنا ہوا تھا [1] ۔

جعفر برمکی کی عجیب حرکت

فریضۂ حج سے فراغت کے بعد رشید فقہا ، علما اور رؤسا وفود کی معیت میں خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور یہاں الگ الگ امین و مامون کے لیے

---

۱ ۔ الجھشیاری ، صفحہ ۲۵۵ ۔

رشید کو ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کے بیٹے مامون کے احوال و شؤون کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکے ۔ یحییٰ نے اس موقع پر فضل بن سہل کو اس کی خدمت میں اپنی سفارش اور تحسین و توصیف کے ساتھ پیش کر دیا ۔ ہارون نے یہ سفارش منظور کر لی اور فضل بن سہل کو مامون رشید کے دامن سے وابستہ کر دیا ۔

یہ فضل بن سہل اہل فارس میں حد درجہ ذہین اور چالاک و ہوشیار شخص تھا ۔ رشید کی موت کے بعد اس نے مامون کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا تھا اور بڑے عہد آفریں واقعات اس کی ذات سے وابستہ ہیں ۔

مامون کو ، امین کے خلاف بھڑکانے والا اور جنگ برپا کرانے والا درحقیقت یہی شخص تھا ، جس کا انجام امین کے دردناک قتل پر ہوا ۔

فضل بن سہل وزارت عظمیٰ پر قابض اور متصرف ہو گیا ۔ اس نے اپنے دور اقتدار و اختیار میں مختلف اور متعدد صورتوں میں وہی کھیل کھیلا ، جو برامکہ اپنے عہد اقتدار و اختیار میں کھیلتے رہے تھے ۔

ایک دوسرے سے متعلق عہد و میثاق تحریر کیا ؛ ــــــ جس کی ضروری تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے ــــ !

جب محمد الامین اس مجمع کے سامنے کھڑا ہوا اور قسم کھائی کہ جو عہد و میثاق اس نے اپنے بھائی مامون کے لیے لکھا ہے اس پر صدق دل سے وہ اس کے ایک ایک حرف پر عمل کرے گا ، تو جعفر بن یحیٰی برمکی دفعۃً اٹھ کھڑا ہوا ، اس نے امین کی ردا کا کونہ کھینچتے ہوئے کہا :

" کہیے خدا مجھے ذلیل و رسوا کرے اگر میں مامون کو ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کروں " ۔

امین نے یہ الفاظ کہہ دیے ۔

جعفر نے تین مرتبہ ان الفاظ کا اعادہ کیا اور تینوں مرتبہ امین نے بغیر کسی تامل کے یہ الفاظ دہرا دیے[1] ۔

جعفر کی اس حرکت کی تائید و تصدیق پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے ۔

ہماری رائے میں جعفر کی یہ حرکت جعفر برمکی کی قلت تدبیر و مصلحت پر دلالت کرتی ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں ، جن میں سے اہم ترین سبب یہ ہے کہ جعفر نے رشید کے احساس و شعور کی ذرا بھی رعایت ملحوظ نہیں رکھی ، حالانکہ یہ بڑی کٹھن اور نازک گھڑی تھی ۔ اس موقع پر بنو عباس کے تمام سربرآوردہ اور اکابر موجود تھے ، ان کے سامنے ایک نجیب اور والا حسب عرب ــــ امین ــــ سے تین مرتبہ اس طرح کے الفاظ کا کہلانا ہرگز دانش مندی نہیں تھی ۔ ان الفاظ سے صاف طور پر مترشح ہو رہا تھا ، کہ جعفر ولی عہد اول اور مستقبل کے خلیفہ ــــ امین ــــ کے قول پر اعتماد نہیں کرتا اگر کرتا تھا تو تین مرتبہ یہ الفاظ کہلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی ، حالانکہ وہ اس حقیقت سے بہ خوبی واقف تھا کہ جو معاہدہ ہارون رشید نے دونوں بھائیوں سے لکھوایا ہے وہ الفاظ اور معانی کے اعتبار سے بہت سخت ہے اور اس میں بہ حلف ایفاء عہد کی تائید و تاکید پہلے

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۵۷ ۔

سے موجود ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ جعفر کی اس حرکت نے رشید کو اور زیادہ دل ہی دل میں مشتعل کر دیا اور برامکہ کے خلاف اس کے دل میں مستقل طور پر نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا ہوگئے اور جو فیصلہ برامکہ کے بارے میں وہ کر چکا تھا ، اس واقعہ کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر اس کی تجدید دل میں کر لی ۔ اگرچہ اس تجدید کی ضرورت نہ تھی ، کیونکہ جو فیصلہ آل برمک سے متعلق اس نے کیا تھا ، وہ اٹل تھا اور ان کا وقت آخر قریب آتا جا رہا تھا ۔

جعفر کی دعوت قبول کرنے سے انکار

پھر حاجیوں کے قافلے اپنے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگئے اور موکب خلافت بھی عراق کی طرف روانہ ہوا ۔

جعفر کا معمول تھا کہ جب کبھی رشید فریضۂ حج ادا کر کے واپس آتا ، تو عفان کے علاقہ میں جو اس نے شاندار محل تعمیر کر دیا تھا ، وہاں پر اس کی پرتکلف اور شاندار دعوت کرتا ۔ عفان بغداد کے جنوب مغرب میں واقع تھا ، بالکل برلب دریائے فرات !

لیکن اس مرتبہ رشید نے جعفر کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ حیلے حوالے کر کے اس کے اصرار کو ٹال گیا ، یہاں تک کہ وہ شہر حیرہ میں پہنچا [1] اور یہاں کچھ عرصے تک اقامت گزیں رہا ، پھر کشتی میں بیٹھ کر ''العمر'' کی جانب روانہ ہوا ، جو شہر انبار کے قریب واقع ہے ۔ یہاں اپنے ساتھیوں سمیت اس نے پڑاؤ کیا اور حکم صادر کیا کہ افراد حاشیہ ان مقامات پر ٹھہرائے جائیں جو ان کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں اور خود اپنے نگہبانوں کے ساتھ اس علاقے کی طرف مقیم ہوا ، جو باغوں اور کھیتوں کے مابین واقع تھا ۔

یہ سردی کا موسم تھا اور محرم کا مہینہ ۱۸۷ھ (مطابق جنوری ۸۰۳ع) ۔

اس کے بعد رشید نے اپنی چھاؤنی سے سندی بن شاہک کو ایک خط

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦٧٧ ۔

لکھا ، جو بغداد کے پلوں کا نگران اور مہتمم تھا ، اس خط میں اس نے لکھا تھا :

''اگر تو بیٹھا ہے تو اٹھ کھڑا ہو اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ مت اور میرا یہ خط دیکھتے ہی میرے پاس چلا آ ۔''

سندی یہ خط پڑھتے ہی بھاگوں بھاگ رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، جب وہ العمر کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا ۔ اس کو دیکھتے ہی رشید نے تخلیہ کا حکم صادر کیا اور اس سے پوچھا :

''کیا تو جانتا ہے میں نے تجھے کیوں بلایا ہے ؟''

سندی نے جواب میں عرض کیا :

''نہیں امیرالمومنین میں نہیں جانتا !''

رشید نے کہا :

''تجھے میں نے ایسے کام کے لیے بلایا ہے کہ اگر اس کا پتہ میری قمیص کے دامن کو بھی چل جائے تو ابھی اسے فرات میں پھینک دوں ۔ یہاں سے فوراً روانہ ہو جا ۔ جس قدر جلد ہو سکے جا اور مدینۃ السلام (بغداد) میں پہنچ جا ، وہاں اپنے خاص الخاص ، معتمد اور کار گزار و کار آزمودہ آدمیوں کو جمع کر کے انہیں اور ان کے اعوان کو حکم دے کہ بالکل تیار ہو جائیں اور پھر جب رات تاریک ہو جائے تو برامکہ کے گھروں کی طرف جا اور ان کے ہر دروازے پر اپنے آدمی کھڑے کر دے اور انہیں تاکید کر دے کہ نہ کسی کو داخل ہونے دیں ، نہ کسی کو باہر نکلنے دیں ۔ البتہ محمد بن خالد کا گھر مستثنیٰ ہے ، وہ اس وقت تک آزاد ہے جب تک تمہیں میرا کوئی دوسرا حکم نہ پہنچ جائے[1] ۔''

جعفر کے قتل کا حکم

رشید نے سارا دن جعفر اور دوسرے مصاحبوں کے ساتھ شکار میں صرف کیا ۔ تاکہ جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کی جھلک بھی کوئی محسوس نہ کر سکے ۔ کسی دن بھی وہ اتنا ہشاش بشاش آج کی طرح نظر نہیں

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۸۱ ۔

آیا تھا ۔

یہاں تک کہ شب تار نے اپنا پردہ ڈالا ۔

رشید اور جعفر باتیں کرتے ہوئے واپس آئے ، رشید نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا :

''اگر میں بہت زیادہ تھک نہ گیا ہوتا تو تمھیں جانے نہ دیتا !''

پھر دونوں الگ الگ چلے گئے ۔

جب آدھی رات ہوئی تو رشید نے اپنے بہت زیادہ معتمد خاص مسرور کو طلب کیا ، وہ بھاگوں بھاگ حاضر ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ رشید تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور اسلحہ زیب تن ہیں گویا وہ قتال پر روانہ ہو رہا ہے ۔ اس وقت کچھ عجیب کیفیت طاری تھی اس پر ، اسی مسلح حالت میں اپنے مقصورے (چبوترے) پر ٹہل رہا تھا ۔

مسرور یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا اور خاموش کھڑا ہو گیا ۔

رشید کی نظر مسرور پر پڑی تو اس نے کہا :

''اے مسرور میں تجھے ایک زبردست مہم پر بھیجنے والا ہوں ، اپنی اولاد میں سے محمد (امین) عبداللہ (المامون) اور قاسم کسی کو بھی اس کار اہم کے انجام دینے کا اہل نہیں سمجھتا ، بس ایک تو ہے جو میری نظر میں جچ گیا ہے ، میرا دل کہتا ہے کہ بس تو ہی یہ کام کر سکتا ہے ، اب یہ تیرا کام ہے کہ میرے حسن ظن کو صحیح ثابت کرے اور اس بات سے ڈرے کہ جو حکم دوں اس کی تعمیل نہ کر سکے ، کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو میری نظر سے گر جائے گا اور تجھے عبرتناک حالات سے گزرنا پڑے گا۔ بتا کیا ارادہ ہے تیرا ؟''

مسرور نے کڑے تیور اور عزم کے ساتھ جواب دیا :

''یا امیرالمومنین اگر آپ حکم دیں کہ اس تلوار کو میں اپنے پیٹ میں گھونپ لوں تو ابھی آپ کے سامنے کر کے دکھا سکتا ہوں ، بس جو حکم دینا ہو دیجیے اور ملاحظہ فرما لیجیے کہ کس قدر جلد یہ غلام اسے انجام دیتا اور اتمام تک پہنچاتا ہے !''

رشید نے یہ سن کر پوچھا :

''کیا تو جعفر بن یحییٰ برمکی کو جانتا ہے !''

مسرور نے جواب دیا :

''بھلا میں اسے نہ جانوں گا ؟''

رشید نے حکم دیا :

''بس فوراً ابھی اور اسی وقت جعفر کے گھر جا اور اس کا کٹا ہوا سر لے کر واپس آ ،—خواہ وہ کسی حالت میں کیوں نہ ہو !''

یہ حکم سن کر مسرور کانپ اٹھا ، رشید چیخ پڑا ، اس نے کہا :

''فوراً جا اور میرے حکم کی تعمیل کر—البتہ اپنے ساتھ جتنے سپاہی اور برقنداز لے جانا چاہتا ہے ، لیتا جا[۱]'' !

جعفر کی کٹی ہوئی گردن

مسرور ایک دستہ سپاہ کے ساتھ جعفر کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور اسے گھیر لیا ، پھر اندر داخل ہوا ، یہاں مجلس ناؤ نوش گرم تھی ، ارد گرد دف بجانے والے اور مغنی بیٹھے ہوئے تھے ۔

جعفر نے مسرور کو مسلح اور بلا اجازت جو اپنے خلوت خانے میں وارد ہوتے دیکھا تو گھبرا گیا ۔

مسرور نے اسے حکم دیا کہ ان لوگوں کو یہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ چلیے ۔

جعفر بے چون و چرا اٹھ کھڑا ہوا ، مسرور اسے لے کر قریب ہی ایک جگہ لے گیا ، اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور قتل کی تیاری کرنے لگا ۔

جعفر نے مسرور کا یہ رنگ اور ارادہ دیکھ کر سہمے ہوئے لہجہ میں کہا :

''مسرور کیا تم نہیں جانتے ! امیرالمومنین مجھ سے طرح طرح کے مذاق کیا کرتے ہیں ؟ اگر انھوں نے میرے قتل کا حکم دیا ہے ، تو اسے بھی از قبیل مزاح سمجھ !''

---

۱ ۔ الجھشیاری ، صفحہ ۲۳۴ ۔

مسرور نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کی ، اس نے کہا :

''اب تو جو کچھ ہونے والا ہے ، وہ ہو کر رہے گا !''

جعفر نے جب دیکھا یہ کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہیں آتا ، تو کہا :

''مسرور ، تم پر میرے کچھ حقوق ہیں ، انھی کا پاس کرو !''

مسرور نے جواب دیا :

''بے شک ، آپ کے حقوق ہیں اور میں ان کا پاس کرنے کو تیار ہوں ، بشرطیکہ وہ امیرالمومنین کے حکم اور ایماء سے متصادم نہ ہوں !''

جعفر نے مسرور کا یہ جواب سن کر کہا :

''اچھا تو تم امیرالمومنین کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم نے ان کے حکم کی تعمیل کر دی ہے ، اگر وہ اس تعمیل حکم پر اظہار ندامت کریں تو میری زندگی تمھارے ہاتھ میں ہے اور اگر وہ تمھیں کچھ نہ کہیں ، بلکہ اپنے حکم کی تعمیل پر مطمئن نظر آئیں ، تو واپس آ کر میری گردن کاٹ لو اور جو چاہو ، کرو !''

مسرور کو جعفر کی اس بات میں معقولیت نظر آئی ، اس نے جعفر کو خوب اچھی طرح جکڑ کے اور بے بس کر کے فوراً قصر رشید کا رخ کیا اور اس سے عرض گذار ہوا :

''یا امیرالمومنین ، جو آپ نے فرمایا تھا اس کی تعمیل ہو گئی اور جعفر کا کٹا ہوا سر اگر آپ حکم دیں تو حاضر کر دیا جائے ؟''

رشید نے کہا :

''جلدی کر ، فوراً اس کا کٹا ہوا سر لا ، قبل اس کے کہ میں تیری گردن اڑا دوں !''

مسرور یہ سن کر باہر نکلا ، اس نے جعفر کی گردن کاٹی اور اس کا سر اپنی قبا میں لیے ہوئے حاضر ہوا ۔

رشید نے حکم دیا کہ اسے ایک برتن میں رکھ دیا جائے اور پھر

اُسے ایک رومال سے ڈھانک دیا[1]۔

اس کے بعد رشید نے فوراً ان لوگوں کو جو برامکہ کے ملازموں، خادموں، غلاموں، دوستوں اور اعوان و انصار میں تھے اور "العمر" کے اطراف میں موجود تھے کہا، کہ ان سب کو پکڑ لیا جائے، اس کے علاوہ یہ حکم بھی دیا کہ یحییٰ بن خالد اپنے گھر میں قیدی بن کر رہے؛ لیکن اس کے ساتھ کسی طرح کی کوئی رعایت نہ کی جائے اور فضل برمکی کو اور جو لوگ اس کے ساتھیوں میں ہیں، گرفتار کر کے قصر رشیہ میں اسی وقت حاضر کیا جائے اور باقی اعوان، خدام اور خاص خاص لوگوں کو جو برامکہ کے حامی اور دوست تھے، بیڑیوں میں جکڑ دیا جائے۔

اس کے علاوہ رشید نے اپنے قائد سپاہ ہرثمہ بن اعین کو حکم دیا کہ "العمر" کا پورا علاقہ محاصرے میں لے لیا جائے اور ہر شخص کو عام اس سے کہ وہ فوج کا سپاہی ہو، یا عام لوگوں میں سے کوئی شخص جو شام کے وقت بغداد میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کرے، اجازت نہ دی جائے اور برامکہ کے گھر میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور وہ جوں کی توں رہنے دی جائیں، یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور ان کے بارے میں کوئی فرمان صادر کیا جائے۔

یحییٰ بن خالد برمکی

ایک روایت کے مطابق، یحییٰ بن خالد برمکی کو اس کے گھر میں قید کرنے کے بعد، اس کی نگہداشت کی ذمہ داری، سلامہ الابرش کے سپرد کی گئی تھی، یہ وہی شخص تھا کہ جب رشید کو اس کے بھائی نے قید کر دیا تو یہ اس کی نگہداشت پر موسیٰ ہادی کی طرف سے مامور تھا اور جس روز رشید کی خلافت پر بیعت ہوئی اور وہ مسند آرائے خلافت ہوا، تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے قتل کر دے گا، لیکن یحییٰ بن خالد برمکی آڑے آیا، اس نے پر زور سفارش کی اور رشید اس کی جاں بخشی کر دینے پر مجبور ہو گیا۔

۱۔ قتل جعفر کے بارے میں روایات متعدد اور مختلف ہیں، ہم نے قدیم ترین ماخذ سے یہ روایت لی ہے۔

یحییٰ اور سلامہ کی گفتگو

روایت ہے کہ سلامہ اس رات یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس آیا اور اسے حکم دیا کہ وہ نظر بند ہے اور جب تک امیرالمومنین کی اجازت نہ ہو، یہاں سے قدم باہر نہ نکالے۔

یحییٰ نے اس سے پوچھا:

''جعفر پر کیا گزری؟''

سلامہ الابرش نے جواب دیا:

''وہ قتل کر دیا گیا!''

یحییٰ نے پھر سوال کیا:

''اور جعفر کے دوسرے بھائیوں کا حال کیا ہوا؟''

سلامہ نے جواب میں کہا:

''وہ جیل میں ہیں!''

یہ سن کر یحییٰ بن خالد برمکی نے کہا:

''زمانہ اسی طرح گردش کرتا ہے، ہر حالت میں خدائے بزرگ و برتر کا شکر واجب ہے، میں یہ سب کچھ جانتا تھا، بہر حال اللہ کی رضا پر میں شاکر ہوں[1]!''

اس بات چیت کے بعد یحییٰ نے پھر کہا:

''جو کچھ ہوا، میرے لیے خلاف توقع نہیں ہے!''

رشید نے یہ ساری رات اس طرح گزاری کہ تلوار گلے میں حائل تھی، اسلحہ زیب تن تھے، وہ سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے کا انتظار کر رہا تھا، ایک لمحہ کے لیے بھی بستر استراحت پر اس نے قدم نہیں رکھا۔

اصمعی کا بیان ہے:

اس ہولناک رات کے آخری حصے میں رشید نے مجھے طلب کیا، میں گھبرایا ہوا پہنچا، لیکن کوئی خبر نہیں تھی کہ ہوا کیا ہے اور بات کیا ہے؟ میں نے سامنے آتے ہی سلام کیا!

رشید نے میرا سلام سن کر کہا:

۱۔ الجہشیاری، صفحہ ۲۴۰۔

بیٹھ جاؤ !''

میں بیٹھ گیا ۔ پھر رشید نے اشارے سے کہا کہ برتن پر جو رومال پڑا ہوا ہے ، اسے اٹھاؤں ، میں نے اسے اٹھایا ، تو جعفر کا کٹا ہوا سر دکھائی دیا ، وہ میرے ہاتھ سے دہشت کے باعث گر پڑا ۔

رشید نے کہا :

''اے اصمعی :

لو ان جعفر هاب اسباب الردی
لنجا بمهجته طمر ملجم---!
ولكان من حذر المنون بحيث لا
يرجوا للحاق به الغراب القشعم
لكنه لما تقارب يومه
لم يدفع الحدثان عنه منجم

یہ اشعار پڑھ کر اس نے مجھ سے کہا :

''جاؤ اپنے گھر جاؤ !''

اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی ۔

قبل اس کے کہ صبح کی روشنی پھیلے ، رشید نے ہرثمہ بن اعین کو حکم دیا کہ ایک دستہ سپاہ لے کر بغداد کی طرف روانہ ہو ۔ بغداد اور العمر کے مابین فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا ، رشید نے حکم دیا کہ جعفر کا جسم اور سر سندی بن شاہک اٹھا کر چلے ، تاکہ مدینہ منصور---بغداد ---کے بیچوں بیچ اسے شارع عام پر لٹکا دیا جائے ، تاکہ صبح صبح جیش کرمینیہ کے لوگ یا دوسرے اصحاب یا باہر سے آنے والے اشخاص جب بغداد میں داخل ہوں تو یہ منظر دیکھ کر حقیقت حال کا اندازہ کرلیں ، اس کے علاوہ یہ حکم بھی دیا کہ فوج سے برابر رابطہ قائم رکھا جائے اور اس پر سندی بن شاہک کا حکم چلے ، حالانکہ ہرثمہ بن اعین رشید کے بہترین سالار فوج میں سے تھا ، بے حد دلیر اور صاحب تدبیر و حکمت ۔

ساتھ ہی ساتھ اپنے کچھ خدام اور موالی بھی بھیجے ، ان میں سے

ہر ایک کو برامکہ کے گھروں اور محلات پر متعین کر دیا ، تاکہ وہاں جو مرد ہوں انھیں فوراً گرفتار کر لیا جائے ، البتہ عورتوں اور بچوں سے تعرض نہ کیا جائے اور ان کے مال میں بھی ہاتھ نہ لگایا جائے ۔

ان انتظامات سے فارغ ہو کر رشید نے دوسرے لوگوں کی ایک جماعت ہر اس خطے میں بھیجی ، جہاں برامکہ اجتماعی یا انفرادی طور پر اقامت گزیں تھے اور جہاں برامکہ کے محلات ، جاگیریں اور اعوان موجود تھے تاکہ ان سے محاسبہ کیا جا سکے اور جو کچھ ملے اور دستیاب ہو ، اسی وقت اس کی خدمت میں بھیج دیا جائے ، ذرا تاخیر بھی روا نہ رکھی جائے ۔

پھر رشید نے اچھی طرح دن نکل آنے کے بعد ، جملہ آل برمک کو رقہ کے قید خانوں میں بھیج دینے کا حکم صادر کیا اور یہ بات ملحوظ رکھی کہ اس حکم کی تعمیل اس کے سامنے ہی ہو جائے ، اس کے بعد وہ دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوا ۔

رشید اور یحییٰ میں نامہ پیام

ان تمام مرحلوں کے بعد اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کو پیغام بھیجا :

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کسی طرح کی بدسلوکی تمھارے ساتھ کبھی روا نہیں رکھوں گا ، میں اب بھی اپنے عہد پر قائم ہوں میرا ارادہ اسے توڑنے کا نہیں ہے ، پس تم جہاں بھی چاہو ، رہو !''

یحییٰ نے اس کا جواب بایں الفاظ دیا :

''اگر آپ مجھ سے راضی ہیں تو قیام کے لیے جو جگہ سب سے زیادہ مجھے عزیز و محبوب ہو سکتی ہے وہ مکۂ مکرمہ یا سرحدی علاقے ہیں اور اگر آپ مجھ سے راضی نہیں ہیں ، تو پھر میں جہاں ہوں ، وہیں ٹھیک ہوں ، کہیں جانا نہیں چاہتا ، جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں !''

یحییٰ کا مقصد یہ تھا کہ جعفر تو قتل ہوگیا ، لیکن باقی برمکی رہا کر دیے جائیں ، لیکن رشید اس بات کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اور برامکہ کے مابین جو واقعات و حوادث گزر چکے ہیں ، ان کے

بعد ان کا جیل سے رہا کر دیا جانا خطرناک ہے اور از قبیل نا حکمت ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ جو کچھ ہو سکتا تھا وہ یہی کہ انہیں رہا کر کے وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیتا اور عواقب امور کو یکسر نظر انداز کر دیتا ۔

یہی سب کچھ سوچ کر اس نے یحییٰ کو حسب ذیل جواب دیا :

''تم تن تنہا جہاں اور جس جگہ چاہو رہ سکتے ہو !''

یحییٰ نے جواب دیا :

''اس صورت میں میرے لیے پسندیدہ بات یہ ہے کہ اپنے بیٹے کے پاس رہوں !''

رشید نے یہ بات مان لی اور یحییٰ کو اس کے بیٹوں فضل ، محمد اور موسیٰ کے ساتھ ایک دیر میں جس کا نام 'القائم' تھا ، منتقل کر دیا اور مسرور کو ان کی نگہداشت پر مامور کر دیا ۔

یہی سلوک اس نے برامکہ کے ان آدمیوں کے ساتھ بھی کیا جو گرفتار کیے گئے تھے ، سب کو ہتھکڑی ، بیڑی سے آزاد کر دیا اور اس بات کی تاکید کر دی کہ کھانے پینے اور لباس کے سلسلے میں جو کچھ یہ طلب کریں فوراً مہیا کیا جائے اور کسی طرح کی تکلیف نہ دی جائے[1] ۔

علاوہ ازیں فضل اور جعفر کی ماں — اور اپنی رضاعی ماں — زینب بنت منیر کے لیے حکم صادر کیا کہ وہ جب چاہے اور جتنے دن چاہے ان قیدیوں کے ساتھ بود و باش رکھ سکتی ہے ، کافی تعداد میں جواری (لونڈیاں) رکھنے کی بھی اسے اجازت تھی ، علاوہ ازیں ایک لاکھ درہم اسے ضروریات پوری کرنے کے لیے بھیجے اور بہت سے بیش قیمت کپڑوں کے تھان ارسال کیے اور ہدایا اور تحائف کا سلسلہ غیر منقطع طور پر برابر جاری رکھا[2] ۔

مرقع عبرت

قتل جعفر اور سقوط برامکہ کی خبر مشرق و مغرب میں جلد از جلد

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۰ -

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۷۹ -

پھیل گئی ، بغداد کے لوگ بھی چوکنے ہوگئے ، انھوں نے جعفر کا سر اور جسم پھانسی پر لٹکا ہؤا شارع عام پر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ۔

جو لوگ برامکہ کے دوست اور مداح تھے ، انھیں اس حادثہ سے بہت صدمہ ہؤا ۔ جو مخالف تھے ، وہ خوش ہوئے ، برامکہ کے مدح خواں قدرت کے اس کرشمے پر حیران تھے کہ راتوں رات جو قلعہ ناقابل تسخیر نظر آتا تھا ، منہدم ہوگیا ۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :

قولا لمن یرتجی الحیاۃ اما
فی جعفر عبرۃ و یحیاہ
کانا وزیری خلیفۃ اللہ ھا
دون ھمانا خلیلاہ
فذاکم جعفر برمتہ
فی حالق رأسہ و نصفاہ
و الشیخ یحیی الوزیرا صبح قد
نحاہ عن نفسہ و اقصاہ
کذاک من سیخط الالہ بما
یرضی بہ العبد یجزہ اللہ
سبحان من دانت الملوک لہ
اشہد ان لا الہ الا ھو

برامکہ کی بربادی

دوستوں کے ہاں صف ماتم ۔ دشمنوں کے ہاں چراغاں

نتائج و ما حصل

ایک حیرت انگیز واقعہ

برامکہ کی تباہی اور بربادی کا حادثہ امن اور خاموشی کے ساتھ وقوع میں آ گیا ، رشید نے اس سلسلے میں جو منصوبہ بنایا تھا اور اسے جس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا ، اس میں پورے طور پر کامیاب ہؤا ۔ اس کے کاری اور فوری وار کو دیکھ کر سپاہ کرسینیہ دنگ اور ششدر رہ گئی اور کچھ بھی تو نہ کر سکی ۔ البتہ خراسان پر غم و الم کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ۔ جو حادثہ رونما ہؤا تھا ، اس پر خراسان کا تاسف کوئی غیر قدرتی بات بھی نہ تھی اور جو لوگ بنو عباس کے اقتدار و اختیار کے لیے ، نفوذ فارس کو ایک مہلک خطرہ تصور کرتے تھے وہ تو اس حادثے سے بہت خوش تھے ۔ کہنا چاہیے کہ باغ باغ تھے ۔ اب صحیح معنیٰ میں ایک عرصے کے زوال و ادبار کے بعد قومیت عربیہ کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا تھا اور دولت اسلامیہ میں رشید کی شخصیت پہلی مرتبہ بالکل ٹھیک طور پر اپنے آب و رنگ کے ساتھ نمایاں ہوئی تھی ۔ اب نہ اس پر کوئی مسلط تھا ۔ نہ اس کے کاموں اور کارناموں میں شریک تھا ، چاہے وہ خراسان کا رہنے والا ہو ، یا بغداد کا باشندہ ۔ جعفر کے اور اس کی قوم کے صنائع کے برعکس اور برخلاف سب کچھ کرنے میں وہ آزاد تھا ، نہ کسی میں مجال دم زدن تھی نہ یارائے مقابلہ ، شہر رقہ میں جعفر کے جو حامی اور دوست رہتے تھے ۔ وہ بھی یکسر بے بس اور بے سہارا نظر آ رہے تھے ان کے پاؤں

تلے سے زمین سرک چکی تھی اور اپنے آپ کو ایک عجیب عالم میں پا رہے تھے۔ ان لوگوں میں ہارون رشید کے نقطۂ نگاہ سے جو لوگ مشکوک اور مشتبہ تھے اور ان کے بارے میں اندیشہ تھا کہ اپنے آقا اور محسن کا انتقام لینے کے لیے کوئی کاروائی کریں گے اور موقع پاتے ہی آمادۂ پیکار ہو جائیں گے ، ان کی بڑی سختی سے ، اور بہت وسیع پیمانے پر رشید کے حسب حکم نگرانی کی جانے لگی۔ مخبر پل پل کی خبر رکھتے اور جاسوس معمولی سی نقل و حرکت کو بھی نگاہ میں رکھتے۔ اس سلسلے میں رشید نے کسی طرح کی کوتاہی یا سستی اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اس مخبری اور جاسوسی کا انجام کہیں ان کی موت اور ہلاکت کی صورت میں رونما نہ ہو ، لیکن جلد ہی حالات معمول پر آ گئے اور مشکوک و مشتبہ لوگ بھی آخرکار ہتھیار ڈال دیئے ، یعنی خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ، اور رفتہ رفتہ ان کے نزدیک یہ قصہ حادثۂ ماضی بن گیا۔

ایک اور قتل

روایت ہے کہ جعفر کا ندیم اور کاتب انس بن ابی شیخ جب بھی اپنے آقا کی بات کرتا ، یا اس کا ذکر سنتا تو بے ساختہ رونے لگتا اور علانیہ رشید کو قتل کر ڈالنے اور اسے نیست و نابود کر دینے کے عزم کا اظہار کرتا۔

رشید نے ایک روز انس بن ابی شیخ کو اپنے حضور میں فیصلہ کرنے کے لیے طلب کیا ، جن لوگوں نے اس کے منہ سے رشید کے بارے میں قتل و ہلاکت کی باتیں سنی تھیں ، انہوں نے گواہی دی کہ ہاں ہم نے اسے اس طرح کی باتیں کرتے سنا ہے۔

رشید نے اس سے سوال کیا:

"کیا تو اس روز جعفر کی مجلس میں موجود تھا اور جس میں اس نے حربانی کے قتل کا حکم صادر کیا تھا اور بغیر مجھ سے اجازت لیے ہوئے اسے قتل کر کے پالتی پر چڑھا دیا تھا ؟"

انس بن ابی شیخ نے جواب دیا :

''جی ہاں ! یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے!''

رشید نے پھر اس سے سوال کیا :

''اور کیا تو ہی وہ شخص نہیں تھا ، جس نے پولیس کو ہدایت کی تھی کہ اسے سب سے لمبی اور اونچی صلیب پر رقہ میں لٹکایا جائے ؟''

انس بن ابی شیخ نے جواب دیا :

''جی ہاں ، یہ بھی سچ ہے ، ایسا ہی ہؤا تھا !''

رشید نے یہ سُن کر حکم دیا :

''انس بن ابی شیخ کو ابھی قتل کر دیا جائے ، اور اسے اسی جگہ قتل کے بعد لٹکایا جائے ، جہاں حربانی کو لٹکایا گیا تھا[1] !''

باپ کے خلاف بیٹے کی مخبری

ابراہیم بن عثمان بن نہیک کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا رشید کے پاس ایک دن آیا اور کہنے لگا :

''میرا باپ ہر روز مجلس شراب اپنے گھر میں ترتیب دیتا ہے - جب نبیذ کا نشہ چڑھ جاتا ہے تو تلوار سُتکاتا ہے اور اسے ہاتھ میں لے کر کہتا ہے :

''ہائے جعفر ہائے میرے آقا ، خدا کی قسم میں تیرے قاتل کو قتل کرکے رہوں گا ، اور بہت جلد تیرے خون کا بدلہ لے لوں گا!''

رشید نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا :

''تو اپنے باپ پر تہمت لگا رہا ہے ، آخر تجھے سوجھی کیا جو یہ باتیں کرنے یہاں آ گیا ؟''

بیٹے نے جواب دیا :

''مجھے ڈر ہے کہ امیرالمومنین کے گوش مبارک تک ضرور ان باتوں کی بھنک پہنچ جائے گی ، اور پھر ہمارا سارا خاندان مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا!''

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۳۸ -

رشید نے سوال کیا :

"تو اپنے دعوے کا کوئی گواہ بھی رکھتا ہے ؟ "

"جی ہاں یہ خادم—یہ اسی کا خادم ہے ، اور جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس کی تصدیق کرے گا!"

رشید نہیں چاہتا تھا کہ ان دونوں (بیٹے اور غلام) کی شہادتوں کی بنا پر ابراہیم بن عثمان بن نہیک کو کسی طرح کی کوئی سزا دے یا اس کے خلاف کوئی اقدام کرے ، کیونکہ آقا کے خلاف غلام کی شہادت زیادہ معتبر نہیں ہوتی ۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ خود ابراہیم کو آزمائے اور پرکھے ، اور دیکھے کہ یہ خبر کہاں تک صحیح اور درست ہے ؟ اور یہ کہ آیا وہ واقعی اسی طرح کی باتیں کرتا ہے ؟

چنانچہ ایک روز اس نے ابراہیم بن عثمان بن نہیک کو اپنے حضور میں طلب کیا ، اس موقع پر کوئی دوسرا شخص نہیں تھا ۔

رشید نے ابراہیم کو خوب اچھی طرح نبیذ [1] پلائی ، یہاں تک کہ وہ بہک گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ، اب رشید نے اس سے کہا :

"اے ابراہیم میرے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تیرے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دوں گا ، کیونکہ اب تنہا یہ ضمیر کا بوجھ اٹھایا نہیں جاتا ، کیا تو سنے گا اور ان کی خوب اچھی طرح راز داری کرے گا ؟"

ابراہیم نے رشید کی یہ باتیں سن کر جواب دیا :

"میرے آقا ، آپ کے غلاموں میں سے ایک حقیر اور بے نایہ غلام

---

۱ - نبیذ کے بارے میں فقہائے عراق کا فتویٰ تھا کہ یہ حلال ہے ، اسی لیے خلیفہ اور دوسرے لوگ بھی اسے پیتے تھے ۔ یہ ایک ایسا مشروب تھا جس میں شراب کی طرح نشہ تو نہیں ہوتا تھا لیکن سرور اور خوشی کی سی کیفیت جو نشے سے ملتی جلتی تھی پیدا ہوتی تھی ۔

(رئیس احمد جعفری)

میں بھی ہوں ، اور یہ دعویٰ رکھتا ہوں کہ آپ کے خادموں میں سے سب سے زیادہ مطیع اور جاں نثار بھی یہی خادم ہے ، بے شک میں آپ کے راز کی حفاظت کروں گا ، اور اسے کسی تک پہنچنے نہیں دوں گا ؟"

رشید نے ابراہیم سے کہا :

"بات یہ ہے کہ میں نے جعفر کو قتل تو کر دیا ، لیکن اب میرا دل اس پر مجھے ملامت کرتا ہے ، اور میں از حد نادم ہوں ، ندامت اتنی زیادہ ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا - جی میں ایسا آتا ہے کہ یہ ملک چھوڑ دوں اور کسی اور طرف نکل جاؤں - کاش جعفر آج زندہ ہوتا اور میں اس کی رفاقت سے بہرہ ور ہو رہا ہوتا ، اب حالت یہ ہے کہ اس کے غم و فراق میں رات رات بھر نیند نہیں آتی ، ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے -"

ابراہیم رشید کی یہ باتیں سن کر بے ساختہ رونے لگا ، آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ، اس نے کہا :

"اللہ جعفر پر رحم کرے ، اور اس کی لغزشوں سے درگذر فرمائے - خدا کی قسم اے میرے آقا ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے قتل کرکے آپ نے بہت بڑی غلطی کی ، دنیا میں تجھے سب طرح کے لوگ مل سکتے ہیں ، مگر کیا جعفر بھی مل سکتا ہے ؟ بھلا بتا تو سہی اس جیسا آدمی تو دنیا میں اور کہاں پائے گا ؟"

ابراہیم کی یہ باتیں سن کر رشید بھڑک اٹھا ، اس نے کہا :

"اٹھ ——— تجھ پر خدا کی لعنت ہو ، اور اس کا غضب نازل ہو ، بے شک تیرے بیٹے نے تیرے بارے میں جو کچھ کہا تھا ، بالکل سچ کہا تھا ——— !"

ابراہیم رشید کی ڈانٹ پھٹکار سن کر وہاں سے گرتا پڑتا اپنے گھر آیا ، اور آتے ہی اپنے بیٹے کو طلب کیا ، اسے بہت برا بھلا کہا اور قتل کر دیا -

رشید کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ابراہیم کو وہیں کے وہیں ایک

انسان کی جان لینے کے جرم میں قتل کر دیا۔

سہل بن ہارون، رشید کے سامنے

ایک مرتبہ ہارون رشید نے سہل بن ہارون کو طلب کیا۔ یہ برامکہ کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور فارسی تھا، اب اسے اپنی جان کا دھڑکا لگا ہوا تھا، اس نے لباس ماتم پہن رکھا تھا، بہت آشفتہ حالی کے عالم میں اس کے سامنے آیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلاد تلوار سونتے سامنے کھڑا ہے اور دم نکلا ہی چاہتا ہے۔

رشید نے اس کی یہ حالت دیکھی تو محسوس کیا، ایسا بزدل شخص نہ اس کے خلاف کچھ کر سکتا ہے، نہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے تسلی اور دل دہی کی باتیں کر کے اس کی دہشت دور کر دی، جب اس کی حالت ذرا سنبھلی تو کہا:

''اے سہل، جو میری نعمت کو ٹھکرائے اور میرے احکام سے سرتابی کرے، اور میری باتوں کو نہ مانے، اس پر میرا پنجۂ عقوبت بہت جلد مسلط ہو جاتا ہے''۔

من لم یؤدبہ الجمیل

نفی عقوبتہ صلاحہ

یہ سن کر سہل کھڑا ہو گیا، اس نے فرش خلافت کو بوسہ دیا، اور رشید کے دونوں پاؤں چومے اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

رشید نے اس سے کہا:

''یحییٰ بن خالد کے محل میں اسی وقت جا، وہاں اس کی لڑکیوں کے پاس اور متوسلین کے پاس جو کچھ ہے اس پر قبضہ کر لے، اس کے توشہ خانے اور دیوان پر بھی قبضہ کر لے، اس کی اور جعفر کی دولت کی ایک فرد تیار کر، اس کی اور وہاں کی تمام چیزوں پر قبضہ کرنے کا ہم تمہیں حکم دیتے ہیں''۔

سہل کا بیان ہے:

''اس وقت میں ہارون رشید کے پاس سے نکلا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کفن پھاڑ کر نکلا ہوں، یا گوشۂ قبر سے برآمد ہوا ہوں،

وہاں جا کر اس خاندان کی تمام دولت کا میں نے جائزہ لیا ، اور فرد تیار کر کے رشید کی خدمت میں بھیج دی ، اس نے یہ سارا مال خزانے میں داخل کر لیا[1] ۔

ایک روایت کے مطابق جو دولت برامکہ کے ہاں سے برآمد ہوئی ، اس کی میزان تیس کروڑ دینار تھی ، جاگیریں ، جائداد اور محلات و قصور اس کے علاوہ ۔

عیسیٰ بن یزدا نیروز

عیسیٰ بن یزدا نیروز برامکہ کے بڑے مخلص اور فدا کار دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھا ، کہ ان کی ھلاکت اور بربادی کا حادثہ پیش آیا ، رشید نے اسے آزمانا چاہا ، کہ اب اس کے خیالات ، تاثرات ان کے بارے میں کیا ہیں ۔ چنانچہ ایک روز اس نے عیسیٰ کو اپنے حضور میں طلب کیا اور جعفر کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ کرنے اور اس کی رائے دریافت کرنے لگا ۔

یہ بھی دریافت کیا :

''کیا جعفر نے بغاوت کرنے کا منصوبہ نہیں بنایا تھا ؟ اور اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا ؟''

اس سوال کے بعد جعفر کی ان باتوں کا ذکر چھیڑ دیا ، جو اپنی خاص الخاص مجلسوں میں کیا کرتا تھا ، اور ان مجلسوں میں یہ عیسیٰ بھی موجود رہا کرتا تھا ۔

عیسیٰ نے حلف مکرر کے ساتھ رشید کو یقین دلایا کہ اس نے جعفر سے اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں سنی ۔

لیکن رشید اپنی بات پر اڑا رہا ، اور اسرار کرتا رہا ، کہ اس کے معلومات صحیح اور درست ہیں ۔

عیسیٰ نے تیسری اور چوتھی مرتبہ قسم کھا کر پھر اسے یقین دلایا کہ وہ قطعاً ان باتوں کی تصدیق نہیں کر سکتا ، اس لیے کہ اس نے جعفر کے منہ سے کبھی اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی ۔

---

۱ ۔ الامامتہ والسیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۱ ۔

اس کے بعد رشید نے ایسا ظاہر کیا جیسے وہ جعفر کو قتل کرنے پر نادم ہے ، عیسیٰ نے اس بات پر نہ اسے ملامت کی نہ کوئی اعتراض کیا ، نہ اس سے آل برمک کے بارے میں کسی طرح کی کوئی اپیل کی ۔

رشید کو یقین ہو گیا کہ عیسیٰ سچا ہے اور اس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہے ، چنانچہ اس کا ضبط شدہ مال و زر اسے واپس کر دیا اور جعفر کے زمانے میں جس منصب پر فائز تھا ، اس پر بحال کر دیا[1] ۔

اس طرح رشید اعوان برامکہ کی نقل و حرکت ، بلکہ ان کے نقش قدم تک کی نگرانی نہایت پابندی کے ساتھ کرتا رہا اور ان کے اعوان و اصحاب میں جن لوگوں کا چال چلن یا طرز عمل مشکوک و مشتبہ تھا ان کے حالات و کوائف سے برابر باخبر رہتا تھا اور باری باری سے کسی نہ کسی کو اپنی مجلس میں طلب کر کے ان کا امتحان کرتا اور انہیں ٹٹولتا رہتا تھا ۔ وطیرہ یہ اختیار کر رکھا تھا کہ ان کے سامنے بڑی بے ساختگی اور معصومیت کے ساتھ جعفر کے قتل پر ندامت کرتا تھا کہ اس طرح ان کے اصلی خیالات و تاثرات کا اندازہ ہو سکے اور معلوم ہو جائے کہ کتنے پانی میں ہیں ؟ ظاہری طور پر ، محض از راہ تصنع وہ برامکہ کی ہلاکت اور بربادی پر اس کثرت سے اس طرح کے لوگوں کے سامنے اظہار تاسف و الم کرتا تھا کہ بعض مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ واقعی اسے اپنے اس اقدام پر افسوس اور قلق تھا ۔ انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ جب بھی برامکہ کا ذکر چھڑ جاتا تھا تو وہ ضبط گریہ پر قادر نہیں رہتا تھا اور بے تحاشہ رونے لگتا تھا اور بھی اسی طرح کی کئی باتیں انہوں نے لکھی ہیں ۔

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ برامکہ کی ہلاکت اور بربادی پر اسے ذرا بھی قلق اور افسوس نہیں تھا ۔ واقعات مؤرخین کے اس حسن ظن کی تکذیب کرتے ہیں ۔ اگر واقعی وہ اپنے کیے پر نادم تھا جیسا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں تو اب جو برامکہ جیل میں بند تھے اور سختیاں جھیل رہے تھے ، کم از کم انہیں تو رہا کر دیتا اور انہیں وہاں ہلاک

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۱۶۱ ۔

ہونے کے لیے پڑا نہ رہنے دیتا ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے فعل پر قطعاً نادم نہیں تھا ، اس نے جو کچھ کیا تھا ایک منصوبے کے تحت کیا تھا ، اور اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوش اور مسرور تھا ۔

شعرا برامکہ کے ساتھ رشید کے جو معاملات رہے ، وہ اپنی جگہ پر ، ایک مستقل داستان کی حیثیت رکھتے ہیں ، جو لطف و ندرت سے خالی نہیں۔

ان شعرا میں ایک جماعت ایسی تھی جو اپنے سابق آقاؤں اور محسنوں کی اب تک وفادار تھی اور دل کی گہرائی اور سچائی کے ساتھ ان کے لطف و کرم کی نغمہ خواں تھی ۔ یہ وہی لوگ تو تھے جو ابھی کل تک ان کے آقائے ولی نعمت رہ چکے تھے ، ان کی خوش حالی ، اور خوش بختی کے مصدر رہ چکے تھے ۔ انہیں بھول جانا ، یا ان کے احسانات کو فراموش کر دینا کیونکر ممکن تھا ؟ چنانچہ انہوں نے بڑے اثر انگیز اور دل نگار لہجے میں اپنے سابق آقاؤں کے مرثیے لکھے ۔ تباہ اور برباد ہو چکنے کے باوجود ان کی شان میں قصائد لکھے اور کچھ اس انداز میں لکھے کہ ادھر ان کے منہ سے نکلے اور ادھر زبان زد عام و خاص ہو گئے ۔

یہ اشعار آخر رشید تک بھی پہنچے ؛ اس نے انہیں طلب کیا اور اس حرکت کا سبب دریافت کیا ، کہ جو لوگ حکومت کے معتوب ہیں ان کی مدح و توصیف کا کیا مطلب ۔ اس کے بعد اس نے ان کی عزت افزائی کی ، ان کے گراں قدر وظیفے مقرر کیے اور انہیں مالی اعتبار سے ایسا ہی بنا دیا جیسا کہ برامکہ کے عہد میں یہ تھے ، اس طرح اس نے گویا ان کی زبان کاٹ لی اور برامکہ کی مدح و توصیف سے روک دیا ۔

جعفر کی گردن جس شخص نے کاٹی تھی ، وہ مسرور تھا ؛ اس کا بیان ہے کہ میں نے رشید سے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں جعفر کے پاس اسے قتل کرنے کے لیے پہنچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ اس کے پاس ابو زرکار نابینا بیٹھا ہے ؛ یہ شخص بہت بڑا شاعر اور بہت مغنی تھا ، سمجھ گیا کہ میرے آنے کا مقصد کیا ہے ، اس نے مجھے روکا اور کہا :

”مجھے بھی جعفر کے ساتھ قتل کر دو“!

یہ سن کر رشید نے کہا :

”یہ شخص تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت چلتا ہوا ہے ، تو اسے اپنے پاس رکھ لے ، اور دیکھ اب جعفر کے بارے میں اس کے تاثرات کیا ہیں ، یا پھر اسے بھی اس کے پاس پہنچا دے[1] “۔

شاعر رقاشی اور رشید

ایک روز رشید کو خبر ملی کہ برامکہ کے بعد شاعر رقاشی نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا ہے ، باہر بالکل نہیں نکلتا ، بس اندر بیٹھا رویا کرتا اور برامکہ کے مرثیے کہا کرتا ہے ۔ کبھی نکلتا بھی ہے تو چھپتا چھپاتا اور سیدھا اس جگہ جاتا ہے جہاں جعفر کا لاشہ بے جان مخلوق کی عبرت کے لیے لٹکا ہوا ہے ، یہاں انتہائی حزن و الم کے عالم میں طواف کرتا ہے ، روتا ہے اور کہتا ہے :

”خدا کی قسم اگر ظالم کا ڈر نہ ہوتا کہ
ہارون کی آنکھ کسی وقت نہیں سوتی
تو ہم اے جعفر تیرے لاشے کا اس طرح طواف کرتے اور بوسہ دیتے
جس طرح لوگ حجر اسود کا طواف کرتے اور اسے چومتے ہیں ،
اے ابن یحیٰی! اس سے پہلے تو نے کب دیکھا ہوگا کہ
کوئی تلوار ، کسی شمشیر آب دار کے ٹکڑے کر دے
دنیا کو ، اس کی لذتوں کو ،
اور دولت آل برمک کو سلام !“

رشید نے رقاشی کو اپنے حضور میں طلب کیا ، وہ ڈرا ہوا اور سہما ہوا حاضر ہوا ، رشید نے کہا :

”تو کیا کرتا اور کہا کرتا ہے ؟“

رقاشی نے جواب دیا :

”یا امیرالمومنین جعفر میرا محسن تھا ، یہ اس کا احسان ہے جو میرے اس قول و فعل کا محرک ہے ۔“

رشید نے سوال کیا :

---

۱ - الجهشیاری ، صفحہ ۲۴۴ ۔

''جعفر کی ڈیوڑھی سے تجھے کیا ملا کرتا تھا ؟''

رقاشی نے جواب دیا :

''ہزار درہم سالانہ ــــ !''

رشید نے کہا :

''ہم نے تمہارا وظیفہ آج سے دو ہزار سالانہ کر دیا ، چلو بھاگو''۔

عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) اور رشید

برامکہ کے سارے آدمیوں کو جب رشید ٹھکانے لگا چکا ، یا ہموار کر چکا تو عبدالملک بن صالح ہاشمی کی طرف متوجہ ہوا ، جو برامکہ کے حادثے سے بہت متاثر تھا اورشورش و ہنگامہ آرائی کے درپے تھا ۔

رشید نے جیل میں یحییٰ بن خالد کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور اس سے کہلوایا :

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک بن صالح ہاشمی میرے خلاف بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے اور مجھ سے ملک و دولت حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے ، مجھے بتاؤ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو ، اگر تم نے سچ سچ بتا دیا تو تمہیں اور تمہاری اولاد کو تمہارے سابقہ درجے پر واپس لے آؤں گا''۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے جواب دیا :

''خدا کی قسم ، مجھے عبدالملک بن صالح ہاشمی کے عزائم کے بارے میں کوئی بات نہیں معلوم ہے اور اگر مجھے معلوم ہوتا تو آپ سے زیادہ میں اس کا درپے آزار ہوتا ، اس لیے کہ آپ کا ملک میرا ہی (بنایا ہوا) ملک ہے اور آپ کا اقتدار و اختیار میرا ہی (عطا کیا ہوا) ہے ، پس خیر یا شر جو کچھ بھی اس کی طرف سے صادر ہوتا وہ درحقیقت میرے لیے ہی ہوتا اور عبدالملک کی یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ مجھ سے میری چیز چھیننے کی کوشش کرے اور اگر میں اس کے ساتھ ہوتا (تو حکومت حاصل کر لینے کے بعد) وہ آپ سے زیادہ کر سکتا تھا جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے ۔

---

۱ - الاغانی ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۱۲ -

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے بارے میں اس قسم کی بدظنی روا رکھیں ۔ لیکن ہاں ، عبدالملک بن صالح ہاشمی ایک بردبار اور معاملہ فہم شخص ہے ، مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ کے پاس اس جیسا کوئی آدمی ہو ، ایسی صورت میں بے شک میں اس کے اوصاف و صفات کی تعریف پر اپنے تئیں مجبور پاؤں گا !''

لیکن رشید کو یحییٰ برمکی کے اس جواب کی صداقت پر یقین نہیں آیا ، چنانچہ اس نے دوبارہ اس سے کہلوایا :

''اگر تم نے چپ چاپ اقرار نہ کر لیا اور عبدالملک کے بارے میں خاموش رہا ، تو میں تمہارے بیٹے فضل کو قتل کر دوں گا !''

اس مرتبہ یحییٰ نے جواب میں جو کچھ کہا ، یہ تھا :

''آپ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے ، جو چاہے کیجیے !''

یہ جواب سن کر رشید نے حکم دیا کہ فضل کو یحییٰ کے پاس نہ رکھا جائے ، کہیں اور منتقل کر دیا جائے ، اس سے مقصد یہ تھا کہ یحییٰ پر یہ تاثر قائم ہو کہ وہ فضل کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے ۔

تین روز تک اس نے فضل کو یحییٰ سے جدا رکھا ، یحییٰ کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کے بیٹے پر کیا ماجرا گزرا ؟

لیکن تین روز کے بعد جب رشید کو یقین ہوگیا کہ یحییٰ اس باب میں بالکل ناواقف ہے ، یا اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ، تو فضل کو پھر اس کے پاس واپس کر دیا ۱ ۔

یحییٰ بن خالد کی ان باتوں سے رشید نے اگر کچھ نتیجہ نکالا تو صرف یہ کہ زیادہ سے زیادہ یحییٰ اس شورش اور فساد میں جو عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) نے برپا کر رکھا ہے ، شریک نہیں ہے ۔ لیکن یہ بات اس کے دل پر نقش تھی کہ مقتول جعفر اس سازش اور بغاوت کی تیاری میں ـــــ جو عبدالملک اس کے ساتھ کر رہا تھا ـــــ قطعاً شریک تھا ، چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ عبدالملک سے جس طرح ہو خلاصی حاصل

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ۱۲۵ -

کر لے ، اگرچہ یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اس صورت میں جملہ بنو عباس کی برہمی ، عتاب اور بیزاری کا شکار ہونا پڑے گا ۔

چنانچہ رشید نے بنو ہاشم کے اکابر رجال اور سر بر آوردہ اشخاص کی ایک مجلس طلب کی ، اس موقع پر عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) کو بھی طلب کیا ۔

حاضرین کے سامنے رشید نے عبدالملک پر بغاوت کی تیاری کا الزام لگایا اور اس کے اور اس کی حکومت کے خلاف سازش کا حال بیان کیا اور چند گواہی کے نام بھی پیش کیے ۔

یہ ساری باتیں عبدالملک نے سنیں اور صاف الفاظ میں ان کی صحت سے انکار کر دیا ۔ اس کی تقریر بڑی مؤثر اور دل میں اُتر جانے والی تھی، اس لیے کہ وہ اپنے وقت کے بہترین فصیح و بلیغ لوگوں میں شمار ہوتا تھا ، اپنی تقریر میں اس نے وہ خدمات گنائے جو اس نے حکومت اور بنو عباس کے لیے انجام دیے تھے ۔ بڑے خوب صورت انداز میں اس نے تمام الزامات سے انکار کیا اور بنو ہاشم پر اس کی زیادتیوں کا بیان بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ساری باتیں محض وہم اور شک پر مبنی ہیں ، ان میں نہ صداقت ہے نہ ان کی کوئی بنیاد ہے ۔

ظاہراً اس منجھی ہوئی شیریں اور اثرانگیز تقریر سے عبدالملک کا مقصد یہ تھا کہ حاضر الوقت بنو عباس کو اپنے ساتھ کر لے ۔

رشید نے عبدالملک کا یہ مقصد بھانپ لیا ، اس نے فوراً ہی اس کا تدارک کر دینے کا فیصلہ کر لیا ۔

عبدالملک اپنی تمام خوبیوں اور وقار و عظمت کے باوجود اس اعتبار سے متہم تھا کہ وہ ایک لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ، جو مروان بن محمد الجعدی کی ، اموی خلیفہ کی تھی ۔

جب صالح بن علی عباسی نے مروان کو یعنی عبدالملک کے اصل باپ کو مصر میں قتل کیا تو یہ لونڈی خود لے لی جو حاملہ تھی ، کچھ عرصے کے بعد اس کے پیٹ سے عبدالملک تولد ہوا ۔

رشید نے گویا بھرپور وار کرتے ہوئے کہا :

"تو عبدالملک بن صالح (بن علی عباسی) کے نام سے مشہور ہے
بتا تو سہی کیا واقعی تو صالح کا بیٹا ہے ، تو ہرگز اس کا
نہیں ہے ۔۔۔ !"

عبدالملک نے ہارون رشید کی یہ بات سن کر کہا :

"اگر میں صالح کا بیٹا نہیں تو پھر کس کا ہوں" ؟

رشید کے پاس جواب فوراً تیار تھا ، اس نے فوراً کہا :

"تو مروان اموی کا بیٹا ہے !"

عبدالملک کو غصہ آ گیا ، اس نے کہا :

"میں اس بات کی پروا نہیں کرتا ، کہ ان دونوں بہادروں میں سے
کس کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا ہے" ؟

اس جواب سے رشید نے محسوس کیا کہ حاضرین کا جو رجحان اس کی طرف تھا ، کمزور پڑ گیا ہے اور اب وہ عباسی امرا کی نگاہ میں سبک ہو گیا ہے ، تو اس نے فوراً حکم دیا کہ عبدالملک بن صالح کو گرفتار کر کے فضل بن ربیع کے پاس قید کر دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ فضل بن ربیع کو تاکید اور ہدایت کی کہ عبدالملک کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تشدد کا برتاؤ کیا جائے[۱] ۔

ایک قیدی کی سرگزشت

روایت ہے کہ عبداللہ بن مالک رشید کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا ۔ ایک روز رشید کے پاس آیا ، رشید جانتا تھا کہ یہ شخص عبدالملک بن صالح ہاشمی (عباسی) کا بڑا گہرا دوست ہے ۔ لیکن عبداللہ بن مالک نے رشید سے کہا :

"یا امیرالمومنین مجھے اجازت ہے کہ خدمت عالی میں کچھ عرض
کر سکوں ؟"

رشید نے پرسکون لہجے میں کہا :

"کہو !"

اس نے کہا :

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۶۳ ۔

''خدا کی قسم اے امیرالمومنین، عبدالملک کے بارے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ ایک مرد معقول ہے اور تمام الزامات و اتہامات سے بری ہے ، پھر آپ نے کیوں اسے قید کر لیا ہے اور کس لیے اس پر سختی کر رہے ہیں ؟''

رشید نے اس سوال کے جواب میں کہا :

''خدا تجھے سمجھے ، عبدالملک کے بارے میں مجھے ایسی اطلاعات ملی تھیں ، جنھوں نے مجھے پریشان اور مضطرب کر دیا تھا !''

عبداللہ بن سالک نے عرض کیا :

''کم از کم اتنا تو کیجیے کہ اگر اسے قید ہی رکھنا ہے تو اس کے ساتھ با عزت برتاؤ کیا جائے اور اسے تشدد اور سختی کا ہدف نہ بنایا جائے !''

یہ کہہ کر عبداللہ بن سالک نے تفصیل کے ساتھ عبدالملک کے کارناموں اور خدمات کا تذکرہ کیا ۔

رشید نے فضل بن ربیع کو طلب کیا اور اس سے کہا :

''عبدالملک کے پاس قید خانے میں جاؤ اور اس سے کہو کہ جس چیز کی ضرورت ہو بیان کرے ، فوراً مہیا کر دی جائے گی اور واقعی اسے مہیا کر بھی دو !''

فضل بن ربیع رشید کا یہ حکم پا کر عبدالملک کے پاس قید خانے میں گیا اور وہ ساری باتیں دوہرا دیں جو رشید نے کہی تھیں ۔

عبدالملک نے اس کی باتیں سن کر کہا :

''مجھے کچھ نہیں چاہیے !''

اور بدستور جیل میں قید و بند کی زندگی گذارتا رہا [1] ۔

رشید کی وفات تک عبدالملک جیل میں رہا ، پھر امین نے اسے رہائی بخشی اور اسے شام کا گورنر بنا دیا ۔

آل برمک پر قید و بند میں کیا گزری ؟

واقعات و روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جیل میں اور

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۹۲ ۔

قید و بند کی حالت میں آل برمک پر کیا گزری ؟ اور ان کے اور رشید کے مابین پیام و سلام ، تلخ کلامی اور اخذ و رد کے سلسلے میں کیا صورت پیش آئی ۔ خاص طور پر یحییٰ بن خالد برمکی کے بارے میں جو آخر وقت تک اس بات کا متوقع رہا کہ رشید اسے معاف کر دے گا اور اس کی ساکھ پھر بحال ہو جائے گی۔

اس سلسلے میں آل برمک کی خواتین نے بھی اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ، لیکن نتیجہ کچھ بھی برآمد نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ رشید کو یحییٰ نے کہا :

''امیرالمومنین اور خلیفۂ رب العالمین کی خدمت میں ، یہ نامہ اس غلام کی طرف سے بھیجا جا رہا ہے ، جس کے گناہ فاش ہو چکے ہیں ، اور جس کے عیوب واضح ہیں ، جس کے عزیزوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور جس پر زمانے کی سب سے بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے اور جو اب کہیں کا نہیں رہا ہے۔

اے امیرالمومنین !

جہاں تک جعفر کے قتل اور ہلاکت کا تعلق ہے ، تو وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ، لیکن میرے خدمات یاد فرمائیے ، میرے بڑھاپے اور کمزوری پر رحم کیجیے ۔ بھلا مجھ جیسا کون بد بخت ہوگا ۔ اور کسے آپ کی طرف سے اس طرح کی اذیتیں پہنچ رہی ہوں گی ؟''

رشید نے اس خط کی پشت پر لکھ دیا :

''تم ہی جیسے لوگوں کے لیے خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا ہے :

''وضرب اللہ مثلا قریۃ آمنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع و الخوف بما کانو یصنعون۔!''

رضاعی ماں ، رضاعی بیٹے کے آستانے پر

ایک مرتبہ یحییٰ کی بیوی ، فاطمہ بنت حسن بن قحطبہ رشید کے پاس آئی ، یہ رشید کی رضاعی ماں بھی تھی ، یعنی اس نے رشید کو دودھ پلایا تھا ۔ رشید اس سے بہت مانوس تھا ، اور بے حد محبت کرتا تھا ،

یہ اس حالت میں آئی کہ ننگے پاؤں تھی ۔ آ کر قصر کے دروازے پر کھڑی ہو گئی ۔ رشید کو جب اس کی آمد کی علاع ملی ۔ تو بے تابانہ اس کی طرف لپکا اور خود بھی ننگے پاؤں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا ۔ اس کے سر اور سینے کو بوسہ دیا اور اپنے پاس بٹھا لیا ، وہ کہنے لگی :

''یا امیرالمومنین ، کیا زمانہ ہمیں اسی طرح کچلتا رہے گا ؟ اور آپ کی دہشت ہم پر اسی طرح مسلط رہے گی ؟ حالانکہ میں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے اور اپنا دودھ پلایا ہے ، کیا آپ کی طرف سے مجھے سکون نہیں مل سکتا '' ؟

رشید نے یہ سن کر کہا :

''تم کیا کہنا چاہتی ہو '' ؟

''تمھارا مقصد کیا ہے '' ؟

وہ گویا ہوئی :

''آپ کا وزیر یحییٰ ، آپ کے والد کے بعد ، آپ کے باپ کا مقام رکھتا ہے ۔ مجھے ان باتوں کے بتانے کی کیا ضرورت ہے جو امیرالمومنین خود ہی اس کے بارے میں جانتے ہیں ۔ اس نے آپ کی تربیت کی ، آپ کو آفات سے بچایا ، آپ سے محبت کی ، ہر خطرے کے وقت آپ کے لیے سینہ سپر ہو گیا ، اور بالکل اپنے بھائی ــــــ موسیٰ ہادی ــــــ کی طرح آپ نے اسے موت کا لقمہ بنا رکھا ہے ! ''

رشید نے جواب میں کہا :

''اے میری ماں ، خدا کی مرضی واقع ہو کر رہی ، اس کا فیصلہ نافذ ہو گیا ۔ اس کا غضب نازل ہؤا ، اب بھلا کیا ہو سکتا ہے ؟ ''

وہ کہنے لگی :

''یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب ! '' (قرآن حکیم)

رشید نے کہا :

''تم سچ کہتی ہو ، لیکن اس فیصلے کو اللہ نہیں مٹائے گا ــ ! ''

پھر کچھ دیر سر جھکائے رہا ۔ اور گویا ہؤا :

''اذا انصرفت نفسی عن الشیئ لم تکن،
الیہ بوجہ آخرالدھر تقبل''

''یا امیرالمومنین، میں آپ کو یاد دلانا چاہتی ہوں، کہ آپ عہد کر چکے ہیں کہ اگر میں نے کسی کی سفارش کی تو اسے رد نہیں کریں گے، قبول کر لیں گے۔''

رشید نے جواب دیا:

''میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں، کہ میں نے کہہ دیا تھا، کسی ایسے شخص کی سفارش نہ کرنا اے ام رشید جو غدار ہؤا، اگر تم مجھے ان کے حسن نیت کا یقین دلا سکتیں تو بے شک میں انہیں ان کے حال پر واپس کر دیتا، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفران نعمت کیا اور مجھے تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور جو میرے لیے اس طرح کے منصوبے بنائے، اسے معافی نہیں مل سکتی[1]۔''

زبیدہ کی سفارش کا حشر

آل برمک کی خواتین نے زبیدہ بنت جعفر، ہارون کی بیوی کو گھیرا اور اسے فضل بن یحییٰ کے سابقہ خدمات یاد دلائے اور ان کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ اس نے اس کے لخت جگر امین کی تربیت اور تادیب کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور شب و روز اسی کام میں مصروف و منہمک رہا۔ زبیدہ کا دل جعفر کے قتل کے بعد یحییٰ اور فضل کے لیے پسیج بھی گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے شوہر رشید کے پاس ان لوگوں کی سفارش کے لیے گئی اور اصرار کیا کہ اب جو برمکی قید اور محبوس ہیں انہیں رہا کر دیا جائے، لیکن رشید اپنے فیصلے میں اتنا سخت تھا کہ اس نے اپنی چہیتی بیوی کی سفارش تک پر دھیان نہیں دیا۔ اب اس نے ایسا کیا کہ بہ زبان یحییٰ ایک نہایت اثر انگیز تحریر لکھی، جس میں رشید سے رحم و کرم کی اپیل کی گئی تھی اور متعدد خواتین بنی ہاشم کے ساتھ ایک مرتبہ پھر رشید کے پاس گئی اور اس سے کافی دیر تک بات چیت کی، کچھ جواری (باندیاں) بھی ساتھ تھیں، انہوں نے بڑے بڑے اچھے

۱۔ ابن خلکان، جلد ۲، صفحہ ۳۶۵۔

گیت گائے ، یہاں تک کہ رشید کا مزاج نرم پڑ گیا ، پھر وہ آگے بڑھی اور رشید کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور وہ یحییٰ کی طرف سے لکھا ہؤا رقعہ اس کے سامنے ڈال دیا اور اس سے درخواست کی کہ جس کسی کی بھی وہ سفارش کرے ، اسے قبول کرنا ہوگا ، اور خواتین بنو ہاشم کی سفارش بھی ماننا ہوگی ۔

رشید نے وہ رقعہ اٹھا لیا ، اسے پڑھا ، اور اس پر لکھا :

"تمہارا گناہ اتنا بڑا ہے کہ اب عفو و رحم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔"

یہ لکھ کر وہ رقعہ زبیدہ کی طرف پھینک دیا ۔

زبیدہ نے محسوس کر لیا کہ رشید اپنے فیصلے سے ٹلنے والا نہیں ہے ۔ آخر وہ خاموش ہو گئی اور اس نے اس باب میں سکوت اختیار کر لیا[1] ۔

ہمارے علم میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ مردوں میں سے بھی کسی نے رشید سے برامکہ کی سفارش کی ہو ، حالانکہ اُن کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی کمی نہ تھی ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس بات سے رشید چڑتا تھا کہ اس سے کوئی آل برمک کی سفارش کرے ۔

۱۹۰ھ کے مطابق ۸۰۵ء میں ، یحییٰ اپنے محبس میں بیمار پڑا اور بالآخر وفات پا گیا ۔ یہ رقہ نہر فرات کے کنارے دفن کیا گیا ، اس کی قبر پر ایک بہت بڑا کتبہ تعمیر کیا گیا [2] ۔

۱۹۳ھ مطابق ۸۰۸ء میں فضل بھی فالج کے مرض میں مبتلا ہو کر راهی عدم ہؤا ، اس کی زبان کام نہیں کرتی تھی اور ایک طرف کا حصہ بالکل بے حس ہو گیا تھا ، گویا باپ کے مرنے کے تین سال بعد بیٹے ـــــ فضل ـــــ کا انتقال ہؤا ۔

نقر رقہ میں جو لوگ اس کے ساتھ تھے ، انہی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی ، پھر لاش باہر نکالی گئی ، لوگوں نے پھر نماز پڑھی اور اسے

---

۱ - کتاب العارف ، صفحہ ۱۳۵ -

۲ - الصناعتین ، صفحہ ۲۱۴ -

باپ کے پہلو میں دفن کر دیا۔

یحییٰ اور فضل کے بعد جو برمکی محبوس رہ گئے تھے، ان میں سے کسی کو رشید نے رہا نہیں کیا اور خود اس کی وفات بھی فضل کی وفات کے چند ماہ بعد واقع ہو گئی، یہاں تک کہ محمد--امین--سریر آرائے خلافت ہوا اور اس نے باقی ماندہ برامکہ کی رہائی کا فرمان صادر کر دیا۔ اب یہ لوگ عوام شمار ہوتے تھے، ان میں سے کسی کو کوئی سرکاری منصب نہیں سونپا گیا[1]۔

---

۱ - کسی تاریخ میں بھی خواہ دوست کی لکھی ہوئی ہو، یا دشمن کی، ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی برمکی نے ارتداد اختیار کیا ہو اور مرتد ہو کر کسی اور ملک میں جا کر پناہ لی ہو، حالانکہ جیل سے رہائی کے بعد یہ بہت آسان تھا۔

یہ لوگ جو دراصل بادشاہت کرتے تھے، عوام میں شمار ہونے لگے، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے۔ امارت کی زندگی سے محروم ہو کر غربت اور فلاکت کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، محلات و قصور کے بجائے، خس پوش مکانوں میں رہنے لگے۔ زرق برق لباس کے بجائے پھٹے پرانے کپڑے پہننے لگے، ایک ایک وقت میں دستر خوان پر خوان نعمت سے کام و دہن کو لذت آشنا کرتے رہنے کے بعد روکھی سوکھی پر گزارا کرنے لگے۔ ایک ایک ان میں سے ہزاروں اور لاکھوں روپیہ محتاجوں، ضرورت مندوں، شاعروں اور ادیبوں کو عطا کر دینے کے جو عادی تھے، اب وہ خود دوسروں کے دست نگر بن کر رہ گئے تھے۔

انہوں نے یہ زندگی گوارا کی،

انہوں نے یہ زندگی بسر کی!

یہ اس زندگی پر قانع ہو گئے!

لیکن اسلام کا دامن انہوں نے نہیں چھوڑا۔

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

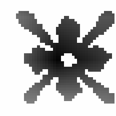
لہذا ماننا پڑے گا کہ رشید کے عتاب و انتقام کے اسباب و عوامل کچھ بھی ہوں ، مگر کم از کم ایک الزام برامکہ پر نہیں لگایا جا سکتا ، جسے ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے ، کہ ان کا ایمان کمزور تھا اور یہ دل سے اب تک آتش پرست تھے ۔

برامکہ کا یہ کردار بہر صورت قابل تحسین اور سزاوار آفرین ہے ۔

(رئیس احمد جعفری)

ہارون رشید

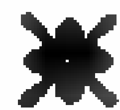
آزادانہ اور خود مختارانہ حکومت کا دور



★ مرض اور موت

★ رشید کے خصائص

★ صفات و اوصاف



رشید کی حکومت

عجمیت پر عربیت کا غلبہ تسلط

رشید کی سرگرم کوششیں

انسان جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے اور شعور و بلوغ سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو ان حوادث اور واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے جو ایام طفولیت، کم سنی اور عہد مراہقت میں اس پر گذرے تھے۔

رشید کا جہاں تک تعلق تھا، حد درجہ ذہین و فطین اور عقیل و فہیم شخص تھا، صرف یہی نہیں من چلا بھی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کی ابتدائی زندگی کس درجہ سبق آموز، عبرت انگیز اور لرزہ خیز حوادث سے معمور رہی ہے؛ ایک سے ایک بڑھ کر مصیبت اور اذیت سے اسے دو چار ہونا پڑا، یہاں تک کہ حالات نے پلٹا کھایا اور وہ قید خانے سے نکل کر تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سترہ سال کی تھی، نو آموز اور ناتجربہ کار، لیکن اس نو آموز اور نا تجربہ کار پیکر سے ایک نئی مخلوق برآمد ہوئی—— ایک نیا انسان، جو اب بالکل مختلف تھا اپنے سابقہ دور سے۔ لیکن اس نئے انسان کو اپنی شخصیت کے ابھارنے اور بنانے کا موقع نہیں ملا، یہ اپنی ماں کی حرص و طمع اور وزیر کے مکر و فریب کے جال میں پھنس گیا اور اس درجہ غافل سردار قوم ثابت ہؤا کہ اپنے اقتدار اور اختیار کی باگ کسی دوسرے کے ہاتھ میں دے دی۔

حالات اسی طرح چلتے رہے۔

یہاں تک کہ اس نے دیکھا کہ اس کا تخت حکومت ٹکڑے ٹکڑے اور چور چور ہؤا چاہتا ہے؛ یہ پھر چونکا اور سنبھلا اور اس پر اپنا تصرف اور اقتدار پورے طور سے بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے جب اپنے برمکی وزیروں کے ناخن قلم کئے اور انہیں اپنے راستے سے ہٹایا تو اس کی عمر اس دن ۳۲ سال کی تھی ، جو عین عنفوان شباب کا زمانہ ہوتا ہے ۔ قوت و طاقت ، فہم و فراست ، جوش اور ہوش ، ہر چیز بدرجۂ اتم ہوتی ہے ۔ یہی عمر ہوتی ہے جب انسان پختہ ہو جاتا ہے ، یا کم از کم اس کی پختگی کا آغاز ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس نوجوان کی پختگی میں بڑوں اور بوڑھوں کی زیرکی اور ہوشیاری تھی اور وہی عزم و ارادے کا استحکام جو ان کا شیوہ ہوتا ہے ۔ اس کا عمل بسیط تو نہیں تھا ، لیکن وہ عمل انقلاب کا حامل ضرور تھا ۔ یہ انقلاب اس کی قومیت میں ، خاندان میں ، ذات میں ، ہر چیز میں جاری و ساری تھا — اس انقلاب نے قدیم بنیادیں ڈھا دیں تاکہ نیا محل تعمیر ہو سکے ۔

فارسی اثر و نفوذ کے خلاف اقدام

یہی وجہ تھی کہ رشید نے سب سے پہلے جس کام اور جس بات پر توجہ کی ، وہ یہ تھی کہ آل برمک کے اس سنگ گراں کو راستے سے ہٹا دے جو سیاست اور حکومت پر قابض و متصرف تھے ۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس صورت احوال کو یکسر بدل دے اور حکومت پر جو فارسی اثر و نفوذ و اقتدار مسلط ہو گیا تھا ، اسے خالص عربی رنگ میں رنگ دے ۔ اب جن لوگوں سے اسے کام لینا تھا اور جنہیں آگے بڑھانا تھا ، اگرچہ وہ خالص عرب نہیں تھے ، لیکن ان کا شمار امانت و دیانت کے حامل مستعربین میں ہوتا تھا ۔

چنانچہ اس نے فضل بن ربیع کو اپنا وزیر تفویض مقرر کیا تھا ، اور عمر بن مسعدہ کو وزارت تنفیذ کا منصب عطا کیا[1] ۔

اسی طرح اسماعیل بن صبیح کو 'دیوان السر و الرسائل' کا

---

۱ ۔ الامامۃ والسیاسۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۸ ۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن مسعدہ ہارون رشید کا وزیر نہیں تھا البتہ اس کا مقرب بارگاہ اور معتمد ضرور تھا ۔ وزارت کا منصب اسے مامون الرشید نے اپنے دور میں دیا تھا ۔

عہدہ دیا [1] ۔

نیز عبدالملک بن فضل بن ربیع کو اپنا حاجب بنایا [2] ۔

علاوہ ازیں بڑے بڑے ہاشمیوں کو متعدد اقالیم کا حاکم اور گورنر نامزد کیا ۔ البتہ علی بن ساہان کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں کی ، وہ بدستور خراسان کا گورنر رہا ، نہ اس کا کہیں تبادلہ کیا ، نہ اسے معزول کیا ۔

تطہیر کی تحریک

ان امور سے فراغت کے بعد رشید ان مناصب کی تطہیر پر متوجہ ہوا جن پر برامکہ کے اعوان و صنائع قابض و مسلط تھے ، اس کا قول تھا :

''میں ایسے لوگوں کو آگے لانا چاہتا ہوں ، جنہوں نے برامکہ کے ساتھ کبھی کام نہ کیا ہو !''

اس پر ایک شخص نے کہا :

''ایسا آدمی جس نے کبھی برامکہ کے ساتھ کام نہ کیا ہو ، ساری مملکت میں نہیں مل سکتا !''

یہ بات بڑی حد تک ایک حقیقت تھی ، لیکن وہ اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا ۔ سرکاری مناصب پر اس نے ایسے لوگوں کو مامور کیا جو اس کے خاص الخاص اور حد درجہ معتمد آدمی تھے ۔

محمد بن ابان کو اس نے اہواز کے خراج اور جاگیرات کے کام پر مامور کیا ۔

فیض بن ابی الفیض الکسکری کو اس نے خراج کسکر کا کام سونپا ۔

علی بن عیسیٰ بن یزدا نیروز کو اس نے خراج فارس کی ذمہ داری سونپی ۔

خصیب بن عبدالحمید کو اس نے مصر اور اس کے معاملات سپرد کئے [3] ۔

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۵۴ ۔

۲ ۔ الامامتہ والسیاست ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۷ ۔

۳ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۵۴ ۔

اپنے معتمد ترین خادم مسرور کو اس نے "برید و خرائط" یعنی ڈاک اور فرامین خلافت کا محکمہ سونپا ۔

اسی طرح اپنے دوسرے موالی اور معتمدین کو اس نے دوسرے مناصب پر فائز کیا ۱ ۔

ان نئے منصب داروں کو اس نے نصیحت کرتے ہوئے کہا :

"دیکھو خبردار ! لوگوں کے ضروریات و احتیاجات سے غافل نہ ہونا ، یہ بڑے ننگ اور عار کی بات ہوگی ، اگر یہ کہا گیا کہ زوال برامکہ کے ساتھ مصالح عامہ بھی نظر انداز کئے جانے لگے ۲ !"

عربی قیادت

ہارون رشید کی ایک خوش بختی یہ تھی کہ قیادت جیوش بالکل صحیح و سالم موجود تھی ، اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑا اور یہ قیادت تمام تر عربی تھی اور وہ بھی نہایت چیدہ اور منتخب ، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ خلفا عباسین میں سب سے زیادہ عمدہ اور بہتر فوجی قیادت وہی تھی جو ہارون رشید کے دست تصرف میں تھی ، مثلاً :

۱ - ہرثمہ بن اعین ــــ جو فنون حرب میں طاق مانا جاتا تھا ۔

۲ - خزیمہ بن خازم ــــ جس کی مہارت جنگ کا سب لوہا مانتے تھے ۔

۳ - اسد ــــ جو اپنے وقت کا بہترین قائد فوج تھا ۔

۴ - خالد ــــ جس کی شجاعت و بسالت کی دھوم تھی ۔

۵ - محمد ــــ جو ایک سالار فوج کی حیثیت سے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا ۔

اور یہ تینوں مذکورہ قائدین جیوش یزید بن مزید شیبانی کے بیٹے تھے ۔

۶ - عبداللہ بن مالک جو فنون جنگ میں یکتا تسلیم کیا جاتا تھا ۔

۷ - سعید الحرشی ــــ جو میدان جنگ کا بہت بڑا سورما تھا ۔

۸ - یزید بن مخلد ــــ جس کی دلیری اور دلاوری کا سکہ رواں تھا ۔

۹ - حمید بن معیوف ــــ جو اپنے وقت کا یکتا اور بے ہمتا قائد فوج تھا ۔

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۰۸ ۔

۲ - الامامتہ والسیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۹ ۔

۱۰ - یحیی بن سعید العقیلی——جس کے مرد میدان ہونے کا سب کو اقرار تھا ۔

۱۱ - سعید بن مسلم بن قتیبہ باہلی——جو موروثی طور پر فنون جنگ کا ماہر اور عملی طور پر بڑا سپہ سالار تھا ۔

۱۲ - قحطبہ طائی کے پوتے——جن کی جرأت اور شہامت کا ڈنکا بج رہا تھا ۔

۱۳ - اشعث الکندی——جن کا نام فتح و کامرانی کا ضامن تھا ۔

اور ان کے علاوہ دوسرے ماہرین جنگ اور قائدین جیوش تھے ، جن کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل تھے ۔

اس نے اپنے منجھے ہوئے اور آزمودہ کار لوگوں کو بلاذ و امصار کے گوشے گوشے میں اور سرحدات پر پھیلا دیا تھا تاکہ داخلی اور خارجی شورش اور بدامنی سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکیں ۔

داخلی امور پر خصوصی توجہ

رشید نے برامکہ کو ختم کرنے کے بعد ، سب سے زیادہ جس چیز پر توجہ دی ، وہ داخلی معاملات تھے ۔

اس نے سب سے پہلے بغداد کے ان لوگوں کو قابو میں کیا ، جو برامکہ کے اعوان و انصار مانے ہوئے تھے اور ان کے لیے سب کچھ کر سکتے تھے ۔ اسی طرح اس نے خراسان کے معاملات و امور بھی استوار کئے ۔ یہ کام اس نے ہرثمہ بن اعین کے سپرد کیا اور بہت معمولی کوشش سے اس نے پایہ تخت خلافت میں امن قائم کر دیا اور شورش کے امکانات ختم کر دیے ۔ کرمینیہ سپاہ یکسر منتشر کر دی گئی ، ان میں جو لوگ مناسب سمجھے گئے وہ سرحدات پر بھیج دیے گئے اور صرف ان لوگوں کو علی حالہم قائم رکھا جن کے اخلاص ، ولاء اور طاعت کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا ۔

باشندگان بغداد میں سے جو لوگ مشکوک اور مشتبہ تھے ، ان سے حسب موقع و مصلحت سختی اور نرمی کا برتاؤ کیا گیا ۔ یہاں تک کہ امور و معاملات پورے طور پر رو براہ ہوگئے اور کسی طرح کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہیں رہا ۔

رشید کا قطعی اور مستحکم فیصلہ

واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رشید نے اس انقلاب عظیم کو انجام تک پہنچانے کا قطعی اور مستحکم فیصلہ کر لیا تھا ، چنانچہ اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ سر دست بغداد میں قدم نہیں رکھے گا اور عملی طور پر رقہ ہی کو پایۂ تخت خلافت بنائے رکھے گا ۔ چنانچہ بغداد سے اس نے گویا ترک تعلق سا کر لیا تھا ۔ جب تک کوئی سخت ضرورت داعی نہ ہوتی ایک دن بھی وہاں قیام نہ کرتا [1] ۔

اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ بغداد میں جو اجتماعی رونق اور گہما گہمی پائی جاتی تھی وہ یکسر ختم ہو گئی ۔ وہاں نشاط و طرب کی جو محفلیں جمتی تھیں ، ان کا سلسلہ بند ہو گیا ، دجلہ کے کنارے محلات و قصور میں جو انوار بکھرے نظر آیا کرتے تھے ، ان کا شائبہ بھی باقی نہیں رہا ۔ قصر خلد میں موسیقی اور نغمے کی گرم بازاری جو ہر وقت نظر آیا کرتی تھی ، معدوم ہو گئی ، شعرا کی قصیدہ خانیاں اور ترنم ریزیاں افسانۂ پارینہ بن گئی تھیں ۔ جہاں ہر وقت خوشی اور مسرت کی جلوہ آرائی نظر آیا کرتی تھی اور قہقہے گونجا کرتے تھے ، وہاں اب افسردگی اور ایک عجیب طرح کے اضطراب و الم کی کار فرمائی نظر آتی تھی ، جب سے ابو جعفر منصور نے اس شہر کی دیواریں اٹھائی تھیں آج تک بغداد نے سوگواری اور افسردگی کا یہ منظر کبھی نہیں دیکھا تھا ۔

علی بن ماہان کے خلاف شکایات

اور جہاں تک خراسان کا تعلق تھا ، ابنائے برمک پر نوحہ و ماتم ، غم و الم اور رنج و تاسف کے سمندر میں یہ غرق تھا ۔ علی بن ماہان کی سختی اور تشدد کے سامنے اس نے گھٹنے ٹیک دیے تھے ، لیکن دل و دماغ جل رہے تھے ، یہ مجال نہ تھی کہ دل کی کوئی بات زبان پر لائی جا سکے ، یا کوئی تحریک شروع کی جا سکے ، لیکن ایسا بھی نہیں تھا ، کہ یہ غم فراموش ہو گیا ہو ۔

خراسان کے کچھ سربرآوردہ لوگ رقہ آئے ، اور رشید سے ولاء اور

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۰۹ ۔

طاعت کا عہد و پیان کیا ، ساتھ ہی ساتھ علی بن ماہان کے ظلم و ستم اور سختی و تشدد اور قساوت و شقاوت کی شکایت بھی کی اور یہ بھی بتایا کہ اشراف خراسان کے ساتھ اس کا برتاؤ اور سلوک کس درجہ بھیانہ اور ظالمانہ اور اہانت آمیز ہے ، بلکہ خود خلیفہ کے بارے میں بھی اس کے خیالات کچھ اچھے نہیں رہے ہیں -

رشید نے یہ باتیں توجہ سے سنیں اور ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا ، یہ وعدہ بھی کیا کہ حالات کا مشاہدہ کرنے اور جائزہ لینے کے لیے وہ بہ نفس نفیس خراسان آئے گا تاکہ ذاتی معلومات کی روشنی میں کوئی رائے قائم کر سکے اور کسی فیصلے تک پہنچ سکے -

اس گفتگو کے بعد اس نے ارکان وفد کی خاطر داشت کی اور ان کی عزت و تکریم بجا لایا -

رشید کے اس طرز عمل سے ارکان وفد بہت متاثر ہوئے ، انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور واپس خراسان چلے آئے[1] -

یمنیوں اور نزاریوں میں کشمکش

اسی اثنا میں رشید کو ایک انتہائی تشویشناک اطلاع ملی ، یعنی شام میں یمنیوں اور نزاریوں کے مابین از سر نو نزاع و عناد کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں ، یہ وہی فتنہ تھا ، جو دس برس پہلے ایک سخت اور خون ریز جنگ و بغاوت کی صورت میں ابو الھیذام کی زیر قیادت رونما ہوا تھا -

رشید کو اندیشہ پیدا ہوا کہیں پھر پہلے کی طرح کئی سال تک یہ آگ نہ بھڑکتی رہے ، للہذا اس نے ایک لشکر گراں بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ شام روانہ کیا ، کہ فتنہ قبل اس کے کہ بڑھے اور نازک صورت اختیار کر لے ، دبا دیا جائے اور جو لوگ اس فتنے کے سرخیل ہیں ان کی قرار واقعی سرکوبی کر دی جائے اور جنگ آزماؤں کے مابین اچھی بنیاد پر پائیدار صلح کرا دی جائے ، تاکہ بعد میں یہ فتنہ سر نہ اٹھا سکے[2] -

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۶۳ -
۲ - ابن الاثیر ، جلد ٦ ، صفحہ ۱۲۹ -

روم پر چڑھائی

اس عرصے میں بلاد روم سے جنگ و پیکار کا سلسلہ رشید جاری نہ رکھ سکا ، کچھ اس لیے کہ برامکہ کے استیصال میں زیادہ الجھا رہا اور کچھ داخلی معاملات نے اس طرف اسے متوجہ نہیں ہونے دیا ۔ اس کی ان پریشانیوں اور الجھنوں کو اس کی کمزوری پر محمول کیا گیا ، یہاں تک کہ داخلی امور میں مصروفیت کے باعث اس کی سطوت اور جاہ و جلال کو خطرہ لاحق ہو گیا ، کیونکہ حدود مملکت پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع ہو گیا اور موقع غنیمت جان کر ، ہنگامہ آرائی اور شورش کا آغاز کر دیا گیا ۔

یہ صورت احوال دیکھ کر اپنے بیٹے قاسم کی سرکردگی میں ، بعض قواد کی معیت میں ایک لشکر گراں اس نے روانہ کیا ۔ یہ لشکر دشمن کی سر زمین میں داخل ہونے چلا گیا اور شہر 'قرۃ' پر قابض ہو گیا ۔

رشید نے پہلا لشکر بھیج چکنے کے بعد ایک دوسرا لشکر عباس بن جعفر بن الاشعث کی قیادت میں روانہ کیا ، اس لشکر نے قلعہ 'سنا' کا محاصرہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں پر خواب و خور حرام کر دیا[1] ۔

رشید نے صرف ان دو لشکروں پر اکتفا نہیں کیا ، ایک تیسرا لشکر بھی بہت جلد ابراہیم بن جرنیل کی قیادت میں روانہ کر دیا ، اس لشکر کی مڈبھیڑ ، دشمن کے سالار فوج اور رئیس امور نقفور سے ہوئی ، لیکن یہ قتال و پیکار سے دامن بچا کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا ، کیونکہ وہاں سے شورش اور بغاوت کی اطلاع ملی تھی ، لیکن واپسی میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی ٹکری سے اس کی ٹکر ہو گئی ، جس کا سالار ابراہیم تھا اور یہ لوگ اس کے ماتحت تھے ۔ جنگ ہوئی ، نقفور کو شکست بھی ہوئی اور مجروح بھی ہؤا ، اور اپنا لشکر مسلمانوں سے جنگ آزما چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہؤا[2] ۔ اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ملکہ روم نے اموال اور جزیہ بھیج

---

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۳۰ ۔
۲ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۲۹ ۔

کر صلح کی درخواست کی اور یہ عہد بھی کیا کہ تین سو بیس قیدیوں کو رہا کر دے گا[1] ۔

شعوبیت کا خاتمہ

رشید کامل دو سال تک رقہ میں مقیم رہا ، نظم مملکت کو استوار کرنے کے سلسلے میں اسے رات دن جاگنا پڑتا ، وہ مستقل اور غیر منقطع طور پر مصروف جد و جہد تھا ، یہاں تک کہ غیر ممالک میں اس کی ہیبت و جلالت کا سکہ پھر چلنے لگا اور داخلی طور پر امن و امان کامل طور پر بحال ہو گیا ۔ مملکت کے استحکام اور قوت کے بارے میں لوگوں کو اطمینان ہو گیا ، جو سرکش اور باغی تھے انھوں نے گھٹنے ٹیک دیے ، اور مملکت کا سفینہ پوری ہمواری کے ساتھ ایک مرتبہ پھر رواں دواں ہو گیا ۔ اب اس مملکت کا تاج دار ، سالار اور سردار رشید بہ نفس نفیس خود تھا اور چوٹی کے عرب اس کے ہمرکاب تھے اور ہر طرح سے تعاون پر آمادہ تھے ۔ فارسی رنگ میں جنھوں نے حکومت کو رنگ دیا تھا وہ اب منظر سے ہٹ چکے تھے ، خوگر انتقام شعوبیت اب دم توڑ چکی تھی ۔

---

۱ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۰ ۔

بیدار مغز خلیفہ

رشید ایک مدبر اور فاتح کی حیثیت سے

حیات رشید کے چند پہلو

۱۸۸ھ (مطابق ۸۰۰ع) سے رشید نے امور و معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اب وہ ہر اثر سے آزاد تھا اور اپنی مرضی کا مالک ، اس کے عزم شدید نے خلافت کی ہیبت و جلالت میں از سر نو غیرمعمولی اضافہ کر دیا تھا ۔ آج کا رشید ، گزرے ہوئے رشید سے بالکل مختلف تھا ، وہ دور گزر گیا جب اس نے مملکت کا سارا بوجھ اپنے وزیروں کے کندھوں پر ڈال رکھا تھا اور اپنا سارا وقت مجالس لہو و طرب میں صرف کیا کرتا تھا ۔ شعر سنتا تھا اور ندیموں کے جھرمٹ میں بیٹھا رہا کرتا تھا ، رواۃ اخبار و ادب سامنے موجود رہتے تھے اور اس کا دل بہلایا کرتے تھے ، فقہا ، علما حاضر رہا کرتے تھے اور ان سے استفادے کا کام جاری رہتا تھا ۔

اب یہ شخص پورے طور سے بدل گیا تھا ۔

جن لذائذ فکریہ میں اپنے شب و روز صرف کیا کرتا تھا ، ان کا اہتمام و انصرام اب اس کے لیے دل‌چسپی کا موجب نہیں رہ گیا تھا ۔ اب اس کی جولانگاہ سیاست تھی اور حوادث کے مقابلے میں سینہ سپر بن کر وہ کھڑا ہو گیا تھا ۔ مجالس لہو و طرب کا دروازہ اس نے بند کر دیا تھا ، یہ اگر کھلتا بھی تھا تو کبھی کبھی اور بہت مختصر سے وقفے کے لیے ۔ قصہ خوانوں کی داستان سرائی میں اب اس کے لیے کوئی دل چسپی نہیں رہ گئی تھی ۔ اجتماعات لہو و طرب اس کے مشاغل کی فہرست سے تقریباً خارج ہو گئے تھے ، ان چیزوں میں سے کسی میں بھی اب اسے شغف یا انہماک باقی نہ رہ گیا تھا ۔

اس تغیر کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جو بڑی بڑی شخصیتیں قصر کی زینت اور رونق تھیں، اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں، نکبت برامکہ سے کئی سال پہلے قاضی (امام) ابو یوسفؒ کا انتقال ہو گیا تھا۔ امام صاحب کا وجود رشید کے لیے ایک نعمت اور سہارا تھا، وہ اسے جادۂ حق سے منحرف ہونے سے روکتے رہتے تھے، وہ اس کی مذہبی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے، اس کے لیے انھوں نے ''کتاب الخراج'' لکھی جو اپنے موضوع کے اعتبار سے اتنی صدیاں گزر چکنے کے باوجود آج بھی فنی اعتبار سے اتنی ہی اہم اور معرکہ آرا اور یادگار حیثیت کی حامل ہے، جتنی شروع میں تھی اور شاید ہمیشہ رہے گی۔

امام ابو یوسفؒ کے بعد رشید کو جو دوسرا صدمہ سہنا پڑا، وہ کسائی اور مروان بن ابی حفصہ جیسے نامور اور مانے ہوئے ماہرین فن کا تھا۔

ابوالعتاہیہ اگرچہ زندہ تھا، لیکن سچ پوچھیے تو اپنے فن کے لیے مر ہی چکا تھا، اس پر تصوف کا اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ اس نے دنیا سے واسطہ منقطع کر لیا تھا اور سارا وقت یاد الٰہی میں صرف کیا کرتا تھا۔ جو اشعار کہتا وہ بھی عبرت و موعظت کا پہلو لیے ہوئے، بجائے اس کے کہ ان میں دنیا کے لذائذ اور خواہشات کی ترغیب دی گئی ہو۔

اصمعی جیسا شخص بھی جو دربار کی رونق اور بزم بے تکلف کی روح رواں تھا، دارالخلافہ سے رخصت ہو کر بصرہ پہنچ گیا تھا اور وہیں اقامت گزیں ہو گیا تھا۔ ابراہیم موصلی جیسا مغنی، جس سے رشید کی دنیا آباد تھی اور اس کے کئی ساتھی اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم باقی میں جا بسے تھے۔

ان کے علاوہ بھی جو اس کے مصاحب، ندیم اور حاشیہ نشین تھے، متفرق ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

اصلاح و تطہیر اور تنظیم جدید

ان کے حالات نے رشید کو دوسرے امور سے یکسر بے تعلق اور بے نیاز کر دیا تھا اور وہ اپنی تمام فکری اور ذہنی صلاحیتیں صرف امور مملکت کی صلاح و تطہیر اور تنظیم نو پر صرف کر رہا تھا ۔ وہ ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتا تھا ، اس لیے کہ اب وہ اپنے تئیں اپنی خلافت و رعیت کا مسئول محسوس کرتا تھا ۔

اخبار و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ برامکہ کے استیصال اور بربادی کے بعد ہی سے اس نے فریضۂ حج ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں ، لیکن مملکت کے نظم و نسق نے اور دشمنان ملک و ملت سے تطہیر کی مہم نے اور داخلی معاملات و مسائل نے شب و روز کی محنت اور رومیوں کی تاخت و تاراج کا مقابلہ کرنے اور ان کی سرکوبی نے اسے اس درجہ مصروف و منہمک رکھا کہ وہ دلی آرزو اور تمنا کے باوجود یہ فریضہ نہیں ادا کر سکا ۔

پا پیادہ سفر حج

جب تمام امور حسب دل خواہ انجام پا گئے اور وہ پورے طور پر مطمئن ہو گیا تو ایک روز اس نے اپنے وزیر عمر بن مسعدہ کو طلب کیا اور اس سے کہا :

''میں نے فریضۂ حج ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ رقہ سے بیت اللہ الحرام تک پا پیادہ سفر کروں گا !''

یہ سن کر عمر بن مسعدہ بھونچکا رہ گیا ، اس لیے کہ یہ بات نہ آج تک اس نے سنی تھی نہ اس کے حاشیۂ خیال میں آئی تھی کہ کسی خلیفہ نے پا پیادہ حجاز تک کا سفر کیا ہو ، جب کہ راستہ اتنا طویل اور دشوار گزار تھا ، آخر وہ خاموش نہ رہ سکا ۔ اس نے عرض کیا :

''امیرالمومنین ، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ؟ کیا ایسا بھی ممکن ہے ؟ بھلا اتنا لمبا فاصلہ آپ پا پیادہ کس طرح طے کریں گے ؟''

رشید نے جواب دیا :

''یہ تو ہو کر رہے گا ، اگرچہ مجھے کتنی ہی تکلیف اور مشقت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے !''

اپنے آپ کو بالکل بے بس پا کر عمر بن مسعدہ نے ایک آخری تجویز پیش کی :

''تو کم از کم اتنا کیجیے کہ اس سال اپنا ارادہ ملتوی کر دیجیے اور آئندہ سال کے موسم حج کا انتظار کیجیے، کم از کم میں طویل اور دشوار گزار راستے کو مختصر اور آسان تو بنالوں اور ایسا پروگرام بنا لوں کہ سب کام بالکل ٹھیک وقت پر انجام پا سکے اور مراحل (منزلیں) بھی متعین کردوں کہ کہاں کہاں پڑاؤ کرنا پڑے گا اور وہاں کتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا ؟ تا کہ یہ کام دشوار کسی حد تک تو سہل اور آسان ہو جائے اور انشا اللہ ایسا ہو جائے گا ۔''

روایات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رشید نے اپنے وزیر کی بات نہیں مانی اور اسی سال حج کیا ، البتہ روایات[1] کا اس بات پر اتفاق نہیں ہے ، کہ اس نے یہ سفر پا پیادہ طے کیا تھا ۔ ابن قتیبہ اور بعض دوسرے مؤرخین نے اس خبر کا ذکر کیا ہے ، ان کے خیال میں یہ سفر اس نے پا پیادہ طے کیا تھا اور اس کی وہ تاویل بھی کرتے ہیں ۔

فہم و گمان سے قریب تر بات یہ ہے کہ رشید کا یہ اسباب دو اقدام پر مبنی تھا ۔

ایک تو یہ کہ وہ اپنی حلف شکنی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا ، یاد ہوگا ، اس نے یحییٰ سے بہ حلف یہ عہد کیا تھا کہ کبھی بھی اسے کسی طرح کی اذیت نہ دے گا ، نہ اس کے مال و جان سے تعرض کرے گا ۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کے سامنے اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ حسب معمول حج اور جہاد کے راستے پر گامزن ہے اور اپنی عزیمت و تقویٰ اور اسباب دین سے ارتباط قائم ہے اور بہ ظاہر پورے طور پر وہ اس میں کامیاب بھی ہؤا ، اس کے اس عمل نے عوام و خواص کے دل پر بہت گہرا اثر کیا ۔

---

[1] ۔ الامامۃ و السیاستہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۷ ۔

سفر کی تیاریاں

موسم حج کی آمد سے پہلے ، رشید کے عزم سے مطلع ہونے کے بعد ، عمر بن مسعدہ سال بھر دشوار گزار راستوں کو سہل بنانے کے کام میں مصروف رہا ۔ اس راستے میں جتنی صعوبتیں پیش آئیں ان سب کا اس نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے کام میں شب و روز لگا رہا ، اس طویل راستے کو اس نے کئی مراحل میں تقسیم کیا اور ہر مرحلے کو ڈاک کا مرکز بنایا اور اس کی مسافت بارہ میل رکھی اور اسے چار فرسخ میں تقسیم کیا[1] ۔ ہر فرسخ پر ایک عمارت بنوائی ، جس میں نہایت اعلیٰ درجہ کے فرش کا بندوبست کیا اور کئی رداق بنائے ، جہائے سانے کا بہت اچھا انتظام تھا ، یہاں ہر طرح کے کھانے پینے اور فواکہات کا سٹاک موجود تھا ، نیز ہر مرحلہ پر ایک مختصر سی عمارت اس غرض سے بنائی کہ وہاں جمیع وسائل، راحت و آرام ، نیز سونے اور حمام کے موجود رہیں ، قریب ہی کنوئیں بھی کھدوائے تاکہ پانی با افراط دستیاب ہو سکے اور سواریوں کے لیے نیز پینے کے لیے اور وضو کے لیے ، کھانا پکانے کے لیے اور صفائی و طہارت کے لیے کسی قسم کی کمی محسوس نہ ہو ۔ اس نے اس کا بندوبست بھی کیا تھا کہ نہایت پابندی کے ساتھ پایۂ تخت اور دوسرے مقامات کی خبریں وقت کے وقت رشید کو پہنچتی رہیں ۔ اس سلسلے میں اس نے نہایت تیز رفتار کبوتروں کا انتظام کیا ، جو بعید ترین مقامات اقالیم سے بھی ، ایک دن میں یا زیادہ سے زیادہ دو دن میں خبر لے کر آ جایا کرتے تھے ۔ اس طرح ہر مرحلے پر داخل ہوتے ہی اسے تازہ ترین خبریں مل جاتی تھیں جیسے سفر میں نہیں رقہ میں بیٹھا ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ صبا رفتار سانڈنیوں کے ذریعہ جو برید سریع کے لیے وقف تھیں ، رشید کو ہر طرح کے ہدایا اور ضروری چیزیں ملتی رہتی تھیں ۔

زبیدہ کا عزم سفر

زبیدہ کو جب رشید کے عزم سفر کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی مطالبہ کیا کہ وہ بھی ساتھ چلے گی ، رشید نے یہ بات مان لی اس نے قسم

---

۱ ۔ ایک فرسخ تقریباً تین میل کے برابر ہوتا ہے ۔

کہانی تھی کہ اپنے مال و دولت کا بہت بڑا حصہ امور خیر میں ، تقرب الی اللہ کے لیے صرف کر دے گی ۔ چلتے وقت اس نے اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا بندوبست بھی کر لیا ۔

یہ خبر جملہ بلاد میں آناً فاناً پھیل گئی ، چنانچہ متعدد اقالیم کے سربرآوردہ اصحاب نے اس سال رشید کی معیت میں حج کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اس سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ کر اس کا شاندار استقبال کریں ، جو خلفا کی تاریخ میں پہلا خلیفہ تھا جو اتنے دور و دراز علاقے سے پا پیادہ حج کرنے کی سعادت حاصل کرنے بہت جلد پہنچ رہا تھا ۔

رشید کی روانگی

اوائل شوال ۱۸۸ھ (مطابق ۸۰۴ع) رشید شہر رقہ سے سفر حج پر روانہ ہوا ، اس کے ساتھ اس کی بیوی زبیدہ بھی تھی ، جو ساتھ ساتھ پس پردہ چل رہی تھی ۔ نگہبانوں اور محافظوں کی کھیپ کی کھیپ ذرا فاصلہ سے ان دونوں کی نگہبانی اور نگہداشت کر رہی تھی ، ان دونوں کے پیچھے پیچھے ایک فرسخ کے فاصلے پر بھی حجاج کا قافلہ تھا ، جس میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو اس سپاہ پر مشتمل تھے جنہیں رشید اپنے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد اور اپنے مستقر پر پہنچنے سے پہلے خراسان لے جانا چاہتا تھا ۔

رشید کی عمر اب تقریباً چالیس سال کی تھی ، ہر اعتبار سے صحت مند اور توانا ، اس بادیہ پیمائی کے سفر میں زبیدہ نے بھی کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں کی ۔ خاندان کی دوشیزاؤں اور نوجوان خواتین کی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ شریک سفر تھی ۔

امرا بنو ہاشم بھی ایسے غالیچوں پر چل رہے تھے ، جو ان کے پاؤں تلے بچھے ہوئے تھے ، ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک اسی طرح کا انتظام تھا ۔

موسم بھی ربیع کا تھا ، حد درجہ خوش گوار اور معتدل ۔

یہ لوگ جب ایک فرسخ کا فاصلہ طے کر لیتے تو اس عمارت میں اترتے جو خاص طور پر اس مقصد کے لیے تعمیر کی گئی تھی ، خوب جی بھر

کر کھاتے پیتے ، اس کے بعد پھر چل کھڑے ہوتے اور دوسرے مرحلے پر پہنچ جاتے - ہر روز چار فرسخ یعنی ایک مرحلے کی مسافت طے کر لیتے ، اس کے بعد اس گھر میں اترتے جو ان کے لیے تیار کیا گیا تھا ، یہاں ایک دن یا چند دن ، راحت و آرام سے گذارتے ، اس کے بعد پھر سفر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ، راستے میں ان کی آسائش اور آرام کا مکمل انتظام تھا ، اور ہر طرح کے اسباب راحت بہ درجہ اتم موجود تھے[1] -

آسائش سفر کی یہ تدبیر ، س زمانے میں ایک بالکل نئی اور عجیب چیز تھی ، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس طویل مسافت کے قطع کرنے کے دوران میں جب کہ وہ سرگرم سفر تھا ، شئون و امور مملکت سے پورے طور پر با خبر رہتا تھا ، اس لیے کہ ''فضائی ڈاک'' کا بڑا اچھا انتظام تھا ، تیز پرواز کبوتر دوران سفر میں برابر نامہ و پیام لے کر اس کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے ، کوئی واقعہ اور حادثہ ایسا نہیں تھا ، جس کی ہر وقت خبر اسے نہ مل جایا کرتی ہو ، اگرچہ وہ کتنے ہی دور و دراز مقام پر کیوں نہ واقع ہو - سفر کے دوران میں وہ برابر اپنے مخصوص و معتمد آدمیوں سے اہم امور پر صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا ، وزرا اور کاتب بھی اس مشورے میں شریک رہتے تھے ، اس لیے کہ یہ سب سفر میں اس کے ساتھ تھے -

رشید ارض حجاز میں

رشید جب ارض حجاج میں داخل ہؤا تو باشندگان حرمین شریفین اور وفود حج اس کے استقبال کو بے تابانہ نکل کھڑے ہوئے ، ان کی زبان پر تکبیر و تہلیل جاری تھی - اپنی نوعیت کا یہ پہلا سفر انہوں نے کسی خلیفہ کا نہیں دیکھا تھا ، جس نے دین سے وابستگی ، اور روحانی ربط و تعلق کو اور زیادہ شدید کر دیا تھا -

رشید نے ان لوگوں میں بڑی دریا دلی اور سخاوت سے تحائف اور ہدایا تقسیم کیے ، اپنی طرف سے اور اپنی بیوی کی طرف سے اس نے اس دن اتنا مال تقسیم کیا کہ باشندگان حرمین شریفین میں کوئی شخص بھوکا باقی نہیں

---

۱ - الامامتہ و السیاستہ ، جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ -

رہ گیا ۔

اور زبیدہ نے تو اس مرتبہ کمال کر دیا ، اس نے امور خیر پر بے دریغ دولت صرف کرنے کا جو فیصلہ کر لیا تھا اب اسے عملی جامہ پہنانے کا وقت آ گیا تھا ۔ اس نے حکم دیا کہ جن راستوں سے حجاج کے قافلے آتے ہیں ، ان صحراؤں میں کنوئیں اور تالاب کھودے جائیں اور ان کے قریب ویسے ہی مکانات اور عمارتیں حجاج کی راحت اور آسائش کے لیے تعمیر کی جائیں جیسی عمر بن مسعدہ نے رشید کے لیے راستے میں تعمیر کر دی تھیں ۔

اس کے علاوہ مکۂ مکرمہ میں ایک نہایت شاندار اور طویل و کشادہ عمارت اس نے تعمیر کی جسے اپنے نام سے موسوم کیا اور ابو یوسفؒ کا گھر بھی تعمیر کرایا ۔

پھر مکۂ مکرمہ کے گورنر کو اس نے طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ جس چشمہ سے باشندگان مدینہ پانی پیتے ہیں ، اس سے ایک نہر نکالی جائے ، جو مکۂ مکرمہ تک پہنچائی جائے ، کہ پانی پوری روانی کے ساتھ وہاں بھی پہنچ سکے ۔

مکۂ مکرمہ کے گورنر نے زبیدہ سے کہا :

''یہ مسافت بارہ میل کی ہو گی ۔ اتنی بڑی نہر کھودنے ، پانی جاری کرنے اور پہنچانے میں بہت زیادہ روپیہ صرف ہو گا !''

یہ سن کر زبیدہ نے جو جواب دیا اس نے بڑی شہرت حاصل کر لی ، اس نے کہا :

''پانی ہر قیمت پر پہنچانا ہے ، تم یہ کام شروع کر دو ، اور اس کی ذرا پرواہ نہ کرو کہ خرچ کیا آتا ہے ، لاکھوں دینار بھی صرف ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں !''

گورنر کے لیے اب کوئی چارہ باقی نہیں رہا ؛ اس نے کام شروع کر دیا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ، یعنی نہر مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی ، اس نہر کا نام بھی اس نے اپنے نام کے اوپر رکھا ، جو آج تک نہر زبیدہ کے نام سے مشہور و موجود ہے ۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد زبیدہ نے اپنے کاتب خاص کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ حرمین شریفین کے محتاجوں اور یتیموں کو جمع کیا جائے اور انہیں پانچ لاکھ درہم اس کے بیٹے امین کے نام سے دیے جائیں ، جو رشید کا ولی عہد تھا ۔

حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ اس کا یہ سلسلہ خیرات و صدقات برابر جاری رہا ، یہاں تک کہ مشہور ہے کہ اس مد میں کل رقم جو اس نے صرف کی اس کی میزان تقریباً ساٹھ لاکھ درہم تک جاتی ہے ، یہ ساری رقم اس نے اپنے حج کے دوران میں صرف کی ، اس سخاوت اور داد و دہش سے حجاج اتنے متاثر ہوئے کہ زبیدہ اور رشید کی حمد و ثنا کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ۔

یہ خبر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے نکل کر دوسرے شہروں میں بھی اڑ کر پہنچی جو ان دونوں کے حق میں بہترین پروپیگنڈا ثابت ہوئی ، — اور زبیدہ کے لڑکے محمد الامین کے لیے بھی !(۱)"

عراق کی طرف کوچ

فریضۂ حج سے فارغ ہونے کے بعد رشید نے عراق کی طرف کوچ کیا ، راستے سے بعض سربرآوردہ ہاشمیوں کو اور اپنے رجال حاشیہ کو زبیدہ کے ساتھ رقہ روانہ کر دیا اور خود اپنا جیش لے کر خراسان کی طرف بڑھا ، تاکہ وہاں کے احوال و واقعات کا بہ چشم خود مشاہدہ کر سکے اور بہ طور خود جائزہ لے سکے ، ایک مقصد اس سفر کا وہاں کے گورنر علی بن ماہان کا احتساب بھی تھا ، جس کے بارے میں شکایات کا طومار اکھٹا ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا ۔ راستے میں بغداد پڑا ، لیکن وہ شہر میں داخل نہیں ہوا ، نہروان میں اس نے چھاؤنی ڈالی ، یہیں اس کے بیٹے ، امین ، مامون اور قاسم آ کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے ، پھر ان سب کو لے کر جمادی الاول کے مہینے میں ۱۸۹ھ (مطابق ۸۰۵ع) خراسان کی طرف بڑھا ۔ سب سے پہلے جس شہر میں اترا ، وہ 'قرماسین' تھا ، یہاں

---

۱ - المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۱ -

اس نے منزل کی ۔ یہاں علما ، فقہا اور قضاۃ کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی ۔ اس نے ان سب کو ایک مجلس میں جمع کیا اور ان سب کو اس امر کا گواہ بنایا کہ اس کے لشکر میں جو کچھ بھی از قبیل اموال و خزائن و سلاح جنگ وغیرہ ہے ۔ یہ عبداللہ ماسون کی ملکیت ہے ، اس کے دوسرے بیٹوں کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہوگا ۔

اس کے بعد اس نے امین اور ماسون کی ولی عہدی (علی الترتیب) نمبر ایک اور نمبر دو کی تجدید بیعت کی ۔

ابھی یہ مجلس منتشر نہیں ہوئی تھی اور رشید کے گرد کبار قوم حاضر تھے کہ فضل بن ربیع شاعر معروف و مشہور 'العمانی الراجز' کو لے کر حاضر ہؤا ۔

اس موقع پر عمانی نے جو شعر پڑھے وہ یہ تھے :

قل الامام المقتدی بخصمہ
ما قاسم دون مدی ابن أمہ
و قد رضیناہ ، فقم فسمہ

رشید نے تبسم کیا اور کہا :

''کمبخت کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ میں اسے (قاسم) کو بھی اپنی زندگی اور موجودگی میں (تیسرا) ولی عہد بنا دوں؟''

عمانی نے جواب دیا :

''بے شک ——! لیکن میں چاہتا ہوں کہ بات پکی ہو جائے!''

رشید نے کہا :

''ہم نے اسے تیسرا ولی عہد بنا دیا ہے !''

پھر حکم دیا کہ قاسم کو حاضر کیا جائے ، وہ فوراً آ موجود ہؤا ، اس دن اس کی عمر صرف ۷ سال کی تھی ۔ رشید نے اس سے کہا :

''میرے بچے تجھے چاہیے کہ اس بوڑھے شخص کو دل کھول کر انعام دے اور سرفراز کر ۔ اس نے ہم سے مطالبہ کیا کہ تجھے بھی ولی عہد بنایا جائے اور ہم نے اس کی بات مان لی !''

قاسم نے جواب میں کہا :

"جو امیرالمومنین کی مرضی ہو ۔ میں اسے بجا لاؤں گا !"

رشید نے کہا :

"میری مرضی سے کیا سروکار ، مرضی تو تمھاری چاہیے !"

پھر اس نے قاسم کو اور عمانی کو ایک بڑی رقم عطا کی[1] ۔ اس کے بعد رشید نے قاسم کی ولی عہدی پر حاضرین سے بیعت لی ۔ اور اسے 'المؤتمن' کے نام سے یاد کیا ، علاوہ ازیں جزیرہ اور ثغور کی ولایت اسے سپرد کی اور مامون کو یہ اختیار دیا کہ جب وہ سریرآرائے خلافت ہو تو اسے یہ حق ہو گا کہ چاہے قاسم کی ولی عہدی کو برقرار رکھے ۔ چاہے اسے معزول کر دے[2] ۔

بعد ازاں رشید نے اپنے قائد فوج ہرثمہ بن اعین کو فوراً بغداد روانہ کیا کہ وہاں جائے اور ایک مرتبہ پھر ، امین ، پھر مامون ، پھر قاسم کی ولی عہدی کے لیے از سر نو لوگوں سے بیعت لے ۔

یہ حکم پاتے ہی ہرثمہ بن اعین بڑی تیزی کے ساتھ بغداد روانہ ہؤا اور وہاں اپنا فرض مفروضہ انجام دے کر اسی سرعت کے ساتھ رشید کے پاس واپس آ گیا ، وہ ابھی اپنے پڑاؤ میں مقیم تھا ، کوچ نہیں کیا تھا[3] ۔

مؤتمن کی ولی عہدی کا فیصلہ پہلے ہو چکا تھا

کوئی شبہ نہیں مؤتمن کے لیے ولی عہدی کی بیعت جو رشید نے لی ، یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھی اور اس کا فیصلہ اس اجتماع سے پہلے ہی وہ کر چکا تھا ، غالباً اس اقدام کے پس پردہ جو جذبہ کام کر

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۱۳ ۔
دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کی ولی عہدی پر بیعت عبدالملک بن صالح کے کہنے سے لی گئی ، لیکن قرین قیاس روایت ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ۔

۲ ۔ المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۲۸ ۔
مامون جب سریرآرائے خلافت ہؤا تو اس نے قاسم کی ولی عہدی منسوخ کر دی یہ واقعہ ۱۹۸ھ کا ہے ۔

۳ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۳ ۔

رہا تھا وہ یہ تھا کہ امین اور مامون کے مابین جو ان بن انتہائی شدت کے ساتھ شروع ہو گئی ہے ، وہ شاید اس طرح کچھ کم ہو جائے ، اس لیے کہ دونوں بھائیوں —— امین اور مامون —— کے عناد اور بغض نے اسے حد درجہ پریشان کر رکھا تھا ، خواب و خور تک اس پر اس فکر میں حرام ہو گیا تھا اور یہ کیفیت اب تک قائم تھی ، اس میں کسی طرح کی تخفیف نہیں ہوئی تھی ۔

ہارون کے اس اقدام کو بعض مؤرخین نے سراہا ہے اور اسے ایک مدبرانہ کارنامہ قرار دیا ہے ۔ لیکن ہم اس رائے سے متفق نہیں ہیں ، ہمارا خیال ہے کہ امین اور مامون کی ولی عہدی کے بعد ، ایک تیسری بیعت مؤتمن کی لینا ، ولی عہدی کی قدر و قیمت کم کرنے کا سبب بن گیا ۔

اور اس سے بھی بڑی غلطی جو ہارون سے سر زد ہوئی ، یہ تھی کہ اس نے سلاح جنگ اور جیوش امین کے بجائے مامون کو دے دیے ، حالانکہ ولی عہد اول کی حیثیت سے اسے ان چیزوں کی اور اس قوت کی زیادہ ضرورت تھی ، اگر اس اقدام کا اس کے برعکس ہوتا تو دو باتوں کا احتمال تھا :

۱ - یا تو امین اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی کے منصب پر قائم اور باقی رکھتا ،

۲ - یا اس سے یہ منصب چھین لیتا اور اسے معزول کر دیتا اور چونکہ فوج اس کے پاس ہوتی اور اسلحہ اس کے دست تصرف میں ہوتا ، للہذا وہ مامون کی ولی عہدی منسوخ کرنے پر اچھی طرح قادر ہوتا ۔

دونوں صورتوں سے جو صورت بھی امین اختیار کرتا ، اس سے ایک فائدہ بہرحال حاصل ہوتا ، یعنی رشید کی موت کے بعد رشید کی حکومت تفرقے اور خانہ جنگی کا شکار نہ ہونے پاتی ۔

رشید کو یہ بھی چاہیے تھا کہ وہ حاشیہ نشینوں پر کڑی نظر رکھتا ، جو ان دونوں ولی عہدوں پر چھائے ہوئے تھے اور انہیں اس کا موقعہ نہ دیتا کہ دونوں بھائیوں میں تفرقہ اور بغض و عناد پیدا کریں ۔

مثلاً فضل بن سہل ایک نو مسلم شخص تھا اور مامون کے امور پر اس طرح حاوی تھا ، جیسے کسی زمانے میں یحییٰ بن خالد برمکی ، رشید پر حاوی تھا ۔

اس پارسی نژاد شخص نے مامون اور اس کے بھائی (امین) کے درمیان زیادہ سے زیادہ نفرت اور عداوت پیدا کی ، بالکل اسی طرح جس طرح یحییٰ برمکی نے ہارون رشید اور اس کے بھائی ہادی کے مابین بغض و عداوت اور نفرت کی فضا پیدا کر دی تھی ۔

یقیناً یہ بات رشید کے بس میں تھی ، کہ وہ احتیاطی تدابیر عمل میں لاتا ، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ خطرہ ٹل جاتا ، جس کے بیج برامکہ نے بڑے اہتمام سے ڈالے تھے ۔

لیکن رشید نے ایسا نہیں کیا ۔

اور اس کا جو نتیجہ ہوا ، اسے اگلے صفحات میں ہم دیکھیں گے ۔

امین بغداد میں ، مامون ہم سفر

قرماسین کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر ہارون نے امین کو اپنا نائب بنا کر بغداد مع اس کے آدمیوں کے بھیج دیا اور قاسم کو یہ ہدایت کی کہ وہ سرحدات کی طرف روانہ ہو جائے ، خود مامون کو اپنے ساتھ لے کر شہر رے کی طرف روانہ ہوا ۔ شہر رے پہنچنے کے بعد اس نے وہاں کم و پیش چار ماہ تک قیام کیا ، یہیں اپنے گورنر علی بن ماہان کو طلب کیا ۔ وہ مرو میں تھا ، طلبی کا فرمان سن کر فوراً حاضر ہوا ، اپنے ساتھ بہت سے ہدایا ، دولت و زر ، نادر چیزیں ، مال و متاع ، مشک ، سونا ، اعلیٰ درجہ کے مصنوعات ، سلاح جنگ ، سواری کے بہترین جانور اور اور دوسری بہت سی چیزیں جو حد درجہ گراں بہا تھیں ، لے کر آیا ۔

رشید نے ان شکایات کی تحقیقات کی ، جو اس کے خلاف وقتاً فوقتاً موصول ہوا کرتی تھیں ، لیکن ان میں سے کوئی بات بھی درست نہیں پائی ، نہ کوئی ایسا الزام نظر آیا ، جس پر اس سے مواخذہ کیا جا سکتا ، چنانچہ اسے اس کے منصب پر بحال رکھا ، ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی کہ حسب موقع سختی اور نرمی سے کام لے کر ، نظم حکومت قائم رکھے ،

جہاں تلوار کی ضرورت ہو تلوار سے کام لے ، جہاں رفق و ملاطفت کی حاجت ہو ، اس سے کام لے[۱] ۔

رشید کے امان نامے

اس کے بعد اپنے خادم خاص حسین کو طبرستان کی طرف تین خط ، جو درحقیقت امان نامے تھے ، دے کر بھیجا ۔

یہ تین امان نامے تھے جو طبرستان کے نہایت با اثر اور شہ زور امرا کو بھیجے گئے تھے ، یہ لوگ اب تک تمرد اور سرکشی کا مظاہر کرتے رہے تھے اور حکومت کے لیے ایک مستقل درد سر بن گئے تھے ۔ ان کے نام یہ تھے :

۱ - شثربن
۲ - ند ابرہز
۳ - مرزبان بن جستان

امان نامے پا کر یہ لوگ ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اپنی گذشتہ حرکتوں سے تائب ہوئے اور معذرت کی ، طاعت کا وعدہ کیا ، جو گذشتہ خراج باقی چلا آ رہا تھا وہ ادا کر دیا ۔

رشید نے ان کو معاف کر دیا اور خوش نودی کا مظاہرہ کیا ، لیکن ان کا ایک ایک بیٹا یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا ، تا آنکہ ان کے باپ کی طاعت اور ولاء خوب اچھی طرح سے ثابت ہو جائے[۲] ۔

تنظیمی اور اصلاحی کارنامے

اسی زمانے میں رشید کے قائد فوج سعید الحرشی نے شرف باریابی حاصل کیا ۔ اس کے ساتھ چار سو مجوسی بھی تھے ، جو طبرستان کے تھے اور بڑے سرکش اور متمرد مانے جاتے تھے ، لیکن خلیفہ کے سامنے آ کر سر جھکا دیا اور اظہار اطاعت کیا ۔

ٹھیک اسی موقعے پر آرمینیہ کا گورنر خزیمہ بن خازم بھی وارد ہوا ،

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۰۳ ۔
۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۲۹ ۔

اس کے ساتھ بھی ہے ، اور کھیپ کی کھیپ تھی ، رشید نے اس کی قدر افزائی کی ، اسے بھی منصب پر بحال رکھا ۔

رے سے کوچ کرنے سے پیشتر وہاں کی ولایت عبداللہ بن مالک کو سونپی ، نیز طبرستان ور دیاند ولایت بھی اسے بخش دی ۔ اس کے علاوہ محمد بن جنید کو ہمدان کا علاقہ سونپا اور عیسیٰ بن جعفر بن سلیمان کو عمان کا والی بنا کر روانہ کر دیا ۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تنظیمی اور اصلاحی کارنامے انجام دیے ، جن سے متاثر ہو کر ایک شاعر نے کہا :

ان امین اللہ فی خلقة
حن بہ البر الی مولد ◦
لیصلح انداری و اقطارھا
و یمطر الخیر بھا من یدہ ◦

ہارون کے سامنے جعفر کی لاش کے ٹکڑے

اس مہم سے فارغ ہو کر ہارون رشید نے رقہ کی طرف کوچ کیا ، بغداد کے پاس سے جب گزرا تو جعفر بن یحییٰ کی نعش کے کفن کا ایک حصہ اب تک کھمبے پر لٹکا ہوا نظر آیا ۔ حکم دیا کہ نعش کے باقی اجزا مع سر کے جمع کر کے اس کے سامنے لائے جائیں ۔ حکم کی تعمیل ہوئی ، وہ اس نعش بے گور و کفن کی طرف دیکھنے لگا ۔ چہرے پر حزن اور انسردگی کے اثرات نمایاں تھے ۔ عبدالملک بن فضل نے اس سے کہا :

"یا امیرالمومنین ، یہ اتنا بڑا پاپی تھا کہ آپ کا عفو بے کراں بھی اسے ڈھانپ نہ سکا !"

رشید نے جواب میں کہا :

"جو پرہیز نہیں کرتا ۔ وہ اسی طرح مرض کا شکار ہوتا ہے اور جو اپنے گناہ سے اندھا ہو جاتا ہے ، اسے اسی طرح کے انجام سے دوچار ہو جانا پڑتا ہے ، پھر حکم دیا کہ لاش جلا دی جائے[1] ۔"

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۰۲ ۔

بغداد سے دل اُچاٹ ہوگیا

یہ سب کچھ تھا مگر بغداد میں وہ ایک رات بھی گزارنے پر آمادہ نہیں تھا ، امین اور اس کے بعض مخلص دوستوں نے شدت کے ساتھ اصرار کیا ، کہ خواہ مختصر سی مدت کے لیے سہی ، لیکن بغداد میں قیام ضرور کرے ، لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا :

''خدا کی قسم ، یہ شہر (بغداد) مجھے بہت محبوب ہے ، شرق و غرب میں اس جیسا کوئی اور شہر نہیں ، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ میرا آبائی وطن ہے اور بنو عباس کا پایۂ تخت رہتا چلا آیا ہے اور وہ اسے برابر سنوارتے اور بناتے رہے ہیں ، بھلا اس سے اچھا شہر اور کوئی ہو سکتا ہے ، لیکن میں اس خطۂ ارض میں ایک رات بھی بسر نہیں کرنا چاہتا ، جہاں اہل شقاق و نفاق بستے ہیں ، جو ائمۂ ہدیٰ سے بغض رکھتے اور شجر لعنت سے وابستگی رکھتے ہیں ، پھر اس کے علاوہ جہاں چور اچکے ، رہزن اور بدکردار لوگ بستے ہیں ، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کبھی بغداد نہیں چھوڑ سکتا تھا ، نہ قیامت تک یہاں سے نکلنے کا نام لیتا !''

یہ کہا اور روانہ ہوگیا ، اس موقع پر عباس بن احنف نے جو شاہی سواری کے ساتھ تھا ، کہا :

ما أنخنا حتی ارتحلنا فمانف
دق بین المناخ والارتحال
سألونا عن حالنا اذ قدمنا
فقرنا و داعهم بالسؤال

۱۸۹ھ (مطابق ۸۰۰ع) کے آخر میں رشید شہر رقہ میں کامل ایک سال کی غیر حاضری اور سفر کے بعد دوبارہ واپس آیا۔

شہنشاہ روم اور رشید

فضل بن عباس ہاشمی (عباسی) نے رشید کی رقہ میں واپسی سے کچھ قبل ایک مرتبہ پھر رومیوں سے جنگ کی تھی اور اس جنگ میں کامیاب

و کامران ہو کر واپس آ تھا ۔

شہنشاہ روم نے رشید سے استدعا کی کہ ایک معاہدہ کر لیا جائے جس کے ماتحت طرفین کے اسیران جنگ فدیہ دے کر اور رقم ادا کر کے رہائی حاصل کر لیا کریں ۔ حالانکہ اس سے قبل جنگی قیدی صرف جنگی قیدی کے بدلے ہی میں رہائی پا سکتا تھا ورنہ محبس میں مر جاتا[1] تھا[2] ۔

رشید نے یہ تجویز منظور کر لی اور تمام مسلمانوں کے فدیہ کی رقم بیت المال سے ادا کر کے انہیں رہا کرا لیا ، اس کے اس فعل سے لوگ بہت خوش ہوئے اور جنگی قیدیوں کے گھروں میں تو بہت زیادہ خوشی منائی گئی ، اسی موقع پر ایک شاعر نے کہا :

و فکت بک الأسری التی شیدت لھا
محابس ما فیھا حمیم یزو دھا
علی حین أعیی المسلمین فکاکھا
و قالوا : سجون المسلمون قبودھا

روم سے پھر جنگ

اس طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ابھی رشید آرام نہیں لینے

---

۱ ۔ تاریخ التمدن الاسلامی : جلد ۱ ، صفحہ ۱۵۸ ۔

۲ ۔ مصنف نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے ، یہ ایک متعصب اور بدباطن عیسائی جرجی زیدان کی لکھی ہوئی ہے اور اس نے جو بات لکھی ہے قطعاً غلط ہے ، اسیران جنگ کے بارے میں قرآن کریم نے صاف طور پر فرما دیا ہے :

''فاما منا بعد اما فداء''

''یعنی یا تو انہیں فدیہ لے کر رہا کر دو ، ورنہ از روئے رحم و احسان انہیں آزادی عطا کر دو !''

عہد رسالت و خلفائے راشدین میں اور بعد کو بھی اس پر عمل ہوتا رہا ۔ رشید کو مذہب کا جتنا پاس اور لحاظ تھا ، وہ معلوم ہے ، بھلا وہ ایسی غیر اسلامی حرکت کیونکر کر سکتا تھا ، یہ محض افتراء ہے ۔ (رئیس احمد جعفری)

پایا تھا کہ ایک مرتبہ پھر اسے اسپ صبا رفتار کی پیٹھ پر بیٹھنا پڑا اور ایک دوسرے سفر کے لیے روانہ ہو کر ۔ ایک بہت بڑی جنگ میں حصہ لینا پڑا ـــ ایک ایسی جنگ جو طویل بھی تھی اور دیرپا بھی !

واقعہ یہ ہوا کہ ملکہ روم ''روگستہ'' ہر سال بیت المسلمین میں ایک بڑی رقم جزیہ کی داخل کیا کرتی تھی ، اس ملکہ کے خلاف ''نقفور'' کی قیادت میں ، جو کمانڈر انچیف کی حیثیت رکھتا تھا ۔ بغاوت ہوئی ۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ملکہ تخت حکومت سے محروم ہو گئی اور بازنطینی تخت حکومت پر نقفور متمکن ہو گیا ۔

نقفور نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا ، کہ مملکت روم کی طرف سے جزیہ کی جو رقم ہر سال بغداد بھیجی جایا کرتی تھی اس کا سلسلہ منقطع کر دیا ، اس نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا اور فیصلہ کیا کہ ابراہیم بن جبریل کے دستہ سپاہ سے جنگ کے وقت اسے جو زخم آئے تھے ، ان کا بدلہ لے کر رہے گا ۔ نقفور ایک طرف تو روم کا فرماں روا تھا ، دوسری طرف اب تک جیوش روم کا سربراہ اعلیٰ تھا ۔ چنانچہ ۱۹۰ھ (مطابق ۸۰۶ء) کے اوائل میں رشید کو ایک نامہ لکھا :

''شہنشاہ روم نقفور کی طرف سے فرماں روائے عرب ہارون رشید کی خدمت میں !

اما بعد، !

مجھ سے پیشتر جو ملکہ تخت پر متمکن تھی ، اس نے تجھے وہ مقام دیا ، جو پرندوں میں رخ کا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو وہ حیثیت دی ۔ جو ایک معمولی سے پرند کا ہوتا ہے ، چنانچہ اس نے تجھے بے دھڑک اپنے خزانۂ عامرہ کی رقم بھیجی اور بھیجتی رہی ، لیکن یہ حرکت عورتوں کے ضعف اور حماقت کا ایک ثبوت تھا ۔ جیسے ہی تو میرا یہ نامہ پڑھے ، تجھ پر لازم ہے کہ وہ ساری رقم فوراً مجھ تک لوٹا دیے جو اس سے لے چکا ہے اور اس طرح اپنی جان بچا لے ۔ ورنہ پھر

تلوار ہمارے مابین فیصلہ کرے گی[۱] !"

رشید کو یہ نامہ ملا ، اسے یہ بات بری لگی کہ اس لہجہ میں اسے مخاطب کرے ۔ لیکن اسے غصہ بہت آیا ، اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا کہ یا تو وہ کوئی مناسب تجویز پیش کرے ۔ ورنہ اسے تنہا چھوڑ دے کہ وہ جو مناسب سمجھے کرے ۔ ظاہر ہے فضل بن ربیع کی دلی خواہش یہ تھی کہ اس طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ہارون کوئی نئی مہم اختیار کرنے کے بجائے آرام کرے ، لیکن رشید پر تو اب آرام حرام ہو چکا تھا ، اس نے فوراً قلم دوات منگایا اور نقفور کے خط کی پشت پر یہ الفاظ لکھے :

"امیرالمومنین ہارون رشید کی طرف سے سگ روم نقفور کی طرف :

اے ابن کافرہ میں نے تیرا خط پڑھا ، اس کا جواب تو کانوں سے سننے کے بجائے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا[۲] !"

پھر اپنے وزیر کو حکم دیا کہ فوراً بہترین قواد فوج کو جمع کرے تاکہ وہ جلد از جلد جنگ کا سر و سامان مہیا کریں ۔

ابھی یہ تیاریاں جاری تھیں کہ اطلاع ملی کہ رومی فوجیں اسلامی حدود کے اندر چشمہ زربہ کنیسہ سودا تک آ گئی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے ، بہت سے مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کر لیا ہے ۔

معیصیہ کے لوگوں نے رومیوں کا — کمی تعداد و اسلحہ کے باوجود — مقابلہ کیا اور جو کچھ ان سے بن پڑا کیا ۔

ادھر رشید نے لوازم قتال جلد از جلد مہیا کرنے کے احکامات صادر کیے ، اپنے بیٹے امین کو بغداد میں چھوڑا ، مامون کو شہر رقہ میں رہنے دیا اور وہاں کے معاملات اسے سونپے اور فضل بن سہل فارسی وزیر مامون کو اس کے ساتھ صلاح و مشورے کے لیے چھوڑا[۳] ، اور خود ایک بڑا لشکر

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۹۵ ۔

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۶۹۶ ۔

۳ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲ ۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

لے کر، جو افواج باقاعدہ اور بے قاعدہ پر مشتمل تھا، تیزی کے ساتھ آگے بڑھا، یہ جیش تعداد اور ساز و سامان کے اعتبار سے مکمل تھا۔

فوج کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ بلاد روم کی طرف بڑھا اور اندر گھستا چلا گیا، یہاں تک کہ شہر ہرقلہ کے دروازے پر آیا اور اس کا محاصرہ کر لیا، یہاں آتش ریز پچکاریاں اور فیتے چھوڑے اور آخر کار اس شہر کو فتح کر لیا۔

شاہ روم کی امان طلبی

شہر ہرقلہ سے متفرق دستے اس نے اپنے اعیان قواد مثلاً داؤد بن عیسیٰ الہاشمی (عباسی) عبداللہ بن مالک، شراحیل بن معن بن زائدہ شیبانی، یزید بن مخلد ہبیری وغیرہ کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ ان لوگوں نے مختلف قلعوں، شہروں اور مضافاتی علاقوں کو بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ فتح کر لیا[1] اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف علاقوں میں گھستے چلے گئے۔ جہاں گئے کامیاب ہوئے اور دشمن کو شکست فاش دی۔

آخر نقفور نے امان طلب کی، وعدہ کیا کہ وہ نہایت پابندی کے ساتھ جزیہ ادا کرے گا، یہ سلسلہ ہر سال برابر جاری رہے گا اور اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

ہارون رشید نے یہ درخواست قبول کر لی اور رقہ کی طرف واپس ہوا۔

محض فریب!

لیکن نقفور کی طرف سے طلب امان محض ایک فریب تھا۔ چنانچہ اس نے بہت جلد اپنا کیا ہوا معاہدہ اس حالت میں توڑ دیا کہ رشید ابھی رقہ نہیں پہنچا تھا۔ راستے میں تھا، نقفور نے یہ دیکھ کر کہ ہارون رشید واپس گیا۔ مسلمان آبادیوں پر بے تحاشہ نہایت سفاکانہ حملے کیے اور حدود مملکت اسلامی میں داخل ہو گیا۔ جی بھر کے قتل و غارت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فضل بن سہیل جعفر برمکی کے زمانے میں مامون کا وزیر تھا، یہ مجوسی تھا لیکن مامون کے ہاتھ پر اسلام لے آیا تھا۔

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۷۸۳۔

تاخت و تاراج میں مصروف رہا ۔

یہ خبر رشید کے کانوں میں پہنچی ، اس وقت وہ بلاد شامیہ کے قریب پڑاؤ ڈالے تھا ، فضل بن ربیع اس خبر سے حد درجہ پریشان اور حواس باختہ ہو گیا ، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ہارون رشید کے کان تک یہ بات پہنچ گئی تو وہ از سر نو جنگ کرنے کے لیے واپس ہو جائے گا ، حالانکہ وہ اس بات سے فکر مند تھا کہ اس نے اب تک مسلسل سفر اور تکان کے باوجود راحت اور آرام نہیں حاصل کیا ہے ۔

یہ جاڑے کا موسم تھا ، بعض مقامات پر برف باری ہو رہی تھی اور اولے پڑ رہے تھے ، سرد ہوا کے جھکڑ آفت مچائے ہوئے تھے ، لیکن یہ خبر چھپائی بھی نہیں جا سکتی تھی ، اس اندیشے کے باوجود نہیں چھپائی جا سکتی تھی کہ بے آرامی اور تھکن کے باوجود وہ پھر پلٹ پڑے گا ۔

چنانچہ فضل بن ربیع نے ایک شاعر کو جو فوج سے متعلق تھا اور جس کا نام عبداللہ بن یوسف التیمی تھا ، آمادہ کیا کہ بذریعہ اشعار اور بہ طریق احسن یہ خبر ہارون رشید تک پہنچا دے ۔

چنانچہ عبداللہ بن یوسف خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ اشعار پڑھے :

نقض الذی اعطیتہ نقفور
و علیہ دائرۃ البوار تدور
أبشر أمیرالمومنین فانہ
غنم اتاک بہ الالہ کبیر
نقفور انک حین تغدد أن نائی
عنک الامام لجاھل مغرور
أظننت حین عذدت انک مفلق؟
ھبلتک امک ما ظننت غرور

یہ اشعار سن کر رشید چونکا ، اس نے حاضرین سے سوال کیا :

"واقعی نقفور نے بد عہدی کی ہے" ؟

لوگوں نے جواب میں دست بستہ عرض کیا :

"جی ہاں امر واقعہ تو یہی ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا!"

یہ سنتے ہی اس نے پھر فوج کو تیاری کا حکم دیا اور کم سے کم مدت میں بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ، پھر پلٹ پڑا اور سخت سے سخت تکلیف و اذیت برداشت کرتا ہؤا، بلاد روم میں داخل ہو گیا۔ اس کی نقفور کی فوجوں سے مڈ بھیڑ ہوئی، انتہائی سخت مقابلہ ہؤا۔ اس نے دشمن کی فوج کو تتر بتر کر کے رکھ دیا اور اس کے بڑے حصے کو برباد کر دیا، شہر ہرقلہ کا از سر نو محاصرہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کر لیا اور اس وقت تک واپس نہیں ہؤا جب تک نقفور نے مملکت روم کے ایک ایک فرد کا جزیہ نہیں ادا کر دیا۔ ان جزیہ ادا کرنے والوں میں خود نقفور اور اس کا ولی عہد استبراق، پادری اور منصب دار سب شریک تھے، علاوہ ازیں نقفور نے یہ عہد بھی کیا کہ تاوان جنگ کے طور پر تین لاکھ دینار ادا کرے گا۔ رشید نے یہ شرط بھی عائد کی کہ اب شہر ہرقلہ کو نہیں آباد کیا جائے گا، نقفور نے یہ شرط بھی مان لی۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر دوسری مرتبہ رشید نے بلاد روم سے رقہ کی طرف کوچ کیا۔

طبری کی ایک دلچسپ روایت

دلچسپ روایات میں سے ایک واقعہ وہ بھی ہے۔ جسے طبری نے روایت کیا ہے:

"دوسری مرتبہ روم کو شکست دے کر ہارون رشید رقہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی راستے میں ہی تھا کہ دو بہت بڑے پادری نقفور کا ایک نامہ لے کر ہارون کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس نے لکھا تھا:

"خدا کے غلام، امیرالمومنین ہارون رشید کی خدمت میں شاہ روم نقفور کی طرف سے۔

اما بعد!

اے شہنشاہ وقت میری ضرورت آپ سے وابستہ ہے، جسے اگر آپ پوری کر دیں تو نہ آپ کے دین کا زیان ہے، نہ دنیا کا خسارہ اور

وہ ضرورت ہے بھی بہت معمولی ، اگر میرے بیٹے استبراق کو ہرقلہ کی رہنے والی ایک جاریہ عطا کر دیں تو بڑا کرم ہوگا ، اس سے ــــاستبراقــــولی عہد کی منگنی کر چکا ہوں ، لیکن اب وہ آپ کے جنگی قیدی کی حیثیت سے موجود ہے ،

کیا آپ میری یہ درخواست قبول کر لیں گے ؟

والسلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہٗــــ!"

رشید کی عالی ظرفی

ہارون رشید نے فوراً اس جاریہ کو طلب کیا ، وہ سامنے لا کر کھڑی کر دی گئی ، اسے اس نے امر واقعہ سے مطلع کیا ۔ پھر اسے حکم دیا ، اسے لباس فاخرہ سے نوازا جائے ، زیورات دیے جائیں اور عطیے کے طور پر جواہرات عطا کیے جائیں ، پھر اسے وہ پوری چھولداری عطا کر دی جس میں وہ کھڑا ہؤا تھا اور جو بے انتہا گراں بہا اور بہترین قسم کے ساز و سامان ، ظروف اور دوسری چیزوں سے آراستہ پیراستہ تھی ، اس کے علاوہ بھی بہت سی قیمتی چیزیں عطیے اور ہدیے کے طور پر اس میں اضافہ کر دیں ، پھر ایک دستۂ سپاہ کے ساتھ جس کی سربراہی ایک قائد جیش کر رہا تھا ، اسے انتہائی عزت و تکریم اور وقار کے ساتھ منگیتر کے پاس روانہ کر دیا ۔

نقفور رشید کے اس طرزِ عمل اور عالی حوصلگی سے بہت متاثر ہؤا ، اپنی بہو کو واپس پا لینے کے بعد اس نے ایک نامۂ سپاس رشید کو لکھا اور اس کی شہامت اور عالی ظرفی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا ، نامۂ سپاس کے ساتھ اس نے نہایت نادر قسم کے تحائف اور ہدایا بھی بھیجے ۔

رشید رقہ واپس آ گیا !ــــپرچم فتح و ظفر ہر دستۂ سپاہ کے پاس موجود تھا اور نہایت شان سے لہرا رہا تھا ۔

رشید کا پرجوش استقبال

رشید جس رات رقہ میں داخل ہؤا ، اس کی صبح عیدالفطر تھی ۔ جشن مسرت کا دن باشندگان بغداد کے جوش طرب کا دن ، بزم و انجمن کی رونق اور ہنگامہ آرائی کا دن ! رشید کا نہایت پر جوش اور پرتپاک

استقبال اہل بغداد نے کیا ۔ وہی یاد تازہ ہوگئی ، جب وہ اپنے والد کے عہد میں ، غازی اور فاتح کی حیثیت سے حکومت قسطنطنیہ پر جزیہ عائد کر کے واپس ہؤا تھا ۔ ایک طویل مدت کے بعد یہ دن ایک مرتبہ پھر میسر آیا تھا ۔ رشید نے اپنے قصر میں دربار عام منعقد کیا ، اس موقع پر شعرا نے اس کی مدح میں قصیدے کہہ کر پیش کیے ، چنانچہ ایک شاعر نے جوش اور ولولے کے ساتھ یہ اشعار پڑھے :

ألا نادت هر قلة بالخراب
من الملك الموفق بالصواب
غزا هارون يرعد بالمنايا
و يبرق بالمذكرة القضاب
و رايات يحل النصر فيها
تمر كأنها قطع السحاب
اميرالمؤمنين ظفرت فاسلم
وأبشر بالغنيمة والا" ياب

اشجع سلمیٰ نے بھی اس موقع پر ایک قصیدہ پیش کیا ۔

قبرص کی فتح !

ابھی وہ اپنی شاندار اور یادگار فتح و کامرانی کا جشن منا ہی رہا تھا کہ اسے خوش خبری پہنچی کہ قائد (سپہ سالار) حمید بن معیوف نے جو سواحل شام و مصر کا امیر تھا ، اپنا بحری بیڑہ لے کر قبرص پر حملہ کیا اور حصار و قتال کے بعد اسے رومیوں سے چھین لیا ، اور چھ ہزار آدمیوں کو جنگی قیدی بنا لیا ، ان میں جزیرے کا اسقف (پیشوائے مذہب) بھی تھا[1] ۔ ان قیدیوں کو اس نے رقہ بھیج دیا ۔

رشید نے یہ خبر انتہائی مسرت اور انبساط کے ساتھ سنی ، اس نے ابن معیوف کو اپنے حضور میں طلب کیا ، اور شرف قرب عطا کیا ، اس کے بعد اس نے ابن معیوف کو پھر حکم دیا کہ ایک مرتبہ پھر وہ قبرص جائے اور وہاں کے ان لوگوں سے جنگ کرے جنھوں نے معاہدہ توڑا اور

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۰۶ ۔

جو شاہی دستہ سپاہ تھا اس کے افراد کو قتل کیا ۔ یہ حکم ملتے ہی ابن معیوف قبرص پر حملہ آور ہؤا اور ایسی شدید جنگ کی کہ وہاں کے باشندے تاب مقاومت نہ لا سکے اور سر جھکانے اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے ، انہوں نے اطاعت کا وعدہ کر لیا ، اس مرتبہ پھر اس نے وہاں کے بہت سے آدمیوں کو جنگی قیدی بنا لیا [1] ۔

رشید کی خود اعتمادی

رشید کے ان کارناموں کے پیش نظر بے تامل یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس نے تن تنہا اپنی حکومت کو بغیر برامکہ کی مدد اور اعانت کے مستحکم کیا اور اسے نہایت بلند مقام پر سرفراز کر دیا ۔ اس نے محض اپنے دست و بازو کی مدد سے وہ مقام اور وہ مرتبہ تاریخ میں حاصل کر لیا ، جو دوسرے بڑے بڑے کشور کشاؤں اور فرماں رواؤں کو نہیں حاصل ہو سکا ۔ اگر مشیّت الٰہی اور قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور ہوتا اور اس مسلسل جہد و سعی اور سرگرمی نے اس کی عمر کو مختصر نہ کر دیا ہوتا ، تو بلا شبہہ اس کی شان اور زیادہ رفیع و اعلیٰ ہوتی ۔

باقی رہا بعض مؤرخین کا یہ ادعا کہ برامکہ کے بغیر وہ محض ہیچ تھا [2] ۔ یا یہ کہ برامکہ کے بعد اس کی حکومت مائل بہ زوال ہو گئی تھی ، یا بعض دوسرے مؤرخین کا یہ قول کہ اس نے جو کچھ شہرت اور وقعت حاصل کی ، یہ محض حسن طالع اور خوش بختی کا نتیجہ تھا ، یا اور اس قسم کے دوسرے اقوال ۔ تو یہ گھٹیا قسم کی باتیں ہیں ، حقائق علمی سے اُن کی تائید نہیں ہو سکتی ، نہ کسی اور معقول طریقے سے انہیں ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ برامکہ کے بعد نظام مملکت میں کچھ رخنہ سا پڑ گیا تھا ، نیز فکری اور فنی تحریک کی تشجیع میں قصر خلافت کا اثر کچھ کمزور پڑ گیا تھا ، لیکن یہ ایک بالکل طبیعی بات تھی ۔ جو زبردست سیاسی انقلاب رونما ہؤا تھا ، اس کے بعد یہ باتیں

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۱۱ ۔

۲ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۵۸ ۔

نہ خلاف توقع قرار دی جا سکتی ہیں ، نہ ان پر حیرت بجا ہے ۔۔۔ اس لیے کہ برامکہ جو ہر شعبۂ زندگی پر چھائے ہوئے تھے ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے ، ان کا قتل اور ہلاکت و بربادی اور اپنے اقتدار اعلیٰ کو ان کے نفوذ سے بچانے کی سعی و کوشش کے بعد یہ ہونا ہی چاہیے تھا ۔

پھر یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ صورت احوال صرف انھی چند امور تک محدود نہ تھی ، اس کے کچھ اور بھی پہلو تھے ، نیز یہ کہ برامکہ کی ہلاکت اور بربادی کے بعد ، وہ زندہ بھی کم رہا ، صرف چھ سال کے بعد اس کا انتقال ہو گیا ۔ پھر اس نے دشواریوں ، راستے کے پتھروں اور طرح طرح کی ناقابل تصور پریشانیوں کے باوجود داخلی امن و امان بحال کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی ۔ خلافت کی ہیبت اور سطوت و شوکت کو بحال کرنے میں بھی اسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور سب سے عظیم و جلیل بات یہ کہ اس نے خلافت کو فارسی اثر و نفوذ سے آزاد کر کے یکسر اور خالص عربی بنا دیا اور ان کاموں سے فارغ ہو کر زندگی کے باقی ماندہ دن اس نے ان برائیوں اور کمزوریوں اور نقائص کے دور کرنے میں صرف کیے ، جنھوں نے دیمک کی طرح حکومت کے نظم اور استحکام کو چاٹ لیا تھا ، نہایت بے جگری کے ساتھ ان چیزوں کا اس نے کامیاب مقابلہ کیا ۔ جیسا کہ ذرا وضاحت کے ساتھ ہم آگے چل کر بیان کریں گے ۔

مستشرقین کی ایک رائے سے اتفاق

البتہ مستشرقین کی اس رائے سے ہمیں بالکل اختلاف نہیں کہ دولت عباسیہ کے انحطاط و زوال کا آغاز درحقیقت رشید کے آخری ایام حکومت میں شروع ہو گیا تھا ۔

لیکن اس سلسلے میں ہمیں مستشرقین کی توجیہ سے اتفاق نہیں ہے ، ہمارے نزدیک اس انحطاط و زوال کا سبب رشید کی گرتی ہوئی صحت اور خراسان پر ساری قوت صرف کر دینا تھا ۔ اسی سلسلے میں کہ ابھی وہ راستے میں تھا ، اس کا انتقال ہو گیا ، جس سے حالات اور زیادہ بگڑ گئے ۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس انحطاط و زوال کی ساری ذمے داری رشید پر عائد ہوتی تھی ۔ کیونکہ حکومت کی سیادت پہلے اجنبی عناصر—مثلاً اہل فارس—کے دست تصرف میں رہی ، پھر یہ سیادت مغلوں کے ہاتھ میں آ گئی ۔ در حقیقت یہ انحطاط نتیجہ تھا گذشتہ غلطیوں اور کوتاہیوں کا جو پے در پے اور مسلسل و متواتر ہوتی رہیں اور جن کا آغاز دراصل امویوں کے آخری عہد میں ہو چکا تھا ، بعد ازاں سابق عباسی خلفا بھی ، کچھ اور زیادہ زور و شور کے ساتھ اپنی تحریک اور اقدام و عمل میں عجمیوں سے بہت زیادہ کام لیا اور انہیں امور حکومت میں—وزیر بنا کر—شریک کیا ، ہم تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برامکہ کے خلاف رشید کا اقدام، گذشتہ غلطیوں کے خلاف جو پیہم اور مسلسل ہوتی چلی آئی تھیں ، اعلان بغاوت تھا ۔ اس نے اجنبی عناصر کو پیچھے دھکیل دیا لیکن غریب کو مہلت زیادہ نہیں ملی ، وقت پورا ہو چکا تھا ، اسے دنیا سے رخصت ہونا پڑا ۔

اپنے دعوے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم کہنا چاہتے ہیں کہ شعوب عربیہ کی فراماں روائی اور اقتدار و تسلط کا سلسلہ بنو امیہ کے آخر عہد میں شروع ہوا تھا ، جب دعوت عباسیہ کو آگے بڑھانے اور کامیاب بنانے میں اجنبی عناصر نے—خاص طور پر اہل فارس نے—حصہ لینا شروع کر دیا تھا ، تاکہ ایک عرب حکومت—اموی—کا خاتمہ کر دیں ۔ وہ عرب اقتدار کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکے تھے ۔ لیکن اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ، یہاں تک کہ خود برامکہ پر جو کچھ گزرنا تھا ، گزر گیا اور کوئی شبہہ نہیں اگر رشید نے ڈھنگ بن کر کام نہ کیا ہوتا اور برامکہ کو غارت نہ کر دیا ہوتا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ۔ یعنی عرب حکومت اور اقتدار کا خاتمہ کر دیتے ۔

اور یہ بات کہ عربی سیادت کا خاتمہ کر دیا جائے ، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہل فارس دولت عربیہ سے منفصل اور علیحدہ ہو جانا چاہتے تھے ۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ عربوں کو ذلیل کرنا چاہتے تھے اور انہیں پارسی اقتدار اعلیٰ کا تابع اور محکوم بنا دینا چاہتے تھے ۔ اس لیے

کہ اس زمانے میں حکومت اسلامی اور موحدہ تھی ۔ اگر اقتدار اعلیٰ عربوں کے ہاتھ میں رہتا ہے تو دوسرے شعوب اور قبائل ان کے پرچم تلے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور اگر صورت برعکس ہوتی ہے یعنی اقتدار اعلیٰ غیر عرب طبقے کے ہاتھ میں آتا ہے تو عرب اس حکومت کے تابع اور محکوم ہونے پر مجبور تھے ، چنانچہ رشید کی وفات کے بعد مامون کے دور میں ایسا ہؤا بھی ، اور یہ سلسلہ طویل مدت تک جاری رہا ۔

مذکورہ واقعات و حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رشید نے برمکی نفوذ کا خاتمہ کرکے عربی سیادت کو بچا لیا اور کچھ عرصے تک شعب عربی کو ، اجنبی استعمار سے بہر حال محفوظ رکھا ۔

اور کون جانتا ہے کہ اگر رشید کی عمر نے وفا کی ہوتی اور وہ کچھ عرصے تک اور جیا ہوتا تو تاریخ عرب کچھ اور ہوتی ،— کم از کم وہ نہ ہوتی جو بعد میں بنی ، یا کم از کم اتنا تو بہر حال ہوتا کہ عربوں کی خواری اور محکومی کا دور دیر سے شروع ہوتا ، اہل فارس اور بعد ازاں مغلوں کے آگے انہیں نہ جھکنا پڑتا ، اور وہ عملی طور پر ان کے ماتحت نہ رہ گئے ہوتے —!

میدان عمل سے بستر علالت پر

رشید کی ان تھک سرگرمیوں کا اثر اس کی صحت پر

راحت اور آرام سے گریز

رشید کے لیے ضروری اور لابدی تھا کہ اپنے آپ کو آرام پہنچاتا اور راحت و آسائش سے بہرہ ور ہوتا ، کیونکہ برامکہ کے قتل و غارت سے پہلے اور بعد ، اس کو جس ذہنی اور جسمانی اذیت اور مشقت سے دوچار ہونا پڑا، اس کا تقاضا یہی تھا ، لیکن وہ ہر حادثے کے لیے سینہ سپر رہا اور اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا درپے رہا ، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت کی حالت سدھر گئی اور اس کی باگ ڈور پورے طور پر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

گذشتہ صفحات میں وضاحت کے ساتھ ہم یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ اپنے برمکی وزرا کے بارے میں وہ کیسی شدید ذہنی کشمکش سے دوچار تھا اور وہ شب تار تو خاص طور پر خلجان اور ذہنی اضطراب کی آئینہ دار تھی جب جعفر کا سر تلوار سے کاٹا گیا اور وہ خاندان حوالۂ زندان ہو گیا، جس کے نفوذ سیاسی اور اقتدار و اختیار کی کوئی مثال عباسی خلافت کے پورے دور میں ملتی ہے۔

اور پھر شب تار کے بعد دوسری راتیں آئیں——خوف ، دہشت اور اندیشہ ہائے دور و دراز سے بھرپور۔

رشید نے ان سب کو بھی جھیلا اور برداشت کیا ، لیکن اس کے اعصاب لوہے کے نہ تھے ، ان پر اثر پڑا اور بہت زیادہ پڑا۔

اس عہد اذیت و تکلیف سے گزرنے کے بعد لازم تھا کہ وہ کافی لمبی مدت تک آرام کرتا ، یہاں تک کہ وہ تازہ دم ہو جاتا اور اس کے قویٰ

توانائی حاصل کر لیتے، کوئی بڑی سے بڑی جسمانی تکلیف و تعب بھی اس ذہنی اور شعوری تکلیف و تعب کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس سے وہ دوچار ہؤا - لیکن جوانی اور شباب کے دور میں تعب اور تکلیف کے کوئی معنے نہیں ہوتے، چنانچہ اس نے بھی کوئی پروا نہیں کی - اسی زمانے میں اس نے مکہ مکرمہ تک کا پا پیادہ سفر کیا ۔ پھر واپسی میں دوسرے بلاد و اقالیم سے گزرتا ہؤا خراسان گیا اور اس طویل سفر کو بھی جھیل لے گیا، اس نے پہاڑ اور دریا، صحرا اور جنگل نہایت بہادری اور بیباکی کے ساتھ طے کیے، پینے کو پانی مل گیا، پی لیا، چاہے گرم ہو یا ٹھنڈا، کھانے کو جو سامنے آیا کھا لیا، چاہے خشک ہو یا تر - یہاں تک کہ آخر سال بھر سے زیادہ مدت گزارنے کے بعد وہ اپنے مستقر ـــــ رقہ ـــــ پھر واپس آ گیا -

پھر میدان جنگ کی طرف

رشید نے ابھی تک ماندگیٔ سفر سے فارغ ہو کر کمر نہیں ٹیکی تھی اور کپڑوں سے غبار سفر دور نہیں ہؤا تھا کہ ایک مرتبہ پھر اسے اپنے رہوار صبا رفتار کی پشت پر بیٹھنا اور میدان جنگ کی طرف بڑھنا پڑا اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر نقفور کی تادیب کے لیے جو مسلسل بد عہدی اور معاہدہ شکنی میں طاق تھا، بلاد روم کی طرف بڑھنا پڑا -

وہ اگر چاہتا تو اس جنگ عظیم میں بذات خود حصہ نہ لیتا، اپنا نائب بنا کر، اپنے کار آزمودہ اور سرد و گرم چشیدہ قواد میں سے کسی کو بھیج دیتا اور گھر بیٹھا کمک پر کمک بھیجتا رہتا ۔ یہاں تک کہ مقصد حاصل ہو جاتا، لیکن اسے تو جہاد و قتال سے والہانہ شغف تھا، ایسے نادر موقعہ کو وہ کس طرح ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا؟ شاہ روم نقفور نے اسے جو مکتوب بھیجا تھا وہ ذاتی طور پر اپنے لیے ایک چیلنج سمجھ رہا تھا، لٰہذا ۔ خلیفۃ المسلمین ہوتے ہوئے، وہ پایۂ تخت میں بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا، میدان جنگ میں اسے جانا ہی تھا اور اس عزیمت و حوصلے کا خدا کے فضل سے نتیجہ بھی حسب دل خواہ نکلا - میدان جنگ سے وہ اس طرح واپس آیا کہ بوئے فتح و کامرانی کی لپٹیں اس کے لباس

سے آ رہی تھیں ۔

لیکن اقتدار کے کچھ غایات ہوتے ہیں اور اموال و ظروف کے کچھ احکام ہوتے ہیں ۔ نقفور نے مسلسل اور پے در پے شکستوں کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری ، چنانچہ پھر اس نے عہد شکنی کی اور جن شرائط پر معاہدۂ صلح طے پایا تھا ، انھیں نہایت بے پروائی اور بے باکی سے توڑ دیا ۔

رشید کو چاہیے تھا کہ اپنے وزیراعظم فضل بن ربیع کی رائے پر عمل کرتا اور از سر نو قتال و جہاد کے لیے کمر بستہ نہ ہو جاتا اور معاملہ اگلے سال پر ملتوی کر دیتا ۔ اس عرصے میں خوب آرام کر کے ساری ماندگی رفع کر لیتا ، لیکن اس نے فضل بن ربیع کی رائے ٹھکرا دی اور اپنا پرچم لہراتا ہؤا ، ایک جیش گراں کے ساتھ پھر بلاد روم میں جہاد و قتال کے لیے گھس پڑا ، حالانکہ اس مرتبہ کا سفر حد درجہ تکلیف دہ اور اذیت رساں تھا ، برف باری ، سرد اور تند ہواؤں کے جھکڑ ، طوفان باد و باراں ، اراضی منجمدہ ، اس شدید موسم میں بھیڑیے بھٹ میں چھپ رہے تھے اور آذوقے کی فکر چھوڑ بیٹھے تھے ۔

رشید کی یہ مسلسل اور غیر منقطع محنت و مشقت اور جسمانی تعب و اذیت برابر جاری رہی ، وہ بڑے حوصلے سے ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کرتا رہا ، جن کا تحمل انسانی قویٰ کے لیے بہت مشکل ہے ، اگرچہ وہ کیسا ہی توانا اور طاقت ور کیوں نہ ہو ، ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا تھا ، کہ قویٰ جواب دے جاتے ، اعصاب مضمحل ہو جاتے ، قوت مقاومت کمزور پڑ جاتی ، چنانچہ ایسا ہی ہؤا ، وہ مجموعۂ امراض و آلام بن گیا ، بیماریوں کی یورش شروع ہو گئی ، بالکل آخری زمانے میں ، آخر کار وہ بستر پر گر ہی پڑا ۔

رشید کی بیماری کیا تھی ؟

راویوں کا رشید کے اسباب مرض پر اتفاق نہیں ہے ، نہ کوئی یہ بتاتا ہے کہ سب سے پہلے اس نے بیماری کے اثرات کب محسوس کیے ، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ جن بلاد راسعہ کا کونہ کونہ اس کے کوکبۂ شہریاری نے روند ڈالا تھا ، اس کے کس مقام پر اسے بیماری کا شعور ہؤا ، جو کچھ

معلوم ہو سکا ہے، صرف اتنا ہے کہ بلاد روم پر مسلسل تاخت و تاراج کے باعث وہ چوتھ کے بخار[1] میں مبتلا ہو گیا تھا، جس کے نتیجہ میں اسے اسہال دموی کی شکایت ہو گئی، جو مرض پیچش کی ایک قسم ہے[2]۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ درد شکم میں مبتلا تھا، جس کی وجہ سے پیٹ کے بالائی حصہ پر بھی کچھ امراض نمایاں ہو گئے تھے اور کالے کالے دھبے پڑ گئے تھے، تکلیف بڑی سخت تھی، لیکن وہ چھپاتا رہا اور لوگوں پر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا[3]۔

عام اس سے کہ رشید کسی ایک مرض میں مبتلا تھا یا متعدد بیماریوں نے اس پر یورش کر رکھی تھی، بہر حال اس کی جسمانی قوت جواب دے گئی تھی، واقعات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت کافی نازک ہو گئی تھی۔ شروع شروع میں تو وہ بیماری کو نظر انداز کرتا رہا اور نتائج کی کچھ پروا نہ کی، طبیب جو نسخہ لکھ دیتے استعمال کر لیتا، غذا کی تقلیل پر بھی عمل شروع[4] کر دیا تھا، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مرض نے بہت زیادہ شدت اختیار کر لی اور خواب و خور حرام ہو گیا۔ اپنے قابل اور خاص طبیب جبریل بن بختیشوع کی ہدایت اور مشورے پر پابندی سے عمل کرتا رہا، لیکن جب حالت نہیں سنبھلی تو دوسرے اطبا کو تشخیص اور علاج کے لئے جمع کر لیا، تاہم حالت بگڑتی ہی چلی گئی۔

رشید کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ اس کی علالت کی خبر لوگوں میں نہ پھیلنے پائے اور وہ حقیقت حال سے واقف اور با خبر نہ ہو جائیں کیونکہ اس طرح مختلف افواہیں پھیلتیں اور اکاذیب کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور افواہیں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی موجب ہو جاتیں،

۱۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۷۳۱۔
حمی الربع یعنی چوتھ کا بخار ہر چوتھے دن آتا ہے اور مریض کو بلا کر رکھ دیتا ہے۔
۲۔ تاریخ المسلمین، صفحہ ۱۲۰۔
۳۔ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۷۳۱۔

اس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اسے منظور نہیں تھا اور پسندیدہ بھی نہیں تھا ۔

لیکن بھلا یہ ممکن کس طرح ہوا ؟

اس کی بیماری کی خبر خواص کو تو معلوم ہی ہوئی ، بہت جلد عوام میں بھی پھیل گئی ، لیکن وہ دشمنوں سے ڈرتا تھا کہ لوگوں پر اپنی حالت ظاہر نہ ہونے دے ، چنانچہ مسجد جامع میں نماز کے لیے برابر جایا کرتا تھا ، اس کے بعد جب بھی مرض شدت اختیار کرتا ، بستر علالت پر شدت الم سے تڑپنے لگتا ۔

فارسی نفوذ کی دوبارہ کوشش

جن حالات و کیفیت سے وہ دو چار تھا ، اور اس کی ساری زندگی میں جو عناصر کار فرما رہے ، انھیں تو وہ برداشت کر لے گیا ، لیکن بیماری کے بعد ایک خاص فکر اسے بہت زیادہ پریشان کرنے لگی اور یہ تھی امین و مامون کے حاشیہ نشینوں کی افتراق انگیز اور اشتعال پرور خفیہ اور علانیہ کوشش ، بیماری میں اس چیز نے اس پر بہت برا اثر کیا ۔

مامون کے حاشیہ نشینوں میں سب سے زیادہ لگن اس بات کی تھی کہ فارسی نفوذ قائم اور باقی رہے ، اس گروہ کے سر براہ دو آدمی تھے ، ایک فضل بن سہل اور دوسرا اس کا بھائی حسن بن سہل - یہ دونوں ہارون رشید کی بیماری سے کافی بیشتر ، مامون پر اور معاملات پر حاوی ہو چکے تھے ، ان دونوں کی خفیہ طور پر سرگرم کوشش یہ تھی کہ ہارون رشید کے بعد امر خلافت مامون کے ہاتھ میں آ جائے ۔

ایک مرتبہ فضل بن سہل نے کہا :

''یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا تھا ، کہ دنیا ہر چالیس سال کے بعد تجدد سے دو چار ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس نے غلط نہیں کہا ، یہ تجدد آپ کے ہاتھوں رونما ہو کر رہے گا[1]'' ۔

امین اور مامون کی کشمکش

بلا شبہہ یہ بڑی الم انگیز بات تھی ، اس کے دونوں ولی عہد——

---

۱ - الجہشیاری ، صفحہ ۲۴۶ -

امین و مامون نے قبل از وقت جنگ تخت نشینی شروع کر چکے تھے ۔ وہ رات رات بھر جاگتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی رہتی تھی ۔ اس اندیشے سے کہ کہیں اس جنگ کا نتیجہ حکومت کی تباہی کی صورت میں نمودار نہ ہو اور اس بات سے اس کا صدمہ و غم اور بڑھ جاتا تھا کہ دونوں ولی عہدوں نے اس کے ارد گرد مخبروں اور جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا تھا ، جو اس کی سانس تک گنتے رہتے تھے اور ان تمام باتوں سے زیادہ جگر فگار اور دل دوز بات یہ تھی کہ اس کا انتہائی معتمد اور چہیتا غلام ، مامون کا جاسوس بنا ہوا تھا اور اس کا طبیب خاص جبریل بن بختیشوع امین کی طرف سے مخبری کے فرائض انجام دے رہا تھا ۔ حالانکہ ان دونوں کے بارے میں ہارون رشید کو یہ خوش فہمی تھی کہ زندگی کی آخری سانس تک یہ اس کے غیر مشروط طور پر ساتھ دیتے رہیں گے ، اس کی یہ خوش فہمی عقیدہ بن چکی تھی[1] ۔ مگر وائے قسمت ، !

مرض کے غالب آ جانے اور شفا سے مایوس ہو جانے اور دونوں ولی عہدوں کی سرگرمیوں سے مطلع ہونے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ماضی کے اوراق اس کے سامنے ایک ایک کرکے الٹنے لگے ۔ مہدی کی وفات سے پہلے اس تخت خلافت کے لیے اس میں اور اس کے بھائی ہادی میں جو کشمکش ، نزاع اور بد سلوکی کے واقعات پیش آئے تھے ، تازہ ہونے لگے ، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دوسرے افکار و توہمات اسے گھیر لیتے اور وہ اپنی ذات سے متعلق طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہو جاتا[2] ۔

یہ افکار و توہمات اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتے تھے جب مرض شدت اختیار کر لیتا تھا ، پھر وہ موت کو بہت قریب محسوس کرنے لگتا تھا ، اور ایسا لگتا تھا جیسے اب چلا اور اب چلا ۔ طبیعت میں جھلاہٹ اور چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا ، مزاج میں مزید شدت اور قساوت جھلکنے

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۱ ۔
۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۱ ۔

لگتی تھی ، جو احکام صادر کرتا وہ بھی کچھ بے ڈھنگے سے اور جبرو جور کا پہلو لیے ہوئے ہوتے - بزم آرائی اور محفل خاص سے بیزار ہو جاتا ، حاشیہ نشینوں اور ندیموں سے بظاہر کسی سبب کے بغیر ملنا چھوڑ دیتا ، یہ لوگ حیران ہو جاتے کہ آخر اس تبدیلی مزاج کا سبب اور راز کیا ہے ؟

طبیب خاص کا بیان

ہارون رشید کا طبیب خاص جبریل بن بختیشوع بیان کرتا ہے :

''رشید کے ساتھ رقہ میں میرا قیام تھا ، صبح کو سب سے پہلے اس کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف مجھے حاصل تھا ، وہ میں تھا ، میں آتا اور اس کے احوال شب دریافت کرتا ، کبھی ایسا ہوتا کہ خوش اور مسرور نظر آتا ، اپنی جواری (باندیوں) کے حالات بیان کرتا ، جو کچھ مجلس شبینہ میں گذری ہوتی اس کا ذکر کرتا ، جو کچھ اور جتنا کچھ کھایا پیا ہوتا اس کی تفصیل بیان کرتا ، جتنی دیر مجلس آرائی میں حصہ لیا ہوتا ، اسے بتاتا ، پھر مجھ سے اخبار عامہ دریافت کرتا ، عوام کے حالات پوچھتا ، جو کچھ مجھے معلوم ہوتا ، میں بتا دیتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں صبح صبح حاضر خدمت ہوا ، میں نے سلام کیا ، لیکن وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا - میں دیکھتا کہ وہ حد درجہ خشک ، فکر مند اور گرفتار اوہام نظر آتا ، میں اس کی خدمت میں دن کا بڑا حصہ صرف کر دیتا ، لیکن وہ اسی حالت میں نظر آتا ، جب بہت دیر گذر جاتی ، تو میں سامنے آتا اور عرض کرتا :

میرے آقا ! خدا مجھے آپ پر قربان کرے ، آپ کا یہ کیا حال دیکھ رہا ہوں ؟ اگر کوئی تکلیف یا شکایت ہے تو ارشاد فرمائیے ، شاید میں اس کا مداوا کر سکوں ، اگر کوئی حادثہ نامرغوب پیش آ گیا ہے تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے ، نہ ایسے حادثات کا دفاع کیا جا سکتا ہے ، نہ کسی حیلے سے ان کا اثر ختم کیا جا سکتا ہے ، دانشمندی یہ ہے کہ انہیں تسلیم کر لیا جائے اور اگر آپ کی

ملک میں کوئی شورش کہیں ہوتی ہے؟ نہ تو بادشاہت پر [illegible]
حالات سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے ، اور [illegible] اس کا [illegible]
سزاوار ہوں کہ مجھے صحیح صحیح حالات سے [illegible]
تاکہ ملکی سیاست اور شوروں سے [illegible]
میری یہ باتیں سن کر ہارون رشید نے [illegible]
"جبریل [illegible] تجھ سے سمجھے [illegible] کہتا ہے [illegible]
کوئی غم [illegible] کوئی [illegible] بات ، لیکن [illegible]
بات [illegible] رات میں نے خواب دیکھا ہے [illegible] مجھے [illegible]
کر رکھا ہے ، اور میرے دل کو [illegible]
سینے پر بس وہی چھایا ہوا ہے"
میں نے رشید سے کہا :
"یا امیر المومنین آپ نے میری پریشانی دور کر دی [illegible]
پھر میں اس کے قریب گیا ، اُس کے پاؤں چومے ، اور [illegible]
"آپ کی یہ ساری پریشانی کیا بس اسی خواب کی وجہ سے ہے [illegible]
یہ خواب ، تو فتور ہضم یا پریشان خیالی [illegible]
ہوتے ہیں ، یہ تو بس یوں ہی ہیں ، انہیں [illegible] اہمیت [illegible]
میری بات سن کر رشید نے کہا :
"میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں اس تخت (خلافت) پر
متمکن ہوں ، اتنے میں میرے نیچے سے ہاتھ نکلا ، جسے میں
پہچانتا تو ہوں ، لیکن جس کے ہاتھ ہیں ، اس کا نام نہیں جانتا ،
ہتھیلی میں سرخ رنگ کی مٹی ہے ۔ کہنے والے نے مجھ سے کہا
جس کی آواز سن رہا ہوں ، لیکن جسے جانتا نہیں!
اس مٹی میں تو دفن کیا جائے گا"
میں نے پوچھا :
"یہ مٹی کہاں ہے ؟"
اس نے جواب میں کہا "یہ طوس میں ہے"!
اور اس کے بعد ہاتھ غائب ہو گئے ، اور گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا

میں نے عرض کیا :

''میرے آقا ، یہ بعد از کار خواب ہے ، بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب آپ بستر استراحت پر لیٹے تو خراسان کے حالات اور واقعات نے آپ کو فکر مند کر رکھا تھا اور وہاں کی شورش اور ہنگامہ آرائیاں دل و دماغ پر حاوی تھیں ، اسی حالت میں آپ سو گئے ، عالم خواب میں انھی افکار و خیالات نے ایک پیکر کی صورت اختیار کر لی ، خاص طور پر رافع بن لیث کی بغاوت نے آپ کو زیادہ دل گیر کر رکھا تھا ـــ کیا یہ واقعہ نہیں ہے ؟ ''

رشید نے جواب دیا :

''ہاں بات تو کچھ ایسی ہی ہے ! ''

میں نے عرض کیا :

''بس تو پھر یہ وہی تفکرات ہیں جو خواب میں نمودار ہوئے اور کوئی بات نہیں ہے ، لیکن آپ پر قربان ، ذرا بھی فکر نہ کیجیے ، نہ اب اس بات کو سوچیے اور اس پریشانی کو جو لاحق ہو گئی ہے ، نشاط و مسرت سے بدل ڈالیے ، تاکہ آپ کے دل میں کوئی وسوسہ باقی نہ رہ جائے ، اور کوئی بیاری نہ کھڑی ہو جائے ! ''

جبریل مزید بیان کرتا ہے :

''بڑی دیر تک انھی دلیلوں اور ترکیبوں سے کام لے کر میں اسے خوش کرنے کی کوشش کرتا رہا ، یہاں تک کہ اس کی فکر جاتی رہی ، وہ خوش ہو گیا اور اپنی پسند کا کھانا حاضر کرنے کا حکم دیا[1] '' ۔

حوادث اور سوانح

واقعات و حالات اور حوادث و سوانح کا تفصیلی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن الم انگیز ذہنی پریشانیوں میں ہارون رشید مبتلا

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۰۷ ۔

رافع بن لیث کے طلائع کی برپا کی ہوئی شورش اور بغاوت کا آغاز ۱۹۰ھ میں ہوا اور [illegible] ۔

تھا ، ان کا باقاعدہ آغاز ۱۹۱ھ (مطابق ۸۰۷ع) سے ہؤا اور ایک مرتبہ شروع ہونے کے بعد یہ سلسلہ پھر ختم نہیں ہؤا ۔ اسی زمانے میں وہ بیمار پڑا ، کبھی طبیعت مائل بہ صحت ہوجاتی ، کبھی پھر بستر پر دراز ہو جاتا ، لیکن ہر حالت میں اس نے امور دولت سے بے پروائی نہیں برتی ۔ کوئی معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ، نہ اس کی نظر سے چھپا رہتا تھا نہ ایسا تھا کہ اس کے تدارک میں اس نے کسی طرح کی کوتاہی دکھائی ہو ۔

مذکورہ سال میں اور اس کے بعد جو اہم حوادث پیش آئے اور جن سے ہارون کو عہدہ برآ ہونا پڑا یہ تھے :

قبیلہ عبدالقیس کے ایک فرد نے جو خارجی تھا اور جس کا نام سیف بن بکر تھا ، بغاوت کا پرچم بلند کیا ، رشید نے یزید بن مزید شیبانی کے بیٹے محمد کو فوج دے کر مقابلے کو بھیجا ، اس نے مقام عین المنورہ سیف بن بکر کو قتل کر دیا اور اس کے جتھے کو منتشر اور پراگندہ کر دیا[1] ۔

اس کے بعد بھی عراق کے مقام حولایا میں ، ثروان بن سیف نے علم بغاوت بلند کیا ، وہ ارض سواد تک بڑھتا گیا اور فتنہ و فساد کی گرم بازاری شروع کر دی ۔

رشید نے ثروان بن سیف کے مقابلے کے لیے طوق بن مالک کو روانہ کیا ۔ ثروان نے شکست کھائی ، زخمی ہؤا اور روپوش ہو گیا ۔ بعد ازاں ۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۸ع) میں پھر بصرے کی طرف نمودار ہؤا ، وہاں کے عامل کو اس نے قتل کر دیا اور اندرون بلاد تک گھستا چلا گیا اس کا معمول یہ تھا ، کبھی روپوش ہو جاتا ، کبھی یک بہ یک پھر نمودار ہو جاتا[2] ۔

اسی طرح شام میں ابوالنداء نے خروج کیا ، رشید نے اس کی سرکوبی کے لیے یحییٰ بن معاذ کو روانہ کیا اور جملہ بلاد شام اس کی ولایت میں دے دیے ۔

یحییٰ بن معاذ نے ابوالنداء کا مقابلہ کیا ، دوران جنگ میں اسے

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۱۱ ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۱۱ ۔

گرفتار کر لیا اور رقہ لے کر حاضر ہوا ، جہاں رشید نے اسے قتل کردیا[1] ۔

رشید نے خالد بن یزید بن حاتم مہلبی کو موصل کا والی بنا دیا ، بعد ازاں اس کے حدود ولایت میں مزید توسیع کر دی ، یزید بن حاتم نے بڑی خوبی اور ذمے داری سے اپنے فرائض انجام دیے ۔

رشید کا ایک قائد فوج یزید بن مخلد ہبیری بلاد روم کے حدود پر متعین تھا ، اس نے ۱۹۱ھ (مطابق ۸۰۷ع) میں رشید سے جہاد کی اجازت طلب کی ، جو اس کو مل گئی ، وہ دس ہزار سپاہ لے کر طرطوس کی جانب سے آگے بڑھا ، آگے ایک تنگ اور دشوار گزار راستہ تھا جسے طے کرتا ہوا وہ پھنس گیا ، کیونکہ رومیوں نے اسے بند کر دیا تھا اور ایسی ناکہ بندی کی کہ یہ لشکر محصور ہو کر رہ گیا ۔

یزید بن مخلد ہبیری اپنے لشکر کی سلامتی پر قربان ہو گیا ، وہ پچاس جیالوں کو لے کر نکلا اور دشمن سے لڑتا رہا ، اپنے ساتھیوں سمیت قتل ہوا ، لیکن لشکر بچ گیا ۔

رشید کو یہ غم انگیز خبر ملی ، اسے اپنے قائد کبیر کی جان جانے کا بڑا صدمہ ہوا اور اس نے اپنی خرابی صحت کے باوجود دشمن پر بھرپور وار کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر نکلا اور ذاب الحدث تک جا پہنچا ، یہاں اس نے تین دن تک قیام کیا ، لیکن علالت نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ آگے بڑھنا مشکل ہو گیا ، چنانچہ اس نے یہ مہم اپنے قائد ہرثمہ بن اعین کے سپرد کی اور ایک لشکر گراں کے ساتھ اسے روانہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ دشمن کی کثرت تعداد و اسلحہ سے ہراساں نہ ہو اور یزید بن مخلد ہبیری کے قتل کا بدلہ لے ۔

ہرثمہ اپنا لشکر گراں لے کر آگے بڑھا اور بلاد اعدا میں دلیرانہ گھستا چلا گیا ، اس نے دشمن کی سپاہ کو شکست دی اور بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا اور فتح و نصرت کا پرچم لہراتا ہوا رقہ واپس آیا ، جہاں خلیفہ ــــ رشید ــــ بیماری کے دن کاٹ رہا تھا[2] ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۱۳ ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۱۲ ۔

اسی زمانے میں رشید کو اطلاع ملی کہ اس کی رعایا میں سے ذمیوں (مسلم حکومت کی غیر مسلم رعایا) نے جو مذہبی عیسائی ہیں اور رومی سرحد کے قریب بود و باش رکھتے ہیں ، اپنے دینی رابطے کے باعث ان سے راہ و رسم بڑھا لی ہے اور ان سے پینگ بڑھا رہے ہیں اور جب وہ حدود اسلامیہ پر قتل و غارت کرتے اور حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ہارون رشید یہ خبر سن کر غصے میں آ گیا ، اس نے ایک فرمان صادر کیا ، جس کی رو سے رومی سرحد کے قریب کلیساؤں کا قیام ممنوع قرار پایا [1] اور اس نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو سرحدات سے ہٹا کر

---

۱ - مستشرقین اور بعض دوسرے مؤرخین اس طرح کے واقعات کو سند بنا کر دلیل یہ لاتے ہیں کہ مسلمان حکمران محکوموں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاتے اور ان کی توہین کرتے تھے ، لیکن واقعات و احوال کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے فرامین صرف ان عبادت گاہوں کے لیے صادر کیے گئے جنھیں سازش کا گہوارہ بنا لیا گیا تھا ، جہاں عبادت کے بجائے سیاسی طالع آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا ، ورنہ جو معابد ، اس طرح کی سرگرمیوں سے غیر متعلق تھے ، ان کا پورا احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا ، چنانچہ رومی سرحد پر بھی یہی واقعہ پیش آیا ۔
ہندوستان کے مسلم کشور کشاؤں میں دو فرماں روا بہت زیادہ بدنام ہیں ، ایک محمود غزنوی ، دوسرا عالم گیر ۔
لیکن تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ محمود غزنوی کی سپاہ میں ایک معقول تعداد ہندوؤں کی تھی اور ان کے مذہبی شعائر کا پورا احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا ، ہندوستان پر اس نے جو حملے کیے ، ان میں ہندو سپاہی شریک تھے اور اس نے کبھی کسی مندر یا عبادت گاہ کی بے حرمتی نہیں کی ، البتہ سومنات (گجرات) اور کانگڑہ

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اندرون بلاد میں منتقل کر دیا جائے تاکہ یہ مسلمانوں کے خلاف اپنے ہم مذہب لوگوں کی مدد نہ کر سکیں اور مسلمان ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں ؛ جب اس طرح بھی کام نہیں بنا تو اس جملہ بلاد اسلامیہ میں رہنے والے ذمیوں کو حکم دیا ، کہ اپنا لباس وہ نہ رکھیں جو مسلمانوں کا ہے ، تاکہ وضع و طریق کے امتیاز کے باعث شناخت بہ آسانی ممکن ہو سکے[1] -

۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۷ء) کے اواخر میں بہ مقام آذربائیجان میں جماعت خرمیہ نمودار ہوئی ، جس نے اپنے طغیان و بغاوت کا اعلان کر دیا ، رشید نے اپنے قائد عبداللہ بن مالک کو دس ہزار سوار دے کر مقابلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(پنجاب) کے مندروں پر اس نے یورش کی ، ان مندروں کے پروہت اور پجاری تک سیاسی داؤں گھاتوں میں لگے رہتے تھے اور مذہبی تقدس کی بنا پر ہندوؤں کو غزنوی کے خلاف جوش و خروش کے ساتھ متحد اور منظم کرنے میں حصہ لے رہے تھے -

بالکل یہی صورت عالمگیر کے ساتھ پیش آئی -

سر جادو ناتھ سرکار وغیرہ نے عالمگیر کے وہ فرامین شایع کیے ہیں جو اس نے بنارس اور دوسرے شہروں کے مہادر کو جاگیریں دینے کے لیے دیے تھے اور جن سے منفعت کا سلسلہ اب تک جاری ہے ، لیکن بنارس اور اجودھیا میں اس نے مندر توڑ کر جو مسجدیں بنائیں وہ وہی مندر تھے جو سازش اور خفیہ تحریکوں کے مرکز بنے ہوئے تھے ، ورنہ ہر مندر کو اگر وہ منہدم کرنا چاہتا ، تو آج سارے بھارت میں کوئی مندر نظر نہ آتا ..... ؟

بد قسمتی کی بات یہی ہے کہ اس اہم اور نازک نکتے کو اکثر محققین اور مؤرخین نظر انداز کر جاتے ہیں ، غلط فہمی کی جڑ یہی ہے -

بشیر احمد جعفری

---

1. الطبری ، حصہ ۳ ، صفحہ ۷۱۳ -

کرنے کے لیے بھیجا ، بڑا زبردست رن پڑا اور اس جماعت کو عبرت ناک شکست ہوئی ، بے شمار لوگ گرفتار کر لیے گئے اور ان کی عورتوں کو باندی بنا لیا گیا ، یہ سب لوگ رقہ لائے گئے ، رشید نے حکم دیا کہ مرد قتل کر ڈالے جائیں اور عورتیں فروخت کر دی جائیں[1] ۔

رافع بن لیث کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لیے خراسان روانہ ہونے سے قبل رشید کی یہ آخری سرگرمی تھی ۔

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۲ ۔

رافع بن لیث

ایک خطرناک دشمن اور طاقت ور باغی

چند اہم حقائق

رافع بن لیث بن نصر بن سیار[1] خراسان کے آخری اموی گورنر نصر بن سیار کا پوتا تھا ، جس سے ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں عباسی جیوش نے مقاتلہ کیا تھا ، اس کا وہ خط بہت مشہور ہے جو اس نے آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد الجعدی کو لکھا تھا ، اس میں یہ شعر بھی تھا :

''میں دیکھتا ہوں کہ راکھ کے ڈھیر میں کچھ چنگاریاں سلگ رہی ہیں ،
اندیشہ ہے کہیں یہ شعلہ نہ بن جائیں[2] !''

رافع کی تحریک کا آغاز تو بہت معمولی تھا لیکن کچھ ہی عرصے میں اس نے جڑ پکڑ لی اور بہت جلد ایک زبردست بغاوت کی صورت اس نے اختیار کر لی ۔

رشید پھر میدان جنگ کی طرف

اس بغاوت کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بستر علالت پر دراز ہونے کے باوجود رشید کو اٹھنا پڑا ۔ رقہ میں وہ اپنے محل سے باہر نکلا اور ایک فوج لے کر مقابلے کے لیے روانہ ہوا ، لیکن راستے ہی میں وفات پائی ۔

اس بغاوت کی مختصر تفصیل یہ ہے :

یحیی بن اشعث بن یحیی طائی ، قائدان خلافت کے ممتاز اور نمایاں

---

۱ - الجھشیاری ، صفحہ ۲٦۷ -

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ٦۱۷ -

حشیہ نسینوں میں شمار کیا جاتا تھا ، خلیفہ ـــــ رشید ـــــ اس پر بہت مہربان تھا اور یہ اس کی ناک کا بال بنا ہوا تھا ، اس نے اپنی بنت عم سے شادی کر لی ، جو حد درجہ حسین اور بے انتہا مال دار تھی ، لیکن زبان کی کڑوی اور مزاج کی سخت ۔ یحییٰ بن اشعث اس کے ساتھ گزارا نہ کرسکا ، اسے شہر سمرقند میں چھوڑ کر خود بغداد آ گیا اور یہاں کی گویا مستقل سکونت اختیار کر لی ۔

جب بغداد میں اس کی اقامت کو ایک زمانہ گزر گیا ، تو اس کی بیوی کو سمرقند میں اطلاع ملی کہ شوہر صاحب بغداد میں حسین اور طرحدار باندیوں کے ساتھ داد عیش دے رہے ہیں ۔ یہ سن کر وہ بپھر گئی ، لیکن یحییٰ بن اشعث بدستور بغداد میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتا رہا ، آخر اس نے طلاق کا مطالبہ کیا لیکن جواب انکار میں ملا ۔ اس نے بے وفا شوہر سے خلاصی کے بہت سے جتن کیے ، لیکن کامیاب نہ ہوئی ۔ تھی عفیفہ اور عصمت مآب ، لیکن شوہر کی زیادتی کے سامنے بے بس تھی ۔

یہ بات رافع بن لیث کو معلوم ہوئی تو اس کے دل میں مال اور جمال سے لطف اندوز ہونے کی طمع پیدا ہوئی ، اس نے کسی ذریعہ سے اس کے دل میں یہ بات ڈلوائی کہ اس شوہر سے گلو خلاصی کی واحد صورت یہ ہے کہ مذہب توحید چھوڑ کر شرک اختیار کر لے اور اپنے اس ارتداد پر گواہ عادل بھی لائے اور ان کے سامنے اپنے نئے مسلک کا بہ الفاظ واضح اعلان کر دے ، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب شرک اختیار کرتے ہی یعنی مرتد ہونے کے فوراً بعد شرعی طور پر (خود بخود) طلاق واقع ہوجائے گی ، طلاق واقع ہو جانے کے بعد ، صدق دل سے اس وقتی اور عارضی لغزش پر توبہ کر کے از سر نو اسلام قبول کر لے ، اس کے بعد اسے یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ جس سے چاہے شادی کر لے ۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی ، اس نے ایسا ہی کیا ، بعد میں رافع نے اس سے پینگ بڑھائے اور شادی کرلی ۔

یہ خبر یحییٰ بن اشعث کو ملی تو تلملا گیا ، وہ فوراً رشید کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری کہانی سنائی ۔ رشید اس عمل شنیع اور ... پر بہت برہم ہوا اور اس نے حکم دیا کہ فوراً اس نئے جوڑے میں

تفریق کرا دی جائے اور رافع پر زنا کی حد شرعی جاری کرتے ہوئے اسے کوڑے لگائے جائیں ، پھر گدھے پر بٹھا کر سارے شہر سمرقند میں گھمایا جائے اور اس کی تشہیر کی جائے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں ۔ بعد ازاں رافع کو جیل میں ڈال دیا جائے ۔ یہ واقعہ ۱۹۰ھ مطابق ۸۰۶ء کا ہے ۔

رشید کا حکم نامہ علی بن ماہان نے سلیمان بن حمید ازدی کو جو سمرقند کا حاکم تھا ، لکھا کہ خلیفہ کے ارشاد کی پوری پوری تعمیل کی جائے ۔

چنانچہ سلیمان نے رافع پر زنا کی حد شرعی جاری کرتے ہوئے کوڑے لگائے[1] ، میاں بیوی میں تفریق کرا دی ، ہتھکڑی بیڑی میں جکڑ کر گدھے پر بٹھایا اور سارے شہر میں گھمایا ، پھر اپنے پولیس افسر حمید بن مسیح کے پاس قید کر دیا[2] ۔

---

۱ ۔ زنا کا ارتکاب اگر شادی شدہ شخص کرے تو اس کی سزا موت ہے اور غیر شادی شدہ شخص کے درے لگائے جاتے ہیں ۔

(رئیس احمد جعفری)

۲ ۔ نوٹ از مترجم :

شرعی طور پر ہارون رشید کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا ،

(۱) یحییٰ بن اشعث کی بیوی نے مذہب شرک اختیار کر لیا ، ——شرع فیصلہ نیت پر نہیں کرتی ، ظاہر پر کرتی ہے ،—— چونکہ مومن اور شرک کا نکاح ناجائز ہے ، لہذا وہ یحییٰ کے حبالۂ عقد سے نکل گئی ۔

(۲) اس عورت کو ارتداد کی سزا ملنی چاہیے تھی ، لیکن مرتد کو کو فوراً سزا نہیں دی جاتی ، اپنے فیصلے پر نظر ثانی کا شرعی طور پر اسے کافی وقت دیا جاتا ہے ، اگر توبہ کر لے تو پھر کوئی سزا نہیں ملے گی ، اس عورت نے خود ہی توبہ کی اور

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کچھ روز تک رافع قید رہا ، پھر کسی ترکیب سے نکل بھاگا اور خراسان کے گورنر علی بن ماہان کے پاس شہر بلخ میں حاضر ہوا اور اس سے امان کا طالب ہوا ، لیکن اس نے امان دینے سے انکار کر دیا اور اس کی گردن اڑا دینے کا ارادہ کر لیا ۔ علی بن ماہان کے بیٹے عیسیٰ نے باپ سے رافع کی سفارش کی اور اس سے ایک مرتبہ پھر باپ کے سامنے طلاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دوبارہ اسلام قبول کر لیا ، لہٰذا اس کی سزا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ،

(۳) رافع نے جس عورت سے شادی کی ، وہ شادی سے پہلے اپنے سابقہ شوہر کے حلقۂ زوجیت سے شرک کے باعث باہر ہو چکی تھی ۔

(۴) توبہ کے بعد ، یحییٰ بن اشعث سے اگر صلح ہو جاتی تو بھی از سر نو اسے نکاح کرنا پڑتا ، شرک سے قبل کا نکاح جاری نہیں رہ سکتا تھا ، لیکن شرعی طور پر اب وہ کسی کی بیوی نہیں تھی ، جس سے چاہتی شادی کر سکتی تھی ، چنانچہ اس نے رافع سے شادی کر لی اور یہ نکاح بالکل جائز تھا ۔

(۵) اس جائز نکاح کو زنا قرار دینا ، میاں بیوی میں تفریق کرانا ، شوہر پر زنا کی حد جاری کرنا ، گدھے پر بٹھا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرانا اور پھر جیل میں ڈال دینا ، ان میں سے کوئی بات بھی از روئے شرع اسلامی درست اور جائز نہیں تھی ۔ خلیفۂ وقت کو بہت سے خصوصی اختیارات حاصل ہوتے ہیں ، لیکن وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا ۔ رافع کا نکاح بالکل جائز تھا ، اسے باطل قرار دینے کا حق نہ خلیفہ کو تھا ، نہ کسی اور کو ۔

حیرت ہے ہارون رشید جیسا شخص جو شرعی امور کا بڑا خیال رکھتا تھا ، ایسی غیر شرعی حرکت کا ارتکاب کرے ، یقین نہیں آتا !

(رئیس احمد جعفری)

دلوا دی ۔ اب علی بن ماہان نے اسے معاف کر دیا اور اسے حکم دیا کہ سمرقند واپس جائے ۔

ابن ماہان کے بیٹے کو شکست

رافع سمرقند واپس آیا ، لیکن دل میں سلیمان ازدی سے انتقام لینے کی ٹھان چکا تھا ، جس نے اس کی سخت اہانت کی تھی ۔ چنانچہ اس نے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو جمع کیا اور ایک روز سلیمان ازدی پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ۔

یہ خبر سن کر علی بن ماہان نے اپنے بیٹے عیسیٰ کی قیادت میں ایک لشکر مقابلے کے لیے بھیجا ، اہل سمرقند نے سوچا یہ تو بہت برا ہوا ، عیسیٰ بن ماہان آتے ہی کشت و خون اور تخریب کا بازار گرم کر دے گا چنانچہ انہوں نے اپنے وسائل اکٹھا کیے اور ایک لشکر تیار کر لیا ، جس کی سرداری سباع بن مسعدہ کو سونپی ، جو فنون رزم و پیکار کا ماہر تھا اور ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر عیسیٰ کا انتظار کرنے لگے کہ جیسے ہی وہ آئے اس پر ایک بھرپور حملہ کر دیں ۔

لیکن سباع نے سب سے پہلے رافع بن لیث پر حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا ۔ یہ بات اہل سمرقند کو ناگوار گزری ، انہوں نے سباع بن مسعدہ پر حملہ کیا اور اسے قید کر لیا اور رافع بن لیث کو سرداری عطا کر کے اس کی بیعت کر لی ۔ ماوراء النہر کی ایک خلقت کثیر اس کے ساتھ ہو گئی ۔

رافع ، عیسیٰ سے قتال کرنے کے لیے اپنے آدمی لے کر آگے بڑھا ، سمرقند کے مضافات میں مڈبھیڑ ہوئی ، فریقین کے مابین زبردست جنگ ہوئی ، اس لڑائی میں عیسیٰ کو اور اس کی فوج کو شکست فاش ہوئی ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان میں رافع کی شوکت اور دبدبے میں اضافہ ہو گیا اور جو لوگ حکومت کے دشمن اور مخالف تھے وہ جوق در جوق اس سے آ آ کر ملنے اور شریک کار ہونے لگے ۔ عام اس سے کہ وہ قتل برامکہ کا انتقام لینے کے طالب ہوں یا علی بن ماہان کے ظلم و جور اور جبر و شقاوت سے بیزار اور متنفر ہوں ، جس کا اس نے ساری اقلیم میں بازار گرم کر

رکھا تھا ۔

شکست کھانے کے بعد عیسیٰ شہر نسف کی طرف چلا گیا ، اس کا باپ علی بن ماہان اس کے حال سے بالکل بے خبر تھا ۔ اہل نسف نے رافع کو لکھا کہ وہ اس کی اطاعت کا حلف اٹھاتے ہیں اور درخواست کی کہ انہیں کمک بھیجی جائے تاکہ وہ عیسیٰ بن علی بن ماہان سے مقاتلہ کر سکیں ، جو اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ وہیں مقیم تھا ۔ رافع نے فوراً ایک ترک سردار کو ترک دستۂ سپاہ کے ساتھ روانہ کیا ، ان لوگوں نے عیسیٰ سے جنگ کی اور اسے قتل کر دیا ، یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۹۰ھ (مطابق ۸۰۶ع) کا ہے لیکن اس کے ساتھیوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

علی بن ماہان کو اپنے بیٹے عیسیٰ کے قتل کی خبر ملی ، وہ تیاریاں مکمل کر کے بلخ سے نکلا اور اپنا لشکر لے کر مرو کی طرف اس اندیشہ سے بڑھا کہ مبادا رافع اس سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور مزید قوت و شوکت حاصل کر لے ۔ پھر رشید کو خط لکھ کر کمک طلب کی ، اس نے لکھا تھا :

''رافع سے جنگ کے سلسلے میں یہ غلام ہر چیز خرچ کر چکا ہے ، حتیٰ کہ اپنی خواتین کے زیور تک فروخت کر دیے اور اب مال و رجال کی شدید ضرورت ہے ، تاکہ اس فتنے کا قلع قمع کیا جا سکے، قبل اس کے کہ یہ بس سے باہر ہو جائے !''

علی بن ماہان کی ایک بہت بڑی بد قسمتی یہ تھی کہ اس کا بیٹا عیسیٰ ، رافع سے قتال کے لیے نکلنے سے پہلے تیس لاکھ دینار (اشرفی) اپنے خانہ باغ میں (بہ مقام بلخ) دفن کر گیا تھا ۔ یہ راز کسی کو بھی معلوم نہیں تھا ، البتہ ایک جاریہ جو اسے بہت محبوب تھی اس راز سے واقف تھی ۔ پھر جب عیسیٰ قتل ہو گیا اور اس کا باپ علی بن ماہان بلخ سے مرو کی طرف بڑھا تو وہ زر مدفون کے واقعہ سے بالکل لاعلم تھا ، لیکن جاریہ اس راز کو راز نہ رکھ سکی ، اس نے اپنے بعض لوگوں کو یہ بات بتا دی اور اس طرح بعض خدام بھی اس راز سے واقف ہو گئے ۔ رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہو گئی اور لوگ آپس میں اس کا چرچا کرنے لگے ، آخر بلخ

کے علما اور سر برآوردہ اصحاب ایک روز جمع ہو کر خانہ باغ میں داخل ہوئے ، زمین کھودی اور مال نکال کر عوام میں تقسیم کر دیا ــــ یہ واقعہ ۱۹۱ھ (مطابق ۸۰۷ع) کا ہے -

صحیح احوال سے واقفیت

صاحب برید نے اس سارے ماجرے سے رشید کو مطلع کر دیا اور اپنی طرف سے یہ بھی لکھا ، کہ رافع کی قوت و شوکت کا راز ، علی بن ماہان کا ظالمانہ اور سفاکانہ طرز عمل ہے جو اس نے رعایا کے ساتھ روا رکھا ہے - رشید بیماری کے سبب چڑچڑا تو ہو ہی گیا تھا ، یہ سنتے ہی غضبناک ہو گیا ، اب تک علی بن ماہان کو اس نے ہر طرح نوازا تھا ، لیکن اب وہ اس کا معتوب تھا ، اس نے کہا :

"یہ علی بن ماہان مجھ سے اجازت لیے بغیر بلخ سے نکلا اور اپنے پیچھے اتنی بے حساب دولت چھوڑ گیا اور مجھے لکھتا ہے کہ رافع بن لیث سے مقاتلے میں اس نے اپنی خواتین کے زیورات تک فروخت کر دیے ہیں ؟ خدا کی قسم ، میں اسے معزول کر کے رہوں گا !"

پھر پوشیدہ طور پر ہرثمہ بن اعین کو بلایا اور اس نے کہا :

"میں نے تمہارے بارے میں کسی سے مشورہ نہیں کیا ہے ، نہ اپنے راز سے کسی کو باخبر کیا ہے ، مشرق کی سرحدات پر گڑبڑ ہو رہی ہے ، اہل خراسان علی بن ماہان سے سخت بگڑے ہوئے ہیں ، کیونکہ اس نے میرے میثاق کے خلاف کام کیا ہے اور اسے (میثاق کو) پس پشت ڈال دیا ہے - اب وہ مجھ سے مالی امداد اور فوج کا طالب ہے ، میں اسے جواب دے رہا ہوں کہ تمہاری مدد کو ہرثمہ آ رہا ہے ، اس کے ساتھ اموال و اسلحہ کا بہت کافی ذخیرہ بھی ہے ، اس خبر سے وہ مطمئن ہوجائے گا اور اس کا اضطراب رفع ہوجائے گا ، پھر تمہارے ہاتھ ایک نامہ اسے بھیجوں گا - جب تک نیشاپور نہ پہنچ جاؤ ، خبردار اس کے مندرجات سے کوئی واقف نہ ہونے پائے ، بلکہ خود بھی نہ لفافہ چاک کرنا ، نہ نامہ پڑھنا ، ہاں نیشاپور میں قدم

رکھنے کے بعد میرا نامہ پڑھنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے ، اس پر عمل کرنا ۔ میری ہر بات کی پوری تعمیل کرنا اور کسی حکم سے سرتابی نہ کرنا ۔ تمہارے ساتھ میں اپنا خادم خاص رجاء بھی بھیج رہا ہوں ، وہ بھی میرا ایک نامہ ابن ماہان کے نام لے کر جائے گا ، تاکہ وہ اچھی طرح سے جان لے کہ وہ کیا ہے اور تم کیا ہو ؟ اس طرح ابن ماہان سے عہدہ برآ ہونا آسان ہو جائے گا ، دیکھو اس کا خیال رکھنا کہ کوئی بات پھوٹنے نہ پائے ، نہ یہ پتہ چلے کہ میرا عزم و ارادہ کیا ہے ؟ بس اب سفر کی تیاری کرو اور اپنے آدمیوں کو چاہے وہ تمہارے خواص ہوں یا عام ، مطلع کر دو کہ میں تمہیں ابن ماہان کی امداد کے لیے بھیج رہا ہوں !"

پھر رشید نے اپنے دست خاص سے ابن ماہان کو ایک خط لکھا جو یہ تھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اے ابن زانیہ!

"میں نے تیرا رتبہ بڑھایا ، تیرا نام اونچا کیا ، تجھے آگے بڑھا کر عرب سرداروں کو نیچے رکھا ، ملوک عجم کو تیرا تابع اور فرمان بردار کر دیا اور تو نے اس کا صلہ یہ دیا کہ میرے میثاق کی خلاف ورزی کی اور اسے پس پشت ڈال دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ تو نے رعایا پر ظلم و ستم شروع کر دیا ، اپنی بد سیرتی اور بد کرداری کے باعث اور کھلی ہوئی خیانت کے سبب اپنے خدا کو اور خلیفہ کو خفا کر لیا ، پس میں نے ہرثمہ بن اعین کو سرحدات خراسان کا والی بنا کر بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ تجھے کیفر کردار تک پہنچائے اور تیری اولاد ، تیرے عمال کو قرار واقعی سزا دے ، اب تم لوگوں کے پاس ایک درہم بھی نہیں چھوڑا جائے گا ، نہ کسی مسلم یا معاہد (غیر مسلم پناہ گزیں) کا حق جو تو نے پا مال کیا ہے ، تدارک کے بغیر بالا بالا جائے گا ، سب کی داد رسی ہوگی اور تمام مظلوموں اور ستم کشوں کو ان کا حق ملے

گا۔ اگر تم نے تعمیل حکم سے انکار کیا ، یا تیری اولاد اور عمال نے گریز کیا ، تو ہر تمہ بڑا سخت عذاب دے گا ۔ تم لوگوں کو کوڑے مارے جائیں گے اور تم سے وہ سلوک کیا جائے گا جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ، جو عہد شکن ہوتے ہیں ، نا وفادار ہوتے ہیں ، ظالم ہوتے ہیں،تشدد کے خوگر ہوتے ہیں اورعہد و میثاق میں تغیر و تبدل کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ انتقام ہے ، سب سے پہلے خدا کے لیے ، پھر خلیفہ کے لیے اور بعد ازاں مسلمانوں اور معاہدوں کے لیے ۔ خبردار کوئی ایسی بات نہ کر گزرنا جس سے مفر کی صورت نہ ہو ، جو پیش آئے ، بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اسے قبول کر اور برداشت کرے۔''

رشید کے طرز عملی کی توجیہ

علی بن ماہان کے ساتھ رشید کے اس برتاؤ کے بہت سے اسباب ہیں ، جو عدم اطلاع اور واقعات و احوال سے ناواقفیت کے باعث مختلف اور ملتبس ہو کر رہ گئے ہیں ۔

برامکہ کی تباہی و بربادی کے بعد رشید خراسان کی طرف سے سخت فکر مند تھا ۔ اس فکر مندی کے اسباب و عوامل کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہم کر چکے ہیں ۔

رشید کا عالم یہ تھا کہ ابن ماہان کے خلاف شکایات کے جو طومار اس تک آتے تھے ان پر ذرا بھی کان نہیں دھرتا تھا ، لیکن جب رافع کی بغاوت ایک فتنہ بن گئی اور اسے اطلاع ملی کہ رافع کے حامیوں اور ساتھیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے ، تو اسے خاص طور پر متوجہ کیا گیا کہ یہ سب کچھ اس مستبد گورنر کے ظلم و ستم اور شقاوت کا نتیجہ ہے ۔ اب اس نے کان دھرے ، اور بہ طریق احسن صورت حال کی تبدیلی پر غور کرنے لگا ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایسی بات ہو جو ابن ماہان کے خدمات جلیلہ کے پیش نظر نامناسب ہو ۔ لیکن جب لاکھوں اشرفیوں کے مدفون ہونے کی خبر اسے ملی اور ساتھ ہی ساتھ ابن ماہان کی طرف سے مالی امداد کا مطالبہ ہؤا تو وہ بھڑک اٹھا اور اسے ان

شکایات پر یقین آ گیا، بلکہ ان کا ثبوت مل گیا، جو اس کے بارے میں ایک عرصے سے مسلسل کی جا رہی تھیں۔ ابن ماہان نے مال و رجال کے مطالبے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی غربت اور مالی دشواریوں کا ذکر بھی کیا تھا۔ اس سے وہ اور زیادہ نعل در آتش ہوگیا تھا اور اس کے دل میں اس عامل کے خلاف کپٹ اور کینہ پیدا ہو گیا اور وہ اسے مشکوک و مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اگرچہ اب آخر میں جو الزام اس پر لگایا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، اسے اپنے بیٹے عیسیٰ کے مدفون خزانے کا علم ہی نہیں تھا۔

شاید حکمت و دانش کا تقاضا یہ تھا کہ رشید سب سے پہلے رافع کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں ابن ماہان کی مال و رجال سے امداد کرتا اور اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اس کا محاسبہ کرتا، لیکن بیماری اور ضعف اعصاب نے اس سے صبر کی طاقت چھین لی تھی، طویل انتظار اس کے بس سے باہر تھا۔ اس کیفیت میں اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ایک تیر سے دو شکار کرے اور دونوں دشمنوں کا بیک وقت خاتمہ کر دے۔ چنانچہ اس نے ہرثمہ بن اعین کو اپنے منصوبے کا امین بنایا، اسے رجال و اسلحہ کی بھر پور مدد دی اور رخصت کرتے ہوئے کہا:

"اے ابو حاتم! میں نے جو حکم دیا ہے، اس کی پوری تعمیل کرنا، میں اللہ کو اور دین کو، اپنی خواہشات اور ارادوں پر ترجیح دیتا ہوں، یہی عمل تمھارا بھی ہونا چاہیے، اپنے معاملات درست کر لو اور جو ذمے داری سونپی گئی ہے اسے بہ حسن و خوبی انجام دو، سرحدات کے باشندوں کا دل مٹھی میں لو، انھیں امان دو اور ان کا عذر قبول کر لو، اور اس کے بعد وہ کرو جس سے اللہ اور خلیفہ تم سے راضی و خوشنود ہوں۔"

اس کے بعد رشید نے ہرثمہ کو پورے خراسان اور ملحقات کا پروانۂ ولایت (گورنری) دیا اور کہا:

"یہ میرا میثاق ہے ، یہ میرا نامہ ہے جسے میں نے بہ نفس نفیس اپنے ہاتھ سے لکھا ہے ، اللہ اور اس کے ملائکہ اس کے گواہ ہیں!"

ہرثمہ بن اعین

ہرثمہ رقہ سے باہر نکلا - اس کے دوش ناتواں پر جو ذمے داری ڈال دی گئی تھی ، اس کی اہمیت سے اور خطرات سے وہ پورے طور پر واقف تھا ، اور ان سب باتوں کو محسوس بھی کر رہا تھا -

راستے سے اس نے ابن ماہان کو ایک خط لکھا جس میں یہ اطلاع دی کہ میں آپ کی امداد و اعانت کے لیے اور سرکش باغی کی سرکوبی کے لیے آ رہا ہوں -

اس خط کے ساتھ ہرثمہ نے ابن ماہان کو بہت سا مال ، اسلحہ اور خلعت اور خوشبویات بھی روانہ کیں ، تاکہ ان کی صداقت اور حسن نیت کا اثر پڑے -

پھر جب وہ نیشا پور میں وارد ہوا تو اس نے رشید کا وہ خط پڑھا ، جس کے لیے اس نے تاکید کر دی تھی کہ یہیں پڑھا جائے ، اس خط میں وہ تفصیلات تھیں جس میں بتایا گیا تھا کہ رافع بن لیث کی سرکوبی سے پہلے اسے ابن ماہان کا کام تمام کرنا ہے -

اس نے اپنے معمر تجربہ کار اور ہوشیار اصحاب سے ان لوگوں کو جن پر اسے پورا بھروسہ تھا ، ایک ایک کرکے بلایا ، تخلیہ میں ہر ایک سے گفتگو کی اور عہد و میثاق لیا کہ بات باہر نہیں نکلے گی ، اور پوری پوری تعمیل حکم کی جائے گی - ان میں سے ہر ایک کو اس نے نیشا پور ارض اور بعض دوسرے اہم مقامات کی ولایت عطا کی اور فوراً اپنے اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو جانے کا حکم دیا - جرجان کی ولایت ایک ایسے شخص کو سونپی جو رشید کا بھی معتمد تھا ، جس کا نام اسماعیل بن حفص بن مصعب تھا !

ہرثمہ جب مرو سے ایک مرحلہ پر رہ گیا ، جہاں ابن ماہان چھاؤنی ڈالے پڑا تھا تو یہاں ہرثمہ نے اپنے بعض سرداران فوج کو طلب کیا ، اور انہیں ابن ماہان کی اولاد اور اہل بیت کے نام لکھ کر خط بند لفافے

میں رکھ دیا اور لفافہ ہر ایک کو دے دیا گیا۔ ہر خط میں ایک ایک نام اولاد و اہل بیت ابن ماہان کا درج تھا، کہ وہ اسے اپنی نگاہ میں رکھے اور اشارہ پاتے ہی جو کچھ کرنا ہے کر گذرے۔ پھر ابن ماہان کو ایک خط بدیں مضمون لکھا:

"اللہ امیر ابن ماہان کو سر بلندی عطا فرمائے۔ میری خواہش ہے کہ موصوف اپنے بعض معتمدین کے ساتھ تشریف لائیں اور میں اپنے ساتھ جو مال لایا ہوں، وہ لے لیں۔ یہ کام اگر میرے روبرو انجام پا جائے، تو بہتر ہے۔ یہ امیر کے لیے باعث قوت اور دشمنوں کے لیے موجب اضطراب ہوگا اور یہ بات بھی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ یہ مال پیٹھ پیچھے چھوڑ دوں، مبادا کسی کی نیت میں فتور آئے اور اس کا کچھ حصہ اڑا لے اور ہم جب شہر میں داخل ہوں تو ہماری غفلت کام بگاڑ چکی ہو" ابن ماہان مال پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن ہرثمہ نے نگھبانوں کو ہدایت کر دی کہ ان لوگوں کو دوسری دلچسپیوں میں مشغول رکھیں، یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گذر جائے اور مال لے جانے کے سلسلے میں ان کی حرص بڑھائیں اور طمع میں اضافہ کریں، کہ اگر ان کے دل میں کوئی شک ہو تو دور ہو جائے۔

یہ سب تیاریاں کرکے ہرثمہ مرو کی طرف روانہ ہوا، فاصلہ جب صرف دو میل کا رہ گیا، تو ابن ماہان کے لڑکوں، اہل بیت اور قواد فوج کے ساتھ تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ پیش آیا اور ابن ماہان سے اور زیادہ جوش اور اپنائیت کے ساتھ معانقہ کیا۔ یہاں تک کہ یہ دونوں ابن ماہان کے گھر آئے۔ رشید کا خادم خاص رجا اپنے آقا کے حسب ارشاد، شب و روز ہرثمہ کے ساتھ سایے کی طرح لگا ہوا تھا، کھانے سے فراغت کے بعد ابن ماہان نے ہرثمہ سے کہا:

"میں نے آپ کی استراحت کے لیے محل آراستہ کر دیا ہے۔"

ہرثمہ نے جواب دیا:

"مجھے کچھ ضروری امور سر انجام دینا ہیں ، ان میں تاخیر ممکن نہیں!"

پھر رجا کی طرف اشارہ کیا کہ رشید کا خط علی بن ماہان کے حوالے کر دے!

رجا نے تعمیل کی ۔

اتنے میں ہتھکڑیاں ، بیڑیاں وغیرہ لائی گئیں اور سب کو جکڑ لیا گیا ۔ ہرثمہ مسجد جامع کی طرف گیا اور ایک خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کے ازالۂ شکایات کا وعدہ کیا اور اطلاع دی کہ امیرالمومنین نے اسے سرحدات کی ولایت سونپی ہے اور اب ابن ماہان کا دور ختم ہو گیا ۔ پھر اس نے لوگوں کے سامنے اپنا پروانۂ ولایت پڑھ کر سنایا ۔

لوگ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے ، اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے اور خلیفہ کے لیے دعائے خیر کی ، اس لیے کہ ان بیچاروں کی زندگیاں ابن ماہان کی دراز دستیوں اور شرارتوں سے اجیرن ہو گئی تھیں ۔

ہرثمہ کا اقتدار و تسلط

ہرثمہ دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) میں واپس آیا ، اور گرفتاران کو بلا کر اپنے حضور میں طلب کیا ۔ ایک آدمی کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ ان لوگوں کے زر نقد ، جائداد اور املاک کی فہرست بنائے ، یہ سب چیزیں لے لی گئیں ، حتیٰ کہ عورتوں کے زیور تک نہیں چھوڑے گئے ، اور ظلم و جور سے مال و متاع جمع کیا گیا ، وہ سب عوام کے سامنے لایا گیا ، کوئی چیز بھی باقی نہیں رہ گئی ، ان تمام چیزوں کی قیمت اسی لاکھ اشرفیوں کے برابر تھی ۔ بعد ازاں ہرثمہ نے یہ ساری رقم بیت المال میں جمع کر دی اور علی بن ماہان کو ، اس کی اولاد کو ، کاتبوں کو اور عمال کو زنجیروں میں جکڑ کر رشید کے پاس روانہ کر دیا ۔ یہ واقعہ ۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۷ء) کا ہے ۔ رشید نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو بغداد میں رکھا جائے ، اور وہ بھی علی بن ماہان کے گھر میں ، پھر اس نے ہرثمہ بن اعین کو حسب ذیل خط لکھوایا :

"اب تم امیرالمومنین کے ارشاد کے مطابق سمرقند کی طرف توجہ

معزول کرو اور رافع بن لیث اور اس کے ساتھیوں کو جو بغاوت اور سرکشی پر تلے ہوئے ہیں ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرو اور ان تک امیرالمومنین کے ارشادات پہنچا دو۔ اگر یہ لوگ راہ راست پر آ جائیں اور اپنا جتھہ منتشر کر دیں، تو یہ امیرالمومنین کے لیے پسندیدہ بات ہوگی۔ پھر ان لوگوں کی گذشتہ غلطیاں معاف کر دی جائیں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اگر وہ پرامن رعیت بن کر رہنا پسند کر لیں تو امیرالمومنین پر ان کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے اور ان کی باتوں کا مان لینا ضروری ہے اور لازم ہے کہ انہیں خوف و دہشت سے محفوظ و مامون کر دیا جائے، کہ جتنے دن یہ علی بن ماہان کی ولایت میں خوف و دہشت کی زندگی بسر کر چکے ہیں، یہ محسوس کر لیں کہ اس سے نجات دلائی جا چکی ہے، اب ان کے ساتھ انصاف ہونا چاہیے اور اچھا برتاؤ کیا جانا چاہیے، لیکن اگر وہ مخالفت کریں اور اپنی روش پر قائم رہیں تو پھر طغیان و بغاوت کرنے والوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جس کے وہ سزاوار ہیں۔ انھوں نے خود عافیت کو ٹھکرایا اور اس سے گریز کیا، حالانکہ امیرالمومنین نے اپنا فرض ادا کیا، انھوں نے صورت حال بدل دی، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچا دیا، اسے معزول کر دیا اور اپنا انتقام لیا، عفو و در گذر سے کام لیا، خطا کاروں اور مجرموں کے جرائم معاف کر دیے، اس کے بعد بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو امیرالمومنین اللہ کو ان پر گواہ بناتے ہیں اور وہ سب سے اچھا گواہ ہے۔ ساری قوت و طاقت اسی کے لیے ہے، وہ عظیم اور برتر ہے، اسی پر وہ بھروسہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں، والسلام!''

یہ خط اسماعیل بن صبیح نے امیرالمومنین کے سامنے لکھا۔

ہرثمہ نے کوشش کی کہ رافع بن لیث اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے باز آ جائے، اسے خط پر خط لکھے اور بڑی گرمی اور ملاطفت کے ساتھ

اسے دعوت دی ، کہ ہتھیار ڈال دے اور طاعت اختیار کرے ، ساتھ ہی ساتھ امیرالمومنین کی طرف سے تمام خطا کاروں کو معاف کر دینے کا اعلان کیا اور یہ بھی بتایا کہ رشید نے علی بن ماہان کو اس کے منصب سے معزول کر دیا ہے ، اسے سزا دی ہے اور مغضوب قرار دیا ہے ۔ اب کسی باغی اور سرکش کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا ۔ علاوہ ازیں ہرثمہ نے ان لوگوں کو بغاوت اور عدوان و طغیان کے خوفناک اور مہلک نتائج سے بھی آگاہ کیا ۔

لیکن رافع اور اس کے ساتھی ہتھیار ڈال دینے پر رضا مند نہیں ہوئے ، آخر وہ اپنا لشکر لے کر سمرقند کی طرف بڑھا ، اور رشید کو تمام حالات سے مطلع کر دیا ۔

قتال کے لیے کوچ کا فیصلہ

راستے میں بہ مقام طوس رشید کا انتقال

شر پسندوں کے استیصال کا فیصلہ

رشید نہایت بے چینی اور تحمل کے ساتھ ہرثمہ اور رافع کی باہمی مراسلت کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا ، اسے امید تھی کہ معاملہ رو براہ ہو جائے گا اور بغاوت کی آگ بغیر کشت و خون کے بجھانے میں کامیاب ہو جائے گی ۔ کیونکہ ابن ماہان جو شکایت کا اصل سبب تھا ، معزول کیا جا چکا تھا اور اس سے قصاص بھی لیا جا چکا تھا اور باغیوں و سرکشوں کے لیے عفو عمومی کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا اور ان سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ ماضی پر جو پردہ پڑ چکا ہے ، اسے اب نہیں اٹھایا جائے گا ۔ لیکن یہ امید بر نہ آئی ، رافع بن لیث اپنے ساتھیوں سمیت بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا ، کسی طرح بھی ہتھیار ڈالنا اس نے گوارہ نہ کیا ، رشید نے محسوس کیا کہ یہ لوگ شرپسند ہیں اور ان کا مقصد ہی فتنہ و فساد ہے ۔ چنانچہ اپنی شدید علالت اور حد درجہ نازک حالت کے باوجود اس نے لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا کہ ہرثمہ کے ساتھ مل کر سرکشوں اور باغیوں کی اس طرح سرکوبی کرے کہ پھر وہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں ۔ اس کے وزیر فضل بن ربیع نے کوشش کی کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے اور ہرثمہ و رافع کے نتیجۂ قتال کا انتظار کرے ، پھر کسی اقدام کا فیصلہ کرے اور ہرثمہ کی مال ، رجال اور قواد و اسلحہ سے حسب دل خواہ مدد کرے ۔ لیکن رشید کب ماننے والا تھا ، جو فیصلہ کر لیا ، کر لیا ۔

اس کے بعد رشید نے بغداد کے سفر کا اپنے مرکب کو حکم دیا

تاکہ وہاں حسب ضرورت، جیوش و جنود، ساز و سامان اور ذخائر لوازمہ کا بندوبست کرے کہ اس جنگ میں قرار واقعی اور شایان شان حصہ لے سکے۔ اس نے قسم کھائی کہ رافع اور اس کے ساتھیوں سے بدترین قسم کا انتقام لے گا۔ رقہ میں اپنے بیٹے قاسم المؤمن کو قائم مقام اور جانشین بنایا اور قائد خزیمہ بن خازم کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ پھر کشتیوں میں بیٹھ کر یہ قافلہ فرات سے بغداد کے قریب پہنچا اور کم و بیش سات سال کی غیر حاضری کے بعد، پہلی مرتبہ بغداد میں داخل ہوا۔ یہ ۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۸ء) کا واقعہ ہے۔ رشید نے پانچ ماہ تک بغداد میں قیام کیا، یہاں تک کہ ایک بڑا لشکر تیار کر لیا، اور ہر طرح کا وافر ساز و سامان جنگ جمع کر لیا۔

آخر جنگ کی گھڑی قریب آ گئی، ہارون رشید نے اپنے بیٹے محمد الامین کو اپنا قائم مقام اور جانشین بنا کر بغداد میں چھوڑا اور اپنے خاص خاص آدمیوں کو واجبات و فرائض کی بجا آوری میں مدد دینے کے لیے متعین کر دیا۔ عبداللہ (مامون) کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی امین کے ساتھ بغداد میں مقیم رہے۔ اس نے یہ بات مان لی، البتہ فضل بن سہل فارسی نے جو مامون کا دست راست اور اس کے معاملات کا نگہدار تھا، اس سے کہا:

"کیا آپ نہیں دیکھتے آپ کے والد کے ساتھ کیا پیش آ سکتا ہے؟ وہ سخت بیمار ہیں اور خراسان جا رہے ہیں اور خراسان آپ کی ولایت ہے، جس کی مستقل گورنری انہوں نے آپ کو تفویض کر رکھی ہے، اور محمد (امین) آپ پر ولی عہدی میں مقدم ہے، اگر خلیفہ کو کچھ ہو گیا تو وہ بڑی آسانی سے آپ کو ولی عہدی سے معزول کر سکے گا۔ وہ ٹھہرا زبیدہ کا بیٹا، بنو ہاشم اس کے ماموں ہیں، زبیدہ کا اثر اور اس کی دولت اس کام پر صرف ہوگی۔ پس تقاضائے دانش یہ ہے کہ اپنے والد سے کہیے کہ آپ کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں!"

بات مامون کی سمجھ میں آ گئی، اس نے باپ کے ساتھ چلنے کی

اجازت چاہی ، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا ، اپنے ساتھ خراسان لے جانے سے ۔

اب فضل بن سہل نے مامون کو ایک دوسری ترکیب سمجھائی ، اس نے کہا :

''اپنے والد سے فرمائیے کہ آپ علیل ہیں ، میں آپ کے ساتھ صرف اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت کر سکوں ، آپ کے لیے ذرا بھی تکلیف و زحمت کا موجب نہیں بنوں گا!''

اس الحاح کے بعد رشید نے اجازت دے دی ، فضل بن سہل کو بھی موقع مل گیا ، وہ بھی مامون کے ساتھ ہو لیا اور خلیفہ کے مرکب کے ساتھ شامل ہو گیا[1] ۔

رشید اپنے لشکر سمیت شعبان ۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۸ء) کی پانچ تاریخ کی رات کو براہ خیزرانہ روانہ ہؤا ۔ خلیفہ کے مرکب میں جو لوگ شریک تھے ، ان میں اس کے کئی بیٹے مامون اور صالح وغیرہ بھی تھے ، موسم انتہائی گرم تھا ۔ بیمار خلیفہ کو مجبوراً یہ کرنا پڑتا کہ رات کو سفر جاری رکھتا اور دن کو پڑاؤ کرتا ، لیکن گرمی کی شدت نے اس کی بیماری اور زیادہ بڑھا دی ، چند ہی مراحل کے بعد درد اور اذیت کی شکایت پھر عود کر آئی اور وہ حد درجہ ضعف اور تکلیف محسوس کرنے لگا ۔

رشید کے خواص میں سے ایک شخص صباح الطبری کا بیان ہے :

''رشید جب بغداد سے خراسان کی طرف روانہ ہؤا تو میں مشایعت کے لیے ساتھ تھا ، یہاں تک کہ قافلہ نہروان میں اترا ، راستے بھر میں خلیفہ سے دل خوش کن باتیں کرتا رہا'' اس نے مجھ سے کہا :

''اے صباح مجھے امید نہیں کہ تو دوبارہ مجھے دیکھ سکے گا!''

---

[1] فضل بن سہل مجوسی تھا ، بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا ، امین و مامون کے مابین تفرقہ پیدا کرانے کے عوامل میں سب سے بڑا عامل یہی تھا ، جعفر بن یحییٰ اور اس کے باپ یحییٰ نے اسے مامون کا مساعد اور کاتب مقرر کیا تھا ۔

میں نے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ صحت و توانائی کے ساتھ آپ کو واپس لائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا کرے گا اور دشمن کیفر کردار کو پہنچے گا''۔

رشید نے کہا:

''صباح تو نہیں جانتا، جو مجھ پر گزر رہی ہے!''

میں نے عرض کیا:

''ہاں بے شک نہیں، یا امیرالمومنین!''

رشید نے کہا:

''میرے پاس آؤ تو میں تمہیں دکھاؤں!''

پھر ہم راستے سے کوئی سو گز کے قریب گئے، رشید ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور خدام کو پرے ہٹنے کا اشارہ کیا، وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور دور تک ہٹتے چلے گئے۔ پھر وہ گویا ہوا:

''خبردار، یہ بات امانت ہے، کسی پر افشا نہ ہو!''

میں نے عرض کیا:

''میرے آقا اس ذلیل غلام سے اس طرح بات کیجیئے، جیسے لڑکے سے کرتے ہیں!''

یہ سن کر رشید نے اپنا پیٹ کھولا، حوالی شکم پر پٹیاں ریشمی بندھی تھیں، اور جلد پر سیاہ داغ تھے۔ پھر وہ گویا ہوا:

''یہ ہے وہ بیماری جسے میں لوگوں سے چھپاتا رہا ہوں، میری اولاد میں سے ہر ایک میرا جاسوس بنا ہوا ہے، میرا خادم مسرور مامون کا جاسوس ہے اور جبریل بن بختیشوع امین کا جاسوس ہے۔ میری اولاد میں سے ہر ایک میرے سانس گن رہا ہے اور میری زندگی کے دن شمار کر رہا ہے۔ اگر تو میری اس بات کی صداقت پرکھنا چاہتا ہے تو میں ابھی سواری منگاتا ہوں، دیکھ لینا وہ ایسا خچر لائیں گے جو پھاند کرنے والا اور سست رفتار ہوگا تاکہ میرا مرض کچھ اور بڑھ جائے!''

میں عرض گذار ہوا :

''اے میرے آقا ! آپ کی اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے ، نہ ولی عہدوں کی صفائی میں کچھ کہہ سکتا ہوں ۔ البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس ہستی کو خواہ وہ جن ہو یا انس ، اگر وہ آپ کی بیری ہو تو آپ پر قربان کر دے اور ان سب کو آپ کے سامنے لا ڈالے اور خدا کبھی بھی ہمیں آپ میں کوئی تکلیف دہ بات نہ دکھائے ۔ آپ کے ذریعہ اسلام کو تقویت دے اور آپ کے وجود سے ارکان اسلام کو بقا عطا فرمائے اور آپ کو دشمن پر فتحیاب کر کے کامگار و کامران واپس لائے ، اور جو آپ کی آرزو اور تمنا ہے اسے پورا کرے ـــــ !''

یہ سن کر رشید نے کہا :

''جہاں تک تیرا تعلق ہے ، تو فریقین سے جدا ہے !''

پھر کوچ کا حکم دیا اور سواری لانے کو کہا ۔ چنانچہ خدام جو خچر اس کے لیے لائے ، وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا ابھی ذرا دیر پہلے رشید نے بتایا تھا ۔ وہ اس پر سوار ہوگیا اور میری طرف ملتفت ہوتے ہوئے کہنے لگا :

''جاؤ واپس جاؤ اور اپنے کاموں میں لگے رہو [۱] !''

رشید کے موکب نے نہروان سے کوچ کر کے شہر قرماسین میں پڑاؤ کیا ، رمضان بھر یہیں رہا ، پھر رے کی طرف بڑھا ، راستے میں بہ مقام حلوان اقامت کی ، یہاں ہیجان خون کی شکایت پیدا ہوئی اور مرض بڑھ گیا ۔ طبیب نے ہدایت کی کہ درخت خرما کا گوند کھایا جائے ، چنانچہ حلوان کے دہقان طلب کیے گئے اور ان سے گوند لانے کو کہا گیا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ حلوان میں درخت خرما ہی نہیں ہے ، تو گوند کہاں سے آئے گا ۔ البتہ عقبہ کے قریب دو کھجور کے درخت ہیں ، ان میں سے ایک کو کاٹنے کا حکم دیا گیا اور اس کا گوند لا کر پیش کیا گیا ۔ رشید نے اسے کھایا ، پھر کوچ کا حکم دیا ، راستے میں وہ

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۱ ۔

مقام آیا جہاں کھجور کے یہ دونوں درخت تھے ۔ ایک کا نصف حصہ گوند حاصل کرنے کے لیے پھر کاٹ لیا گیا ۔ رشید یہ منظر دیکھتا رہا ، اس سے کسی نے کہا:

ان دونوں درختوں میں سے ایک کی جڑ کی طرف یہ شعر لکھا ہوا ہے:

أسعدانی یا نخلتی حلوان
وابکیانی من ریب ہذا الزمان
أسعدانی وایقنا ان نحسا
سوف یلقا کما فتفترقان

یعنی:

اے حلوان والے خرما کے جڑواں درختو تم کتنے سعد ہو ،
لیکن مجھے زمانے کی گردش رلا رہی ہے ۔
تم سعد ہو ، لیکن ایک منحوس شخص
تمھارے پاس آئے گا اور تم سے خیر پائے گا ۔

رشید نے یہ اشعار سنے تو برا شگون لیا ، اور کہنے لگا:

"کہیں ان دونوں کی نحوست میں ہی تو نہیں ہوں ؟ بخدا اگر یہ شعر میں نے پہلے سن لیے ہوتے تو چاہے یہ بیماری میرے لیے پیام موت ثابت ہوتی ، مگر میں ان میں سے کسی کو نہ کٹواتا [1]"!

اور عجیب تر بات یہ ہوئی کہ اس واقعہ کے چند روز بعد زبیدہ کا بھائی عیسیٰ بن جعفر جرجان سے رشید کی ملاقات کے لیے آ رہا تھا کہ راستے میں وفات پا گیا ۔ یہ خبر سن کر رشید بڑی دیر تک روتا رہا ، اس لیے کہ عیسیٰ بن جعفر سے وہ محبت کرتا تھا [2] ۔

بہر حال رشید کا کارواں آگے بڑھتا رہا ، لیکن خود اس کا یہ حال تھا کہ حد درجہ خستہ و درماندہ اور دبلا نظر آ رہا تھا ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۱ -
الاغانی ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۱۰۸ -
۲ - الیعقوبی ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۲۰ -

شہر طوس میں جب موکب خلافت داخل ہوا تو رشید کی بیماری نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی ، یہاں حمید بن قحطبہ طائی کے قصر میں اس نے قیام کیا ، جو ایک مقام مثقب کے پاس سنا باز کے نواح میں شہر سے قریب واقع تھا[1] - یہاں پہنچ کر وہ اتنا نڈھال ہوگیا کہ سفر کا جاری رکھنا قطعاً ناممکن ہوگیا ، وہ بستر پر دراز ہوگیا اور جو طبیب ساتھ تھے سب اس کے گرد جمع ہو گئے -

جبریل کا بیان

جبریل بن بختیشوع اور رشید کے طبیب خاص کا بیان ہے :

''میں رشید کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا ، وہ بستر علالت پر دراز تھا ، یکایک اسے وہ خواب یاد آیا جو دو سال قبل اس نے رقہ میں دیکھا تھا ، وہ اچک اچک پڑتا تھا ، کبھی کھڑا ہو جاتا ، کبھی گر پڑتا ، بڑی مشکل سے ہم لوگوں نے اسے قابو میں کیا - میں نے پوچھا :

''میرے آقا ! آپ کس چیز سے اس درجہ ہراساں اور سراسیمہ ہیں؟''

رشید نے جواب دیا :

''کیوں جبریل کیا تمھیں وہ خواب یاد ہے جو میں نے رقہ میں تمھیں سنایا تھا کہ میں نے اپنے تئیں طوس میں دفن ہوتے دیکھا تھا؟''

میں نے عرض کیا :

''بے شک میرے آقا ، یاد ہے !''

وہ کہنے لگا :

''میں تو اسے بھول چکا تھا ، لیکن ابھی مجھے وہ یاد آ گیا !''

اس کے بعد اس نے اپنے خادم خاص مسرور کو طلب کیا اور اس سے کہا :

''ذرا اس باغ کی مٹھی بھر مٹی تو لانا'' -

مسرور ذرا دیر میں مٹی لے کر آ گیا -

رشید نے اس سے کہا :

---

۱ - ایک روایت میں جنید بن عبدالرحمٰن کا قصر بتایا گیا ہے -

''ذرا اپنا بازو تو کھول''!

مسرور نے بازو کھول دیا ، اس کی طرف دیکھتے ہی وہ بے ساختہ کہہ اٹھا :

''خدا کی قسم یہی وہ بازو ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا ، اور یہی وہ مٹھی ہے جو مجھے نظر آئی تھی اور یہی وہ سرخ رنگ کی مٹی ہے جو مجھے اچھی طرح یاد ہے ، کسی چیز میں تو کوئی فرق یا نقص نہیں ہے ! ''

یہ کہہ کر وہ بستر پر بیٹھ گیا ، اور تفکیر عمیق میں کھو گیا[1] ''۔

امین کی احتیاطی تدبیر

رشید کے اس آخری مرض کی خبر بغداد پہنچی ، محمد (امین) نے ایک معتمد خصوصی بکر بن معتمر کو چند خطوط مامون ، صالح بن رشید ، فضل بن ربیع اور اسماعیل بن صبیح وغیرہ کے نام دے کر طوس بھیجا ، جن میں ان لوگوں کو تاکید کی گئی تھی کہ رشید کی وفات کی صورت میں فوراً بغداد واپس آ جائیں ، نامہ بر کو امین نے ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا :

''یہ خطوط صرف اس صورت میں مکتوب الیہم کو دینا اگر رشید کی وفات ہو چکی ہو ، یا ہو جائے ، خواہ ان کی حفاظت میں تمہیں قتل کیوں نہ ہو جانا پڑے ، البتہ وفات کی صورت میں ہر مکتوب الیہ کو اس کا خط دینا ، تمہیں روز ہزار اشرفی کے حساب سے معاوضہ ملے گا'' !

اس کے بعد اس نے چند دوسرے خطوط بکر بن معتمر کے حوالے کیے ، جو خفیہ نہ تھے اور رشید کے نام تھے ، بشرطیکہ وہ زندہ ہو ۔ ان خطوں میں اس نے اپنی طرف سے اور آل بیت کی طرف سے رشید کی خیریت مزاج دریافت کی تھی اور صحت کا حال پوچھا تھا اور اس کے لیے شفا کامل اور طول عمری کی دعا کی تھی ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۳۰ ۔

بکر بن معتمر خطوط کا یہ توشہ لے کر تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا ، خفیہ خطوط کو اس نے بڑی احتیاط سے الگ رکھ لیا ، دوسرے خطوط جو خفیہ نہ تھے انہیں چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ بکر بن معتمر تیزی سے طوس کی طرف بڑھ رہا تھا ، لیکن رشید کے مخبر اور گویندے اس سے زیادہ تیز تھے ، انھوں نے اس کے پہنچنے سے پہلے لب گور خلیفہ کو خفیہ خطوط کا سارا ماجرا کہہ سنایا ۔

رشید کا ایک عاجلانہ حکم

ہرثمہ بن اعین اور رافع بن لیث کے قتال و پیکار کی خبر رشید تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور وہ تھا کہ بے تابی کے ساتھ ان خبروں کا منتظر تھا ، آخر جب زیادہ مدت گزر گئی اور کوئی خبر نہیں ملی تو اسے ہرثمہ جیسے قائد جلیل پر بھی شک ہونے لگا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے ، وہ بھی مشکوک ٹھہرے ۔ آخر اس نے ہرثمہ کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے بیٹے مامون کو سمرقند کی طرف روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ کمان اپنے ہاتھ میں لے لے اور رافع بن لیث سے فیصلہ کن جنگ بلا تاخیر شروع کر دے ۔ اس کے ساتھ چوٹی کے فوجی قائد بھی بھیجے ، مثلاً عبداللہ بن مالک ، یحییٰ بن معاذ ، اسد بن یزید ، یزید بن مزید شیبانی ، عباس بن جعفر بن اشعث ، سعید حرشی اور نعیم بن حازم وغیرہ ۔ علاوہ ازیں مامون کے ساتھ جو لشکر بھیجا وہ بھی بہت بڑا تھا ۔

مامون سمرقند کے راستے میں تھا کہ اسے ہرثمہ کے قاصد ملے ، جو رشید کے پاس جا رہے تھے ۔ ان لوگوں نے بتایا کہ شہر بخارا کے قریب رافع کے لشکر سے ہرثمہ کی جنگ ہوئی ، اس میں وہ غالب آیا ، شہر فتح کر لیا اور رافع کے بھائی بشیر بن لیث کو گرفتار کر لیا ، جسے مع دوسرے قیدیوں کے رشید کے پاس بھیجا جا رہا ہے ، نیز یہ کہ ہرثمہ کا لشکر اب شہر سمرقند کا محاصرہ کیے ہوئے ہے جہاں رافع بن لیث اپنے انصار و اعوان کے ساتھ خیمہ زن ہے ۔ مامون نے ان قاصدوں کو اجازت دے دی کہ وہ رشید کے پاس جس قدر جلد ممکن ہو پہنچیں ۔

ادھر رشید کا یہ حال تھا کہ مرض کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی ۔

کبھی حالت ڈانواں ڈول ہو جاتی ۔ کبھی افاقہ نظر آنے لگتا ، افاقہ کی حالت میں شؤن بلاد اور دوسرے حالات دریافت کرتا ، فضل بن ربیع اسے تمام واقعات سنا کر مطمئن کر دیتا ۔

سہل بن ساعد کا بیان ہے :

"میں رشید کے پاس اس کمرے میں بیٹھا تھا ، جہاں اس کی وفات ہوئی ۔ وہ بستر علالت پر دراز تھا ، اس نے ایک لحاف طلب کیا اور اوڑھ لیا اور بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا ۔ میں اٹھا کہ اب رخصت ہو جاؤں ، اس نے پوچھا :

"کہاں چلے ؟"

میں نے عرض کیا :

"اے امیرالمومنین ، مجھ سے آپ کی یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی ، اگر میں آپ کا درد بانٹ سکتا تو ضرور بانٹ لیتا" !

اس نے زہر خند کرتے ہوئے کہا :

سہل مجھے تو اس حالت میں ایک شاعر کا شعر بار بار یاد آیا ہے :

"میں ایسی قوم کا فرد ہوں کہ مصائب کے وقت
اس کا حوصلہ اور ضبط کچھ اور بڑھ جاتا ہے ۔"

رشید کی ہمت

اسی اثنا میں طوس کے اندر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رشید وفات پا گیا ۔ یہ خبر کوچہ و بازار میں پھیل گئی ، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا :

"میں سواری پر بیٹھ کر باہر نکلنا چاہتا ہوں ، تاکہ لوگ مجھے دیکھ کر یقین کر لیں کہ جو افواہ اڑائی گئی ہے ۔ غلط ہے !"

چنانچہ سواری حاضر کی گئی ، لوگوں نے اسے سوار ہونے میں مدد دی ، لیکن پاؤں لڑکھڑا گئے اور گھوڑے پر جسم قائم نہ رہ سکا ، وہ گویا ہوا :

"مجھے اتار لو ، واقعی لوگ سچ ہی کہتے ہیں !"

پھر وہ بستر پر آ کر لیٹ گیا اور بڑی دیر تک مدہوش پڑا رہا ،

پھر طبیعت سنبھلی تو دیکھا فضل بن ربیع سرہانے موجود ہے ، کہنے لگا :

''کیوں فضل ، کوئی نئی خبر ؟''

فضل نے جواب دیا :

''بہت بڑی خوش خبری ! یا امیرالمومنین ، ہرثمہ کو رافع پر فتح نصیب ہوئی، شہر بخارا پر اس نے قبضہ کر لیا اور اب سمرقند میں اس نے رافع کو محصور کر رکھا ہے اور آپ کی خدمت میں رافع کے بھائی کو گرفتار کر کے پابجولاں بھیجا ہے۔ اس کے ساتھ رافع کے اور بھی کئی سرداران فوج ہیں ، اب آپ ان کے بارے میں جو حکم صادر فرمائیں[1] ، اور یہ بکر بن معتمر ہے ، جو بغداد سے آپ کی خدمت میں ولی عہد (امین) کا نامہ لے کر حاضر ہوا ہے اور آپ کے اہل بیت کے بھی کچھ خطوط لایا ہے۔

رشید کے ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوا ، پھر اس نے کہا :

کیا وہ وقت آ گیا ہے جس کا میں متوقع تھا ؟

لوگوں کی نگاہوں کے تیر ہر طرف سے مجھ پر برس رہے ہیں ۔

بہر حال نتائج کتنے ہی تلخ ہوں صبر کرنا ہی پڑتا ہے[2] ۔''

پھر اس نے بکر بن معتمر کو طلب کیا اور اس سے خطوط لینے کے بعد پوچھا :

''وہ دوسرے خفیہ خط کہاں ہیں ؟''

بکر نے خفیہ خطوط کے وجود سے انکار کیا ۔

رشید نے اسے قتل کی دھمکی دی ، لیکن اس دھمکی کے باوجود اس نے خفیہ خطوط کا اعتراف نہیں کیا ، انکار ہی کرتا رہا ۔

آخر رشید نے حکم دیا ، اسے قید کر دیا جائے ، بعد میں اس کے معاملے پر غور کیا جائے گا !

دوسرے روز رشید نے دربار عام کیا ، یہ دربار ریشم کے ایک سیاہ

۱۔ سمرقند کا محاصرہ ہرثمہ نے ۱۹۵ھ تک جاری رکھا ، یعنی رشید کی وفات کے دو سال بعد تک ۔

۲ ۔ ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۶۳ ۔

خیمے میں مسند ہوا جس کا گھیرا چار سو گز تھا اور اس پر چار قبے تھے، جو ریشم سے ڈھکے ہوئے تھے، خود سیاہ رنگ کا ریشمی جبہ پہنے ہوا تھا۔ سردی کی شدت کے باعث اور کچھ علالت کے سبب بھی گرم چادر اوڑھے ہوئے تھا، سر پر سیاہ رنگ کی ٹوپی تھی، جو سیاہ رنگ کے ریشمی عمامے میں لپٹی ہوئی تھی، وہ تخت پر بیٹھا تھا اور تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے تھا، حبشی بھی اس کے پس پشت خادم کھڑا تھا جو اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامے ہوا تھا کہ مبادا لڑھک جائے، وہ بہت نڈھال اور پژمردہ نظر آ رہا تھا، بڑھاپے کے اثرات نمایاں تھے، داڑھی چھوٹی سی تھی لیکن چھوڑ رکھی تھی، سامنے تلوار رکھی ہوئی تھی، ایک جانب فضل بن ربیع کھڑا تھا، ارد گرد دربار قوم موجود تھے، اس نے حکم دیا:

"بکر بن معتمر کو حاضر کیا جائے ــــ!"

وہ فوراً حاضر کیا گیا، رشید نے اس سے خفیہ خطوط کے بارے میں پھر پوچھا، مگر وہ انکار کرتا رہا، اس نے کہا:

"یا امیرالمومنین، ان خطوں کے علاوہ ــــ جو آپ کی خدمت میں میں پیش کر چکا ہوں ــــ اور کوئی خط میرے پاس نہیں ہے!"

رشید نے حکم دیا:

"اسے رسیوں میں جکڑ دو!"

اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔

اب تو بکر بن معتمر کو یقین ہو گیا کہ موت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے، اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر مزید سختی کی گئی تو وہ خفیہ خطوط کا راز افشا کر دے گا، لیکن رشید نے حکم دیا:

"اسی حالت میں اسے لے جا کر قید کر دو!"

اس کے بعد اس نے ہرثمہ کے بھیجے ہوئے دونوں اسیران جنگ کو طلب کیا، اور ان سے کہا:

"[illegible] بھلا ہے کہ وہ مجھ پر غالب آ جائے گا؟ [illegible] سوا کوئی معبود نہیں، اگر اس کا

لشکر آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہو تو اس کے ایک ایک آدمی دو قتل کر دوں گا ، حتیٰ کہ آخری آدمی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دوں گا ۔''

رافع کے بھائی بشیر بن لیث نے کہا :

''یا امیرالمومنین ، میں نے آپ سے جنگ کی ، خدا نے آپ کو غالب کیا ، پس وہی کیجیے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے ۔ ممکن ہے کہ خدا میرے بھائی کا دل آپ کے لیے نرم کر دے ، جب اسے یہ خبر ملے گی کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے !''

رشید نے برہمی کے عالم میں کہا :

''اے کمبخت ، مجھے یقین ہے ، تیرا نامراد بھائی——رافع بن لیث ابھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ، جس طرح تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا !''

بشیر بن لیث نے جواب میں کہا :

''میرے اور رافع کے بارے میں خدا [illegible] ڈریے !''

اس موقع پر بشیر بن لیث کے ساتھی نے جو بشیر سے زیادہ نڈر تھا ، کہا :

''اے بشیر خدا تجھے غارت کرے ، خدا کی قسم ہم ایک عرصے سے شوق شہادت کے جویا اور متمنی تھے ، پھر اس بدترین خلائق کے سامنے تو معذرت کیوں کر رہا ہے ؟''

رشید نے کہا :

''اچھا تم دونوں کا یہ حال ہے ؟''

بشیر بن لیث کے ساتھی نے کہا :

''جو تیرا جی چاہے کر گزر ، ہم شوق شہادت کے جویا اور متمنی ہیں اور بہت جلد ہم اور تو خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے حاضر کیے جائیں گے ۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ تجھ پر کیا گزرنی ہے'' ؟

رشید نے حکم [illegible] دونوں کو اس طرح قتل کیا جائے کہ ان

کہ ایک ایک عضو قطع کر دیا جائے[1] ۔

اس کے بعد رشید پھر بستر پر لیٹ گیا ۔ وہ بہت زیادہ نڈھال ہو گیا تھا ۔ اس کے ساتھ جو بنی ہاشم تھے ، انہیں اس نے بلایا اور جب ذرا دم میں دم آیا تو کہا :

''عزیزو !

ہر جان دار کو ایک دن مرنا ہے ؛ ہر نئی چیز بالآخر پرانی ہو جاتی ہے ؛ مجھ پر جو کچھ گزر رہی ہے دیکھ رہے ہو ، میں تمہیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں :

''اپنی امانات کی حفاظت کرنا ۔

اپنے ائمہ کی نصیحت قبول کرنا ۔

اپنا اتحام قائم رکھنا '' ۔

محمد (الامین) اور عبداللہ (مامون) کی نگرانی رکھنا ۔ ان میں سے جو بغاوت یا سرکشی ایک دوسرے کے خلاف کرے تو اسے اس سے باز رکھنا ، اسے ملامت کرنا ، عہد شکنی پر ٹوکنا ۔

اس کے بعد اس نے دوسری وصیتیں کیں ۔ آخری وصیت یہ کی کہ اپنی ذاتی املاک ، جائداد اور زر نقد کا بڑا حصہ ، فقرا اور مساکین میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی[2] ۔

قبر کھودنے کا حکم

اس واقعہ کے ایک یا دو دن بعد رشید نے محسوس کیا کہ موت کا پنجہ اس کی طرف بڑھ رہا ہے ، اس نے اپنے خدام کو طلب کیا ، اور انہیں اس قصر میں جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا ، قبر کھودنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ انہوں نے قبر تیار کر دی ، وہ پاس بیٹھا دیکھتا رہا ، پھر کئی لوگوں کو قبر میں اتارا ، جو قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور وہ سن رہا تھا اور استغفار کر رہا تھا اور بعض آیات کو دوران سماعت میں دوہراتا بھی جا رہا تھا ، پھر اس نے حکم دیا کہ اسے بستر پر لٹا

---

۱ ۔ الجہشیاری ، صفحہ ۲۶۲ ۔

۲ ۔ المسعودی ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۷ ۔

دیا جائے[1] ۔

جمادی الآخر کی دوسری تاریخ ۱۹۳ھ (مطابق ۲۵ مارچ ۸۰۹ع) جمعہ کے دن مرض کی شدت اور بڑھ گئی ۔ فوراً تمام طبیب آ موجود ہوئے ، لیکن انہیں اس کی صحت زندگی سے مایوسی ہو چکی تھی ۔ اس مصیبت سے بچانے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے ۔ جبریل بن بختیشوع مایوس نہیں ہوا ، اس نے ایک دوا دی ، لیکن اس نے الٹا اثر کیا ، جس سے رشید کو گمان گزرا کہ اس نے دھوکہ کیا ہے چنانچہ اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔ قریب تھا کہ قتل کا حکم صادر کر دیتا ، لیکن جبریل نے حیلہ گری سے کام لے کر جان بچا لی ، اس نے کہا :

''امیرالمومنین ، مجھے کل تک کی مہلت دیجیے ، آپ قطعاً اچھے ہو جائیں گے ، نہ اچھے ہوں تو بے شک قتل کر دیجیے گا !''

رشید نے ایک دن کی مہلت دے دی ۔

سنبھالا !

رات آئی تو لحظہ بہ لحظہ حالت بگڑنے لگی ، ضعف میں بے حد اضافہ ہو گیا ، اس کو یقین ہو گیا کہ اب بچنا ممکن نہیں ، اس حالت میں اسے ذرا بھی شک نہیں تھا کہ چند لمحوں کے بعد اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے ۔

طبری کا بیان ہے :

''موت سے پہلے رشید نے سنبھالا لیا ، نظر اٹھا کر دیکھا تو خادم خاص مسرور سامنے کھڑا تھا ، اس سے گویا ہوا :

''اے مسرور ، مجھے چادر اڑھا دے اور میرے لیے کفن کا انتظام کر !''

مسرور نے تعمیل حکم کی[2] ۔

اور آخر وہ ہولناک گھڑی آ گئی جب رشید کا دل ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور اس کی رو قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۔

---

۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۷ ۔

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۳۷ ۔

انتقال کے وقت رشید کی عمر صرف پنتالیس سال کی تھی۔

رشید کی موت نے تاریخ کا وہ صفحہ لپیٹ دیا، جو اہم ترین واقعات و حوادث سے لبریز تھا۔

اور——ان کارناموں پر پردہ پڑ گیا، جو ایک مخصوص، تہذیب، کرامت، شرف اور حضارت کے حامل تھے، جو بغداد کی سیاسی زندگی پر کامل تئیس سال دو مہینے اور سولہ دن تک چھائے رہے، یہ تھا رشید کا دور خلافت۔

رشید کی وفات

اور حوادث ما بعد

نماز جنازہ !

رشید وفات پا گیا ، امین بغداد میں تھا اور مامون رافع بن لیث سے قتال کے لیے سفر میں تھا ، قاسم المؤتمن رقہ میں تھا ، اور زبیدہ بنت جعفر ہارون کی بیوی اس کے ساتھ تھی اور صالح بن ہارون رشید اس رات طوس میں تھا ۔ باپ کی خبر مرگ پا کر وہ فوراً سناباذ کی طرف روانہ ہوا اور حمید بن قحطبہ کے قصر میں داخل ہوا ۔ اس نے باپ کو بستر مرگ پر ہمیشگی کی نیند سوتے دیکھا اور خوب بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا ، یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور عسکر رشید میں جو ممتاز لوگ تھے ، وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ باقی دوسرے لوگ بھی آ گئے ، ان سب نے مل کر نماز جنازہ پڑھی ، اور اندرون قصر جو رشید نے اپنے لیے قبر کھدوائی تھی اس میں دفن کر دیا [1] ۔

یہ خبر فوراً ہی ہر چہار طرف پھیل گئی ، بکر بنُ معتمر نے اپنے زندان سے فضل بن ربیع کو پیام بھیجا :

''مجھ سے ملاقات سے پہلے کسی کام کے انجام دینے میں جلدی نہ کیجیے ، میرے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کی حقیقت سے آپ کا واقف ہونا بسا ضروری ہے !''

فضل بن ربیع نے اسے قید خانے سے آزاد کرکے اپنے پاس بلایا ، اور اس سے وہ خفیہ خطوط لے لیے جو امین نے اس کی معرفت بھیجے تھے ، جنھیں اب تک وہ چھپائے ہوئے تھا ۔ ہر خط مکتوب الیہ تک پہنچا دیا

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۶۸ -

گیا - صالح بن رشید کو بھی اس کے بھائی امین کا خط ملا ، جس میں لکھا تھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

"جب تمھیں میرا یہ خط ملے اور وہ سانحہ (مرگ ہارون) واقع ہو جائے ، جو اللہ کے علم میں پہلے سے تھا تو اپنا دھیان رکھو اور اپنا ہاتھ کسی کام میں نہ ڈالو ، کیونکہ تمھارے بھائی امین نے تمھیں اپنا معتمد اور امین قرار دیا ہے ، اس کے حسن ظن کو قائم رکھو ، اور ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کے طالب گار ہیں -

امیرالمومنین (ہارون) کی اولاد ، اہل بیت ، موالی اور خواص و عوام میں سے پہلے امیرالمومنین محمد (امین) کی بیعت لو ، پھر عبداللہ (مامون) بن امیرالمومنین کی ، بعد ازاں قاسم بن امیرالمومنین کی بالکل انھی شرائط پر جو امیرالمومنین ہارون رشید طے کر گئے ہیں -

اور ہاں اصلاح احوال ، رد مظالم اور استواری احوال میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرو - وظیفے اور عطیے بھی ضرور دو اور جاری رکھو ، اس کے بعد بھی اگر کوئی سر اٹھائے یا طغیان کا مظاہرہ کرے سختی کے ساتھ اس کا سر کچل دو ، تاکہ یہ ایک عبرت کا سبق بن جائے ، ان لوگوں کے لیے بھی جو وہاں ہیں اور ان کے لیے بھی جو وہاں نہیں ہیں ، اور متقین کے لیے یہ موعظمت کا کام دے -

امیرالمومنین کی اولاد ، خدام اور اہل کو فضل بن ربیع کے پاس پہنچا دو ، اور اسے حکم دو کہ وہ انھیں یہاں بھیج دے - امیر عسکر عبداللہ بن مالک کو بتا دو کہ وہ قابل اعتماد آدمی ہے اور عوام میں مقبول ہے ، اور ہرثمہ کے اجلال و اکرام میں فرق نہ آنے دو ، اور اسے حکم دو کہ امیرالمومنین کے قصور و محلات میں جو چیزیں ہیں ان کی نگرانی و نگہبانی کرے ، وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اطاعت شعار ہیں -

لشکر کا مقدمہ اسد بن یزید بن مزید شیبانی کو دو اور ساقہ یحییٰ

بن معاذ کو ، ان ہدایات پر سختی سے عمل کرو ۔

اور ہاں خبردار فضل بن ربیع کے صلاح و مشورے کے بغیر اپنی رائے اور ذہن و دماغ سے کوئی کام نہ کر بیٹھنا ۔

اس خط کو دیکھتے ہی اسماعیل بن صبیح اور بکر بن معتمر کو بذریعہ سواری ڈاک میرے پاس روانہ کر دو ۔ کسی کام اور بات میں غفلت سے کام نہ لینا اور اپنی جگہ اس وقت تک ٹھہرے رہنا ، جب تک اموال و خزائن کا انتظام نہ ہو جائے !''

صالح بن رشید

صالح بن رشید کا قاصد مامون کے پاس آیا ، وہ شہر مرو سے آگے بڑھ کر سمرقند کی طرف جا رہا تھا ۔ اسے قاصد نے ہارون رشید کی خبر وفات سنائی اور امین کا خط دیا ، مامون دوبارہ مرو واپس آ گیا اور دارالامارہ میں ٹھہر گیا ۔ یہاں اس نے مسجد میں نماز پڑھی ، منبر پر چڑھا ، باپ کا ذکر کر کے خوب خوب رویا ، پھر کچھ مال لوگوں میں تقسیم کیا اور اپنے بھائی امین کے لیے اور اپنے لیے اور مؤتمن کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی اور سرحدات پر جو عامل تھے انہیں امین کے خط کے مندرجات سے آگاہ کر دیا ۔ اس کے ساتھ جو فوج تھی اسے بارہ مہینے کی تنخواہ عطا کی ، اور مرو میں مقیم رہ کر نئے خلیفہ کے احکام کا انتظار کرنے لگا[1]۔

بغداد میں صف ماتم

یہ الم انگیز خبر ۱۰ جمادی الآخر ۱۹۳ھ (مطابق ۷ اپریل ۸۰۹ع) کو بغداد پہنچی ، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ، مسجد میں ایک بڑی تعداد خلقت کی جمع ہوئی ، عیسیٰ ہاشمی منبر پر چڑھا ، اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا :

''رشید کا انتقال ہو گیا ، لیکن امین زندہ ہے ، یہ خدا کی طرف سے ہمیں بہت اچھا عوض ملا ہے !''

پھر لوگوں کو اس نے طاعت کی دعوت دی ۔

---

۱ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۷۴ ۔

دوسرے روز لوگ نماز کے لیے مسجد میں آئے ، امین نے امامت کے فرائض انجام دیے اور ایک خطبہ بھی دیا ، اس حادثے پر غم و الم کا اظہار کیا ، لوگوں سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کیا اور وہ پروگرام بتایا جو اس کے پیش نظر تھا ۔ پھر اپنے اہل بیت اور رجال دولت کو بیعت کی دعوت دی ، سب نے بیعت کر لی ، بعد ازاں اس فوج کو جو بغداد میں تھی ، چوبیس مہینے کی تنخواہ عطا کی[1] ۔

شہر رقہ میں رشید کی خبر وفات جب پہنچی تو قاسم المؤتمن نے اپنے بھائی امین کے لیے لوگوں سے بیعت لی ، پھر مامون کے لیے اور پھر اپنے لیے بیعت خلافت لی ۔

زبیدہ (بنت جعفر) پہلے ہی اپنے بھائی عیسیٰ بن جعفر کا سوگ منا رہی تھی ، جو ابھی کچھ عرصہ ہوا رشید سے ملنے آتا ہوا راستے میں دفعتاً وفات پا گیا تھا ، اب شوہر ـــ رشید ـــ کی موت نے تو اسے پیکر یاس و حرماں بنا دیا تھا ۔ اس غم نے ایک عرصۂ دراز تک اس کی آنکھیں خون فشاں رکھیں ۔

مشہور مغنی اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ :

ایک روز زبیدہ نے مجھے طلب کیا ، میں فوراً حاضر خدمت ہوا ، اس نے اپنی ایک خادمہ کے ذریعے مجھے پیغام بھیجا :

"آج کی رات میں نے دختران خلیفہ اور دختران ہاشم کو رشید پر نوحہ گری کے لیے حاضر ہونے کا حکم دیا ہے ، تم ابھی فوراً چند شعر جو تیر کی طرح دل میں اتر جائیں کہہ دو تاکہ وہی نوحہ گری میں کام آئیں ، میں ابھی تھوڑی دیر بعد تمھارے پاس ایک جاریہ بھیجتی ہوں ۔ جو بڑی خوش آواز ہے ، اسے لے اور دھن بھی بتا دو تاکہ اس طرح وہ گائے !"

میں نے مدینہ منورہ میں ایک نوحہ احوص کا سنا تھا ، اس کے چند اشعار منتخب کر کے خوب صورت دھن میں جاریہ کو سنا دیے ، اس نے

---

۱ - ابن الاثیر ، جلد ۶ ، صفحہ ۵۲ ۔

زبیدہ کو یاد کرا دے[1] ۔

امین کی طرف سے زبیدہ کی طلبی

امین نے محسوس کر لیا کہ اس جاں گداز غم سے زبیدہ کی کیا حالت ہوئی ہوگی ، جو ابھی تک رقہ میں مقیم ہے ۔ اس نے فوراً ایک پیامی بھیج کر اسے قسم دی کہ فوراً بغداد واپس آ جائے اور گوشہ نشینی ترک کر دے ۔ یہ پیام پا کر اپنے عملے اور خزائن کے ساتھ وہ بغداد آ گئی اور قصر دارالقرار میں اقامت اختیار کر لی ، بیٹے کی ہر طرح کی دل دہی اور دل جوئی کے باوجود ، پھر نشاط و مسرت سے بہرہ ور نہ ہو سکی ، بھائی اور شوہر کے غم نے اسے سراپا الم بنا دیا تھا[2] ۔

شعرا کے مرثیے

بڑے بڑے شعرا نے اپنے جواں مرگ خلیفہ کے مرثیے بھی دل سے اور جوش و خروش سے لکھے ، یہ وہی خلیفہ تو تھا جس نے اپنی داد و دہش سے انہیں مالا مال کر دیا تھا ۔

اشجع سلمی نے کہا :

''مشرق میں آفتاب غروب ہو گیا ،
آنکھ سے کہو کہ خوب جی بھر کر روئے ،
ہم نے تو یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ سورج
طلوع ہوتے ہی غروب ہو جائے[3] ۔''

ابو نواس نے کہا :

''سعد اور نحس کا سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے ،
ہم ماتم بھی کرتے ہیں اور خوشی بھی مناتے ہیں ،
دل روتا بھی ہے اور ایسا بھی نہیں کہ ہنسی نہ آتی ہو ،
ہم بے قراری کی کیفیت سے بھی دوچار ہوتے ہیں اور سکون
کیفیت سے بھی ،

---

۱ ۔ الاغانی ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳ ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۷۵ ۔
۳ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۵۰ ۔

امین کا وجود ہماری مسرت کا سبب ہے،
اور ہارون کی وفات ہمیں خون کے آنسو رلا رہی ہے،
دو چاند — ایک (امین) بغداد میں چمک رہا ہے،
اور دوسرا (ہارون) طوس میں قبر کے اندر دفن ہے[1]!"

- الطبری، جلد ۳، صفحہ ۷۶۳ -

رشید کا ترکہ

لڑکوں اور لڑکیوں کی تفصیل

خاندانی اور غیر خاندانی بیویاں

رشید نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں ، لیکن ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں کبھی نہیں رکھیں۔

حسب ذیل خواتین سے رشید نے شادی کی:

۱ ۔ زبیدہ ، امۃالعزیز—یہ جعفر بن منصور کی بیٹی تھی اور رشید کے محل کی پہلی اور با اختیار مالکہ تھی ۔

۲ ۔ فاطمہ بنت صالح بن منصور—صالح ''صالح مسکین'' کے نام سے معروف تھی ۔ فاطمہ کی کنیت ام محمد تھی ، رشید نے رقہ میں بہ ماہ ذی‌الحجہ ۱۸۷ھ (مطابق ۸۰۲ع) میں فاطمہ سے شادی کی ۔ اس کی ماں عیسیٰ بن علی ہاشمی (عباسی) کی لڑکی تھی ، روایت ہے کہ اس کی شادی ابراہیم بن مہدی سے ہوئی تھی ، بعد میں اس سے خلع حاصل کر لی ، اور رشید سے شادی کر لی ۔

۳ ۔ عباسہ بنت سلیمان بن منصور—یہ رشید کی بنت عم تھی ، اس سے اس مہینے میں رشید نے شادی کی ، جس مہینے میں فاطمہ بنت صالح سے کی تھی ۔

۴ ۔ عثمانیہ بنت عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن عثمان رض بن عفان—اس کا جدی رشتہ فاطمہ بنت حسین بن ابی طالب سے ملتا تھا ، اسے جرشیہ بھی کہتے تھے ۔ کیونکہ اس کی ولادت یمن کے ایک مقام ''جرش'' میں ہوئی تھی ۔ روایت ہے کہ

رشید نے حجاز میں جب اس سے شادی کا پیغام دیا ، تو بہت خوش تھا اور بار بار یہ دوہراتا تھا :

"عثمان اور زبیر اس کے گھر بنیں رہے ہیں ۔
جب یہ ان کے ہاں یفاع میں تولد ہوئی تھی ۔
یہ اس گندم گوں قوم کی لڑکی ہے ،
جو مجد و کرم میں بہت آگے بڑھی ہوئی ہے [1] "۔

رشید کی زندگی تک یہ چاروں بیویاں زندہ رہیں ۔

ان چاروں سے پہلے اس کی دو بیویوں کا انتقال ہو گیا تھا ۔

۱ - عزیزہ بنت الغطریف بن عطا ـــــ جو رشتے میں رشید کا ماموں ہوتا تھا ۔

رشید سے پہلے عزیزہ کی شادی سلیمان بن جعفر سے ہوئی تھی ۔

۲ - ام علی ، یعنی امۃالعزیز [2] ۔

رشید کی جن جواری (باندیوں) سے اولادیں ہوئیں ، ان کی تعداد کثیر ہے ، مؤرخین نے ان کے نام جو نقل کیے ہیں ۔ ان میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہے ۔ بہر حال وہ حسب ذیل ہیں :

۱ - مراجل	۲ - مارود	۳ - نادر
۴ - شجا	۵ - سربرہ	۶ - بربریہ
۷ - سکینہ	۸ - خبث	۹ - قصف
۱۰ - حلوب	۱۱ - عرابہ	۱۲ - عفص
۱۳ - سکر	۱۴ - خزق	۱۵ - شجر
۱۶ - رمیق	۱۷ - جلی	۱۸ - انیق
۱۹ - سمندل	۲۰ - زینہ	۲۱ - ائم
۲۲ - شذرہ	۲۳ - رواح	۲۴ - دواج

---

۱ - الاغانی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۰ ۔

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۷ ۔
اس امۃالعزیز کے نسب کا سراغ نہیں ملتا ۔

۲۵ - کتھان ۲۶ - واسطہ [1] -

رشید کے لڑکے

ان بیویوں اور باندیوں سے رشید کے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں ، جن کی تعداد کافی ہے مؤرخین نے پورے طور پر ان کے اسما کے بیان پر توجہ نہیں کی ہے - اور بعض کی ماؤں کے بارے میں بھی متفق نہیں ہیں کہ کس کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں - ان میں سے تیرہ لڑکے ہیں ، جو یہ ہیں :

۱ - محمد الامین ، یہ زبیدہ کا لڑکا تھا ، اسے '' محمد الاکبر '' کہتے تھے -

۲ - عبداللہ المامون ، یہ ایک باندی مراجل کے بطن سے پیدا ہوا تھا -

۳ - قاسم المؤتمن ، یہ بھی ایک باندی قصف کے بطن سے پیدا ہوا تھا -

۴ - محمد (ابواسحاق) یہ بھی ایک کنیز ماردہ کے بطن سے تولد ہوا -

۵ - محمد (ابوالعباس) یہ بھی ایک جاریہ خبث کے بطن سے تھا -

۶ - محمد (الیعقوب) یہ بھی ایک کنیز شذرہ کے بطن سے تولد ہوا تھا -

۷ - محمد (ابو سلیمان) یہ ایک جاریہ رواح کے بطن سے تھا -

۸ - محمد (ابو علی) یہ بھی ایک کنیز دواج کے بطن سے تھا -

۹ - محمد (ابو احمد) یہ ایک جاریہ کشان کے پیٹ سے تھا -

۱۰ - صالح (ابو عیسیٰ) یہ ایک باندی ائم سے تھا -

۱۱ - احمد ، اس کی ماں ایک جاریہ عرابہ تھی ، احمد ''السبتی'' کے نام سے بھی مشہور تھا -

---

۱ - یہ اسما ہم نے ذیل کے مصادر سے حاصل کیے ہیں :

۱ - مقریزی ، صفحہ ۳۹ -

۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۸ -

۳ - العقدالفرید ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۴ -

۱۲ - العباس ، واسطہ نامی باندی اس کی ماں تھی ۔

۱۳ - علی ــــ یہ رشید کی بیاہتا بیوی امۃ العزیز کے بطن سے تھا ۔

ان لڑکوں میں سے اکثر کے نام "محمد" رکھے گئے تھے ۔ لیکن امتیاز کے لیے ان کی کنیت الگ الگ تھی ، جس کی بنا پر ایک دوسرے سے جداگانہ طور پر پہچانے جا سکتے تھے[1] ۔ یہ اس عہد کی عادت مالوفہ تھی جو اپنی متعدد بیویوں کی اولاد ذکور کو یہ نام عطا کیا کرتے تھے ۔

رشید کی اس اولاد ذکور میں تین نام بہت معروف ہیں اور انہوں نے تاریخ بنو عباس میں قابل ذکر اور یادگار کارنامے چھوڑے ہیں ، ایک محمد الامین ، دوسرا عبداللہ المامون ، تیسرا محمد المعتصم ۔ باقی لڑکوں کے حالات مجہول ہیں ، اگر کسی مناسبت سے کہیں کسی کا ذکر آ گیا ہے تو بس یوں ہی معمولی طور پر ۔ رشید کی وفات کے وقت ان میں سے اکثر کم سن اور نو عمر تھے ۔

امین اور مامون کی جنگ

اس جگہ اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ باپ کے بعد مسند خلافت امین کے قبضے میں آئی ، لیکن ابھی نظم و نظام درست نہیں ہؤا تھا کہ بھائی ــــ مامون ــــ سے چھڑ گئی ۔ دونوں کے مابین طویل اور شدید جنگ ہوئی ، جو امین کے قتل ۱۹۸ھ (مطابق ۸۱۳ع) میں ختم ہوئی اور مامون کے مقابلے میں ایک نیا حریف نمودار ہؤا ، جو اس کا چچا ابراہیم بن مہدی تھا ، جس کے ہاتھ پر قتل امین کے بعد اہل بغداد نے بیعت کر لی تھی ــــ تفصیل آگے آئے گی ــــ لیکن مامون کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا ، خود ہی دستبردار ہو گیا اور خلافت پورے طور پر مامون کے ہاتھ میں آ گئی ۔

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۸ ۔

۲ - المقریزی ، صفحہ ۳۹ ۔

۳ - الاغانی ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۹ ۔

۴ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۵۰ ۔

المؤتمن کی وفات

قاسم (المؤتمن) نے زیادہ عمر نہیں پائی ، ۲۰۸ھ (مطابق ۸۲۳ء) میں اس کا انتقال ہو گیا ۔

محمد المعتصم ، بہادر ، دلیر ، مضبوط ، توانا اور زور آور شخص تھا ، ثقافت اور شائستگی سے کچھ زیادہ بہرہ مند نہیں تھا ، اس کا سبب حسب روایت مصنف تاریخ بغداد یہ ہے :

معتصم کے ساتھ ایک غلام بھی پڑھا کرتا تھا ، اس کا انتقال ہو گیا ۔ رشید کو جب یہ اطلاع ملی تو بہت افسوس کا اظہار کیا اور معتصم سے کہا :

"کیا یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہم درس غلام کا انتقال ہو گیا ؟"

معتصم نے جواب دیا :

"جی ہاں میرے آقا ، بے چارے کی پڑھنے لکھنے سے جان چھوٹی !"

رشید کو یہ جواب سن کر بڑی حیرت ہوئی ۔ اس نے کہا :

"تمہاری نظروں میں پڑھنے لکھنے کی یہی وقعت ہے ؟"

پھر وہ معتصم کے اتالیق کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا :

"اس کی پڑھائی لکھائی بند کر دو ، جو کچھ پڑھنا تھا پڑھ چکا ، اب تعلیم دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے !"

چنانچہ دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں یہ ناخواندہ ہی رہا ۔ لیکن قسمت نے مامون کے بعد خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا اور متاخرین خلفا بنو عباس اسی کی ذریت تھے[1] ۔ معتصم نے نو سال تک ۲۱۸ سے ۲۲۷ھ تک حکومت کی ۔

صالح بن رشید کا حال

صالح بن ائم کی کنیت ابو عیسیٰ تھی ۔ یہ ہارون رشید کے لڑکوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ، خوش شکل اور وجیہہ تھا ، حد درجہ با مذاق ور نکتہ سنج بھی ۔ خوش مزاج اور خوش اطوار بھی ، چنانچہ مشہور تھا شید کی اولاد میں ابو عیسیٰ سے زیادہ حسین و جمیل کوئی نہیں تھا ۔

---

[1] ۔ تاریخ بغداد ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۴۲ ۔

روایت ہے کہ صالح جب سواری پر باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ، تو سڑکوں پر دو رویہ لوگوں کا ٹھٹھہ لگ جاتا ، کہ ایک نظر اسے دیکھ لیں اور اس کے حسن و جمال سے آنکھوں کو تر و تازہ کر لیں ، یہ شاعر بھی بہت اچھا تھا ۔ بعض کتب ادب مثلاً اغانی وغیرہ میں اس کے اشعار جستہ جستہ ملتے ہیں ۔

ایک روز رشید نے از راہ تفنن اس سے کہا :

''کاش تیرا حسن و جمال مامون کو مل جاتا !''

اس نے فوراً جواب دیا :

''پھر قسمت بھی میری ہی ملتی !''

رشید اس جواب سے پھڑک اٹھا اور سینے سے اسے لگا لیا ۔ رشید اسے بہت چاہتا تھا ، کم عمری کے باوجود اکثر سفر میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا ، چنانچہ طوس میں جب اس نے وفات پائی تو یہ اس کے ساتھ تھا ۔

ابو عیسیٰ اپنے بھائی مامون کے عہد خلافت تک زندہ رہا اور اسی کے عہد میں عین جوانی کے عالم میں وفات پائی ۔

یہ واقعہ ۲۰۹ھ (مطابق ۸۲۴ع) کا ہے[1] ۔

عباس بن واسطہ

رشید کے لڑکوں میں عباس بن واسطہ کا رنگ سیاہی مائل تھا ، رشید جب اسے دیکھتا تو چہرے پر کراہت کے آثار پیدا ہو جاتے ، لیکن بڑا حاضر جواب بذلہ سنج اور برجستہ گو ۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ، رشید نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا ، وہ جتنی جتنی کوشش کرتا کہ یہ شخص اپنے فضول دعوے سے باز آجائے اور اس خیال خام کو دل سے نکال دے اُتنا ہی وہ اپنے دعوے پر وہ اصرار کرتا ، آخر تنگ آ کر رشید نے حکم دیا :

''لباس اتار کر اس کے کوڑے لگائے جائیں !''

اس موقع پر رشید کے بعض لڑکے موجود تھے ، ان میں عباس بھی تھا ،

---

۱ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۸ -
الاغانی ، جلد ۹ ، صفحہ ۹۱ -

اگرچہ صغیر سن تھا ۔

جب نبوت کے مدعی پر کوڑا لگایا جانے والا تھا تو ▪ گھبرا اٹھا ، اور اضطرابی حرکات ظاہر کرنے لگا ۔

عباس نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا :

''جس طرح اولوالعزم انبیا ایسے موقع پر صبر سے کام لیا کرتے تھے، تم بھی ایسا ہی کرو !''

عباس کے ان برجستہ الفاظ سے رشید بہت متاثر ہوا ۔ خوشی سے باچھیں کھل گئیں ۔ آواز دے کر پاس بلایا اور کہا :

''خدا کی قسم ، تو میرا بیٹا ہے !!''

احمد السبتی

احمد ''السبتی'' کے بارے میں مؤرخین باہم مختلف الرائے ہیں ۔ بعض کہتے ہیں اس کی ماں ایک جاریہ عرابہ تھی ، بعض کچھ اور کہتے ہیں ۔

اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سنی ہیں ۔ مثلاً ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنی ماں کی تحویل میں رہا اور وہی اس کی پرورش کرتی رہی ، جسے کسی سفر کے دوران رشید نے خرید لیا تھا ، پھر چھوڑ دیا ۔ جب یہ بڑا ہوا تو باپ تک نہ پہنچ سکا ۔ چنانچہ یہ مزدوری کیا کرتا اور اسی سے روزی کما کر زندگی بسر کرتا ۔ اسی حالت میں بہ عالم نوجوانی اس کا انتقال ہوگیا ۔ رشید کو اس کے مرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ اس کا اپنا بیٹا تھا ، چنانچہ اس کی قبر پر گیا اور آنسو بہائے ۔

لیکن جس روایت پر مؤرخین کا قریب قریب اتفاق ہے ۔ وہ یہ ہے کہ نہایت متقی اور پرہیزگار شخص تھا ۔ باپ سے اپنی ضروریات زندگی کے لیے بھی ، کبھی ایک پیسہ بھی تو قرض نہیں لیا ، بلکہ خود کما کر کھاتا رہا ۔ باپ کی زندگی ہی میں اس نے دنیا ترک کر دی تھی اور کسی چیز سے کسی طرح کا واسطہ نہیں رکھا تھا ۔ اگرچہ باپ شہنشاہ وقت تھا ، لیکن اس نے عزلت گزیں اور ترک دنیا کو ہی ترجیح دی ۔

اس کا نام ''سبتی'' اس لیے پڑ گیا کہ یہ سنیچر کے دن مزدوری

---

۱ ۔ المقریزی ، صفحہ ۳۹ ۔

کر کے جو کچھ کما لیتا تھا ، ہفتہ بھر اسی سے کام چلاتا تھا اور سارا وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرتا تھا ، زندگی کی آخری سانس تک اسی اصول پر قائم رہا اور آخر ایک روز اپنے خدا سے جا ملا [۱] ۔

رشید کی لڑکیاں

رشید کی لڑکیاں بھی کافی تھیں ، ان میں سے پندرہ کے نام ہمیں معلوم ہیں ، جو حسب ذیل ہیں [۲] :

۱ - سکینہ — ایک باندی قصف کی لڑکی تھی ۔
۲ - ام حبیب — یہ بھی ایک کنیز ماروہ کی لڑکی تھی ۔
۳ - اروی — اس کی ماں بھی ایک جاریہ حلوب تھی ۔
۴ - ام الحسن — ایک جاریہ عرابہ کے پیٹ سے تھی ۔
۵ - حمدونہ — بنت فاطمہ ام جعفر ۔
٦ - فاطمہ — یہ عضص نامی کنیز کی لڑکی تھی ۔
۷ - ام ابیہا — یہ ایک کنیز سکر کی لڑکی تھی ۔
۸ - ام سلمہ — اس کی ماں ایک جاریہ اخنیق تھی ۔
۹ - خدیجہ — اس کی ماں جاریہ شجا تھی ۔
۱۰ - لبانہ — یہ بھی شجا کی لڑکی تھی ۔
۱۱ - ام قاسم — ایک جاریہ خزق کے بطن سے تولد ہوئی تھی ۔
۱۲ - رحلہ — یہ بھی حلی کی لڑکی تھی ، جو باندی تھی ۔
۱۳ - ام علی — یہ انیق کی لڑکی تھی ، جو جاریہ تھی ۔
۱۴ - عالیہ — یہ سمندل کی لڑکی تھی ، یہ بھی باندی تھی ۔
۱۵ - ریطہ — زینہ کی لڑکی تھی جو کنیز تھی ۔

اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رشید کی مذکورہ بالا لڑکیوں میں سے رشید کی چھ لڑکیوں کا ذکر کنیت کے ساتھ آیا ہے ، تاریخ میں رشید کی لڑکیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا ، نہ ان کے حالات و کوائف سے متعلق کچھ واقعات ملتے ہیں ۔ سوائے حمدونہ اور عالیہ کے ۔

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۰ ۔
۲ - الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۵۷ ۔

یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ رشید نے ان کی تربیت اور ثقافت کے سلسلے میں کیا اہتمام کیا تھا ۔ اگرچہ ظن غالب یہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی اتنا ہی ملحوظ رکھا گیا تھا ، جتنا دوسرے خلفا کی لڑکیوں کا ہؤا کرتا تھا ، یعنی قرآن اور امور دین کی تعلیم اور لکھائی کا فن ۔ اگر اس سے زیادہ اہتمام ہؤا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ تاریخ کے صفحات ان کے ذکر سے خالی رہ گئے ہوتے اور مشاہیر خواتین میں ان کا شمار نہ ہوتا ۔

رشید کا ترکہ

یہ تو تھا رشید کی ذریت اور آل اولاد کا حال !

باقی اس نے ذاتی آمدنی سے جو ترکہ چھوڑا ، اس کی تفصیل فضل بن ربیع کے بیان سے معلوم ہوتی ہے ، جسے خلیفہ امین نے اس کام پر مامور کیا تھا کہ خلیفہ مرحوم کی تمام چیزوں کی فہرست تیار کرے ۔

فضل کا بیان ہے :

''میں نے خزانہ عقاص کے منشیوں کو جمع کیا ، انہوں نے لباس ، خراش اور ظروف کی جو تفصیل دی ، وہ یہ ہے :

''جامہ خانے میں چار ہزار جبے ریشمی موجود تھے ، جن پر زری کا کام کیا ہؤا تھا اور چار ہزار ایسے تھے جن میں سونے کے تار بنے گئے تھے ۔ دس ہزار قمیص ، دس ہزار موزے ، دو ہزار پاجامے سوتی ، چار ہزار عمامے ، ایک ہزار طیلسان ، ایک ہزار چادریں ، پانچ ہزار رومال ، پانچ سو ریشمی تھان ، ایک لاکھ ریشم کے دساوے ، ایک ہزار طبرستانی فرش ، ایک ہزار نقش و نگار والے ریشمی دساوے ، ایک ہزار ریشمی پردے ، تین سو ریشمی پردے جن پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے ، پانچ سو طبری چاندنیاں ، ایک ہزار طبری دساوے ۔

ظروف میں ایک ہزار سونے کے تخت ، ایک ہزار سونے کے گلاس ، تین سو چاندی کے ظروف ، ایک ہزار سونے کے شمع دان ، ایک ہزار تانبے کی چادریں ، ایک ہزار سونے کے ظروف ۔''

اس ساز و سامان کے علاوہ جو غلام ، جواری اور غلمان ، گھوڑے

خچر اور دوسرے جانور اور محلات ، قیمتی چیزیں اور جواہرات جو چھوڑے وہ جدا [1] ۔

وفات سے پہلے رشید نے ہر طرح کی دریا دلی ، داد و دہش ، اکرام اہل حرمین ، مصارف سفر حج ، سفر خراسان ، جہاد روم (دو مرتبہ) رافع بن لیث سے قتال کے لیے ارسال مال ، خود اپنے لشکر کے ساز و سامان پر جو بے دریغ اور بے شمار روپیہ صرف کیا ، اس کے باوجود بیت المال میں ، وفات کے بعد اس نے نو کروڑ اشرفیاں چھوڑیں ۔ اتنی بڑی دولت کسی خلیفہ نے اب تک نہیں چھوڑی تھی [2] ۔

۱ ۔ تحفتہ المجالس ، ۱۲۰ ۔
۲ ۔ الطبری ، جلد ۳ ، صفحہ ۷۶۳ ۔

تتمہ

رشید کی وفات

اور

حوادث ما بعد!

دیار غیر میں تدفین

رشید کی خاک بغداد واپس لانے کی تحریک

چند ضروری مباحث

رشید کا انتقال ہوگیا ، تحطبہ بن طائی کے قصر میں اس کی تدفین ہوئی ، جو سنا باذ نامی قریہ میں واقع تھا ۔ طوس سے کوئی ایک سو میل کے فاصلے پر ۔ مامون نے ایک خوبصورت مزار میں قبر کو تبدیل کر دیا ۔ اس واقعہ کے دس سال بعد (۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ع) امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کا انتقال ہوگیا ، جنھیں خلیفہ مامون نے اپنا ولی عہد بنایا تھا ۔ مامون نے بڑا سوگ منایا اور امام علی رضا کو وہیں اسی قبے اور مزار کے اندر رشید کی قبر کے پہلو میں دفن کیا ۔

رشید کے بعد جو حادثے رونما ہوئے ان کی تاریخ خاصی طویل ہے ، جس کا ملخص یہ ہے :

''فضل بن ربیع طوس سے اپنا لشکر لے کر ، امین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بغداد واپس آ گیا ۔ یہ بات مامون کو بہت گراں گزری اس نے اسے بد عہدی قرار دیا ، کیونکہ یہاں کا لشکر اس کے حصے میں باپ کی زندگی ہی میں آ گیا تھا ۔ فضل بن سہل نے جو مامون کا بد اندیش وزیر تھا اور زیادہ اپنے آقا کو بھڑکایا ، اس نے مامون کو پٹی پڑھائی کہ وہ بھی تیار ہو جائے ، اس لیے کہ امین نے اسے اس لشکر سے محروم کر دیا ہے اور اب یقینی طور پر اس کی ولی عہدی بھی ختم کر دے گا اور باپ کی ساری میراث اپنی تحویل میں لے لے گا ۔ نیز نصیحت کی کہ اپنے فارسی ماموں سے زیادہ قریب رہے ، کہ یہی ہیں جنھوں نے عباسی حکومت قائم کی

تھی اور اسویوں کا چراغ گل کیا ۔ مامون اپنے وزیر کی باتوں سے متاثر ہؤا اور اس نے خراسان کو مٹھی میں لینے اور وہاں کے زعما کو اپنا حامی بنانے کی تدبیریں شروع کر دیں ، لیکن ابھی وہ عہد شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ چنانچہ اس نے امین کی خلافت پر بیعت کر لی اور ساری سرگرمیاں اپنی ولایت——خراسان——کے لیے وقف کر دیں'' ۔

ادھر فضل بن ربیع بھی اپنی تدبیروں سے غافل نہیں تھا ، اس نے امین کو اس امر پر آمادہ کیا کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے ، کیونکہ اہل فارس کی طرف وہ زیادہ مائل ہے اور اس کے معتمد لوگوں میں بھی زیادہ تر اہل فارس ہی ہیں اور اس نے اپنے تمام معاملات فضل بن سہل کے ہاتھ میں دے رکھے ہیں ، جو عربوں کے برخلاف شعوبیت کا زبردست اور فعال رکن ہے اور ساتھ ہی ساتھ در پردہ علویوں سے ملا ہؤا ہے ۔

امین نے ۱۹۴ھ (مطابق ۸۱۰ع) میں مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے بیٹے موسیٰ کی ولی عہدی پر بیعت لی ۔ دونوں بھائیوں میں جنگ اس بات شروع ہوگئی اور کئی سال تک یہ کشت و خون جاری ۔ آخر میں اس کا خاتمہ امین کے قتل پر ہؤا ، بغداد میں اس کا سر کاٹا گیا اور مرو میں مامون کے پاس بھیج دیا گیا ، جو اس بات کی دلیل تھی کہ جنگ ختم ہوگئی ۔

اب مامون کی خلافت پر بیعت ہوگئی ، لیکن اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ بغداد میں داخل ہو سکے ، کیونکہ وہاں کا ہر شخص امین کے غم میں اشکبار اور اس کا انتقام لینے کے لیے بے قرار نظر آ رہا تھا ، کہ وہ نجیب الطرفین ہاشمی تھا ، ماں کی طرف سے بھی اور باپ کی طرف سے بھی اور جس کا خون عجمیوں کی گردن پر تھا ۔

یہ رنگ دیکھ کر مامون مرو میں ٹھہرا رہا اور طے کر لیا کہ جب حالات سازگار ہوں گے ، تب جائے گا ۔ وہ ان لوگوں سے حد درجہ برہم تھا ، جنھوں نے امین کو اس کے خلاف بھڑکایا تھا اور یہ امرائے

بنو عباس اور زبیدہ کے اقربا اور انصار تھے۔

اسی اثنا میں مامون اپنی فوجی قوت بڑھاتا رہا ، جو زیادہ تر اہل فارس پر مشتمل تھی ، اس کے وزیر فضل بن سہل کی یہی صلاح تھی اور اب وہ ''ذوالریاستین'' کے لقب سے ملقب تھا۔

یہ وزیر——فضل بن سہل——حد درجہ متعصب تھا ، عنصریب اس کا عقیدہ بن چکا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مامون اپنے بنو عم آل عباس سے خفا ہے ، تو اس نے رائے دی کہ قاسم المؤتمن کو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے اور امام شیعہ امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کو جو اہل فارس سے قرابت رکھتے ہیں ولی عہد بنا دیا جائے ، اس طرح اسے علویوں کی اور اہل فارس کی تائید و حمایت حاصل ہو جائے گی اور کوئی شبہ نہیں امام علی رضا سیرت ، کردار اور خلق کے اعتبار سے بہترین انسان تھے۔

مامون نے فضل بن سہل کی یہ رائے مان لی اور امام علی رضا سے مدینۂ منورہ سے مرو تشریف لانے کی درخواست کی ، جو انہوں نے قبول کر لی اور طویل سفر طے کرکے ورود فرما ہوئے۔ مامون کے رجال دولت نے اور شیعان خراسان نے بڑا شاندار اور پرتپاک استقبال کیا اور انہیں ایک نہایت شاندار محل میں رکھا گیا۔ ماہ رمضان ۲۰۱ھ (مطابق ۸۱٦ع) میں ان کی ولی عہدی پر بیعت عام لے لی گئی۔ مامون سب سے پہلا شخص تھا جس نے ان کا دست مبارک ہاتھ میں لیا اور بیعت کی ، اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی ام حبیبہ کی امام صاحب سے شادی کرا دی ، روپے اور اشرفی پر اپنے نام کے ساتھ امام صاحب کا نام بھی ٹکسال سے ڈھلوایا اور یہ عبارت درج کرائی۔

''ملک اللہ والدین المامون امیر و خلیفۃ المسلمین[1]'' پھر فوراً ہی حکم دیا کہ عباسیوں کا شعار ''سیاہ علم اور سیاہ لباس'' ترک کر دیا جائے ، اس کے بجائے علویوں کا شعار سبز رنگ استعمال کیا جائے۔

---

۱ - عقیدۃ الشیعہ ، صفحہ ۱۷۳ -

خراسان کے عرب

خراسان میں جو عرب مقیم تھے انہیں یہ بات بہت بری لگی کہ مامون کے حاشیہ نشینوں کی بڑی تعداد فارسی عنصر پر مشتمل ہے ، وہاں عباسیوں کی غالب ترین اکثریت کے لیے یہ چیز ناقابل برداشت تھی کہ ایک علوی کو ولی عہد بنا کر خلافت سے اسے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ جب یہ خبر بغداد پہنچی تو عباسیوں نے فیصلہ کر لیا کہ مامون کو معزول کر دیا جائے ، چنانچہ انہوں نے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کے ہاتھ پر ۲۰۲ھ (مطابق ۸۱۷ع) میں خلافت کی بیعت کر لی۔ مامون یہ خبر سن کر بھڑک اٹھا ، اس نے فیصلہ کر لیا کہ خراسان سے رخصت ہو کر بغداد آئے اور اپنا حق حاصل کرے ، چنانچہ بغداد کے قصد سے مامون روانہ ہؤا ، اس کے ساتھ جیسا کہ یعقوبی کا بیان ہے ، امام رضا علیہ اسلام اور ذوالریاستین فضل بن سہل بھی تھے[1]۔

یہ قافلہ جب سرخس میں[4] اترا تو فضل بن سہل کو حام میں دھوکے سے قتل کر دیا گیا ، قاتل غالباً رومی اور سراج خادم تھے ، مامون نے ان دونوں کو قتل کر دیا ، عوامل قتل کے باب میں آرا مختلف ہیں۔ لیکن راجح ترین قول یہ ہے کہ یہ کاروائی ''حزب عربی'' کی تھی[2]۔

ایک یا دو دن کے بعد جب یہ قافلہ طوس کے قریب پہنچا تو امام علی رضا کا قریہ سنا باذ میں انتقال ہو گیا ، یہ واقعہ ۲۰۳ھ (مطابق ۸۱۷ع) کا ہے۔

یعقوبی کا بیان ہے :

''امام صاحب تین دن سے زیادہ بیمار نہیں رہے ، ایک روایت ہے کہ علی بن ہشام نے انہیں زہر آلود انار کھلا دیا تھا ، مامون نے اس حادثے پر انتہائی رنج و قلق کا اظہار کیا[3]۔

---

۱ ۔ الیعقوبی ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۴۸ ۔

۲ ۔ دائرۃالمعارف الاسلام ، مادہ ''المامون''۔

۳ ۔ الیعقوبی ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۵۰ ۔

لیکن مسعودی کی روایت ہے :

"امام علی رضا کی وفات انگور کے کھانے سے ہوئی ، جو کچھ زیادہ کھا گئے تھے ۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہیں زہر دے کر ہلاک کیا گیا ۱" ۔

ابن بابویہ نے اپنی کتاب "عیون اخبارالرضا" میں ان متعدد اسباب کا ذکر کیا ہے ، جن کے باعث مامون نے انہیں زہر دے کر ہلاک کیا ، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام صاحب نے اپنے بعد اپنے بیٹے محمد کو امامت کے لیے نامزد کیا تھا ۲ ۔

بہر حال بات کچھ بھی ہو ، معروف روایت یہی ہے کہ امام صاحب نے زہر آلود انگور کھا لیے ، اس سبب سے وفات ہوئی ۔

مامون نے امام صاحب کی وفات پر حد درجہ حزن و الم کا اظہار کیا اور انہیں اس مقبرے میں جہاں رشید دفن تھا ؛ اس کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا ۔

---

۱ ۔ المسعودی ، جلد ۷ ، صفحہ ۶۱ ۔

۲ ۔ عیون اخبارالرضا ، صفحہ ۹۵ ۔

امام علی رضا

کیا رشید اور امام رضا ایک قبر مین دفن ہیں ؟

ایک غلط بیان

گذشتہ صفحات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام علی رضا اس مقبرے میں دفن کیے گیے ، جہاں ہارون رشید کی قبر تھی ۔ لیکن بعض مؤرخین اس سے قبر مراد لیتے ہیں ، یعنی دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے [1] ۔

بعد میں جن مؤرخین نے یہ قول نقل کیا ہے ، انہوں نے اس کی ایک توجیہہ بھی کر لی ہے وہ کہتے ہیں :

''مامون کو اندیشہ تھا کہ علوی شیعہ اس کے باپ کی لاش کی بے حرمتی کریں گے ، چنانچہ اس نے امام رضا کی لاش رشید کی لاش پر رکھ دی'' ۔

لیکن بعض دوسری روایات اور مخصوص کثیرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی - سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ قطعاً خلاف عقل ہے اور دینی طرف کے بھی خلاف ہے اور اگر مامون نے ایسا کیا ہوتا تو اس عمل غریب کا مؤرخین بہت زیادہ چرچا کرتے ۔

دوسری طرف یہ دیکھیے کہ کبار مؤرخین کے بیان اور مخصوص ادبیہ سے واضح ہوتا ہے کہ امام علی رضا رشید کی قبر کے پاس جداگانہ قبر

---

۱ - ملاحظہ ہو کتاب ''عقیدۃ الشیعہ'' ، صفحہ ۱۸۵ -

مؤلف نے کتاب عیون اخبار الرضا (صفحہ ۵۹) سے نقل کیا ہے -

''امام علی رضا کی میت قحطبہ بن طائی کے محل میں لائی گئی اور ہارون رشید کی قبر میں دفن کر دی گئی ۔''

میں دفن کیے گئے - دعبل الخزاعی جس نے ہارون اور امام صاحب کا زمانہ دیکھا ہے اس نے امام صاحب کے مرثیے اور رشید کی ہجو کہی ہے ، ایک قصیدے میں طوس کی دو قبروں کا ذکر کیا ہے ، ایک خیرالناس (امام علی رضا) کی ہے اور دوسری بدترین خلائق (رشید) کی -

نو بختی نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں لکھا ہے :

"امام علی رضا قصر حطبہ بن طائی میں ہارون رشید کی قبر کے 'پاس' دفن کیے گئے[1]" -

اسی طرح مؤرخ ابن کثیر نے لکھا ہے :

"مامون نے امام علی رضا کی نماز جنازہ پڑھائی[2] ! اور انہیں اپنے باپ رشید کی قبر کے 'قریب' دفن کیا - اسی طرح طبری[3] اور ابن اثیر کی روایت بھی ہے[4] " -

معجم البلدان کی روایت ہے :

"سنا باذ طوس کے قریب ایک قریہ ہے ، جہاں امام علی رضا کی قبر اور امیرالمؤمنین ہارون رشید کی قبر ہے[5]" !

ابن خلکان کی روایت ہے :

"امام علی رضا کی وفات طوس میں ہوئی ، مامون نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باپ ہارون رشید کی قبر سے بالکل متصل انہیں دفن کیا[6]" -

"بالکل متصل" سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کی قبر الگ تھی -

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں قبریں پاس پاس تھیں اور ایک ہی قبے کے نیچے جس پر بڑے بڑے تاریخی حادثے گزر چکے ہیں -

---

۱ - فرق الشیعہ ، صفحہ ۸٦ -

۲ - البدایہ و النہایہ ، جلد ۴ ، صفحہ ۲۴۹ -

۳ - الطبری ، واقعات ۲۰۳ھ -

۴ - ابن الاثیر ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۱۹ -

۵ - معجم البلدان : مادہ 'سنا باذ' -

٦ - ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۲ -

چوتھی صدی ہجری میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقبرے کو جس میں دونوں قبریں تھیں ، اونچی اونچی دیواریں احاطہ کیے ہوئے تھیں ۔ ابن حوقل اور مقدسی نے یہاں ایک مشہد کا ذکر بھی کیا ہے ، جہاں لوگ جوق در جوق آیا کرتے تھے ۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ امیر فائق عمید الدولہ کے حکم سے یہ مسجد امام رضا کی قبر کے پاس تعمیر کی گئی تھی جو خراسان بھر میں سب سے زیادہ خوبصورت مسجد تھی اور ہارون رشید کی قبر امام صاحب کی قبر کے قریب ہی تھی ۔ لیکن یہ حسین و جمیل عمارت ، اتمام و تکمیل کے کچھ مدت بعد امیر سبکتگین کے حکم سے شیعہ دشمنی کے باعث منہدم کر دی گئی ۔ کئی سال تک یہ مقام یوں ہی رہا ، کسی میں یارا نہ تھا کہ ادھر سے خوف و دہشت کے باعث گزر سکتا ۔

پھر سلطان محمود بن سبکتگین نے مشہد امام رضا کی تعمیر کا حکم دیا اور یہاں نہایت مضبوط و مستحکم اور شاندار عمارت بن گئی ، جس پر ایک بلند و بالا قبہ بھی تھا ، حاکم نیشا پوری کی نگرانی میں یہ کام انجام کو پہنچا ۔

لیکن کچھ ہی مدت کے بعد ترکی قبائل اور رہزنوں کے ہاتھوں پھر یہ خرابہ بن گئی[1] ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ مکمل طور پر اسے منہدم کیا گیا تھا ، کیونکہ موجودہ عمارت میں قدیم عمارت کا کوئی کتبہ نہیں پایا جاتا[2] ۔

چھٹی صدی ہجری کے شروع میں ابو طاہر قمی نے سلطان سنجر سلجوق کے عہد میں اپنے صرف سے عمارت از سر نو بنوائی ۔ یہ عمارت تقریباً سو سال تک قائم رہی ۔ یہاں تک کہ اس کا بڑا حصہ مغلوں نے طوس کو تباہ کرنے کے بعد تاراج کر دیا اور امام علی رضا اور ہارون رشید کی قبروں کا سارا ساز و سامان لوٹ لے گئے[3] ۔

---

۱ ۔ مطلع الشمس از مرزا محمد حسن خان ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۹ ۔
۲ ۔ تاریخ ایران ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۳۵ ۔
۳ ۔ عقیدۃ الشیعہ ، صفحہ ۸۰ ۔

مغلوں میں سب سے پہلے جس نے شیعہ مذہب اختیار کیا وہ محمد بن ابی الراتیو تھا ، اس نے اپنے عہد میں امام علی رضا کا مقبرہ پھر سے تعمیر کرایا ۔

ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری میں تجدید عمارت کے چند سال بعد زیارت کی تھی ، اس نے مشہد کو ایک اچھا خاصا شہر بتایا ہے ، جہاں پھلوں کی کثرت تھی اور مشہد پر ایک عظیم قبہ کا بھی ذکر کیا ہے ، اس قبے پر چاندی کی معلق قندیلیں تھیں ، وہ کہتا ہے :

''امام علی رضا کی قبر کے پاس ہی ہارون رشید کی قبر ہے ، یہاں اونچے اونچے طاقچے ہیں ، جن میں شمع دان رکھے ہوئے ہیں ، کوئی شیعہ جب آتا ہے تو رشید کی قبر پر پاؤں سے ٹھوکر لگاتا ہے اور امام علی رضا پر سلام بھیجتا ہے[1] !''

تیمور لنگ کے زمانے میں مغلوں نے طوس پر پھر غارت گری کی ، جس سے مشہد کو کافی نقصان پہنچا ۔ لیکن شاہ رخ ابن تیمور لنگ نے اسے پھر سے ٹھیک کر دیا ، اس کے زمانے میں قریہ سنا باذ بہت زیادہ آباد ہؤا اور 'مشہد مقدس' کے نام سے مشہور ہؤا ۔

شاہ سلیمان اول کے زمانے میں زلزلے سے اس کی بنیاد شق ہو گئی ، لیکن اس نے دوبارہ اسے درست کرا دیا اور قبے کو سونے کے پتروں سے جن کی تعداد تین ہزار تھی مڑھ دیا[2] ۔ بعد ازاں شاہ عباس کے زمانے میں اس کی تزئین کی طرف مزید اہتمام سے توجہ کی گئی ، اس کے بعد نادر شاہ اور شاہان قاچار کے زمانے میں برابر قیمتی اور خیرہ کن اضافے ہوتے رہے ۔

۱۹۱۱ء میں روسی ترک تازیوں کا یہ مقام شکار بنا ، روسی رہزنوں اور قزاقوں کی ایک جماعت ٹوٹ پڑی ، اس نے تمام قیمتی چیزیں لوٹ لیں اور حکومت سے آمادۂ فساد ہوگئی ۔ ایران کی حکومت حد درجہ کمزور تھی ، اس کی کوشش کارگر نہیں ہوئی ، بلکہ ان لوگوں نے شہر کے باہر توپیں نصب کر لیں اور گولہ باری شروع کر دی ، جس سے چند منٹ

---

۱ ۔ رحلتہ ابن بطوطہ ، فصل ۱۲ ، صفحہ ۹۰ ۔

۲ ۔ عقیدۃ الشعیہ ، صفحہ ۱۸۳ ۔

کے اندر قبہ اور عمارت کا معقول حصہ مٹی کا ڈھیر بن گیا ۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد پھر اسے پہلی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ۔

ڈوانلڈ ایم رونالڈس نے مشہد مقدس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''مقبرے کی کھڑکی مربع ہے ، جس کا طول چونتیس قدم ہے ۔ اس کے اوپر طلائی قبہ ہے ۔ جو بیاسی قدم کی بلندی پر ہے ۔ ہارون رشید کی قبر کا صرف ایک کھمبا غرفے کے زاویے سے نظر آتا ہے جو امام صاحب کی قبر سے بالکل قریب ہے ، گزشتہ زمانے میں جس طرح خلیفہ متوفی ـــ ہارون رشید ـــ پر لعنت بھیجی جاتی تھی ، اس کا سلسلہ اب بند ہوگیا ہے !''

پھر امام علی رضا کی قبر کا حال بیان کرتا ہوا کہتا ہے :

''قبر پر تین دریچیاں ہیں ، جن میں فولاد کی چھڑیں لگی ہوئی ہیں ۔ قبر کے اوپر لکڑی کا ایک صندوق ہے ، جو سونے سے مڑھا ہوا ہے ، جس کی پہلی دریچی محیط ہے اس کے ارد گرد تانبے کی سلاخیں ہیں ۔ دوسری دریچی سونے اور جواہر سے مزین ہے اور تیسری فولاد کی ہے ، اس کے اوپر قرآن کی آیات نقش ہیں ۔ قبر کے اوپر خشبی چھت ہے ۔ جس پر سونے کا باریک کام کیا ہوا ہے ۔ اس کے نیچے طلائی معلقات ہیں جن میں جواہر جڑے ہوئے ہیں'' !

رشید کی قبر

بغداد واپس لانے کے اسباب و عوامل

ایک اہم تجویز

ہم قبروں کے پجاری نہیں ہیں ، لہذا اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ رشید کی خاک اس کے مدفن طوس سے جو فارسی مملکت میں واقع ہے ، منتقل کرکے اس کے پایہ تخت بغداد میں منتقل کر دی جائے ، تو یہ کوئی ناواجب یا نامعقول بات نہیں ہے - اس خاک کو کسی ایسے مقام پر محفوظ کر دیا جائے جو ہر اعتبار سے شایان شان ہو -

ہمارے اس زمانے میں جو قومیں ابھر رہی اور حیات نو سے بہرہ ور ہو رہی ہیں ، اپنے اکابر کے آثار و نقوش کو قائم اور باقی رکھنے میں فی الواقعی اہتمام کرتی ہیں - ان کے لیے خاص طور پر میوزیم تعمیر کیے جاتے ہیں جہاں انہیں سنبھال کر رکھا جاتا ہے ، ان کے یادگاری کتبے نصب کیے جاتے ہیں اور بڑے بڑے میدانوں میں ان کے مجسمے بنائے جاتے ہیں ، تاکہ یہ چیزیں آنے والی نسلوں کے لیے مجد و جمال کا اشارہ بن جائیں اور ان کے کارنامے باقی رہ جائیں اور خدمت انسانیت کے سلسلے میں نہوض و تقدم کی جانب ان سے رغبت اور میلان پیدا ہو اور طغیان و ظلم کے نفوذ سے آزادی کا جوش اور جذبہ موجزن ہو -

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہارون رشید کی شخصیت غیر معمولی طور پر عظیم و جلیل تھی - وہ ایک ایسے تاریخی دور کا رمز تھا جس میں عہد قدیم کی حضارت—حضارت عربیہ—ابھری اور چھا گئی ، وہ خلفا و ملوک میں ایک بزرگ ترین شخصیت کا حامل تھا ، جس نے علم کا احترام کیا اور اسے عام کیا ، فکر و ادب کی آبیاری کی اور

اسے ایک نیا مقام عطا کیا ، فن اور ذوق سلیم کو پروان چڑھایا اور ترقی دی ، وہ تمام کام کیے جن کی بنا پر بشریت صالحہ ممتاز قرار دی جا سکتی ہے ۔

اس جگہ ہمیں ان صفات کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے جن سے یہ شخص متصف تھا ۔ وہ عربوں اور مسلمانوں کی نگاہ میں پہلے بھی عزت و احترام کا مستحق تھا اور اب بھی ہے ، بلکہ اس پر عالم انسانیت نازاں ہے ۔ البتہ ہم یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ حق اور انصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آفاقی شہرت جو رشید کو حاصل ہے ، کافی سمجھ لی جائے اور شعرا عرب صرف اپنی نغمہ سرائی میں اس کا نام استعمال کر لیا کریں اور جب اجداد اور روشن ماضی کا ذکر آئے تو اس کے کارنامے پیش کر دیا کریں اور بغداد کو ''پایہ تخت ہارون رشید'' کے نام سے یاد کر لیا کریں ۔ جب کہ حالت یہ ہے کہ دیار غیر میں ایک معمولی سی قبر کے اندر اس کی خاک لوگوں کی ٹھوکروں کا نشانہ بن رہی ہو ، جیسا کہ مؤرخ ذوانٹ ، ایم رونالڈس وغیرہ کا بیان ہے[1] ۔

رشید نے جو کارنامے چھوڑے ہیں ، کیا یہی ان کا صلہ ہو سکتا ہے ۔ وہ عرب اور ملت اسلامیہ کا بہت بڑا شخص تھا ، دوسرے خلفا کے مقابلے میں اس نے کہیں زیادہ حج کیے ، جہاد کیا ، وہ شریف ترین انسان تھا ، جسے قومی ، ملی ، ذہنی اختلاف کے باوجود سب مانتے ہیں ۔ اس کے آثار و نقوش ، ملی خدمات ، تاریخی عظمت اور بیت نبوت سے قرابت اس دعوے کی دلیل ہے ۔

میں ابھی ایک طفل صغیر تھا اور مدرسے میں پڑھ رہا تھا کہ میری زبان ایسی نظموں سے آشنا ہو گئی ، جن میں رشید کے عہد و حضارت کا شاندار انداز میں ذکر تھا ۔ میں نہیں جانتا تھا ، یہ رشید کہاں ہے ، جس کا نام میں گاتا ہوں ۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا ۔ یہ بات بھی مجھے اس وقت معلوم ہوئی کہ دوسری قومیں اپنے بڑوں کی عظمت کس طرح

---

۱ ۔ کتاب عقیدۃ الشیعہ ، صفحہ ۱۸۷ ۔

اجاگر کرتی ہیں ۔ جب تک دنیا کے بڑے بڑے دارالحکومت نہیں دیکھ لیتے ، لیکن ان میں سے کوئی بھی مجھے رشید سے بڑا نظر نہیں آیا——اپنی حیات و آثار کے اعتبار سے !

رشید کی خاک کو بغداد منتقل کرنے کا خیال مجھے دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں (۱۹۴۱ع) میں آیا ، جب نپولین کے بیٹے کی خاک آسٹریا سے پیرس میں لا کر قابض جرمن حکومت کے ہاتھوں دفن کی گئی ، میں نے اس سلسلے میں عراق کی شخصیتوں اور ایران کے سیاست دانوں سے اس سلسلے پر گفتگو کی جس میں سیاسی و اجتماعی بہت سی رکاوٹیں نظر آئیں ۔ پھر میں نے جامعہ عربیہ سے آس لگائی ، لیکن کامیاب نہ ہو سکا ۔ آخر میں نے یہ کتاب تالیف کی کہ لوگ خواہ کسی ملک کے ہوں ، اسے پڑھیں اور شاید ان میں سے کسی کی وجہ سے وہ دن آ جائے کہ غریب الدیار کی خاک اس کے پایہ تخت میں دفن کر دی جائے ، تاکہ اس کی روح کو سکون ملے ، جسے زندگی بھر——اور مرنے کے بعد بھی——حوادث درماندہ ہی کرتے رہے ۔

اشاریہ

اشخاص

الف

ب

ت

ث

ج

ح

د

ذ

ر

ش

ص

ط

ع

غ

ف

ق

ن

و

ی

مقامات

الف

ب

بصری ۶۳۹
بصرہ ۲۳، ۳۹، ۶۱، ۶۲،
۱۵۶، ۳۰۸، ۴۲۸، ۴۵۷،
۴۷۸، ۵۲۹، ۵۵۳، ۵۷۷،
۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۳، ۵۹۴،
۵۹۵، ۶۶۳، ۷۵۶، ۷۶۲،
۷۹۷، ۸۷۴، ۹۱۰
بغداد (مدینۃ السلام) ۱۱، ۶۱،
۶۳، ۶۵ (تعمیر کی ابتدا ۱۴۵ھ
مطابق ۷۶۱ء) ۶۷، ۶۸، ۷۰،
(تاریخ تکمیل ۱۴۸ھ مطابق
۷۶۶ء) ۷۱، ۷۴، ۷۹، ۸۰،
۸۲، ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۹۵،
۹۶، ۹۷، ۱۰۸، ۱۱۳،
۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸،
۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴،
۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵،
۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۳،
۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۲،
۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۲،
۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۸، ۲۱۸،
۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۳۳، ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۴۴،
۲۴۶، ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۳،
۲۶۸، ۲۷۹، ۲۸۱ شہر کے
باشندوں، عمارتوں، باغوں اور
تہذیب و ثقافت کی تفصیل
۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵،
۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰،
۲۹۱، ۲۹۵، ۲۹۶ بغداد کے
عیسائیوں اور یہودیوں کے
حالات ۲۹۷، ۲۹۸ بغداد کے
غریبوں اور ناداروں کے حالات
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۵۸، ۳۸۱، ۳۸۵،
۳۸۶، ۳۹۷، ۴۱۰، ۴۲۸،
۴۳۳، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۴،
۴۵۰، ۴۵۷، ۴۶۶، ۴۷۱،
۴۸۵، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۴،
۵۲۴، ۵۲۹، ۵۵۲، ۵۵۷،
۵۶۱، ۵۶۶، ۵۷۳، ۵۸۲،
۵۸۵، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۲،
۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۹، ۶۰۲،
۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۰۹،
۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۷،
۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۲، ۶۳۶،
۶۳۷، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۲،
۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۹، ۶۵۵،
۶۵۷، ۶۵۸، ۶۷۷، ۶۹۱،
۶۹۵، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۱،
۷۳۴، ۷۴۰، ۷۵۲، ۷۵۳،
۷۶۰، ۷۶۲، ۷۶۶، ۷۶۸،
۷۷۲، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶،
۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۷، ۷۸۸،
۷۹۱، ۷۹۵، ۷۹۷، ۸۱۷،
۸۱۹، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴،
۸۲۵، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۳،
۸۳۵، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۶۷،
۸۶۸، ۸۸۱، ۸۸۴، ۸۸۵،
۸۸۷، ۸۸۸، ۸۹۰، ۸۹۱،

خ

د

ر

ز

س

ش

ص

ط

کتب حوالہ

الف

ش

ص

ض

ط

ع

ہارون الرشید



عبدالجبار الجومرد

رئیس احمد جعفری